نگہت عبداللہ

امی کچن ہی سے ایک ایک چیز ختم ہونے کا باقاعدہ اعلان کر رہی تھیں اور وہ لیونگ وارڈ روب میں سر دیئے کھڑی تھی اس لیے سمجھ نہیں سکی کہ امی کیا کہہ رہی ہیں۔ جب کپڑے نکال کر پلٹی تو رابعہ کو دیکھ کر بولی۔

"امی شاید تمہیں بلا رہی ہیں۔"

"جی نہیں' آج بلانے کا نہیں دھتکارنے کا دن ہے۔" رابعہ نے ناک سکیڑ کر کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب آج مہینے کی آخری تاریخ ہے۔" رابعہ نے زور دے کر کہا۔

اور اس نے سمجھ کر ذرا سی بھنویں اچکائیں پھر ہاتھ میں پکڑا سوٹ رابعہ کے سامنے پھیلا کر پوچھنے لگی۔

"دیکھو یہ کل کیلئے ٹھیک رہے گا؟"

"کل کیا ہے؟" رابعہ نے سوٹ پر نظر ڈال کر اسے دیکھا۔

"کل پہلی تاریخ ہے اور میں آفس جاؤں گی۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ارے میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم برسرِ روزگار ہو گئی ہو۔" رابعہ نے کہتے ہوئے اس کے سوٹ کو تنقیدی نظروں سے دیکھا پھر عادت کے مطابق ناک سکیڑ کر بولی۔ "ٹھیک ہے چل جائے گا۔ آفس ہی تو جانا ہے تمہیں۔"

"جناب! بہت شاندار آفس ہے۔ کیا سمجھیں آپ؟" اس نے یوں گردن اکڑائی جیسے اس کا ذاتی آفس ہو۔ تب ہی سوہنی دروازے سے جھانک کر بولی۔

"باجی! آپی! آپ دونوں کو امی بلا رہی ہیں۔"

"میں نہیں آ رہی۔" رابعہ نے صاف جواب دے کر پیر پسار لئے۔

"آپ بھی نہیں آ رہیں؟" سوہنی نے اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

"کیوں نہیں آ رہی' چلو۔"

"ہاں جاؤ خالی کنستر دیکھو۔ آٹا نہیں ہے' گھی نہیں ہے' سب سمجھتی ہوں' امی کی چالیں۔ ہمیں

بے وقوف بناتی ہیں۔ پتا نہیں کیا کریں گی اتنا جوڑ جوڑ کر۔" رابعہ تنفر سے بولے جا رہی تھی۔

"تمہاری شادی۔" وہ کہہ کر فوراً کمرے سے نکل آئی تھی۔

یہ گھر اعزاز احمد کا تھا' جن کی پانچ اولادیں تھیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں۔ سب سے بڑے سلمان احمد جنہوں نے ایم کام کیا تھا اور قسمت اچھی تھی کہ بینک میں جاب بھی مل گئی تھی۔ ان کے بعد رابعہ تھی جسے اللہ نے شاید فرصت میں بنایا تھا۔ خوب صورت ناک نقشہ' شہابی رنگت' دلکش سراپا۔ حقیقتاً دیکھنے والے چند لمحے پلکیں جھپکنا بھول جاتے تھے اور اسی بات نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اپنے آگے کسی کو گردانتی ہی نہیں تھی۔ بی اے کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ چکی تھی۔ امی' ابو اور وہ خود بھی چاہتی تھی کہ اس کی شادی ہو جائے رشتوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ خاندان کے علاوہ باہر کے بھی بہت اچھے رشتے موجود تھے۔ لیکن رابعہ کو کوئی پسند ہی نہیں آتا تھا۔ ہر آنے والے رشتے میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر ریجیکٹ کر رہی تھی۔ اس میں کچھ امی کی بھی غلطی تھی جنہیں اپنی بیٹی کے حسن پر بڑا ناز تھا اور وہ ہر ایک کے بارے میں یہ کہتی تھیں کہ "ہے تو اچھا لیکن رابعہ کے ساتھ نہیں سجے گا۔" اور اس بات سے رابعہ اور بدک جاتی تھی۔

بہرحال اس کے بعد یعنی تیسرے نمبر پر وہ تھی فائقہ' جو اچھی خاصی خوب صورت لڑکی تھی۔ اپنی سہیلیوں کے درمیان نمایاں نظر آتی لیکن جہاں رابعہ ساتھ ہوتی وہاں وہ نظر انداز ہو جاتی تھی اور اسے اس بات کا کوئی کمپلیکس نہیں تھا نہ ہی وہ کبھی رابعہ سے جیلس ہوئی البتہ اس کی کچھ عادتیں ضرور اسے بری لگتی تھیں۔ لیکن ٹوکتی نہیں تھی کیونکہ ایک تو اس سے چھوٹی تھی دوسرے رابعہ میں برداشت کا مادہ بالکل نہیں تھا۔ اپنی کسی بات کو غلط تو سن ہی نہیں سکتی تھی۔ مزید امی بھی اس کی طرف داری کرنے لگتیں جب ہی وہ قصداً نظر انداز کر جاتی تھی۔ پھر اس کے بعد چوتھے نمبر پر عثمان تھا جو ابھی انٹر میں پڑھ رہا تھا اور سب سے چھوٹی سوہنی میٹرک میں تھی۔

اعزاز احمد انجینئر تھے اور سلمان احمد بھی کمانے والے ہو گئے تھے۔ یعنی گھر میں اچھی خاصی خوش حالی تھی' اس کے باوجود امی زیادہ تر تنگی کا رونا روتی تھیں۔ شاید بلکہ یقیناً بیٹیوں کی وجہ سے جن کیلئے وہ ہر مہینے کچھ رقم پس انداز کرتی تھیں اور کیونکہ ان کی شروع سے عادت تھی اس لئے اب بچے ان کے واویلا مچانے پر دھیان نہیں دیتے تھے۔ پھر بھی جب تک وہ ایک ایک کے سامنے مہنگائی کا رونا نہ روئیں انہیں چین نہیں آتا تھا۔ ابو انہیں ناشکری عورت کہتے تھے۔ بہرحال ابھی بھی انہوں نے پہلے کچن سے سب کو سنایا تھا اور جب کسی نے توجہ نہیں دی تو بجائے خاموشی اختیار کرنے کے ان دونوں کو بلا بھیجا تھا۔ رابعہ نے تو صاف منع کر دیا لیکن وہ اس خیال سے چلی آئی کہ شاید کوئی اور بات ہو۔ لیکن آگے وہی مسئلہ تھا۔ امی نے اسے دیکھتے ہی آمدنی کم خرچ زیادہ بولنا شروع کر دیا۔

وہ کچھ دیر چپ چاپ سنتی رہی پھر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ ہر گھر کا مسئلہ ہے امی! صرف ہمارا نہیں۔ ویسے ابو اور بھیا کی آمدنی اتنی کم تو نہیں ہے۔"

"ہاں لاکھوں کما لیتے ہیں دونوں' میں ہی پھوہڑ ہوں مجھے گھر چلانا نہیں آتا۔"

"اوفوہ' امی! میں نے یہ تو نہیں کہا۔ آپ پتا نہیں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں' خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں اگلے مہینے سے جب مجھے تنخواہ ملنے لگے گی تب تو گزارہ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا نا؟" اس نے ان کا غصہ کم کرنے کی خاطر فوراً آمدنی میں اضافے کا ذکر چھیڑ دیا۔

"پتا نہیں کیا ہوگا۔" امی نے ذرا اطمینان کا اظہار نہیں کیا' جس پر وہ جھنجھلا گئی لیکن بولی کچھ نہیں۔

"دیکھو عثمان کہاں ہے۔ اس سے کہو دال ہی لے آئے۔" قدرے توقف سے امی نے کہا تو اسے بھی جیسے موقع مل گیا۔ فوراً عثمان، عثمان! پکارتی ان کے پاس سے ہٹ گئی۔

☆......☆......☆

وہ ابھی اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی کہ بیگم آفندی کا بلاوا آ گیا۔ وہ فوراً اٹھ کر ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"مے آئی کم ان!" اس نے ادھ کھلے دروازے میں رک کر پوچھا اور اشارے سے جواب ملنے پر کمرے میں داخل ہو کر بولی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام بیٹھو۔" بیگم آفندی تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لے کر بولیں۔

"تھینک یو۔" وہ ان کی نظروں سے قدرے نروس ہو گئی تھی۔

"فائقہ اعزاز احمد! آج پہلے ہی دن تم لیٹ ہو گئیں۔" بیگم آفندی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو اس نے بے اختیار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"دو منٹ' شاید تمہارے نزدیک دو منٹ کی اہمیت نہ ہو' لیکن میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ کیونکہ وقت کی قدر کر کے ہی آج میں اس مقام پر پہنچی ہوں۔ اگر تم ترقی کرنا چاہتی ہو تو سب سے پہلے وقت کی قدر کرنا سیکھو' اوکے؟" بیگم آفندی کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا۔

"جی......"

"آج پہلے دن میں تمہاری اس کوتاہی کو معاف کر رہی ہوں' آئندہ خیال رکھنا۔ مجھے بار بار ٹوکنے یا سمجھانے کی عادت نہیں ہے اور نہ ہی میں سوچنے میں وقت ضائع کرتی ہوں' میری ہر گھڑی پہلے کی گھڑی ہوتی ہے انڈر اسٹینڈ۔"

"جی......"

"نو جی جی۔ سے (say) یس میڈیم!"

"یس میڈیم!" وہ ایک دم اٹینشن ہوگئی۔

"گڈ ناؤ یو کین گو۔" بیگم آفندی کے سپاٹ چہرے پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ نے جھب دکھلائی تھی۔

"تھینک یو میڈیم!" وہ اٹھ کر اپنی سیٹ پر آگئی اور سینے میں رکی سانس دھیرے دھیرے ہونٹوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے اس نے اطراف کا جائزہ لیا تو سب اپنے اپنے کام میں مصروف نظر آئے سوائے اس لڑکی کے جس کی ٹیبل اس کے قریب تھی اور وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ جیسے ویل کم کہہ رہی ہو جواباً اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا۔

"میرا نام فائقہ ہے۔"

"مجھے نادرہ کہتے ہیں۔ اب یہ مت کہہ دینا کہ نادرہ میری بہن کا نام ہے یا کزن پھوپھی یا چاچی۔" اس نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنسی۔

"نہیں میرے پورے خاندان میں ابھی تک تو کوئی نادرہ نہیں ہے۔"

"شکر ہے۔ تم پہلی لڑکی ہو جو یہ کہہ رہی ہو ورنہ اب تک جسے نام بتایا وہ یہی کہتا ہے۔ میری فلاں کا نام تو میری فلاں کا نام۔ بھئی ہے تو میں کیا کروں۔ ویسے مجھے تمہارے آنے کی بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہے۔"

اسے شاید خود ہی احساس ہوگیا تھا کہ وہ فضول بول رہی ہے جبھی ایک دم بات کا رخ موڑ دیا۔

"کیوں؟ میرا مطلب ہے بہت زیادہ خوشی کیوں؟"

"کیونکہ اتنے بہت سارے مردوں میں میں اکیلی لڑکی خود اپنے آپ کو احمق سی لگتی تھی۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی پھر پوچھنے لگی۔

"یہ تمہاری پہلی جاب ہے؟"

"ہاں، تم یہاں کب سے ہو؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"ایک سال ہونے والا ہے اور اب پلیز، تم اپنا منہ اُدھر کرلو کیونکہ میڈم بادری ادھر ہی آ رہی ہیں۔"

"میڈم بادری؟" وہ سمجھی نہیں اور جب بیگم آفندی کو دیکھا تو وہ دل میں نادرہ سے اختلاف کرنے لگی کہ اتنی گریس فل خاتون پر یہ نام بالکل سوٹ نہیں کر رہا تھا۔

اس شام وہ گھر آئی تو گو کہ بس کے طویل سفر نے تھکا دیا تھا، پھر بھی وہ بہت خوش تھی۔ جب ابو

نے جاب کے بارے میں پوچھا تو خوش ہو کر بتانے لگی۔

"میں بہت خوش ہوں! ابو جتنا شاندار آفس ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اچھا اس کے اندر کا ماحول ہے۔ ہماری باس میڈم ہیں آج پہلے ہی دن انہوں نے مجھے دو منٹ لیٹ ہونے پر لیکچر دیا۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کتنی پنکچوئل خاتون ہیں۔"

"اتنی بڑی فرم ایک خاتون چلا رہی ہیں؟" ابو نے تعجب سے پوچھا۔

"جی، ہیں بھی دھان پان سی لیکن بلا کا رعب ہے۔ ان کی غیر موجودگی میں بھی کوئی اپنے کام سے نہیں ہٹتا۔ سب اسی طرح مصروف رہتے ہیں، جیسے ان کی موجودگی میں۔ اگر انہیں اس ملک کی وزیراعظم بنا دیا جائے تو مجھے یقین ہے چند دنوں میں اس ملک کا نقشہ ہی بدل جائے گا۔" وہ بیگم آفندی سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو کر بول رہی تھی۔

"ملک کی فکر بعد میں، پہلے اپنی فکر کرو۔ کہیں تمہارا نقشہ نہ بدل جائے۔" رابعہ کہاں کسی کی تعریف سن سکتی تھی۔

"بالکل بدلے گا دیکھنا۔ چند دنوں میں، میں کتنی ایکٹو، کتنی اسمارٹ......"

"بس یہیں تک کافی ہے۔ تمہارے رعب میں کوئی نہیں آئے گا۔" رابعہ نے پھر ٹوکا تو وہ جھنجھلا گئی۔

"اُفوہ! مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی پر رعب جمانے کا۔ ابو آپ دیکھ رہے ہیں یہ مسلسل میری بات کاٹ رہی ہے۔"

"تم باتیں ہی ایسی فضول کر رہی ہو۔" رابعہ کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔

"ہاں بیٹا! اب کہو کیا کہہ رہی تھیں۔" ابو نے اسے متوجہ کر کے کہا لیکن اس کا موڈ آف ہو چکا تھا جب ہی روٹھے لہجے میں بولی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

☆......☆......☆

"آج شیری آ رہا ہے۔" بیگم آفندی نے فائل سے نظریں ہٹائے بغیر اپنے منیجر طاہر صاحب کو مطلع کیا۔

"اچھا" کیسا رہا ان کا ٹوور؟" طاہر صاحب نے شیری کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیشہ کی طرح اچھا اور کامیاب۔" بیگم آفندی نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے کی طرح لہجہ بھی سپاٹ تھا۔ جب ہی طاہر صاحب بس اسی قدر کہہ سکے۔

''ماشاءاللہ۔''

''اوکے۔'' بیگم آفندی فائل انہیں تھما کر بولیں۔ ''وائٹ ماربل کی سپلائی شروع کردیں اور بلیو اینڈ گرین کے لیے ٹینڈر جاری کردیں۔''

''بہت بہتر۔'' طاہر صاحب فائل لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اور ہاں میں اب گھر جا رہی ہوں۔ چار بجے آپ سب کی چھٹی کر کے آفس بند کر دیجئے گا۔''

بیگم آفندی اپنا پرس لے کر طاہر صاحب سے پہلے ہی آفس سے نکل آئیں۔

شیری کی فلائٹ چھ بجے تھی اور ابھی تین بھی نہیں بجے تھے۔ گھر آ کر انہوں نے سوچا وہ دو گھنٹے آرام سے سو سکتی ہیں اور اسی ارادے سے وہ لیٹی تھیں لیکن نیند آ کے نہیں رہی۔ شاید اس لئے کہ یہ ان کا معمول نہیں تھا۔ بس انتظار کی کوفت سے بچنے کی خاطر وہ سو جانا چاہتی تھیں لیکن انتظار ہی نصیب تھا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر بیل کا بٹن پش کیا اور ملازم کے آنے پر اسے چائے کا کہہ کر بیڈ کارنر سے میگزین اٹھا کر دیکھنے لگیں۔ معا فون کی بیل نے ان کی توجہ کھینچ لی۔ میگزین رکھ کر انہوں نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو......!''

''السلام علیکم بیگم صاحبہ! کہیے کیسے مزاج ہیں؟'' دوسری طرف ان کے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی تھے جن کی آواز سنتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیں۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ سنائیں۔''

''اللہ کا فضل ہے۔ آج شیری آ رہا ہے نا۔'' ابرار قریشی نے کہا تو وہ اطمینان بھرا سانس لے کر بولیں۔

''ہاں اسی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہی ہوں۔ دعا کریں ابرار صاحب میری زندگی کی آخری سانسوں تک یہ سلسلہ جاری رہے' وہ ہمیشہ صحت یاب رہے۔''

''انشاءاللہ' آپ بیگم صاحبہ اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں۔''

''سوچتی ہوں بلکہ چاہتی ہوں لیکن شیری نہیں مانتا۔'' بیگم آفندی کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی جیسے اس معاملے میں وہ بہت مجبور ہوں۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے بات کروں۔'' ابرار قریشی نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

''ضرور ضرور ابرار صاحب! اگر آپ اسے قائل کر لیں تو میں تمام عمر آپ کی احسان مند رہوں گی۔''

''ارے نہیں بیگم صاحبہ! یہ کوئی احسان والی بات نہیں ہے۔ جیلانی صاحب میرے بہت اچھے

دوست تھے اور اسی دوستی کے ناتے میں چاہتا ہوں کہ آپ کا گھر شیری کے بچوں سے آباد رہے۔'' ابرار صاحب نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

''آمین!''

''بس آپ فکر نہ کریں میں پوری کوشش کروں گا۔ آج تو شیری آ رہا ہے' دو چار دن آرام کر لے پھر میں آپ کی طرف آؤں گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' بیگم آفندی نے الوداعی کلمات کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا پھر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بڑبڑائیں۔

''خدا کرے شیری مان جائے۔'' اس کے ساتھ ہی ان کی نظروں میں وہ ساری لڑکیاں گھومنے لگیں جو شیری کی دوست تھیں اور وہ کبھی زنیرا کے ساتھ شیری کو سوچیں کبھی ثنا شا اور کبھی عروبہ کے ساتھ۔ انہیں وہ تینوں ہی بہت اچھی لگ رہی تھیں لیکن شادی تو ایک ہی سے ہو سکتی تھی اور ایک کا انتخاب شیری پر چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کیونکہ ان کی تیاری میں بھی کچھ وقت لگنا تھا اس کے بعد انہوں نے شیری کو ریسیو کرنے جانا تھا۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم۔'' اس نے ماموں جی کے گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کیا کیونکہ سامنے برآمدے میں مامی جی کھڑی تھیں اور اسماء تخت پوش کے نیچے سر دیئے جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اس کی آواز پر عجلت میں اٹھنے لگی کہ اس کا سر بڑے زور سے تخت پوش کے کنارے سے ٹکرایا تو وہ اور سے چیخی تھی۔

''یا اللہ خیر۔'' پھر بھاگ کر اس کا سر سہلاتے ہوئے بولی۔ ''اتنی تیزی دکھانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے پتا ہے تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔''

''نہ نہ اس خوش فہمی میں مت رہنا۔'' اسماء نے اپنے سر سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ ہنستی ہوئی مامی جی کی طرف گھوم گئی۔

''مامی جی! آپ کیسی ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ تم اکیلی آئی ہو کیا؟'' مامی جی نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

''جی مامی جی! اصل میں آفس جلدی بند ہو گیا تو میں ادھر چلی آئی۔'' اس نے بتایا تو مامی جی اس سے بولیں۔

''تم نوکری کرنے لگی ہو۔''

''جی نظام بھائی تو نہیں آئے ہوں گے ابھی۔'' اس نے مامی جی کے مزید سوالوں سے بچنے کی

خاطر عظام بھائی کا پوچھ لیا۔

"اتفاق سے وہ بھی آج جلدی آ گئے ہیں۔" اسماء نے بتایا تو وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

"اچھا کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"میں پہلے ان سے مل لوں' بہت دن ہو گئے انہیں دیکھے ہوئے۔"

"وہ کہہ کر رکی نہیں فوراً جا کر عظام کے دروازے پر دستک دے ڈالی اور جواب ملنے پر ذرا سا دروازہ کھول کر سر اندر کرتے ہوئے بولی۔

"السلام علیکم عظام بھائی!"

"وعلیکم السلام۔" ہمیشہ کی طرح بہت دھیمی آواز میں جواب آیا تھا۔

"میں اندر آ سکتی ہوں۔" اس نے پورا دروازہ کھول کر پوچھا تو اس بار انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ تو مجھے بیٹھنے کو نہیں کہیں گے۔ لہٰذا میں خود ہی بیٹھ جاتی ہوں۔" وہ موڑھا کھینچ کر بیٹھ گئی پھر انہیں دیکھا تو ہمیشہ کی طرح انہوں نے اپنا مخصوص جملہ بولنے میں دیر نہیں کی۔

"خیریت سے ہو؟"

"میں بالکل خیریت سے ہوں۔ آپ سنائیں۔"

"الحمدللہ اور گھر میں سب......"

"سب' سب بلکہ پورا محلہ خیریت سے ہے۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بہت تیزی سے بولی تو وہ بس ذرا سا مسکرا کر رہ گئے۔

"پتا ہے عظام بھائی! میں نے جاب کر لی ہے۔" قدرے توقف سے اس نے بہت شوق سے بتایا لیکن ادھر وہی اختصار تھا۔

"اچھا۔"

"بہت بڑی فرم ہے اور ہمارا آفس تو بہت ہی شاندار ہے۔"

"اچھا۔"

"سیلری بھی اچھی ہے۔"

"اچھا۔"

"کیا اچھا اچھا...... کوئی تبصرہ تو کریں' نہیں تو مبارکباد ہی دے دیں۔" وہ قصداً جھنجھلائی۔

"اللہ مبارک کرے۔" انہوں نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"شکریہ۔" پھر ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکا کر کہنے لگیں۔ "پتا نہیں کیوں عظام بھائی! مجھے آپ کے پاس آ کر بہت سکون ملتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے ساتھ بہت سی باتیں کروں۔ پتا نہیں وہ کون سی باتیں ہیں جو میں صرف آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔ شاید کبھی خود بخود میری ہونٹوں پر آ جائیں' ہے نا؟" آخر میں اس نے چونک کر ان سے تصدیق چاہی تو وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

"جاؤ دیکھو! اسماء نے چائے بنائی ہو گی۔"

"ہاہ!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر دروازے تک جا کر پلٹی تھی۔

"آپ انسانوں ہی سے نہیں اپنے آپ سے بھی بھاگ رہے ہیں عظام بھائی! اور مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے جب آپ بھاگتے بھاگتے تھک جائیں گے اور ہاں ایک بات اور سن لیجئے کہ میں آپ کے پاس آتے ہوئے جتنی خوش ہوتی ہوں۔ جاتے ہوئے اتنی ہی آزردہ اور یہ آزردگی بہت دنوں تک رہے گی۔ خدا حافظ۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

پھر مامی جی اور اسماء کے پاس وہ چائے پینے تک ہی بیٹھی' اس کے بعد گھر آئی تو...... پھر بھی روزانہ سے جلدی پہنچ گئی تھی۔

"کیا ہوا' جواب مل گیا نوکری سے؟" رابعہ نے چھوٹتے ہی کہا تو وہ سلگ گئی۔

"جی نہیں' آج میڈم نے چار بجے ہی آفس بند کروا دیا تھا۔" پھر امی کو دیکھ کر بولی۔ "میں ماموں جی کے ہاں چلی گئی تھی۔"

"وہاں کیا کرنے گئی تھیں۔" امی نے ترخ کر ٹوکا پھر بھی اس نے سچ بول دیا۔

"عظام بھائی سے ملنے۔"

"ملے۔" رابعہ نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں اتفاق سے وہ بھی آج جلدی آ گئے تھے۔" وہ مصلحتاً رابعہ کا تمسخرانہ انداز نظر انداز کر کے امی کے پاس بیٹھ گئی' لیکن رابعہ کو پھر بھی چین نہیں آیا' بالکل عظام کے انداز میں پوچھنے لگی۔

"خیریت سے ہیں عظام بھائی!"

"ہاں!" اس نے بے دھیانی میں اس قدر کہا پھر ایک دم چونک کر رابعہ کو دیکھا تو وہ زور سے ہنس پڑی۔

"بہت ہی بدتمیز ہو تم' کسی کو تو بخش دیا کرو۔" اسے غصہ آ گیا تھا۔

"تو میں کیا کہہ رہی ہوں؟ خیریت ہی تو پوچھ رہی ہوں عظام بھائی کی۔" رابعہ اور زیادہ ہنسی

ہوئی بولی تو وہ سر جھٹک کر امی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"امی! مامی جی بہت پوچھ رہی تھیں آپ کو۔"

"ہاں بس، وہیں بیٹھے بیٹھے پوچھتی رہے۔ آنے کی توفیق نہیں ہوتی اسے۔"

امی ہر ایک سے نالاں رہتی تھیں' اس لئے ان سے الجھنا فضول تھا وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کی اچانک آنکھ کھل گئی تھی۔ شاید کوئی خوب صورت خواب دیکھ رہا تھا' جب ہی دھڑکنوں میں خوشگوار احساس انگڑائیاں لے رہا تھا۔ کتنی دیر وہ اس احساس میں گھرا نیلگوں مدھم روشنی میں کمرے کی دیواروں کو تکتا رہا۔ پھر بھٹکتی ہوئی اس کی نظریں کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھنے لگیں۔ جہاں ہلکی ہلکی سپیدی نمودار ہو رہی تھی اور پورے آسمان پر فقط ایک صبح کا تارا پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ وہ اتنی جلدی کبھی نہیں اٹھتا تھا جب ہی فسوں خیز منظر نے اسے حیران کر دیا تھا۔

'کیا ہر صبح ایسی ہی حسین ہوتی ہے؟' اس نے سوچا اور بیڈ چھوڑ کر کھڑکی کے قریب آ کر پورے پردے کھینچے تو باد صبا کے نرم جھونکے سرگوشیاں کرتے چلے آئے تھے۔

"آہا!" وہ کھڑکی کی چوکھٹ پر کہنیاں ٹکا کر بچوں کی طرح کھلکھلانے لگا تھا۔

اور جب سورج کی کرنیں براہ راست اس کے چہرے کو چھونے لگیں' تب اس نے کھڑکی چھوڑی تھی کہ دروازہ ذرا سا کھول کر بیگم آفندی نے جھانکا اور اسے کھڑے دیکھ کر اندر آتے ہوئے تعجب سے بولیں۔

"شیری! تم اتنی جلدی کیسے اٹھ گئے؟"

"پتا نہیں ماما! بس اپنے آپ آنکھ کھل گئی۔ پھر میں نے دوبارہ سونے کی کوشش نہیں کی۔" وہ کہتا ہوا بیگم آفندی کے قریب آیا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا تو انہوں نے پوچھا۔

"چائے منگواؤں؟"

"نہیں ماما! پہلے میں شاور لوں گا پھر ہم ساتھ ناشتہ کریں گے اس کے بعد آفس۔"

"آفس نہیں بیٹا! ابھی کچھ دن تم ریسٹ کرو۔" انہوں نے کہا تو وہ اکتا کر بولا۔

"بہت ریسٹ کر چکا ہوں لندن میں اور کیا کیا ہے سوائے ریسٹ کے۔ یہاں بھی چار دن سے ایسے ہی پڑا ہوا ہوں۔ بور ہو گیا ہوں میں۔ اب پلیز مجھے کچھ کرنے دیں۔"

"سب کچھ تم ہی کو کرنا ہے بیٹا! میں بوڑھی عورت......"

"اونو ماما! آپ بوڑھی نہیں ہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگا۔ "بوڑھی عورت پتا ہے کیسی ہوتی ہے؟"

"کیسی؟"

"آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔" وہ انہیں اٹھا کر کھڑکی کے قریب لے گیا اور نیچے سرونٹ کوارٹر کی طرف اشارہ کیا جہاں مالی کی بوڑھی ماں اپنی چار سالہ پوتی کے سر میں کنگھی کر رہی تھی۔

"وہ ہے بوڑھی عورت۔ اس کے سارے بال سفید ہیں اور اسے ٹھیک سے نظر بھی نہیں آتا' ہاتھ میں اسٹک لے کر چلتی ہے کیا آپ ویسی ہیں۔ نہیں ناں پھر آپ بوڑھی کیسے ہو گئیں؟"

"اچھا بابا! میں نہیں ہوں بوڑھی۔ چلو اب تم شاور لے لو میں ناشتہ لگواتی ہوں۔" بیگم آفندی کہہ کر جانے لگیں کہ وہ انہیں روک کر پوچھنے لگا۔

"ایک منٹ ماما؟ وہ چھوٹی بچی کون ہے۔"

"مالی کی بیٹی اس بوڑھی عورت کی پوتی ہے کیوں؟" بیگم آفندی نے بتا کر پوچھا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

"ہمارے گھر میں بھی ایسی کوئی بچی تھی جب میں چھوٹا تھا۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔"

بیگم آفندی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹا کر بولیں۔

"نہیں بیٹا! ہمارے گھر میں تو کبھی کوئی بچی نہیں آئی۔"

"جب میں چھوٹا تھا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"تب بھی نہیں۔ چلو ورنہ میں آفس سے لیٹ ہو جاؤں گی۔" وہ بہت عجلت کا مظاہرہ کرتی کمرے سے نکل گئیں تو وہ کچھ دیر خود سے الجھتا رہا' پھر سر جھٹک کر واش روم کا رخ کیا۔

جب وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو بیگم آفندی ڈائننگ ٹیبل پر اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں اور جانے کیا سوچ رہی تھیں کہ اسے دیکھ کر بھی نہیں دیکھا جب اس نے چیئر کھینچی تب وہ چونکیں اور اس کے بیٹھتے ہی کہنے لگیں۔

"تم شاید عروبہ کی بات کر رہے تھے۔ وہ بہت بچپن سے یہاں آ رہی ہے نا۔" وہ شاید اب الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے موضوع ختم کر دیا پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

"میری غیر موجودگی میں کون کون آیا تھا ماما! میرے دوستوں میں؟"

"عروبہ آئی تھی ایک بار اور رامش تین چار بار آیا ہے۔ البتہ فون روزانہ کرتا تھا۔" "ماما میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔" "اچھا لڑکا ہے۔ جولی سا۔" بیگم آفندی نے رامش کی تعریف کی۔

"ہاں' مجھے لندن بھی فون کرتا تھا لیکن یہاں میں آیا ہوں تو اس نے فون کیا ہے نہ خود آیا

ہے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا پھر چائے کا آخری سپ لے کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"چلیں ماما؟ میں آپ کے ساتھ آفس چل رہا ہوں۔ پلیز منع نہیں کیجیے گا۔"

"اوکے بیٹا اوکے' چلو۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ باہر آ کر ان کا انتظار کرنے لگا' پھر جیسے ہی وہ آئیں اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی اور تمام راستہ ان سے بزنس کی باتیں کرتا رہا۔ جب آفس کے سامنے گاڑی رکی تب بیگم آفندی کہنے لگیں۔

"تم بہت اچھے بزنس مین ہو' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بزنس کو خود پر سوار کر لو۔ تمہیں بہت ریلیکس رہنے کی ضرورت ہے۔"

"مجھ سے زیادہ آپ کو۔"

وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا' پھر آفس میں داخل ہونے تک بیگم آفندی کے ساتھ رہا۔ اس کے بعد فوراً اپنے کمرے میں آ گیا' کیونکہ اسے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا جب سب کے سامنے بیگم آفندی اس سے بچوں جیسا سلوک کرتی تھیں۔ کتنی بار وہ ان سے اس بات پر الجھ چکا تھا' لیکن وہ شاید اس معاملے میں مجبور تھیں' آخر وہ خود ہی کوشش کرتا کہ آفس میں ان سے دور رہے۔

اس وقت بھی وہ ان سے کترا کر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا تھا کہ اس کی نظریں گلاس وال سے ادھر اس لڑکی پر جا ٹھہریں جو غالباً کسی پیپر کو تلاش کرتے ہوئے نہ صرف بوکھلا رہی تھی بلکہ پریشان بھی لگ رہی تھی۔ کبھی ادھر سے فائلیں اٹھا کر ان میں ڈھونڈتی کبھی اُدھر کی فائلوں میں دیکھتی اور شہریار آفندی کی دلچسپی اس لڑکی میں نہیں بلکہ اس کی بوکھلاہٹ میں تھی اور بہت محظوظ ہونے کے ساتھ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اپنی مطلوبہ چیز ملنے پر اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟ جب ہی وہ اسے دیکھے گیا۔ لیکن پھر اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کب لڑکی کی مطلوبہ چیز اس کے ہاتھ آئی اور اس کا کیا ردعمل ہوا' کیونکہ اس کا دھیان اس کی سرگرمی سے ہٹ کر اس کی ذات میں منتقل ہو چکا تھا' گو کہ وہ بہت حسین نہیں تھی لیکن کوئی بات اس میں ایسی ضرور تھی کہ وہ خود کو سرزنش کرنے کے باوجود بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"سنو مجھے شہریار آفندی کے ارادے خطرناک لگ رہے ہیں۔" لنچ ٹائم میں وہ نادرہ کے ساتھ کینٹین میں آ کر بیٹھی تھی کہ وہ شروع ہو گئی۔

"مسلسل تمہیں گھورے جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تمہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ کہیں تم اس کی بچھڑی ہوئی بہن تو نہیں ہو سوری بہن...... نہیں وہ کیا کہتا چاہیے۔"

"تمہارا سر۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "کون ہے یہ شہریار آفندی اور مجھے کیوں گھور رہا تھا۔"

"ہائیں! شہریار آفندی کو نہیں جانتیں میڈم باوری کا بیٹا صبح ان کے ساتھ ہی تو آیا تھا۔" نادرہ نے کہا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولی۔

"ہاں شاید میں نے دیکھا تھا' لیکن وہ مجھے کب گھور رہا تھا' میری ٹیبل پر تو وہ آیا بھی نہیں۔"

"مجھے بے وقوف مت بناؤ' تمہیں سب پتا ہے کیونکہ تمہاری ٹیبل اس کے روم کے بالکل سامنے ہے۔" نادرہ کو یقین تھا کہ وہ بن رہی ہے۔

"ایمان سے میں نے غور نہیں کیا۔ خیر ابھی چل کر دیکھتی ہوں بلکہ میں بھی اسے گھورنا شروع کروں گی۔" اس نے کہا تو نادرہ ہنستے ہوئے بولی۔

"پھر تو دھماکہ ہو جائے گا۔"

"بکو مت اور چلو جلدی کھانا ختم کرو' ٹائم بہت کم ہے۔ تمہیں پتا ہے میڈم باوری...... لاحول ولا ...... تم...... خدا کیلئے انہیں میڈم باوری مت کہا کرو مجھے بہت برا لگتا ہے۔" وہ اپنے منہ سے میڈم باوری نکلنے پر جھنجھلا گئی۔

"ابھی سے۔" نادرہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کچھ نہیں' کھانا کھاؤ۔" نادرہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی تو وہ کھانے کے ساتھ اسے گالیوں سے نوازتی رہی تھی۔

پھر جب دونوں اپنی ٹیبل پر آئیں تو اس نے بیٹھتے ہی سامنے دیکھا لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

"اے نادرہ!" اس نے فوراً نادرہ کو متوجہ کیا۔ "کہاں ہے وہ جو مجھے گھور رہا تھا۔"

"پتا نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے تم مجھے تنگ کر رہی تھیں۔"

"بالکل نہیں، وہ صبح موجود تھا۔"

"تو اب کہاں ہے؟"

"چلا گیا ہو گا۔ وہ ہماری طرح چھ بجے تک بیٹھنے کا پابند تو نہیں ہے۔ ویسے تم بڑی متجسس ہو رہی ہو خیر تو ہے۔" نادرہ پہلے زچ ہوئی پھر اسے چھیڑنے سے باز بھی نہیں آئی۔

"میں اس کیلئے متجسس نہیں ہو رہی بلکہ یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہاری بات میں کتنی سچائی ہے۔" اس نے قدرے چڑ کر کہا تو نادرہ فوراً بولی۔

"سو فیصد۔"

"مجھے تو ایک فیصد بھی نہیں لگتی۔"

وہ کہہ کر اپنے کام میں یوں مصروف ہوئی کہ پھر چھ بجے نادرہ کے ٹوکنے پر ہی اٹھی تھی اور جب اس کے ساتھ آفس سے نکلی تو اس کا دل چاہا کچھ دیر کیلئے ماموں جی کے ہاں چلی جائے ان کا گھر راستے میں پڑتا تھا لیکن پھر امی کی ناراضگی کا سوچ کر اس نے اپنی خواہش دبا لی اور چلتے چلتے رک کر نادرہ کو پکار کر پوچھنے لگی۔

"سنو نادرہ! تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔"

"ہائیں! یہ تمہیں راستے میں کیا ہوا ہے' اپنے محبوب کو دیکھ لیا ہے کیا؟" نادرہ نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تو وہ برا مانے بغیر بولی۔

"نہیں دیکھا تو نہیں خیال آیا ہے۔"

"ہیں...... کون ہے؟ کیسا ہے؟" نادرہ کے اشتیاق پر وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"جو بھی ہے' جیسا بھی ہے یہ سن لو کہ وہ میرا محبوب نہیں ہے بلکہ مجھے محبوب ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"تم نہیں سمجھو گی اور میں سمجھا نہیں سکوں گی' کیونکہ ابھی تک میں خود نہیں سمجھ پائی کہ وہ میرے لئے......"

وہ بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہوگئی کیونکہ اس کی نظروں کے عین سامنے سلمان بھیا کی بائیک رکی تھی اور وہ بہت حیران ہو کر ان کے پیچھے بیٹھی لڑکی کو دیکھنے لگی۔

نادرہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا پھر اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی۔

"کون ہے؟"

"ہیں!" وہ چونکی پھر مسکرا کر بولی۔ "میرے بھیا۔"

"بھیا...... تم انہیں دیکھ کر حیران پریشان کیوں ہوگئیں' ساتھ کون ہیں بھابی؟" نادرہ نے ٹوک کر پوچھا۔

"نہیں جب ہی تو حیران ہو رہی ہوں۔" اس نے سگنل گرین ہونے پر بھیا کو بائیک بھگاتے دیکھ کر کہا۔

"تمہارے بھیا شادی شدہ ہیں۔"

"نہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے میرا مطلب ہے پھر یہ حیرانی کی نہیں خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے لئے خود ہی لڑکی پسند کر لی ہے' ہے نا۔"

نادرہ نے تبصرے کے ساتھ تائید چاہی تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا پھر اپنے روٹ کی وین دیکھ کر بھاگ کر اس میں سوار ہوگئی اور گھر آنے تک بھیا کے ساتھ اس لڑکی کو سوچتی رہی کہ کون ہے؟ کیا واقعی بھیا اسے پسند کرتے ہیں یا ان کی کوئی کولیگ تھی جسے انہوں نے اخلاقاً لفٹ دے دی تھی وغیرہ وغیرہ بہرحال وہ جو بھی تھی وہ اس کے بارے میں متجسس ضرور ہوگئی تھی اور کیونکہ اس کی عادت تھی کہ کسی بھی بات کو سوچے سمجھے بغیر آگے بیان نہیں کرتی تھی اس لئے امی اور رابعہ کے سامنے اس نے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن رات میں جب سب کاموں سے فارغ ہوگئی تب اپنے تجسس سے مجبور ہو کر سلمان بھیا کے کمرے میں آگئی۔

"کیا کر رہے ہیں بھیا؟"

"سونے کی تیاری' کیوں تمہیں کوئی کام ہے۔" وہ جواب کے ساتھ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کام تو نہیں ایک بات پوچھنی ہے۔ اگر آپ سچ بتانے کا وعدہ کریں تو پوچھوں۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا' ہیں۔" سلمان نے اپنے بڑائی کا رعب جمایا۔

"وہ ایسا ہے کہ میں نے شام میں آپ کو ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا اور میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ کون تھی؟" اس نے قصداً ایسی بات کی جسے جھٹلایا نہ جا سکے اور سلمان ہٹپٹائے ضرور لیکن اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور قدرے رک کر کہنے لگے۔

"وہ راحیلہ تھی۔ میں خود تمہیں اس کے بارے میں بتانے والا تھا تاکہ تم امی سے کہہ سکو۔ میں راحیلہ کو پسند کرتا ہوں۔ اسی سے شادی کروں گا اور بہت جلد' جلدی میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ راحیلہ کیلئے اور رشتے موجود ہیں اگر یہاں سے دیر ہوئی تو اس کے والدین اس کی شادی کہیں اور کر دیں گے سمجھ رہی ہو نا؟"

"جی!" وہ جو ان کی باتیں سننے کے ساتھ کچھ اور بھی سوچنے لگی تھی اب پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے بھیا! لیکن امی کا آپ کو پتا ہے۔ وہ جلدی والا کام نہیں کریں گی۔"

"نہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں ہے مجھے راحیلہ ہی سے شادی کرنی ہے۔" سلمان کے لہجے میں اچانک تنفر سمٹ آیا تھا پھر ایک دم خود پر قابو پا کر کہنے لگے۔ "بہرحال تم امی تک بات پہنچا دو' آگے میں خود دیکھ لوں گا۔"

"جی......!" وہ مزید کچھ سننے کا ارادہ ترک کر کے فوراً ان کے کمرے سے نکل آئی کیونکہ ان

کے لہجے سے ڈر گئی تھی۔

اور جب اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو رابعہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

"کوئی جن نظر آ گیا ہے کیا؟"

"ہاں۔" وہ اپنے بیڈ پر ڈھے گئی اور رابعہ اسی تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

"کہاں ہے مجھے لے چلو شاید میرے حسن پر عاشق ہو جائے۔"

وہ رابعہ کی بات یکسر ان سنی کر کے سوچنے میں لگی تب رابعہ ایک دم سنجیدہ ہو کر اس کے پاس آ بیٹھی اور اس کا کندھا ہلا کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے پہلے ٹالنا چاہا پھر یہ بات امی تک پہنچانے کی ذمہ داری رابعہ کے سر ڈالنے کا سوچ کر کہنے لگی۔

"میں نے آج شام میں آفس سے آتے ہوئے سلمان بھیا کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھا تھا اور ابھی ان سے اس کے بارے میں پوچھنے گئی تو کہنے لگے۔ اس کا نام راحیلہ ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور بہت جلدی۔"

"ناممکن!" رابعہ نے فوراً کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"ناممکن تو خیر نہیں ہے' لیکن جتنی جلدی کا وہ کہہ رہے ہیں اس پر شاید امی اعتراض کریں۔"

"شاید نہیں یقیناً اعتراض کریں گی کیونکہ وہ پہلے میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" رابعہ نے قدرے تیز ہو کر کہا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر بولی۔

"میں جانتی ہوں' امی کی یہی ضد ہے۔"

"غلط تو نہیں ہے۔" رابعہ فوراً بولی تھی۔

"ہاں غلط تو نہیں ہے لیکن۔" وہ ایک دم خاموش ہوئی پھر بات بدل گئی۔ "اچھا سنو' تم صبح امی سے کہہ دینا پھر وہ خود ہی بھیا کو سمجھا لیں گی۔"

"صبح کیوں ابھی کہہ دیتی ہوں۔" رابعہ کے پیٹ میں بات رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اسے روکا اور اٹھ کر لائٹ آف کر دی تھی۔

☆......☆......☆

کل اس کی سوتے میں سے اچانک آنکھ کھل گئی تھی اور آج وہ خود اٹھ گیا تھا۔

وہی منظر تھا۔ پورے آسمان پر فقط ایک صبح کا تارا' جس کی جگمگاہٹ' مسکراہٹیں بکھیرتی لگ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر جیسے جواباً مسکرایا تھا پھر بیڈ چھوڑ کر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا اور بادِ صبا

کے نرم جھونکوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس وقت اسے زندگی بہت حسین لگ رہی تھی شاید اسی لئے اس کے اندر انوکھی خواہشات جنم لینے لگی تھیں۔

کاش میں ہوا ہوتا' کبھی اس کے آنچل سے کھیلتا' کبھی بالوں سے

یا صبح کا تارا ہوتا تو اس کی راہوں کو جگمگاتا

اس کی نظروں میں وہ بوکھلائی ہوئی لڑکی آن سمائی تھی۔ جس کیلئے وہ جانے کیا کچھ سوچے جا رہا تھا کہ سورج کی کرنوں نے اس کے تصورات کی دنیا کو تہہ و بالا کر دیا تب وہ نہ صرف چونکا بلکہ آزردہ بھی ہو گیا تھا اور وہاں سے ہٹ کر دوبارہ اپنی جگہ پر لیٹا تو انتہائی مایوس سا ہو کر سوچنے لگا تھا۔

"دکھ یہ نہیں کہ زندگی کم ہے' سارے عذاب آگہی...... کے ہیں۔"

"ویسے اللہ کیوں دیتا ہے ایسی آگہی کہ ہر خواہش پنپنے سے پہلے ہی مار دینی پڑتی ہے۔"

"سب کچھ ہے میرے پاس' پھر بھی خالی ہاتھ ہوں۔"

"کسی کے دامن میں پھول نہیں بھر سکتا' نہ آنکھوں میں خواب سجا سکتا ہوں کہ ان خوابوں کی تعبیر بڑی بھیانک ہے۔"

"کون ہے جو صرف خوابوں پر یقین رکھے' تعبیر نہ مانگے۔"

"کوئی نہیں کوئی نہیں۔" اس نے بیڈ کی بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

کچھ دیر بعد بیگم آفندی نے دروازہ کھول کر اسے پکارا۔

"شیری!"

وہ ذرا سی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگا۔

"آج پھر تم جلدی اٹھ گئے۔" وہ اندر آتے ہوئے بولیں۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا بات ہے بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" بیگم آفندی متوحش ہو گئیں تو وہ قصداً مسکرایا۔

"میں ٹھیک ہوں ماما!"

"پھر اس طرح کیوں لیٹے ہو؟"

"لیجئے' بیٹھ جاتا ہوں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تو بیگم آفندی نے پہلے اسے چھو کر اپنا اطمینان کیا پھر پوچھنے لگیں۔

"آج تمہارا کیا پروگرام ہے آفس چلو گے؟"

"جانا تو چاہتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہیں......" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ ایک دم خاموش ہو

گیا۔

"ڈرتے ہو؟ کس سے؟" بیگم آفندی نے ٹوک کر پوچھا تو وہ بات بنا گیا۔

"وہ ماما! میں نے آج رامش کو ٹائم دیا ہے۔ اس کے پاس جاؤں گا اگر آپ کی اجازت ہو تو۔"

"ہاں میری اجازت کے بغیر تو جیسے تم کہیں جاتے نہیں ہو۔" بیگم آفندی نے پیار سے اس کے بال مٹھی میں لے کر اس کا سر ہلایا پھر کہنے لگیں۔

"اوکے' تم ضرور رامش کے پاس جاؤ اور دوپہر میں اگر موڈ بنے تو آفس آ جانا۔"

"ابھی تو میں سو رہا ہوں جب اٹھوں گا تب دیکھیں گے کیا موڈ بنتا ہے۔"

وہ کہہ کر لیٹ گیا تو بیگم آفندی نے پہلے کھڑکی کے پردے برابر کئے پھر کمرے سے نکل گئیں۔

اور اسے سونا نہیں تھا نہ ہی رامش کے پاس جانا تھا۔ بس تنہائی چاہتا تھا اور سارا دن وہ اپنی تنہائی سے باتیں کرتا رہا اور ایسا آج پہلی بار ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی اتنا مایوس نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لئے کہ پہلے کبھی دل میں انوکھی خواہشات نہیں جاگی تھیں۔ بہر حال جب دوپہر ڈھل گئی تھی تب ملازم نے آ کر ان کے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی کے آنے کی اطلاع دی تو اس نے انہیں بٹھانے کا کہہ کر واش روم کا رخ کیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تو ابرار قریشی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"آہا شیری۔" اس بار تو تم لندن سے بہت خوب صورت ہو کر آئے ہو۔"

"آپ کی محبت ہے انکل!" وہ بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔

"جیتے رہو، خوش رہو۔" ابرار قریشی نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی پھر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔ "آج آفس نہیں گئے؟"

"نہیں آج کچھ آرام کا موڈ تھا۔"

"اور بیگم صاحبہ کیسی ہیں؟"

"جی ماما بالکل ٹھیک ہیں۔"

"بالکل ٹھیک تو نہ کہو بیٹا! تمہاری طرف سے بہت فکر مند رہتی ہیں۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ سر جھکا کر بولا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں انکل! میرے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں بیٹا! تم ابھی بھی ان کیلئے بہت کچھ کر سکتے ہو۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ گردن موڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

"تمہاری ماما بہت حوصلہ مند خاتون ہیں لیکن اکیلی ہو کر وہ ٹوٹ جائیں گی۔ بہت کمزور ہو جائیں گی اور تم جانتے ہو اکیلی کمزور عورت کے ساتھ دنیا والے کیا سلوک کرتے ہیں۔" ابرار قریشی نے کہا تو اس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"میں جانتا ہوں انکل! لیکن پھر وہی بات کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم ان کے حوصلے کو جوان رکھنے کیلئے انہیں ایک مقصد دے سکتے ہو۔ اپنی اولاد کی صورت جس میں انہیں تم نظر آؤ گے اور وہ جیسے پھر سے تمہیں پروان چڑھائیں گی۔" ابرار قریشی بہت دھیرے دھیرے بول رہے تھے۔

"انکل پلیز یہ ناممکن ہے۔" اس نے بہت عاجزی سے ٹوکا۔

"کچھ ناممکن نہیں ہے بیٹا۔ بس تم ہامی بھرو سب ممکن ہو جائے گا۔ اپنی ماما کو اکیلا مت چھوڑو۔ ان کا خیال کرو کتنا چاہتی ہیں وہ تمہیں۔ کیا تم ان کیلئے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔" ابرار قریشی اسے نئی فکر میں دھکیل کر خود چائے پینے میں لگ گئے۔

وہ اندر ہی اندر اپنی بے بسی سے لڑنے لگا۔

"اوکے بیٹا! مجھے اجازت دو۔" ابرار قریشی چائے کا کپ خالی کرتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاید ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

وہ چونک کر اٹھا اور انہیں چھوڑنے باہر تک آیا تو پھر وہیں لان میں بیٹھ گیا۔ اس کے اندر ایک جنگ چھڑ گئی تھی۔ ذہن الگ منتشر تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کتنی دیر وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا تا کہ یکسوئی سے سوچ سکے۔ لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تب وہ بہت پریشان سا گاڑی لے کر شہر سے دور نکل گیا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی طرح سفر کرتا ہوا زمین کی آخری حدوں سے آگے نکل جائے اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ اسی جنون میں وہ گاڑی کی سپیڈ بڑھائے جا رہا تھا کہ معاً ماما کا خیال آ گیا کہ وہ اس کیلئے کتنی پریشان ہوں گی اور اس خیال کے ساتھ ہی اس نے گاڑی واپسی کیلئے موڑی تو اسے ایک اور جھٹکا لگا تھا۔

ابھی تو میں ماما کی پریشانی کے خیال سے لوٹ رہا ہوں اور جب میں نہیں لوٹ سکوں گا تب ماما کا کیا ہو گا۔

ماما اکیلی ہو جائیں گی۔ صدمے سے نڈھال' ٹوٹی ہوئی کمزور عورت' پھر وہ ظالم دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔

"نہیں' میں ماما کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" بس اچانک فیصلہ ہو گیا تھا تو پھر دھیرے دھیرے اس

کے اندر کی بے چینی کم ہوتی گئی اور گھر آنے تک وہ کافی حد تک پر سکون ہو چکا تھا۔

"شیری! کہاں چلے گئے تھے؟" بر آمدے میں ٹہلتی بیگم آفندی نے اس کے وہاں تک آنے کا انتظار نہیں کیا۔ لپک کر اس کی طرف آئی تھیں۔

"بس یونہی ڈرائیو پر نکل گیا تھا۔ آپ پریشان کیوں ہو جاتی ہیں ماما؟" وہ انہیں اپنے بازو کے حلقے میں لے کر بولا۔

"پریشان کیسے نہ ہوں۔ تم نے رامش کے پاس جانے کا کہا تھا۔ وہاں نہیں گئے، دوسرے دوستوں کے ہاں بھی معلوم کیا تم کہیں نہیں تھے۔ تمہارا موبائل بھی آف تھا۔"

"اب تو آپ کے سامنے ہوں ناں چلیں اندر چلیں۔" وہ اسی طرح انہیں اپنے ساتھ لگائے ہوئے اندر آیا تو بیگم آفندی اس کے بازو کے حلقے سے نکلتے ہوئے بولیں۔

"بہت تنگ کرنے لگے ہو تم مجھے۔"

"میں تنگ کرنے لگا ہوں اور جو مجھ سے زیادہ تنگ کرنے والا آئے گا تب کیا کریں گی۔" اس نے کہا تو بیگم آفندی کچھ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کون، کون آئے گا؟"

"آپ کا پوتا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"میرا پوتا! شیری تم۔" بیگم آفندی خوشی سے بوکھلا گئیں۔

"ہاں ماما! میں شادی کروں گا پھر تو آپ اکیلی نہیں ہوں گی نا۔" اس کے لہجے میں بلا کی سادگی تھی۔

بیگم آفندی کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"او ماما! آپ مجھے روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" شیری نے پھر ان کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بنا لیا۔

"میں رو نہیں رہی بیٹا!" بیگم آفندی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔ "تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے میں بہت خوش ہوں اور اب دیر نہیں کروں گی۔ کل ہی لڑکی....." وہ اچانک ایک خیال کے تحت خاموش ہوئیں پھر قدرے رک کر پوچھنے لگیں۔

"تمہیں کون پسند ہے؟"

"مجھے....." اسے جس کا خیال آیا وہ اسی میں کھو گیا تھا۔

"بتاؤ نا بیٹا! تا کہ میں کل ہی اس سے بات کر سکوں۔" بیگم آفندی نے اس کا بازو ہلا کر کہا تو وہ آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے آپ سے گویا ہوا۔

"نہیں اسے میں مسافتوں کے عذاب نہیں دے سکتا۔"

"کیا..... کیا کہہ رہے ہو؟" بیگم آفندی کو اس کی بڑبڑاہٹ سمجھ میں نہیں آئی۔

"ہاں!" وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ "کچھ کہا آپ نے؟"

"میں تم سے تمہاری پسند پوچھ رہی ہوں۔ کس سے شادی کرو گے؟"

"مجھے نہیں پتا ماما! میں نے کبھی کسی لڑکی کو اس نظر سے نہیں دیکھا' کیونکہ آج سے پہلے مجھے کبھی شادی کا خیال ہی نہیں آیا۔ ابھی بھی میں صرف آپ کی خاطر مجبور ہوا ہوں۔ آپ جسے چاہیں میری شریک حیات بنا دیں لیکن میری ایک شرط ہے۔" اس نے کہا تو بیگم آفندی کچھ ٹھٹک کر بولیں۔

"کیسی شرط؟"

"کوئی کڑی شرط نہیں ہے ماما! آپ پریشان نہ ہوں۔ بس میں چاہتا ہوں کہ جہاں آپ میرے لئے بات کریں' وہاں یہ ضرور بتا دیں کہ مجھے بلڈ کینسر ہے جس کی آخری سٹیج پر آ کر میں اپنی زندگی کا اختتام بخوبی دیکھ رہا ہوں۔"

اس زہریلے سچ کی تلخی اس کے لہجے میں تر آئی تھی۔

بیگم آفندی نے اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھ کر سر جھکایا پھر آہستہ سے بولیں۔

"یہ بتانا ضروری ہے کیا؟"

"ہاں ماما! اب جبکہ میں خود کو ابدی سفر کیلئے تیار کر چکا ہوں تو ممکن نہیں ہے کسی کو دھوکا دوں۔ میرے اس ناسور کے ساتھ جو مجھے قبول کرے وہی میری پسند ہو گی۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اپنے کمرے میں جاتے جاتے رک کر بولا تھا۔

"اچھا ہے نا ماما محبتوں کی آزمائش بھی ہو جائے گی۔"

بیگم آفندی جتنا شیری کے منہ سے شادی کا سن کر خوش ہوئی تھیں' اب اسی قدر پریشان تھیں کہ کون لڑکی کینسر کا سن کر بھی اس سے شادی پر آمادہ ہو گی۔ وہ جو اس کی دوست ہیں۔ عروبہ' زنیرا' ناشہ اور جو شاید اس سے محبت کا دعویٰ بھی کرتی ہیں انہیں بھی جب معلوم ہو گا کہ شیری کچھ وقت کا مہمان ہے تو..... وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھیں کہ عروبہ کی آواز پر چونک گئیں۔ شاید اس نے سلام کیا تھا اور اب پوچھ رہی تھی۔

"آنٹی! شیری ہے؟"

"ہاں..... نہیں آؤ بیٹھو۔" بیگم آفندی کا ذہن منتشر تھا۔

"آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں' آنٹی! کیا بات ہے۔" عروبہ نے بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"تم اتنے دنوں سے کہاں تھیں۔ شیری ہر روز تمہارا پوچھتا ہے۔" وہ اس کی بات گول کر گئیں۔

"ہیں...... ابھی پرسوں ہی تو میں اس سے ملی ہوں اور اس کے پروگرام کے مطابق آج ہمیں ڈنر پر جانا ہے۔ اس نے بتایا نہیں آپ کو۔" عروبہ نے حیرت کے اظہار کے ساتھ اپنا پروگرام بھی بتایا تو وہ قصداً بے نیازی سے بولیں۔

"بھول گیا ہوگا اور میرا خیال ہے ابھی بھی اسے یاد نہیں تھا جب ہی رامش کے ساتھ نکل گیا ہے۔"

"واٹ!" عروبہ چیخی۔ "یہ فاؤل ہے آنٹی! میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔"

"یہ تم دونوں کا آپس کا معاملہ ہے بیٹا! میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ٹھیک ہے جب میں اس کے بال نوچوں گی اور اس کے سینے پر خوب کے برساؤں گی تب بھی آپ کچھ نہیں کہیے گا۔ مائی گاڈ مجھے بلا کر خود چلا گیا۔ پروگرام بھی اسی نے بنایا تھا۔" عروبہ غصہ سے جھنجلا رہی تھی۔

"میں نے کہا نا بھول گیا ہوگا۔ تم دل چھوٹا نہیں کرو۔ چلو میں تمہیں لے چلتی ہوں کہاں جانے کا پروگرام تھا۔" بیگم آفندی نے اسے بچوں کی طرح بہلایا۔

"کہیں نہیں۔ میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ بسور کر بولی۔

"چلو تو پھر ہم یہیں چائے پیتے ہیں۔" بیگم آفندی نے ملازم کو بلا کر چائے کا کہا پھر صوفے کی بیک پر سر رکھتے ہوئے بظاہر اپنے آپ سے بولیں۔

"میں چاہتی ہوں اس سال شیری کی شادی ہو جائے۔"

"شیری کی شادی؟" عروبہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ "آنٹی! آپ اس کی شادی کر رہی ہیں۔"

"ہاں چاہتی تو ہوں لیکن۔" بیگم آفندی کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں...... تو اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"تمہیں شیری پسند ہے؟"

"جی۔" عروبہ کا جی بے تاثر تھا پھر بھی بیگم آفندی قصداً اسے اثبات کا رنگ دے کر بولیں۔

"وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔"

"رئیلی......!" عروبہ غیر یقینی سے بولی۔ "اس نے کبھی ایسی بات کی تو نہیں۔"

"وہ مجبور ہے بیٹا! اس لئے تم سے کچھ نہیں کہتا ورنہ سچ یہ ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ بے انتہا چاہتا ہے تمہیں۔" بیگم آفندی نے اس کی کھلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گویا اسے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔

"حیرت ہے مجھ سے تو وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ ہم صرف اچھے دوست ہیں اور بس۔" عروبہ نے کہا تو بیگم آفندی گہری سانس کھینچ کر بولیں۔

"ہاں اور کیا کہہ سکتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ ٹریجڈی نہ ہوتی تو وہ ضرور تم سے اپنی محبت کا اظہار کرتا۔"

"کک...... کیا ٹریجڈی ہوئی ہے آنٹی؟" عروبہ واقعی پریشان ہوگئی تھی۔

"نہیں سن سکو گی بیٹا! تم نہیں سن سکو گی۔" بیگم آفندی اپنے بازو پر پیشانی ٹکا کر رو پڑیں۔

"آنٹی! آنٹی! پلیز روئیں نہیں۔ مجھے بتائیں شیری کے ساتھ کیا ہوا ہے۔" عروبہ ان کا بازو ہلا کر منت سے بولی۔

"کینسر...... بلڈ کینسر ہے اسے۔" ان کے حلق سے گھٹی ہوئی آواز نکلی تھی اور عروبہ کا سچ مچ پورا وجود ہل گیا تھا۔

"کک...... کیا کہا آنٹی آپ نے۔ شیری کو بلڈ کینسر ہے؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا آپ کو یقیناً کسی نے غلط......"

"نہیں بیٹا! کسی نے غلط نہیں بتایا۔" بیگم آفندی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی کہنے لگیں۔ "گزشتہ چار سالوں سے میں اس اذیت ناک پل صراط پر تنہا کھڑی ہوں۔ اپنا دکھ کسی سے نہیں کہا۔"

"کیوں آنٹی کیوں! آپ نے مجھے اپنا نہیں سمجھا؟"

"نہیں نہیں بیٹا! تم تو میری اپنی بیٹی ہو۔" بیگم آفندی نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"پھر مجھے بتایا کیوں نہیں۔"

"کیسے بتاتی شیری نے اپنی قسم دے رکھی تھی کہ اس کی بیماری کا کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ اصل میں وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اس پر ترس کھائیں اور اسے یہ وہم بھی ہو گیا تھا کہ اس کے کینسر کا سن کر سب دوست اس سے منہ موڑ جائیں گے اور وہ ابھی سے تنہا ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے بہت چاہنے والوں سے بھی اس نے اپنی بیماری کو پوشیدہ رکھا۔ حالانکہ میں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ کوئی تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا تم بتاؤ۔ تم اسے چھوڑ سکتی ہو۔"

بیگم آفندی دکھ سے بولتے ہوئے اچانک اسے آزمائش میں ڈال گئی تھیں۔

عروبہ کی نظروں میں شہریار آفندی کا وجیہہ وشکیل سراپا آن سمایا اور وہ کچھ کھوسی گئی تھی۔

بیگم آفندی کچھ دیر کن انکھیوں سے عروبہ کو دیکھتی رہیں پھر اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں شیری کے سب دوست بہت اچھے ہیں۔ بہت محبت کرتے ہیں اس سے۔ الہا، ثانیہ، رامش اور سب سے زیادہ تم کیونکہ تمہارا اور اس کا بچپن کا ساتھ ہے۔ اپنے بچپن کے

ساتھی کو تم تنہا تو نہیں چھوڑ سکتیں۔ ہے نا بیٹا۔"

"جی۔" عروبہ کا جی اب بھی بے تاثر تھا اور بیگم آفندی پھر اسے اثبات کا رنگ دے کر بولیں۔

"تھینک یو بیٹا! یو آر سو لولی، سو کائنڈ۔" پھر اس کا گال چوم کر کہنے لگیں۔ "میں شیری کو بتاؤں گی تمہارے نرم دل میں اس کیلئے کتنی محبت ہے۔"

"جی، جی آنٹی! اور مجھے یقین ہے، میری محبت اسے کبھی نہیں مرنے دے گی۔ وہ زندہ رہے گا کینسر لاعلاج نہیں ہے آنٹی! وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔" عروبہ جیسے بے بس سی ہو کر بول رہی تھی۔

"ہاں تم نے ٹھیک کہا، تمہاری محبت اسے مرنے نہیں دے گی۔" بیگم آفندی نے اسے مزید اکسایا۔ "تم اس کے ساتھ رہو گی تو اس کے اندر زندہ رہنے کی امنگ جاگے گی، اور پھر وہ بیماری کیا موت کو بھی شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ہے نا؟"

"جی آنٹی! چلا کہاں گیا ہے شیری ابھی تک آیا نہیں۔" عروبہ نے تائید کے ساتھ گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں، رامش اسے کہاں لے گیا ہے۔" بیگم آفندی نے فوراً رامش کو الزام دے ڈالا جیسے وہ ہی زبردستی اسے لے گیا ہو۔

"میں اسے موبائل پر رنگ کرتی ہوں۔" عروبہ نے ایک دم خیال آنے پر اپنا پرس کھول کر موبائل نکالا تو بیگم آفندی کہنے لگیں۔

"شیری اپنے ساتھ موبائل نہیں رکھتا۔"

"اوہو۔" عروبہ نے موبائل دوبارہ پرس میں ڈالا پھر انہیں دیکھ کر بولی۔ "بہت دیر ہو گئی آنٹی! میں چلتی ہوں۔ شیری کو بتایئے گا میں نے کتنی دیر اس کا انتظار کیا ہے۔"

"ہاں بیٹا! اسے بہت افسوس ہو گا۔"

"او کے۔" عروبہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر جھک کر ان کے گال سے گال ملا کر بولی۔ "میں پھر آؤں گی۔"

"ضرور بیٹا ضرور...... شیری کو ہر پل تمہارا انتظار رہتا ہے۔"

"اب اسے انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ او کے خدا حافظ۔" عروبہ ہاتھ ہلاتی چلی گئی تو بیگم آفندی اٹھتے ہوئے بڑبڑائی تھیں۔

"اچھی لڑکی ہے شیری کیلئے ٹھیک ہی رہے گی۔"

❁❁❁

اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی امی کی آواز سن لی تھی۔ جب ہی پہلے کچن میں جھانک کر دیکھا، پھر برآمدے میں سوہنی کے پاس رک کر پوچھنے لگی۔

"امی کس پر خفا ہو رہی ہیں؟"

"سلمان بھیا پر۔" سوہنی کی شکل ایسی ہو رہی تھی جیسے ابھی رو دے گی۔

"اچھا تم کچن میں جاؤ اور رابعہ کہاں ہے؟" اس نے عجلت میں اندر جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

"وہ ماموں کے گھر گئی ہیں۔"

"ہائیں۔" وہ بے حد متعجب ہوئی۔ "خیریت...... رابعہ وہاں کیسے چلی گئی کوئی کام تھا یا مامی جی نے بلوایا تھا۔"

"پتا نہیں آپی! مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہے۔" سوہنی نے بے بسی سے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ قدرے تیز ہو کر بولی۔

"یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کس کے ساتھ گئی ہے۔"

"عثمان کے ساتھ۔" سوہنی جلدی سے کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"بے وقوف۔" اس نے سر جھٹکا پھر سلمان بھیا کے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو امی ناگواری سے اسے دیکھ کر بولیں۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"نہیں فائقہ! تم یہیں رکو اور ذرا امی کی باتیں سنو۔" سلمان نے فوراً اسے روک کر کہا۔

"ہاں، ہاں سنو میری باتیں اور پھر ساری دنیا کو سناؤ۔ انوکھا بول رہی ہوں نا میں۔" امی نے غصے سے کہا تو وہ موڑھا کھینچ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں امی! بھیا کا یہ مطلب تھوڑی ہے۔"

"اس کا جو بھی مطلب ہے۔ تم اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ میں رابعہ سے پہلے اس کی شادی نہیں کروں گی۔" امی قطعیت سے کہہ کر اٹھنے لگی تھیں کہ سلمان بول پڑے۔

"رابعہ کی شادی تو آپ کبھی نہیں کریں گی۔"

"ہائیں! یہ کیا بات کر رہے ہو تم۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ہر رشتے کو مایوس لوٹا دیتی ہیں اس لئے نا کہ آپ کو اس کی شادی کرنی ہی نہیں ہے اور اس کی وجہ سے باقی سب کو بھی آپ ایسے ہی بٹھائے رکھیں گی۔" سلمان نے تنفر سے کہا۔

"ہاں اب تم مجھے الزام دو۔ میں رشتے لوٹا دیتی ہوں۔ ارے کوئی ڈھنگ کا رشتہ آیا اب تک؟" امی سلمان کی بات پر بری طرح تلملائی تھیں۔

"کوئی بے ڈھنگا نہیں آیا۔ اپنے خاندان کے سارے اچھے رشتے ریجیکٹ کر دیے۔ آپ نے اور جو باہر سے آئے وہ بھی برے نہیں تھے۔ بہر حال میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ آپ نے رابعہ کیلئے کیا سوچ رکھا ہے۔ میں اس وقت اپنی بات کر رہا ہوں۔ مجھے راحیلہ سے شادی کرنی ہے اور اس کیلئے آپ کل ہی اس کے گھر جائیں گی۔" سلمان نے حتمی انداز میں اپنی بات ختم کی۔

"میں تو مر کر بھی نہیں جاؤں گی۔" امی کی اپنی ضد تھی۔ جوان بیٹے کے سامنے وہ ذرا نرم پڑنے کو تیار نہیں ہوئیں اور اٹھ کر چلی گئیں تو سلمان گہری سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

"بہت پچھتائیں گی۔"

"بھیا پلیز! آپ کچھ دن صبر کر لیں۔" وہ جو اب تک خاموش بیٹھی تھی منت سے بولی۔

"کوئی فائدہ نہیں امی اپنی ضد سے نہیں ہٹیں گی۔" سلمان نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"میں، میں منا لوں گی انہیں۔"

"کوشش کر دیکھو اور اس کیلئے میں تمہیں تین دن دے رہا ہوں اگر انہیں رام کر سکتی ہو تو کر لو۔" سلمان نے جیسے بادل نخواستہ اس کی بات رکھی تھی۔

"ٹھیک ہے میں انشاء اللہ انہیں منا لوں گی۔" اس نے کہا پھر ایک خیال کے تحت قدرے رک کر پوچھنے لگی۔

"بھیا! فرض کریں اگر امی نہ مانیں تو آپ کیا کریں گے۔"

"پتا نہیں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سلمان نے کہا تو وہ سمجھ گئی اسے ٹال رہے ہیں۔ جب ہی اٹھتے ہوئے بولی۔

"بہر حال آپ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ابو کو ضرور آگاہ کر دیجئے گا بلکہ میں تو کہوں گی آپ آج ہی ان سے بات کر لیں۔"

"مجھے بات کرنے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ بھی رابعہ رابعہ ہی کریں گے۔" سلمان کہتے

ہوئے لیٹ گئے تو وہ کچھ مایوس سی ہو کر ان کے کمرے سے نکل آئی لیکن اس کا دھیان ابھی بھی ان ہی کی طرف تھا۔ جب ہی امی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ کو بھیا سے اس طرح سختی سے اور دوٹوک بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ نرم لہجے میں سمجھاتیں تو وہ ضرور آپ کی بات کو اہمیت دیتے۔"

"ہاں اب تم مجھے سمجھاؤ۔ خبردار جو اس کی وکالت کی تو۔" امی اس پر بگڑ گئیں۔

"میں ان کی وکالت نہیں کر رہی امی! اور میری کیا مجال جو میں آپ کو سمجھاؤں۔ آپ ماشاء اللہ خود اتنی سمجھ دار ہیں۔ اتنا تو سوچ سکتی ہیں کہ بھیا گھر چھوڑ کر بھی جا سکتے ہیں۔" اس نے کسی بھی طرح سہی اپنا خدشہ بیان کر ڈالا جس پر امی کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"یہی دھمکی دی ہے اس نے تمہیں، ابھی آتے ہیں تمہارے ابو تو میں۔"

"اوفوہ امی! خدا کیلئے۔" اس نے گھبرا کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "بھیا نے ایسا کچھ نہیں کہا، میں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور بہت غلطی ہوئی مجھ سے معاف کر دیجئے۔"

"تم سب مل کر مجھے پاگل کر دو گے۔" امی منہ موڑ کر بڑبڑانے لگیں تو اس نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی، ساتھ یہ بھی طے کر لیا کہ مزید اس سلسلے میں کچھ نہیں کہے گی۔

'تین دن بعد بھیا گھر چھوڑیں یا کچھ بھی کریں۔ مجھے دوبارہ امی سے بات نہیں کرنی۔' وہ خود کو اقرار کرا رہی تھی کہ رابعہ کی آواز پر اچھل پڑی، اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا تھا۔

"خیریت سے ہو؟"

"ابھی تک تو خیریت سے ہوں۔" اس نے کہا تو رابعہ ہنستے ہوئے بولی۔

"یہ میں نہیں عظام بھائی پوچھ رہے تھے۔"

"اچھا ہاں۔ تم ماموں جی کے ہاں سے آ رہی ہو۔ کیسے ہیں سب لوگ۔" اس نے قصداً عظام کا نام نہیں لیا۔

"ٹھیک ہیں۔ تمہیں بہت پوچھ رہے تھے سب لوگ۔"

"ناممکن، تمہاری موجودگی میں میرا خیال کسی کو نہیں آتا۔" اس نے فراخ دلی سے رابعہ کے حسن کو سراہا تھا۔ جس پر وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"یہ تو ہے۔"

"ویسے تمہیں آج کیسے خیال آ گیا وہاں جانے کا۔"

"وہ مامی جی اتنا بلاتی ہیں، میں نے سوچا آج ہو آؤں۔ بے چاری بہت خوش ہو گئیں اور پتا ہے آنے بھی نہیں دے رہی تھیں۔ کچھ دن رکنے پر اصرار کر رہی تھیں۔" رابعہ نے یہاں بھی اپنی

اہمیت جتائی۔

"تو رک جاتیں۔"

"توبہ میں وہاں رہ سکتی ہوں۔ اتنے گھٹے ہوئے ماحول میں دو گھڑی بیٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے تو آج عظام بھائی سے کہہ دیا کہ وہ اپنے دروازے پر ق۔م لکھ دیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ ٹھنک کر بولی تھی۔

"کیوں وہ تمہیں قبلِ مسیح کے نہیں لگتے۔"

"جی نہیں' اتنے اسمارٹ' اتنے ہینڈسم ہیں عظام بھائی۔ تمہیں پتا نہیں کیوں ان سے خدا واسطے کا بیر ہے' جو ہر وقت ان کا مذاق اڑاتی رہتی ہو۔" اسے بہت برا لگا تھا اور اس سے پہلے کہ رابعہ مزید کچھ کہتی' وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

رات اس نے تنگ آکر سوچا تھا کہ وہ بھیا کے معاملے میں کچھ نہیں بولے گی' نہ ہی امی کو سمجھانے کی کوشش کرے گی اور امی کو سمجھانا واقعی اس کے بس میں نہیں تھا لیکن بھیا کے معاملے میں وہ زیادہ دیر پہلو تہی نہیں کر سکی۔

اسے مسلسل یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ پتا نہیں بھیا کیا کرنے والے ہیں گو کہ انہوں نے کوئی دھمکی نہیں دی تھی۔ لیکن ان کے تیور بتا رہے تھے کہ یا تو وہ گھر چھوڑ جائیں گے یا اس سے بڑا کوئی اقدام جس کے تصور سے وہ نہ صرف کانپ گئی' بلکہ اس کے چہرے سے پسینہ بھی پھوٹ پڑا تھا۔ جسے پہلے اس نے ہتھیلیوں سے تھپتھپایا پھر ٹشو پیپر سے چہرہ صاف کر رہی تھی کہ نادرہ اسے متوجہ کر کے بولی۔

"سنو اب تمہیں یقین آیا کہ میں نے سو فیصد سچ کہا تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ بالکل نہیں سمجھی۔

"بنومت۔ تمہاری یہ پریشانی' گھبراہٹ ظاہر کر رہی ہے کہ تم شہریار کی نظروں کو بری طرح محسوس کر رہی ہو۔" نادرہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو اس نے چونکنے کے ساتھ بے اختیار گردن سیدھی کر کے سامنے دیکھا تو شہریار آفندی اپنی ٹیبل پر پھیلی بڑی شیٹ پر جھکا نظر آیا اور جہاں اس کا زور زور سے دھڑکتا دل ٹھہر گیا وہاں نادرہ پر غصہ بھی آیا اور وہ اسے سنانے سے باز نہیں رہ سکی۔

"بہت ہی بدتمیز ہو تم' شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے بلکہ الزام لگاتے ہوئے۔ وہ اگر سن لے نا تو کھڑے کھڑے نکال باہر کرے گا تمہیں۔"

"بکومت میں نے کوئی الزام نہیں لگایا۔ اتنی دیر سے دیکھ رہی ہوں کہ وہ مسلسل تمہیں گھور رہا تھا اور تمہاری حالت بھی مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔" نادرہ نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

"میری حالت کو کیا ہوا ہے؟"

"گھبراہٹ' پسینہ۔"

"یا اللہ! اب میں تم سے کیا کہوں' پاگل لڑکی! میری اپنی پرابلمز ہیں اور میرا ذہن ان ہی میں الجھا ہوا ہے۔ جب ہی مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔" وہ عاجزی سے بولی تھی۔

نادرہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی' پھر جیسے اس کا یقین کر کے کہنے لگی۔

"سوری آئی ایم سوری فائقہ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ پلیز معاف کر دو اور بتاؤ' میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔"

"کچھ نہیں بس اتنی مہربانی کرو کہ مجھے تنگ مت کرو۔" اس کے لہجے میں ابھی بھی عاجزی تھی۔

"تم شاید ناراض ہو گئیں۔"

"بالکل نہیں' اپنا کام کرو اور مجھے بھی کام کرنے دو۔" اس نے کہہ کر اپنے سامنے فائل کھول لی۔ پھر کمپیوٹر آن کر کے اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کر دی۔

کچھ دیر وہ واقعی یکسوئی سے کام کرتی رہی' پھر اچانک اس کا دھیان ہٹ گیا اور اس بار اس کا ذہن اپنے گھر کے مسئلے میں نہیں الجھا تھا بلکہ اسے اپنے چہرے پر بے نام سی تپش کا احساس ہوا تھا جسے وہ اپنا وہم نہیں کہہ سکی تو بہت غیر محسوس طریقے سے ذرا سا سر اونچا کرتے ہی اس کی نظریں براہ راست شہریار آفندی کی نظروں سے جا ملی تھیں۔

"یا اللہ!" وہ فوراً سر جھکا کر اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو فائل کے صفحے پلٹنے لگی' پھر کچھ دیر رک کر اسی احتیاط سے سامنے دیکھا اور اسے موجود نہ پا کر اطمینان کا سانس لیا پھر نادرہ کو پکار کر بولی۔

"سنو' تم شاید ٹھیک کہہ رہی تھیں۔"

"کیا؟" نادرہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ سامنے اشارہ کر کے بولی۔

"وہ میں نے ابھی نوٹ کیا ہے وہ مجھے گھور رہا تھا۔"

"اچھا؟" نادرہ ہنسی۔ "پھر تم نے بھی اسے گھورا۔"

"نہیں۔ میں نے دیکھا تو وہ پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" اس نے کہا تو نادرہ افسوس کرنے لگی۔

"چ چ اسے جانا نہیں چاہئے تھا خیر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل آ جائے گا اور کل کوئی دور نہیں ہے۔"

"اف! تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔" وہ سر جھٹک کر فائلیں سمیٹنے لگی' کیونکہ چھ بجنے والے

تھے پھر جب تک اس نے کمپیوٹر بند کیا' نادرہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"چلو۔" وہ بیگ اٹھا کر آفس سے نکلی تو نادرہ ایک دم یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

"سنو اس روز تم نے اپنے بھیا سے پوچھا تھا اس لڑکی کے بارے میں جو اُن کے ساتھ تھی۔"

"ہاں' بھیا اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ میرا مطلب ہے لڑکی اچھی ہے تو فوراً شادی کر دو۔" نادرہ نے کہا تو وہ مایوس سی شکل بنا کر بولی۔

"فوراً شادی ہی تو ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"بس امی کی ضد ہے' پہلے رابعہ کی شادی کریں گی' جس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں اور بھیا اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ امی کو سمجھانا تو بہت مشکل ہے۔" وہ بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گئی پھر خوش ہو کر بولی۔

"ارے عظام بھائی' وہ امی کو سمجھا سکتے ہیں۔"

"یہ عظام بھائی کون ہیں؟" نادرہ نے پوچھا۔

"میرے ماموں زاد ہیں۔ امی ان کی بات مان لیتی ہیں' میرا خیال ہے مجھے ابھی ان ہی کے پاس جانا چاہئے۔ اللہ کرے وہ گھر پر ہی ہوں۔" وہ دور سے آتی بس کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ بولے جا رہی تھی۔

"او کے میں جا رہی ہوں۔" نادرہ اپنی ویگن دیکھ کر بھاگ کر اس میں سوار ہو گئی تو اس نے پلٹ کر اسے ہاتھ ہلایا پھر اپنی بس کی طرف بڑھ گئی۔

جب وہ ماموں جی کے گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے عظام سے سامنا ہونے پر وہ بہت خوش ہو کر بولی۔ "تھینک گاڈ' عظام بھائی! آپ مل گئے مجھے آپ سے بہت ضروری کام ہے۔"

"میں مغرب پڑھ کر آتا ہوں۔" عظام کہتے ہوئے باہر نکل گئے اور وہ وہیں سے اسماء، اسماء پکارنے لگی۔

"کچن میں آ جاؤ میں چاول پکا رہی ہوں۔" اسماء نے گویا آنے سے معذوری ظاہر کی تو اس نے پہلے کمرے میں جھانک کر مامی جی کو سلام کیا پھر کچن میں جاتے ہی پوچھنے لگی۔

"چاول کے ساتھ کیا بنایا ہے؟"

"دال اور اسٹو۔" اسماء نے بتایا تو وہ فوراً بولی۔

"ویری گڈ! پھر تو میں کھانا کھا کر جاؤں گی' چاہے کتنی دیر ہو جائے۔"

"کوئی دیر نہیں ہے۔ کھانا تیار ہے نکالوں؟"

"ارے نہیں۔ ابھی تو بھوک نہیں ہے ویسے اگر تم مجھے جلدی بھگانا چاہ رہی ہو تو۔"

"جی نہیں۔ میں تو چاہتی ہوں تم ہمیشہ کیلئے یہیں آ جاؤ۔" اسماء نے اس کی بات کاٹ کر سیدھے سادے انداز میں کہا تو وہ قدرے جھینپ گئی اور اس کے جھینپنے پر ہی اسماء چونکی تھی، پھر اپنی بات پر غور کر کے اس کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔

"کیا خیال ہے' عظام بھائی سے بات کروں تمہارے لئے وہ منع نہیں کریں گے۔"

"اس کا مطلب ہے' پہلے کسی کو منع کر چکے ہیں۔" اس نے فوراً اسماء کی بات پکڑی۔

"ہاں! تمہیں نہیں معلوم۔ پھوپھو نے رابعہ کیلئے کہلوایا تھا لیکن عظام بھائی مان کے نہیں دیئے۔" اسماء نے اس کی لاعلمی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بتایا تو وہ اپنی جگہ بے حد حیران ہو گئی۔

"امی نے کہلوایا تھا رابعہ کیلئے۔" وہ یقین کر بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔

"تمہیں نہیں پتا' کہاں رہتی ہو تم۔"

"نہیں ہاں' وہ امی نے شاید ذکر کیا تو تھا۔ میں بھول گئی۔" اس نے بمشکل بات بنائی۔ کیونکہ وہ اچانک اپنی نظروں میں انتہائی بے وقعت سی ہو کر رہ گئی تھی۔ یعنی اتنی اہم بات اور اس سے چھپائی گئی اسے لگا جیسے وہ دوبارہ کبھی اتنے مان اور اعتماد سے اس گھر میں نہیں آ سکے گی۔

"ارے کیا سوچنے لگیں۔" اسماء اس کا کندھا ہلا کر پوچھنے لگی۔ "پھر بات کروں عظام بھائی سے۔"

"کیا بات۔" اس نے اپنے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو بمشکل دبا کر اسماء کو دیکھا تو وہ شرارت سے بولی۔

"تمہیں ہمیشہ کیلئے اس گھر میں لانے والی بات۔"

"جی نہیں چھوڑو میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔" اس نے صاف منع کر دیا۔

"کیوں؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی اور پلیز' اب تم اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا۔ میں جا رہی ہوں۔ عظام بھائی آئیں تو ان سے کہنا......" وہ جلدی جلدی بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہو گئی کیونکہ دروازے میں عظام کھڑے تھے۔

"اسماء چائے بناؤ اور فائقہ! تم میرے ساتھ آؤ۔" وہ ایک ہی جملے میں دونوں کو مخاطب کر کے واپس پلٹ گئے تو وہ کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے آ گئی تھی اور معمول کی طرح ان کے سامنے

موڑھا کھینچ کر بیٹھ گئی' لیکن بولنے سے قاصر تھی کیونکہ اس کا ذہن اس نئی بات میں الجھ گیا تھا۔

''کہو کیا کام ہے؟'' عظام نے اس کے بولنے کا انتظار کر کے ٹوکا تو وہ جو سوچ رہی تھی بلا ارادہ ہی کہہ گئی۔

''آپ رابعہ سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟'' عظام کا چہرہ یک لخت سرخ ہو گیا' لیکن دوسرے ہی پل جیسے انہوں نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

''تم جس کام کیلئے آئی ہو' وہ کہو۔'' اسے اب احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے۔ اپنے آپ میں نادم بھی ہوئی پھر ان سے معذرت کرتے ہوئے بولی۔

''سوری عظام بھائی! آپ کچھ خیال نہیں کیجئے گا۔ میں اصل میں سلمان بھیا کا مسئلہ لے کر آئی ہوں۔ وہ شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن امی نہیں مان رہیں۔ کہتی ہیں' پہلے رابعہ کی شادی کریں گی۔''

''ٹھیک تو ہے۔'' عظام نے کہا تو وہ الجھ کر بولی۔

''ٹھیک تو ہے لیکن سلمان بھیا کا الگ مسئلہ ہے' وہ جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں' اس کے گھر والے انتظار نہیں کر سکتے۔ اس لئے بھیا جلدی کر رہے ہیں کہ اس کی کہیں اور شادی نہ ہو جائے۔''

''پھر۔ میرا مطلب ہے' میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ امی کو سمجھائیں کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دیں اور بھیا کی شادی کر دیں۔ ورنہ بھیا پتا نہیں کیا کر ڈالیں گے۔ مجھے انہوں نے صرف تین دن کا ٹائم دیا ہے کہ میں اگر امی کو منا سکتی ہوں تو ٹھیک ورنہ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر بڑی آس سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

عظام کچھ نہیں بولے البتہ بہت آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگے تھے۔

''آپ پلیز' کل ہی امی کے پاس جایئے گا وہ آپ کی بات نہیں ٹالیں گی۔'' اس نے منت سے کہا۔

''تم کہتی ہو تو میں کوشش کر دیکھوں گا' آگے جو اللہ کو منظور۔''

''تھینک یو عظام بھائی! تھینک یو سو مچ۔'' اس نے پہلے بے اختیار ان کا ہاتھ تھاما پھر بڑے آرام سے اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان ان کا ہاتھ دبا کر کہنے لگی۔

''کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے' میں آپ کا ہاتھ تھام کر بہت دور نکل جاؤں۔ پتا نہیں وہ کون سی منزل ہے جو مجھے اپنی طرف بلاتی ہے اور مجھے لگتا ہے' میں بنا آپ کے ساتھ کے اس تک نہیں پہنچ

سکوں گی۔ آپ ہی کیوں عظام بھائی! مجھے کسی اور کا خیال کیوں نہیں آتا۔''

''چلو کھانا کھا لو پھر میں تمہیں چھوڑ آؤں۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کی بات نظرانداز کر دی۔

''خدا کیلئے عظام بھائی! میری بات کا جواب دیں۔ آپ خدا تو نہیں ہیں' پھر میں ہر مشکل گھڑی میں آپ کو کیوں سوچتی ہوں۔'' وہ اچانک بکھرنے لگی تھی۔

عظام کے پاس اس کی بات کا جواب تھا نہیں یا دینا نہیں چاہتے تھے۔ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر اٹھتے ہوئے بولے۔

''چلو' تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

''ہاں ہمیشہ کی طرح آتے ہوئے میں خوش تھی اور آزردہ جاؤں گی۔ کبھی تو اے خدا! یہاں سے جاتے ہوئے میرے دامن میں خوشیوں کے گلاب کھلے ہوں۔'' وہ آزردگی میں گھری سوچتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

تاحد نظر نیلا آسمان اور نیلے سمندر کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر بھی اس کی نظروں میں ایک کھوج تھی جیسے ان دونوں کے درمیان وہ کچھ اور بھی پا لے گا۔

پتا نہیں وہ کیا چیز ہے جس کی جستجو ہماری روحوں کو بے چین رکھتی ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں ٹھہر جانے کو جی چاہے۔ آگے اور آگے جانے کیا ہے۔ تلاش کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ وہ فسوں خیز منظر میں کھویا جانے کیا کچھ سوچے جا رہا تھا کہ ایک تیز لہر سیڑھیوں سے ٹکرا کر اسے بھگوتی چلی گئی۔ وہ اس کی سرکشی پر بے اختیار مسکرایا۔ تب ہی رامش بھاگتا ہوا آ کر اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔

''پانی میں نہیں جاؤں گا' پانی خود آ گیا تمہارے پاس۔''

''ہاں۔'' وہ رومال سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

''اور تم کہاں کھوئے ہوئے تھے۔ میں مسلسل ہاتھ ہلاتا رہا' تم متوجہ ہی نہیں ہوئے۔'' رامش نے ٹوکا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

''سمندر کا جوش دیکھ رہا تھا۔''

''حیرت کی بات ہے بغیر آگ کے جوش کھاتا ہے۔'' رامش نے کہا تو وہ سوچنے کے سے انداز میں بولا۔

''ہاں ابھی چند [illegible] میں نے کہیں پڑھا تھا' کسی نے سمندر سے سوال کیا کہ تم نے نیلے

رنگ کا ماتمی لبادہ کیوں پہن رکھا ہے اور تو بغیر آگ کے کیوں جوش کھا رہا ہے۔

سمندر نے جواب دیا کہ ’میں اپنے دوست کی جدائی سے ہمیشہ اضطرابی کیفیت میں مبتلا رہتا ہوں اور اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اپنے محبوب کا سچا عاشق نہیں ہوں۔ اس رنج و غم کے سبب میں نے نیلا ماتمی لباس زیب تن کر رکھا ہے۔ اس تکلیف سے میرے ہونٹ یعنی ساحل خشک ہو گئے ہیں۔ میں آتشِ عشق سے جوش کھا رہا ہوں اگر مجھے اس محبوبِ حقیقی کی جانب سے حوضِ کوثر سے ایک قطرہ بھی مل جائے تو میں زندہ ہو جاؤں گا ورنہ اس قطرے کے بغیر میری طرح ہزاروں خشک لب اس راستے پر دم توڑتے رہیں گے۔‘

VERY NICE

”واہ لکھنے والے بھی خوب لکھتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے محض لفاظی یا اس میں کچھ حقیقت بھی ہوتی ہے۔“ رامش نے سراہ کر پوچھا۔

”میرا خیال ہے یہ اسرار ہم جیسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہم اس دلکش نظارے سے صرف لطف اندوز ہوتے ہیں اور بس۔ اگر ہمارے ذہنوں میں سوال اٹھتے بھی ہیں تو ان میں ہماری اپنی کوئی خواہش شامل ہوتی ہے۔ وہ کچھ مخصوص لوگ ہوتے ہیں جو صرف غور و فکر کیلئے پیدا کیے جاتے ہیں اور وہی حقیقت سمجھتے ہیں۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ رامش نے اس سے اتفاق کیا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ”چلو کہیں چائے وغیرہ پی لیں۔“

”چائے گھر چل کر پیتے ہیں۔“ اس نے اٹھتے ہوئے گویا واپسی کا اعلان کر دیا۔

”ماما کے ساتھ۔ ارے ہاں شیری! ماما تمہاری شادی کا ذکر کر رہی تھیں۔ کیا واقعی تم شادی کر رہے ہو؟“ رامش نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے ایک دم یاد آنے پر پوچھا۔

”ہاں‘ اگر کوئی لڑکی رضامند ہو گئی تو۔“

”کیا مطلب کوئی لڑکی ایسی بھی ہے جو تم سے شادی پر رضامند نہ ہو۔ میری جان! تم تو جس کی طرف اشارہ کرو گے وہی۔“

”اوں ہوں۔“ وہ رامش کو ٹوک کر کہنے لگا۔ ”میری بیماری نے اس بات کو ناممکن بنا دیا ہے۔ اب تو شاید ہی کوئی مانے۔“

”تو تمہیں ضرورت کیا ہے بیماری بتانے کی۔“

”ماما بھی یہی کہتی ہیں لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ اس لئے میں نے شرط ہی یہی رکھی ہے کہ ماما جہاں بھی بات کریں‘ پہلے میری بیماری کا بتائیں۔ اس کے بعد دیکھو کیا ہوتا ہے۔“ وہ دونوں گاڑی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

شہریار نے بات ختم کر کے لاک کھولا پھر بیٹھتے ہی اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

”کہیں بات کی ماما نے؟“ رامش نے اس کی بات سے اختلاف کا خیال چھوڑ کر پوچھا۔

”ہاں‘ عروبہ کے ہاں گئی تھیں اور ادھر سے ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا اور آئے گا بھی نہیں۔“ اس نے یقین سے کہا تو رامش جھنجلا گیا۔

”پاگل ہو تم اور احمق بھی‘ کیا ضرورت ہے سارے شہر میں ڈھنڈورا پیٹنے کی کہ تم شہریار آفندی بیماری کا شکار ہو چکے ہو۔ تمہاری آخری خواہش شادی ہے۔ ہے کوئی دردمند لڑکی جو تم سے شادی کرے۔“

”ہاہاہا۔“ اس نے پہلے قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔ ”دردمند نہیں حوصلہ مند کہو۔“

”ہاں‘ جو سال دو سال بعد بیوہ ہونے کا حوصلہ رکھتی ہو۔“ رامش بری طرح تپ رہا تھا۔

”سال دو سال یا صرف دو ماہ۔“ اسے یاد آیا‘ لندن میں ڈاکٹر نے یہی کہا تھا اور وہ ایک دم خاموش ہو کر رہ گیا۔ گھر آ کر بھی اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔ صرف رامش بولتا رہا۔ اس کی طرف سے مایوس ہو کر ماما کے ساتھ پتا نہیں کہاں کہاں کے قصے چھیڑے بیٹھا تھا۔ اس کی شادی سے متعلق بھی کتنی باتیں کیں۔ وہ بس سنتا رہا اور جب کھانے کے بعد رامش کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں آیا تو اس کا دماغ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ دل چاہا فوراً سو جائے لیکن کھانے کے فوراً بعد سونا اس کیلئے بہت مضر تھا۔ پھر آدھے گھنٹے بعد اسے دوا بھی لینی تھی۔ اس لئے اس نے بیٹھنے سے پہلے ٹی وی آن کر دیا اور اپنے مطلوبہ چینل کیلئے ابھی ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ فون کی بیل بج اٹھی۔

”ہیلو۔“ اس نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا تھا اور ادھر چینل بدلنے لگا تھا۔

”شیری کہاں ہو تم۔ میں شام سے تمہیں رنگ کر رہی ہوں۔“ دوسری طرف عروبہ تھی۔

”خیریت۔“ وہ کچھ بے دھیانی سے بولا کیونکہ نظریں ٹی وی سکرین پر تھیں۔

”میں خیریت سے ہوں‘ تم اپنی سناؤ۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے۔“ عروبہ نے بہت تشویش سے پوچھا اور وہ کیونکہ پوری طرح متوجہ نہیں تھا‘ اس لئے سمجھ نہیں سکا اور بڑے آرام سے بولا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”شام میں کہاں تھے؟“

”رامش کے ساتھ ساحل پر نکل گیا تھا۔“

”اونو شیری! تمہیں خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ بہت آرام کی ضرورت ہے تمہیں۔“ عروبہ نے کہا تو اب وہ کچھ ٹھٹکا اور ٹی وی کی آواز بند کر کے بولا۔

”یہ تم سے کس نے کہا کہ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔“

"کون کہے گا میں خود نہیں سمجھتی کیا۔ پتا ہے شیری! جب سے آنٹی نے مجھے تمہاری بیماری کا بتایا ہے' میں مسلسل تمہیں سوچ رہی ہوں۔ مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے شیری! میں اتنے اچھے دوست کو کھونا نہیں چاہتی۔ ایسا کرو' تم امریکہ چلے جاؤ یا لندن۔ وہاں ضرور تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔" عروبہ شاید اصل بات نہیں کہہ پا رہی تھی جب ہی الجھ رہی تھی اور وہ سمجھ کر جتا کر بولا۔

"سنو' میں ہر تیسرے مہینے لندن تفریح کیلئے نہیں جاتا۔ تفریح کیلئے تو میں شادی کے بعد جاؤں گا۔"

"شادی...... ہاں وہ تمہاری ماما آئی تھیں تمہارا پروپوزل لے کر۔" عروبہ جیسے سٹپٹائی تھی۔

"اچھا۔" وہ قصداً انجان بن گیا۔

"ہاں۔" عروبہ نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ فوراً بول پڑا۔

"پھر کیا سوچا تم نے۔"

"میں نے' میں کیسے سوچ سکتی ہوں۔ یعنی اپنی شادی کے بارے میں۔ یہ تو ممی ڈیڈی کا کام ہے۔" وہ دامن بچا گئی۔

"بے شک ان کا کام ہے لیکن تمہاری بھی تو کوئی مرضی ہو گی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟" وہ صاف بات کر کے صاف جواب سننا چاہتا تھا۔

"میں تمہیں چاہتی ہوں شیری! لیکن ممی ڈیڈی کو بھی ناراض نہیں کر سکتی۔" عروبہ صاف گوئی سے کہہ کر رو پڑی۔

وہ کچھ دیر اس کے آنسوؤں کو محسوس کرتا رہا پھر آہستہ سے ادھر ریسیور رکھا ادھر ریموٹ کا بٹن دبایا تو ایک دم ٹی وی کی آواز بہت تیز ہو کر کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔

☆......☆......☆

عظام کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد امی نے سلمان کی شادی پر رضامندی کا اظہار کیا تھا اور اسی بات پر رابعہ تلملا رہی تھی۔

"عظام کون ہوتے ہیں ہمارے گھریلو معاملات میں دخل دینے والے اور ان تک یہ بات پہنچائی' کس نے جو وہ امی کو قائل کرنے آ گئے۔ پہلے جا کر اپنی ماں کو تو قائل کریں جو اسماء کی وجہ سے ان کی شادی نہیں ہونے دے رہیں اور امی کو دیکھو' کیسے ان کی بات مان لی۔ بہت چہیتے ہیں نا وہ۔ ہم سے زیادہ' یعنی اپنی اولاد سے بڑھ کر امی انہیں اہمیت دے رہی ہیں۔ میں دیکھتی ہوں' کیسے سلمان بھیا کی شادی ہوتی ہے۔"

"او تو تم ان کی ضد میں بھیا کی شادی کو کیوں چیلنج کر رہی ہو۔" وہ جو تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ کچھ نہیں

بولے گی لب کھول بیٹھی۔

"نہیں۔ آخر وہ ہوتے کون ہیں؟"

"کوئی بھی ہوں۔ میں انہیں بلا کر آئی تھی اور ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہئے کہ ان کی وجہ سے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ ورنہ بھیا مجھ سے کہہ چکے تھے کہ وہ کل اس گھر سے ہمیشہ کیلئے چلے جائیں گے۔" اس نے رابعہ کے غصے پر بند باندھنے کی کوشش میں الزام اپنے سر لے لیا۔

"بھیا کی دھمکی سے تم مرعوب ہو گئیں۔ میں نہیں ہو سکتی اور وہ کون سا شادی کے بعد ہمارے ساتھ رہیں گے۔ جو شخص ابھی خیال نہیں کر رہا' وہ بعد میں پتا نہیں کیا گل کھلائے گا۔ تم بڑی اماں' ...بردار جوان کی وکالت کی تو۔" رابعہ کا غصہ بجائے کم ہونے کے مزید تیز ہو گیا۔

"تم آخر اتنا تلملا کیوں رہی ہو۔ بھیا تم سے بڑے ہیں اور اچھا ہے' پہلے ان کی شادی ہو جائے۔"

"ہرگز نہیں یہ تو میں ہونے ہی نہیں دوں گی۔" رابعہ نے تنک کر کہا' یوں جیسے اس کی مرضی کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔

"جو تمہارا دل چاہے کرو' مجھے کیا۔" وہ بات ختم کر کے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن آفس میں اس کا ذہن بہت منتشر تھا۔ وہ یہی سوچتی رہی کہ پتا نہیں امی سلمان بھیا کے ساتھ راحیلہ کے گھر جا سکیں گی یا نہیں' کیونکہ رابعہ کی عادت سے وہ اچھی طرح واقف تھی کہ وہ اپنی منوانے کیلئے گو کہ کوئی دھمکی نہیں دیتی تھی لیکن ایسے حالات پیدا کر دیتی تھی کہ امی ابو سب کچھ بھول کر اس میں لگ جاتے تھے۔

وہ یہی خدشہ لئے شام میں گھر لوٹی تو پہلے مرحلے پر ہی غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ ضرور رابعہ نے کوئی گڑبڑ کی ہے۔ جب ہی برآمدے تک آتے آتے وہ نڈھال سی ہو کر تخت پر ڈھے گئی۔

"آپی! کیا ہوا ہے؟" سونی نے اسے گرتے دیکھا تھا۔

"امی کہاں ہیں؟" اس نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔

"وہ بھیا کے ساتھ گئی ہیں ان کے سسرال۔" سونی نے بتایا تو اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نما آواز نکلی۔

"کیا بھیا کے سسرال؟"

"جی۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سانس کھینچی پھر سونی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا کر پوچھنے لگی۔ "اور رابعہ کہاں ہے......؟"

"وہ بھی ساتھ گئی ہیں۔"

"ہائیں۔" اس بار وہ اچھل پڑی۔ "رابعہ ساتھ گئی ہے۔ اللہ خیر کرے وہ کیسے چلی گئی۔ کل تک تو اتنی مخالفت کر رہی تھی۔"

"صبح بھی بہت ہنگامہ کیا تھا باجی نے۔" سونی سادگی سے بتانے لگی۔ "آپ کے جانے کے بعد بہت دیر تک امی سے لڑتی رہیں اور آپی! عظام بھائی نے کیا کیا ہے جو باجی انہیں برا بھلا کہہ رہی تھیں۔"

"ریجیکٹ۔" وہ بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔ پھر سونی کا گلا چھو کر بولی۔ "تم نہیں سمجھو گی۔ یہ بتاؤ پھر رابعہ جانے پر تیار کیسے ہوئی۔"

"پتا نہیں شام میں خود ہی امی سے کہنے لگیں کہ میں بھی چلوں گی۔"

"اتنی جلدی ہتھیار کیسے ڈال دیے اس نے۔" وہ سوچنے لگی تھی کہ امی آ گئیں۔ ان کے پیچھے رابعہ اور سلمان بھی تھے۔

"السلام علیکم امی کیا رہا۔" اس نے بے صبری سے پوچھا تو امی سے پہلے رابعہ بول پڑی۔

"ہمارے بھائی کی پسند بھی بس......؟"

اس نے گھبرا کر سلمان کو دیکھا تو انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"لائیے میں رکھ دوں۔" اس نے امی سے چادر لے لی اور تہہ کرتے ہوئے کمرے میں آئی تھی کہ رابعہ فوراً اس کے پیچھے آ کر بولی۔

"دیکھنا کتنا پچھتائیں گے بھیا۔"

"کیوں کیا ہوا؟" وہ محض رابعہ کا موڈ ٹھیک رکھنے کی خاطر اس کی بات سننے کو تیار ہو گئی۔

"مجھے تو بالکل پسند نہیں آئے وہ لوگ۔ کوئی سٹینڈرڈ ہی نہیں ہے۔ سلمان بھیا کو کم از کم اپنا سٹینڈرڈ تو دیکھنا چاہئے تھا۔ مجھے لگتا ہے یہ ان کے چکر میں آ گئے ہیں۔ بے چارے سیدھے سادے پھنس گئے۔" رابعہ نخوت سے بولے جا رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

"خیر اب اتنے سیدھے بھی نہیں ہیں بھیا۔"

"تمہیں کیا پتا۔"

"ہاں مجھے کیا پتا۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

امی کا خیال تھا کہ وہ سلمان کی منگنی کر کے فی الحال شادی ٹال دیں گی اور جب رابعہ کی کہیں

بات طے ہو جائے گی تو پھر دونوں کی ساتھ شادی کریں گی، لیکن راحیلہ کے گھر والے منگنی پر مانتے ہی نہیں۔ پتا نہیں انہیں کیا جلدی تھی کہ پہلے دن سے ہی فوری شادی پر اصرار کرنے لگے اور امی انہیں تو ٹال سکتی تھیں۔ اپنے بیٹے کو کیسے سمجھاتیں جو اول روز سے ہی ان ہی کی زبان بولنے لگا تھا۔

بہرحال ان باتوں سے قطع نظر جب شادی طے ہو گئی تو امی خوش بھی بہت تھیں۔ ظاہر ہے بیٹے کی شادی تھی اور بظاہر تو رابعہ بھی خوش تھی اور ہر کام میں وہ ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ وہ تو صبح کی آفس گئی شام میں لوٹتی تھی۔ ساری شاپنگ امی اور رابعہ کر رہی تھیں۔ خریداری میں یوں بھی رابعہ تیز تھی اور اس کی پسند بھی اچھی تھی۔ بھیا کی بری کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی اور سونی کی شاپنگ بھی مکمل کر لی تھی اور رات میں بڑے شوق سے ایک ایک چیز اسے دکھانے لگی۔

"دیکھو مہندی میں ہم یہ پہنیں گے، یہ بارات اور ولیمہ۔" رابعہ نے ایک کے بعد ایک سوٹ اس کے سامنے ڈال دیئے تو اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

"اچھے ہیں نا؟"

"ہاں، لیکن یہ اتنے بھاری اور چمکتے ہوئے کپڑے ہم لڑکیوں کیلئے تو مناسب نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے ایسے کپڑے تو دلہنیں پہنتی ہیں۔" اس نے بہت سنبھل کر ٹوکا تھا۔

"اسی لیے میں نے تمہارے لیے نہیں لیے۔ مجھے پتا تھا تم ضرور اعتراض کرو گی۔ دلہنیں پہنتی ہیں۔ ہم دلہنوں سے کم ہیں کیا۔ دیکھنا شادی میں لوگ دلہن کو چھوڑ کر ہمیں دیکھیں گے۔" رابعہ کی خود ستائی عروج پر تھی۔

"ہمیں نہیں صرف تمہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں پر پھیلا سرخ جھلملاتا سوٹ اس کے سامنے الٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو ویسے ہی سب دیکھتے ہیں۔" رابعہ نے گردن اکڑائی تو وہ اچانک ایک خیال کے تحت پوچھنے لگی۔

"سب کو چھوڑو یہ بتاؤ تم خاص طور پر کسے دکھانا چاہتی ہو۔"

"خاص طور پر سے" رابعہ سوچنے لگی، ایسے میں اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی وہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سوچنے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔

"عظام بھائی؟" اس نے بالکل غیر ارادی طور پر پوچھا تھا۔

"ہیں؟" رابعہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر پیشانی پر کتنے ہی بل ڈال کر بولی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے ایسے فالتو آدمی کے سامنے جانے کی اور تم نے یہ سوچا کیسے؟"

"بس یونہی خیال آ گیا تھا۔" اس نے سرسری انداز میں کہہ کر بات ختم کرنی چاہی لیکن رابعہ

کہاں بخشنے والی تھی۔

"حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ان سے کتنا چڑتی ہوں۔ بالکل پسند نہیں کرتی انہیں۔"

"ہاں' یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جب تم انہیں پسند نہیں کرتیں تو پھر امی نے تمہاری بات کیسے کر لی وہاں۔" وہ جس بات پر بہت دنوں سے الجھ رہی تھی پوچھنے کا موقع مل گیا۔

"میری بات؟ میری کیا بات......؟" رابعہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

"شادی کی بات یعنی تمہاری اور عظام بھائی کی شادی۔" اس نے زور دے کر کہا تو رابعہ فوراً بولی۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میری شادی اور عظام کے ساتھ۔"

"تو پھر امی نے کیوں کہلوایا اور تم سے پوچھ کر ہی کہا ہوگا۔ تم نے اس وقت انہیں کیوں نہیں روکا؟" وہ زچ سی ہو کر بول رہی تھی۔

"میں امی کو نہیں روک سکتی تھی۔ کیونکہ تم جانتی ہو' عظام بھائی ان کے کتنے چہیتے ہیں' اس لیے میں نے عظام بھائی سے کہہ دیا تھا کہ وہ منع کر دیں اور انہوں نے منع کر دیا۔" رابعہ نے اتنے آرام سے کہا کہ وہ اسے دیکھتی رہ گئی اور گو کہ اس کی بات پر شبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا' پھر بھی اسے لگا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہے لیکن ٹوکا نہیں اور اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر بولی۔

"اچھا لاؤ میرے کپڑوں کے پیسے دو میں کل آفس کے بعد نادرہ کے ساتھ بازار چلی جاؤں گی۔"

رابعہ نے بڑے آرام سے پرس میں سے پیسے نکال کر اسے تھما دیے تھے۔

☆......☆......☆

اگلی شام آفس سے نکلتے ہی اس نے نادرہ کے ساتھ طارق روڈ کا رخ کیا تھا۔ نادرہ کو اپنی کچھ چیزیں خریدنی تھیں' اس کے باوجود وہ اس کی شاپنگ میں مدد کرتی رہی۔ یوں اس نے بڑے آرام سے سوٹ لیے پھر میچنگ شوز کی باری آئی تو وہاں وہ خاصی الجھ رہی تھی۔ ایک پیر میں گولڈن اور دوسرے پیر میں ڈارک براؤن سینڈل ڈال کر وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ قریب سے آواز آئی۔

"براؤن۔"

"ہیں۔" اس نے چونک کر سر اونچا کیا اور اپنے برابر والی چیئر پر شہریار آفندی کو دیکھ کر وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی تو اس کا توازن بگڑ گیا۔ سہارے کے لئے اس نے چیئر کو تھامنا چاہا تھا' لیکن درمیان ہی میں شہریار آفندی نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے چیئر پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے شہریار آفندی کہتے ہیں۔"

"جی میں جانتی ہوں۔" وہ سہولت سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر بولی۔

"کیسے جانتی ہیں اس سے پہلے تو ہم کبھی نہیں ملے۔" شہریار اس سے بات کرنے کی خواہش میں بات بڑھا گیا تھا۔

اس نے پہلے نادرہ کو دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"جناب! میں آپ ہی کی فرم میں جاب کرتی ہوں' ہو سکتا ہے آپ اپنے ملازموں سے واقف نہ ہوں لیکن ملازم اپنے مالک کو ضرور جانتے ہیں۔ خواہ ان سے غائبانہ تعارف ہی کیوں نہ ہو۔"

وہ اس کے جواب سے لاجواب تو نہیں ہوا پھر بھی خاموش سا ہو گیا تھا۔

اس نے جھک کر اپنے دونوں پیروں سے سینڈلز اتاریں اور براؤن سیلز مین کو پیک کرنے کا اشارہ کر کے اٹھتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو سر! آپ نے انتخاب میں میری مدد کی۔"

"میرے انتخاب پر بھروسہ کیوں کر لیا آپ نے؟" شہریار اسے یوں دیکھنے لگا جیسے ہر صورت اس کا جواب چاہتا ہو۔

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد کندھے اچکا کر بولی۔

"پتا نہیں۔" پھر نادرہ کو اشارہ کر کے کاؤنٹر پر آ کر پے منٹ کی اور اپنا شاپر لے کر دکان سے نکلتے ہوئے اس کا دل چاہا' ایک بار پلٹ کر دیکھے لیکن نادرہ کی وجہ سے اس نے اپنی خواہش دبالی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے چھیڑنے کا موقع مل جائے گا۔

"کیا کہہ رہا تھا شہریار آفندی؟" نادرہ کہاں باز آنے والی تھی۔

"تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ تمہارا نام' کہاں رہتی ہو اور کہیں انگیج تو نہیں ہو وغیرہ وغیرہ۔" اس نے فوراً جو باتیں نادرہ کی طرف سے متوقع تھیں وہی کہہ ڈالیں۔

"اف! شکل سے کیسی معصوم لگتی ہو تم۔ ہو کتنی چالاک۔ میں کل ہی تمہارے سامنے اس سے پوچھوں گی کہ وہ میرے بارے میں سوال کر رہا تھا یا تمہارے بارے میں۔" نادرہ اسے خونخوار نظروں سے گھور کر بولی۔

"تمہارے بارے میں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اور پتا ہے یہ بھی کہہ رہا تھا کہ تم اسے بہت اچھی لگتی ہو۔ اگر اس کی ماں کو میڈم بانوری کہنا چھوڑ دو تو وہ تمہارے لیے......"

"میں راستے کا خیال نہیں کروں گی۔" نادرہ نے اس کی چوٹی کھینچ کر وارننگ دی تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔

"سنو' میں مانتی ہوں شہریار آفندی ہر لحاظ سے بہت اٹریکٹو ہے لیکن میں خوابوں میں رہنے والی

لڑکی نہیں ہوں۔ نہ ہی میں نے اپنے دل کو انہونی خواہشات کیلئے بے لگام چھوڑ رکھا ہے۔ میں متوسط گھرانے کی عام سی لڑکی ہوں۔ ابھی تم نے دیکھا ہوگا بازار میں، میں صرف ان ہی چیزوں کی طرف متوجہ ہوئی' جنہیں میں خریدنے کی استطاعت رکھتی تھی اور جو میری استطاعت سے باہر تھیں انہیں میں نے دور سے دیکھ کر سراہا' چھونے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"لیکن شہریار آفندی کوئی چیز نہیں ہے اور پھر وہ خود تمہاری طرف پیش رفت کر رہا ہے یہ تمہاری خوش نصیبی ہے۔" نادرہ نے کہا۔

"نہیں اس نے اگر مجھ سے بات کر لی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ میری طرف پیش رفت کر رہا ہے۔ میں ایسی خوش فہمی کو دل میں جگہ نہیں دے سکتی اور اگر فرض کرو' تمہاری بات ٹھیک ہو تب بھی میں تمہیں سچ بتاؤں نادرہ! میرا دل اس کی طرف مائل نہیں ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"پھر کس کی طرف مائل ہے؟"

"پتا نہیں۔ میں شاید اپنے لئے سوچتی ہی نہیں ہوں' اس کی وجہ وہی ہے کہ میں جاگتی آنکھوں میں خواب نہیں سجاتی۔ حقیقت پر یقین رکھتی ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ میرے ماں باپ کو اپنی ساری اولاد میں سب سے زیادہ رابعہ عزیز ہے اور جب تک وہ رابعہ کیلئے جیسا چاہتے ہیں ویسا نہیں کر لیتے ہمارے لئے سوچیں گے بھی نہیں۔ پھر میں کیوں فضول میں کوئی روگ پالوں۔" وہ بچپن سے اب تک جو دیکھتی اور محسوس کرتی آئی تھی وہ آج پہلی بار اس کی زبان پر آیا تھا تو اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

"اور وہ جو تمہیں محبوب ہے' وہ کون ہے؟" نادرہ نے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

"عظام بھائی۔" اس نے کوئی تردد نہیں کیا تھا۔

"وہ تمہارے ماموں زاد۔"

"ہاں۔"

"محبت کرتی ہو ان سے؟"

"بے انتہا' لیکن میری محبت میں کوئی غرض نہیں ہے، طلب نہیں ہے، خواہش نہیں ہے، بس تڑپ ہے اور ایک انجانی سی آگ ہے جو کبھی اپنے آپ سرد ہو جاتی ہے اور کبھی اچانک بھڑک اٹھتی ہے تو جسم و جاں کے ساتھ روح تک کو سلگا دیتی ہے۔ بڑا کیف ہے اس سلگنے میں۔" وہ محبت میں ڈوب کر بول رہی تھی۔ گاڑیوں کی تیز ہیڈ لائٹس میں کبھی وہ روشنی میں نہا جاتی اور کبھی تاریکی میں چھپ رہی تھی۔

"انہیں خبر ہے؟" نادرہ بے حد حیران سی اس پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"ہاں لیکن ان کی منزل کوئی اور ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو نادرہ چونک کر افسوس سے بولی۔

"اف یہ بڑی ٹریجڈی ہے۔"

"کوئی ٹریجڈی نہیں چلو کوئی رکشہ روکو اتنے سامان کے ساتھ میں بس میں نہیں جا سکتی۔" اسے ایک دم اندھیرا اچھل جانے کا احساس ہوا تو فوراً رکشہ کی تلاش میں نظر دوڑانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

بیگم آفندی کو عروبہ کے بعد زنیرا اور نتاشہ کے گھر والوں کی طرف سے بھی انکار پر بہت غصہ آ رہا تھا اور وہ کتنی دیر سے انہیں برا بھلا کہہ رہی تھیں۔

"بس کریں ماما! میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں۔" شہریار نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ مزید تیز ہو کر بولیں۔

"نہیں ہے تو میں بنا دوں گی' تم نے اب تک اپنی ماما کو سمجھا نہیں۔ میں جس کام میں ہاتھ ڈال دوں اور وہ ادھورا رہ جائے ناممکن' دنیا میں اب بھی تین لڑکیاں نہیں تھیں جو میں مایوس ہو کر بیٹھ جاؤں۔"

"نہیں...... آپ اپنی کوشش جاری رکھیں۔ میری زندگی کی آخری سانسوں تک۔" وہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولا تھا۔

"شیری! ایسا مت کہا کرو اور ہاں تم اپنی شرط واپس لو اب میں جہاں جاؤں گی وہاں تمہاری بیماری کا نہیں بتاؤں گی۔"

"نہیں ماما! ایسے تو میں شادی نہیں کروں گا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"بیٹا! یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیا بیماری کے بغیر لوگ نہیں مرتے۔ لڑکیاں بیوہ نہیں ہوتیں۔ کتنی ایسی لڑکیوں کو میں جانتی ہوں جن کے شوہر شادی کے دوسرے تیسرے مہینے ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے۔ وہ لڑکیاں بتاؤ کسے الزام دیتی ہوں گی۔" بیگم آفندی نے زچ ہو کر کہا اور وہ اسی قدر آرام سے بولا۔

"تقدیر کو۔"

"تو کیا یہاں تقدیر کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہاں جو آئے گی اس کی تقدیر بھی پہلے لکھی جا چکی ہو گی۔ تم یا میں نہیں لکھیں گے اور آنے والے وقت سے بے خبری کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ ہم سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ اس نعمت سے تو آنے والی کو محروم مت کرو۔ جتنا عرصہ تمہارے ساتھ رہے گی' خوش رہے گی' تم یہ کیوں نہیں سوچتے۔" بیگم آفندی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بس نہیں سوچ سکتا۔" وہ بچوں جیسی ضد سے کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

بیگم آفندی نے اپنا سر تھام لیا۔ وہ کبھی اتنی بے بس نہیں ہوئی تھیں اور ناکامی کا تو تصور ہی نہیں تھا ان کے پاس۔ پتہ نہیں شہریار نے انہیں کس امتحان میں ڈال دیا تھا۔ سوچتے سوچتے ان کا ذہن چٹخنے لگا تھا کہ رامش کے آنے سے کچھ دیر کو ان کا دھیان بٹ گیا۔

"السلام علیکم ماما۔" رامش انہیں شہریار کی طرح ماما ہی کہتا تھا۔

"آؤ بیٹا کیسے ہو؟" بیگم آفندی نے ہاتھوں سے سر نکال کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں' شیری ہے؟"

"ہاں ابھی اپنے کمرے میں گیا ہے لیکن تم میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اپنے برابر اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ بیٹھتے ہی پوچھنے لگا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ماما۔"

"بس بیٹا! کیا بتاؤں۔ شیری کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔ بہت ضد کرنے لگا ہے وہ۔"

"شیری ضد کرنے لگا ہے۔" رامش نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں تم اسے سمجھاؤ بیٹا! میں تو تھک گئی ہوں۔"

"کیا کہتا ہے۔"

"شادی کیلئے شرط رکھ دی ہے کہ اس کی بیماری کا بتائے بغیر کہیں بات نہ کی جائے' تم بتاؤ کیا اس طرح اس کی شادی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں اور مجھے لگتا ہے ماما! اسے شادی کرنی ہی نہیں ہے جب ہی ایسی شرط رکھی ہے۔" رامش نے کہا تو وہ زور دے کر بولیں۔

"لیکن مجھے ہر حال میں اس کی شادی کرنی ہے۔ تم کسی بھی طرح اسے سمجھاؤ تا کہ میں جلد سے جلد اس گھر میں اس کی دلہن لے آؤں۔"

"میں کوشش کرتا ہوں' ہے کہاں وہ......!" رامش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اپنے کمرے میں اور ہاں اپنے طور پر اس سے بات کرنا' یہ مت بتانا کہ میں نے تم سے کہا ہے۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا شہریار کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ہیلو آ سکتا ہوں۔" رامش نے دروازے سے سر اندر کر کے شہریار کو متوجہ کیا۔

"تمہیں اجازت لینے کی ضرورت ہے؟" شہریار نے کہا تو وہ اندر داخل ہو کر بولا۔

"فی الحال تو واقعی نہیں ہے' البتہ چند دنوں بعد باقاعدہ دستک دینی پڑے گی۔"

"کیوں؟" وہ سمجھا نہیں۔

"تمہاری زوجہ جو آ جائے گی اور تب تو شاید مجھے بیرونی گیٹ پر بھی روکا جائے گا کہ بیگم صاحبہ کو

صاحب کے دوستوں کا آنا جانا بالکل پسند نہیں ہے۔" رامش بولتا ہوا صوفے پر ڈھے گیا تھا۔

"ہاں ایسا ہو بھی سکتا ہے۔" اس نے بجائے رامش کا دل رکھنے کے الٹا اس کی تائید کر دی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" رامش اچھل پڑا۔ "یعنی تم مجھے باہر ہی سے لوٹائے جانے پر خاموش رہو گے۔"

"مجبوری۔" وہ اندر ہی اندر بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

"کیا مجبوری......!"

"مجھے جورو کا غلام بننے کا شوق ہے۔" اس نے کہہ کر بے ساختہ قہقہہ لگایا تو رامش نے صوفے سے کشن کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارا لیکن وہ پھر بھی ہنستا رہا۔

"عجیب پاگل آدمی ہو' نہیں بلکہ ہم سب کو پاگل بنا رہے ہو۔ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"مجھے لگتا ہے' تم بس وقت گزار رہے ہو۔ تمہارے اندر کوئی آس کوئی امید نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے جو کچھ کہا تم نے یقین کر لیا۔"

"تو کیا نہیں کرنا چاہئے۔"

"نہیں ضرور کرو لیکن اس سے زیادہ خدا پر یقین رکھو' ہو سکتا ہے اس نے تمہاری زندگی سو سال لکھی ہو۔ بلکہ یہی سوچ کر خود کو ہر غم سے آزاد کر دو اور ہر وہ کام کر ڈالو جو ایک نارمل انسان کرتا ہے۔"

"سب کچھ تو کر رہا ہوں تم اور کیا کروانا چاہتے ہو مجھ سے۔"

"محبت۔" رامش اس جذبے کو محسوس کر کے کہنے لگا۔ "محبت کرو یار! یہ زندگی کو نہ صرف خوب صورت بناتی ہے بلکہ بڑھا بھی دیتی ہے۔"

"او گاڈ! تم سے کس نے کہا کہ میں زندگی بڑھانا چاہتا ہوں۔ جتنی ہے بس ٹھیک ہے۔ مجھے بہت لمبی عمر جینے کی آرزو نہیں ہے۔" وہ جیسے اس موضوع سے ہٹنا چاہتا تھا، جب ہی اکتا کر بولا۔

"یہ اس لئے نہیں ہے کہ تم......"

"بس۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر رامش کو بولنے سے روک دیا۔ "تم اگر کوئی اور بات نہیں کر سکتے تو پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"ہائیں یعنی تم مجھے جانے کو کہہ رہے ہو' ہرگز نہیں میں چائے پئے بغیر تو نہیں جاؤں گا۔" رامش کو فوراً نہ جانے کا بہانا بھی سوجھ گیا۔

"چائے کیا کھانا کھا کر جانا' لیکن خدا کیلئے کوئی اچھی بات کرو۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور

جائے کا کہنے کمرے سے نکل گیا تو رامش نے گہری سانس کھینچ کر خاصے ڈھیلے ڈھالے انداز میں سر صوفے کی بیک پر ڈال دیا' اور آنکھیں بند کرنا چاہتا تھا کہ بیڈ کارنر پر ایک خوبصورت ڈائری دیکھ کر دوبارہ سیدھا ہو بیٹھا اور ہاتھ بڑھا کر ڈائری اٹھالی۔

"وہ سلونی شام جیسی لڑکی جسے دیکھ کر پہلی بار مجھے اپنے آپ پر ترس آیا کتنا مجبور' کتنا بے بس ہوں میں کہ اس کی آرزو بھی نہیں کرسکتا۔" رامش ڈائری کے پہلے صفحے کی دوسری سطر پر نظریں دوڑا رہا تھا کہ شہریار نے آکر اس کے ہاتھ سے ڈائری چھین لی اور دراز میں لاک کرنے کے بعد بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کسی کی پرسنل ڈائری پڑھنا اخلاقی جرم ہے۔"

رامش کچھ نہیں بولا۔ بند مٹھی ہونٹوں پر جما کر بہت گہری نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ کتنے لمحے سرک گئے' تب شہریار کو الجھن ہونے لگی کچھ جھنجھلا کر بولا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" رامش ابھی بھی خاموش رہا۔

"فار گاڈ سیک رامش! کچھ کہو۔"

"میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ میں صرف سننا چاہتا ہوں۔ بغیر کوم سٹاپ کے شروع ہو جاؤ' ورنہ میں ابھی ہمیشہ کیلئے خدا حافظ کہہ کر چل پڑوں گا۔" رامش اتنا سنجیدہ شاید کبھی نہیں ہوا تھا۔

"کیا سننا چاہتے ہو؟" وہ اس کی سنجیدگی سے پریشان سا ہو گیا پھر خود ہی کہنے لگا۔

"وہ' وہ لڑکی' یقین کرو میں اسے نہیں جانتا۔ بس ایک دو بار دیکھا ہے اور وہ مجھے اچھی لگی...... بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ...... نہیں' بہت زیادہ۔ میرے حواسوں پر چھا گئی ہے وہ اور میرے اندر اسے پانے کی آرزو بھی ہے۔ اپنی اس تھوڑی سی زندگی کا ہر پل میں اسے دان کرنا چاہتا ہوں' لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ میرے بعد اس کا کیا ہو گا بس یہیں میں ٹوٹ جاتا ہوں۔"

"اور وہ' وہ کتنا جانتی ہے تمہیں۔" رامش نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"بالکل بھی نہیں۔" اس نے مصلحتاً مبالغہ آرائی کی۔

"کیوں نہیں' تم جاؤ اس کے پاس' اسے اپنے احساسات' اپنے جذبات سے آگاہ کرو' پھر دیکھو وہ تمہارے لئے کیا کرتی ہے۔ اگر تم نے اس کے دل کو چھو لیا تو پھر وہ صرف تمہاری ہو گی۔ وہ یہ کبھی نہیں سوچے گی کہ تمہاری زندگی کم ہے یا زیادہ۔ وہ رفاقت کے ایک لمحے کو زندگی کہے گی۔ محبت، صرف محبت شرط ہے۔ آزما دیکھو۔"

"تم کہتے ہو تو آزما دیکھوں گا۔" اس بار اس نے محض رامش کا دل رکھنے کی خاطر صاف انکار نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

بھاری کام کے آف وائٹ شرارہ سوٹ میں رابعہ پورے ہال میں سب میں نمایاں نظر آرہی تھی اور چونکہ خود سے آگاہ بھی تھی' اس لئے کسی بھی تقریب میں اس کی گردن اکڑ جاتی تھی۔ پھر یہ تو اپنے بھیا کی شادی تھی۔ ہر جگہ ہر رسم میں سب سے آگے' کہیں نخوت سے سر جھٹکتی اور کہیں بے نیازی کا مظاہرہ کرتی وہ تقریباً ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور ایسے ہی موقعوں پر فائقہ قصداً اس سے کترا کر الگ ہو جاتی' اس لئے نہیں کہ اسے رابعہ کی تعریف یا اس کا سراہا جانا برا لگتا تھا بلکہ اپنی تعریف پر رابعہ جس طرح مغرور ہو کر اسے دیکھتی تھی وہ اسے عجیب سا لگتا تھا۔ انہیں وہ اس پر کیا جتانا چاہتی تھی۔ حالانکہ وہ خود کبھی اسے سراہنے میں کنجوسی نہیں کرتی تھی یہی نہیں اس کی غیر موجودگی میں اپنی دوستوں کے درمیان بھی وہ رابعہ کا ذکر کر کے اس کی بہت تعریف کرتی تھی۔ پھر جانے کیوں رابعہ زبردستی اسے احساس کمتری میں مبتلا کرنا چاہتی تھی۔

اپنے سراہے جانے پر خاص طور سے اسے یوں دیکھنا جیسے کہہ رہی ہو۔ 'دیکھو لوگ بھی کہہ رہے ہیں کہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔' یہی بات اسے بری لگتی تھی کہ بے شک وہ رابعہ کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے' لیکن اپنی ذات میں وہ بہت کچھ ہے۔ جب ہی تو سب لوگ رابعہ کو صرف دیکھتے اور سراہتے ہیں' جبکہ اس سے محبت کرتے ہیں اور محبتیں ہر ایک کے حصے میں نہیں آتیں۔

بہر حال اس وقت وہ رابعہ سے کترا کر نادرہ کے پاس آکر بیٹھی تھی کہ وہ کہنے لگی۔

"سنو' میری نظریں تمہاری بہن پر سے ہٹ نہیں رہیں۔ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔"

"لگ رہی ہے سے کیا مطلب' ہے ہی پیاری۔" یہ جملہ ہمیشہ اس کی زبان کی نوک پر رہتا تھا۔

"ہاں اور اس وقت تو غضب ڈھا رہی ہے۔ کتنے پروانے اس پر نثار ہوئے جا رہے ہیں اور وہ کسی کو لفٹ ہی نہیں کرا رہی۔ سنو اس کیلئے تو رشتوں کی لائن لگی ہو گی۔" نادرہ کی ساری دلچسپی رابعہ میں تھی۔

"ہاں لیکن ابھی تک اسے کوئی پسند نہیں آیا۔ کوئی خوب صورت ہوتا ہے تو امیر نہیں ہوتا۔ امیر ہوتا ہے تو خوب صورت نہیں ہوتا۔" وہ بولتے بولتے اچانک ایک خیال کے تحت خاموش ہوئی پھر نادرہ کا بازو کھینچ کر اس سے زیادہ خود اس کے قریب ہو کر بولی۔

"سنو وہ اپنے باس شہریار آفندی۔ وہ رابعہ کے ساتھ کتنے اچھے لگیں گے۔"

"ہائیں!" نادرہ اچھل پڑی۔ "دماغ صحیح ہے تمہارا۔"

"کیوں کوئی انہونی تو نہیں کہی میں نے۔ شہریار آفندی اگر اونچی شے ہیں تو کم رابعہ بھی نہیں ہے اگر ایک بار اسے دیکھ لیں تو۔"

"بس آگے کچھ مت کہنا۔" نادرہ نے ٹوکا تو وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ تم لاکھ اس بات کو جھٹلاؤ لیکن یہی سچ ہے۔" نادرہ نے یقین سے کہا۔

"اس سے بڑا سچ یہ ہے کہ....." اس کی بات ہونٹوں میں رہ گئی کیونکہ دھیان اسٹیج کی طرف چلا گیا تھا جہاں عظام دولہا کو دلہن کے ساتھ بٹھا رہے تھے۔

"چلو' بھیا بھابی کے ساتھ مووی بنواتے ہیں۔" اس نے سامنے سے نظریں ہٹا کر نادرہ کو دیکھا تو وہ سہولت سے منع کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں تم جاؤ۔"

"پھر گالیاں مت دینا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کر اسٹیج کی طرف چل پڑی اور ابھی ایک اسٹیپ پر قدم رکھنے کو تھی کہ سامنے سے عظام آ گئے۔

"السلام علیکم۔" وہ ایک طرف کو ہٹ گئی۔

"وعلیکم السلام' خیریت سے ہو۔" عظام سر جھکائے جواب کے ساتھ اپنا مخصوص جملہ بولنا نہیں بھولے۔

"میں بالکل خیریت سے ہوں۔" یہ جواب اس نے نہیں رابعہ نے دیا تھا' جو اس کے عقب سے نکل کر اچانک عظام کے سامنے آئی تھی اور اس کی آواز پر ہی انہوں نے چونک کر سر اونچا کیا تو نظروں کے عین سامنے رابعہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہو کر بولے۔

"ابھی تو میں زمین پر تھا آسمان پر کیسے آ گیا۔"

"آسمان پر۔" رابعہ سمجھی نہیں۔

"حوریں غالباً آسمان پر ہوتی ہیں۔" اس تعریف نے رابعہ کو سچ مچ آسمان پر چڑھا دیا تھا' اٹھلا کر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ آگے بڑھ گئے تو رابعہ نے اپنی تنی ہوئی گردن اس کی طرف موڑ کر اُسے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

'تم کچھ بھی نہیں ہو۔'

'واقعی میں کچھ بھی نہیں ہوں۔' اس نے بہت دکھ سے سوچا اور فوراً اسٹیج پر چڑھ گئی۔ لیکن اب اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جانے کون کون سی رسمیں ہو رہی تھیں۔ وہ اسٹیج کے ایک کونے میں کھڑی چپ چاپ دیکھتی رہی' جب نادرہ نے آ کر اس کا بازو ہلایا تب بھی وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میرے بھائی آ گئے ہیں میں جا رہی ہوں۔" نادرہ نے کہا تو وہ اس کے ساتھ باہر آ گئی اور پھر اس کے جانے کے بعد بھی وہ وہیں کھڑی تھی۔ کتنی دیر بعد رخصتی کا مرحلہ آیا تو وہ سب سے پہلے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گھر آ کر امی کتنی دیر تک دولہا دلہن کے ساتھ لگی رہیں۔ گود بھرائی' نظر اتارنا اور پتا نہیں کیا کیا۔ دو بجے کہیں جا کر سب نے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا تھا۔ اس نے کمرے میں آتے ہی دوپٹہ بیڈ پر پھینکا اور کانوں سے بُندے اتارتے ہوئے بولی۔

"صبح پتہ نہیں کیسے آنکھ کھلے گی۔"

"کیوں کل تمہاری چھٹی نہیں ہے؟" رابعہ نے اپنا دوپٹہ تہہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں' تین دن کی چھٹی ملی تھی۔ مجھ سے غلطی ہوئی' ادھر سے ایک دن کم کر کے ادھر بڑھا لیتی تو کل کے دن آرام کر سکتی تھی۔"

"کل ولیمہ ہے۔ آرام کہاں سے ہو گا۔" رابعہ نے کہا تو وہ بس ہوں کر کے رہ گئی۔

"ویسے آج مزہ آ گیا۔" رابعہ آئینے میں دیکھ کر اپنی تعریف کرنے لگی۔ "مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے تقریب کی مہمان خصوصی میں ہوں۔ سب لوگ میرے آگے پیچھے پھر رہے تھے اور اتنی تعریفیں سن سن کر تو میں عاجز آ گئی۔ البتہ عظام بھائی کی تعریف اچھی لگی' کیا کہہ رہے تھے بھلا؟"

"ہیں۔" وہ جو اپنے کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف جا رہی تھی رک کر دیکھنے لگی۔

"عظام بھائی' میری تعریف میں کیا کہہ رہے تھے۔ ہاں حور جیسے آسمان سے اتری حور۔ کیا سچ مچ میں حور لگ رہی ہوں؟" رابعہ نے اس سے تصدیق چاہی۔

"میں عظام بھائی کی بات کبھی نہیں جھٹلا سکتی۔" وہ کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی اور جب کپڑے تبدیل کر کے نکلی تو رابعہ اسی طرح آئینے کے سامنے کھڑی خود کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی۔

"جلدی کرو رابعہ! مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے بیڈ کی چادر جھاڑتے ہوئے کہا تو رابعہ تنک کر بولی۔

"تو تم سو جاؤ۔"

"لائٹ آف کرو گی تو سوؤں گی۔ تمہیں پتا ہے' میں روشنی میں نہیں سو سکتی۔"

"مجھے عظام بھائی پر حیرت ہو رہی ہے۔ کیسے برملا تعریف کر گئے۔" رابعہ اس کی بات یکسر ان سنی کر کے پھر وہیں سے شروع ہو رہی تھی کہ وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

"حیرت تو مجھے بھی ہے کہ انہوں نے تمہیں ریجیکٹ کیوں کر دیا۔" رابعہ بہت تیزی سے اس کی

طرف گھومی تھی۔

"کیا کہا تم نے۔ کس نے مجھے ریجیکٹ کر دیا؟" رابعہ نے بہت تیز لہجے میں پوچھا۔

"عظام بھائی نے۔" وہ جوابی بات پر نظریں چرانے لگی تھی' رابعہ کے انداز پر براہ راست اسے دیکھ کر بولی تو وہ مزید سلگ گئی۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

"کیوں۔ میں کیا اس گھر میں نہیں رہتی۔ مجھے سب پتا ہے کہ امی نے تمہارے لیے مامی جی سے کہا تھا' لیکن عظام بھائی نہیں مانے۔" وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔

رابعہ نے خود پر قابو پانے کے بہانے الماری کھول لی اور ہینگر نکالنے کے بعد کہنے لگی۔

"تمہیں سب پتا ہے یہ بھی کہ عظام بھائی کیوں نہیں مانے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ امی میری کوئی بات نہیں سن رہی تھیں' اس لیے مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ میں عظام بھائی کے ذریعے سے منع کروا دوں۔"

رابعہ پتا نہیں سچ کہہ رہی تھی یا محض اپنی برتری قائم رکھنے کی خاطر......' وہ بہر حال اس کا یقین کر کے بولی۔

"یہ تم نے بہت غلط کیا۔ اتنے اچھے ہیں عظام بھائی۔"

"اچھے تو ہیں' لیکن بہت دقیانوسی خیالات کے مالک ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں' اسماء پر کتنی پابندیاں لگاتے ہیں میں تو مر جاؤں ایسی پابندیوں میں۔"

رابعہ بولے جا رہی تھی لیکن اسے اب ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

❁❁❁

"کل رات میں تنہا تھا میرے دھیان میں تم تھے
تحریر میں تم تھے میرے وجدان میں تم تھے
آہٹ تھی کہ بے تاب کیے دیتی تھی مجھ کو
احساس یہ کہتا تھا کہ دالان میں تم تھے
گو اجنبی دستک تھی مگر میں نے در جاں
یہ سوچ کے کھولا تھا کہ امکان میں تم تھے
میں کیا کہ ستاروں نے بھی جھپکی نہ تھیں آنکھیں
کل شب' شب مہتاب تھی اور لان میں تم تھے

شہر یار آفندی اپنے سامنے کھلے پیڈ پر کبھی کہیں پڑھی ہوئی غزل کے اشعار سوچ سوچ کر لکھتے ہوئے بار بار گلاس وال کے ادھر بھی دیکھ رہا تھا۔ جہاں آج چوتھے دن بھی وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ پتہ نہیں چھٹی پر تھی یا جاب چھوڑ گئی تھی۔ دوسری بات سوچتے ہی وہ پریشان ہو گیا اور اسی وقت تصدیق یا تردید کے خیال سے بیگم آفندی کے کمرے میں آیا تو وہ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"اچھا ہوا تم آ گئے۔ لو جلدی سے یہ پیپرز سائن کر دو۔"

اس نے کھڑے کھڑے ہی پیپرز لے کر اپنے سامنے ٹیبل پر رکھے' پھر قدرے جھک کر سائن کر رہا تھا کہ دروازہ کھلنے کے ساتھ اس کی آواز آئی تھی۔

"مے آئی کم ان۔"

اس کا چلتا ہوا قلم رک گیا اور بالکل غیر ارادی طور پر سیدھا ہو کر براہ راست اسے دیکھنے لگا تھا جبکہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی بیگم آفندی کے اشارے پر اندر آ کر بولی۔

"آئی ایم سوری میڈم! میں کچھ لیٹ ہو گئی۔"

"کچھ۔" بیگم آفندی اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر بولیں۔ "پورے ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو تم۔"

"آئی ایم ویری سوری۔ اصل میں......" وہ اپنی کوتاہی پر نادم سی جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ بیگم آفندی نے ٹوک دیا۔

"میں کوئی عذر نہیں سننا چاہتی۔ تین دن چھٹی کر کے تمہارا دل نہیں بھرا جو......"

"ماما پلیز۔" وہ بیگم آفندی کو خاموش کرا کے اس سے بولا۔ "مس! آپ اپنی ٹیبل پر جائیں۔"

وہ ایک نظر اس پر ڈال کر، پھر بیگم آفندی کو دیکھنے لگی جیسے وہ کہیں گی تب ہی جائے گی۔

"سنا نہیں تم نے شیری کیا کہہ رہا ہے۔ اپنی ٹیبل پر جاؤ۔" بیگم آفندی نے کہا۔

"تھینک یو۔" وہ سر جھکا کر چلی گئی۔ تب شہریار بظاہر سرسری انداز میں بولا۔

"ماما! آپ کو اس کی پرابلم سننی چاہیے تھی۔"

"میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔" انہوں نے تنفر سے کہا تو وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گیا پھر بغیر پیپرز سائن کیے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ماما! ابھی جو لڑکی آئی تھی میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس کا نام، وہ کون ہے، کہاں رہتی ہے اور یہاں کس پوسٹ پر کام کرتی ہے۔ کچھ بھی نہیں معلوم مجھے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اسے دیکھ کر، میں اپنے لیے بہت لمبی عمر مانگنے لگتا ہوں۔"

"شیری!" بیگم آفندی تحیر میں گھری بس اسی قدر کہہ سکیں۔

"میں اور کچھ نہیں کہوں گا ماما! بس اس کا خیال رکھیے، کیونکہ اس کی وجہ سے میں نہ صرف اپنی زندگی سے پیار کرنے لگا ہوں بلکہ بیماری سے بھی لڑنے لگا ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں پھر سے ہتھیار ڈال دوں تو......"

"نہیں، نہیں بیٹا!" بیگم آفندی فوراً بول پڑیں۔ "تم ضرور جیت جاؤ گے اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں خوامخواہ ادھر ادھر لڑکیاں دیکھتی پھر رہی ہوں۔"

"اوہ نو ماما! میں نے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ آپ اس کے ساتھ میری شادی کا سوچنے لگیں۔ نو نو۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"کیوں بیٹا! جب تمہیں پسند ہے تو پھر کیوں منع کر رہے ہو؟"

"بس آپ نہیں سمجھیں گی اور نہ میں سمجھا سکوں گا اور پلیز ماما! کسی سے کہیے گا بھی نہیں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جاتے جاتے رک کر بولا۔

"میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا ماما! آپ اپنی تلاش جاری رکھیں اور ہاں آج لندن فون کر کے ڈاکٹر بوشم سے ڈیٹ ضرور لے لیجیے گا۔ میں شاید بھول جاؤں۔"

بیگم آفندی آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔ پتہ نہیں اس کی بات پر یا اپنی سوچ پر۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر ان کے کمرے سے ہی نہیں آفس سے بھی نکل آیا تھا۔

☆......☆......☆

بیگم آفندی نے ابھی جو پیپرز شہریار سے سائن کروائے تھے۔ وہ منیجر کو بلا کر اس کے حوالے کیے۔ اس کے بعد انٹرکام پر فائقہ کو اپنے کمرے میں آنے کا کہا تو چند لمحوں بعد وہ خاصی ڈری ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" بیگم آفندی اب کسی اور نظر سے اسے دیکھ رہی تھیں بلکہ اس کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں اور جیسے ہی وہ بیٹھی، نرم لہجے میں کہنے لگیں۔

"آئی ایم سو سوری۔"

"نو میڈم! غلطی میری تھی۔ میں ایک تو لیٹ ہو گئی تھی، دوسرے بغیر اجازت آپ کے کمرے میں چلی آئی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو بیگم آفندی فوراً بولیں۔

"تم جب چاہے آ سکتی ہو۔ بغیر اجازت۔"

"جی!" اب اس کا انداز نہ سمجھنے والا تھا۔

"کیونکہ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ آئی مین تمہارے کام سے۔ تم پہلی لڑکی ہو، جس نے اتنے کم وقت میں مجھے اپنی کارکردگی سے متاثر کیا ہے۔"

"تھینک یو میڈم۔" وہ خوش ہو گئی۔

بیگم آفندی ذرا سا مسکرائیں پھر انٹرکام پر چائے کا کہنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور تب اس کی ذات میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"تمہارے فادر کیا کرتے ہیں؟"

"جی وہ انجینئر ہیں۔"

"ویری گڈ اور مدر؟"

"ای ہاؤس وائف ہیں۔"

"اور بہن بھائی بھی ہیں؟" بیگم آفندی جانے کیوں اس کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتی تھیں۔

"جی ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔" اس نے بتایا تو وہ اپنے آپ قیاس کر کے بولیں۔

"تم سب سے بڑی ہو گی؟"

"جی نہیں۔ میں درمیان میں ہوں۔ ایک بہن اور بھائی مجھ سے بڑے ہیں اور ایک بہن، بھائی چھوٹے۔"

وہ اس انٹرویو پر اندر ہی اندر حیران ہو رہی تھی۔

"بڑے بہن بھائی کیا کرتے ہیں؟"

انہوں نے پوچھا' تب ہی چپڑاسی چائے لے کر آ گیا تو اس کی موجودگی تک وہ چپ بیٹھی رہی جب بیگم آفندی نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تب وہ بتانے لگی۔

"بڑے بھائی ایک بینک میں ملازم ہیں۔ ان کی ابھی شادی ہوئی ہے اور بہن گریجویشن کے بعد فارغ ہے' جبکہ چھوٹے دونوں بہن بھائی ابھی زیر تعلیم ہیں۔"

"ہوں چائے لو۔" بیگم آفندی اسے چائے کی طرف متوجہ کر کے' بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگیں کہ اس میں ایسی کیا بات ہے جس نے شہریار کو اٹریکٹ کیا ہے؟

"اس کے سیاہ بال۔"

"اوں ہوں۔ زنیرا کے بال اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔"

"اس کی ناک۔"

"ناک تو نتاشہ کی بھی کھڑی ہے۔"

"اس کی آنکھیں۔" ان کی نظریں اس کی جھکی ہوئی پلکوں پر ٹھہر گئیں اور چند لمحوں بعد غالباً ان کی نظریں محسوس کر کے اس نے پلکیں اٹھائی تھیں کہ بیگم آفندی بے اختیار بولیں۔

"بلاشبہ تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔"

"جی۔" وہ قدرے نروس ہو گئی۔

"یہ تین دن کی چھٹی تم نے بھائی کی شادی کے سلسلے میں لی تھی؟" بیگم آفندی بات بدل گئیں۔

"جی!"

"ہو گئی شادی؟"

"جی آج ولیمہ ہے۔" اس نے بتایا تو وہ تعجب سے بولیں۔

"ارے۔ تو کیا تم نے بھائی کا ولیمہ اٹینڈ نہیں کرنا جو آج آفس آ گئی ہو' چلو جاؤ۔ آج کی چھٹی میری طرف سے' خوب انجوائے کرو اور ہاں کل کے دن آرام کرنا۔ پرسوں میں تمہیں بہت فریش اور ایکٹو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تھینک یو میڈم! تھینک یو سو مچ!"

وہ ان کی فراخدلی پر بہت خوشی اور ممنونیت کا اظہار کرتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ تب بھی بیگم آفندی اسے ہی سوچے گئیں۔

یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے بہت متاثر ہو گئی تھیں' بلکہ انہیں صرف شہریار کا خیال تھا جس کی وہ ہر خواہش ہر خوشی پوری کرتی آئی تھیں اور اب جبکہ وہ کچھ وقت کا مہمان تھا تو وہ چاہتی تھیں کہ اس کی یہ آرزو بھی پوری ہو جائے اور یہ کوئی ناممکن بات تو نہیں تھی لیکن شہریار کی شرط نے ممکن کو ناممکن بنا

دیا تھا۔ اس روز سارا وقت وہ بس یہی سوچتی رہیں کہ وہ ایسا کون سا طریقہ اختیار کریں جو شہریار اپنی شرط واپس لے لے۔

'شاید فائقہ کی خاطر وہ مان جائے۔' آخر انہیں ایک امید کی کرن نظر آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

"جلدی کرو رابعہ! ہمیں پہلے ہال میں پہنچنا ہے تاکہ مہمانوں کا استقبال کر سکیں۔" وہ رابعہ کی نہ ختم ہونے والی تیاری پر آخر جھنجلا کر بولی تھی۔

"تمہیں بہت شوق ہے مہمانوں کا استقبال کرنے کا تو تم جاؤ۔ مجھے تو ابھی ایک گھنٹہ لگے گا۔" رابعہ نے اپنے چہرے پر فاؤنڈیشن لگاتے ہوئے کہا۔

"ایک گھنٹہ۔ اتنی دیر میں تو ہم واپس بھی آ جائیں گے پھر تم اپنی تیاری کس کو دکھاؤ گی؟"

اس نے حیرت کے ساتھ مذاق بھی اڑایا تو رابعہ پیشانی پر بل ڈال کر بولی۔

"تم میری تیاری سے جلتی کیوں ہو۔"

"میں کیوں جلوں گی۔ البتہ مجھے تمہاری وجہ سے شرمندگی ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ تمہاری تیاری پر سب لوگ تعریف تھوڑی کرتے ہیں' زیادہ تبصرے۔"

اس نے کہا تو رابعہ سر جھٹک کر بولی۔

"جلتے ہیں سب لوگ۔"

"ہاں لوگوں کو اور تو کوئی کام ہی نہیں ہے۔ بہرحال امی کے ساتھ جا رہی ہوں' تمہارا جب دل چاہے آنا۔"

وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔

امی برآمدے میں عظام کے ساتھ کھڑی جانے کیا صلاح مشورے کر رہی تھیں' اسے دیکھا تو پوچھنے لگیں۔

"تم تیار ہو گئیں؟"

"جی۔"

"تب جاؤ تم۔ سوہنی کو بھی ساتھ لے لو۔ ادھر تمہارے ابو اکیلے ہوں گے۔ پتہ نہیں عثمان پہنچا نہیں۔" امی نے کہا۔

"عثمان بھی چلا گیا تو میں کس کے ساتھ جاؤں؟" اس نے پوچھا۔

"عظام جا رہا ہے نا' تم بہنیں اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ بلاؤ سوہنی کو۔ سوہنی!" امی کہہ کر خود ہی اسے پکارنے لگیں۔

"جی امی!" سوہنی اپنا بھاری دوپٹہ سنبھالتی آ گئی تو اسے دیکھ کر امی کو رابعہ کا خیال آیا۔

"رابعہ کہاں ہے؟"

"اسے ابھی ایک گھنٹہ لگے گا۔" وہ سوہنی کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔

"آپی! میں کیسی لگ رہی ہوں؟" سوہنی نے موقع ملتے ہی پوچھا تو وہ پیار سے اس کی تھوڑی چھو کر بولی۔

"بہت پیاری۔ بس ذرا مہینوال سے بچ کر رہنا ورنہ بڑی دونوں سے پہلے تمہارا نمبر لگ جائے گا۔"

"کیا کہہ رہی ہیں آپ۔" سوہنی اپنی ازلی سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔ چلو ایک طرف ہٹو عظام بھائی آ رہے ہیں۔" اس نے سوہنی کو اپنی طرف کھینچا پھر اس کے ساتھ عظام کے پیچھے چل پڑی اور جب گاڑی میں بیٹھ گئی تب پوچھنے لگی۔

"عظام بھائی! گاڑی کس کی ہے؟"

"میری نہیں ہے۔" انہوں نے سیدھے سادے انداز میں کہا۔

"اسماء اور مامی جی کیسے جائیں گی؟"

"ابو کے ساتھ......"

"اچھا ہاں، ماموں جی بھی تو ہیں۔"

وہ کہہ کر خود ہی ہنسی پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔

"میں ایک دو دن میں آپ کے پاس آؤں گی، مجھے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"اچھا۔"

"رابعہ کے سلسلے میں۔" اس بار اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا کہ شاید رابعہ کے نام پر وہ چونکیں، لیکن ادھر وہی بے نیازی تھی۔

"اچھا۔"

"آپ کو تجسس نہیں ہوتا۔" وہ چڑ کر بولی۔ "اتنا صبر کیسے کر لیتے ہیں آپ یا میں یہ سمجھوں کہ آپ کو کسی سے دلچسپی ہی نہیں ہے سوائے اپنی ذات کے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" انہوں نے ٹوکا تو وہ مزید تیز ہو کر بولی۔

"میری سچ بات آپ کو فضول لگتی ہے۔"

"فائقہ!" ان کے لہجے میں سخت تنبیہ تھی۔

وہ ہونٹ بھینچ کر شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے خود کو سرزنش کرنے لگی کہ وہ کیوں ان سے الجھ رہی

ہے جن پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

جب عظام نے میرج ہال کے سامنے گاڑی روکی تب اسے پکار کر بولے۔

"فائقہ! میری کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دو۔"

"نہیں کروں گی۔" وہ خفگی سے کہہ کر اتر گئی۔

اور پھر سارا وقت وہ ایسے ہی خفا خفا سی رہی۔ مہمانوں کے ساتھ مروتاً بھی خوش اخلاقی سے پیش نہیں آ سکی۔ مزید رابعہ کو دیکھ کر تپ گئی جو دلہن کے ساتھ بیٹھی تو پھر وہاں سے اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ کتنے انجان لوگ راحیلہ کے بجائے رابعہ کو دلہن سمجھ کر لفافہ یا جو بھی گفٹ تھا اسے تھما رہے تھے جس سے راحیلہ اپنی جگہ ہرٹ ہو رہی تھی اور رابعہ کو احساس تو کیا ہوتا' الٹا ہنس ہنس کر جتا رہی تھی۔

"لوگ مجھے دلہن سمجھ رہے ہیں۔" وہ رابعہ کو وہاں سے اٹھانے کے لیے اسٹیج پر چڑھی تھی کہ اس نے بہت کھلکھلا کر بتایا۔

"پاگل ہیں لوگ۔ اتنا بھی سینس نہیں ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "چلو اٹھو' تمہیں ادھر امی بلا رہی ہیں۔"

"کہاں ہیں امی؟" رابعہ وہیں سے گردن گھما گھما کر دیکھنے لگی۔

"تم آؤ تو۔"

وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتی ہوئی اسٹیج سے نیچے آئی تو کہنے لگی۔

"کچھ خیال کرو رابعہ! بھابی کے میکے والے اس کے پاس بیٹھنا چاہ رہے ہیں۔"

"تو میں کیا انہیں منع کر رہی تھی۔" رابعہ تنک کر بولی۔

"منع نہیں کر رہی تھیں' لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم زبردستی ان کے درمیان گھسی رہو۔ چلو ادھر مہمانوں کو چائے وغیرہ سرو کرو۔ ہر جگہ مہمان بن کر بیٹھ جاتی ہو۔"

وہ اس وقت بالکل اس کے بڑے ہونے کا خیال کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"مجھ سے امی نے کہا تھا۔ دلہن کے ساتھ ساتھ رہنا۔" رابعہ نے جھٹ بات امی پر ڈال دی تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"اب مہمانوں کو اٹینڈ کرنے کو بھی امی ہی کہہ رہی ہیں۔"

"تم اور سوہنی کس مرض کی دوا ہو؟" رابعہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"عجیب پاگل لڑکی ہے' افسوس مجھ سے بڑی ہے لیکن بڑی بھی بس نام کی ہے۔ کوئی کام جو بڑوں والا ہو بس اپنی منوانے کے لیے بڑی بن جاتی ہے۔"

وہ اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے بہت تاسف سے سوچ رہی تھی کہ امی اس کے قریب آ کر بولیں۔

"شکر ہے' رابعہ اسٹیج سے اتری' دلہن کی میکے والیاں باتیں بنا رہی تھیں۔"

"یہ بات آپ رابعہ سے مت کہہ دیجیے گا۔ ابھی ایک ایک سے پوچھنے کھڑی ہو جائے گی کہ کون کیا باتیں بنا رہی ہے۔"

اس نے جل کر کہا تو امی بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اگلے دن صبح اس کی معمول کے مطابق آنکھ کھل گئی لیکن پھر ایک دم خیال آیا کہ بیگم آفندی نے خود اسے چھٹی دی تھی تاکہ آج کا دن وہ آرام کر سکے اور ان کی اس مہربانی پر وہ ایک بار پھر حیران ہوتی دوبارہ سو گئی اور بہت گہری نیند میں تھی کہ اچانک اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا پھر وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی' پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔ کوئی خواب بھی نہیں تھا اس نے غور کیا تو رابعہ کے بہت تیز تیز بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

"الٰہی خیر۔" وہ فوراً بستر چھوڑ کر کمرے سے نکلی تو آگے سوہنی ناشتے کی ٹرے لیے سلمان بھیا کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"سوہنی!" اس نے دھیمی آواز میں پکار کر پوچھا۔ "کیا ہوا ہے' رابعہ کیوں چلا رہی ہے؟"

"پتہ نہیں۔ آپ جا کر دیکھ لیں ادھر کچن میں ہیں۔"

سوہنی کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ صورت حال جاننے کے لیے فوراً کچن میں آ گئی لیکن فوراً سمجھ نہیں سکی کہ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ رابعہ بولنے کے ساتھ ساتھ برتنوں کو پٹخ پٹخ کر رکھ رہی تھی اور امی اسے چپ کرانے کی کوشش میں غالباً ناکام ہو کر سر تھامے بیٹھی تھیں۔

"امی! کیا ہوا ہے امی؟" اس نے امی کے قریب پنجوں پر بیٹھتے ہوئے ان کے کندھے تھام کر پوچھا۔ تو وہ ہاتھوں سے سر نکال کر اسے دیکھنے لگیں۔

"بتائیں نا امی؟" اس نے کہا تو رابعہ خاصی تلملائی ہوئی اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"مجھ سے پوچھو میں بتاتی ہوں۔ صبح فجر کے وقت سے یہ اس نواب زادی کے لیے ناشتا بنانے میں لگی ہوئی ہیں۔ انڈے' پراٹھے۔ چار طرح کے حلوے' کھیر اور پتہ نہیں کیا کچھ۔ اتنا اہتمام ہمارے لیے تو کبھی نہیں کیا۔"

"یا اللہ! تو تم اس بات پر اتنا ہنگامہ کر رہی ہو۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ وہ دلہن ہے۔" اس نے سر پیٹ کر کہا۔

"دلہن ہے تو کیا ہوا۔ ہماری اتنی حیثیت ہے جو ہم اس کے لیے اتنا بڑا دستر خوان سجا دیں۔"

"کیوں نہیں' اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ پھر نئے شادی شدہ جوڑے کے لیے سب ہی کرتے ہیں۔ امی نے کوئی انوکھا نہیں کیا۔ چلیں امی! آپ اندر چلیں اور اکیلے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اٹھا دیتیں۔ میں آپ کا ہاتھ بٹاتی۔"

وہ رابعہ سے زیادہ نہیں الجھنا چاہتی تھی اس لیے امی کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی۔

"آرام سے بیٹھیں' میں ناشتا یہیں لے آتی ہوں۔"

"اس لڑکی میں ذرا برداشت نہیں ہے۔ اب بتاؤ' دلہن کو میں چائے پاپے کا ناشتا کراتی۔"

امی رابعہ کی باتوں سے بہت فکر مند نظر آ رہی تھیں۔

"نہیں۔ آپ نے بہت اچھا کیا۔"

وہ کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو امی کا ذہن وہیں پر اٹکا تھا۔

"اس کا چیخنا چلانا ضرور دلہن نے سنا ہو گا۔ کیا سوچے گی وہ کہ آج دوسرے ہی دن۔"

"اُفوہ امی! آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں' بعد میں کسی وقت آرام سے سمجھا دیجیے گا رابعہ کو۔"

"وہ سمجھتی ہے۔ ہر بات کا الٹ کرتی ہے۔"

امی نے کہا تو اس بات پر وہ انہیں کوئی تسلی نہ دے سکی اور ناشتا لانے کے بہانے کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

وہ خانساماں سے چائے کا کہہ کر لان میں آ بیٹھا تھا ابھی شام پوری طرح نہیں اتری تھی اور کیونکہ سردیوں کی آمد آمد تھی' اس لیے فضا میں خوشگوار سی ٹھنڈک تھی۔ کمرے کی نسبت وہ یہاں خود کو زیادہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد خانساماں چائے لے آیا اور اسی وقت بیگم آفندی بھی آ گئیں۔ وہ خانساماں سے دوسرا کپ لانے کا کہہ کر ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بیٹھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"تم آج آفس نہیں آئے؟"

"میں فیکٹری چلا گیا تھا۔ آپ کو بتایا نہیں طاہر صاحب نے۔" اس نے کہا۔

"اچھا ہاں بھول گئی۔ بتایا تھا طاہر صاحب نے پھر کب آئے وہاں سے؟" بیگم آفندی نے پوچھا۔

"چار بجے آ گیا تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ سویا اب یہاں آ بیٹھا۔" وہ ٹرے میں کپ سیدھا کرتا ہوا بولا۔

"اچھا' نظام صاحب کے ہاں چلو گے؟" بیگم آفندی نے پوچھا تو وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خیریت۔ آج ان کے ہاں جانے کا خیال کیسے آ گیا آپ کو؟"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں پریشان ہیں۔ میں نے سوچا' میں ٹرائی کر دیکھوں۔ شاید بات بن جائے۔"

بیگم آفندی نے صاف گوئی سے بتایا تو اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا جس سے اس کی اندرونی کیفیت ظاہر ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ بڑے آرام سے بولا۔

"ضرور ٹرائی کریں۔"

"بیٹا! تم کیوں خود پر ظلم کر رہے ہو۔" بیگم آفندی عاجزی سے بولیں۔ "اپنی ضد چھوڑ دو۔ پھر دیکھو وہ لڑکی جسے تم پسند کرتے ہو' میں کیسے چند دنوں میں اسے تمہاری دلہن بنا کر لے آتی ہوں۔"

"ماما پلیز! اس کا نام نہیں لیں۔" وہ ان سے زیادہ عاجزی سے بولا تھا۔

"آخر کیوں؟"

"بس نہیں۔ آپ اس کے بارے میں کبھی سوچنے گا بھی نہیں' ورنہ میں شادی نہیں کروں گا۔"

اس کے قطعیت سے کہنے پر بیگم آفندی خاموش ہو گئیں پھر چائے کا کپ خالی کر کے اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ٹھیک ہے پھر میں نظام صاحب کے ہاں جا رہی ہوں۔ تم بھی چلتے تو اچھا تھا۔"

"نہیں آپ جائیں۔" وہ کہہ کر اپنے کپ میں اور چائے بنانے لگا۔ تو بیگم آفندی اندر چلی گئیں۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے انہیں پوری تیاری کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تو اسے ان پر رحم آنے لگا۔

"بے چاری ماما! پتہ نہیں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گی بھی کہ نہیں۔ شاید نہیں۔ بھلا کون ہو گا جو جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو۔"

وہ سوچتے ہوئے اٹھنے لگا تھا کہ مالی کی چھوٹی بچی کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی اور اس کے پیچھے اس کی بوڑھی دادی غالباً اسے روکنا چاہتی تھی۔

وہ پتہ نہیں کیوں جب بھی اس بچی کو دیکھتا تھا اس کے ذہن میں ایسی ہی ایک موہنی صورت ابھرنے لگتی تھی۔ ابھی بھی وہ اس موہنی صورت کو سوچنے لگا تھا کہ بچی کے گرنے اور چیخ کر رونے کی آواز پر نہ صرف چونکا بلکہ بے اختیار بھاگ کر اسے بازوؤں میں اٹھایا تو اس کے ہونٹوں اور پیشانی

سے بہتا خون اس کی شرٹ کی آستین سرخ کر گیا۔

"ہائے رہا" اس کی دادی نے اپنا سینہ پیٹ لیا۔ "صاحب جی! میرے کو دو۔ آپ کی لیر۔ (قمیض)"

"نان سینس۔ بچی کی فکر نہیں ہے۔ چلو میں اس کی بینڈیج کر دوں۔"

وہ اسی طرح اسے بازوؤں میں لیے ہوئے اندر آیا اور اسے صوفے پر لٹا کر جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لایا۔ بوڑھی دادی اپنی زبان میں جانے کیا بولے جا رہی تھی۔ وہ صرف اتنا سمجھ رہا تھا کہ وہ بچی پر خفا ہو رہی ہے۔

"اماں! آپ ادھر بیٹھو۔ چپ چاپ۔"

اس نے قدرے غصے سے دادی کو دور ہٹایا پھر بہت نرمی سے بچی کے ہونٹوں اور پیشانی سے بہتا خون صاف کرنے لگا۔ اس کے بعد ٹیوب لگا کر پیشانی پر بینڈیج ٹیپ سے چپکا دی۔

بچی نے غالباً اس کے ڈر سے رونا بند کر دیا تھا لیکن اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ وقفے وقفے سے اس کے ہونٹوں سے ایسی آواز نکلتی کہ اس کا دل مٹھی میں آ جاتا۔

"روتے نہیں بیٹا! آپ بہادر بچی ہو۔" اس نے آہستہ سے بچی کا سر تھپک کر کہا پھر اس کی دادی سے پوچھا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"زینب۔"

"زینب اور وہ کون تھی؟" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس کا ذہن پھر الجھنے لگا تو ایک دم دادی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔

"آپ یہاں کب سے ہیں؟"

"چار پانچ سال ہو گئے۔ جب سے اس کے دادا مرے میں ادر ای آ گئی۔" اس نے بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"چار پانچ سال پہلے کی بات تو نہیں ہے' وہ تو جب میں چھوٹا تھا۔"

"صاحب جی! اس کو لے جاؤں۔" دادی کی آواز پر وہ ذرا سا چونکا پھر پوچھنے لگا۔

"وہ مالی...... کیا نام ہے اس کا؟ ہاں رشید...... وہ آپ کا بیٹا ہے۔"

"ہاں جی اکوای (ایک ہی) پتر ہے۔ چار دھیاں (بیٹیاں) اور گاؤں میں ویائی ہوئی ہیں۔"

بوڑھی عورت اس کی الجھن سے بے خبر تفصیل سے جواب دے رہی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے اس سے پہلے میرا مطلب ہے' رشید سے پہلے یہاں کون تھا؟" اس نے اس کا

جواب نظر انداز کر کے پوچھا تو وہ فوراً بولی۔

"رشید کا ابا وہ تو جی بڑے صاحب اور بڑی بیگم صاحب کے وقت سے اِدر ای تھا۔"

"بڑے صاحب بڑی بیگم صاحبہ کون میرے دادا دادی؟" اس نے پرسوچ انداز میں دہرا کر پوچھا۔

"نا جی۔ آپ کے ابا کیا کہتے ہو آپ اس کو ابو اور امی۔ بڑے بھلے لوگ تھے جی وہ۔ میرے رشید کا ابا تین چار واری لے کے آیا تھا اِدر بڑی بیگم صاحب سے ملانے۔ یہ چادر اس نے میرے کو دی تھی اور میری دمی کی شادی پر بھی بہت کپڑے دیئے تھے۔ کدر چلی گئی وہ بیگم صاحب بھی میرے کو اس کے پاس لے چلو۔"

وہ بولے جا رہی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے جبکہ بہت غور سے سن رہا تھا۔ آخر الجھ کر پوچھنے لگا۔

"کس کی بات کر رہی ہیں آپ۔ کون سی بیگم صاحب کے پاس لے چلوں؟"

"بڑی بیگم۔ صاحب کی بڑی بیگم۔" اس نے زور دے کر کہا تو وہ مزید الجھ گیا۔

"صاحب کی بڑی بیگم۔ کیا میرے باپ نے دو شادیاں کی تھیں؟"

"ہاں جی۔ آپ کو نہیں پتہ؟" اس کے تعجب پر وہ جز بز ہو کر بولی۔

"نہیں۔ ہاں مجھے پتہ ہے سب پتہ ہے۔" پھر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ جائیں۔ میں رفیق سے کہتا ہوں وہ بچی کو آپ کے پاس چھوڑ آئے گا۔"

"مہربانی جی۔ میرے کولوں تاں اٹھائی بھی نہیں جاتی۔"

وہ ممنونیت سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے فوراً ملازم رفیق کو بلا کر بچی کو اس کے ساتھ لے جانے کو کہا پھر خاصا بے جان سا ہو کر صوفے پر گرا تھا۔ بوڑھی عورت کے انکشاف نے واقعی اسے نڈھال کر دیا تھا۔ کتنی دیر وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ ذہن بھی کام نہیں کر رہا تھا جب رفیق بچی کو چھوڑ کر واپس آیا تو اس کے قریب رک کر پوچھنے لگا۔

"صاحب! آپ کے لیے کھانا لگا دوں؟"

اس نے نفی میں سر ہلا کر اسے جانے کا اشارا کیا پھر آنکھیں بند کر لیں اس کے ذہن کے پردوں پر کچھ سائے لہرانے لگے تھے۔ ان میں وہ چھوٹی سی بچی بھی تھی جو گھٹنوں کے بل گھسٹتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی اور وہ اسے اپنی بانہوں میں لینا چاہتا تھا تب ہی بیگم آفندی نے پکارا تھا۔

"شیری!"

"کون؟" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں لیکن اس منظر کی گرفت سے نہیں نکلا تھا جب ہی

پوچھنے لگا۔ "وہ کہاں گئی ماما؟"

"کون بیٹا؟" بیگم آفندی نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بچی وہ ابھی یہیں تھی اتنی چھوٹی سی۔" دونوں ہاتھوں سے اشارا کرتے ہوئے اس کے ان کو اچانک جھٹکا سا لگا تو وہ ایک دم خاموش ہو کر بیگم آفندی کو دیکھنے لگا۔

"کیا ہو جاتا ہے بیٹا تمہیں۔ تم اکیلے مت رہا کرو پتہ نہیں کیا سوچتے رہتے ہو۔" بیگم آفندی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"آپ جانتی ہیں ماما۔"

"کیا۔ کیا جانتی ہوں۔"

"یہی کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ اگر نہیں تو میں آپ کو بتاؤں کہ میرے ذہن پر ایک چھوٹی سی بچی کا نقش اتنا گہرا ہے کہ ماہ و سال کی تیز آندھیاں بھی اسے دھندلانے میں ناکام رہی ہیں اور اس کے بارے میں ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ وہ شاید میری بہن تھی۔ ہے نا یہ؟"

وہ پرسوچ انداز میں بولتا ہوا تصدیق کے لیے براہ راست انہیں دیکھنے لگا تو وہ نظریں چرا کر پوچھنے لگیں۔

"تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"کیوں کا سوال چھوڑیں ماما! مجھے صرف یہ بتائیں کہ میرا خیال ٹھیک ہے ناں۔" اس نے کہا تو بیگم آفندی پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"پھر اب تک آپ مجھے بھٹکاتی کیوں رہی ہیں۔ میں نے جب بھی آپ سے اس کے بارے میں پوچھا آپ نے میرا ذہن ادھر ادھر منتقل کر دیا۔ صاف کیوں نہیں بتایا مجھے۔ کہاں ہے وہ اور اس کی ماں۔ کیا پاپا نے دوسری شادی کی تھی۔" وہ ان کے اعتراف کے بعد اب ان سے ہر بات پوچھ لینا چاہتا تھا۔

"ہاں لیکن دوسری بیوی میں ہوں وہ نہیں۔" بیگم آفندی بمشکل اپنے تنفر پر قابو پا کر گویا ہوئیں۔

"اور اگر میں نے تمہیں بے خبر رکھا تو صرف اس لیے کہ میں نہیں چاہتی تھی تمہاری نظروں میں اپنے باپ کا امیج خراب ہو یا تم ان کی پہلی بیوی اور بچوں سے متنفر ہو جاؤ۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ بس آپ مجھے ان کے بارے میں بتائیں۔" وہ جاننے پر بضد تھا۔

بیگم آفندی کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

"تمہارے باپ جیلانی آفندی نے مجھے پرپوز کرتے ہوئے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ شادی شدہ اور بچے کا باپ ہے۔ جب میں شادی کے بعد اس گھر میں آئی تب میں نے ان کی بیوی اور بیٹے کو

دیکھا اور فطری سی بات تھی' مجھے بہت دکھ ہوا۔ زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ میں انجانے میں ایک عورت پر ظلم کر گئی ہوں' گو کہ اس میں میرا قصور نہیں تھا پھر بھی میں نے اس عورت سے معافی مانگی اور کہا کہ اس گھر پر ہمیشہ اس کی حکمرانی رہے گی وہ مجھ سے خائف نہ ہو بلکہ مجھے اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھیں لیکن اس عورت نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ مجھے ایک لمحہ برداشت کرنے پر تیار نہیں تھی۔ بہر حال بہت کڑا وقت تھا جو گزر گیا۔

تمہارے باپ مجھے بیاہ تو لائے تھے لیکن اس عورت کے عتاب سے مجھے بچا نہیں سکے۔ مجھے ہر پل یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ میں کسی بھی وقت یہاں سے نکالی جا سکتی ہوں اور یہ دھڑکا اس روز دور ہوا جب تم پیدا ہوئے تب آفندی بھی کچھ میری حیثیت اور اہمیت تسلیم کرنے لگے تھے اور اس بات سے وہ عورت مزید تلملا گئی۔ اپنا پورشن الگ کر کے آفندی کو بھی ہماری طرف آنے تک سے روک دیا تھا۔ لیکن مجھے تم مل گئے تھے۔ اس لیے کسی بات کی پروا نہیں رہی۔ میں سارا وقت تمہارے ساتھ مصروف رہتی تھی۔ جب تم پانچ سال کے ہوئے تب اس عورت کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی اور اسی بچی کو آفندی ایک دو بار تمہارے پاس لائے تھے جو تمہیں اب تک یاد ہے۔"

"اور وہ بھائی' وہ مجھے کیوں یاد نہیں ہے؟" اس نے بیگم آفندی کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"کیونکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ تمہاری پیدائش پر اس کی ماں نے جو اپنا پورشن الگ کیا تو پھر کبھی ہماری طرف آئی ہی نہیں اور نہ اپنے بیٹے کو آنے دیا' بیٹی کو بھی آفندی چھپا کر لائے تھے لیکن اس کی ماں کو پتہ چل گیا اور پھر اسی بات کو بنیاد بنا کر کہ آفندی اس کی بیٹی میرے حوالے کرنا چاہتے ہیں' وہ آفندی کی جائیداد سے اپنا اور اپنے بچوں کا حصہ بلکہ اس سے بھی زیادہ لے کر یہاں سے چلی گئی۔"

بیگم آفندی نے یوں بات ختم کی جیسے وہ کہانی ختم ہو گئی لیکن اس کے سوال ختم نہیں ہوئے تھے۔ فوراً پوچھا۔

"کہاں؟"

"مجھے نہیں معلوم بیٹا! میں نے ایک دو بار آفندی سے پوچھا تھا لیکن انہوں نے ٹال دیا اور کہا کہ تم بھول جاؤ کہ یہاں کوئی عورت تھی۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس گھر میں آنے والی تم پہلی اور آخری عورت ہو اور شیری کو بھی یہی معلوم ہونا چاہیے۔ کیا تمہیں یاد ہے' تمہارے پاپا نے کبھی تم سے ان کا ذکر کیا ہو۔"

انہوں نے جتا کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔"

بس تو بیٹا! اب تم یہ بھی بھول جاؤ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے اور وہ بچی' جو ظاہر ہے اب بچی تو نہیں رہی ہوگی۔ اسے یاد کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ او کے۔ میں چینج کر لوں پھر کھانا لگواتی ہوں۔" بیگم آفندی کہتے ہوئے اٹھی تھیں کہ وہ پوچھنے لگا۔

"وہ آپ نظام صاحب کے ہاں گئی تھیں' کیا ہوا؟"

"بہت خوش ہوئے۔" بیگم آفندی نے جل کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنسا۔

"اچھا پھر؟"

"پھر تمہارے کینسر کا سن کر بڑا نیک مشورہ دیا۔ کہنے لگے کسی یتیم خانے سے لڑکی لے آئیں' بہت اجر ملے گا۔"

"واقعی اجر تو ملے گا۔" اس نے کہا تو وہ غصے سے بولیں۔

"کہاں سے اجر ملے گا۔ ایک تو وہ پہلے ہی یتیم' مزید اسے یہاں لا کر......"

"بیوگی کی زندگی دینا۔ نہیں' یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ان کی بات پوری کر کے نفی میں سر ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

راحیلہ کچھ دیر پہلے سلمان کی فرمائش پر بڑی خوشی سے چائے بنانے گئی تھی لیکن جب واپس آئی تو اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔ چائے کا مگ سلمان کو تھما کر بیڈ کے دوسری طرف یوں بیٹھی کہ سلمان کی طرف اس کی پشت ہو گئی تھی۔

سلمان کچھ حیران ہوئے پھر اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر بولے۔

"اے کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ ان کی چٹکی سے اچھل کر پرے ہٹتی ہوئی بولی۔

"پھر یہ منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ گئے۔ "کیا صرف چائے بنانے پر۔"

"چائے۔ میں تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کرنا چاہتی لیکن۔" وہ روہانسی ہو کر چپ ہو گئی۔

"لیکن کیا۔ بتاؤ ناں۔" انہوں نے اصرار کیا۔

"کیا بتاؤں۔ وہ تمہاری بہن رابعہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی ہے۔ میں ذرا کچن میں جاؤں تو جہاں کہیں ہو' بھاگی آتی ہے۔ کیا کر رہی ہو' کیوں کر رہی ہو۔ میرے سونے جاگنے پر اعتراض' میں کپڑے استری نہیں کر سکتی' بل زیادہ آ جائے گا۔ یہاں تک کہ نہانے پر بھی پابندی۔ بتاؤ یہ کوئی تک ہے۔ چھوٹی بچی تو نہیں ہے وہ' جو ٹوکتی ہے کہ روزانہ کیوں نہاتی ہو۔"

راحیلہ بری طرح کھولتے ہوئے بول رہی تھی۔ اس کی آخری بات پر سلمان کو ایک دم طیش آ گیا۔ فوراً کمرے سے نکل کر اونچی آواز میں امی کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"امی! اس گھر میں ہر کوئی اپنی مرضی چلاتا ہے پھر راحیلہ کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟"

"کس بات سے منع کیا ہے اسے؟" امی نے ناگواری سے پوچھا کیونکہ انہیں سلمان کا اونچی آواز میں بولنا بہت برا لگا تھا۔

"کس بات سے' ہر بات سے رابعہ سے پوچھیں اور وہ ہوتی کون ہے میری بیوی کو ٹوکنے والی۔ اس سے کہیں اپنی حد میں رہے۔"

"میری کوئی حد نہیں ہے۔" رابعہ کچن ہی سے چلائی تھی۔

"سنا سنا آپ نے' اگر اگر اس کی حد نہیں ہے' تو دوسرے کی حدود مقرر کرنے کی کوشش بھی نہ کرے۔" سلمان بری طرح تلملائے تھے۔

"بیٹا! آرام سے بات کرو۔" امی نے ٹوکا تو وہ اور بپھر گئے۔

"مجھے نہیں اسے سمجھائیں۔ جسے بڑے چھوٹے کا لحاظ نہیں ہے آخر سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو۔ آئندہ اگر اس نے راحیلہ کو کسی بات میں ٹوکا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"آخر اس نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم اتنا تلملا رہے ہو۔"

"امی سے پوچھیں۔" سلمان پیر پٹختے واپس کمرے میں آئے تو راحیلہ الماری میں سر دیے جانے کیا کر رہی تھی۔

"راحیلہ!" وہ اسے پکار کر بولے۔ "چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"میں چینج کر لوں۔" وہ فوراً ہینگر سے سوٹ نکال کر واش روم میں بند ہو گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سلمان کے ساتھ کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے نکلی تھی اور سامنے کھڑی رابعہ کو دیکھ کر اس نے جان بوجھ کر اپنی گردن کو ذرا سا جھٹکا دیا پھر امی سے بولی۔

"امی! ہم لوگ آؤٹنگ پر جا رہے ہیں' واپسی میں دیر ہو جائے گی۔"

امی نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"دیکھا آپ نے۔" ان دونوں کے باہر نکلتے ہی رابعہ امی کی طرف گھوم کر چلائی۔ "یہاں آگ لگا کر' خود بن ٹھن کر جا رہی ہے۔ آپ روک نہیں سکتی تھیں انہیں۔"

"کیوں روکوں۔ یہی تو دن ہیں ان کے گھومنے پھرنے کے۔" امی نے سہولت سے کہا۔

"اف ایک مہینہ ہو گیا ہے ان کی شادی کو اور آپ ایسے کہہ رہی ہیں جیسے۔"

"رابعہ!" امی نے ٹوک کر تنبیہی لہجہ اختیار کیا۔ "تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے' ان کی کسی بات پر

اعتراض کرنے کی اور نہ تم ان کے کسی معاملے میں مداخلت کرو گی۔"

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔ وہ بھیا کو ہمارے خلاف بھڑکاتی رہے اور میں کچھ نہ بولوں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو اس کا یہاں رہنا مشکل کر دوں گی۔"

رابعہ پر امی کی تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"ہائیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ بھاوج سے دشمنی باندھو گی تو بھائی سے جوتے کھاؤ گی۔" امی نے غصے سے کہا۔

"اتنی جرات نہیں ہے بھائی میں۔ آپ پر چلا سکتے ہیں' مجھے کچھ کہہ کے تو دیکھیں' زن مرید کہیں کے۔ ان کی بیوی کے سر پر ایک بال نہیں چھوڑوں گی۔"

رابعہ برابر زبان چلا رہی تھی تب ہی فائقہ آ گئی۔ ایک تو پہلے ہی تھکی ہوئی تھی اس پر اس صورت حال سے پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" فائقہ نے پہلے رابعہ پھر امی کو دیکھا تو وہ ناگواری سے بولیں۔

"دماغ خراب ہے اس کا۔"

"میرا دماغ خراب ہے اور وہ جو ان کی چہیتی بہو ہے' وہ بڑی ہوش مند ہے۔ پتہ نہیں کیا گھول کر پلا رہی ہے انہیں جو ہر وقت یہ اسی کے گیت گاتی رہتی ہیں۔ باقی ہم سب تو پاگل ہیں۔"

رابعہ غصے سے بولتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"اسی لیے میں چاہتی تھی پہلے اس کی شادی ہو۔ یہ لڑکی کسی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ پتہ نہیں اپنے سسرال میں کیسے رہے گی۔"

امی تشویش سے بولیں۔

"ابھی بھابی سے کیا جھگڑا ہوا تھا؟" اس نے اصل بات جاننی چاہی۔

"پتہ نہیں' میرے سامنے تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ کچھ دیر پہلے سلمان تلملایا ہوا کمرے سے نکلا اور کہنے لگا رابعہ کو سمجھا کر رکھیں یہ ہر بات میں راحیلہ کو ٹوکتی ہے۔"

"خیر ٹوکنے کی عادت تو ہے اسے لیکن بھابی کو بھیا سے نہیں کہنا چاہیے تھا۔" اس نے کہا تو امی افسوس سے بولیں۔

"اب وہ زمانہ نہیں ہے بی بی! جو لڑکیاں سسرال والوں کی زیادتیاں چپ چاپ سہہ لیتی تھیں۔ آج کل کی لڑکیوں کو تو بس موقع ملنا چاہیے ایک کی چار لگاتی ہیں میاں کو۔ اب پتہ نہیں راحیلہ نے کیا کہا ہے سلمان سے جو وہ اتنا بھڑک اٹھا ہے۔"

"بھیا اپنے کمرے میں ہیں؟" اس کی آواز اب آپ ہی آپ دھیمی ہو گئی تھی۔

"نہیں چیخ چلا کر بیوی کو لے کر نکل گیا باہر' جس پر رابعہ چلا رہی تھی کہ کیوں جانے دیا انہیں۔ اب بتاؤ میں انہیں روکتی تو اور فساد بڑھتا کہ نہیں۔ ادھر تمہارے باپ آنے والے ہیں وہ یہ جھگڑا دیکھتے تو؟"

"انہیں پتہ بھی نہیں چلنا چاہیے۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "کیونکہ انہیں رابعہ کی غلطی نظر ہی نہیں آتی۔"

"ان ہی کی سر چڑھائی ہوئی تو ہے جو بڑے بھائی کا لحاظ نہیں کرتی اور دیکھنا ابھی آئیں گے تمہارے ابو تو رابعہ فوراً جا بیٹھے گی ان کے پاس' مظلوم بن کر۔ تم ذرا سمجھاؤ اسے۔ مت دنیا کو تماشا دکھائے۔" امی نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

"ہاہا امی! ایک ہی کام میں نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں تو جو کچھ کہوں گی' وہ اس کا الٹ کرے گی۔"

"اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"اس کا ایک ہی حل ہے۔ رابعہ کی جلدی شادی کر دیں۔" اس نے کہا تو امی فکرمندی سے بولیں۔

"کہاں کروں۔ وہ جو شیخ صاحب کے بیٹے کا رشتہ آیا ہے۔ اس کے لیے بھی رابعہ انکار کر رہی ہے کہتی ہے لڑکے کا قد چھوٹا ہے۔"

"برا نہیں مانیے گا امی! یہ عیب نکالنے اسے آپ ہی نے سکھائے ہیں۔" اس نے کہا تو امی ایک دم خاموش ہو گئیں۔

"خیر چھوڑیں۔ شیخ صاحب کے بیٹے کا قد چھوٹا ہے لیکن عظام بھائی تو اونچے قد کے ہیں پھر انہیں رابعہ نے کیوں منع کیا؟" اس نے ایک دم یاد آنے پر پوچھا۔

"رابعہ نے کہاں منع کیا۔ اسی کے کہنے پر تو میں نے تمہاری مامی جی سے کہلوایا تھا۔ حالانکہ مجھے پتہ تھا' عظام نہیں مانے گا کیونکہ وہ دوسرے مزاج کا لڑکا ہے لیکن رابعہ بضد تھی کہ نہیں آپ کہلوا کے دیکھو۔ وہ کبھی انکار نہیں کرے گا۔ توبہ کیسی شرمندگی اٹھانی پڑی کہ میں نے خود اپنی بیٹی کے لیے کہلوایا اور ادھر سے صاف جواب آ گیا۔"

امی بتاتے ہوئے ابھی بھی توہین آمیز شرمندگی کے احساس میں گھر گئی تھیں۔

اور وہ حیران بیٹھی تھی۔ اس بات پر نہیں کہ رابعہ نے کچھ اور کہا تھا' بلکہ اس انکشاف پر کہ رابعہ کے مجبور کرنے پر امی نے بات آگے بڑھائی تھی کیونکہ وہ تو ہمیشہ اس کے سامنے عظام کا مذاق اڑاتی تھی پھر ان سے شادی کرنے کا کیسے سوچ لیا۔ اس کا دل چاہا' ابھی اندر جا کر رابعہ سے پوچھے لیکن پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ وہ اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے کوئی نئی کہانی گھڑ کر سنا دے گی جس پر

اسے یقین نہ کرتے ہوئے بھی یقین کرنا پڑے گا۔ یہ اس کی مجبوری ہے یا کمزوری کہ وہ کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتی نہ ہرٹ ہوتے دیکھ سکتی ہے۔

☆......☆......☆

وہ سلمان کی شادی پر جو عظام سے کچھ ناراض سی ہو گئی تھی تو اس کے بعد آج ان کے گھر آئی تھی۔ پھر بھی ان سے بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ بس اسماء اور مامی جی سے ملنے آئی تھی اور اتفاق سے گھر میں وہی دونوں تھیں۔ عظام آفس سے نہیں لوٹے تھے یا آ کر کہیں چلے گئے تھے۔ اس نے قصداً ان کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور اس پر اسماء کی حیرت بجا تھی کہ تقریباً پندرہ منٹ ہو گئے تھے اسے آئے ہوئے اور وہ ادھر اُدھر کی باتیں کیے جا رہی تھی۔ عظام بھائی کا نام بھی نہیں لیا تھا جبکہ وہ ہمیشہ آتے ہی پہلے ان کا پوچھتی تھی۔ "تم نے عظام بھائی کا نہیں پوچھا؟" آخر اسماء سے رہا نہیں گیا تو وہ خاصی انجان بن کر بولی۔

"نہیں پوچھا' اب پوچھ لیتی ہوں۔ کہاں ہیں وہ؟"

"میرے ٹوکنے سے پوچھ رہی ہو ناں۔ پہلے کیوں نہیں پوچھا۔ کیا ناراض ہو ان سے؟" اسماء نے جواب دینے کے بجائے مزید جتایا۔

"نہیں۔ میں کیوں ان سے ناراض ہوں گی' میں ان سے ناراض نہیں ہو سکتی۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا۔ پوچھ تو رہی ہوں کہاں ہیں عظام بھائی؟"

اس نے کہا' تب ہی عظام آ گئے لیکن اس کی دروازے کی طرف پشت تھی جبکہ اسماء کا رخ اسی طرف تھا جب ہی ہنس کر بولی۔

"لو آ گئے۔"

"السلام علیکم۔" عظام نے کچھ فاصلے پر رک کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے جواب ضرور دیا لیکن ان کی طرف پلٹی نہیں تو وہ آگے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"خیریت سے ہو؟"

اب وہ جواب نہیں دے سکی' کیونکہ اس نے اپنی سانسیں تک روک لی تھیں کہ کہیں ذرا سی حرکت سے اس کے سر پر ٹھہرا ہاتھ ادھر ادھر ہو جائے۔

"بڑے دنوں بعد آئیں' کیا بہت مصروف ہو گئی ہو؟" وہ ذرا سا جھک کر اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگے۔ "گھر میں سب خیریت ہے ناں؟"

وہ ابھی بھی خاموش رہی۔

"لگتا ہے بھائی! یہ آپ سے ناراض ہے۔" اسماء نے کہا تو وہ حیران ہوئے۔

"مجھ سے' مجھ سے کیا خطا ہوگئی؟ کیوں فائقہ؟"

"کیوں آپ سے خطا نہیں ہو سکتی۔ آپ انسان نہیں ہیں۔ فرشتہ ہیں کیا؟" وہ اچانک چیخ گئی تھی۔

"توبہ کرو۔" وہ اس کے پاس سے ہٹ کر دور جا بیٹھے۔ "اسماء! پانی پلاؤ اسے اور ہاں امی کہاں ہیں؟"

"کچن میں۔" اسماء اٹھ کر جانے لگی تو وہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔"

یہ گھر نہیں ہے کیا۔ آرام سے بیٹھو' میں چھوڑ آؤں گا۔" عظام نے قدرے رعب سے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"نہیں' میں چلی جاؤں گی۔"

"چلی جانا لیکن کھانا کھا کر۔ بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔" اسماء اسے زبردستی بٹھا کر چلی گئی تو وہ اپنے آپ سے بولی۔

"پتہ نہیں کیوں آ جاتی ہوں میں یہاں۔"

"میری محبت کھینچ لاتی ہے۔" عظام نے سیدھے سادے انداز میں کہا تو وہ ایک دم سر اونچا کر کے انہیں دیکھنے لگی۔

"غلط کہہ رہا ہوں کیا میں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں' لیکن آج میں آپ کی محبت میں نہیں آئی۔"

"پھر......؟"

"اسماء اور مامی جی سے ملنے آئی ہوں۔"

"اچھی بات ہے' ویسے میرے پاس تو تم بہت پہلے آنے والی تھیں' کوئی کام تھا شاید تمہیں یا کوئی ضروری بات کہنی تھی۔" وہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"اب کچھ نہیں کہنا۔" اس نے کہا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا۔ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ عشا کے بعد تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" پھر جاتے جاتے اچانک رک کر بولے تھے۔

"سنو' ذرا ذرا سی بات پر دل چھوٹا مت کیا کرو۔ ہر بات اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ صرف

اسی پر بھروسا رکھو۔"

وہ بہت خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی تھی اور ان کے جانے کے بعد بھی اسی طرح بیٹھی تھی۔ کچھ گم صم سی۔ جب اسماء نے آ کر پکارا تو اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوگئی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"چلو کھانا تیار ہے تو نکال دو۔ تم لوگ تو ماموں جی کے آنے پر کھاؤ گے اور میں اتنی دیر نہیں رکوں گی۔"

"عظام بھائی نے کہا تو ہے وہ چھوڑ آئیں گے۔" اسماء نے کہا۔

"ہاں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں بارہ بجے تک آرام سے بیٹھی رہوں۔ دیکھو اذان بھی ہونے لگی ہے۔ جب تک عظام بھائی نماز پڑھ کر آئیں میں کھانا کھا لوں۔"

اسے پتہ تھا کہ کھانا کھلائے بغیر اسے نہیں جانے دیا جائے گا۔ اس لیے کھانے کی جلدی کرنے لگی تھی ورنہ ابھی اسے بھوک بالکل نہیں تھی۔ زبردستی کچھ نوالے حلق سے اتارے، زیادہ مامی جی سے باتوں میں لگی رہی۔ درمیان میں کہیں کہیں نوالہ منہ میں ڈال لیتی اور جیسے ہی عظام آئے وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے کھانا تو آرام سے کھا لو۔" مامی جی نے کہا لیکن وہ ان سنی کر کے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ کر آئی تو اسماء خفگی سے بولی۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟"

"امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ ویسے تو میں ان سے کہہ چکی ہوں کہ جب بھی مجھے دیر ہو وہ سمجھ لیں کہ میں تمہارے ہاں چلی گئی ہوں پھر بھی وہ بھول جاتی ہیں۔ بہر حال اب تم آنا۔"

وہ کہتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی پھر مامی جی سے مل کر عظام کے پیچھے باہر نکل آئی۔

اور جب ان کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو امی دیکھتے ہی بولیں۔

"میں سمجھ گئی تھی تم ماموں کے ہاں گئی ہو گی۔" پھر عظام سے کہنے لگیں۔ "چلو اسی بہانے تم آ جاتے ہو ورنہ تو تمہیں پھوپھی کا خیال بھی نہیں آتا۔"

"ایسا نہ کہیں پھوپھو! بس آفس سے آنے کے بعد کہیں نکلنا ہی نہیں ہوتا۔"

عظام امی کے ساتھ بیٹھ گئے' تب ہی راحیلہ اپنے کمرے سے نکلی اور انہیں دیکھ کر واپس پلٹنے لگی کہ وہ فوراً پکار کر بولی۔

"بھابی! یہ عظام بھائی ہیں۔ ماموں جی کے بیٹے۔"

"اسلام علیکم۔" راحیلہ نے سلام کیا تو وہ جواب کے ساتھ بولے۔

"خیریت سے ہیں آپ؟"

"ہاں خیریت ہی ہے۔" راحیلہ خاصے روٹھے پن کا مظاہرہ کرتی واپس کمرے میں چلی گئی تو وہ اس کی اس حرکت پر شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"عظام بھائی! اب آپ کھانا کھا کر ہی جایئے گا۔ میں بس دسترخوان لگا رہی ہوں۔"

"دسترخوان ضرور لگاؤ لیکن مجھے مت روکو۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پھوپھو! میں پھر انشاءاللہ فرصت سے آپ کے پاس آؤں گا۔ ابھی اجازت دیجیے۔"

"ہائیں۔ تم کھانے کا سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلو چائے ہی پی لو۔"

امی نے کہا تو انہوں نے سہولت سے منع کیا پھر خدا حافظ کہہ کر چلے گئے تو وہ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"عثمان اور سوہنی کہاں ہیں۔ اتنی توفیق نہیں ہوئی انہیں کہ آ کر عظام بھائی کو سلام کر لیں اور رابعہ۔"

"بس چپ ہو جاؤ۔ پہلے ہی بہت ہنگامہ ہو چکا ہے یہاں۔" امی نے ٹوک کر آہستہ آواز میں کہا تو وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیا۔ کیا ہوا ہے؟"

"ابھی کچھ مت پوچھو جاؤ' اپنے کمرے میں۔"

امی نے کہا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو رابعہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی وہ سر پر دوپٹہ باندھے لیٹی تھی اور چہرے سے لگ رہا تھا جیسے بہت روئی ہو۔

"رابعہ!" اس نے قریب جا کر دھیرے سے پکارا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس نے بہت نرمی سے پوچھا لیکن ادھر رابعہ کے اندر جانے کیا تھا جو ایک دم اس پر بگڑ گئی۔

"تم کہاں آوارہ گردی کرتی پھرتی ہو۔ شرم نہیں آتی تمہیں اتنی رات تک کون سا آفس کھلا رہتا ہے جو تم......"

"زبان سنبھالو رابعہ! میں آفس سے ماموں جی کے ہاں چلی گئی تھی اور ابھی عظام بھائی کے ساتھ آئی ہوں۔" وہ غصے سے کہتی وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا ضرورت ہے روز روز ان کے ہاں جانے کی۔ سیدھی گھر نہیں آ سکتیں۔" رابعہ نے تنک کر کہا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے کپڑے لے کر واش روم میں بند ہو گئی۔ چینج کرنے کے

بعد منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے سوچا کہ شاید ہنگامہ اسی کی وجہ سے ہوا ہے کہ وہ دیر سے کیوں آتی ہے۔

"لیکن روزانہ تو دیر نہیں ہوتی۔" وہ اپنی سوچ کی نفی کرتی واش روم سے نکلتے ہی رابعہ سے پوچھنے لگی۔

"سنو۔ شام میں یہاں جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟"

"تمہیں آتے ہی اطلاع مل گئی پھر تو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس جھگڑے پر ابو نے کیا فیصلہ سنایا ہے۔" رابعہ نے خاصے فاتحانہ انداز میں اسے دیکھا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"ہائیں' ابو کے سامنے ہوا سب؟"

"نہیں ابو اچانک آ گئے تھے۔ اس وقت راحیلہ بہت زبان چلا رہی تھی۔ ابو کو دیکھ کر بھی خاموش نہیں ہوئی تو انہوں نے بھیا سے کہا کہ وہ ایسی عورت کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا تم اپنا انتظام کہیں اور کر لو۔"

رابعہ نے بظاہر افسوس سے بتایا لیکن اندرونی خوشی اس کے چہرے پر چھلک رہی تھی۔ جسے دیکھ کر وہ دکھ سے بولی۔

"تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں؟"

"میرا کیا مقصد تھا؟" رابعہ نے تنک کر کہا تو وہ بھی تیز ہو کر بولی۔

"کیوں؟ ہر دوسرے دن تو تم مجھ سے کہتی رہی ہو کہ راحیلہ کو یہاں سے نکلوا کر ہی دم لوں گی۔"

"میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"یہاں سب کچھ تمہارے کہنے سے ہوتا ہے رابعہ! تم نے اول روز سے ہی بھابھی کے خلاف محاذ بنا لیا تھا۔ لیکن اس سے بھابھی کا کچھ نہیں بگڑا۔ نقصان ہمارا ہو گا' بھیا ہم سے دور ہو جائیں گے۔ ابھی بھی وقت ہے۔ انہیں روک لو۔ ابو سے کہو اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔ وہ تمہاری بات مان لیں گے۔"

وہ آخر میں رابعہ کی منت کرنے لگی تھی۔

"ابو میری جائز بات مانتے ہیں ناجائز نہیں۔" رابعہ یکدم بے نیازی دکھانے لگی۔

"یہ ناجائز نہیں ہے۔" اس نے زور دے کر کہا تو رابعہ تیوری چڑھا کر بولی۔

"تمہیں کیا پتہ۔ تم سارا دن گھر میں کب رہتی ہو۔ بڑی آئیں کہیں سے اس کی وکالت کرنے والی۔ یہاں اس نے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے۔ تمہیں اگر اس سے زیادہ ہمدردی ہے تو جا رہنا اسی کے ساتھ۔ تمہاری البتہ میں ابو سے سفارش کر دوں گی۔"

''افسوس ہے تم پر۔ پتہ نہیں کیا سمجھتی ہو اپنے آپ کو۔'' وہ اس سے مزید الجھنے کا ارادہ ترک کر کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

''شیری آ گیا؟'' بیگم آفندی نے فائل بند کر کے طاہر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''یس میڈم۔''

''اچھی بات ہے۔ اب آپ بلال صاحب کو فیکٹری بھیج دیں اور ہاں شیری کے ٹکٹ کا کیا ہوا؟''

''ٹکٹ یہ رہا۔'' طاہر صاحب نے ٹیبل سے لفافہ اٹھا کر ان کے سامنے کر دیا۔ جسے لے کر بیگم آفندی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''او کے آپ جائیں۔''

''میڈم! وہ نیا ٹینڈر۔'' طاہر صاحب نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

''اس کے بارے میں بعد میں بات کریں گے۔''

''جی بہتر۔'' طاہر صاحب چلے گئے تو بیگم آفندی نے لفافے میں سے ٹکٹ نکال کر دیکھا پھر سامنے کیلنڈر پر ڈیٹ دیکھ کر دنوں کو شمار کرتے ہوئے اپنے کمرے سے نکل کر شہریار کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ماما! مجھے بلا لیا ہوتا۔''

''تم کب آئے؟'' وہ ان سنی کرتی آرام سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

''بہت دیر ہوئی اور میں آتے ہی آپ کے روم میں گیا تھا لیکن آپ نہیں تھیں خیریت؟'' وہ ان کے یہاں آنے اور بیٹھنے سے کچھ اچنبھے میں گھر گیا تھا۔

''سب خیریت ہے بیٹا! پریشان کیوں ہو جاتے ہو۔ بیٹھو۔'' بیگم آفندی نے قصداً مسکرا کر کہا تو وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''میں پریشان نہیں ہوا۔''

''اچھا دیکھو۔ یہ تمہاری لندن کی سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔'' بیگم آفندی لفافہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے۔ بولیں۔ ''اگر تم کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔''

''نہیں، نہیں، آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے فوراً منع کر دیا۔

''بیٹا! یہاں مجھ پر ایک ایک پل بھاری ہو جاتا ہے۔ تم کیوں منع کرتے ہو۔''

''کیونکہ آپ وہاں بہت ڈیپرس ہو جاتی ہیں اور پھر میں صرف چیک اپ کے لیے جا رہا ہوں، بہت زیادہ دن نہیں رہوں گا، وہاں انشاء اللہ پندرہ دن میں لوٹ آؤں گا۔'' شہریار نے سہولت سے انہیں تسلی دی۔

''انشاء اللہ۔''

''اور ہاں جب میں آؤں تو آپ مجھے اچھی خبر سنایئے گا۔'' شہریار نے فوراً ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''تمہارے لیے اچھی خبر کیا ہو سکتی ہے۔'' انہوں نے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''وہی جو آپ چاہتی ہیں، یعنی میری شادی۔''

''میں تو چاہتی ہوں لیکن شاید تم نہیں چاہتے، جب ہی مجھے چکر دے رہے ہو۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور جیسے ہی پلٹیں گلاس وال کے ادھر فائقہ کو دیکھ کر واپس اس کی طرف گھوم کر بولیں۔

''شیری، وہ تمہاری ہو سکتی ہے۔ اگر تم اپنی شرط واپس لو تو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جب تم لندن سے لوٹو گے تو تمہارے استقبال کو وہ میرے ساتھ موجود ہو گی۔''

شہریار نے ایک نظر گلاس وال سے ادھر ڈالی پھر انہیں دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگا تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اپنے آفس میں آ گئیں اور کرسی پر بیٹھتے ہی ان کی نظر نیلے رنگ کے لفافے پر پڑی عام سا خط والا لفافہ تھا جب ہی وہ حیران سی ہوئیں۔

''کس کا خط ہے؟'' انہوں نے اٹھا کر دیکھا اوپر نام ان ہی کا تھا اور ایڈریس اسی آفس کا جبکہ دوسری طرف بھیجنے والا کا نام تھا نہ ایڈریس۔ انہوں نے لفافہ چاک کر کے اندر سے خط نکال لیا بغیر کسی القاب کے تحریر تھا۔

''میں بیس سالوں سے انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ اگر میری ماں مجھے نہ روکتی تو میں بہت پہلے آپ کے سامنے کھڑا ہو سکتا تھا۔ اگر میں مجبور ہوں تو صرف اپنی ماں کی وجہ سے جو ابھی بھی نہیں چاہتی کہ میں اپنا حق وصول کروں، کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس نے جس خدا پر اپنا معاملہ چھوڑا تھا وہ خوب انصاف کرے گا۔ یقین تو مجھے بھی ہے پھر بھی میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ تیار رہیں اس وقت کے لیے جو اب میری دسترس میں آنے والا ہے اور میرے دل میں آپ کے لیے ذرہ برابر رحم نہیں ہے۔ کبھی معاف نہیں کروں گا میں آپ کو۔ کبھی نہیں۔''

لکھنے والے نے آخر میں اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ بیگم آفندی کو وہ ہر الفاظ میں جھلکتا نظر آ رہا تھا۔

جب ہی ان کی پیشانی پر اسی حساب سے شکنیں پڑ رہی تھیں اور چہرہ بھی اسی طرح رنگ بدل رہا تھا۔ جبکہ سانسوں کا تنفس بہت تیز ہو گیا تھا۔

"اس کی اتنی جرأت۔" انہوں نے دانت پیستے ہوئے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیے پھر لفافہ اٹھا کر اس پر لگی مہر دیکھنے لگیں، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو طاہر صاحب کو بلا کر لفافہ ان کے سامنے ڈالتے ہوئے بولیں۔

"طاہر صاحب! ذرا دیکھیں، یہ خط کس شہر سے آیا ہے اگر نہ سمجھ میں آئے تو جی۔ پی۔ او سے جا کر معلوم کریں۔"

"جی بہتر۔" طاہر صاحب خالی لفافے کو گھورتے ہوئے چلے گئے۔

"حق وصول کرے گا ہونہہ۔ بچ گیا پہلے مجھ سے۔ اب نہیں بچے گا، پاتال میں سے ڈھونڈ نکالوں گی اسے۔" بیگم آفندی انتہائی تنفر سے سوچتی ہوئی اٹھی تھیں۔

❁❁❁

سلمان بینک میں اچھی پوسٹ پر تھے۔ اس حساب سے الگ گھر افورڈ کر سکتے تھے۔ چاہتے تو جس وقت ابو نے انہیں اپنا الگ انتظام کرنے کو کہا تھا تب ہی راحیلہ کو لے کر چلے جاتے، لیکن وہ ایسا نہیں چاہتے تھے جب ہی ٹال مٹول کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ابو کا غصہ کم ہو گا تو وہ اپنی بات بھول بھال جائیں گے اور یہی وہ راحیلہ کو سمجھا رہے تھے لیکن اسے تو جیسے موقع ملا تھا سلمان جیسے ہی آفس سے لوٹتے فوراً ٹوکتی۔

"گھر دیکھا سلمان؟"

"نہیں۔ وقت کہاں ملتا ہے اور آفس کے بعد پھر کہیں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔" سلمان کے اس جواب پر وہ پہلے ان سے ہمدردی جتاتی۔

"ہاں کتنا تھک جاتے ہیں۔ چلیں چینج کر لیں۔ میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

پھر چائے کے دوران شروع ہو جاتی۔

"آپ کے پاس تو وقت نہیں ہے۔ میں اپنے بھائی چاند سے کہوں گی کہ وہ جلدی کوئی گھر دیکھ لے۔ کتنا کرایہ؟ میرا خیال ہے، تین ہزار تو ہم افورڈ کر سکتے ہیں۔"

"نہیں راحیلہ! ابھی رہنے دو۔"

"کیوں آپ کیا چاہتے ہیں، ابو ہمارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیں، تب ہی ہم جائیں یہاں سے۔ اور دیکھئے گا، وہ یہی کریں گے۔"

"نہیں۔ اس روز وہ غصے میں کہہ گئے تھے ورنہ ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم سچ مچ گھر چھوڑ جائیں۔"

"ان کا جو بھی مطلب ہو، میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے الگ گھر لے کر دیں کیونکہ میرے اپنے ارمان ہیں۔ میں اپنے گھر کو اپنی مرضی سے سجاؤں اور آزادی سے آپ کے ساتھ رہوں۔ یہاں تو ہر بات پر پابندی ہے۔" پھر ان کے زانو پر سر رکھ کر کہتی۔

"کتنا اچھا لگے گا جب صبح میں آپ کو اٹھا کر بیڈ ٹی دوں گی۔ پھر آپ کے کپڑے پریس کروں گی اور جب تک آپ تیار ہوں گے، میں ناشتہ بنا لوں گی اور شام میں......"

"یہ سب تم یہاں بھی کرتی ہو۔" سلمان نے کہا تو وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

"ہاں لیکن اس طرح نہیں جیسے میں چاہتی ہوں۔"

"بہرحال سوچیں گے۔" سلمان نے ٹال دیا' لیکن وہ کہاں ٹلنے والی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے ایسی ب باتیں پھر یہاں تک کہنے لگی۔

"یہ تو ہماری بے غیرتی ہے جو ابھی بھی یہاں پڑے ہوئے ہیں۔"

سلمان اس پر بھی خاموش تھے کیونکہ اس تھوڑے سے عرصے میں وہ راحیلہ کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ وہ من مانی کرنے والی انتہا درجے کی خود پسند ہے اور اتفاق سے یہی رابعہ کی بھی فطرت تھی۔ اس لیے ہر وقت دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگی رہتیں اور کیونکہ رابعہ کو ا کی حمایت حاصل تھی اس لیے وہ بازی لے جاتی ورنہ راحیلہ کے سامنے وہ جم نہیں سکتی تھی کیونکہ راحیلہ زبان کی بھی بہت تیز تھی۔ صرف ابو کے ڈر سے کچھ خاموش رہتی ورنہ رابعہ جیسی دس کو وہ نپ سکتی تھی۔

بہرحال سلمان تو راحیلہ کی باتیں ایک کان سے سنتے دوسرے نکال دیتے تھے۔ لیکن ابو رابعہ کی باتوں پر یقین کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بار بھی امی سے تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور رابعہ کے کہنے پر ایک بار پھر سلمان کو گھر چھوڑنے کو کہہ دیا تو اس بار انہیں بھی غصہ آ گیا تھا۔ امی کے رونے اور منت سماجت پر بھی نہیں رکے اور ایک ہفتے کے اندر الگ گھر لے کر وہاں شفٹ ہو گئے۔

جس وقت وہ جا رہے تھے' اس وقت راحیلہ اور رابعہ دونوں بہت خوش تھیں لیکن بظاہر یوں جیسے یہ سب اچھا نہیں ہوا۔ رابعہ تو اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں' جبکہ راحیلہ کبھی امی کے گلے لگتی کبھی فائقہ اور سوہنی کے سامنے خود کو مظلوم ظاہر کر رہی تھی اور اپنے گھر جاتے ہی اس نے سلمان کو سنانی شروع کر دیں۔

"تمہاری بہن آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ مجھے وہاں سے نکلوا کر ہی دم لیا۔ اب تو بہت خوش ہو گی اور اچھا ہوا ہم آ گئے ورنہ اس کے ارادے تو کچھ اور تھے۔ پتہ ہے مجھ سے کہہ رہی تھی' تمہیں طلاق دلوا کر چھوڑوں گی۔ توبہ توبہ پتہ نہیں اپنا گھر کیسے بسائے گی۔ میں بھی دیکھوں گی۔ کیسے ساس نندوں کے ساتھ گزارا کرتی ہے۔"

"اچھا بس' اب یہاں آ گئی ہو تو بھول جاؤ سب۔" سلمان نے کہا تو وہ فوراً آنکھوں میں آنسوں بھر کر ان کے سینے سے لگتے ہوئے بولی۔

"کیسے بھول جاؤں سلمان! بہت ستایا ہے اس لڑکی نے مجھے۔ تم تو سارا دن آفس ہوتے

تھے۔ تمہیں کیا پتہ' میرے دل سے پوچھو۔ ہر پل یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں تم مجھے چھوڑ نہ دو۔ بتاؤ اس کے بعد میرا کیا ہوتا' میں تو مر جاتی۔ تمہارے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔"

اور ایسی باتوں سے سلمان کو لگتا جیسے وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔

☆......☆......☆

ساری افراتفری کے دوران رابعہ کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ جب سناٹا چھا گیا' تب وہ باہر آ کر بہت اترائے ہوئے انداز میں بولی۔

"کتنا سکون ہو گیا ہے۔ ہے ناں؟" اس نے تائید کے لیے سوہنی کو دیکھا تو وہ بے چاری سیدھی سادی بڑے آرام سے کہہ گئی۔

"ہاں۔"

"کیا ہاں؟" امی نے تیز لہجے میں ٹوکا تو سوہنی ایک دم خائف ہو گئی۔

"وہ ابھی بھیا کے سامان جانے کا اتنا شور ہو رہا تھا' اب......"

"ہاہاہا......" رابعہ زور سے ہنستے ہوئے بولی۔ "ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔"

"یہ تو واقعی ٹھیک کہہ رہی ہے' لیکن تمہارا مطلب کچھ اور تھا۔" فائقہ نے ناگواری سے رابعہ کو جتایا تو وہ دھڑلے سے بولی۔

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔ لیکن اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔ تم جو بھی سمجھو' بہرحال اب یہ کمرہ میرا ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور اس پر قبضہ کرے میں ابھی اپنا سامان یہاں سیٹ کر دیتی ہوں۔"

"جب تم نے کہہ دیا تو پھر کسی اور کی مجال نہیں ہے یہاں قبضہ کرنے کی۔" وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی اور پھر چاول چننے کے بہانے سے سوہنی کو بھی بلا لیا' کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا کچا ذہن رابعہ کی ایسی حرکتوں سے متاثر ہو' اس لیے فوراً اس سے دوسری باتیں کرنے لگی۔

"تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟"

"شاید اگلے ہفتے......"

"کون سا گریڈ لاؤ گی؟" اس نے چاول کا تسلا اس کے آگے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں آپی۔ میرے پیپر تو بہت اچھے ہوئے ہیں۔ دعا کریں' بی گریڈ آ جائے۔" سوہنی نے کہا تو وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

"بی کیوں، اے کیوں نہیں؟"

"اے گریڈ تو سمیہ کا آئے گا کیونکہ اس کے ہر ٹیسٹ میں سب سے زیادہ نمبر آتے تھے۔" سوہنی نے سمیہ پر رشک کرتے ہوئے کہا وہ تو مسکرا کر بولی۔

"بے وقوف! ضروری نہیں ہے کہ جو ہر ٹیسٹ میں زیادہ نمبر لائے وہ بورڈ کے امتحان میں بھی سب سے آگے ہو بلکہ اصل رزلٹ تو یہیں پتہ چلتا ہے۔ پتہ ہے جب میں میٹرک میں تھی تو کلاس میں ہم تین لڑکیاں ایسی تھیں جن میں بہت سخت مقابلہ ہوتا تھا۔ اسکول کے سارے امتحانوں میں کبھی میں فرسٹ آ جاتی' کبھی ان دونوں میں سے کوئی اور جب بورڈ کا امتحان ہوا تو ایک اور لڑکی جو کلاس میں سب سے پیچھے بیٹھتی تھی اور ٹیچرز کو اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا وہ ہم سے زیادہ نمبر لے گئی۔"

"ہیں......" سوہنی بہت دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"ہاں۔ اسی طرح تمہارے بھی سمیہ سے زیادہ نمبر آ سکتے ہیں۔"

"اللہ کرے آ جائیں تو بہت مزہ آئے گا۔ اتنا اتراتی ہے وہ اور میں نے سوچ لیا ہے کالج جا کر میں بہت محنت کروں گی۔"

"شاباش' کون سے کالج میں جاؤ گی۔؟" اس نے سوہنی کی ہمت بندھا کر پوچھا تو وہ فوراً بولی۔

"جہاں سے آپ نے پڑھا ہے۔"

"ہاں وہی اچھا ہے۔ قریب بھی ہے۔ میں خود تمہارا ایڈمیشن کرانے جاؤں گی۔ اسی بہانے اپنی ٹیچرز سے بھی مل لوں گی۔" اس نے کہا تو سوہنی سادگی سے پوچھنے لگی۔

"ٹیچرز آپ کو پہچان لیں گی؟"

"کیوں نہیں۔ استاد اپنے اچھے شاگردوں کو کبھی نہیں بھولتے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی پھر اس کے سامنے سے تسلا اٹھایا اور بولی۔

"لاؤ جلدی سے چڑھا دوں پھر مجھے ہفتے بھر کے کپڑے دھونے اور پریس بھی کرنے ہیں۔"

"آپی! میں مشین لگا رہی ہوں۔ آپ کے کپڑے بھی دھو دوں گی۔" سوہنی نے کہا تو اس نے منع کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں میرے کپڑے مشین میں دھلنے والے نہیں ہیں۔ ایک ایک دن کے پہنے ہوئے ہیں۔ سرف میں ڈال کر نکال لوں گی اور ہاں' پہلے ابو سے چائے کا پوچھ آؤ کیونکہ کھانے میں تو ابھی دیر ہے۔"

"ابو کہتے ہیں۔ مجھ سے چائے کا پوچھا نہیں کرو۔ پلانے کا موڈ ہو تو پلا دیا کرو۔" سوہنی نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنسی پھر کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ رہی تھی کہ سوہنی جاتے جاتے کسی خیال سے پلٹ کر پوچھنے لگی۔

"آپی! آپ بھیا کے گھر جائیں گی۔؟"

"ہاں کیوں نہیں' کل ہی آفس کے بعد سیدھی وہاں جاؤں گی۔ ہماری کوئی ان سے لڑائی ہے۔ میں کل گھر دیکھ آؤں پھر تمہیں بھی لے چلوں گی۔"

"اچھا نہیں لگ رہا ناں۔ بھیا چلے گئے۔ کتنی خاموشی چھا گئی ہے۔" سوہنی نے افسوس سے کہا۔

"ہاں بس۔" وہ گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔ پھر چائے لے کر اندر ابو کے پاس آئی تو وہ جانے کس سوچ میں بیٹھے تھے۔

"ابو! چائے لیجئے۔" اس نے پکارا تو چونک کر پوچھنے لگے۔

"چلا گیا تمہارا بھائی۔؟"

"جی۔"

"اچھا ہوا"......انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں ابو! اچھا نہیں ہوا۔ آپ نے خوامخواہ رابعہ کے کہنے......"

"رابعہ کے کہنے سے نہیں بیٹا۔" ابو نے بھی فوراً ٹوکا تھا۔ "یہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔"

"لیکن ابو! اتنی جلدی۔ لوگ کیا کہیں گے۔"

"لوگ کچھ بھی کہیں۔ میں اپنے گھر کا ماحول خراب نہیں کر سکتا تھا۔ تم نے راحیلہ کی زبان نہیں سنی۔ تمہاری امی مجھ سے چھپاتی رہیں۔ وہ تو ایک دن میں اچانک آ گیا تھا جو اسے دیکھ اور سن لیا۔ بازاری عورتوں کی طرح ہاتھ نچا نچا کر فحش گالیاں بک رہی تھی اور تمہارا بھائی وہ بھی الو کا پٹھا ہے۔ اسے ذرا احساس نہیں تھا کہ گھر میں جوان بہنیں موجود ہیں۔" ابو غصے میں بولنے لگے تھے۔ اس لیے وہ بالکل خاموش ہو گئی اور پھر اسی خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

اگلے دن صبح وہ امی سے کہہ کر نکلی تھی کہ شام میں وہ بھیا کے گھر سے ہوتی ہوئی آئے گی۔ بھیا اسے ایڈریس دے گئے تھے۔ جس سے وہ سمجھ گئی تھی کہ ان کا گھر نادرہ کی طرف ہے جب ہی آفس پہنچتے ہی اس نے نادرہ سے پہلی بات یہی کی۔

"سنو۔ آج میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"میرے گھر۔" نادرہ خوش ہو کر بولی۔

"آں۔ تمہارے گھر تو نہیں بس مجھے اسی طرف کہیں اور جانا ہے۔" اس نے کہا تو نادرہ فوراً پوچھنے لگی۔

"کہیں تمہارے عظام بھائی تو ادھر شفٹ نہیں ہو گئے؟"

"نہیں۔" وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی۔ "سلمان بھائی۔"

"ہائیں! اتنی جلدی کیوں؟" نادرہ نے تعجب سے پوچھا تو وہ سرسری انداز میں بولی۔

"بس وہ۔ بھابی اور رابعہ میں نہیں بنی۔ اس لیے وہ الگ ہو گئے۔"

"یار! وہ تمہاری بہن کیا چیز ہے۔ دیکھنے میں تو بڑی معصوم' مسکین سی لگتی ہے۔" نادرہ نے کہا تو وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم خاموش ہو گئی کیونکہ شہریار آفندی اچانک اس کی ٹیبل کے قریب آن رکا تھا اور پتہ نہیں کس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ صرف اس کے جوتے دیکھ کر اپنی فائل پر جھک گئی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔" کچھ توقف سے شہریار آفندی نے اس کے ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا تو وہ بلا ارادہ کھڑی ہو کر بولی۔

"یس سر۔"

"پلیز۔" اس نے بیٹھنے کا اشارا کیا' اور اس کے بیٹھنے کے بعد پوچھنے لگا۔ "آپ کے پاس فیکٹری کی فائل تو نہیں آ گئی۔؟"

"فیکٹری کی فائل۔" اس نے ٹیبل پر رکھی چاروں فائلیں اس کے سامنے کر دیں۔

"تھینک یو۔" وہ ایک فائل اٹھا کر چلا گیا۔ تو اس نے کمپیوٹر آن کرتے ہوئے سوچا۔

بعض لوگ کتنے پرفیکٹ ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں اس شخص کو اپنے پرفیکٹ ہونے کا احساس ہے کہ نہیں۔

"اسے کیا کہہ رہا تھا؟" نادرہ کو خاصی بے چینی ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں فائل لینے آیا تھا لے کر چلا گیا۔ اس نے اپنی جھنجلاہٹ چھپا کر کہا تو نادرہ افسوس سے بولی۔

"چہ چہ۔ بڑا افسوس ہوا۔ کاش تمہیں لینے آتا اور لے کر چلا جاتا۔"

"کیوں اپنے دل کی باتیں مجھ سے منسوب کرتی ہو۔" وہ بہت تپ کر بولی تھی۔

"یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو' لیکن افسوس وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتا اگر ایک بار بھی اس طرح دیکھ لے جیسے تمہیں دیکھتا ہے تو ایمان سے میں......"

"بس خدا کے لیے اپنا کام کرو اور مجھے بھی کرنے دو۔" وہ ٹوک کر اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر بیٹھ گئی اور پھر شام کو ہی جب آفس سے نکلی تب اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"سنو' بھیا کا گھر ڈھونڈنے میں میری مدد کرنا۔ یہ ایڈریس دیکھو۔ میرا خیال ہے۔ تمہارے گھر کے آس پاس ہی ہے۔" اس نے پرس سے ایڈریس نکال کر نادرہ کو تھمایا جسے دیکھ کر وہ بولی۔

"ارے یہ تو ہماری پچھلی لائن میں ہے' چلو اسی بہانے تم میرے گھر بھی آ جاؤ گی۔"

"ہاں لیکن آج نہیں پھر کسی دن ضرور آؤں گی۔" اس نے وعدہ کیا پھر اس کے ساتھ وین میں سوار ہو گئی۔

نادرہ ٹھیک اسے بھیا کے گھر کے سامنے چھوڑ کر خود واپس پلٹنے لگی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"اندر تو چلو۔"

"نہیں بس۔ تمہاری بھابی پتہ نہیں کیسی ہیں۔"

"تمہیں مار کر نہیں نکالیں گی۔" اس نے بیل کا بٹن پش کرتے ہوئے کہا۔

"کون؟" چند لمحوں بعد ہی اندر سے راحیلہ نے پوچھنے کے ساتھ گیٹ بھی کھول دیا اور اسے دیکھ کر بلاوجہ زور سے ہنستی ہوئی بولی۔

"تم کیسے آ گئیں؟ گھر کیسے ملا تمہیں؟ آؤ اندر آؤ۔ یہ کون ہے؟"

"میری دوست نادرہ۔" اس نے بس آخری بات کا جواب دیا اور نادرہ کا ہاتھ دبا کر راحیلہ کے پیچھے اندر داخل ہوئی تو وہ کہنے لگی۔

"پھر دیکھو۔ آج سارا دن سیٹنگ میں لگی رہی اور پتہ ہے' ابھی مجھے شکرانے کے نفل بھی پڑھنے ہیں۔ بہت شکر ہے اللہ کا اتنی جلدی اتنا اچھا گھر مل گیا' اور ہم ذلیل ہونے سے بچ گئے۔" وہ نادرہ کا خیال کیے بغیر بولے گئی۔

"رابعہ نے تو ہمیں ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی' پتہ ہے اگر ایک دو دن اور گھر نہ ملتا تو وہ میرا سامان باہر پھنکوا دیتی۔"

"ارے نہیں بھابی۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔" وہ اس سے کترا کر دوسرے کمرے میں جھانکنے لگی۔

"تمہیں کیا پتہ' وہ تو کہتی تھی۔ تمہیں طلاق دلوا کر چھوڑوں گی لیکن شکر ہے سلمان مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میرے بغیر تو وہ مر جائیں گے۔"

'اللہ نہ کرے۔' اس نے دہل کر سوچا اور نادرہ کو دیکھنے لگی جو یوں بیٹھی تھی جیسے پتہ نہیں کہاں آ گئی ہے۔

"ویسے رابعہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ابو کو بھی اتنا بہکا دیا اور ابھی تو ابو نے اس کے کہنے پر ہمیں نکال دیا' لیکن دیکھنا' کتنا پچھتائیں گے۔ تین تین بیٹیاں بیاہنی ہیں انہیں۔ اکیلے سر پر پڑے گی تب پتہ چلے گا۔ عثمان تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ جب تک وہ ابو کا سہارا بننے کے قابل ہو گا' تب تک تو تم بوڑھی ہو جاؤ گی۔" راحیلہ کی زبان بھلا کون روک سکتا تھا درمیان میں وقفہ بھی نہیں دے رہی تھی' جو وہ کچھ کہتی بس احمقوں کی طرح دیکھنے کے ساتھ پچھتا بھی رہی تھی کہ وہ کیوں آئی اور اگر آئی بھی

تھی تو نادرہ کو ساتھ کیوں لائی۔

☆......☆......☆

ناشتہ کرتے ہوئے وہ جانے کس خیال کی گرفت میں تھا کہ کبھی اس کے چہرے پر محسوس کی جانے والی مسکراہٹ چمکنے لگتی اور کبھی افسردگی کے بادل چھا جاتے۔

بیگم آفندی کچھ دیر اسے کن اکھیوں سے دیکھتی رہیں' پھر چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کیا سوچ رہے ہو شیری؟''

''ہوں۔'' اس نے چونک کر انہیں دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''مجھے پتہ ہے' تم کسی خوبصورت خیال میں تھے اور میں وہی جاننا چاہتی ہوں۔'' بیگم آفندی نے اس کی آنکھوں کے رنگ دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''خواب تھا ماما۔ صبح ہونے سے کچھ پہلے دیکھا تھا۔ سنا ہے' اس سمے کے خواب سچے ہوتے ہیں۔''

''ہوں۔ کیا دیکھا؟'' بیگم آفندی نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بس ماما وہ.....'' وہ قدرے جھجکا' پھر چائے کا سپ لینے کے بعد کہنے لگا۔

''میں نے دیکھا' وہ لڑکی اس ٹیبل پر ہمارے ساتھ موجود ہے۔ اس کی کلائیوں میں سرخ سبز کانچ کی چوڑیاں تھیں اور کھانا کھاتے ہوئے بار بار کھنک رہی تھیں۔ ابھی تک میرے کانوں میں ان کی کھنک.....'' وہ ایک دم خاموش ہو گیا تو بیگم آفندی ہونٹوں تک آئی گہری سانس واپس سینے کے اندر روک کر بولیں۔

''تمہارا خواب سچ ہو سکتا ہے لیکن کیا کروں' تم چاہتے ہی نہیں۔''

''جو آپ چاہتی ہیں۔ میں وہ نہیں چاہتا' لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی دن آپ اسے کھانے پر بلا لیں۔'' اس نے کہا تو بیگم آفندی نے فوراً ٹوکا۔

''کس حیثیت سے؟ وہ تمہاری دوست ہے نہ ہماری کوئی عزیز۔''

'اس سے بڑھ کر کچھ ہے۔' اس نے سوچا اور مایوسی سے سر جھکا لیا تو بیگم آفندی اپنی جگہ بے چین ہو گئیں اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

''ٹھیک ہے۔ آج لنچ پر وہ ہمارے ساتھ ہو گی۔ اسی ٹیبل پر۔'' وہ فوراً سر اونچا کر کے دیکھنے لگا تھا۔

''یہ تمہاری خواہش ہے اور مجھ میں تمہاری کسی خواہش کو رد کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ تم ایسا کرو'

ابھی فیکٹری چلے جاؤ اور جب میں تمہیں فون کروں' تم آ جانا۔'' بیگم آفندی نے اپنے ذہن میں پلان بناتے ہوئے کہا تو وہ بے یقینی سے پوچھنے لگا۔

''کیا سچ مچ آپ اسے بلائیں گی؟''

''ہاں' اسے بلانا کون سا مشکل ہے۔ کسی بھی بہانے بلا لوں گی۔'' وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں پھر جاتے جاتے رک کر اسے یاد کرایا۔

''تمہیں فیکٹری جانا ہے۔''

''جی ماما! وہیں جا رہا ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کر ان کے پیچھے چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''آپ مجھے کتنے بجے فون کریں گی؟''

''او گاڈ! تم جاؤ تو۔'' وہ اس کی بے صبری پر ہنسیں تو وہ خجل سا ہو کر ہاتھ ہلاتا باہر نکل گیا۔

بیگم آفندی نے گلاس وال سے اس کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھی پھر وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئیں اور ٹیلی فون قریب کھینچ کر آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

''ہیلو!'' چند لمحوں بعد طاہر صاحب کی آواز سنتے ہی وہ کہنے لگیں۔

''طاہر صاحب! میں آج آفس نہیں آ رہی۔''

''بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ ٹینڈر کے تمام کاغذات مکمل کر لیں۔''

''نہیں شیری فیکٹری گیا ہے۔''

''ہاں اور فائقہ سے کہیے اس کی فائل مجھے آج ہی چاہیے۔''

''میں منگوا لوں گی' نو پرابلم۔''

''او کے۔'' انہوں نے ریسیور رکھ دیا' پھر خانساماں کو بلا کر اسے کچھ خاص ڈشز بنانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

''کیسے کیسے خواب دیکھتا ہے شیری اور عجیب منطق ہے اس کی کہ اس لڑکی کو معلوم ہی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اسے پسند کرتا ہے' کیا واقعی اسے معلوم نہیں ہو گا' یہ کیسے ممکن ہے' لڑکیاں تو اس معاملے میں بہت حساس ہوتی ہیں۔ فوراً سمجھ لیتی ہیں کہ کون کس انداز سے دیکھ رہا ہے۔ فائقہ نے بھی شیری کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی کی جھلک ضرور محسوس کی ہو گی اور اگر میں اس کی تھوڑی سی حوصلہ افزائی کر دوں تو کیا وہ.....'' وہ جانے کیا پلان کرنے جا رہی تھیں کہ فون کی بیل نے ان کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

''یس۔'' انہوں نے خاصی ناگواری سے ریسیور اٹھایا تھا۔

''السلام علیکم بیگم صاحبہ۔'' ادھر ان کے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی تھے۔

"وعلیکم السلام۔" وہ ایک دم سنبھل گئیں۔

"کیسی طبیعت ہے بیگم صاحبہ! ابھی آفس فون کیا تو معلوم ہوا۔"

"ہاں بس۔" وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑیں۔ "موسم بدلتا ہے تو اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔"

"یہ تو ہے۔"

"خیر آپ بتایئے کیسے یاد کیا۔" انہوں نے پوچھا۔

"وہ مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ آپ جانتی ہیں...... آفندی صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ اور بچے کہاں ہیں؟" ابرار قریشی نے قدرے رک کر کہا تو یک لخت ان کے اعصاب تن گئے تھے۔ بمشکل خود پر قابو پا کر سرسری انداز میں بولیں۔

"نہیں...... کیوں؟"

"میرے پاس ایک خط آیا ہے۔ صاحبزادے نے اپنا نام پتہ تو نہیں لکھا لیکن خود کو آفندی صاحب کا بیٹا کہا ہے۔" ابرار قریشی نے بتایا تو وہ فوراً پوچھنے لگیں۔

"اور...... اور کیا لکھا ہے؟"

"اور کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن بیگم صاحبہ! یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا مطلب ہے' مجھے آفندی صاحب نے یہ بتایا تھا کہ ان کے بیوی بچے ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے تھے۔" ابرار قریشی جس قدر الجھ کر بولے اسی قدر بیگم آفندی مطمئن سی ہو کر بولی تھیں۔

"ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔"

"پھر یہ خط۔"

"ابرار صاحب! بڑے لوگوں کے ساتھ ایسے مذاق ہوتے رہتے ہیں اور میرے ساتھ تو یہ ضرور ہوگا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اپنے وسیع کاروبار اور جائیداد کا جو ایک اکلوتا وارث ہے' وہ بے چارہ بھی......" بیگم آفندی آخر میں آواز دبا کر خاموش ہو گئیں۔

"اوہ آئی سی۔" ابرار قریشی سمجھ کر انہیں تسلی دینے لگے۔ "آپ پریشان نہ ہوں بیگم صاحبہ ایسا کچھ نہیں ہوگا اور اللہ پر بھروسہ رکھیں' انشاءاللہ شیری بہت لمبی عمر جیے گا۔"

"انشاءاللہ۔"

"اوکے۔ آپ آرام کریں۔ آئی ایم سوری' میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ ریسیور رکھ کر خود سے کہنے لگیں۔

"یہ تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا...... آفندی کہ اپنے بیوی بچوں کو خود ہی مار دیا۔ اب وہ کسی طرح

خود کو تمہاری اولاد ثابت نہیں کر سکے گا اور اس کی دھمکی کا مزہ تو میں اسے ضرور چکھاؤں گی۔" آخر میں انہوں نے سر جھٹکا لیکن ان سوچوں کو نہیں جھٹک سکی تھیں۔

کتنا وقت گزر گیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی تھیں کہ شہریار کا فون آ گیا۔

"ماما! میں آپ کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔" شہریار نے کہا تو انہیں اتنا وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ فوراً بولی تھیں۔

"سوری بیٹا! بس تھوڑا انتظار اور...... میں خود تمہیں کال کروں گی۔"

"اوکے۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا پھر آفس کے نمبر ڈائل کیے اور طاہر صاحب کی آواز سن کر بولیں۔

"فائقہ سے بات کرائیں فوراً۔" کچھ دیر بعد فائقہ کی آواز آئی تھی۔

"یس میڈم۔"

"تم نے فائل تیار کر لی۔؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"یس میڈم۔"

"گڈ۔ اب ایسا کرو' اپنی فائل اور طاہر صاحب سے ٹینڈر کی فائل لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ میں گاڑی بھجوا رہی ہوں۔ کوئی پرابلم نہیں ہوگی تمہیں۔ اوکے۔" انہوں نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کچھ الجھی ہوئی سی بیگم آفندی کے کمرے سے نکلی اور طاہر صاحب سے ٹینڈر کی فائل لے کر اپنی ٹیبل پر آتے ہی نادرہ سے بولی۔

"سنو۔ میں جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟" نادرہ نے کی بورڈ سے انگلیاں ہٹا کر اسے دیکھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میڈم کے گھر۔"

"ہیں سچ؟ کس کے ساتھ جا رہی ہو۔" نادرہ نے اچھل کر پوچھا۔

"کسی کے ساتھ نہیں۔ انہوں نے گاڑی بھجوائی ہے۔ شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے۔ یہ فائلیں گھر پر منگوائی ہیں اور پتہ نہیں کیا کام ہے۔" اس نے بتایا تو نادرہ شوق سے بولی۔

"میں بھی چلوں؟"

"چلو۔"

"لیکن انہوں نے مجھے تو نہیں بلایا۔"

"مجھے بلایا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ دونوں فائلوں کے ساتھ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہی گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔

'واہ۔ کیا شاندار گاڑی ہے۔' اسے بیٹھتے ہی اپنے آپ پر رشک آنے لگا لیکن پھر فوراً خود کو سرزنش کر کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد گاڑی ایک شاندار بنگلے میں داخل ہو کر رکی تو اترتے ہی وہ کچھ مرعوب اور زیادہ کنفیوژ ہو گئی تھی۔ پھر منتظر کھڑے ملازم کو دیکھا اور اس کے اشارے پر اس کے ایک قدم آگے چلتی چلی گئی۔ جبکہ دھیان اسی کی طرف تھا۔ جب ہی جہاں وہ رکا اس نے بھی قدم روک لیے اور پلٹ کر پوچھا۔

"میڈم کہاں ہیں؟"

ملازم نے کچھ کہے بغیر بیگم آفندی کے کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے بیڈ پر انہیں نیم دراز دیکھ کر وہ کچھ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہو کر بولی۔

"السلام علیکم۔"

"تم آ گئیں۔ آئی ایم سوری۔ مجھے تمہیں بلوانا پڑا۔ اصل میں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے جبکہ یہ فائلز آج کی تاریخ میں مجھے سائن کر کے اسلام آباد بھجوانی ہیں۔ لاؤ فائلز مجھے دے دو۔" انہوں نے تکیے کے سہارے بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے فوراً فائلز انہیں تھما دیں۔

"تھینک یو۔ تم بیٹھو، میں یہ دیکھ لوں۔" انہوں نے کہا تو وہ چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئی اور کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی، پھر خاصی محتاط نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ دروازہ کھلنے پر بلا ارادہ ادھر متوجہ ہوئی اور شہریار آفندی کو دیکھ کر بلا ارادہ ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"پلیز۔" شہریار بمشکل اسے بیٹھنے کا اشارہ کر سکا کیونکہ اسے دیکھ کر وہ خود پر اختیار کھو رہا تھا۔

"اچھا ہوا شیری! تم آ گئے۔ یہ فائل سائن کر دینا۔" بیگم آفندی نے قصداً شہریار کو اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ چونک کر بولا۔

"ماما! آپ آفس نہیں گئیں؟"

"نہیں بیٹا! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر کو فون کروں۔"

"میں کر چکی ہوں اور میڈیسن بھی لے چکی ہوں، تم پریشان نہیں ہو اور جاؤ رفیق سے کہو کھانا لگا دے۔" انہوں نے کہا تو وہ سر ہلاتا وہیں سے واپس پلٹ گیا۔

"میڈم! میں جاؤں؟" کچھ دیر رک کر اس نے پوچھا تو بیگم آفندی اسے دیکھ کر بولیں۔

"یہ فائلز کون لے جائے گا۔"

"جی۔" وہ سمجھی نہیں۔

"میں چیک کر کے شہریار سے سائن کروا لوں پھر تم اپنے ساتھ لے جانا اور طاہر صاحب سے کہنا آج ہی ٹی سی ایس کے ذریعے بھجوا دیں اور ہاں، مجھے ایک لیٹر بھی فیکس کروانا ہے۔ میں ابھی تمہیں ڈکٹیٹ کرواتی ہوں۔ جاتے ہی فیکس کر دینا۔" بیگم آفندی کا مقصد اسے روکنا تھا اور اس کے لیے ان کے پاس اسباب کی کمی نہیں تھی۔ اور ظاہر ہے وہ ملازم تھی، یہی کہہ سکتی تھی۔

"یس میڈم۔"

کچھ دیر بعد ملازم نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی تو بیگم آفندی فائل ایک طرف رکھ کر بیڈ سے اترتے ہوئے اس سے بولیں۔

"چلو، پہلے کھانا کھا لیں۔"

"جی میں۔" وہ منع کرنا چاہتی تھی۔

"اٹ از لنچ ٹائم۔ آؤ۔" بیگم آفندی مستقل پروفیشنل لہجہ اختیار کیے ہوئی تھیں۔ جب ہی وہ ان کے اشاروں پر چل رہی تھی۔

"بیٹھو۔ اور کچھ دیر کو بھول جاؤ کہ میں کون ہوں۔ تم کون ہو۔ بس یوں سمجھو، تم اپنے گھر میں ہو۔ ریلیکس ہو کر بیٹھو۔ ریلیکس ہو کر کھاؤ اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔" بیگم آفندی نے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"شکریہ۔" وہ بیٹھی تھی کہ شہریار آ گیا اور عین اسے کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"جی۔" اس کی آواز کم نکلی تھی، سر زیادہ ہلا تھا۔

"او کے بیٹا! تم دونوں کھانا کھاؤ۔ میں جب تک فائلز دیکھ لیتی ہوں۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی تھی، جبکہ وہ کہنے لگا۔

"وہ سب بعد میں ماما! پہلے کھانا۔"

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے بیٹا۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے ڈاکٹر کے کہنے پر سوپ لیا تھا۔ تمہارے ساتھ یہ فائقہ ہے نا۔ فائقہ پلیز!"

وہ آخر میں اسے دیکھ کر کھانے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی چلی گئیں تو اس کا دل چاہا، وہ بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چل پڑے۔

"ماما بھی بس۔ آپ پلیز لیں نا۔" شہریار نے سالن کا ڈونگا اٹھا کر اس کے سامنے کیا تو اس

نے جلدی سے تھام کر دوبارہ ٹیبل پر رکھا اور تھوڑا سا سالن اپنی پلیٹ میں نکال کر محض اس خیال سے فوراً کھانے میں مصروف ہو گئی کہ اسے بار بار نہ ٹوکنا پڑے۔

شہر یار آفندی بظاہر اپنی پلیٹ پر جھک گیا تھا' لیکن توجہ اسی پر تھی۔ کبھی اس کے ہاتھ' کبھی جھکی پلکیں اور کبھی سیدھی شفاف مانگ کو دیکھتے ہوئے اچانک اسے رامش کی بات یاد آئی اس نے کہا تھا۔

''تم جاؤ اس کے پاس۔ اسے اپنے جذبات' اپنے احساسات سے آگاہ کرو پھر دیکھو' وہ تمہارے لیے کیا کرتی ہے۔ اگر تم نے اس کے دل کو چھو لیا تو پھر وہ صرف تمہاری ہو گی۔ وہ یہ بھی نہیں سوچے گی کہ تمہاری زندگی کم ہے یا زیادہ۔ وہ رفاقت کے ایک لمحے کو زندگی۔ محبت' صرف محبت شرط ہے۔''

'محبت۔' اس کے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہو گئی تو وہ جو اس کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کیے بیٹھی تھی سر اونچا کر کے دیکھنے لگی پھر اس کی پلیٹ پر نظر پڑی تو تعجب سے بولی۔

''آپ کھانا نہیں کھا رہے۔ کیا میری وجہ سے؟''

''آپ کی......اوہ نو، میں کھا رہا ہوں۔'' وہ کچھ ہڑبڑایا اور فوراً نوالہ منہ میں ڈال لیا تو وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر یونہی ٹیبل پر سجے اتنے ڈھیر سارے لوازمات دیکھنے لگی۔

''آپ یہ لیجیے نا۔'' شہر یار نے ایک ڈش اٹھا کر اس کے سامنے کی۔

''شکریہ' میں کھا چکی ہوں۔'' اس نے سہولت سے منع کیا اور اٹھ کر بیسن پر ہاتھ دھونے لگی۔ پھر پلٹی تو وہ بھی اٹھ چکا تھا۔ فوراً پوچھنے لگا۔

''چائے تو پییں گی نا آپ؟''

''میرا خیال ہے' میڈم نے فائلز چیک کر لی ہوں گی۔'' اس نے ایک طرح سے منع کیا۔

''آیئے۔ دیکھ لیتے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی ہوئی بیگم آفندی کے کمرے میں آ گئی۔

''ماما۔ آپ نے فائلز دیکھ لیں۔'' شہر یار نے پوچھا تو بیگم آفندی نے سر اونچا کیا اور دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر بولیں۔

''نہیں بیٹا! اس میں کچھ وقت لگے گا۔ تم کہیں جا تو نہیں رہے۔ پیپرز تم کو سائن کرنے ہیں۔''

''نہیں۔ میں کہیں نہیں جا رہا۔ اپنے کمرے میں ہوں۔'' اس نے کہا تو بیگم آفندی اثبات میں سر ہلا کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ لیکن پھر فوراً خیال آنے پر اسے پکار کر بولیں۔

''شیری۔ ایسا کرو بیٹا! فائقہ کو اپنی لائبریری دکھاؤ۔ یہاں یہ بور ہو گی۔''

''تو میڈم میں۔''

''آیئے پلیز۔'' اس نے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا' جبکہ بیگم آفندی متوجہ نہیں تھیں۔ وہ جز بز ہوتی اس کے ساتھ چل پڑی لیکن پھر لائبریری دیکھ کر اس کی ساری بوریت دور ہو گئی۔ گو کہ زیادہ انگلش لٹریچر تھا اس کے علاوہ روسی' فرانسیسی کے تراجم اور اردو میں کچھ تاریخی ناولز اور چند نامور شعرا کے مجموعے دیکھ کر وہ کچھ تعجب سے پوچھنے لگی۔

''آپ کو شاعری سے لگاؤ ہے۔؟''

''بہت، مجھے لگتا ہے' میرے اندر بھی ایک شاعر موجود ہے۔'' اس نے کہا تو وہ مزید حیران ہوئی۔

''واقعی۔''

''آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے۔'' اس نے ٹوکا تو وہ جواب سے کترا کر پوچھنے لگی۔

''کبھی کچھ کہا آپ نے کوئی شعر وغیرہ۔''

''نہیں۔ پہلے میں سوچتا تھا کہ وہ سامنے ہو گا تو میں اسے دیکھ کر لکھوں گا' لیکن جب وہ سامنے آیا تو میں خود کو بھول گیا۔ شعر کیا کہتا۔'' اس نے کہا تو اس بار اپنی حیرت چھپانے کے لیے اس نے ریک کے اندر جھانکنا شروع کر دیا۔ پھر یونہی اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

''آپ کے ذوق کی داد دینی پڑے گی۔''

''شکریہ۔ آیئے چائے آ گئی۔''

''چائے۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا تو ملازم چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر جا رہا تھا۔ وہ بغیر کسی پس و پیش کے آ کر بیٹھ گئی اور ٹرے اپنی طرف کھینچ کر کپ سیدھے کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ چینی کتنی لیں گے۔؟''

''ایک چمچ......'' وہ جانے کن نظروں سے دیکھنے لگا تھا کہ اسے اپنے اردگرد کھنچا حصار ٹوٹتا محسوس ہونے لگا۔ گھونٹ گھونٹ چائے حلق سے اترتے ہوئے اس نے اپنی نظروں کو قصداً اِدھر اُدھر بھٹکنا چھوڑ دیا لیکن ان نظروں کا کیا کرتی جن کی تپش نے اسے بری طرح نروس کر دیا تھا بمشکل تمام چائے کا کپ خالی کر کے اٹھنے لگی تھی کہ وہ بول اٹھا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''جی!'' اسے اٹھنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

''محبت کیا ہے اور آپ اس پر کتنا یقین رکھتی ہیں؟'' شہر یار نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

"محبت کیا ہے؟" اس نے پرسوچ انداز میں دہرایا پھر کہنے لگی۔

"میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ محبت اس کائنات کی سب سے بڑی اور سب سے خوبصورت سچائی ہے اور میرا اس جذبے پر صرف یقین نہیں ایمان ہے اور پلیز آپ یہ فرسودہ سوال مت پوچھیے گا کہ آپ نے کبھی کسی سے محبت کی؟"

"محبت کی جاتی ہے یا ہو جاتی ہے۔" اس نے پوچھا نہیں تھا لیکن پھر سوالیہ نشان بھی بن گیا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔

"پتہ نہیں۔ یہ بحث اکثر سننے میں آتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں' محبت کی جاتی ہے اور کچھ کا کہنا ہے ہو جاتی ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں ان دونوں باتوں سے اتفاق نہیں کرتی۔" وہ دامن بچا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں' میڈم انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"چلیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کے ساتھ اچھا وقت گزرا اور آج تو ماما نے آپ کو آفیشل کام سے بلایا ہے۔ کبھی اپنی مرضی سے آئیے گا۔" اس نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں انتظار کروں گا۔" شہریار نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو وہ اس کے عاجزانہ لہجے پر ایک پل کو چونکی پھر فوراً باہر نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ جب سے بیگم آفندی کے گھر سے ہو کر آئی تھی' مسلسل الجھ رہی تھی' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شہریار آفندی کس مقصد سے اس کی طرف پیش رفت کر رہا ہے۔ محض دل لگی' محض دوستی یا پھر سچ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا ہے۔ گو کہ تیسری بات اسے سچ لگ رہی تھی کیونکہ اس روز بس ایک زبان کو ہی اس نے اپنے اختیار میں رکھا تھا۔ ورنہ تو اس کی آنکھوں سے اور ہر ہر انداز سے اس کے جذبوں کا اظہار ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ نا تو بہت حسین ہے نا بہت مال دار' اس کے برعکس عام سی لڑکی ہے اور رابعہ کی نظر میں تو وہ کچھ بھی نہیں پھر کیسے وہ کسی کی نظروں میں سما سکتی ہے۔

اس وقت وہ چولہے پر چائے کا پانی رکھ کر ایسی ہی سوچوں میں گم ہو گئی تھی۔ ادھر پانی سوکھ کر کیتلی میں سے دھواں اٹھنے لگا تھا لیکن اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔

"لیجیے' ان محترمہ کو ہوش ہی نہیں۔" رابعہ دھواں دیکھ کر کچن میں آئی تھی اور جب اسے دیکھا تو تپنے کے ساتھ طنزآمیز لہجے میں بولی۔

"تمہیں کیا افغانستان کا غم کھائے جا رہا ہے؟"

"ہیں۔" چونکنے کے ساتھ کیتلی پر اس کی نظر پڑی۔

"ہائیں! یہ کیا ہوا؟"

"تمہارا سر۔" رابعہ نے کیتلی اتار کر سنک میں ڈالی پھر اسے دیکھ کر مشکوک انداز میں پوچھنے لگی۔

"تم کن سوچوں میں گم تھیں؟"

"میں وہ میں سوہنی کا سوچ رہی تھی۔ اس کا کالج میں ایڈمیشن کرانا ہے نا۔ سوچ رہی ہوں کل آفس سے چھٹی کر کے اس کے ساتھ چلی جاؤں۔" وہ بری طرح شپٹائی تھی لیکن پھر بات بنا گئی۔

"تمہیں چھٹی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوہنی کے ساتھ میں جاؤں گی۔" رابعہ نے کہا تو اس نے کوئی بحث نہیں کی۔

"اچھی بات ہے۔ تم چلی جانا۔"

"اور اس سے اچھی بات یہ ہو گی کہ تم کیتلی اچھی طرح مانجھ کر چائے بنا دو۔ ابو انتظار میں بیٹھے ہیں۔"

"ارے۔ میں خود تو نہیں چائے کا کہہ کر آئی تھی۔" وہ فوراً کیتلی مانجھنے لگی تو رابعہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

"سنو' کیا واقعی تم سوہنی کے کالج کا سوچ رہی تھیں؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب یہ کہ سوہنی کا ایڈمیشن تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ماشاءاللہ اے گریڈ لائی ہے' جس کالج میں جائے گی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی ہے نا۔" رابعہ نے مطلب بتا کر تائید چاہی تو وہ اس کا مطلب سمجھ کر نظریں چراتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ اس کا ایڈمیشن آرام سے ہو جائے گا۔"

"پھر تم کیا سوچ رہی تھیں کہ کیتلی جل گئی۔ اتنا دھواں اٹھا لیکن تمہیں خبر نہ ہوئی اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب زندگی میں کوئی نیا موڑ آتا ہے۔" رابعہ چبھتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی' اس کے برعکس اگر اس کا انداز دوستانہ ہوتا تو شاید وہ اسے ہم راز بنا لیتی لیکن اب وہ بگڑ گئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ میری زندگی میں بھلا کیا موڑ آ سکتا ہے اور اگر آیا تب بھی اس طرح نہیں سوچوں گی۔"

"پھر کس طرح سوچو گی۔" رابعہ اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"یہ وقت آنے پر بتاؤں گی، ابھی تو تم مجھے کام کرنے دو۔" وہ دوبارہ چائے کا پانی رکھ کر سالن گرم کرنے لگی۔

"سنو! کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے یہ ضرور سوچنا کہ ابو نے تم پر اعتماد کر کے تمہیں جاب کی اجازت دی تھی۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچنی چاہیے۔" رابعہ اپنی بات ختم کرتے ہی کچن سے نکل گئی تو وہ کچھ دیر حیران سی اس کے پیچھے دیکھتی رہی پھر ایک دم سلگ کر سوچنے لگی۔

"ایسی باتوں میں کتنا دماغ چلتا ہے اس کا اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہے، اور تنبیہ کرنا بھی نہیں بھولتی، ایسے جیسے خود بڑی فرمانبردار، وفادار ہو، ہونہہ۔" آخر میں اس نے سر جھٹکا پھر جلدی سے چائے بنا کر ابو کے کمرے میں لے جاتے ہوئے اس نے سوہنی سے دسترخوان لگانے کو کہہ دیا اور خود ابو کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"تمہاری جاب کیسی چل رہی ہے؟" ابو نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں چاہتی ہوں، اس کے ساتھ کوئی اور کورس بھی کر لوں لیکن وقت کا مسئلہ ہے۔"

"فل ٹائم جاب میں یہی ہوتا ہے۔ ویسے تمہیں ضرورت بھی نہیں ہے۔" ابو نے کہا تب ہی سوہنی اسے بلانے آ گئی۔

"آپی! چلیں کھانا کھا لیں۔"

"جاؤ بیٹا۔ کھانا کھاؤ۔ یہ کپ بھی لے جاؤ۔" ابو نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کپ اسے تھمایا، پھر سوہنی سے پوچھنے لگے۔ "یہ آواز کس کی ہے، کون آیا ہے؟"

"عظام بھائی آئے ہیں۔"

"عظام بھائی۔" اسے اس وقت عظام کی آمد پر اچنبھا ہوا۔ دل ہی دل میں قیاس کرتی ہوئی برآمدے میں آئی اور انہیں سلام کرتے ہوئے بولی۔

"کھڑے کیوں ہیں، بیٹھ جائیں۔"

"میں پہلے پھوپھا جان سے مل لوں۔" وہ کہہ کر ابو کے کمرے میں چلے گئے تو اس نے دسترخوان پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کھانا نہیں کھائیں گے عظام بھائی۔"

"کہہ رہا ہے، کھا کر آیا ہوں۔" امی نے یوں بتایا جیسے کہہ رہی ہوں، میں پوچھ چکی ہوں۔

"اس وقت کیسے آ گئے؟" رابعہ نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے کہا تو امی بگڑ گئیں۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے وہ کسی بھی وقت آئے۔"

"میری بلا سے۔" رابعہ سر جھٹک کر کھانے میں مصروف ہو گئی لیکن وہ مسلسل قیاس کرتی رہی کیونکہ تشویش اسے بھی تھی۔ شاید اس لیے کہ عظام اس وقت کبھی نہیں آئے تھے۔ بہر حال کھانا کھاتے ہی رابعہ حسب عادت اپنے کمرے میں چلی گئی اور اس نے دسترخوان سمیٹتے ہوئے امی سے پوچھا۔

"امی! آپ چائے پئیں گی۔"

"نہیں۔ اس وقت چائے پیوں گی تو پھر رات بھر نیند نہیں آئے گی، البتہ عظام کے لیے بنا دو۔" امی نے کہا۔

"ان ہی کے لیے بنانے جا رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی کچن میں آ گئی اور چائے کا پانی رکھ کر جلدی سے برتن دھو ڈالے۔ پھر محض عظام کا ساتھ دینے کے لیے، اس نے آدھا کپ اپنے لیے بھی بنا لیا اور اندر آئی تو عظام اس کے کمرے میں سوہنی کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"چائے لیجئے عظام بھائی!" اس نے کہا، تب وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کپ تھام کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔ آج کیسے راستہ بھول گئے۔"

"تم جو نہیں آئیں اتنے دنوں سے۔ تشویش ہوئی کہ کہیں......"

"مر ور تو نہیں گئی۔" اس نے فوراً کہا تو عظام قدرے خفگی سے بولے۔

"منہ سے اچھی بات نکالا کرو۔"

"میرے لیے اچھی بات یہی ہے کہ میں مر جاؤں۔" اس نے کہا تو اس بار سوہنی سہم کر بولی۔

"اللہ آپی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"پاگل ہے یہ۔" عظام اٹھتے ہوئے بولے۔

"بہر حال، میں تمہاری خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ اسماء اور امی بھی بہت پوچھ رہی تھیں تمہیں۔ فرصت ملے تو مل آنا ان سے۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تو عظام اپنی بات سوچتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"کچھ غلط کہہ گیا ہوں کیا میں؟"

"نہیں تو۔ آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟ بیٹھیں نا۔"

"نہیں چلتا ہوں۔ دس بج چکے ہیں۔" انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"دس بج گئے۔ واقعی بہت رات ہو گئی۔" وہ ہنسی۔

"نہیں۔ بہت رات تو نہیں ہوئی۔ اصل میں مجھے صبح پانچ بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد جانا ہے۔ جلدی سوؤں گا تو جلدی اٹھوں گا۔ اچھا سو بنی۔" وہ سو بنی کا سر ہلا کر کمرے سے نکل گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

"اسلام آباد کس سلسلے میں جا رہے ہیں؟"

"آفیشل ٹور ہے' کیوں؟" انہوں نے یوں دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں، تمہیں کوئی کام ہے۔

"یونہی پوچھ رہی ہوں۔ کتنے دنوں میں آئیں گے؟" اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"تین چار دن یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ' تم اگر اتنے دن صبر نہیں کر سکتیں تو جو کہنا ہے' ابھی کہہ ڈالو۔" انہوں نے چلتے چلتے اچانک رک کر اسے دیکھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"جی نہیں' مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا۔ ابھی نہ آئندہ کبھی۔"

"اچھا۔" وہ ذرا سا مسکرائے۔

"ہاں میں نے سوچ لیا ہے کہ آپ سے کچھ نہیں کہوں گی' البتہ ایک بات ضرور پوچھوں گی۔"

"کیا؟"

"ابھی نہیں پھر کبھی۔" اس نے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے' پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئے۔

وہ گیٹ بند کر کے واپس اپنے کمرے میں آئی تو اپنی جگہ پر رابعہ کو لیٹے دیکھ کر قصداً حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"ہائیں! تم جاگ رہی ہو۔"

"چھوڑ آئیں عظام بھائی کو؟" رابعہ اس کی حیرت یکسر نظر انداز کر گئی تو اس نے بھی کوئی جواب نہیں دیا اور وارڈروب کھول کر صبح کے لیے کپڑے نکالنے لگی۔

"کچھ پتہ چلا' کیوں آئے تھے؟" رابعہ پتہ نہیں خود متجسس تھی یا محض اسے تنگ کرنا مقصد تھا۔

وہ فوراً کچھ نہیں بولی۔ کپڑے نکال کر وارڈروب بند کی پھر استری کا پلگ لگا کر کہنے لگی۔

"تم فضول باتیں صرف اس لیے کرتی ہو' کیونکہ تم کچھ نہیں کرتیں۔ میری مانو صبح سے اخبار میں "ضرورت ہے" کا اشتہار دیکھنا شروع کرو۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔" رابعہ نخوت سے بولی تھی۔

"شوق تو مجھے بھی نہیں ہے۔ لیکن میں جاب کر رہی ہوں۔" اس نے زور دے کر کہا تو رابعہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔

"تم کر سکتی ہو۔"

"تم کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"بس نہیں کر سکتی اور تم کیوں مجھے فورس (Force) کر رہی ہو؟" رابعہ چڑ کر بولی۔

"میں فورس نہیں کر رہی۔ تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں' گھر میں بے کار پڑے رہنے سے بہتر ہے کچھ کر لو۔ جاب نہ سہی کوئی کورس' کوکنگ یا پینٹنگ وغیرہ اس سے تمہارا ذہن فریش رہے گا۔"

اس نے دھیرج سے سمجھانے کی کوشش کی' لیکن وہ رابعہ ہی کیا جو سمجھ جائے' گردن اکڑا کر بولی۔

"میرا ذہن ایسے ہی فریش رہتا ہے۔"

اس نے مزید کوشش کا ارادہ ترک کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی بے اختیار گلاس وال سے ادھر دیکھا اور شہریار آفندی کو موجود نہ پا کر قدرے مطمئن ہو گئی پھر نادرہ کو متوجہ کر کے بولی۔

"سنو آج میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"بھابی سے ملنے۔" نادرہ استہزائیہ ہنسی جس سے وہ جز بز ہو کر بولی۔

"ہاں۔ بہت دنوں سے بھیا نہیں آئے۔ امی پریشان ہو رہی تھیں۔"

"یار! تمہارے بھیا کو خود احساس نہیں ہے۔ گھر الگ کر لینے سے رشتے ناتے تو نہیں ٹوٹ جاتے۔ ان کی بیوی بے شک تم لوگوں سے نہ ملے لیکن انہیں تو خیال کرنا چاہیے۔" نادرہ نے تاسف سے کہا۔

"کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے' بھیا خیال کرتے ہیں۔ ادھر پتہ نہیں کیا بات ہے' کچھ دنوں سے نہیں آئے جب ہی تو امی پریشان ہو رہی ہیں۔" وہ خود لاکھ بھیا کی بے حسی سے شاکی سہی' کسی اور کا ٹوکنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ لیکن نادرہ چونکہ راحیلہ کو دیکھنے کے ساتھ اس کی باتیں بھی سن چکی تھی۔ اس لیے وہ اس سے کچھ چھپا بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی بھیا کی طرف داری کر گئی۔

"اپنی امی سے کہو' پریشان ہونا چھوڑ دیں۔ تمہارے بھیا بہت مزے میں ہوں گے۔" نادرہ نے کہا' لیکن وہ ان سنی کر کے دراز کھول کر اس میں ہاتھ مارنے لگی' پھر جب دیکھا وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی ہے تب اس نے دراز بند کر کے کمپیوٹر آن کیا تو حیران سی ہو گئی کیونکہ کل وہ وال پیپر ایک خوبصورت سینری چھوڑ گئی تھی اور اب وہاں ایک نظم تحریر تھی۔ اس کی تحیر زدہ نظریں اس پر جم گئیں اور ساعتوں پر جیسے کوئی دھیرے دھیرے دستک دینے لگا تھا۔

مجھے خبر تھی

کہ باد صبا کے جھونکے کو

میں اپنی سانسوں میں کچھ دیر روک سکتا ہوں
گلوں کی خوشبو بھی کچھ پل ہی ساتھ دے گی مرا
وہ نغمہ جو کہ سماعت میں رس بکھیرتا ہے
رہے گا اس کا بھی آہنگ
بس گھڑی کی گھڑی
وہ حیات میں اس روشنی کا رنگین خمار
بس اگلے موڑ پہ مجھ سے بچھڑنے والا ہے
مری تمام مسافت رہے گی لاحاصل
میں جانتا تھا
میں جانتا تھا مگر کیا کسی کو بتلاتا
اس عارضی سے تعلق میں کتنا جیون تھا
اور اس فریب میں کتنا سکون پنہاں تھا

"کون۔ کون ہو سکتا ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے ذرا سی گردن سیدھی کی تو نظروں کے سامنے شہریار آفندی کا کمرہ آ گیا اور گو کہ وہ موجود نہیں تھا۔ پھر بھی اس کا دل جس انداز سے دھڑکا' اس سے اسے یقین ہو گیا کہ یہ وہی ہو سکتا ہے اور اس یقین نے اسے گم صم کر دیا تھا کتنے پل بیت گئے اور شاید بہت دیر تک وہ یونہی گم صم بیٹھی رہتی۔ اگر جو طاہر صاحب اسے نہ پکارتے۔

"مس فائقہ!"

"جی۔" وہ بری طرح چونکی تھی۔

"آپ کا فون ہے۔" انہوں نے کہا تو اس نے حیران ہو کر اپنی طرف اشارہ کیا۔

"میرا؟"

"جی آئیے ادھر میڈم کے کمرے میں سن لیں۔"

وہ حیرت کے ساتھ قیاس کرتی ہوئی اٹھ کر میڈم آفندی کے کمرے میں آئی اور ٹیبل پر رکھا ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو ادھر سے پوچھا گیا۔

"آپ فائقہ ہیں؟"

"جی آپ کون؟" اس نے اجنبی آواز پر مزید الجھ کر پوچھا۔

"مجھے چھوڑیں۔ یہ بتائیں' آپ اعزاز احمد کی کون ہیں؟"

"بیٹی۔" اس نے فوراً بتایا لیکن دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"ہیلو۔" اس نے کریڈل پر ہاتھ مارا' تب ریسیور سے آواز آئی۔

"سوری مس۔ میں آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں سنا رہا۔ ایسا ہے کہ آپ کے فادر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"ک۔ کیا کہا۔" وہ ایک دم حواس کھونے لگی۔

"پلیز خود پر کنٹرول رکھیں' آپ کے فادر یہاں جناح ہاسپٹل میں ہیں۔ آپ فوراً آ جائیں یا ایسا کریں......" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔ اس نے سنا ہی نہیں۔ ریسیور رکھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ بیگم آفندی ابھی تک نہیں آئی تھیں اور طاہر صاحب ایک طرف کھڑے تھے۔

"وہ میڈم۔" اس نے طاہر صاحب کو دیکھتے ہوئے بس اسی قدر کہا۔

"وہ شہریار کو سی آف کرنے گئی ہیں۔ شہریار آج لندن جا رہے ہیں۔" طاہر صاحب نے بتا کر پوچھا۔

"خیریت کیا ہوا ہے؟"

"میرے فادر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میڈم آئیں تو انہیں بتا دیجئے گا۔ میں جا رہی ہوں۔" وہ بہت ضبط سے کہتی ہوئی میڈم کے کمرے سے نکلی اور اپنی ٹیبل سے بیگ اٹھا کر نادرہ سے بولی۔

"نادرہ میں جناح ہاسپٹل جا رہی ہوں۔ دعا کرنا' میرے ابو بالکل ٹھیک ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ تیز قدموں سے باہر نکل آئی اور رکشہ روک کر اس میں بیٹھتے ہی قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔

ٹریفک کے اژدھام سے نکلتا ہوا رکشہ جب جناح ہاسپٹل کی حدود میں داخل ہوا تب اسے اپنے اکیلے ہونے کا احساس ہوا تو اس نے سوچا پہلے بھیا کو فون کرے لیکن پھر وہ ایمرجنسی میں بھاگتی چلی گئی۔

"ایکسکیوز می۔ ابھی یہاں ایکسیڈنٹ کیس میں اعزاز احمد کو لایا گیا ہے۔ اس نے کاؤنٹر پر موجود نرس کو مخاطب کر کے پوچھا تو وہ فائل پر نظر ڈال کر بولی۔

"جی۔ وہ آپریشن تھیٹر میں ہیں۔"

"میں انہیں دیکھ سکتی ہوں؟"

"نہیں۔"

"کیا انہیں بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں۔" وہ رو دینے کو ہو رہی تھی۔

"پتہ نہیں بی بی۔ ابھی ڈاکٹر آئیں گے' ان سے پوچھ لیجئے گا۔"

"میرے خدا۔" اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ بمشکل تمام خود کو گھسیٹتی ہوئی بوتھ تک آئی

لیکن اس کے پاس ٹیلی کارڈ نہیں تھا۔ مایوس سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ عقب سے آواز آئی۔

"نمبر بتائیں۔"

"جی۔" اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک اجنبی ٹیلی کارڈ لیے اس سے مخاطب تھا۔

وہ فوراً ریسیور اٹھا کر بھیا کے آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو۔" ادھر سے سلمان کی آواز سنتے ہی اس کے رکے ہوئے آنسو چھلک گئے۔

"بھیا! میں فائقہ بول رہی ہوں۔ ابو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ آپ پلیز جلدی سے آجائیں۔"

"کہاں ہو تم اس وقت؟" سلمان نے پوچھا۔

"جناح ہاسپٹل۔"

"کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟"

"مجھے یہ سب نہیں پتہ۔ بس آپ فوراً آجائیں۔" وہ چیخی تھی۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں آجاؤں گا لیکن کچھ دیر ہو جائے گی۔" سلمان نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"کوئی دیر نہیں بھیا۔ میں اکیلی ہوں یہاں۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں ریسیور میں سے کھینچ لے۔

"اور یہاں اسٹیٹ بینک سے سینئر آفیسرز آئے ہوئے ہیں۔ ایک آدھ گھنٹے میں چلے جائیں گے پھر میں فوراً آتا ہوں۔ تم پریشان نہیں ہو۔ اچھا۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو اس نے دکھ اور بے یقینی سے ریسیور کو دیکھا پھر کریڈل رکھ کر اپنے آس پاس دیکھنے لگی کوئی سہارا تھا نا بیٹھنے کی جگہ۔

"آیئے۔ ادھر چلیں۔" اجنبی کی آواز پر وہ چونک کر اس سے پوچھنے لگی۔

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام اعجاز ہے اور میں اعزاز صاحب کے ساتھ کام کرتا ہوں۔ ابھی میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔" اس نے بتایا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"آپ ابو کے ساتھ تھے۔ جب ان کا ایکسیڈنٹ ہوا؟"

"نہیں۔ میں نے ایکسیڈنٹ ہوتے نہیں دیکھا۔ آفس کے قریب شاید روڈ کراس کرتے ہوئے ہوا تھا۔ وہیں لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں نے جا کر دیکھا تو اعزاز صاحب......" وہ قصداً خاموش ہو گیا تھا۔

"کک...... کیا ہوا انہیں؟ میرا مطلب ہے بہت زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔" اس کی پریشانی

اور بے قراری انتہا کو چھو رہی تھی۔

"آپ حوصلہ رکھیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آیئے ادھر بیٹھتے ہیں۔" اعجاز نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ جس سے اس کا دل اندیشوں میں گھر گیا کہ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔

"آپ اگر گھر فون کرنا چاہیں تو......" اعجاز نے کہا تو مایوسی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے ایک دم عظام کا خیال آیا۔ فوراً اس کے ہاتھ سے ٹیلی کارڈ لے کر عظام کے آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"جی مجھے عظام صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"اسلام آباد۔ ابھی آئے نہیں۔"

"کب تک آئیں گے؟"

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس کی مایوسی سوا ہو گئی۔ ریسیور رکھ کر بوجھل قدموں سے کوریڈور میں بینچ پر بیٹھی اور اپنی نظریں آپریشن تھیٹر پر جما دیں جبکہ اس کا ذہن سلمان بھیا کو سوچتے ہوئے چٹخنے لگا تھا۔

کتنی ہی دیر بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلنے کے ساتھ ڈاکٹر برآمد ہوا تو وہ بھاگ کر اس تک جا پہنچی۔

"ڈاکٹر صاحب۔ میرے ابو!"

"ویری سیریس کیس۔" ڈاکٹر مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ "دماغ پر گہری چوٹ ہے آپریشن ہو گا۔"

"باقی زخم؟ بازو اور پیٹھ......" اس کے پیچھے کھڑے اعجاز نے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن دماغ کی چوٹ اگر بروقت آپریشن نہ ہوا تو......"

"ہو جائے گا۔ میں ابھی......" وہ ڈاکٹر کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی اور پھر سامنے سے آتے سلمان بھیا کو دیکھ کر بھاگ کر ان کے سینے سے جا لگی۔

"بھیا! بھیا! ابو کو بچا لیں۔ انہیں فوراً اسپتال لے چلیں۔"

"ہاں ہاں۔ صبر کرو۔ مجھے ابو کو دیکھنے تو دو۔" سلمان نے اسے خود سے الگ کیا پھر ڈاکٹر کے ساتھ آپریشن تھیٹر میں چلے گئے۔

وہ بھی ان کے پیچھے جانا چاہتی تھی لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ دوسرے اعجاز نے بھی اس کا راستہ روک لیا تھا۔

کچھ دیر بعد سلمان واپس آئے تو ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اسے ایک طرف لے جا کر کہنے لگے۔

"آپریشن پر بہت خرچا آئے گا۔"

"ابو کی زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں بھیا! بس آپ انہیں لے چلیں۔" وہ مچل کر بولی۔

"ایسے کیسے لے جاؤں۔ کچھ انتظام ہو تب تو۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میں کرتی ہوں انتظام۔ امی کے پاس بھی جمع پونجی کافی ہوگی۔ آپ ابو کو لے جائیں میں امی سے پیسے لے کر وہیں آغا خان ہسپتال پہنچتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" سلمان نے کہا تو اس نے مزید ایک لمحہ ضائع نہیں کیا اور بھاگ کر باہر نکلی تھی۔

❁❁❁

اس نے بہت چاہا کہ امی کے سامنے معمولی چوٹوں کا ذکر کرے لیکن انہیں دیکھتے ہی اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ ان سے لپٹ کر جو رونا شروع کیا تو امی کے ساتھ رابعہ بھی پریشان ہوگئی۔

"کچھ بتاؤ تو ہوا کیا؟" آخر رابعہ نے چیخ کر کہا اور اسے کھینچ کر امی سے الگ کیا تو وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"ابو کا ایکسڈنٹ ہوگیا ہے۔"

"ہائیں!" امی وہیں ڈھے گئیں۔

"کب؟ کہاں؟ تمہیں کیسے پتہ چلا؟" رابعہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔ "اور ابو ہیں کہاں؟"

"ہاسپٹل میں۔" وہ امی کے گرنے سے سنبھل کر بولی۔ "پہلے امی کو اٹھاؤ۔"

رابعہ نے امی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا پھر انہیں تخت پر بٹھاتی ہوئی بولی۔

"حوصلہ رکھیں۔ یہ تو ایسے ہی پاگل ہے۔"

"کہاں ہیں تمہارے ابو......؟" امی نے اس سے پوچھا۔

"ہاسپٹل میں سلمان بھیا ان کے پاس ہیں۔ بس آپ جلدی سے پیسے نکالیں۔ اس وقت جتنے آپ کے پاس ہیں سب دے دیجئے۔" اس نے کہا تو امی فوراً اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

"بیٹھو۔" رابعہ نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر بٹھایا پھر اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔

اس نے ایک سانس میں گلاس خالی کیا پھر آہستہ آواز میں رابعہ سے بولی۔

"بہت سیریس کنڈیشن ہے ابو کی۔ بھیا انہیں ہسپتال لے گئے ہیں۔ میں پیسے لے کر وہیں جاؤں گی۔"

"میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" رابعہ نے فوراً کہا۔

"نہیں۔ تم یہاں امی کا خیال رکھو۔ امی اکیلی ہیں۔ سوہنی اور عثمان آجائیں پھر بے شک تم جانا۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور اندر جانے لگی کہ امی آگئیں۔

"یہ بیس ہزار ہیں۔" امی نے رومال میں لپٹی اپنی جمع پونجی اس کی طرف بڑھائی تو وہ مایوسی سے

بولی۔

"بس؟" پھر امی کے چہرے پر نظر پڑی تو فوراً بولی۔ "کافی ہیں۔ اچھا میں چلتی ہوں۔"

"رکو۔ میں بھی چلوں گی۔" امی نے کہا تو وہ رابعہ کو دیکھنے لگی۔

"آپ کہاں جائیں گی۔ میرا مطلب ہے۔ خوامخواہ پریشان ہوں گی۔ تم جاؤ فائقہ۔" رابعہ نے اسے اشارہ کیا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی تھی۔

اسپتال میں سلمان اس کے منتظر تھے' اسے دیکھتے ہی لپک کر آئے۔

"کتنا انتظام ہوا؟"

"بیس ہزار......" اس نے بتایا تو وہ اچھل کر بولے۔

"بیس ہزار۔ یہ تو بہت کم ہیں۔ تیس ہزار تو فوراً جمع کرانے ہیں۔ اس کے بعد جو ابھی دواؤں کے پرچے تھمانے شروع کریں گے وہ اور آپریشن تھیٹر کی فیس الگ۔"

"تو بھیا آپ!"

"میں کیا کروں۔ ابھی چار دن پہلے راحیلہ کی سالگرہ تھی' اس پر میں نے اتنا خرچ کر دیا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ۔"

وہ جھنجھلاتے ہوئے پلٹ کر راہداری میں مڑ گئے۔ تو وہ بس چند قدم ان کے پیچھے چل کر نڈھال سی بینچ پر ڈھے گئی اور انگلیوں سے پیشانی تھام کر سوچنے لگی کہ اب وہ کیا کرے' کس کے پاس جائے۔

"عظام بھائی۔ عظام بھائی۔" اس کی ہر ہر دھڑکن پکارنے لگی تھی۔

"نہیں ہیں عظام بھائی یہاں۔" اس نے اپنے دل کو ڈانٹا تھا تب ہی سلمان آ گئے۔

"دیکھو! ابھی میں نے پندرہ ہزار جمع کرائے ہیں۔ یہ باقی کچھ دواؤں کے لیے رکھ لیے ہیں۔ راحیلہ کے پاس جاؤ لیکن اس کے پاس بھی گھر کے خرچے کے تین چار ہزار ہی ہوں گے جبکہ ابھی مزید پچاس ساٹھ ہزار کی ضرورت ہے۔"

"پچاس ہزار۔" اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" سلمان اٹھ کر ٹہلنے لگے شاید سوچ رہے تھے کہ کس سے رجوع کریں۔

اس کی نظریں سلمان کے ساتھ ساتھ اِدھر سے اُدھر بھٹکتی ہوئی اچانک ایک نقطے پر ٹھہر گئیں اور پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھیا! میں اپنی میڈم سے بات کرتی ہوں' شاید وہ اتنی رقم ایڈوانس میں دے دیں۔"

"شاید۔" سلمان نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا تو وہ فوراً بولی۔

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"کر دیکھو۔" سلمان کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔" وہ پھر اسی تیزی سے نکلی تھی اور تمام راستہ دعا کرتی رہی کہ اللہ بیگم آفندی کے دل میں رحم ڈالے اور وہ بغیر کسی پس و پیش کے اسے ایڈوانس میں اتنی رقم دے دیں۔

"یا اللہ۔ میرے ابو کی بہت لمبی عمر ہو اور اپنے کرم سے تو ان کی ساری مشکلیں آسان کر دے۔" اس نے صدق دل سے دعا کرتے ہوئے بیگم آفندی کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔

"مے آئی کم ان۔"

"یس۔" بیگم آفندی نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر کہا پھر ایک دم چونک کر اسے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"تم...... تم کیسے آئیں...... تمہارے فادر؟"

"میرے فادر۔" وہ بے اختیار رو پڑی۔ "میڈم پلیز' میری ہیلپ کریں۔ میرے فادر کی کنڈیشن بہت سیریس ہے۔ میں انہیں آغا خان ہاسپٹل میں چھوڑ آئی ہوں۔"

"اچھا ہاسپٹل ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے تمہارے فادر۔" بیگم آفندی نے تسلی دی۔

"دعا کریں۔" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

"انشاء اللہ۔ آؤ بیٹھو۔"

"بیٹھنے کا وقت نہیں ہے میڈم! میں آپ کے پاس اپنی ضرورت سے آئی ہوں۔ ادھر میرے فادر کا آپریشن ہو رہا ہے اور اس کے لیے مجھے پیسوں......" اس کی زبان لڑکھڑا کر رک گئی۔

بیگم آفندی ایک دم سیدھی ہو گئیں اور چیئر کی بیک سے کمر ٹیک کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"ماما! میں نہیں جانتا۔ یہ لڑکی کون ہے' اس کا کیا نام ہے اور یہاں کس پوسٹ پر کام کرتی ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اسے دیکھ کر میں خدا سے اپنے لیے بہت لمبی عمر کی دعا مانگنے لگتا ہوں۔ اس کا بہت خیال رکھیے گا ماما۔"

"میڈم! مجھے ایڈوانس میں......" وہ بڑی آس سے دیکھنے لگی۔

"کتنی رقم چاہیے؟" بیگم آفندی کی نظریں اس پر جم کر رہ گئی تھیں جبکہ ذہن متحرک ہو گیا تھا۔

"پچ...... پچاس ہزار۔" اس کی نظریں جھک گئیں۔

"پچاس ہزار۔" بیگم آفندی نے دہرایا پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

"میں تمہیں اس سے زیادہ رقم دے سکتی ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"سوچ لو۔"

"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں سوچنا۔ میں اپنے ابو پر اپنی جان قربان کر سکتی ہوں۔ اس سے بڑھ کر آپ کیا مانگیں گی پلیز اپنی شرط بتائیں۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

"شرط بتانے میں وقت لگے گا اور تمہارے پاس ابھی وقت نہیں ہے۔ لو یہ پیپر سائن کر دو۔"

بیگم آفندی نے سادہ پیڈ اس کے سامنے ڈال دیا اور خود دراز کھول کر اس میں سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر ٹیبل پر رکھنے لگیں، جنہیں دیکھتے ہی اس نے فوراً پین اٹھا لیا لیکن پھر سادہ پیپر سائن کرتے ہوئے اس کی انگلیاں کانپنے لگی تھیں۔

"بی بریو۔ (بہادر بنو)" بیگم آفندی اس کے ہاتھ کے نیچے سے پیڈ نکالتے ہوئے کہنے لگیں۔

"یہ ایک لاکھ ہیں۔ ضرورت پڑے تو اور لے لینا اور ہاں جب تک تمہارے فادر ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ تمہیں آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ مجھے فون ضرور کرتی رہنا۔ او کے؟"

"جی!" اتنی رقم دیکھ کر بھی جانے کیوں وہ بجھ سی گئی تھی۔

"کہاں۔ ہسپتال جاؤ گی؟"

"جی......"

"ایک منٹ رکو۔ میں ڈرائیور سے کہتی ہوں، تمہیں لے جائے گا۔" بیگم آفندی نے بیل کا بٹن پش کرتے ہوئے کہا تو وہ ممنونیت سے بولی۔

"تھینک یو میڈم۔"

"نو تھینکس۔" انہوں نے کہا پھر چپراسی کے آنے پر اس سے مخاطب ہو گئیں۔ "ڈرائیور سے کہو، مس فائقہ کو ہاسپٹل لے جائے۔"

☆......☆......☆

اسے یہ سوچنے کی فرصت نہیں تھی کہ وہ کیا کر آئی ہے اور آئندہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اسے صرف ابو کی فکر تھی۔ بنچ کے ایک کونے میں دبکی وہ مسلسل قرآنی آیات کا ورد کرنے کے ساتھ ابو کی درازی عمر کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس کے علاوہ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ اس کی زبان اور حلق تک خشک ہو گیا تھا پھر بھی اس کا ورد جاری تھا۔

پورے چار گھنٹے بعد سلمان اس کے پاس آ کر بیٹھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔

"تمہاری دعاؤں نے ابو کو بچا لیا ہے۔"

"سچ بھیا!" وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

"ارے بے وقوف۔ رونے دھونے کا سلسلہ گھر جا کر کرنا۔" سلمان اسے نرمی سے ٹوک کر پوچھنے لگے۔

"یہ بتاؤ اب ابو کو کہاں منتقل کروانا ہے۔ وارڈ یا۔"

"پرائیویٹ روم۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"سوچ لو۔ کہیں پیسے کم پڑ گئے تو۔"

"نہیں کم پڑیں گے۔ چلیں، پہلے مجھے ابو کے پاس لے چلیں۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ ابھی ہوش میں نہیں ہیں۔" سلمان نے کہا۔

"پھر بھی چلیں۔ میں جب تک انہیں دیکھ نہیں لوں گی، مجھے چین نہیں آئے گا۔" اس نے سلمان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

"چلو لیکن کوئی حماقت نہیں کرنا۔ میرا مطلب ہے خود پر قابو رکھنا۔"

"فکر نہیں کریں۔ میں بہت بہادر ہوں۔"

مشکل گھڑی ٹل گئی تھی تو اب وہ مسکرائی تھی لیکن جب آپریشن تھیٹر میں جا کر ابو کو دیکھا تو اس کا دل سہم کر رہ گیا۔ ان کا پورا سر بینڈیج میں جکڑا تھا اور غالباً زیادہ خون بہہ جانے کے باعث ان کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو رہا تھا۔ اس نے جھک کر ان کے سینے پر رکھے ہاتھ پر اپنے ہونٹ رکھے تو اس کی آنکھوں سے موتی چھلک گئے۔

"کیا کر رہی ہو، چلو۔" سلمان اسے کندھوں سے تھام کر باہر لے آئے پھر رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

"پانچ بج چکے ہیں۔ یہاں ابو کے پاس کون رکے گا؟"

"میں۔" وہ فوراً بولی۔

"لیکن تم اکیلی......"

"آپ میری فکر نہ کریں۔" اس نے کہا تو سلمان خاموش ہو رہے۔

"آپ پہلے امی کے پاس چلے جائیں۔ وہ بہت پریشان تھیں۔ فون بھی تو نہیں ہے گھر میں۔"

اسے اب ٹیلی فون کی ضرورت اور اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ "ابو ٹھیک ہو جائیں پھر سب سے پہلے فون لگوائیں گے۔"

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔ اور گھر سے کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔ میں امی سے کہہ دوں گا۔ وہ عثمان

کے ہاتھ بھیج دیں گی۔" سلمان کا عجلت بھرا انداز بتا رہا تھا کہ اب انہیں جانے کی جلدی ہو رہی ہے۔

"ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی بھیا! آپ بس امی کو اطمینان دلا دیجئے گا۔"

"تم اکیلی پریشان تو نہیں ہو گی۔"

"نہیں۔ مجھے اب پریشانی امی کی طرف سے ہو رہی ہے۔ آپ پلیز پہلے وہیں جائیے گا۔" اس نے کہا تو سلمان اثبات میں سر ہلاتے آگے بڑھ گئے۔

"سنیں! پیشنٹ کو کمرے میں کب لایا جائے گا؟"

"تھرٹی ٹو۔"

"یس۔"

"آدھے گھنٹے بعد۔ آپ چاہیں تو اتنی دیر میں گھر کا چکر لگا سکتی ہیں۔" نرس نے بتانے کے ساتھ مشورہ دیا۔

"نہیں' میرا گھر دور ہے۔" وہ کہہ کر کمرے میں آ گئی تو شفاف بیڈ دیکھتے ہی دن بھر کی تھکن عود کر آئی۔ صبح نو بجے سے تو وہ بھاگ رہی تھی اور ساری ٹینشن کے دوران اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ اب جو تکیے کے ساتھ کمر ٹکائی تو جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر ٹانگیں اوپر سیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد اسے عثمان کی آواز سنائی دی تھی۔

"یہاں تو صرف آپی ہیں۔"

اس نے فوراً آنکھیں کھولیں اور عثمان کو دیکھ کر اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کون ہے؟"

"میں اور باجی۔" عثمان نے کہا تب ہی رابعہ اندر آ گئی۔

"ابو کہاں ہیں ٹھیک تو ہیں نا؟"

"ہاں' اللہ کا شکر ہے آپریشن کامیاب ہو گیا۔ ابھی یہیں آئیں گے' تم اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟" اس نے بتا کر پوچھا۔

"کیا بتاؤں امی کی حالت ایسی ہو گئی۔ دو بار تو بے ہوش ہو چکی ہیں' ابھی بھی سوہنی آنے نہیں دے رہی تھی کہ پھر امی کو کچھ ہو گیا تو وہ اکیلی کیسے سنبھالے گی اور تم یہاں اکیلی ہو' بھیا کہاں ہیں؟"

"وہ ابھی گئے ہیں۔ پہلے امی کے پاس ہی جائیں گے۔" اس نے کہا تو رابعہ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"چلو شکر ہے۔ سوہنی بہت پریشان ہو رہی تھی۔"

"آپی! میں ابو کو دیکھ آؤں؟" عثمان نے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"دیکھ آؤ اور سنو کینٹین نظر آئے تو چائے کا کہہ دینا' مجھ سے اب بیٹھا بھی نہیں جا رہا۔"

"میں بھی چلتی ہوں۔" رابعہ بھی اٹھ کر عثمان کے ساتھ چلی گئی تو وہ اس خیال سے کہ کہیں اسے نیند نہ آ جائے راہداری میں نکل کر ٹہلنے لگی تھی۔ پھر جب ابو کو کمرے میں منتقل کر دیا گیا اس کے بعد وہ تینوں کمرے میں آ کر بیٹھے اور کتنی دیر تک خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ پھر رابعہ اسے اشارا کر کے کمرے سے نکل گئی۔

"کیا بات ہے؟" وہ رابعہ کے پیچھے آ کر پوچھنے لگی۔

"بہت سیریس ایکسیڈنٹ تھا۔ اللہ نے بچایا ہے ابو کو۔" رابعہ نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"ہاں۔ اللہ کا بڑا کرم ہے' ہم اس کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔"

"بیس ہزار میں ہو گیا سب؟"

"نہیں۔ بیس تو بہت کم تھے۔ خیر اللہ کا شکر ہے اور انتظام ہو گیا تھا۔" اس نے کہا تو رابعہ تعجب سے پوچھنے لگی۔

"بھیا نے دیئے؟"

"نہیں۔ میں نے اپنے آفس سے ایڈوانس لیے ہیں۔"

"وہ کتنے؟" وہ جتنا پہلو تہی کر رہی تھی' رابعہ اتنا ہی سوال اٹھا رہی تھی۔

"ایک لاکھ۔"

"ایک لاکھ کیسے مل گئے؟"

"کیسے ملے' کیوں ملے۔ یہ سب سوچنا فضول ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کام ہونا ہوتا ہے۔ اس کے لیے سارے راستے خود بخود ہموار ہوتے جاتے ہیں ورنہ ہم ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے جو ہماری تقدیر میں نہیں لکھا ہوتا۔ بس یوں سمجھ لو اللہ نے ہمیں یتیم ہونے سے بچانا تھا سو بچا لیا۔ اس کے لیے خواہ مجھے......"

وہ ایک دم خاموش ہو گئی تھی اور شکر تھا کہ عثمان کے آنے سے رابعہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی ورنہ ٹوکتی ضرور کہ تمہیں کیا کرنا پڑا۔

"اور میں نے کیا کیا ہے۔ ایک سادہ پیپر ہی تو سائن کیا ہے۔ اب پتہ نہیں اس پر میڈم آفندی کیا لکھیں گی۔ شاید رقم کی واپسی تک میری غلامی اور ابو کی زندگی کے لیے میں غلامی کیا' اپنی نیلامی

بھی لکھ سکتی تھی۔" وہ سوچتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

بیگم آفندی نے بیڈ کارنر سے اپنی رسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا پھر ٹیلی فون سیٹ اپنے قریب رکھا تھا کہ فون کی بیل بج اٹھی۔

"ہیلو!" انہوں نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔

"السلام علیکم ماما!" دوسری طرف شہریار آفندی تھا۔

"بہت لمبی عمر جیو بیٹا! کیسے ہو؟" انہوں نے دعا دے کر پوچھا۔

"بالکل ٹھیک لگتا ہے آپ کی دعائیں رنگ لا رہی ہیں۔" شہریار نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ماما کہ اس بار میری رپورٹس پہلے سے بہت اچھی ہیں۔" شہریار نے خوش ہو کر بتایا تو اس سے زیادہ بیگم آفندی خوشی سے اچھل پڑیں۔

"رئیلی!"

"او یس ماما! ڈاکٹر کہتے ہیں میرے اندر تازہ خون بن رہا ہے۔ گو کہ اس کی سپیڈ بہت کم ہے پھر بھی ماما چانس تو بن گیا ہے نا۔" شہریار کی آواز میں غیر معمولی کھنک تھی۔

بیگم آفندی کی آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو گئیں۔

"انشاء اللہ بیٹا! تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"سب آپ کی دعائیں ہیں ماما اور پھر اللہ میاں کو پتہ ہے نا کہ آپ کے پاس صرف ایک میں ہوں۔"

"ہاں اور تم سے ہی اس گھر میں بہاریں آئیں گی۔"

"بہاریں۔" شہریار نے بہت خوبصورت قہقہہ لگایا تھا۔

"اور کیا۔" بیگم آفندی مسکرائیں پھر اچانک ایک خیال کے تحت کہنے لگیں۔ "اور ہاں وہ فائقہ تمہارا بہت پوچھ رہی تھی۔"

"فائقہ۔ میرا...... کیا کہہ رہی تھی ماما؟" وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"یہی کہ تم اتنے دنوں سے نظر نہیں آئے۔ کہاں چلے گئے ہو۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں مس کر رہی ہے۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ جیسے یقین کر بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔

"تو ماما! آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے اس نے یونہی پوچھ لیا ہو گا۔"

"یونہی کسی اور نے تو نہیں پوچھا۔ خیر تم کب آ رہے ہو؟" بیگم آفندی نے خود ہی بات بدل

دی۔

"ابھی سیٹ کنفرم نہیں ہوئی۔ ہو گی تو آپ کو فون کر دوں گا۔"

"او کے بیٹا! اپنا خیال رکھنا۔"

"ایک منٹ ماما!" وہ رُک کر پوچھنے لگا۔ "اگر میں صبح آپ کو آفس میں فون کروں تو میری فائقہ سے بات ہو سکے گی؟"

"ہو تو سکتی تھی لیکن وہ آج کل چھٹی پر ہے۔" بیگم آفندی نے اس کی بے قراری محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک تو ہے نا وہ......؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔"

"او کے اللہ حافظ۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو بیگم آفندی ریسیور رکھتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"میرے بچے کوئی چیز تمہیں پسند آئے اور وہ تمہاری نہ ہو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ فائقہ تمہاری ہے صرف تمہاری۔"

بیگم آفندی کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور اگلے روز وہ فائقہ اعزاز احمد پر ایک اور احسان کرنے ہاسپٹل جا پہنچیں۔

"کیسے ہیں تمہارے فادر؟"

"جی۔ وہ......" فائقہ انہیں دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"تم نے فون نہیں کیا تو مجھے تشویش ہوئی۔ اس لیے خود دیکھنے چلی آئی۔" انہوں نے کہا تو وہ نادم سی ہو کر بولی۔

"سوری میڈم! پریشانی میں کچھ یاد ہی نہیں رہا۔"

"ہوتا ہے لیکن اب یاد رکھنا۔" انہوں نے بے نیازی برتنے کے ساتھ تنبیہہ بھی کی۔

"جی۔ میں ہر روز آپ کو فون کروں گی۔"

"گڈ۔ چلو مجھے اپنے فادر کے پاس لے چلو۔" انہوں نے کہا پھر اس کے ساتھ کمرے میں آئیں اور بیڈ کے قریب رک کر آہستہ آواز میں بولیں۔

"السلام علیکم۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

ابو نے اپنے سینے پر رکھا ہاتھ اٹھا کر اشارا کیا۔ بولے کچھ نہیں تو دوسری طرف سے فائقہ ان کے قریب آ کر بولی۔

"ابو! یہ ہماری میڈم ہیں۔ میڈم آفندی۔"

"آرام کرنے دو انہیں۔ ڈسٹرب نہیں کرو۔" انہوں نے فائقہ کو مزید کچھ کہنے سے روکا پھر اسے اپنے ساتھ باہر آنے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئیں۔

"کوئی پرابلم تو نہیں ہے یہاں؟"

"نو میڈم!" وہ ان کے سامنے خود کو بہت چھوٹا محسوس کر رہی تھی۔

"اور پیسوں کی ضرورت۔"

"جی نہیں۔"

"پھر بھی یہ رکھ لو۔" انہوں نے پرس میں سے لفافہ نکالا اور اسے تھما کر بولیں۔

"مجھے معلوم ہے یہاں کے اخراجات اور ہاں فادر کو گھر لے جانے کی جلدی مت کرنا۔ جب تک ڈاکٹرز نہ کہیں۔"

"جی......" اس نے کہا تب ہی رابعہ اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تو بیگم آفندی اسے دیکھنے لگیں۔

"میڈم! یہ میری سسٹر ہے۔" اس نے ان کے دیکھنے پر بتایا تو وہ حیرت سے پوچھنے لگیں۔

"تمہاری بہن ہے۔"

"جی۔"

"ہاؤ بیوٹی فل۔ او کے سی یو۔" انہوں نے بے اختیار رابعہ کو سراہا پھر اسے خدا حافظ کہہ کر چلی آئیں۔

☆......☆......☆

"تمہاری میڈم صرف ابو کو دیکھنے آئی تھیں؟" رابعہ کی حیرت بجا تھی پھر بھی وہ اسے ٹوک گئی۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"کیوں نہیں۔ اتنی بڑی فرم کی مالک۔ کیا اپنے تمام اسٹاف کے ساتھ وہ ایسی ہی ہیں۔"

"ہاں۔ سب کا خیال رکھتی ہیں۔" اس نے فوراً کہا تو رابعہ منہ بنا کر بولی۔

"پھر تو بہت جلدی دیوالیہ ہو جائیں گی۔"

"جی نہیں۔ کسی کی مدد کرنے سے آدمی دیوالیہ نہیں ہوتا' بلکہ اللہ اسے اور نوازتا ہے۔" اس نے کہا تو رابعہ کندھے اچکا کر بولی۔

"بہر حال خاتون ہیں گریس فل اور میری تعریف بھی کر رہی تھیں۔ کیا کہہ رہی تھیں بھلا؟"

"بیوٹی فل۔" اس نے کہا تو رابعہ گردن اکڑا کر بولی۔

"وہ تو میں ہوں۔ یہ بتاؤ ان کا کوئی خوبصورت سا بیٹا بھی ہے۔"

"رابعہ!" وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولی۔ "یہ ہاسپٹل ہے اور اس کمرے میں ہمارے ابو جس حال میں پڑے ہیں وہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ہاں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اللہ کے فضل سے اب انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس لیے میں تمہارا دل بہلانے کی کوشش کر رہی تھی اور تم......" رابعہ بات ادھوری چھوڑ کر کمرے میں چلی گئی۔

"میرا دل بہلا رہی تھی ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا پر رابعہ کے پیچھے جانے لگی تھی کہ عثمان کو آتے دیکھ کر وہیں رک گئی۔

"السلام علیکم۔ ابو کیسے ہیں؟" عثمان نے قریب آتے ہی سلام کے ساتھ پوچھا۔

"بہتر ہیں۔ تم رابعہ کے ساتھ آئے ہو؟" اس نے جواب کے ساتھ سوال اٹھایا۔

"جی۔ میں اسٹاپ پر پھل لینے رک گیا تھا۔" عثمان نے شاپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو ابو سے مل لو' لیکن زیادہ باتیں نہیں کرنا۔" اس نے کہا تو عثمان روم میں جاتے جاتے پلٹ کر پوچھنے لگا۔

آپی! بھیا اور بھابی نہیں آئے؟"

"نہیں۔"

"ابھی وہ یہاں سے گزرے تھے۔ میں جب پھل لے رہا تھا تو وہ۔"

"کہیں اور جا رہے ہوں گے۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔

"ابو کے پاس کیوں نہیں آئے؟" عثمان نے افسوس سے کہا اور افسوس تو اسے بھی ہو رہا تھا' لیکن عثمان کو بہلاتے ہوئے بولی۔

"آ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی ضروری کام سے گئے ہوں اور واپسی میں ادھر سے ہوتے ہوئے جائیں۔ چلو تم اندر چلو۔" اس نے عثمان کو اندر دھکیل دیا۔

پھر جب تک رابعہ اور عثمان رہے اس کا دھیان بٹا رہا اور ان کے جاتے ہی وہ پھر سے متضاد سوچوں اور الجھنوں میں گھر گئی تھی۔ زیادہ فکر اسے بیگم آفندی کی طرف سے تھی جو آج اسے مزید ایک لاکھ دے گئی تھیں اور بے شک وہ اس سے زیادہ بھی دے سکتی تھیں' لیکن اس کے بدلے میں وہ اس سے کیا چاہتی تھیں یہ سوالیہ نشان مسلسل اسے پریشان کر رہا تھا۔ کتنی بار اس نے سر جھٹک کر سوچا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا لیکن چند لمحوں بعد ہی پھر اس کا ذہن وہیں اٹک جاتا۔

اس وقت ابو کو سوپ پلاتے ہوئے اس کا ذہن اسی الجھن میں تھا جب ہی دروازہ کھلنے کی آواز

پر وہ متوجہ نہیں ہوئی۔

"السلام علیکم۔" عظام کی آواز پر وہ چونکی تھی اور انہیں دیکھ کر ذرا سا سر ہلا دیا۔

"کیسی طبیعت ہے پھوپھا جان؟" عظام نے ابو کے قریب بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"اللہ کا شکر ہے۔کل سے بہت بہتر ہیں۔" ابو کے بجائے اس نے جواب دیا تو عظام اس سے پوچھنے لگے۔

"کیسے ہوا یہ سب؟"

"بس ہونے والی بات تھی، ہو گئی۔"

"میں آج ہی اسلام آباد سے لوٹا ہوں۔ایئر پورٹ سے سیدھا آفس چلا گیا تھا۔ابھی گھر گیا تو امی نے بتایا۔"

"مامی جی آئی تھیں امی کے ساتھ۔" اس نے بتایا اور ابو کے اشارے پر سوپ کا پیالہ ٹیبل پر رکھ کر تولیے سے ان کا منہ صاف کیا پھر دوسرے بیڈ پر آ بیٹھی۔

"کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے؟" عظام نے چہرہ اس کی طرف کر کے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"نہیں۔بس یہ ہے کہ زخم بھرنے میں کچھ وقت لگے گا۔" وہ ابو کو دیکھتے ہوئے بولی۔"میرا خیال ہے ابو لائٹ سے بے چین ہو رہے ہیں' ابو! لائٹ آف کر دوں۔"

"ہوں۔" ابو نے ہوں کی آواز نکال کر آنکھیں بند کر لیں تو عظام اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ باہر چلیں عظام بھائی! میں آرہی ہوں۔" اس نے ابو کا کمبل ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی۔

"یہاں رات میں تم رکتی ہو؟" عظام نے پوچھا۔

"جی۔چار دن سے میں ہی ہوں یہاں۔"

"اور آفس؟"

"چھٹی لی ہوئی ہے۔"

"کتنے دن کی؟"

"دنوں کا حساب نہیں رکھا۔ ویسے کل سے رابعہ یہاں آجائے گی پھر میں آفس جانے لگوں گی۔" اس نے کہا تو عظام فوراً بولے۔

"میں یہی کہنے والا تھا کہ رابعہ یہاں رکے اور تم آفس جاؤ کیونکہ پرائیویٹ جاب ہے زیادہ دن کی چھٹی سے کہیں......"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تو اس کا دل چاہا کہے کہ اس کی جاب نہیں چھوٹے گی' وہ اگر چھوڑنا چاہے تب بھی نہیں' لیکن اس نے خود کو روک لیا تو قدرے رک کر عظام پوچھنے لگے۔

"پیسوں وغیرہ کی ضرورت......؟"

"نہیں عظام بھائی۔" اس نے فوراً منع کیا۔

"پھر بھی یہ رکھ لو۔" عظام جیب سے والٹ نکالتے ہوئے بولے۔

"پلیز عظام بھائی! مجھے اگر ضرورت پڑی تو میں بلا جھجک آپ سے کہہ دوں گی۔بس آپ دعا کریں۔ابو جلدی ٹھیک ہو جائیں۔" اس نے عاجزی سے کہا تو عظام آہستہ سے اس کا سر تھپک کر بولے۔

"انشاءاللہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔تم اپنا خیال رکھو۔چار دن میں کیا حال ہو گیا ہے تمہارا۔برسوں کی مریض لگنے لگی ہو۔"

"میں کیا کروں، مجھے......" وہ جانے کیا کہنے جارہی تھی' ایک دم خاموش ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں مجھے بتاؤ کس بات سے پریشان ہو؟" عظام نے نرمی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں' میں بس ابو کی طرف سے فکر مند ہوں۔" اس نے سنبھل کر بات بنائی۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔اللہ کا شکر ہے ان کا آپریشن کامیاب ہوا ہے اور دیکھنا چند دنوں میں وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔اس کے علاوہ کوئی اور پریشانی کی بات ہے تو بتاؤ۔" انہوں نے تسلی دے کر پوچھا تو وہ جو ہمیشہ ان کے سامنے بکھر جاتی تھی' ابھی بھی اس کا یہی دل چاہ رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بہت روئے لیکن جانے کیا بات مانع تھی کہ وہ بہت ضبط سے بولی۔

"نہیں اور تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر شاید تم اس ماحول سے گھبرا گئی ہو۔چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" انہوں نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ابھی نہیں۔کل چلی جاؤں گی۔"

"کل میں پہلے تمہارے گھر جاؤں گا۔" انہوں نے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہے۔"

"تمہاری حماقتوں کی وجہ سے۔"

وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ناراض مت ہو۔میں مذاق کر رہا تھا۔چلو کمرے میں جاؤ۔میں بھی چلتا ہوں۔"

"آپ جائیں میں چلی جاؤں گی۔" اس نے کہا تو وہ خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے چلتے

ہوئے لفٹ میں بند ہو گئے تو وہ بوجھل قدموں سے اپنے روم میں آ گئی۔

☆......☆......☆

وہ ابھی ابو کے پاس سے آنا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی اس کا آفس جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ کوئی مجبوری بھی نہیں تھی' کیونکہ بیگم آفندی خود اس سے کہہ چکی تھیں کہ جب تک ابو ٹھیک نہیں ہو جاتے اسے آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے' لیکن اس کے ساتھ جو انہوں نے اسے سوالیہ نشان دیا تھا اس سے وہ کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ بوجھل دل اور الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ بھلا کیا کر سکتی تھی۔ نیندیں بھی اچاٹ ہو گئی تھیں۔ جب ہی اس نے سوچا کہ پہلے بیگم آفندی سے ان کی شرط معلوم کرے ورنہ اپنے طور پر سوچ سوچ کر تو وہ پاگل ہو جائے گی اور صرف اسی مقصد سے وہ آفس آئی تھی۔

''کیسے ہیں تمہارے ابو؟'' نادرہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہیں۔ میڈم آ گئیں؟'' اس کے ذہن پر بیگم آفندی سوار تھیں۔

''نہیں۔ کیوں تمہیں مزید چھٹی لینی ہے؟'' نادرہ یہی سمجھی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے کہا تب ہی سامنے سے بیگم آفندی کو آتے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور قریب آنے پر انہیں سلام بھی کیا' لیکن وہ اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اس کا دل مزید وسوسوں میں گھر گیا۔ کچھ ہرٹ بھی ہوئی تھی، جب ہی نادرہ سے نظریں چرا کر بیٹھتے ہی کمپیوٹر آن کیا تو پیپر پر ابھی بھی وہی نظم تحریر تھی۔

مجھے خبر تھی
کہ بادِ صبا کے جھونکے کو
میں اپنی سانسوں میں کچھ دیر روک سکتا ہوں۔

اس نے کمپیوٹر آف کر دیا اور کچھ دیر گلاس وال سے ادھر شہریار آفندی کے خالی کمرے کو دیکھتی رہی پھر اٹھ کر بیگم آفندی کے کمرے کی طرف آ گئی۔

''مے آئی کم ان۔'' اس نے خود کو روکنے کی کوشش میں ناکام ہو کر دروازہ کھولا تھا اور اتفاق سے بیگم آفندی ادھر ہی متوجہ تھیں جب ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''سوری میڈم! میں آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں' لیکن اس سے زیادہ میں خود ڈسٹرب ہوں۔'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''خیریت۔ کیا ہوا ہے۔ تمہارے فادر تو ٹھیک ہیں؟'' بیگم آفندی نے بہت انجان بن کر پوچھا۔

''جی وہ ٹھیک ہیں۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ آرام سے بیٹھ کر بتاؤ۔'' انہوں نے کہا تو وہ عاجزی سے بولی۔

''میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتی میڈم! جب تک آپ کی شرط نہ جان لوں۔''

''ارے۔ تم نے غالباً اسے خود پر سوار کر لیا ہے۔ بے وقوف لڑکی! تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ تم اپنے فادر کے لیے جان دے سکتی ہو اور میں اس سے بڑھ کر تم سے کیا چاہوں گی۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر تمہارے پاس کچھ ہے۔'' بیگم آفندی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔

''دیکھو۔ یہ آفس ہے یہاں میں تم سے کوئی بات نہیں کر سکتی اور یہ بھی سن لو کہ ہمارے درمیان جو بھی بات طے ہو' اس کی خبر تمہارے فرشتوں کو بھی نہیں ہونی چاہیے۔ انڈر اسٹینڈ۔'' بیگم آفندی ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

''جی......''

''کسی کو بتایا تو نہیں کہ میں نے تمہیں ایڈوانس میں اتنی رقم دی ہے۔''

''میرے گھر والے جانتے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ جھنجلا کر بولیں۔

''میں گھر کی نہیں آفس کی بات کر رہی ہوں۔''

''جی یہاں میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔'' وہ خائف ہو کر بولی۔

''اور نہ ہی کرنا۔''

''جی!''

''اب جاؤ اپنا کام کرو بلکہ میں نے تم سے کہا تھا کہ فادر کے ٹھیک ہونے کے بعد آنا پھر آج تم کیوں آ گئیں؟'' بیگم آفندی نے ناگواری سے ٹوکا۔

''آپ کی شرط جاننے' کیونکہ خود سے قیاس کر کر کے میں تھک گئی ہوں اور اگر ابھی بھی آپ نے نہیں بتائی تو میں نہیں جانتی کہ میں خود اپنے ساتھ کیا کر ڈالوں گی۔ اتنی ڈپریس میں کبھی نہیں ہوئی' ایک ایک پل عذاب ہے پلیز میڈم! اگر آپ کو میری جان لینی ہے تو ابھی شوٹ کر دیں مجھے۔'' وہ عاجزی سے بولتی ہوئی رو پڑی۔

''اوکے۔ اوکے روؤ مت۔'' بیگم آفندی نے جیسے زچ ہو کر ٹوکا پھر انٹر کام پر طاہر صاحب کو آنے کا کہہ کر اس سے بولیں۔

''فوراً ریلیکس ہو جاؤ۔''

وہ اپنی آنکھیں رگڑ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

کچھ دیر بعد طاہر صاحب آئے تو بیگم آفندی ان سے بولیں۔

"طاہر صاحب! میری آج کچھ فارنرز کے ساتھ میٹنگ ہے۔ میں مس فائقہ کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ آپ یہ ڈرافٹس بھجوا دیجیے گا' باقی کام میں کل دیکھ لوں گی۔"

"جی بہتر......" طاہر صاحب نے ان سے ڈرافٹس لے لیے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"فائقہ! اپنا بیگ وغیرہ لے کر میرے ساتھ چلو۔"

وہ فوراً کمرے سے نکلی اور اپنی جگہ سے بیگ اٹھاتے ہوئے نادرہ سے بولی۔

"سنو میں پھر چھٹی پر جا رہی ہوں۔"

"کتنے دن کی؟" نادرہ نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔" وہ جلدی سے کہہ کر باہر نکل آئی تھی۔

کچھ دیر بعد بیگم آفندی آئیں تو وہ ان کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ گئی اور ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگیں۔

"تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔" بیگم آفندی ڈرائیو کرتی ہوئی بہت سرسری انداز میں بولنے لگی۔

"میں نے کوئی کڑی شرط نہیں رکھی۔ پھر تمہیں اختیار ہے مانو نہ مانو۔ آئی مین میں تمہیں فورس نہیں کروں گی۔ چاہو تو ریجیکٹ کر دینا۔"

وہ خاموش رہی۔

"ویسے ان چار دنوں میں تم نے کیا کیا قیاس کیا؟" بیگم آفندی کا انداز ہنوز عام سا تھا یعنی کوئی تجسس نہیں تھا' جب ہی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو قدرے رک کر وہ اس پر ایک نظر ڈال کر کہنے لگیں۔

"بچے روٹھے ہوئے اچھے لگتے ہیں اور مجھے روٹھے ہوئے بچوں کو منانے میں بہت مزہ آتا ہے۔ پہلے ذرا سا منہ بسورتے ہیں پھر کھلکھلا کر ہنس دیتے ہیں۔ شیری بھی کبھی کبھی یونہی تمہاری طرح منہ پھلا کر بیٹھ جاتا ہے۔ تب پتہ ہے میں اس سے کیا کہتی ہوں؟"

وہ بالکل غیر ارادی طور پر گردن موڑ کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"بیلون۔" بیگم آفندی کہہ کر خود ہی ہنسیں۔

اس نے پہلے ان پر سے نظریں ہٹائیں' پھر غیر محسوس طریقے سے رخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

بیگم آفندی نے اپنے بنگلے کے اندر لے جا کر گاڑی روکی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر

بولیں۔

"چلو بھئی۔ گھر آ گیا۔"

وہ خاموشی سے اتر کر ان سے ایک قدم پیچھے چلنے لگی تھی۔

"بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" بیگم آفندی اسے لاؤنج میں بیٹھنے کا کہہ کر خود اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"یا اللہ۔ پتہ نہیں یہ عورت میرے ضبط کا امتحان لے رہی ہے۔" وہ سوچتی ہوئی صوفے میں دھنس گئی۔ اس کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارا نہیں تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد بیگم آفندی واپس آئیں اور اس کے دائیں طرف رکھے سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"شیری کے جانے سے میں بالکل اکیلی ہو جاتی ہوں۔ اللہ کرے وہ ساتھ خیریت کے جلدی آ جائے۔ کچھ بتایا بھی نہیں اس نے۔ پتہ نہیں کب آئے گا۔"

وہ ان کی بات کے جواب میں کیا کہتی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"ہاں تو تم شرط جاننا چاہتی ہو۔" بیگم آفندی نے اسے متوجہ کرنے کی خاطر کہا اور وہ فوراً سر اونچا کر کے انہیں دیکھنے لگی تو وہ ذرا سا مسکرا کر بولیں۔

"صبر نہیں ہے تم میں۔ بہرحال میں نے تم سے کہا تھا کہ شرط بتانے میں وقت لگے گا اور اس وقت تمہارے پاس وقت نہیں تھا۔ ابھی بھی تمہیں جلدی تو نہیں ہے نا؟"

"جی نہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"ہاں۔ یوں تو میں ایک ہی جملے میں بات کہہ سکتی ہوں' لیکن تم سمجھو گی نہیں اور سمجھانے کے لیے ہی میں تمہیں شروع سے بتانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے کہا پھر کتنی دیر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

"شہریار میرا ایک ہی بیٹا ہے' وہ جب آٹھ یا شاید نو سال کا تھا تب اس کے فادر کی ڈیتھ ہو گئی تھی اور ان کے بعد بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کو میں تنہا رہ گئی۔ اتنا بڑا بزنس اور میں اکیلی عورت۔ اس وقت دوست بھی دشمن ہو گئے تھے' لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور بس یہی سوچتی رہی کہ کچھ سالوں کی بات ہے شہریار بڑا ہو جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا اور بزنس میں تو واقعی سب ٹھیک ہو گیا لیکن میرے اپنے گھر کا چراغ بجھنے لگا۔ بائیس سال کا تھا شیری۔ جب ایک روز ڈاکٹر نے مجھ پر یہ روح فرسا انکشاف کیا کہ شیری کو بلڈ کینسر ہے۔"

بیگم آفندی نے اپنے ہونٹ اور آنکھیں یوں بھینچیں جیسے ان پر یہ انکشاف ابھی ابھی ہوا ہو۔

جبکہ وہ جو عدم دلچسپی سے سن رہی تھی متوجہ ہونے کے ساتھ ہی اپنی جگہ سن ہو گئی تھی۔

"گزشتہ چار سالوں سے کس طرح جی رہی ہوں' یہ میں ہی جانتی ہوں۔ ڈاکٹروں نے اس کی زندگی کی طرف سے بالکل مایوسی کا اظہار کر دیا ہے۔ بہت کم وقت کا مہمان ہے وہ چار چھ مہینے۔"

بیگم آفندی نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

'یااللہ!' اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ "میں تو سمجھتی تھی دکھ فقط ہم غریبوں کے حصے میں آتے ہیں لیکن......"

"سب کچھ ہے میرے پاس۔" بیگم آفندی پھر گویا ہوئیں۔ "لیکن کسی کام کا نہیں کیونکہ اپنی ساری دولت دے کر بھی میں اپنے بیٹے کی زندگی نہیں خرید سکتی' لیکن اس کی تھوڑی سی زندگی میں خوشیاں ضرور لانا چاہتی ہوں۔ میری خواہش تھی کہ وہ شادی کر لے لیکن وہ مانتا ہی نہیں تھا پر ایک روز اسے خود احساس ہوا کہ اس کے بعد میں بالکل اکیلی ہو جاؤں گی' میرے جینے کا کوئی سہارا' کوئی بہانہ نہیں ہوگا اور بالکل تنہا ہو کر میں ہمت ہار جاؤں گی۔ یوں مجھے ہارنے سے بچانے کے لیے وہ شادی پر آمادہ تو ہو گیا لیکن ساتھ یہ شرط بھی رکھ دی کہ جس لڑکی سے اس کی شادی ہو' اسے پہلے سے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ بلڈ کینسر کا مریض ہے یعنی وہ کسی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ وہ فیئر ہے لیکن کوئی اس کے ساتھ فیئر نہیں ہوتا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

بیگم آفندی نے اسے گم صم دیکھ کر ٹوکا تو اس نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نے ایک دو جگہ شیری کا پرپوزل دیا تھا اور جب اس کے کینسر کا بتایا تو صاف جواب آ گیا۔ پھر مجھے معلوم ہوا شیری تمہیں پسند کرتا ہے' بلکہ خود اس نے ہی مجھے بتایا تھا اور بس اسی روز سے میں چاہتی ہوں کہ تم اس کی زندگی میں آ جاؤ۔ وہ بہت خوش ہوگا۔" بیگم آفندی اپنی شرط کی ابتدا کر کے خاموش ہو گئی تھیں۔

اور وہ کیا کہتی۔ اس کا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی کہاں تھا' بس چپ چاپ انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

"تم میری شرط جاننے کے لیے بہت بے چین تھیں۔ سن رہی ہو ناں؟" بیگم آفندی اسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر کے کہنے لگیں۔

"میری شرط یہی ہے کہ تم شیری سے شادی کرو' اس کے بچے کی ماں بنو اور وہ بچہ میرا ہوگا صرف میرا۔ سمجھ رہی ہو نا۔ شیری کے بعد تم پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ واپس اپنے گھرانے میں شادی کر سکو گی۔"

بیگم آفندی بظاہر دھیمے لہجے میں بول رہی تھیں لیکن ان کی آواز سے چھلکتی سفاکی براہ راست

اس کے دل میں چبھ رہی تھی۔ پھر اچانک وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ پتہ نہیں کسی کام سے گئی تھیں یا قصداً اسے سوچنے کو تنہا چھوڑ گئی تھیں۔

"یااللہ" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی تھی کہ بند پلکوں کے اندر شہریار آفندی کا وجیہہ سراپا آن سمایا تھا۔

"اف۔ یہ شخص کچھ وقت کا مہمان ہے۔" اس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ نیچے گرا دیے اور وحشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر اس سے پہلے کہ بیگم آفندی آتیں۔ وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی ان کے بنگلے سے نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے اپنے گھر میں داخل ہو کر اپنے پیچھے یوں گیٹ بند کیا جیسے بیگم آفندی اس کے تعاقب میں چلی آ رہی ہوں۔ پھر اندر آتے ہی امی کی گود میں سر رکھ کر رو پڑی۔

"ہائیں!" امی نے پریشان ہو کر اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ "کیا ہوا ہے تمہیں' کہاں سے آ رہی ہو۔ تمہارے ابو تو ٹھیک ہیں؟"

"ابو ٹھیک ہیں۔" اسے ابو کے بارے میں جواب دینا پڑا تھا کہ امی کو تسلی ہو جائے۔

"پھر کیوں رو رہی ہو۔؟"

"پتہ نہیں' میرا دل گھبرا رہا تھا۔ آفس میں بیٹھا نہیں گیا۔" وہ فوری طور پر کچھ نہیں بتا سکتی تھی' اس لیے بات بنا گئی۔

"کمزوری کی وجہ سے۔ اتنے دن بے آرام بھی تو رہی ہو۔" امی اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے بولیں۔

"بہت کمزور ہو گئی ہو۔ دو چار دن کی چھٹی لے کر آرام کر لو۔ روؤ مت۔ تم تو بہت ہمت والی ہو۔ اکیلے اتنا کچھ کر لیا۔"

وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"مت ہلکان ہو۔ چلو اٹھو منہ ہاتھ دھوؤ میں تمہارے لیے دودھ لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں آپ کہیں نہیں جائیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے مضبوطی سے امی کا ہاتھ تھام لیا۔

"ڈر کیوں لگ رہا ہے؟" امی نے تشویش سے اسے دیکھا تب ہی سوہنی آ گئی اور وہ تو ایسے ہی بہت چھوٹے دل کی تھی۔

"کیا ہوا امی! آپی کو کیا ہوا' کیوں رو رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں' تھک گئی ہے جاؤ گلوکوز بنا لاؤ اس کے لیے۔" امی نے سوہنی کو تسلی دے کر کہا تو وہ

فوراً جا کر گلوکوز بنا لائی اور پنجوں کے بل نیچے بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے سے امی کا ہاتھ ہٹا کر بولی۔

"آپی اٹھیں۔ یہ پی لیں۔"

وہ محض امی اور سوہنی کی پریشانی کے خیال سے اٹھ بیٹھی اور گلاس لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"آپی آپ رویا نہیں کریں۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔" سوہنی کی اتنی سی شکل ہو گئی تھی اور وہ اسے بہلانے کو مسکرا بھی نہیں سکی۔ گلاس خالی کر کے اسے تھمایا پھر بولی۔

"میں سوؤں گی۔"

"کھانا کھا کر سونا۔" امی نے کہا۔

"بھوک نہیں ہے اور صرف کھانے کے لیے مجھے مت اٹھائیے گا۔"

وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی اور واقعی وہ سونا چاہتی تھی' لیکن اب نیند کہاں آنی تھی کتنی دیر آنکھیں بند کیے وہ اپنے ذہن کو پرسکون کرنے کی سعی کرتی رہی' تاکہ یکسوئی سے سوچ سکے لیکن اس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔ کبھی بیگم آفندی کی باتیں' جنہیں رد کرتی تو شہریار آفندی کا چہرہ سامنے آ جاتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے' کس سے کہے کہ وہ کس الجھن میں ہے اور ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے اسے عظام کا خیال آیا تو پھر جیسے اس کی سوچوں کو کنارا مل گیا تھا۔

"نہیں میں عظام بھائی سے نہیں کہوں گی۔ کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ ابو کی زندگی کے عوض میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ خوامخواہ سب کی باتیں سننی پڑیں گی۔ کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ اگر اس وقت پیسوں کا انتظام نہ ہوتا تو ابو......"

"اف' نہیں اللہ کا شکر ہے' ابو ٹھیک ہو رہے ہیں اور اس کے لیے میں میڈم آفندی کی احسان مند ہوں۔ انہوں نے بروقت میری مدد کی اور اس کے بدلے انہوں نے شرط ضرور رکھی' لیکن پھر یہ بھی تو کہہ رہی تھیں کہ مجھے اختیار ہے کہ میں مانوں یا نہ مانوں۔"

"اور میں کیا کروں؟" اس کا ذہن اب اصل سوال پر آ کر اٹک گیا تھا' جبکہ دل کسی ایک بات پر نہیں ٹھہر رہا تھا۔ کبھی ہاں کبھی ناں۔ کچھ دیر وہ اسی ہاں ناں میں الجھتی رہی پھر بیگم آفندی کو سوچنے لگی تو اسے وہ دنیا کی مظلوم ترین عورت لگی جس کا خوبرو جوان بیٹا اس کے سامنے زندگی ہار رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ اس کا دل اس عورت کے دکھ پر کڑھنے لگا اور پھر یونہی کڑھتے کڑھتے وہ نیند کی آغوش میں جا سوئی تھی۔

شام اتر رہی تھی' جب امی اسے اٹھانے آئیں تو وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

"لو۔ ایک اچھا ہوتا نہیں دوسرا پڑ جاتا ہے۔" امی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہی بڑبڑائیں پھر

فوراً عثمان کو پکار کر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ایسے بے ہوشی کی حالت میں کیسے لے جاؤں۔"

"پھر ڈاکٹر کو لے آؤ۔" امی نے تیز لہجے میں کہا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہیں۔ لے آتا ہوں۔" عثمان نے برا مان کر کہا تو امی نرم پڑ گئیں۔

"ارے بیٹا! پریشانیوں نے چڑچڑا کر دیا ہے۔ کیا کروں' جاؤ تم جلدی سے ڈاکٹر کو لے آؤ۔ اتنا تیز بخار ہو رہا ہے اسے۔ جب آئی تھی تب ہی میں سمجھ گئی تھی۔" عثمان کے جانے کے بعد بھی امی بولے جا رہی تھیں۔

"پانچ دن اسپتال میں بے آرام رہی' پھر آتے ہی دفتر چلی گئی انسان ہے مشین تو نہیں' بیمار تو ہونا ہی تھا۔"

تب ہی عظام آ گئے۔

"السلام علیکم پھوپھو۔"

"وعلیکم السلام۔" امی کو اس وقت ان کی آمد نے بڑا حوصلہ دیا۔ "اچھا ہوا بیٹا تم آ گئے۔"

"خیریت۔ اسے کیا ہوا ہے؟" عظام نے اس کی طرف اشارا کرتے ہوئے پوچھا۔

"بخار ہو گیا ہے۔"

"ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"گیا ہے عثمان ڈاکٹر کو لینے۔ دیکھو تو کیسے بے سدھ پڑی ہے۔" امی نے تشویش سے کہا تو عظام نے آگے آ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر امی کو دیکھ کر رہ گئے، بولے کچھ نہیں۔

"بخار تیز ہے نا؟" امی نے کہا۔

"جی۔ اچھا ہوا۔ آپ نے ڈاکٹر کو بلا لیا۔" انہوں نے کہا تب ہی عثمان آ گیا۔

"امی! آپ ادھر چلی جائیں۔ ڈاکٹر صاحب آ رہے ہیں۔ السلام علیکم عظام بھائی۔"

"وعلیکم السلام۔ لے آؤ ڈاکٹر صاحب کو۔" عظام نے امی کو جانے کا اشارا کرتے ہوئے کہا تو امی دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

عثمان ڈاکٹر کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔

چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگایا پھر میڈیسن لکھ کر پرچہ عظام کو تھماتے ہوئے بولا۔ "ڈپریشن ہے۔"

"زیادہ تشویش کی بات تو نہیں؟" عظام اس کے ڈپریشن سے خود متوحش ہو گئے تھے۔

"اگر آدھے گھنٹے میں ہوش آ گیا تو ٹھیک ورنہ پھر کسی اچھے ہاسپٹل لے جائیے گا اور یہ

میڈیسن فوراً منگوا لیجئے۔"

"جی بہتر۔" عظام نے پرچہ عثمان کو تھما کر ڈاکٹر کے ساتھ جانے کا اشارا کیا' پھر ٹائم دیکھتے ہوئے چیئر پر بیٹھ گئے اور اس کا ڈپریشن سوچتے ہوئے گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال رہے تھے کہ معاً وہ ذرا سا کسمسائی پھر جانے کیا بڑبڑانے لگی تھی۔

عظام نے چیئر بیڈ کے قریب کھینچ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس کے ہونٹوں سے سسکیوں کی آواز نکلنے لگی اور پھر ان ہی سسکیوں کے درمیان وہ بڑبڑائی تھی۔

"کوئی بچالے اسے۔"

"کوئی بچالے اسے۔"

"فائقہ!" عظام نے دھیرے سے پکارا تو اس کے ہلتے ہوئے ہونٹ ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے اور چہرے کا تناؤ دھیرے دھیرے کم ہونے لگا۔

"فائقہ!" عظام نے دوبارہ پکار کر اس کا سر بھی ہلایا لیکن اب وہ جیسے پرسکون نیند سو گئی تھی۔

امی عظام کے لیے چائے لے کر آ گئیں پھر فائقہ کے قریب بیٹھ کر پوچھنے لگیں۔

"کیا کہہ رہا تھا ڈاکٹر؟"

"کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے میں بخار اترا نہیں تو کم ضرور ہو جائے گا۔ ویسے اسے اچانک ہوا کیا؟" عظام نے امی کو اطمینان دلا کر پوچھا۔

"اچانک کہاں' اتنے دن اسپتال میں باپ کے ساتھ لگی رہی پھر آج دفتر چلی گئی' بخار تو ہونا ہی تھا۔" امی نے کہا تو عظام قدرے رک کر پوچھنے لگے۔

"کوئی مسئلہ یا کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا جس سے یہ پریشان ہو۔"

"نہیں گھر میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیوں؟"

"یونہی پوچھ رہا تھا۔" عظام ٹال کر چائے پینے میں لگ گئے۔

"ڈاکٹر نے کھانے میں کیا بتایا ہے' جلدی سے بنا دوں۔ صبح سے بھوکی ہے۔" امی کو ایک دم اس کے کھانے کا خیال آ گیا۔

"دلیہ بنا دیجئے اور ہاں پھوپھو! ابو نے یہ کچھ پیسے بھجوائے ہیں۔" عظام چائے کا کپ رکھ کر جیب میں ہاتھ ڈالنے لگے تھے کہ امی نے روک دیا۔

"پیسوں کی ضرورت نہیں ہے بیٹا! اللہ اس کی میڈم کو خوش رکھے انہوں نے اتنا دے دیا ہے کہ کوئی خرچہ رکا نہیں۔"

"اس کی میڈم نے؟" عظام نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

"اس کے دفتر میں میڈم ہیں ناں۔ اس نے جس روز تمہارے پھوپھا کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اسی روز ان سے ایڈوانس لیے تھے۔ اس کے بعد وہ اسپتال آئی تھیں تو وہاں بھی دے گئی تھیں' بہت اچھی نیک خاتون ہیں اللہ انہیں اجر دے۔" امی تفصیل بتا کر میڈم آفندی کو دعائیں دینے لگیں۔

عظام کی نظریں اس پر جا ٹھہریں جس کے چہرے پر اب بلا کا سکون تھا۔ یوں جیسے کشتی جاں منجدھار سے نکل کر کنارے پر آن لگی ہو۔

امی دلیہ بنانے چلی گئی تھیں۔

عظام کی نظریں اس پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ جانے کیوں وہ انہیں خود سے دور ہوتی لگ رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اچانک ان سے کھنچی کھنچی سی کیوں رہنے لگی ہے۔ کہاں تو اپنی ہر بات ان سے کہے بغیر اسے چین نہیں آتا تھا اور اب ان کے پوچھنے پر بھی کچھ نہیں کہتی تھی۔

جانے کس بات کی ٹینشن ہے اسے' پھوپھا جان تو اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو رہے ہیں۔ پیسوں کی ضرورت بھی نہیں ہے پھر...... وہ سوچ رہے تھے کہ اس کے کسمسانے اور پھر آنکھیں کھولنے پر ان کا دھیان بٹ گیا گو کہ بولے کچھ نہیں' نہ اسے پکار کر متوجہ کیا بلکہ اس کے خود سے متوجہ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

وہ کچھ دیر چھت کو گھورتی رہی پھر بہت ہلکی آواز میں امی کو پکارتے ہوئے گردن موڑی اور عظام کو دیکھ کر یونہی پوچھ لیا۔

"آپ کب آئے؟"

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" عظام اس کے متوجہ ہونے کے منتظر تھے' اس کا سوال نظر انداز کر کے فوراً پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ امی کہاں ہیں؟" اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"پھوپھو آ رہی ہیں۔ تم لیٹو آرام سے۔" عظام اسے اٹھنے سے روک کر کہنے لگے۔ "انسان کو اتنا ہی بوجھ اٹھانا چاہیے جتنی اس میں برداشت کی طاقت ہو ورنہ کام کے قابل بھی نہیں رہتا۔"

وہ قصداً ان سنی کر کے پھر اٹھنے لگی اور اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے اس کے ساتھ کمر ٹکا کر بیٹھتی ہوئی خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے۔ شاید تھکن کی وجہ سے۔"

"تھکن نہیں ڈپریشن۔" عظام نے جس طرح فوراً کہا وہ بھی اسی طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''ڈاکٹر بھی کہہ رہا تھا کہ ڈپریشن کے باعث تمہاری یہ حالت ہوئی ہے۔'' عظام نے گویا جتادیا کہ یہ میں نہیں ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر تو بس ایسے ہی......''

''پاگل ہوتے ہیں۔ ہے ناں!'' عظام کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ تم سونا نہیں۔ پھوپھو دلیہ لارہی ہیں' وہ ضرور کھانا۔''

وہ کچھ نہیں بولی اور ان کے جاتے ہی بیڈ کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد امی دلیہ لے کر آگئیں اور اسے بیٹھے دیکھ کر جیسے انہیں اطمینان ہوا۔ قریب آکر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو بخار بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔

''شکر ہے بخار اتر گیا۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی لو یہ دلیہ کھالو۔''

''آپ کیوں ہلکان ہوتی ہیں۔ سوہنی کہاں ہے؟'' اس نے ان کے ہاتھ سے پیالہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ابھی عثمان کے ساتھ اسپتال گئی ہے۔ جانا تو مجھے بھی تھا لیکن تم۔''

''میں اب ٹھیک ہوں۔ آپ چاہیں تو عظام بھائی کے ساتھ چلی جائیں۔''

''نہیں اب کل ہی جاؤں گی۔ تم دلیے کے بعد یہ دوا لے لینا۔ میں جب تک کچھ پکالوں۔'' امی نے دواؤں کا لفافہ اس کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کچن میں جانے کی۔ سوہنی آئے گی تو کرلے گی سب۔''

''ہاں وہ دیر سے آئے تو ہم بیٹھے رہیں۔'' امی کہتی ہوئی چلی گئیں۔

وہ آہستہ آہستہ دلیہ کھانے لگی گو کہ بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا' لیکن ایک تو امی کے خیال سے دوسرے عظام کی ڈانٹ سے بچنے کی خاطر اس نے آدھا پیالہ حلق سے اتار لیا تو خود اسے کچھ توانائی محسوس ہونے لگی تھی پھر وہ لفافے سے تمام میڈیسن نکال کر دیکھ رہی تھی کہ عظام آگئے۔

''کچھ کھایا؟'' انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

''جی۔ اب یہ بتا دیجئے۔ کون سی ابھی لینی ہے۔'' اس نے ٹیبلٹس اور سیرپ ان کے سامنے کر دیا اور ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر جو ٹیبلٹ عظام نے اس کے ہاتھ پر رکھی اس نے حلق سے اتار لی پھر گلاس رکھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا زیادہ طبیعت خراب ہو گئی تھی میری' جو ڈاکٹر کو بلانا پڑا؟''

''تمہیں نہیں پتہ۔'' عظام نے یوں کہا جیسے کہہ رہے ہوں انجان مت بنو۔

''نہیں۔ میں تو اچھی خاصی سوئی تھی۔ خیر چھوڑیں اس بات کو۔ یہ بتائیں اسماء اور مامی جی کیسی

ہیں۔'' اس نے خود ہی بات بدل دی۔

''ٹھیک ہیں۔ صبح آئیں گی دونوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ سوچ کر بولی۔

''لیکن صبح تو میں ہوں گی نہیں۔''

''کیوں؟ کہاں جاؤ گی؟''

''آفس......''

''نہیں۔ ابھی تمہیں کچھ دن آرام کرنا چاہیے۔ کم سے کم ایک ہفتے کی چھٹی لے لو۔'' انہوں نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''پرائیویٹ جاب میں اتنی چھٹی کہاں ملتی ہے۔''

''مل جائے گی۔ تم اپلائی تو کرو۔ پھوپھو بتا رہی تھیں۔ تمہاری میڈم بہت اچھی خاتون ہیں۔ کتنی رقم ایڈوانس لی تم نے ان سے؟'' عظام نے چھٹی کا مشورہ دیتے ہوئے اچانک وہ سوال پوچھ لیا جس سے وہ کترا رہی تھی' کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہاں سے بات شروع ہو کر وہاں تک نہ پہنچ جائے جہاں سے اس نے سب کچھ تنہا اپنی ذات پر سہہ لینے کا سوچ لیا تھا۔

''وہی ہاسپٹل کا جو خرچہ ہے۔'' اس نے گول مول جواب دیا۔

''کم تو نہیں ہوگا۔ ایک لاکھ کا بل تو بن ہی جائے گا۔'' انہوں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''ہاں بس اتنا ہی۔''

''اور ادا کیسے کرو گی؟'' ایسے سوال ہر صورت میں اٹھنے تھے۔

''ظاہر ہے۔ اپنی تنخواہ میں سے کٹواؤں گی۔'' وہ خاصی جزبز ہو رہی تھی۔

''اس میں تو بہت وقت لگے گا۔ بہت سال۔''

''نہیں۔ انشاء اللہ ابو ٹھیک ہو کر پھر سے جاب پر جانے لگیں گے تب میں اپنی [illegible] خواہ دے کر جلدی فارغ ہو جاؤں گی۔'' اس نے قصداً سرسری انداز اختیار کیا جیسے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

عظام کچھ دیر خاموشی سے جانے کیا سوچتے رہے پھر کہنے لگے۔

''بہرحال۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم نے غلط کیا' کیونکہ اس وقت تم اکیلی تھیں اور جو تمہاری سمجھ میں آیا تم نے کیا' لیکن اب تم اکیلی نہیں ہو۔ ایک لاکھ کی رقم اگر کم نہیں تو بہت زیادہ بھی نہیں ہے۔ ہم سب مل کر جلدی ادا کر سکتے ہیں۔ تم اسے خود پر طاری کر کے پریشان مت ہو' اپنا خیال رکھو۔ دو تین روز میں پھوپھا جان ڈسچارج ہو کر گھر آجائیں گے تو انہیں گھر میں کوئی ٹینشن نظر نہیں آنی چاہیے۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔''

''جی!''

"میرا خیال ہے، تمہارے دل اور دماغ پر یہی بوجھ تھا کہ تم رقم ادا کیسے کرو گی، ہے ناں۔" عظام نے جیسے اس کے ڈپریشن کا راز پا لیا تھا۔

"جی......" وہ قدرے مطمئن ہو گئی۔

"بے وقوف! جب اب تک سب ٹھیک ہو گیا ہے، تو ان شاءاللہ آگے بھی سب ٹھیک ہی ہو گا۔ بس اللہ پر بھروسا رکھو۔ اس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اور سنو، نماز کی عادت ڈالو۔ سب کچھ نماز ہے اور نماز ہی میں سب کچھ ملتا ہے، خدا بھی اور خدائی بھی۔" وہ بولتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں چلتا ہوں۔"

"کھانا کھا کر جایئے گا عظام بھائی!" اس نے کہا۔

"ابھی بھوک نہیں ہے اور رکا تو دیر ہو جائے گی۔ اچھا خدا حافظ۔" وہ اس کا سر تھپک کر کمرے سے نکل گئے تو اس نے پیشانی گھٹنوں پر رکھ دی۔ جانے کیوں آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

کل تک بیگم آفندی مطمئن تھیں، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ فائقہ جس طرح گئی ہے اسی طرح واپس بھی آ جائے گی۔ لیکن آج تیسرے دن بھی وہ نہیں آئی تھی، تو ان کے یقین میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں اور دل کو دھڑکا سا لگ گیا تھا کہ کہیں وہ ان کی شرط ماننے سے انکار نہ کر دے۔ انہیں اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے یہ کیوں کہہ دیا کہ اسے اختیار ہے وہ مانے نہ مانے اور گو کہ ابھی بھی وہ جو چاہے کر سکتی تھیں، اس کے دستخط شدہ سادہ پیپر پر وہ اپنی مرضی سے اس کی تقدیر رقم کر سکتی تھیں، لیکن وہ نہیں چاہتی تھیں کہ سارا الزام ان کے سر آئے اس لیے انہوں نے ماننے نہ ماننے کا اختیار اسے دیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں فائقہ خود سے آئے اور شہریار کی واپسی سے پہلے، تاکہ وہ اسے باقی سارے معاملات سمجھا دیں۔ ورنہ شہریار کی موجودگی میں مشکل ہو سکتی تھی اور چار روز بعد وہ آنے والا تھا۔

❁❁❁

"یس میڈم!" نادرہ نے کمرے میں داخل ہو کر انہیں متوجہ کیا تو وہ اسے دیکھ کر بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگیں۔

"وہ کیا نام ہے اس لڑکی کا فائقہ، اس نے تمہیں کچھ بتایا تھا کہ کب سے آفس آئے گی؟"

"نو میڈم! میں کل گئی تھی اس کے گھر۔ لیکن آفس آنے کا اس نے کچھ نہیں بتایا۔"

"اچھا!" پھر چند لمحے رُک کر پوچھنے لگیں۔ "اس کے فادر ابھی ہاسپٹل میں ہیں یا گھر آ گئے؟"

"ابھی ہاسپٹل میں ہیں۔" نادرہ نے بتایا تو جانے کس خیال کے تحت انہوں نے فوراً پوچھا۔

"فائقہ ان ہی کے پاس ہے؟"

"جی نہیں پہلے تھی، لیکن اب خود اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اوہ! تو اس لیے نہیں آ رہی۔" بیگم آفندی کو کچھ کچھ اطمینان ہوا تھا۔ پھر محض نادرہ پر ظاہر کرنے کی خاطر ناراضی سے بولیں۔

"اطلاع تو کرنی چاہیے تھی اسے۔ کوئی ایپلی کیشن یا کسی سے فون ہی کروا دیتی۔"

نادرہ کیا کہتی، خاموش ہی رہی تھی۔

"ٹھیک ہے! تم جاؤ۔" انہوں نے نادرہ کو جانے کا اشارہ کیا پھر بیک سے ٹیک لگا کر خود کو مزید اطمینان دلانے لگیں۔

کچھ دیر بعد طاہر صاحب فائلیں لیے آ گئے تو ان کا دھیان بٹ گیا، پھر وہ ایسی مصروف ہوئیں کہ شام میں ہی اٹھی تھیں۔ انہوں نے سوچا تھا کہ فیکٹری سے ہوتی ہوئی گھر جائیں گی، لیکن تھکن کے باعث فیکٹری جانے کا ارادہ ملتوی کر کے انہوں نے گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی تھی۔

☆......☆......☆

وہ عثمان کے ساتھ ہاسپٹل پہنچی تو آگے ابو کے پاس سلمان اور راحیلہ کو بیٹھے دیکھ کر وہ جل کر بولی۔

"شکر ہے انہیں بھی توفیق ہوئی۔"

"ارے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایک دم پیلی ہو رہی ہو۔" راحیلہ کے لہجے میں تشویش کے بجائے

تمسخر تھا۔

"بخار ہو گیا تھا۔" وہ سیدھے سادے انداز میں جواب دے کر ابو کے قریب آ گئی۔ "ابو! آپ کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں بیٹا اور جب تمہیں بخار تھا تو تم کیوں آ گئیں؟ کل تو میں گھر آ ہی رہا ہوں۔" ابو نے جواب کے ساتھ ٹوکا تو وہ ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"اب تو بخار نہیں ہے مجھے۔"

"اس کے بعد بھی احتیاط کرنی چاہیے۔" ابو نے کہا تو راحیلہ ان کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"اور کیا تمہیں تو زیادہ ہی اپنا خیال کرنا چاہیے۔ کیونکہ آگے گھر کی گاڑی تم ہی نے چلانی ہے۔ ابو بیچارے تو پتہ نہیں کب کام کرنے کے قابل ہوں گے۔"

اس نے گھبرا کر سلمان کو دیکھا' لیکن وہ یوں بنے بیٹھے تھے جیسے کچھ سن ہی نہیں رہے' تب رابعہ بول پڑی۔

"تم فکر مت کرو راحیلہ! بھیا سے لینے کوئی نہیں آئے گا' اللہ بڑا کارساز ہے۔ اس نے مشکل وقت نکال دیا۔ آگے بھی وہ بہتر کرنے والا ہے۔" پھر سلمان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بھیا! اپنی بیوی کو اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور سمجھا دیں کہ کس موقع پر کیا بات کرنی چاہیے۔"

"چلو سلمان!" راحیلہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"چلو! میں آتا ہوں۔" سلمان نے کہا تو راحیلہ تلملاتی ہوئی دروازے کے پاس جا کر رک گئی۔

"اچھا ابو! مجھے اجازت دیجیے۔ میں پھر گھر آؤں گا۔" سلمان نے ابو کا ہاتھ تھام کر اجازت طلب کی۔

"جاؤ بیٹا! خوش رہو۔" ابو نے کہا تو سلمان بہنوں پر ایک نظر ڈال کر کمرے سے نکل گئے۔

رابعہ سر جھٹک کر منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی تھی۔

اس نے اشارے سے رابعہ کو ابو کے سامنے کچھ کہنے سے منع کیا۔ پھر عثمان سے بولی۔

"عثمان! ابو کے لیے سیب کاٹو۔ ہم ڈاکٹر سے مل کر آتے ہیں۔"

"ہاں چلو! معلوم کریں' کل کس وقت چھٹی ملے گی۔" رابعہ کا موڈ ایک دم بدل گیا۔

"ابو! ہم ابھی آتے ہیں۔" وہ کہہ کر رابعہ کے ساتھ کمرے سے نکلی تو کہنے لگی۔

"اگر ڈاکٹر نے اجازت دی تو ہم ابھی ابو کو گھر لے چلیں گے۔"

"میرا تو خیال ہے' ابھی دو چار دن یہیں رہنے دیں' کیونکہ گھر میں ابو کو دیکھنے کے لیے رشتہ داروں کے علاوہ محلے والوں کا بھی تانتا لگ جائے گا' جس سے ابو ڈسٹرب ہوں گے' جبکہ ذرا سا

شور انہیں ناگوار گزر رہا ہے۔" رابعہ نے کہا۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن!" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تو رابعہ سمجھ کر بولی۔

"پیسوں کا مسئلہ ہے' چلو دیکھتے ہیں ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" پھر رابعہ ایک دم رک گئی اور اسے بھی روک کر کہنے لگی۔

"سنو! ہم ڈاکٹر عفان کے پاس جا رہے ہیں۔ تم ذرا انہیں اچھی طرح دیکھنا۔"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھی نہیں۔

"مطلب وہ مجھ پر خاصے مہربان رہے ہیں اور کل پرپوز بھی کر ڈالا۔" رابعہ نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیا ڈاکٹر عفان' کون سے ہیں۔ وہ جن کی ہلکی ہلکی داڑھی ہے؟"

"نہیں' ان کی صرف مونچھیں ہیں۔ چلو ابھی دیکھ لینا۔" رابعہ نے اسے آگے دھکیلا لیکن وہ پھر پلٹ آئی۔

"سنو! تم سنجیدہ ہو؟"

"تقریباً اور اگر تمہیں پسند آ گئے تو پھر بات پکی۔" رابعہ نے کہا تو وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"مجھے کیوں بیچ میں گھسیٹ رہی ہو۔ شادی تمہیں کرنی ہے' اس میں میری پسند ناپسند کا کیا دخل۔"

"کیوں جب تمہاری باری آئے گی تو تم صرف اپنی پسند سے کرو گی ہماری رائے نہیں لو گی؟" رابعہ نے ٹوکا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"اچھا چلو' پہلے دیکھ تو لو پھر بات کریں گے۔"

رابعہ نے پھر اسے دھکیلا تو اس بار وہ چپ چاپ چل پڑی اور ڈاکٹر عفان کے کمرے میں داخل ہو کر رابعہ نے جس انداز سے انہیں سلام کیا اس سے وہ سمجھ گئی کہ ان چند دنوں میں وہ ان سے بہت باتیں کر چکی ہے اور ڈاکٹر عفان بھی اسے دیکھ کر کھل گئے تھے۔

"یہ میری سسٹر ہے۔" رابعہ نے بیٹھتے ہوئے اس کا تعارف کرایا۔

"بڑی یا چھوٹی؟" ڈاکٹر عفان اسے دیکھنے لگے تھے۔

"آپ کو کیا لگ رہا ہے؟" رابعہ نے اترا کر پوچھا۔

"آپ سے بڑی لگ رہی ہیں۔" ڈاکٹر عفان نے کہا تو رابعہ خوب صورت ہنسی کے ساتھ بولی۔

"مجھ سے چھوٹی ہے۔"

"رئیلی؟" ڈاکٹر عفان نے تعجب کا اظہار کیا تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔

"ہم اپنے فادر کے بارے میں معلوم کرنے آئے ہیں۔"

"وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔" انہوں نے فوراً کہا تو اس نے بھی فوراً پوچھا۔

"گھر جا سکتے ہیں؟"

"ابھی.....؟ نہیں ابھی نہیں! صبح ان کے ٹیسٹ ہونے ہیں۔ پھر ان شاء اللہ شام میں آپ انہیں لے جا سکیں گی۔" ڈاکٹر عفان نے کہا تو وہ رابعہ کو یوں دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو چلیں۔

"میں آپ کے لیے چائے منگواتا ہوں۔" ڈاکٹر عفان اسے اٹھنے پر آمادہ دیکھ کر جلدی سے بولے۔

"جی نہیں شکریہ!" وہ اٹھنے لگی تو رابعہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جس پر اسے مزید کہنا پڑا۔

"چائے آپ رابعہ کو پلائیں۔ میں ابو کے پاس جا رہی ہوں۔"

"مجھے خوشی ہوگی۔ اگر آپ ہمارا ساتھ دیں۔"

"پھر کبھی....." وہ قصداً ذرا سا مسکرائی اور رابعہ کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر باہر نکل آئی۔

پھر جب تک رابعہ نہیں آ گئی۔ وہ ابو کے ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی' پھر عثمان سے چلنے کا کہہ کر اٹھی تو ابو کہنے لگے۔

"بیٹا! کل تمہیں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم خود آ جائیں گے۔"

"لیکن ابو! میں ضرور آؤں گا۔" عثمان نے کہا۔

"ہاں تم آ جانا' ورنہ ٹیکسی کے لیے مجھے جانا پڑے گا۔" رابعہ نے عثمان کی تائید کے ساتھ اسے تاکید بھی کی۔

"تمہیں کیوں' ڈاکٹر عفان سے کہنا منگوا دیں گے۔" وہ سرگوشی میں رابعہ سے کہتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

اس رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو کتنی دیر رابعہ کے بارے میں سوچتی رہی تھی اور پھر نہ جانے کب اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

"پھر مجھے لگا وہ تمہیں پسند کرتا ہے' بلکہ خود شیری نے مجھے بتایا تھا۔ تم اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤ۔ وہ بہت خوش ہوگا۔"

"یہی میری شرط ہے کہ تم شیری سے شادی کر لو۔ اس کے بچے کی ماں بنو اور وہ بچہ میرا ہوگا' صرف میرا۔ شیری کے بعد تم پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ واپس اپنے گھر لوٹ جانا اور یہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔"

"یا اللہ! یہ سب کیا ہے۔ بیگم آفندی نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سب کچھ ویسا ہی ہوگا جیسا انہوں نے سوچ لیا ہے۔ یعنی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں ماں ہی نہ بنوں پھر وہ کیا کریں گی؟"

اور وہ شخص شہریار آفندی کیا واقعی مجھے پسند کرتا ہے' یا بیگم آفندی نے مجھے اس کی طرف مائل کرنے کے لیے اپنی طرف سے کہہ دیا اور میں' میں کیا کروں؟"

وہ گو کہ تین روز پہلے ایک فیصلہ کر چکی تھی' پھر بھی ہر روز الجھتی تھی۔

اور پھر خود کو اس تکلیف دہ کشمکش سے بچانے کی خاطر اگلے روز اس نے بیگم آفندی کو آفس میں فون کیا تو معلوم ہوا طبیعت کی خرابی کے باعث وہ دو دن سے آفس نہیں آ رہیں' تب اس نے گھر آتے ہی امی سے آفس جانے کا بہانا کیا اور بیگم آفندی کے گھر جانے کو تیار ہونے لگی۔

☆☆☆☆☆

شام کے چار بج رہے تھے جب وہ آفندی لاج میں داخل ہوئی اور لاؤنج تک وہ خود ہی آ گئی تھی۔ اس کے بعد بیگم آفندی کے کمرے میں جانے کی اس کی ہمت نہیں ہوئی تو وہیں رک کر کسی ملازم کے اس طرف آنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد ایک ملازم بیگم آفندی کے کمرے کی طرف جاتا نظر آیا' تو وہ فوراً اسے متوجہ کر کے بولی۔

"سنو! میڈم کو میرے آنے کی اطلاع دو۔"

ملازم کچھ کہے بغیر چلا گیا اور پھر چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھول کر بولا تھا۔

"آئیے بی بی!"

وہ سوچ سوچ کر قدم اٹھاتی بیگم آفندی کے کمرے میں داخل ہو کر سلام کے ساتھ بولی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"اب تو کچھ بہتر ہے۔ آؤ' بیٹھو!" بیگم آفندی نے اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں کیا کہ انہیں اس کا انتظار تھا۔ وہ پہلی بار جب آئی تھی اور جہاں بیٹھی تھی' ابھی بھی وہی بیٹھ گئی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا میری طبیعت کا؟" بیگم آفندی نے براہ راست اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی آفس سے!"

"آفس گئی تھیں آج؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"جی نہیں! ابھی فون کیا تھا۔ طاہر صاحب نے بتایا کہ آپ دو دن سے نہیں آ رہیں' تب میں نے سوچا۔"

وہ بہت دھیرے دھیرے بول رہی تھی اور ابھی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بیگم آفندی ٹوک گئیں۔

"اور کیا کیا سوچا؟"

"جی!" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور ان کا مطلب سمجھ کر دوبارہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"میں نے اوّل روز ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے اور اس کے بعد مجھے کچھ نہیں سوچنا تھا۔"

"گویا تم تیار ہو؟" بیگم آفندی اب کسی طرح اپنی خوشی نہیں چھپا سکی تھیں۔

"جی لیکن یہ شرط والی بات میرے گھر والوں کو معلوم نہیں ہونی چاہئے۔" وہ جیسے ہار کر بول رہی تھی۔

"صرف تمہارے ہی گھر والوں کو نہیں اور بھی کسی کو معلوم نہیں ہونی چاہئے۔ یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان رہے گی۔ کبھی غلطی سے بھی شیری کے سامنے ذکر مت کرنا۔"

بیگم آفندی کے اندر جیسے زندگی دوڑ گئی تھی۔ ایک دم سیدھی ہو بیٹھیں اور اپنے قریب بیڈ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

"آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔ مجھے بہت ساری باتیں تمہیں سمجھانی ہیں۔"

وہ مزید باتوں سے کچھ خائف سی ہو کر ان کے پاس آ بیٹھی اور ایسی ہی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تو بیگم آفندی اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔

"ڈرومت! میں اس ڈرامے میں تمہیں تمہارا کردار سمجھانا چاہتی ہوں۔" پھر دکھ سے بولیں۔

"ڈرامہ ہی تو ہے۔ پتہ نہیں کتنا عرصہ چلے گا۔ بہرحال میں نے تمہیں بتایا تھا کہ شیری تمہیں پسند کرتا ہے بلکہ محبت.....اسے تم سے شدید محبت ہے۔ اس روز اسی کی خواہش پر میں نے تمہیں گھر بلایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تم اس کے ساتھ لنچ کرو اور میں نے اس کی وہ خواہش پوری کر دی۔ لیکن وہ تمہارے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' کیونکہ وہ تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا۔ اس لیے وہ تم سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا اور یہ تمہیں کرنا ہے۔ یعنی اسے یقین دلاؤ کہ تم اس سے محبت کرتی ہو اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں اور ہاں' تم اس پر یہ ظاہر مت کرنا کہ تمہیں اس کی بیماری کے بارے میں معلوم ہے۔ جب تک وہ خود نہ بتائے اور وہ یقیناً اسی وقت بتائے گا جب تم اس سے شادی کی بات کرو گی۔ تب بتاؤ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"مجھے" وہ چند ثانیے سوچ کر بولی۔ "میں اس کے بعد بھی اس سے شادی کرنا چاہوں گی؟"

"ہاں" بیگم آفندی نے اس کا ہاتھ دبایا۔ "تم بہت ذہین لڑکی ہو۔ میرا خیال ہے مجھے مزید

کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ایک بات یاد رکھنا۔ شیری بہت حساس ہے۔ کبھی اس کا دل نہ توڑنا۔"

"اور جو یہاں دل ٹوٹا!" اس نے دکھ سے سوچا' تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔ بیگم آفندی نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو...!"

"شیری! کیسے ہو بیٹا؟"

"کل آ رہے ہو کہ نہیں...؟"

"بالکل' میں انتظار کر رہی ہوں۔ فلائٹ مس نہیں کرنا۔"

"سنو! سنو میرے پاس فائقہ موجود ہے۔"

"نہیں' میں کچھ نہیں کہہ رہی' جو کہنا ہے خود کہو۔" بیگم آفندی نے ریسیور اسے تھما دیا تو وہ پریشان ہو گئی۔

"میڈم! میں...؟"

"ہاں' ہاں بات کرو۔" بیگم آفندی نے کہا تو اس نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو!"

"فائقہ! کیسی ہیں آپ؟" ادھر وہ جیسے اچانک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"جی!" وہ بیگم آفندی کی نظروں سے نروس ہو رہی تھی۔

"کیا جی؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ بہت سنبھل کر بولی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ یہ بتائیں آج ماما نے آفس کے کام سے آپ کو گھر بلایا ہے؟" اس نے پوچھا تو وہ اچانک اس کی بات یاد آنے پر بولی۔

"جی نہیں۔ میں اپنی مرضی سے آئی ہوں' لیکن آپ نہیں ہیں۔"

"میں کل آ رہا ہوں۔" اس نے فوراً کہا' پھر افسوس سے بولا۔ "لیکن کل آپ نہیں ہوں گی۔"

"میں پھر کسی دن آ جاؤں گی۔ مجھے آپ کی لائبریری سے کچھ کتابیں چاہئیں۔" اسے دوبارہ آنے کا جواز بھی سوجھ گیا تھا۔

"موسٹ ویلکم! آپ چاہیں تو ابھی لے جائیں۔"

"نہیں جب آپ آئیں گے تب' او کے!" اس نے بات ختم کر کے ریسیور بیگم آفندی کو تھما دیا اور اپنے ٹھنڈے ہاتھ گالوں پر رکھے تو اس کے چہرے سے گرم بھاپ نکل رہی تھی۔

بیگم آفندی نے ریسیور کریڈل پر رکھا پھر اسے دیکھ کر مسکرائیں تو اس نے جلدی سے ہاتھ نیچے گرادیے۔

"گڈ!" بیگم آفندی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "جاؤ! رشید سے کہو' چائے لے آئے۔"

"جی میں اب چلوں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "آج میرے فادر ڈسچارج ہوکر گھر آرہے ہیں۔"

"اوہ ہاں! میں بھول ہی گئی۔ کیسے ہیں وہ؟" بیگم آفندی نے ابو کے بارے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہیں۔"

"پھر بھی، ابھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کم سے کم دو مہینے بیڈ ریسٹ ضروری ہے۔ تمہارے گھر میں کوئی اور بھی ہے کمانے والا یا وہی بیچارے اکیلے۔" بیگم آفندی نے ہمدردی جتاتے ہوئے پوچھا' مگر وہ اندر ہی اندر جزبز ہوکر بولی۔

"جی بڑے بھائی ہیں!"

"ہاں شاید تم نے بتایا تھا کہ وہ کسی بنک میں ہیں۔ اچھی بات ہے۔ پھر بھی اگر کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔"

"جی! اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"رکو' میں ڈرائیور سے کہتی ہوں۔ چھوڑ آئے گا۔" وہ اٹھنے لگی تھیں کہ اس نے روک دیا۔

"نو میڈم! پلیز میں چلی جاؤں گی۔"

"اوکے! جیسی تمہاری مرضی۔" انہوں نے کہا تو وہ خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی اور ابو سے پہلے گھر پہنچنے کے خیال سے اس نے رکشہ روک لیا' لیکن پھر بھی اسے دیر ہوگئی تھی۔

گھر پہنچی تو ابو آچکے تھے۔ وہ سیدھی ان کے کمرے میں چلی آئی اور قریب بیٹھ کر بہت آہستہ سے ان کے سینے پر سر رکھتے ہی وہ ایک دم سے بہت شانت ہوگئی تھی۔

"تم رو تو نہیں رہیں؟" ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"نہیں ابو!" وہ فوراً سر اٹھا کر بولی۔ "آپ کو گھر میں دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہورہی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔"

"بتانا بھی مت!" رابعہ اس کی بات سنتی ہوئی آئی تھی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "آفس سے آرہی ہو؟"

"ہوں!" اس نے ذرا سا سر ہلایا۔

"چائے پیو گی؟ میں نے ابھی بنائی ہے۔" رابعہ نے کہا تو وہ کسی طرح اپنی حیرت چھپا نہیں سکی

اور بس اس کی طرف اشارہ کرکے رہ گئی۔

"جاؤ! کیتلی میں ابھی گرم ہے' نکال کر پی لو۔" رابعہ نے اس کے حیران ہونے پر احسان کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔

"ابھی دل نہیں چاہ رہا۔" وہ کہہ کر ابو کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ مسکرا کر بولے۔

"یہ تمہیں تنگ کرتی ہے۔"

"عادت سے مجبور ہے' ویسے مجھ سے محبت بھی بہت کرتی ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے رابعہ کو دیکھتے ہوئے کہا' تو وہ فوراً بولی۔

"ایسی کسی خوش فہمی میں مت رہنا' میں صرف ابو سے محبت کرتی ہوں اور بس۔"

"شکر ہے' کسی سے تو کرتی ہو۔ چلیں ابو! آپ آرام کریں۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور رابعہ کو اشارہ کرکے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

"مجھے یقین نہیں آرہا ماما! کیا واقعی فائقہ خود آئی تھی؟" ایئرپورٹ سے گھر آنے تک وہ کتنی بار پوچھ چکا تھا اور ابھی بھی بے یقینی کا اظہار کررہا تھا۔

"او گاڈ! تمہیں کیسے یقین آئے گا۔ کل فون پر فائقہ نے بھی تو تم سے کہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے اور واقعی وہ اپنی مرضی سے آئی تھی۔" بیگم آفندی اس کے بار بار پوچھنے سے زچ ہوگئی تھیں۔

"کیا کہہ رہی تھی' آئی مین! اپنے یہاں آنے کا کیا مقصد بتایا تھا اس نے؟" اس نے بے زاری سے پوچھا۔

"مجھ سے تو یہی کہا کہ تم سے کچھ کتابیں لینی ہیں اور جب میں نے بتایا کہ تم ابھی لندن سے نہیں لوٹے تو مایوس سی ہوگئی تھی اس کے بعد تمہارا فون آگیا اور تم سے بات کرکے پھر وہ خوش ہوگئی تھی۔" بیگم آفندی نے بتایا تو وہ جانے کس خیال میں گھر کر بولا۔

"میں بھی بہت خوش ہوا ماما' لیکن پھر مجھے ڈر لگنے لگا۔"

"کس بات سے؟" بیگم آفندی نے فوراً ٹوکا۔

"بس ماما! میں یہ سب نہیں چاہتا' لیکن میں کیا کروں' مجھے خود پر اختیار نہیں رہا اور اپنی بے اختیاری سے ہی میں ڈرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں' لیکن اس کے دل میں اپنی محبت کا بیج نہیں بونا چاہتا۔ بہت روکتا ہوں میں خود کو..... بہت روکتا ہوں۔" وہ اپنی بے بسی پر ہنسنے لگا تھا۔

"ایسی فضول کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں' کیونکہ محبت اپنا آپ منوا کر رہتی ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے منوا چکی ہے۔ جب ہی تو وہ تمہارا پوچھتی رہی اور یہاں تک بھی آ گئی۔ اب تم پیچھے مت ہٹنا۔" بیگم آفندی نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں ہٹوں گا تو وہ ہٹ جائے گی' جب اسے معلوم ہوگا کہ..." وہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولتا ہوا ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر فوراً کہنے لگا۔ "نہیں اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے! آپ کچھ نہیں بتائیے گا ورنہ وہ مجھ سے منہ موڑ جائے گی۔"

"نہیں! وہ ایسی لڑکی نہیں ہے آئی مین! مجھے وہ ایسی نہیں لگتی اور بہرحال وہ جیسی بھی ہے' میں اسے صرف تمہاری وجہ سے پسند کرتی ہوں' ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو میں اپنے سٹاف کے ساتھ کبھی غیر ضروری بات نہیں کرتی۔" بیگم آفندی نے اتنا کہہ کر بات ختم کر دی پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"تم کچھ دیر آرام کر لو پھر میں تمہیں کھانے پر بلا لوں گی۔"

"میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا ماما! بس ایک گلاس دودھ بھجوا دیجئے گا۔"

وہ بھی ان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا اور کھانے کا منع کر کے اپنے کمرے میں آ گیا اور کتنی دیر اپنی متضاد کیفیات پر الجھتا رہا کہ کبھی وہ خوش ہوتا ہے کبھی خائف' کبھی اس کی طرف پیش رفت کرنا چاہتا ہے۔ کبھی پیچھے ہٹنے کی سوچتا ہے اور اس کا سبب بھی وہ جانتا تھا۔ جب ہی اس رات اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس سے کلام نہیں کرے گا۔ اپنی بے اختیاریوں کو لگام ڈال کر اس سے بے نیاز ہو جائے گا' کیونکہ اس لڑکی کی آنکھوں میں خواب سجا کر پھر وہ اسے رونے کے لیے تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

صبح وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو بیگم آفندی ٹوکتے ٹوکتے رہ گئیں' پھر اس کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر کہنے لگیں۔

"میں پچھلے تین دنوں سے آفس نہیں جا رہی۔ ابھی بھی مجھے کچھ حرارت ہے لیکن..."

"کیا ہوا آپ کو؟ آپ نے مجھے بتایا نہیں۔" اس نے فوراً ان کی کلائی تھام لی۔

"کوئی تشویش کی بات نہیں ہے بیٹا! بس موسمی بخار۔"

"ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"ہاں' اس نے تو بیڈ ریسٹ بتایا تھا اور تین دن بہت ہوتے ہیں۔" بیگم آفندی نے یوں کہا جیسے وہ ریسٹ کر کر کے تھک گئی ہوں۔

"کوئی بہت نہیں ہوتے۔ آپ کو ابھی بھی آرام کی ضرورت ہے۔ ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں جائیں۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔" وہ ناراضی سے کہہ کر اٹھنے لگا کہ انہوں نے روک دیا۔

"پہلے ناشتہ کر لو۔ ڈاکٹر کو میں خود فون کر لوں گی' بلکہ آج انہوں نے آنے کو کہا تھا۔ کلینک جانے سے پہلے یہاں آئیں گے۔"

"شیور؟"

"شیور بیٹا! اب تم جلدی سے ناشتہ ختم کر کے آفس جاؤ۔ ادھر طاہر صاحب پریشان ہو رہے ہیں۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے ماما! میں آفس پہنچتے ہی پہلے ڈاکٹر صاحب کو فون کروں گا۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

اور رات جو وہ تہیہ کر کے سویا تھا کہ فائقہ کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو جائے گا' تو پہلے مرحلے پر وہ واقعی اسے نظر انداز کر کے سیدھا بیگم آفندی کے کمرے میں آ بیٹھا' کیونکہ تین دنوں میں جو اتنا کام جمع ہو گیا تھا' مزید طاہر صاحب فیکٹری کی فائلیں بھی لے آئے تھے۔ دوپہر تک اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی۔ اس کے بعد بھی کام تو ختم نہیں ہوا۔ وہ تھک گیا تھا اور اچانک اسے فائلوں سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ تو پہلے طاہر صاحب کو بلا کر اپنے سامنے سے سب ہٹانے کو کہا' لیکن پھر خود ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور بیٹھتے ہی اس کی نظر ٹیبل پر رکھے سرخ گلاب پر پڑی' تو کچھ حیرت کے ساتھ ایک خوبصورت احساس نے اسے گھیر لیا تھا۔ پہلے بہت نرمی سے اس نے گلاب کو چھوا' پھر انگلیوں میں تھام کر سیدھا ہوا تو گلاس وال سے ادھر فائقہ پر نظر پڑتے ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے بیل کا بٹن پش کیا اور پیون کے آنے پر اسے فائقہ کو بھیجنے کا کہہ کر خود دراز کھول کر اس میں یونہی کچھ تلاش کرنے لگ گیا' جبکہ دھیان اس کی طرف تھا جب ہی نہ صرف اس کا آنا اور ٹیبل کے قریب رُکنا محسوس ہوا' بلکہ شاید وہ اس کے قدم بھی گن رہا تھا۔

"یس سر!" اس کی آواز سن کر وہ دراز بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا اور سامنے اشارہ کر کے بولا۔

"پلیز!"

"تھینک یو!" وہ بیٹھ گئی۔

"وہ میں نے اس لیے آپ کو زحمت دی کہ آپ کی ٹیبل سامنے ہے' شاید آپ نے دیکھا ہو یہ پھول یہاں کس نے رکھا؟" اس نے بغیر کسی تمہید کے گلاب اس کے سامنے انگلیوں میں گھما کر پوچھا تو فائقہ کی نظریں اس کے چہرے سے پھسل کر گلاب پر آن ٹھہریں اور بہت دھیرے سے بولی تھی۔

"میں نے!"

"آپ!" گو کہ وہ یہی قیاس کر کے شدت سے آرزو کر رہا تھا کہ یہ اس کی جسارت ہو' پھر بھی حیران ہوا تو وہ دوبارہ اسے دیکھ کر بولی۔

"آئی ایم سوری! شاید آپ کو اچھا نہیں لگا۔"

"نہیں' مجھے بہت اچھا لگا۔ تھینک یو!" اس نے گلاب اپنے ہونٹوں سے چھو کر کہا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"میں چلوں؟"

"اگر کوئی ضروری کام نہیں کر رہیں' تو پلیز بیٹھیں' چائے آ رہی ہے۔" وہ آرام سے بیٹھ گئی۔

"اور اگر چائے کے ساتھ..." وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ ایک دم خاموش ہو گیا' قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔ "آپ میری لائبریری کب آ رہی ہیں؟"

"جب آپ فارغ ہوں گے۔" اس نے کہا' تو وہ فوراً بولا۔

"میں اکثر فارغ ہی ہوتا ہوں۔"

"اچھا' پھر جب آپ کہیں گے۔"

"میں ابھی کہوں؟"

"تو میں ابھی چل سکتی ہوں اگر آپ مجھے چھٹی دیں تو؟" اس نے کہا' تو وہ سمجھا نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"ظاہر ہے' میں یہاں ملازم ہوں۔ آپ چھٹی دیں گے تب ہی جا سکوں گی۔" اس کی وضاحت پر اس نے ذرا سے ہونٹ سکیڑے' پھر فوراً اٹھتا ہوا بولا۔

"بہت مشکل ہے' میں اسے اگنور نہیں کر سکتا۔"

☆☆☆☆☆

بیگم آفندی نے کہا تھا کہ یہ ایک ڈرامہ ہے اور اس ڈرامے میں اسے اس کا کردار سمجھایا تھا' پھر پہلے مرحلے پر اسے بھی یہی لگا جیسے وہ اپنا کردار نبھا رہی ہے' جب ہی شہریار آفندی کے ساتھ چل پڑی تھی۔

شہریار اسے لاؤنج میں چھوڑ کر بیگم آفندی کے کمرے میں چلا گیا اور پھر فوراً ہی واپس آ کر بولا۔

"ماما سو رہی ہیں' چلیں! ہم لائبریری میں بیٹھتے ہیں۔"

"ان کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں' ایک منٹ! میں چائے کا کہہ دوں۔ آپ چلیں پلیز۔" وہ زینے کے پاس سے

واپس پلٹ گیا تو وہ پہلے سٹیپ پر رُکی پھر اس کا انتظار کیے بغیر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اس کی لائبریری میں آ گئی اور پہلے ہی ریک میں سے جو کتاب ہاتھ آئی' اسی کے صفحے الٹنے لگی۔ یوں جیسے واقعی اسی مقصد سے آئی ہو۔

"آپ جتنی کتابیں چاہیں لے سکتی ہیں۔" وہ جانے دبے پاؤں آیا تھا یا اس کا دھیان کہیں اور تھا جو آہٹ محسوس ہی نہیں ہوئی اور اچانک آواز سن کر جس طرح چونکی۔ اس سے وہ کچھ نادم سا ہو کر بولا۔

"سوری! مجھے دروازہ ناک کرنا چاہیے تھا۔"

وہ اپنی کیفیت چھپانے کو اگلے ریک کی طرف بڑھ گئی اور وہاں سے دو کتابیں نکال کر ٹیبل پر آ بیٹھی۔

"ں؟" وہ اس کے سامنے تین کتابیں دیکھ کر بولا۔

"جی ابھی اتنی کافی ہیں۔ جب یہ لوٹانے آؤں گی تو اور لے لوں گی۔" اس نے کہا تو وہ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ پبلک لائبریری نہیں ہے مس فائقہ! یہاں وہی آ سکتا ہے' جسے میں پسند کرتا ہوں۔"

"اچھا اور کون کون یہاں آتا ہے؟" اس نے ہتھیلی پر تھوڑی ٹکا کر قصداً دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک رامش میرا دوست' وہ جب چاہے یہاں آ سکتا ہے اور جو چاہے لے جا سکتا ہے اور ایک آپ!" وہ اس کے سامنے سے ایک کتاب اٹھاتا ہوا بولا۔

"اور؟"

"اور کوئی نہیں!" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تو اس کی پلکیں آپ ہی آپ جھک گئیں۔

"آپ نے اقبال کا انتخاب کیوں کیا؟" شہریار نے کتاب کے صفحے الٹتے ہوئے پوچھا تو وہ کچھ کنفیوز سی ہو گئی' کیونکہ اس نے باقاعدہ انتخاب کر کے کوئی کتاب نہیں لی تھی۔ بس جس پر ہاتھ پڑا وہی کھینچ لی۔ جب ہی فوراً جواب نہیں دے سکی اور پتہ نہیں وہ سوال کر کے بھول گیا تھا' یا اشعار نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا
وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا
میری بساط کیا ہے؟ تب و تاب یک نفس

شعلہ سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا
کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یا رب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

وہ اس کی آواز کے زیر و بم میں کھو گئی تھی۔

کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا

شہریار نے اس شعر کو دوبارہ سہ بارہ پڑھا اور جانے کس احساس میں گھر گیا تھا۔ کچھ دیر سوچا پھر سر جھٹک کر اسے دیکھا اور قدرے حیرت سے پوچھنے لگا۔

"آپ کیا سوچنے لگیں؟"

"جی؟" وہ چونک کر بولی۔ "میں آپ کو سن رہی تھی۔"

"یہ میں نہیں اقبال کہہ رہے تھے۔" شہریار نے کتاب بند کر کے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی رشید چائے لے آیا تو وہ اس سے مخاطب ہو گیا۔

"ماما اٹھ گئیں؟"

"نہیں صاحب!"

"صبح ڈاکٹر صاحب آئے تھے؟"

"جی آئے تھے۔"

"اچھا ماما اٹھیں تو مجھے بتانا۔"

وہ کہہ کر ٹرے کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ٹرے اپنی طرف کھینچ لی اور کپ سیدھے کر کے ان میں چائے ڈالنے لگی، پھر ایک کپ اس کے سامنے رکھ کر پوچھنے لگی۔

"آپ کی اور کیا کیا ہابیز ہیں؟"

"کوئی خاص نہیں، میوزک سنتا ہوں، لیکن کبھی کبھی..... اور گیمز کا شوق اک عمر تک تھا، جواب دیکھنے کی حد تک رہ گیا ہے۔ اسپیشلی فٹ بال۔ مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ ہمارے ہاں فٹ بال انٹرنیشنل لیول پر نہیں کھیلی جاتی۔"

"ہوں! ایک اس گیم میں پاکستان کا نام نہیں ہے۔" وہ چائے کا گھونٹ لے کر بولی۔

"آپ کے کیا کیا شوق ہیں؟" شہریار نے پوچھا تو وہ رک کر بولی۔

"آپ ہنسیں گے تو نہیں؟"

"اوہوں!" اس نے نفی میں سر ہلایا اور بہت تجسس سے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے جہاز اڑانے کا شوق ہے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی، لیکن جب دیکھا کہ وہ اسی طرح سنجیدہ اور متجسس ہے، تب کہنے لگی۔

"بہت اونچا، بادلوں سے اوپر، آسمان کے قریب میں نے اکثر خواب میں دیکھا ہے کہ میرا جہاز بہت اوپر ستاروں کی کہکشاؤں میں سے راستہ بناتا ہوا گزرتا ہے۔ پتہ نہیں کون سی منزل کی جانب سفر کرتا ہے۔ مجھے منزل کبھی دکھائی نہیں دی۔" وہ بولتی ہوئی کھو گئی تھی۔

"کہتے ہیں، خواب میں بلندی دیکھو تو بہت عروج ملتا ہے۔ لیکن میں تو ایسا کوئی کام نہیں کر رہی، جس سے میں سمجھوں کہ مجھے بہت عروج ملنے والا ہے۔ اس کا مطلب ہے یہ صرف میرا شوق ہے، جو ظاہر ہے حقیقت میں پورا نہیں ہو سکتا، تو میں خواب میں خود کو اڑتا ہوا دیکھ لیتی ہوں، یا ہو سکتا ہے آنے والے وقتوں میں، میں کسی شعبے میں......"

وہ خاموش ہو کر کوئی ایسا شعبہ سوچنے لگی، جس میں بہت شہرت، بہت نام ہو۔

شہریار آفندی ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ایک نقطے پر نظریں مرکوز کیے وہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ وہ سننا چاہتا تھا کہ وہ آگے کیا کہتی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ خاموش لمحوں کا طلسم تھا۔ جب ہی اس نے ٹوکا نہیں اور اوّل روز کی طرح جیسے وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اپنی مطلوبہ شے ملنے پر اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اب وہ اس کے خود سے چونکنے پر دیکھنا چاہتا تھا کہ اسے سامنے پا کر اس کے چہرے پر کیسے رنگ اترتے ہیں۔

کتنے لمحے سرک گئے تھے۔ وہ اپنے لیے کوئی شعبہ منتخب کرنے میں ناکام ہو گئی تو اس کے ہونٹوں سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی، جس سے وہ چونکی اور شہریار آفندی کو سامنے دیکھ کر اس کا دل جیسے کانوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"سوری! میں پتہ نہیں......" بہت نروس سی ہو کر وہ اسی قدر کہہ سکی۔

طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ شہریار آفندی اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلیں، ماما کے پاس چلتے ہیں۔"

"جی!" وہ کتابیں اٹھا کر اس کے پیچھے چلنے لگی، لیکن شہریار دروازے کے قریب رک کر پھر اس کے ساتھ ہو گیا تھا اور دونوں ایک ساتھ ہی بیگم آفندی کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"تم کب آئیں؟" بیگم آفندی نے قصداً پیشانی پر بل ڈال کر اس سے پوچھا تو اس سے پہلے شہریار بول پڑا۔

"یہ میرے ساتھ آئی ہیں۔"

"اچھا اچھا آؤ... بیٹھو!" بیگم آفندی نے شہریار پر یوں ظاہر کیا جیسے اس کی وجہ سے انہوں نے فائقہ کو بیٹھنے کو کہا ہو۔

"مجھے آئے بہت دیر ہوگئی ہے میڈم! اب چلوں گی۔" اس نے گویا بیٹھنے سے معذرت کی۔

"چائے وغیرہ پی؟"

"جی! اوکے سر! یہ کتابیں؟" وہ انہیں جواب دے کر شہریار سے مخاطب ہوگئی۔

"آپ کی ہیں۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"اس طرح تو آپ کی لائبریری خالی ہو جائے گی، کیونکہ میں پھر بھی آؤں گی۔" اس نے دوبارہ آنا جتادیا۔

"آل ویز موسٹ ویلکم! چلیں میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

"جی!" وہ واقعی گھبرا گئی تو بیگم آفندی سمجھ کر کہنے لگیں۔

"تم نہیں شیری! ڈرائیور سے کہو، چھوڑ آئے گا۔"

"میرے جانے میں کیا مضائقہ ہے ماما؟" شہریار نے سادگی سے پوچھا تھا۔

"بیٹا! اس کے گھر والے پسند نہیں کریں گے اور یہ اچھی بات ہے۔ جاؤ فائقہ! تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" انہوں نے شہریار کو سمجھا کر اسے جانے کا اشارہ کیا، تو وہ جلدی سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

آفس سے بھی وہ اسی وقت نکلتی تھی۔ جب ہی معمول کے مطابق گھر پہنچ گئی اور ابھی چینج کر کے واش روم سے نکلی تھی کہ رابعہ بھاگتی ہوئی اس کے قریب آ کر بولی۔

"ڈاکٹر عفان آئے ہیں۔"

"ڈاکٹر عفان!" جب دل اور دماغ کسی اور کی گرفت میں چلے جائیں تو پھر وہ باتیں جو بن کہے بھی سمجھ لی جاتی ہیں، انہیں سمجھنے میں بھی وقت لگتا ہے۔

"تمہیں صرف عظام بھائی یاد رہتے ہیں۔" رابعہ نے اس کے نہ سمجھنے پر چڑ کر کہا تو وہ الجھ کر بولی۔

"تم عظام بھائی کو کہاں ہر بات میں گھسیٹ لاتی ہو؟"

"ان ہی کی وجہ سے تمہارا دماغ خراب ہوا ہوا ہے۔ ابھی ان ہی کے پاس سے آ رہی ہو ناں؟" رابعہ کو جیسے یقین تھا۔

"نہیں، ان کے ہاں گئے ہوئے تو مجھے ایک عرصہ ہوگیا ہے۔" وہ روٹھے لہجے میں کہتی ہوئی

کپڑے ہینگر کرنے لگی۔

"اچھا چھوڑو یہ سب، میں ڈاکٹر عفان کی بات کر رہی ہوں۔" رابعہ نے اس کے ہاتھ سے ہینگر چھینتے ہوئے کہا، تو وہ عاجز آ کر بولی۔

"ہاں، کیا ہوا ڈاکٹر عفان کو؟"

"بے چینی، بے قراری جو انہیں فوراً یہاں تک کھینچ لائی ہے۔" رابعہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو اس بار وہ پوری طرح متوجہ ہو کر بولی۔

"کیا...؟ وہ یہاں آئے تھے، کب؟"

"ابھی، ابو کے پاس بیٹھے ہیں۔ چلو تم بھی جاؤ۔ دیکھو کیا باتیں کرتے ہیں۔" رابعہ نے کہا تو وہ دوبارہ ہینگر اٹھاتے ہوئے بولی۔

"تم خود جا کر سن لو۔"

"پاگل! میرے سامنے وہ تھوڑی شادی کی بات کریں گے۔" رابعہ جھنجلائی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا.... وہ ابھی شادی کی بات کرنے آئے ہیں؟" وہ اچھل کر بولی۔

"اور کیا؟"

"حیرت ہے، دیکھنے میں تو اچھے خاصے معقول انسان لگ رہے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب انہیں اتنی جلدی نہیں آنا چاہئے، بلکہ میرا خیال ہے، تم غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ ابھی صرف راہ ہموار کر رہے ہیں، فوراً شادی کی بات نہیں کر سکتے اور وہ خود کیوں کریں گے، اپنے گھر والوں کو بھیجیں گے۔"

وہ دل ہی دل میں رابعہ کی عقل پر ماتم کرتی ہوئی بولی تو رابعہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

"شاید نہیں یقیناً۔" وہ الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"اچھا سنو! تم امی کے کان میں ڈال دینا کہ ڈاکٹر عفان کس مقصد سے آ رہے ہیں اور وہ ان کی خاطر تواضع میں کنجوسی نہ کریں۔" رابعہ نے جاتے جاتے کہا تو وہ اس کے پیچھے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆

گھر میں ڈاکٹر عفان کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور امی جو رابعہ کی طرف سے بہت فکرمند رہتی تھیں۔ ان پر اب یہ فکر سوار ہوگئی تھی کہ اگر ڈاکٹر عفان کے ساتھ بات طے ہوگئی اور پھر ادھر

سے شادی کی جلدی مچائی گئی تب وہ کیا کریں گی؟ کیونکہ ابو تو ابھی گھر بیٹھے تھے۔ ایک فائقہ کی تنخواہ میں تو گھر بھی نہیں چلتا تھا۔ اس وقت وہ فائقہ کے سامنے یہی مسئلہ لیے بیٹھی تھیں۔

"اللہ مالک ہے امی! ہو جائے گا سب!" اس نے کہا تو امی تیز ہو کر بولیں۔

"کہاں سے ہو جائے گا۔ ہر بار تو کوئی میڈم ہماری مدد کو نہیں آ پہنچے گی۔ وہ تو اللہ کو تمہارے ابو کی زندگی منظور تھی۔ جو میڈم کے وسیلے سے سارے خرچے پورے کرا دیئے۔"

"ہاں تو شادی بھی جب اللہ کو منظور ہوگی تب ہی ہوگی اور اس کے لیے بھی وہ کوئی سبب پیدا کر دے گا۔ ہم کیوں فکر کریں؟" وہ اندر سے اتنی مطمئن نہیں تھی جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن فکر تو کرنی پڑتی ہے۔" امی نے کہا تو رابعہ جو اس وقت ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی، پوچھنے لگی۔

"کس بات کی فکر؟"

"تمہاری شادی کی۔ خدا خدا کر کے تو تمہیں کوئی پسند آیا ہے اور اب یہ فکر کہ شادی کیسے ہوگی؟" اس نے بتایا تو رابعہ امی کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیسے ہوگی سے کیا مطلب؟ جیسے ہوتی ہے' مایوں' مہندی' شادی اور ولیمہ۔"

"ان سب کے لیے پیسہ چاہیے۔" اس نے بہت سپاٹ لہجے میں کہا تو رابعہ پہلے ایک دم خاموش ہو گئی' پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

"ہاں پیسہ تو چاہیے۔ میں ایک جوڑے کپڑے میں تو رخصت نہیں ہوں گی' کیونکہ آج کل لڑکی سے زیادہ لوگ اس کا جہیز دیکھتے ہیں' پھر آگے مجھے سسرال میں بھی باتیں نہ سننی پڑیں۔" رابعہ نے کوئی لحاظ نہیں کیا بجائے امی کو اطمینان دلانے کے ان کی فکروں میں اضافہ کر کے کہنے لگی۔

"وہ آپ کے لاڈلے سلمان بھیا بھی تو ہیں' ان کا کوئی فرض نہیں؟ ابو بیمار پڑے تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا' نہ اب بہنوں کی فکر۔ ایک بیوی ہے اور وہ ہیں۔ ان سے کیوں نہیں کہتیں آپ؟"

"ہاں امی! آپ کو سلمان بھیا سے ضرور کہنا چاہیے۔ اگر آپ بالکل انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گی' تو وہ اس گھر سے بالکل ہی کٹ جائیں گے۔" اس نے رابعہ کی تائید کرتے ہوئے کہا' تو رابعہ فوراً بولی۔

"اور راحیلہ تو چاہتی ہی یہی ہے کہ نہ بھیا' یہاں آئیں اور نہ یہاں سے کوئی ان کے ہاں جائے۔"

"ہاں اس کے باپ کا گھر ہے ناں۔" امی جو باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھیں' غصے سے بولیں "وہ سلمان کو یہاں آنے سے روک سکتی ہے' مجھے وہاں جانے سے روک کر دکھائے۔"

"غلطی بھیا کی ہے' وہ کیوں اس کے کہنے سے رُکتے ہیں۔ اس کے میکے تو بڑے شوق سے جاتے ہیں۔ خیر! ہمیں کیا' آپ بس انہیں یہ ضرور احساس دلایئے کہ ماں باپ' بہن بھائیوں کا بھی ان پر کچھ حق ہے' ورنہ میں ان ہی کے گھر جا رہوں گی۔"

رابعہ کی آخری بات پر وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"نہیں' کوئی ضرورت نہیں ہے۔" امی سمجھی نہیں تھیں' جب ہی ٹوکا' لیکن ان دونوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ آپس میں شروع ہو گئی تھیں۔

"پھر ہم سے زیادہ راحیلہ کو تمہاری شادی کی فکر ہو جائے گی۔"

"اور میں کہوں گی' نہیں مجھے شادی نہیں کرنی۔ میں ہمیشہ تمہارے پاس رہوں گی۔" رابعہ ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ کہے گی' سلمان! اس گھر میں' میں رہوں گی یا تمہاری بہن۔"

"بھیا لوٹے' کبھی ادھر لڑھکیں گے' کبھی ادھر۔"

"یہ تم دونوں کیا بکواس کر رہی ہو؟" امی کی آواز ان دونوں کی بے تحاشا ہنسی میں دب گئی تھی۔

تب ہی اتفاق سے سلمان' راحیلہ کے ساتھ آ گئے تو رابعہ اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"لو آ گئے!"

"کون؟" اس نے پلٹ کر دیکھا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم امی! ابو کیسے ہیں؟" راحیلہ امی سے یوں لپٹتی تھی جیسے ان کی چہیتی بہو ہو۔

"السلام علیکم!" سلمان نے سلام کیا تو امی انہیں جواب دے کر بولیں۔

"تمہاری بہنیں ابھی تمہیں یاد کر رہی تھیں۔"

"اچھا؟" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ہنسی روکنے کی کوشش میں ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"کیا بات ہے' بہت خوش نظر آ رہی ہو؟" سلمان نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ ہم خوش ہی رہتے ہیں۔" رابعہ نے اترا کر جواب دیا۔

"اچھی بات ہے' اسی خوشی میں چائے وغیرہ..." سلمان بھی شاید اچھے موڈ میں تھے۔

"ارے بھیا! زبردست چائے پلاؤں گی۔" اس نے کہا تو راحیلہ فوراً بولی۔

"کچھ ملا مت دینا۔"

"فکر مت کریں بھابی! میں کچھ ملاؤں گی تب بھی بھیا آپ ہی کے رہیں گے۔" وہ کہہ کر کچن میں جا گھسی۔

"اسی لیے میں نہیں آتی۔" راحیلہ نے فوراً سلمان کو جتایا تو پتہ نہیں کیسے انہوں نے ٹوک دیا۔

"اچھا' آرام سے بیٹھو۔ امی کی بات سننے دو۔ جی امی! کیا کہہ رہی ہیں؟"

امی نے پہلے رابعہ کو جانے کا اشارہ کیا' پھر ڈاکٹر عفان کے بارے میں بتا کر کہنے لگیں۔

"اشارتاً تو وہ کہہ چکے ہیں رابعہ کے لیے۔ اب دیکھو' کب اپنے گھر والوں کو بھیجتے ہیں۔"

"بس امی! اس بار آپ ہاں کر ہی دیجئے گا۔" سلمان نے کہا تو امی پھر اسی فکر مندی سے بولیں۔

"ہاں تو کردوں' لیکن پھر شادی؟"

"ہو جائے گی شادی' آپ فکر نہیں کریں۔ بس اللہ کا نام لے کر بات پکی کریں۔" سلمان نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا' تو راحیلہ بول پڑی۔

"شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے۔ گھر کے حالات آپ دیکھ رہے ہیں۔ ابو بیچارے ابھی کہاں کام کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔"

"ہو جائیں گے' امی! بس آپ رابعہ کی بات پکی کریں۔"

سلمان نے پھر زور دے کر کہا۔ ساتھ امی کو اشارا بھی کیا کہ وہ کچھ کریں گے' جس سے امی کو جہاں کچھ اطمینان ہوا' وہاں افسوس بھی کہ سلمان بیوی سے کتنے خائف ہیں۔

"فائقہ بھی ابھی یہی کہہ رہی تھی کہ شادی کے لیے اللہ کوئی سبب پیدا کردے گا۔ اب دیکھو عفان کے گھر والے کب آتے ہیں۔"

امی خود کلامی کے انداز میں بولیں' پھر یونہی راحیلہ کو دیکھنے لگیں' تو وہ جانے کیا سمجھی' جو فوراً کھڑی ہوگئی۔

"چلو سلمان! ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہے۔"

"ڈاکٹر کے پاس' کیا کسی کی طبیعت خراب ہے؟" امی نے چونک کر پوچھا۔

"میری!" راحیلہ کھلکھلا کر بولی۔ "آپ کا پوتا آنے والا ہے ناں۔"

"اچھا' ماشاء اللہ!" امی خوشی میں راحیلہ کی بیباکی نظر انداز کر گئیں' پھر سوہنی کو پکار کر بولیں۔

"سوہنی! دیکھو' چائے بنی کہ نہیں؟"

"میں دیکھتی ہوں!" راحیلہ کو بس یہی خدشہ تھا کہ رابعہ چائے میں کچھ ملا نہ دے' اس لیے فوراً اس کے سر پر جا پہنچی۔

"ابھی تک تمہاری چائے نہیں بنی؟"

"چائے تو بن گئی بھابی بس یہ کباب تل لوں۔" فائقہ نے جلدی جلدی قیمے کی ٹکیہ بناتے

ہوئے کہا۔

"اوہو! آج کل بڑے کباب بن رہے ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب روز آتے ہیں؟"

راحیلہ کے چھیڑنے میں بھی طنز تھا اور رابعہ کا ایک تو اس وقت موڈ اچھا تھا' دوسرے اسے جلانا بھی چاہتی تھی جب ہی اترا کر بولی۔

"کچھ پتہ نہیں' کب آجائیں۔ وہ تو صبح دیکھتے ہیں نہ شام۔"

"جادو چل گیا تمہارا؟"

"ایسا ویسا! ایک دن نہ دیکھیں مجھے تو کہتے ہیں' صبح ہی نہیں ہوئی۔"

"اچھا' سلمان کی طرح۔ سلمان تو میرے بغیر ایک پل نہیں رہتے' بہت چاہتے ہیں ناں مجھے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ مجھے تو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے۔" راحیلہ کا کمپلیکس بولنے لگا تھا۔

وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆
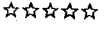
"شہر یار تم سے شدید محبت کرتا ہے' لیکن وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا' کیونکہ وہ تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا' اسی لیے وہ تم سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا اور یہ تمہیں کرنا ہے۔ یعنی اسے یقین دلاؤ کہ تم اس سے محبت کرتی ہو اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔"

بیگم آفندی نے اسے شہر یار کے بارے میں بتا کر کہا تھا جو وہ سمجھ تو گئی تھی اور شہر یار کی طرف پیشرفت بھی کر رہی تھی' لیکن اس سے محبت کا اظہار کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا' کیونکہ حقیقتاً وہ ایک خوددار لڑکی تھی اور اس کے مزاج میں بیباکی تو تھی ہی نہیں' جو وہ برملا اظہار کر جاتی۔ اگر شہر یار آفندی چند مہینوں کا مہمان نہ ہوتا' تو شاید اظہار کے مرحلے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی عمر تمام ہو جاتی' لیکن اب اسے یہ مرحلہ بہت جلدی طے کرنا تھا۔ کیونکہ بیگم آفندی بہت بے صبری ہو رہی تھیں اور خود اسے بھی احساس تھا لیکن وہ کیا کرتی۔ آج بھی وہ پورے دو گھنٹے اس کے سامنے بیٹھی تھی اور بس ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں اٹھتے ہوئے وہ بہت سوچنے کے بعد بھی اسی قدر کہہ سکی تھی۔

"آپ کے پاس آکر پھر کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔" اس کے بعد رکی ہی نہیں' فوراً اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

"یہ تو کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے وہ چونکتا یا سوچتا۔" اب جب وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر اپنی جگہ پر آکر لیٹی تو اپنی بات سوچتے ہوئے اسے خاصی مایوسی ہو رہی تھی' پھر وہ اگلے دن کا کوئی پروگرام سوچنے لگی تھی کہ رابعہ آگئی۔

"سنو! تم سو تو نہیں رہیں؟" رابعہ نے لائٹ آن کرتے ہوئے کہا' تو ایک دم روشنی ہو جانے پر وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی۔

"کیوں تمہیں نیند نہیں آ رہی؟"

"نہیں!" رابعہ اس کے پاس آ بیٹھی۔ "مجھے نیند نہ آنے کی تو وجہ ہے تم کیوں جاگ رہی ہو؟"

"میں کیوں جاگ رہی ہوں؟" وہ تکیہ اونچا کر کے اس کے ساتھ کمر ٹکاتی ہوئی بولی۔ "پہلے تم وجہ بتاؤ۔"

"ڈاکٹر عفان اور تم یقیناً عظام بھائی کو سوچ رہی ہو گی؟" رابعہ نے اپنے ساتھ اس کی وجہ بھی بتا ڈالی۔ تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

""""نہیں' میرے ذہن میں دور دور تک عظام بھائی کا خیال نہیں تھا۔"

"پھر؟"

"پھر کیا' میں ابھی تو لیٹی تھی اور پانچ منٹ میں سو بھی جاتی؟" اس نے کہا تو رابعہ اس بحث کو ترک کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا خیر' میں تم سے کچھ اور کہنے آئی ہوں۔"

"کیا؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آج ڈاکٹر عفان آئے تھے۔" رابعہ پیر اوپر سمیٹتے ہوئے بولی۔

"اور جاتے جاتے مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ میں ان سے کہیں باہر ملوں' اب تم بتاؤ کہ مجھے ملنا چاہیے یا نہیں؟"

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

"اگر وہ شادی کے لیے سنجیدہ ہیں' تب تو میرا خیال ہے کوئی مضائقہ نہیں۔ ویسے وہ ہر دوسرے دن آ تو جاتے ہیں' پھر باہر ملنے کو کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"ظاہر ہے' وہ مجھ سے وہ باتیں کرنا چاہتے ہوں گے' جو یہاں امی ابو کی موجودگی میں نہیں ہو سکتیں۔" رابعہ نے ہلکے سے ہنستے ہوئے کہا' تو وہ بھی مسکرائی' پھر پوچھنے لگی۔

"تم کیا چاہتی ہو' میرا مطلب ہے ان سے ملنا چاہتی ہو؟"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے' تم اپنے دل سے پوچھو کیوں ہر وقت عظام بھائی!"

"خدا کے لیے رابعہ!" اس نے زچ ہو کر ہاتھ جوڑ دیے۔ "تم کیوں ہر بات میں عظام بھائی کو لے آتی ہو۔ میرا ان سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"پھر کس سے ہے؟ سچ بتانا' آج کل بہت کھوئی کھوئی رہتی ہو؟"

رابعہ نے آج پہلی بار اسے بہت سنجیدگی سے ٹوکا تھا۔ اس کا دل چاہا' وہ اس کے سامنے کھل جائے' لیکن اس کی عادت سے واقف تھی کہ اسے کوئی بات ہضم نہیں ہوتی تھی اور کسی کو نہیں تو امی کو ضرور بتائے گی۔ اس لیے بہت سنبھل کر بولی۔

"میں کھوئی کھوئی نہیں رہتی' البتہ سوچتی ضرور رہتی ہوں' وہ بھی اپنے حالات کے بارے میں کہ کس طرح اچانک پلٹا کھایا اور ہم کتنے مقروض ہو گئے۔ بس یہی فکر ہے کہ قرض ادا کیسے ہو گا؟"

"تمہاری میڈم نے تقاضا کیا ہے؟" رابعہ نے اس کی بات کا یقین کر کے پوچھا۔

"نہیں' اتنی جلدی تو وہ تقاضا نہیں کریں گی' خیر چھوڑو انہیں' تم بتاؤ! ڈاکٹر عفان سے کہاں ملو گی؟" اس نے پھر بات رابعہ کی طرف موڑ دی۔

"دیکھو' وہ کہاں لے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے' کسی ریسٹورنٹ ہی میں لے جائیں گے۔" رابعہ نے کہا تو وہ اس سے اتفاق کرنے کے ساتھ پوچھنے لگی۔

"ہاں' ویسے انہوں نے تم سے کہاں ملنے کو کہا ہے؟"

"کہہ رہے تھے' میں اپنے شاپ تک چلی جاؤں' پھر وہاں سے وہ مجھے پک کر لیں گے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں امی سے کیا کہہ کر گھر سے نکلوں گی۔"

"یہ سوچنے کی بات ہے۔" وہ کہہ کر واقعی سوچنے میں لگ گئی تو رابعہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی' پھر اس کا بازو ہلا کر بولی۔

"سنو! میں تمہارے آفس جانے کا کہہ سکتی ہوں۔"

"ہوں!" اس نے چند لمحے رابعہ کی بات کو سوچا پھر کہنے لگی "ہاں اور تم نہیں' میں امی کے سامنے تم سے کہوں گی کہ آفس آ کر میڈم کا شکریہ ادا کر دو' ٹھیک!"

"بالکل ٹھیک اور یاد سے کہنا' کیونکہ میں ڈاکٹر عفان سے حامی بھر چکی ہوں۔" رابعہ نے مسئلہ حل ہو جانے پر خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں! ان سے حامی بھر چکی ہو اور مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ ملنا چاہیے یا نہیں؟" اس نے فوراً رابعہ کی بات پکڑ لی' تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"مجھے پتہ تھا ناں کہ تم منع نہیں کرو گی۔"

"کیا بات ہے تمہاری' میرے منع کرنے سے تو جیسے تم باز آ جاتیں۔"

"ارے تم کہہ کر تو دیکھو' میں عفان کو شادی سے ہی منع کر دوں گی۔" رابعہ نے اس کی تھوڑی چھو کر کہا' تو وہ فوراً بولی۔

"نہ نہ! ایسا غضب مت کرنا۔ تم رخصت ہو گی' تو میری باری آئے گی۔"

"اچھا پھر تو میں ضرور منع کردوں گی۔" رابعہ شوخی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھی بات ہے۔ ابھی تو لائٹ آف کرو' نیند آرہی ہے۔" وہ اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے ہوئے بولی۔

"شب بخیر!" رابعہ لائٹ آف کرکے کمرے سے نکل گئی۔

"شب بخیر!" وہ اندھیرے میں مسکرائی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

وہ فیض کی نسخہ ہائے وفا کے پہلے قطعے کو پڑھنے کے بعد صفحے پلٹنا بھول گیا تھا' کیونکہ دل کی راہداریوں میں اچانک مانوس قدموں کی آہٹیں گونجنے لگی تھیں' جنہیں شدت سے محسوس کرتے ہوئے اس نے بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کیں' تو رگ و پے میں ایک کیف سا اترنے لگا تھا۔

کتنے لمحے سرک گئے۔ وہ جانے کون سی وادی میں اتر گیا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر چونکا نہ رامش کے پکارنے پر اور اگر ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے پورے چہرے کا احاطہ نہ کیے ہوئے ہوتی تو رامش اسے سوتا سمجھ کر واپس بیگم آفندی کے پاس جا بیٹھتا' لیکن اب کچھ دیر اسے شرارت سے دیکھتا رہا' پھر ایک دم اس کا بازو ہلا ڈالا۔

"یا اللہ!" وہ اس افتاد پر پریشان ہوگیا اور جب رامش کو دیکھا تو ناراضگی سے بولا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ آرام سے نہیں اٹھا سکتے تھے؟"

"آرام سے؟ اتنی زور سے دروازہ کھولا پھر اتنی ہی اونچی آواز میں پکارا۔ آخر کہاں گم تھے؟" رامش اس پر چڑھ دوڑا تو وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"چلاؤ مت' دھیرج سے بات کرو۔"

"دھیرج سے تم سنتے کہاں ہو۔"

"اچھا بیٹھو تو' یا جاؤ پہلے ماما سے مل آؤ اور چائے کا بھی کہتے آنا۔" اس نے کہا تو رامش صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔

"مل چکا ہوں ماما سے اور چائے بھی آرہی ہے' تم مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو اور سیدھی طرح بتاؤ کیا سوچ رہے تھے؟"

"بس یار! جسے سوچنا نہیں چاہتا وہی..." وہ اپنی بے اختیاری کا بے اختیار اعتراف کرگیا۔

"وہی؟" رامش وہی کو لمبا کھینچ کر بولا۔ "وہ جو سلونی شام جیسی ہے' اس کی بات کررہے ہو۔"

"ہوں!" وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"گڈ! یہ تو اچھی بات ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ بھی تمہیں سوچتی ہے۔"

"میں ایسا نہیں چاہتا یار! اور تم جانتے ہو کیوں؟" اس کے لہجے میں بے بسی سمٹ آئی تھی۔

"ہاں' لیکن تم غلط کررہے ہو۔ اگر واقعی وہ تمہاری طرف پیش رفت کررہی ہو' تو اسے روکنے کے بجائے اس کے دل میں اپنی محبت کے پھول کھلا دو' پھر جیسا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے اس بات کی پروا نہیں ہوگی کہ تمہاری زندگی کم ہے یا زیادہ۔" رامش نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ ہنوز اسی لہجے میں بولا۔

"میں جانتا ہوں لیکن یہ اس کے ساتھ ظلم ہوگا۔ میرے بعد بتاؤ وہ کیا کرے گی؟"

"بعد کا سوچنا تمہارا کام نہیں ہے' تم اپنی زندگی گزارو۔" رامش بڑے آرام سے بولا تھا۔

"یہ تو سراسر خود غرضی ہوئی۔"

"کوئی خود غرضی نہیں تم زبردستی نہیں کررہے' نہ اس سے کچھ چھپاؤ گے' پھر بعد کی فکر تم کیوں کررہے ہو۔ میرا مطلب ہے وہ لڑکی ہر پہلو سے سوچنے کے بعد ہی تم سے شادی کی حامی بھرے گی۔ میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔"

رامش نے زچ ہوکر اسے قائل کرنا چاہا تو وہ اکتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"چھوڑو یار! چلو' کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"چلو' چائے بھی باہر ہی پئیں گے۔" رامش نے چائے نہ آنے پر مایوسی کا اظہار کیا' بلکہ ایک طرح سے جتایا بھی تھا۔

"میرا خیال ہے' رشید کو تم سے کوئی شکایت ہوگئی ہے جب ہی چائے لانے میں دیر کرتا ہے۔ بہرحال تم جاکر اس کی کھنچائی کرو' میں چینج کرکے آتا ہوں۔"

وہ کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا اور دس منٹ میں تیار ہوکر کمرے سے نکلا تو لاؤنج میں رامش آرام سے بیٹھا چائے پینے کے ساتھ رشید کی باقاعدہ کلاس لے رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے یکسر انجان بن کر پوچھا تو رشید اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"صاحب! میں بیگم صاحبہ کے کام سے چلا گیا تھا۔ اس لیے چائے میں دیر ہوگئی۔"

"اچھا جاؤ' آئندہ خیال رکھنا۔" اس نے رشید کو بھیج کر رامش کو دیکھا تو وہ کپ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"جلدی آ گئے یار! میں اسے مرغا بنانے کے موڈ میں تھا۔"

"ماما سے کہہ دیا ہے۔" وہ اس کی بات اَن سنی کر گیا۔

"ہاں!"

"چلو پھر' اور دیکھو بور مت کرنا۔" وہ کہہ کر آگے چل پڑا۔

"بور میں نہیں' تم کرتے ہو۔ تمہاری شکل ہی بور کرنے والی ہے۔ یہ تو میرا حوصلہ ہے' جو تمہیں برداشت کرتا ہوں۔" رامش شروع ہوا تو چپ ہی نہیں ہو رہا تھا اور وہ جیسے اسے چھیڑ کر محظوظ ہو رہا تھا جب ہی کچھ بولا نہیں اور گاڑی گیٹ سے نکالتے ہی کیسٹ آن کر دی۔

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی مری جان تجھے چاہوں گا

"خدا کے لیے یار!" رامش نے کیسٹ نکال کر پٹخ دی۔ "ایسے گانے تم اکیلے میں سنا کرو یا پھر اس کے ساتھ بلکہ اس کے ساتھ بھی یہ نہیں چلے گا۔"

"پھر...؟"

"پھر' پھر!" رامش چند لمحے سوچنے کے بعد گانے لگا۔

او کیندی اے سیاں میں تیری آں

وہ بیچ سڑک پر گاڑی روک کر رامش کو گھورنے لگا تو گانے کے بول اس کے حلق ہی میں اٹک گئے' پھر کھانس کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"یہ سڑک ہمارے باپ کی نہیں ہے۔"

اس نے سر جھٹک کر گاڑی آگے بڑھا دی اور خاصی تاخیر کے بعد رامش کو پکار کر کہنے لگا۔

"رامش! میں بہت مشکل میں گھر گیا ہوں یار! فائقہ کے معاملے میں ہر روز خود سے عہد کرتا ہوں کہ اس سے بے نیاز ہو جاؤں گا' کم از کم اس کے سامنے لیکن پھر اسے دیکھتے ہی بے اختیار ہو جاتا ہوں اور مجھے لگتا ہے شاید میری اس بے اختیاری نے ہی اسے میری طرف متوجہ کیا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب تم اسے پرپوز کر ڈالو۔" رامش نے سنجیدگی سے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"نہیں یار! میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔"

"میں کھونے کی نہیں پانے کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں' لیکن تم نہیں سمجھ رہے۔ اسے پرپوز کرتے ہوئے مجھے یہ بھی بتانا پڑے گا کہ میں زیادہ عرصہ اس کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ اس کے بعد تم جانتے ہو' کیا ہو گا اور

میرے اندر یہی خوف ہے جو مجھے ہر قدم پر روکتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں گہری اداسی اتر آئی تھی۔

رامش کچھ دیر اسے دیکھتا رہا' پھر اسٹیئرنگ پر جمے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"ہمیشہ نگیٹو کیوں سوچتے ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ یہی اپنا نصیب سمجھ کر قبول کر لے۔"

"ہاں' میں نے یہ بھی سوچ کر دیکھا ہے' لیکن پھر وہی بات کہ میرے بعد اس کا کیا ہو گا۔ وہ تنہا رہ جائے گی' ماما کی طرح اور ماما تو پھر بہت اسٹرونگ تھیں۔ ڈیڈی کے بعد انہوں نے ہر قسم کے حالات کو فیس کر لیا' لیکن وہ....."

"اسے ماما جیسے حالات کا سامنا نہیں ہو گا شیری!" رامش اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

"اور پھر وہ تنہا بھی نہیں ہو گی۔ ماشاء اللہ ماما ہیں' اللہ ان کی عمر دراز کرے اور میں' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں شیری کہ اس کا اپنی سگی بہنوں کی طرح خیال رکھوں گا۔ اپنی زندگی تک میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں کہ اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تھینک یو رامش! مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے۔" اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ رامش بول پڑا۔

"اب خدا کے لیے لیکن مت کہنا۔"

"وہ تو میں ضرور کہوں گا۔" وہ مسکرایا تو رامش اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بولا۔

"میں خودکشی کر رہا ہوں۔"

"ارے رے!" وہ اسے بازو سے کھینچ کر بولا تھا۔ "میرا مطلب ہے' اب لیکن کی گنجائش نہیں رہی۔"

❁❁❁

اس کی نظریں بار بار گلاس وال سے ادھر جا کر مایوس لوٹ رہی تھیں۔ بارہ بج رہے تھے اور شہر یار آفندی ابھی تک نہیں آنا تھا اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی' جسے وہ محسوس کرتی یا سوچتی۔ سوچنے کی بات تو یہ تھی کہ وہ اس کے نہ آنے کو نہ صرف محسوس کر رہی تھی' بلکہ کام میں اس کا دھیان ہی نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی بے کلی اس کے اندر دھیرے دھیرے پھیلتی جا رہی تھی اور آنکھوں میں انتظار کے دیپ جل بجھ رہے تھے۔ کبھی گلاس وال سے ادھر اور کبھی داخلی دروازے تک جا کر اس کی نظریں لوٹتیں تو یوں لگتا جیسے اس کا دل کسی اتھاہ میں اتر رہا ہے اور یہی دل جب اس کی آمد پر اچھلنے لگا' تب وہ چونکنے کے ساتھ حیران رہ گئی۔

"میرے خدا' کیا میں' کیا میں!"

وہ بے یقینی سے خود کو ٹٹولنے لگی تو ادراک ہوا کہ اس کے دل میں شہر یار آفندی کے لیے صرف ہمدردی نہیں کچھ اور بھی ہے اور اس ادراک نے اسے پھر سے بے چین کر دیا تھا' کیونکہ وہ اس سے محبت نہیں کرنا چاہتی تھی شاید اس لیے کہ انجام پہلے سے معلوم تھا لیکن وہ یہ بھول گئی تھی کہ جذبے پلاننگ سے جنم نہیں لیتے خصوصاً محبت۔ یہ تو قدرت کا وہ انمول تحفہ ہے' جس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں۔ دل کی نرم زمین پر یہ خودرو پودے کی طرح اُگتی ہے اور اس کے دل کی زمین پر بھی جانے کب اس کا بیج آن گرا تھا۔ وہ بہر حال پریشان ہو گئی تھی اور خود سے الجھ رہی تھی کہ نادرہ اسے پکار کر بولی۔

"سنو! وہ آ گیا ہے۔"

"کون؟" وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"شہر یار آفندی! جس کے انتظار میں گھلی جا رہی تھیں۔" نادرہ نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ بگڑ کر بولی۔

"غصہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب جانتی ہوں اور دیکھ بھی رہی ہوں۔ روزانہ میرے سامنے اٹھ کر اس کے کمرے میں جاتی ہو اور کبھی اس کے ساتھ باہر بھی نکل جاتی ہو' پھر بھی

مجھ سے مطلب پوچھ رہی ہو۔ مطلب تو تم مجھے سمجھاؤ فائقہ احمد! یہ سب کیا ہے؟" نادرہ نے اس کے بگڑنے پر اسے لتاڑا تھا' ورنہ اتنے دنوں سے وہ خاموش ہی تھی۔

"جب جانتی ہو تو پوچھ کیوں رہی ہو؟" وہ ناراضی سے بولی۔

"تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

اس نے کہا تب ہی شہر یار آفندی کا بلاوا آ گیا تو نادرہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے ہلکے سے گنگنائی۔

"بیتاب ہو ادھر تم' بے چین ہے ادھر وہ!"

وہ کیا کہتی' بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر پہلے دراز کھول کر چھوٹے سے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا' اس کے بعد شہر یار آفندی کے کمرے میں آئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ اس کے بیٹھنے کے بعد پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"ٹھیک ہوں!" وہ اب براہ راست اسے دیکھنے سے گھبرا رہی تھی۔

"لیکن مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ کوئی پرابلم ہے یا میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے؟"

اس نے پوچھا تو اس کا دل چاہا کہہ دے کہ ہاں تم نے مجھے ڈسٹرب کیا ہے اور پھر ابھی اس سے محبت کا اعتراف کرے جو کہ ہر صورت اسے کرنا تھا۔ محبت نہ ہوتی تب بھی' لیکن وہ کیا کرتی' بہت چاہنے اور کوشش کے بعد بھی اسے دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکی۔

"کیا بات ہے فائقہ! آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟" وہ اسے خود سے لڑتے دیکھ کر بولا۔

"لوسر!" اس نے اندر ہی اندر خود کو سرزنش کی' پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔"

"شیور؟"

"شیور!" وہ قصداً مسکرائی پھر پوچھنے لگی' "آج آپ اتنی دیر سے کیوں آئے؟"

"دیر سے....؟" وہ ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر بولا۔ "ہاں دیر تو ہو گئی' اصل میں میرا آج آفس آنے کا موڈ نہیں تھا۔ اس لیے میں آرام سے سوتا رہا۔ گیارہ بجے اٹھا تو سوچا گھر میں رہ کر کیا کروں گا اور پھر چلا آیا۔"

"اچھا کیا' آئی مین آپ کو آفس کے معاملے میں اپنے موڈ پر نہیں چلنا چاہیے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' آئندہ خیال رکھوں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا' تو وہ جھینپ گئی اور قدرے توقف سے بولی۔

"اگر میں اسی طرح کام چھوڑ کر آپ کے پاس بیٹھتی رہی' تو بہت جلدی میری چھٹی ہو جائے گی۔"

"کون کرے گا؟"

"آپ!" اس نے فوراً کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا' پھر بات بدل گیا۔

"گھر کب آ رہی ہیں؟"

"آؤں گی' جلدی آؤں گی۔" وہ اچانک کسی خیال میں گھر کر بولی پھر چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں کچھ کام کرلوں۔"

"اوکے!" خلاف توقع اس نے جانے کی اجازت دے دی' تو وہ پھر کچھ کہنے کے لیے رُکی' لیکن سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے' تو ذرا سا مسکرائی پھر اپنی سیٹ پر آتے ہی نادرہ سے بولی۔

"ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔ وقت آنے پر میں خود تمہیں بتاؤں گی۔ البتہ یہ سن لو کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں۔"

"اور وہ؟" نادرہ کی نظریں اپنی فائل پر' لیکن دھیان اسی کی طرف تھا۔

"وہ بھی!"

"اچھی بات ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں' وش یو بیسٹ آف لک۔" نادرہ اپنی بات کے اختتام پر اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"تھینک یو!" جواباً وہ بھی مسکرائی' لیکن اندر نامعلوم سی اداسیاں گھر کرنے لگی تھیں۔ شاید تقدیر کی ستم ظریفی پر کہ محبت کی راہوں پر صرف اندیشے نہیں تھے' بلکہ پہلے قدم پر ہی کھو دینے کا یقین تھا' جسے وہ چاہنے کے باوجود جھٹلانا تو دُور کی بات' نظریں بھی نہیں چرا پا رہی تھی۔ کیا تھا جو شہریار آفندی اس خوفناک انکشاف کی شرط نہ رکھتا' بے خبری میں وہ زندگی کی رعنائیوں میں کچھ وقت کے لیے ہی سہی کھو جاتی' لیکن اب خواہ ہر لمحہ گلاب ہو' اس کے اندر صرف کانٹوں کی چبھن اترے گی۔ ابھی پہلے مرحلے پر ہی وہ اتنی آزردہ ہو گئی تھی اور ایسے میں اسے ہمیشہ عظام ہی یاد آتے تھے۔ گو کہ اس نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ بتانا چاہتی تھی' پھر بھی آفس سے سیدھی ان کے گھر چلی آئی تھی۔

"عظام بھائی آ گئے؟" مامی جی سے مل کر اسماء کے گلے لگتے ہی اس نے عظام کا پوچھا۔

"ہاں' ابھی نماز کے لیے نکلے ہیں اور یہ تم اتنے دن کہاں غائب رہیں؟" اسماء نے جواب کے ساتھ ٹوکا۔

"بس ابو کی وجہ سے۔"

"کیسے ہیں اب تمہارے ابو؟" مامی جی کے پوچھنے پر وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اللہ کا شکر ہے مامی جی! اب بہت بہتر ہیں۔"

"تم کمزور ہو گئی ہو۔" مامی جی نے اس کا چہرہ چھو کر کہا۔

"سب ٹوک رہے ہیں' لیکن مجھے تو نہیں لگ رہا۔ ویسے ہی تھکی ہوئی ہوں اور ابھی اسماء کے ہاتھ کی چائے پی کر تو دیکھیے گا میں کتنی فریش ہو جاؤں گی۔" وہ اسماء کو دیکھ کر ہنسی۔

"ارے' عظام بھائی بھی چائے کا کہہ گئے ہیں۔ امی آپ پئیں گی؟" اسماء نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! میں ابھی نماز پڑھوں گی۔" مامی جی دوپٹہ لپیٹتے ہوئے کھڑی ہوئیں تو وہ اسماء کے ساتھ کچن میں آ گئی اور اس کے اشارے پر اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کھانے میں کیا بنایا ہے؟"

"پالک گوشت' کھاؤ گی؟"

"نہیں ابھی تو بھوک نہیں ہے۔ بس چائے پلا دو اور یہ عظام بھائی مغرب پڑھنے گئے ہیں' یا عشاء؟"

"جاتے تو مغرب پڑھنے ہیں اور اکثر عشاء پڑھ کر ہی آتے ہیں۔" اسماء نے بتایا تو وہ کچھ مایوسی سے بولی۔

"میں اتنی دیر تو نہیں رکوں گی۔"

"نہیں خیر! ابھی تو آ جائیں گے کیونکہ مجھ سے چائے کا کہہ کر گئے ہیں۔" اسماء نے اسے تسلی دی۔

"اچھا!" وہ اٹھ کر کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

پرانے طرز کا بنا ہوا یہ گھر اسے ہمیشہ سے اٹریکٹ کرتا تھا۔ خصوصاً کھلا آنگن اور نیم کا پیڑ' جس سے اس کی بچپن کی کتنی خوبصورت یادیں وابستہ تھیں' اسے اچانک وہ دن یاد آنے لگے' جب وہ ماموں جی سے ضد کر کے یہاں جھولا ڈلواتی تھی' پھر اس جھولے پر اس کی اور اسماء کی بہت لڑائی ہوتی تھی۔ اگر ایسے میں عظام آ جاتے تو پہلے دونوں میں صلح کراتے پھر باری لگا دیتے۔ اسے تب سے ہی عظام بہت اچھے لگتے تھے۔ اپنی ہر چیز وہ ان کے لیے ضرور بچا کر رکھتی تھی۔ ٹافیاں' تل کے لڈو اور برفی اور ظاہر ہے بدلے میں پھر وہ بھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے آتے تھے اور کیونکہ وہ ان سے بہت چھوٹی تھی' اس لیے اس کی عظام کے ساتھ گہری وابستگی کو سب دیکھتے اور محسوس ضرور کرتے تھے' لیکن کبھی کوئی غلط نہیں سوچ سکتا تھا۔ بس یہی کہا جاتا کہ یہ تو عظام کی دیوانی ہے اور اس کی دیوانگی بچپن کی حدود کراس کر کے بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی بھی اسی طرح ان کی طرف لپکتی تھی'

جبکہ عظام نے لگتا تھا اپنے گرد ایک حصار کھینچ لیا ہے، جس کے اندر وہ کسی کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ وہ بھی کتنا سر پٹکتی تھی لیکن ان کی ذات کے اسرار نہیں کھلتے تھے۔

"پتہ نہیں کیا ہیں عظام بھائی۔" اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوگئی تو وہ چونکی پھر پلٹ کر اسماء کو دیکھنے لگی۔

"تم چائے یہیں پیو گی یا عظام بھائی کے ساتھ؟" اسماء نے چائے میں چمچ چلاتے ہوئے پوچھا۔

"عظام بھائی آگئے کیا؟"

"لو ابھی تمہارے سامنے سے تو گزرے ہیں، کہاں رہتی ہو تم؟" اسماء نے تعجب سے ٹوکا۔

"لاؤ چائے میں لے جاتی ہوں۔" وہ اسماء کی بات اور تعجب سے انجان بن گئی اور جلدی سے دونوں مگ اٹھا کر کچن سے نکل آئی۔

"السلام علیکم!" اس نے عظام کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟"

"خیریت سے ہوں!"

"بیٹھو آفس سے آرہی ہو؟"

"جی، گھر سے کہاں نکلنا ہوتا ہے۔ ایک چھٹی کا دن پتہ نہیں کن کاموں میں گزر جاتا ہے۔ حالانکہ میرا بہت دل چاہتا ہے، کبھی صبح سے آؤں اور سارا دن یہاں رہوں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا اور ان کے خاموش رہنے پر پوچھنے لگی۔

"آپ کیوں نہیں آتے؟"

"آؤں گا! تم یہ بتاؤ جاب ٹھیک جارہی ہے تمہاری؟" انہوں نے ٹال کر پوچھا تو اس نے ہوں کہہ کر مگ ہونٹوں سے لگالیا اور دو تین سپ لینے کے بعد انہیں مخاطب کیے بغیر کہنے لگی۔

"میں آج بہت اداس ہوں۔ دل چاہ رہا ہے، بہت روؤں۔"

"رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔" انہوں نے کہا، تو وہ چونک کر بولی۔

"مسائل! لیکن میرے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"پھر کیوں رونا چاہتی ہو؟"

"پتہ نہیں، خیر چھوڑیں اس بات کو اور میری ایک بات کا جواب دیں۔" اس نے کہا، تو وہ مگ ایک طرف رکھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"یہ بتائیں، اگر آپ کو آپ کی من پسند چیز دے کر یہ کہا جائے کہ یہ کچھ عرصے بعد آپ سے

واپس لے لی جائے گی، تو آپ کیا کریں گے؟" اس نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھا تو عظام کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"جب پہلے سے واپسی کی شرط طے ہوگی تو پھر میں اسے واپسی کی نیت سے سنبھال کر رکھوں گا۔"

"اگر آپ کا واپس کرنے کو دل نہ چاہے؟"

"اسی لیے تو میں نے کہا کہ واپسی کی نیت سے سنبھال کر رکھوں گا۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"لوٹاتے ہوئے افسوس نہیں ہوگا۔"

"کیوں نہیں ہوگا۔ اتنے دن وہ آپ کے پاس رہی، پھر وہ آپ کی من پسند شے ہے۔" اس نے الجھ کر جرح کی تو وہ کچھ ٹھٹکے پھر نرمی سے بولے۔

"سنو! یوں مت الجھو، جو کہنا ہے صاف کہو۔"

"نہیں!" وہ عاجز سی ہو کر بولی۔ "میں نہیں کہہ سکتی۔"

"کیوں؟ کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ یا مجھ پر بھروسہ نہیں رہا۔ بولو! جب یہاں تک آگئی ہو تو کہنے میں کیا دشواری ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

'بیوقوف، ضرور کوئی حماقت کر بیٹھی ہے۔' انہوں نے ہونٹ بھینچ کر سوچا پھر اٹھ کر آہستہ سے اس کا سر تھپک کر بولے۔

"رو مت! مجھے تمہارے رونے سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"اور جو میں ایک عمر روؤں گی۔" وہ ہاتھ نیچے گرا کر بولی۔

"کیا، کیا کہا تم نے؟" انہوں نے اس کا سر اونچا کر کے پوچھا تو وہ اپنی پیشانی سے ان کا ہاتھ ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں، میں جارہی ہوں۔"

"کیوں آتی ہو تم یہاں، کیا صرف مجھے پریشان کرنے۔ کیوں؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ بولو!" انہیں واقعی غصہ آگیا تھا۔

وہ خائف سی ہو کر دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگی، پھر دروازے پر ہاتھ لگتے ہی بولی تھی۔

"معاف کر دیجئے۔ آئندہ میں آپ کو پریشان کرنے نہیں آؤں گی۔"

"رکو فائقہ!" انہوں نے تیز لہجے میں کہا، لیکن وہ ان سنی کرتی تیز قدموں سے باہر نکل آئی

تھی۔

وہ آتے ہی واش روم میں بند ہوگئی اور کتنی دیر منہ اور خصوصاً آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتی رہی' پھر تولیے سے صاف کیے بغیر باہر نکلی تو رابعہ اس کے انتظار میں ٹہل رہی تھی۔ دیکھتے ہی بولی۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟"

"میں؟" وہ انگلیوں سے ہونٹوں اور پلکوں پر ٹھہرا پانی صاف کرتے ہوئے بولی۔ "میں ماموں جی کے ہاں چلی گئی تھی۔"

"عظام بھائی سے ملاقات ہوئی؟" رابعہ نے فوراً پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔

"کچھ کہہ رہے تھے؟" رابعہ جانے کیا پوچھنا چاہ رہی تھی۔ وہ سمجھی نہیں اور وارڈروب کھول کر بولی۔

"نہیں' انہوں نے کیا کہنا ہے۔"

"پھر بھی سرسری تو ذکر کیا ہوگا۔" رابعہ نے کہا تو اس بار وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کس بات کا؟"

"میرا اور عفان کا۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تھا۔"

"اچھا ہاں' آج تم ڈاکٹر صاحب سے ملنے گئی تھیں' کیا رہا؟" اس نے ایک دم یاد آنے پر پوچھا' تو رابعہ جھنجلا کر بولی۔

"پہلے تم عظام بھائی کا بتاؤ۔ انہوں نے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں۔ انہوں نے تو اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا۔ ویسے کہاں دیکھا تھا انہوں نے تمہیں' بلکہ تم دونوں کو؟"

"گاڑی میں۔ میرا مطلب ہے ایک جگہ سگنل پر ہماری گاڑی کے ساتھ ہی ان کی گاڑی آن رکی تھی۔" رابعہ نے بتایا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"عظام بھائی کے پاس تو گاڑی نہیں ہے۔"

"آفس کی ہوگی' بہرحال اسی طرح انہوں نے مجھے دیکھا تھا اور بظاہر تو انجان بن گئے تھے۔"

"حسب عادت!" اس نے سوچا پھر سر جھٹک کر بولی۔ "خیر دیکھ لیا ہے تو کیا ہوا؟"

"ہاں یہی میں بھی سوچ رہی ہوں' لیکن عجیب سا بھی لگ رہا ہے۔" رابعہ نے کہا تب ہی امی آگئیں۔

"یہ تم دونوں یہاں گھسی کیا کررہی ہو۔ کبھی کچن بھی دیکھ لیا کرو۔ سارا چھوٹی پر چھوڑ دیتی ہو۔"

"ہائیں!" رابعہ اچھل کر بولی۔ "ہنڈیا میں نے پکائی ہے اور آٹا بھی گوندھ دیا ہے' باقی سوہنی صرف روٹی ہی تو پکائے گی۔"

"پکا رہی ہے۔ چلو تم دسترخوان لگاؤ۔ عثمان بھوک بھوک کررہا ہے۔" امی نے دونوں کو دیکھا تھا جب ہی وہ فوراً وارڈروب بند کرکے بولی۔

"میں آرہی ہوں امی' بس کپڑے بدل لوں۔"

"جلدی کرو اور یہ تم اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟ ماموں کے ہاں چلی گئی تھیں کیا؟" امی نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

"جی وہیں گئی تھی۔"

"عظام نہیں آیا تمہیں چھوڑنے؟"

"وہ... وہ کچھ مصروف تھے۔" وہ کہتے ہوئے واش روم میں چلی گئی۔

پھر کھانے کے بعد وہ بہت دیر تک ابو کے پاس بیٹھی رہی۔ لیکن اس کا دل اور ذہن دونوں اس کے ساتھ نہیں تھے۔ بظاہر ابو کی باتیں سن رہی تھی' لیکن ذہن کبھی شہریار آفندی اور کبھی عظام کی طرف بھٹک رہا تھا' پھر رابعہ کی روداد بھی سننا چاہتی تھی اور ابو جانے کہاں کہاں کے قصے چھیڑے بیٹھے تھے۔ بارہ بج گئے' جب امی کمرے میں آئیں' تب وہ ابو سے اجازت لے کر اٹھی اور پہلے رابعہ کے کمرے میں جھانکا تو وہ منتظر تھی' فوراً اشارے سے اندر آنے کو کہا۔

اس نے کمرے میں داخل ہوکر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا' پھر رابعہ کے برابر لیٹتے ہوئے بولی۔

"بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی۔"

"کیا باتیں کررہے تھے ابو؟" رابعہ نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"بس پرانے قصے دادا دادی' تایا جی' چچا جی کی وہی باتیں جو وہ کتنی بار بتا چکے ہیں۔"

"اچھا خیر! اب میری سنو۔" رابعہ نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ جمائی روک کر بولی۔

"تمہاری ہی سننے آئی ہوں۔"

"ہاں!" رابعہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور تکیہ گود میں رکھتے ہوئے شوق سے بتانے لگی۔

"ایسا ہوا کہ ڈاکٹر عفان مجھے سیدھا اپنے بنگلے پر لے گئے تھے۔ بہت خوبصورت بنگلہ ہے ان کا۔ تین بیڈروم' ڈرائنگ' ڈائننگ' ٹی وی لاؤنج اور چھوٹا سا لان بھی۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے۔ گھر والوں کا بتاؤ۔ کون کون ہے؟" اس نے پوچھا تو رابعہ بڑے آرام سے بولی۔

"کوئی نہیں!"

"کیا مطلب؟ ان کے والدین، بہن بھائی؟"

"سب ہیں، لیکن یہاں نہیں رہتے۔ اصل میں ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک گاؤں سے ہے۔ ان کے والدین اور ایک بہن بھائی ابھی بھی وہیں رہتے ہیں، جبکہ بڑے بھائی امریکہ میں ہیں اور بڑی بہن یہیں ڈیفنس میں ہوتی ہیں۔"

رابعہ ڈاکٹر عثان کے گھر والوں کے بارے میں بتا کر کہنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب اسی لیے مجھ سے ملنا چاہتے تھے تاکہ اپنے تمام حالات بتا سکیں۔ بہرحال اب مسئلہ یہ ہے کہ ان کے والدین ان کی شادی گاؤں میں اپنے عزیزوں میں کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ اور ان کے بہن بھائی بھی راضی نہیں ہیں۔ ان کی بڑی بہن یہیں ان کے لیے لڑکی تلاش کر رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کو میں پسند آ گئی اور اب ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک آدھ ہفتے میں اپنی بہن کو یہاں بھیجیں گے۔"

"اور والدین؟"

"ان کو پتہ نہیں ہے۔ ویسے صبح ڈاکٹر صاحب گاؤں جا رہے ہیں، اس سلسلے میں۔ اپنے والدین سے بات کریں گے۔ اگر وہ آنے پر تیار ہوئے تو انہیں اپنے ساتھ لیتے آئیں گے، ورنہ پھر شادی کے بعد مجھے ان سے ملانے لے جائیں گے۔ وہ بتا رہے تھے ان کے بڑے بھائی کی شادی بھی اسی طرح ہوئی ہے۔ یعنی ان کے والدین شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن ناراض بھی نہیں تھے۔ اصل میں وہ دیہاتی لوگ ہیں۔ اپنی برادری سے بگاڑنا نہیں چاہتے، اس لیے ان کی بات رکھ لیتے ہیں اور بعد میں کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ پڑھ لکھ کر بچے ہمارے بس میں نہیں رہے، لیکن ہم انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے وغیرہ وغیرہ۔ سمجھ گئیں؟"

رابعہ نے کچھ تفصیل بتا کر کہا تو اس پر چونکہ نیند غالب آ رہی تھی، اس لیے بس اتنا پوچھا۔

"تم مطمئن ہو؟"

"ہاں!" رابعہ نے فوراً اقرار کیا۔

"بس پھر تو کوئی مسئلہ نہیں۔ آرام سے سو سکتی ہو اور مجھے بھی سونے دو۔"

اس نے کہہ کر بوجھل آنکھوں کے در بند کیے تو رابعہ اس کا ہاتھ ہلا کر بولی۔

"یہاں کہاں سو رہی ہو؟"

"وہاں جانے کی ہمت نہیں ہے۔ آج کی رات سونے دو۔" وہ کروٹ بدل گئی۔

☆☆☆☆☆

"شیری! اس ماہ تمہاری برتھ ڈے ہے اور میں سوچ رہی ہوں....."

بیگم آفندی نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے ماما! بس آپ میرے لیے اپنے ہاتھوں سے ایک سویٹ ڈش بنا دیجیے گا۔"

"وہ بھی بنا دوں گی۔ اس کے علاوہ میں ہمیشہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہتی ہوں کسی فائیو سٹار میں۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ کن انکھیوں سے انہیں دیکھ کر بولا۔

"اس لیے کہ یہ میری آخری برتھ ڈے ہوگی۔"

"شیری!" بیگم آفندی چیخ پڑیں۔ "ایسی باتیں مت کیا کرو، میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"سوری ماما! میں مذاق کر رہا تھا آپ خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہیں۔ اطمینان رکھیں، میں بہت سال جیوں گا۔"

وہ انہیں تکلیف دینے پر نادم ہو کر بولا۔

"ان شاء اللہ!" بیگم آفندی اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئیں تو کچھ انتظار کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں کیا پروگرام بنایا ہے آپ نے؟"

"کوئی نہیں۔" بیگم آفندی کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"آپ تو ناراض ہو گئیں ماما! آئی ایم ویری سوری۔ پلیز!" وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور ان کی گردن میں بانہیں ڈال کر منت سے بولا۔

"کبھی کبھی تم بہت ظالم بن جاتے ہو۔" وہ ابھی تک دکھ کی کیفیت میں تھیں۔

"ماما پلیز! میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔ آپ ریلیکس ہو جائیں ناں۔"

"اوکے، اوکے! بیٹھو ناشتہ کرو۔" انہوں نے اس کا گال تھپک کر کہا، پھر اس کے بیٹھنے پر پوچھنے لگیں۔

"ابھی کہاں جاؤ گے؟"

"جہاں آپ کہیں۔"

"فیکٹری چلے جاؤ۔ اکاؤنٹ دیکھ لینا اور آج کچھ ڈیلرز بھی آنے والے ہیں، ان کے ساتھ ایک میٹنگ رکھ لو۔"

"اوکے اور کچھ؟"

"بس آج اتنا ہی کافی ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو اس نے بلا ارادہ پوچھ لیا۔

"آپ آفس جا رہی ہیں؟"

"ہاں! تمہیں کوئی کام ہے؟ آئی مین فائقہ سے کچھ کہنا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں اور اگر کچھ کہنا بھی ہوگا تو آپ کے تھرو کیوں کہلواؤں گا؟ میں فون کرلوں گا اسے۔''

اس نے کہا تو بیگم آفندی جانے کس خیال سے ٹھٹکیں' لیکن بظاہر مسکراتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

اور انہوں نے آج جان بوجھ کر اسے فیکٹری جانے کا کہہ دیا تھا' کیونکہ وہ فائقہ سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ گزشتہ کئی دنوں سے وہ سوچ رہی تھیں' لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ شہریار یا جو آفس میں موجود ہوتا یا اس کے آنے کا دھڑکا اور وہ اس معاملے میں اتنی محتاط تھیں کہ اس کی موجودگی میں فائقہ سے آفیشل بات کرنے سے بھی گریز کرتی تھیں' بہرحال اس وقت انہیں یقین تھا کہ وہ فوراً آفس نہیں آئے گا' اس لیے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی فائقہ کو بلا بھیجا تھا۔

''السلام علیکم میڈم!'' فائقہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا' تو وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر بولیں۔

''آؤ بیٹھو!''

''تھینک یو!'' وہ بیٹھ گئی اور بہت سکون سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

بیگم آفندی کو اس کا سکون اور براہ راست دیکھنا بری طرح محسوس ہوا۔ شاید اپنی حاکمیت خطرے میں لگی تھی' یا پھر عادت سی ہوگئی تھی' اپنے سامنے ہر ایک کو باادب باملاحظہ کی تصویر بنے دیکھنے کی' جب ہی اس کا یہ انداز کھل رہا تھا' لیکن ٹوکا نہیں۔ البتہ لہجہ وہی رکھا' جیسے اپنی ملازمہ سے مخاطب ہوں۔

''میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تمہارا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

''جی میں کوشش کررہی ہوں۔'' وہ ان کے لہجے کے رعب میں آگئی تھی' جس پر وہ مزید تیز ہوکر بولیں۔

''کیا کوشش کررہی ہو۔ ایک مہینہ ہوگیا ہے شیری کو آئے ہوئے اور تم نے شاید اس کے سامنے شادی کا ذکر ہی نہیں چھیڑا۔ کیوں اتنا طول دے رہی ہو۔ کہیں تم اس انتظار میں تو نہیں کہ اس کی زندگی...''

''نہیں میڈم!'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''خدا کے لیے ایسا مت سوچیں۔''

''پھر اور کیا سوچوں؟''

''بس تھوڑا انتظار کریں۔''

''انتظار' انتظار! میں مزید انتظار نہیں کرسکتی۔ تمہیں جو کرنا ہے جلدی کرو۔ دو مہینے بعد شیری کو پھر لندن جانا ہے اور میں چاہتی ہوں اس بار تم اس کے ساتھ جاؤ۔ سمجھیں!'' انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا کر بولی۔

''جی آپ دعا کریں!''

''دعا! میں کیا دعا کروں؟ بتاؤ؟''

''یہی کہ شہریار مان جائیں۔''

''تم مناؤ گی تب نا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس کی زندگی کا ایک ایک پل کتنا قیمتی ہے' انہیں تم فضول باتوں میں مت گنواؤ۔''

وہ جیسے زچ ہوکر بولیں' پھر اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپکتے دیکھ کر قدرے نرم پڑگئیں۔

''روؤ مت! مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے اور سنو! ہیں کو شیری کی برتھ ڈے ہے' تم کوشش کرنا اسی دن اسے وش کرنے کے ساتھ شادی کا بھی کہہ دینا۔''

''جی!'' وہ اپنے آنسو انگلیوں کی پوروں پر سمیٹنے لگی۔

''اب اس طرح روتی ہوئی تم سب کے سامنے جاؤ گی۔ نہیں' جاؤ پہلے واش روم میں منہ دھوؤ اس کے بعد اپنی سیٹ پر جانا۔'' انہوں نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

''نان سینس!'' وہ بڑبڑائیں' پھر ریسیور اٹھا کر فیکٹری کے لیے ڈائل کرنے لگیں۔

''یس!'' تیسری بیل کے بعد شہریار کی آواز سنتے ہی وہ بولیں۔

''تم پہنچ گئے؟''

''کیوں ماما! آپ کو یقین نہیں تھا؟'' شہریار نے شاکی لہجے میں کہا' تو وہ جھنجلا گئیں۔

''یقین نہ ہوتا تو میں تمہیں گھر فون کرتی۔''

''اچھا بتایئے کیا کام ہے؟''

''بس تم فوراً یہاں آجاؤ۔'' انہوں نے کہا' تو وہ حیران ہوا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ ایک لڑکی تمہارے نہ آنے سے بہت مایوس نظر آرہی ہے اور مجھ سے اس کی مایوسی دیکھی نہیں جارہی۔''

انہوں نے کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

☆☆☆☆☆

چھٹی کا دن تھا' جب ہی وہ بہت دیر تک سوتی رہی۔ گوکہ معمول کے مطابق صبح اس کی آنکھ کھلی تھی' لیکن وہ پھر سوگئی۔ کسی نے اٹھایا بھی نہیں تھا اور شاید وہ ابھی بھی نہ اٹھتی اگر یہ غیر معمولی شور نہ

ہوتا۔ پتہ نہیں کیا ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر سمجھنے کی کوشش کرتی رہی' پھر اٹھ کر باہر آئی تو رابعہ برآمدے میں رکھا تخت گھسیٹ رہی تھی۔

"یا اللہ! اسے گھسیٹنے کی کیا ضرورت ہے' سوہنی کے ساتھ مل کر اٹھاتیں اور اسے کہاں لے جا رہی ہو؟" اس نے شور پر خاصی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں نہیں! بس ادھر کنارے دیوار کے ساتھ لگانا ہے۔ لو لگ گیا۔" رابعہ تخت کو آخری دھ[illegible] دے کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس کی طرف پلٹی تو وہ سکون کا سانس لے کر بولی۔

"یہاں ٹھیک تو تھا' اب وہاں کون بیٹھے گا؟"

"تم!" رابعہ ہنسی پھر اس کے قریب آ کر بولی۔ "ڈاکٹر عفان کی بہن آ رہی ہیں۔ اس لیے سیٹنگ کر رہی ہوں۔"

"اچھا' کب آ رہی ہیں؟" اس نے شوق سے پوچھا۔

"شام میں' ابھی ڈاکٹر عفان آئے تھے صرف یہی بتانے۔ اب تم امی کو سمجھاؤ کہ ان کے سامنے حالات کا رونا نہ رونے بیٹھ جائیں۔" رابعہ نے کہا۔

"ارے امی اتنی بیوقوف نہیں ہیں۔ سامنے والے کو دیکھ کر ہی بات کرتی ہیں۔ بھیا کی شادی میں دیکھا نہیں تھا کیسے اپنا بھرم رکھ رہی تھیں۔" اس نے رابعہ کو اطمینان دلایا پھر پوچھنے لگی۔

"کچھ ناشتہ وغیرہ بھی ہے؟"

"پہلے منہ تو دھولو۔" رابعہ نے ناک سکیڑ کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنسی۔ "تمہارا شور سن کر بھاگی آئی' ورنہ منہ دھو کر ہی کمرے سے نکلتی۔"

"اچھا جاؤ جلدی ناشتے سے فارغ ہو' پھر شام کا سوچتے ہیں۔" رابعہ نے اسے دھکیلا تو وہ پھر پلٹ کر پوچھنے لگی۔

"شام کا کیا سوچنا ہے؟"

"مہمانوں کی خاطر مدارات کے لیے کیا کیا ہونا چاہیے؟"

"اچھا ہاں!" وہ سر ہلاتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر جب تک وہ ناشتے سے فارغ ہوئی۔ رابعہ گھر کی سیٹنگ اور صفائی مکمل کر چکی تھی۔ البتہ اس کا کمرہ چھوڑ دیا تھا اور اسے کیا کرنا تھا۔ بس بیڈ کی چادر تبدیل کی اس کے بعد امی سے دوپہر کے کھانے کا پوچھا' تو وہ کہنے لگیں۔

"آلو گوشت آیا رکھا ہے' وہی پکا لینا اور روٹی صرف تمہارے ابو کے لیے بنے گی' باقی چاول۔"

"اور شام کے لیے میرا مطلب ہے وہ جو مہمان آئیں گے۔" اس نے رابعہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں مہمانوں کے لیے' تم بتاؤ؟" امی الٹا اس سے پوچھنے لگیں' تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"میرا خیال ہے گھر میں صرف کباب بنا لیتے ہیں' باقی چیزیں بیکری سے منگوا لیں' کیوں رابعہ؟"

"ہاں یہی ٹھیک ہے!" رابعہ کی تائید پر وہ مطمئن ہو گئی۔ ویسے ان دنوں رابعہ کم ہی کسی بات پر تکرار کر رہی تھی۔ گویا اپنی زندگی کے اس موڑ پر وہ خوش تھی۔

بہرحال شام میں ڈاکٹر عفان کی بہن آئیں تو وہ بھی رابعہ کو دیکھتے ہی لٹو ہو گئیں۔ یوں بھی اب تک اس کے جتنے پرپوزل آئے تھے' کسی نے اسے ریجکٹ نہیں کیا تھا۔ وہ تھی ہی اتنی حسین اور ڈاکٹر عفان کی بہن نے بھی اسے سراہنے میں کنجوسی نہیں کی تھی۔

"ماشاء اللہ! بڑی فیاضی سے بنایا ہے اللہ نے۔ میں اپنے بھائی کے لیے ایسی ہی دلہن چاہتی تھی۔ سچ مچ میرے بھائی کا گھر سج جائے گا' بس آپ ہاں کر دیں۔ آج سے یہ ہماری ہوئی۔"

"آپ ہی کی ہے۔" امی کو اب کیا سوچنا تھا۔ آرام سے حامی بھر گئیں تو ڈاکٹر عفان کی بہن خوش ہو کر فوری شادی پر اصرار کرنے لگیں' جس پر امی بوکھلا گئیں۔

"فوری شادی تو ممکن نہیں ہے' کیونکہ آپ دیکھ رہی ہیں کہ یہ ابھی گھر بیٹھے ہیں۔" امی نے ابو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں تو ہم کون سا آپ پر کوئی بوجھ ڈال رہے ہیں۔ سادگی سے رخصت کر دیں۔ اصل میں عفان یہاں اکیلے رہتے ہیں۔ گھر بس جائے گا تو میں بھی مطمئن ہو جاؤں گی' ورنہ ہر وقت اسی کی فکر لگی رہتی ہے۔ پتہ نہیں ملازم نے کیا پکایا' کیا کھلایا۔" وہ اپنے اصرار کے اسباب بیان کرنے لگیں۔

"پھر بھی کچھ وقت تو لگے گا۔" ابو نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

"ہاں مہینہ دو مہینہ!"

"دیکھیں اللہ کو کیا منظور ہے۔"

"نیک کام ہے آپ ارادہ کریں۔ سب انتظام وہی کرنے والا ہے۔"

"بے شک!" ابو نے تائید کی۔ پھر کہنے لگے۔ "بہرحال میں کوشش کروں گا کہ اس فرض سے جلد ہی سبکدوش ہو سکوں۔ باقی آپ دعا کریں۔"

"ان شاء اللہ!" وہ خوش ہو گئیں۔ پھر جاتے ہوئے رابعہ کے ہاتھ پر دو ہزار رکھ کر بولیں۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرے بھائی نے اتنی پیاری لڑکی پسند کی ہے' تو میں بہت اہتمام کے

ساتھ آتی۔ خیر' پھر آؤں گی' بلکہ اب تو آنا جانا رہے گا۔"

"کیوں نہیں۔ آپ کا گھر ہے۔" امی نے کہا پھر انہیں دروازے تک رخصت کر کے واپس آئیں' تو وہ بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔

"مبارک ہو امی! جیسا آپ رابعہ کے لیے چاہتی تھیں' ویسا ہی ملا۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے اور میں تمہارے لیے بھی بہت اچھا چاہتی ہوں۔" امی نے اس کا گال چوم کر کہا' تو اس کی نظروں میں شہریار آفندی کا سراپا آن سمایا اور کاش کہ اس کے تصور سے وہ سچ مچ خوش ہو سکتی۔ اسے زبردستی نہ مسکرانا پڑتا۔

"میں بتاؤں اس کے لیے۔" رابعہ نے شوخی سے کہا' تو وہ فوراً اس کی طرف گھوم کر بولی۔

"نہیں' تم میرے بارے میں غلط اندازے لگاتی ہو۔"

"صحیح تم بتا دو!"

"بکومت!" وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

جانے کیوں اس کا دل بھر آیا تھا' آنکھوں کی سطح بھی گیلی ہونے لگی تھی اور رابعہ کے آنے اور ٹوکنے کے خیال سے وہ وارڈروب میں چھپ کر آنکھیں رگڑنے لگی' لیکن آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے اور رابعہ تو نہیں سوہنی اسے پکارتی ہوئی آ گئی۔

"آپی!"

"ہوں؟" وہ جلدی سے جو کپڑا ہاتھ آیا' اسی سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

"کیا کر رہی ہیں؟" سوہنی نے وارڈروب کا پٹ پورا کھول دیا تو وہ اندر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"وہ صبح کے لیے کپڑے!"

"آپی! آپ رو رہی ہیں؟" سوہنی کو اس کی آواز سے شبہ ہوا' پھر فوراً دوسری طرف سے آ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پریشان ہو گئی۔

"کیوں رو رہی ہیں؟ ابھی تو اتنی خوش تھیں!"

"میں ابھی بھی خوش ہوں اور کیا خوشی میں آنسو نہیں چھلکتے؟" وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی' پھر سوہنی کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"تم ایسی بزدل بیوقوف کیوں ہو۔ دل بڑا کرو' بہادر بنو۔ زندگی اتنی آسان نہیں ہے' بہت کڑے امتحان لیتی ہے۔ اللہ نہ کرے جو تمہاری زندگی میں کوئی آزمائش آئے۔ پھر بھی اپنے اندر ہمت پیدا کرو۔ ذرا سی بات سے پریشان ہو جاتی ہو بیوقوف!"

"میری سہیلیاں بھی یہی کہتی ہیں' لیکن میں کیا کروں' میرا دل بہت کمزور ہے۔" سوہنی نے بڑی معصومیت سے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا' تو وہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے تمہارے دل کا علاج کرنا پڑے گا۔"

"کیسے کریں گی؟"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتی۔" اس نے کہا' پھر دروازے کی طرف کان لگا کر بولی۔ "کوئی آیا ہے شاید' جاؤ دیکھو۔"

"شاید بھیا' بھابی۔۔۔" سوہنی قیاس کرتی ہوئی چلی گئی' تو اس نے جلدی سے وارڈروب بند کی اور بھاگ کر واش روم میں گھس گئی' کیونکہ راحیلہ صرف ٹوکتی نہیں تھی' اس کے ساتھ جو الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیتی تھی۔ وہ بہت ناگوار گزرتی تھیں اس لیے اس نے منہ دھونے کے بعد فریش نظر آنے کے لیے ذرا سا اپنا مخصوص لوشن بھی لگا لیا۔ لیکن اس کی آنکھیں بہت چغل خور تھیں۔ حالانکہ بہت زیادہ تو نہیں روئی تھی' پھر بھی آنکھوں میں گلابی عکس لہرا رہا تھا' جس پر اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا اور اپنے تئیں فریش ہو کر کمرے سے نکلی' تو آگے مامی جی اور اسماء کو دیکھ کر وہ واقعی خوش ہو گئی۔

"السلام علیکم مامی جی! آج آپ کیسے راستہ بھول گئیں؟"

"ارے بیٹا! صبح سے عظام سے کہہ رہی ہوں' لے چلو۔ لے چلو' پتہ نہیں کن کاموں میں الجھا تھا' اب کہیں جا کر فارغ ہوا تو لے آیا۔" مامی جی نے اس کے سلام کا جواب دے کر کہا تو وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔

"عظام بھائی خود کہاں چلے گئے؟"

"اندر تمہارے ابو کے پاس ہیں۔"

"اچھا اچھا اور اسماء؟" وہ اسماء کے پاس آ بیٹھی۔ "کیسی ہو؟"

"میں تم سے بات نہیں کرتی۔" اسماء نے فوراً منہ پھلا لیا۔

"کیوں میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے تعجب سے پوچھا' تو اسماء تیز ہو کر بولی۔

"کیا کیا ہے' اس روز ایسے کیسے چلی آئی تھیں' بغیر بتائے؟"

"ہش۔۔۔! آہستہ' امی نے سن لیا تو آئندہ تمہارے ہاں جانے پر پابندی لگا دیں گی۔" اس نے اسماء کا بازو دبا کر کہا تو وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"میں تو تمہاری شکایت کرنے آئی ہوں۔"

"کر دو اگر جو یہ چاہتی ہو کہ میں پھر تمہارے ہاں نہ آؤں۔" وہ اترا کر بولی تو اسماء دانت پیس

کر رہ گئی۔

"چلو میرے کمرے میں' وہاں جتنی چاہے مجھے گالیاں دے لینا۔" وہ اسماء کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی۔

"ہاں' اب کہو کیا کہہ رہی تھیں؟"

"اس روز تمہاری عظام بھائی کے ساتھ لڑائی ہوگئی تھی کیا؟" اسماء نے پوچھا تو وہ ہنس کر بولی۔

"ارے نہیں' میں ان سے لڑ سکتی ہوں بھلا۔ تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"کیونکہ تم ہم سے ملے بغیر چلی آئی تھیں' جس پر مجھے اور امی کو بھی حیرت ہوئی اور جب عظام بھائی سے پوچھا تو وہ ٹال گئے۔ اب تم بتاؤ' کیا ہوا تھا؟" اسماء جیسے ہر صورت جاننا چاہتی تھی' جب ہی اس کی تان پھر اسی بات پر ٹوٹی تھی۔

"اوہو' چھوڑو اس بات کو۔ کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں تمہیں نئی تازی سناتی ہوں' یا امی سے سن چکی ہو۔" اس نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"نہیں' کیا بات ہے؟" اسماء نفی میں سر ہلا کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ خوش ہو کر بولی۔

"آج رابعہ کی بات طے ہوگئی ہے۔"

"سچ! کہاں؟" اسماء نے اچھل کر پوچھا۔

"ڈاکٹر عفان کے ساتھ۔"

"بہت بہت مبارک ہو۔" اسماء نے خوش ہو کر مبارکباد دی' پھر پوچھنے لگی۔

"یہ ڈاکٹر عفان ہیں کون؟ اور اچانک سب کیسے ہوا' میرا مطلب ہے اس روز تو تم نے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"بھول گئی ہوں گی۔ خیر! ڈاکٹر عفان اسی ہسپتال میں تھے' جہاں ابو کا علاج ہوا اور وہیں انہوں نے رابعہ کو دیکھا۔ پسند کیا اور آج ان کی بہن آئی تھیں' جو امی ابو سے حامی بھروا کر ہی گئی ہیں۔" اس نے چند جملوں میں تفصیل بتا ڈالی۔

"ماشاءاللہ! رابعہ ہے کہاں' چلو اس کے پاس۔" اسماء بہت شوق سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔ تم جاؤ اس کے پاس۔ میں ذرا کچن دیکھ لوں۔" وہ اسماء کو رابعہ کے کمرے میں بھیج کر خود کچن میں آگئی' جہاں سوہنی اس کی منتظر تھی۔

"آپی! دوپہر کا سالن ہے تو' لیکن کم پڑے گا۔"

"پھر.... میرا مطلب ہے فریج میں دیکھو' گوشت ہو تو نکال لاؤ۔ میں بریانی بنا دیتی ہوں۔ ٹماٹر بھی لے آنا۔" وہ سوہنی کو بھیج کر ٹوکری میں سے لہسن پیاز نکالنے لگی۔

"آپی! گوشت اتنا سا ہے۔" سوہنی نے آکر گوشت کی تھیلی اس کے سامنے لہرائی۔

"کافی ہے اور یہ چائے کا پانی تم نے رکھا ہے؟" اس نے گوشت کی تھیلی لے کر پوچھا۔

"جی!"

"چلو بتا کر جلدی نکلو یہاں سے۔"

وہ کہہ کر مسالا تیار کرنے میں لگ گئی۔ پھر سوہنی کے جاتے ہی اس نے چولہا سنبھال لیا۔ گو کہ کھانا پکانے میں وہ زیادہ ماہر نہیں تھی' لیکن ہر کام جلدی کر لیتی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ اس کے کام میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ اسی لیے خصوصاً ایسے موقعوں پر جب کھانا جلدی تیار کرنا ہوتا' امی سب اس پر چھوڑ دیتی تھیں۔ ابھی بھی جب امی نے اسے کچن میں جاتے ہوئے دیکھا تو پھر اطمینان سے مامی جی کے ساتھ باتوں میں لگ گئی تھیں۔ اور وہ جانتی تھی آج موضوع صرف رابعہ ہوگی اور اس کی شادی۔ وہ بھی کام کے ساتھ ساتھ اسی کے بارے میں سوچنے لگی کہ اتنی جلدی سب انتظام کیسے ہوگا۔ پتہ نہیں سلمان بھیا رابعہ کے جہیز وغیرہ کے لیے کچھ کریں گے یا نہیں۔ اس روز امی سے کہہ تو گئے تھے اور امی نے ان کا یقین بھی کر لیا تھا' لیکن اسے بالکل امید نہیں تھی۔

"پتہ نہیں کیا ہوگا' ادھر بیگم آفندی آنے کو تیار بیٹھی ہیں۔" اس کی ذہنی رو بھٹکنے لگی تھی کہ عظام آگئے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ناراض ہو....؟" انہوں نے پوچھا۔

اس نے رُخ موڑ کر گویا اعتراف کیا۔

"چلو' میری خوش فہمی دُور ہوئی۔ میں سمجھتا تھا اس ساری دنیا میں ایک صرف تم ہی ہو جو کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہوگی۔" عظام نے اسے سنا کر اپنے آپ سے کہا' تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں آپ سے نہیں' خود اپنے آپ سے ناراض ہوں۔"

"کیوں....؟" عظام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یہ میں آپ کو کیوں بتاؤں؟"

"چلو مت بتاؤ' لیکن میری ایک بات سن لو کہ سفر کوئی بھی ہو تنہا نہیں کٹتا۔" انہوں نے کہا تو وہ بے اختیار ان کی طرف پلٹی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"کوئی مطلب نہیں...." وہ کہہ کر جانے لگے کہ اس نے پکار لیا۔

"عظام بھائی!"

وہ رُک گئے۔

"سفر کٹنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں تنہا یا کسی کے ساتھ کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ آپ زندگی ہی کو لے لیں' کیا زندگی ایک سفر نہیں ہے اور ان کی بھی گزر جاتی ہے' جن کا کوئی نہیں ہوتا۔" اس نے کہا تو عظام آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر بولے۔

"ہاں لیکن بہت دشوار!"

"بہر حال کٹ جاتی ہے۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

عظام کچھ دیر اسے دیکھتے رہے' پھر کچن سے نکل گئے۔

'لاجواب ہو گئے شاید' اس نے ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے سوچا' پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

☆☆☆☆☆

امی نے اس سے کہا تھا کہ وہ آفس سے سلمان کے ہاں چلی جائے۔ یوں تو وہ عثمان کو بھی بھیج سکتی تھیں' لیکن اسے ابھی اتنی عقل نہیں تھی یا پھر راحیلہ کچھ زیادہ ہوشیار تھی' جو ہر بات اس سے اگلوا لیتی تھی۔ جبکہ سلمان نے سختی سے منع کیا تھا کہ راحیلہ کے سامنے ان سے کسی خرچے کی بات نہ کی جائے' اس لیے امی نے اسے جانے کو کہا تھا کہ وہ طریقے سے رابعہ کی بات طے ہونے کا بتا دے گی اور پھر علیحدگی میں سلمان سے کچھ انتظام کرنے کو بھی کہے گی۔ جب ہی اس نے آفس آتے ہی نادرہ سے کہہ دیا تھا کہ شام میں وہ اس کے ساتھ جائے گی' لیکن پھر لنچ ٹائم میں شہر یار آفندی نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہہ دیا اور اسے وہ منع نہیں کر سکتی تھی۔ نادرہ سے پھر کسی دن کا کہہ کر شہر یار آفندی کے ساتھ اس کے گھر آ گئی تھی اور شاید اس کا پہلے سے پروگرام تھا' جب ہی اسے سیدھا ڈائننگ روم میں لے آیا تھا۔

"وہ غلطی ہو گئی۔ مجھے رامش کو بھی بلا لینا چاہئے تھا۔ اسے آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔" شہر یار آفندی نے اس کے لیے چیئر کھینچتے ہوئے کہا۔

"رامش! آپ کا دوست.....؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں' وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ خیر' پھر کبھی میں آپ کو اس سے ضرور ملواؤں گا' لیکن شاید آپ....." وہ جانے کیا کہتے ہوئے خاموش ہو گیا' پھر بیٹھنے کے بعد اسے دیکھ کر بولا۔

"دوستوں میں اتنا تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ آئی مین اگر میں آپ کو تم کہہ کر مخاطب کروں تو آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟"

"نہیں!" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"تھینک یو! تم بھی مجھے اسی طرح مخاطب کر سکتی ہو۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔ "اور ہاں آئندہ مجھے سر' ور بھی مت کہنا۔"

"پھر کیا کہوں؟" وہ خاصی محظوظ ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"شیری! یا اگر تم کچھ اور کہنا چاہو تو..."

"نہیں! شیری ٹھیک ہے' البتہ تم کہنے میں وقت لگے گا۔" اس نے کہا تو وہ بے اختیار بولا تھا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"جی!" وہ اس کا مطلب سمجھ کر سہم سی گئی۔

"یہ چائنیز رائس لو۔" وہ فوراً بات بدل گیا۔ "رشید اب چائنیز کھانے بہت اچھے بنانے لگا ہے اور میں صبح سپیشلی اس سے کہہ کر گیا تھا۔"

"گویا آپ کا پہلے سے پروگرام تھا۔" اس نے سر جھٹک کر اپنا دھیان بٹایا۔

"ہاں اور میں نے ماما سے بھی کہہ دیا تھا کہ آج میں اپنی دوست کے ساتھ لنچ گھر پر کروں گا۔ اب پلیز! تم تکلف نہیں کرو۔"

"نہیں!" وہ فوراً اپنی پلیٹ پر جھک گئی تو پھر اس نے کوئی بات نہیں کی' خاموشی سے کھانا کھایا۔ اس کے بعد رشید سے چائے کا کہہ کر اس سے پوچھنے لگا۔

"یہیں بیٹھو گی یا لائبریری؟"

"لائبریری!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جب اس کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوئی تو کہنے لگی۔

"میں آج کوئی کتاب نہیں لوں گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ جو پہلے لے گئی تھی۔ وہ بھی نہیں پڑھیں۔ اصل میں ٹائم ہی نہیں ملتا۔" اس نے کہا تو وہ کچھ ان سنی کر گیا' پھر اس کے سامنے بیٹھا تو کہنے لگا۔

"رات میں نے بڑا دلچسپ خواب دیکھا' لیکن تمہیں شاید عجیب لگے۔"

"اچھا... کیا دیکھا؟" اس نے سرسری پوچھا تھا۔

"تمہارا جہاز۔" اس نے مسکرا کر کہا تو وہ چونکنے کے ساتھ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"میرا جہاز؟"

"ہاں' جیسے تم بہت اونچا اڑانا چاہتی ہو اور میں نے دیکھا۔ وہ ستاروں کی کہکشاؤں میں بھٹک رہا تھا۔ شاید اسے راستہ نہیں مل رہا تھا۔" وہ خواب سوچتے ہوئے کھو گیا تھا اور وہ اسے دیکھتے ہوئے۔

"پھر؟"

"پھر تم نے مجھے پکارا تھا۔"

"پھر؟"

"پھر میں کہاں تھا' شاید آسمان پر۔ لیکن میں نے تمہاری آواز سنی تھی اور تمہاری طرف دوڑا بھی تھا۔"

"پھر؟"

"پھر میری آنکھ کھل گئی۔" وہ اس تک نہ پہنچنے پر جتنا مایوس ہو رہا تھا۔ اسی قدر وہ آزردہ اور پھر جیسے خود کو تسلی دی۔

"خواب ہی تو تھا۔"

"ہاں!" شہریار کے ہونٹوں سے ہاں کی صورت گہری سانس خارج ہوئی' پھر سر جھٹک کر بولا۔

"پتہ نہیں! ہم کیا کیا سوچتے ہیں۔ خیر' تم بتاؤ تمہیں میرا خواب عجیب لگا؟"

"نہیں' دلچسپ تھا۔" وہ اس سے اتفاق کر گئی۔

"واقعی؟"

"ہوں!" وہ قصداً ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوچنے لگی کہ اب کیا بات کرے' تو یاد آیا کہ بیس کو اس کی برتھ ڈے ہے اور اسی خیال سے اسے مخاطب کر کے بولی۔

"شیری! میں آپ کو ایک گفٹ دینا چاہتی ہوں!"

"کیا؟" وہ خاصا متجسس ہو گیا تھا' لیکن وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہی کہ کیا دوں۔ آپ بتائیں مجھ سے کیا لینا چاہیں گے۔"

"میں تم سے کیا لینا چاہوں گا۔" وہ سوچتے ہوئے انداز میں دہرا کر اسے دیکھنے لگا۔ نظریں اس پر تھیں اور ذہن دل کی آوازوں میں الجھنے لگا تھا۔ کوئی انہونی خواہشیں تو نہیں تھیں' پھر بھی وہ پریشان ہو گیا اور ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

"اونہہ! میں نہیں بتا سکتا۔ جو تمہارا دل چاہے یا چھوڑو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے' گفٹ وفٹ دینے کی۔"

"اچھا دیکھوں گی! ابھی تو آپ مجھے اجازت دیں' کیونکہ مجھے اپنے بھائی کے گھر جانا ہے۔" وہ اچانک جانے کا سوچ کر بولی۔

"ارے کتنی عجیب بات ہے۔ میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میرا مطلب تمہارا گھر اور گھر والے۔ کون کون ہے؟" وہ بھائی کے ذکر پر باقی سب کا پوچھنے لگا تھا۔

"میرے والدین اور ہم تین بہنیں دو بھائی ہیں۔" وہ پہلے ایک ہی جملے میں بتا کر فارغ ہو گئی' لیکن جب دیکھا کہ وہ اسی طرح سوالیہ نشان بنا بیٹھا ہے' تب کہنے لگی۔

"سب سے بڑے بھائی ہیں' جن کے ہاں ابھی مجھے جانا ہے' وہ میرڈ ہیں۔ ان کے بعد بہن ہے' جس کی ابھی انگیج منٹ ہو گئی ہے۔ پھر میں آپ کے سامنے ہوں اور مجھ سے چھوٹے دونوں بہن بھائی ابھی پڑھتے ہیں۔"

"اور فادر! وہ کیا کرتے ہیں؟"

"میرے فادر انجینئر ہیں۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی' تو وہ پوچھنے لگا۔

"کہاں ہوتے ہیں؟ آئی مین گورنمنٹ جاب ہے یا پرائیویٹ؟"

"آج کل تو گھر پر ہوتے ہیں۔ اصل میں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا' بہت سیریس۔ تقریباً پندرہ دن ہاسپٹل میں رہے' پھر گھر پر بھی ڈاکٹر نے ریسٹ ہی بتایا اور اب تو اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہیں اور ابھی انہوں نے اپنی پرانی جاب پر دوبارہ اپلائی کیا ہے' دیکھیں کیا ہوتا ہے۔" وہ سیدھے سادے انداز میں بتا کر یوں دیکھنے لگی' جیسے بس یا اور کچھ؟

"ان شاء اللہ اچھا ہی ہو گا اور اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے ضرور بتانا۔" اس نے بڑے خلوص سے کہا تو وہ ذرا سا سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر کہو تو میں تمہیں..."

"نہیں شیری! میں چلی جاؤں گی' آپ پلیز یہیں رکیں۔"

وہ سہولت سے منع کرتی ہوئی باہر نکل آئی' جبکہ یہاں سے اسے بھیا کے گھر کا روٹ بھی معلوم نہیں تھا۔ مین روڈ پر آ کر کتنی دیر کھڑی رہی' پھر ایم اے جناح روڈ اور وہاں سے دوسری ویگن کے ذریعے بھیا کے گھر پہنچی' تو وہاں راحیلہ اکیلی تھی۔

"اوہو! تم آج کیسے آ گئیں؟" راحیلہ نے چھوٹتے ہی اپنے مخصوص انداز میں ٹوکا۔

"بس آپ سے ملنے کو دل چاہا' آ گئی۔ بھیا نہیں آئے ابھی؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں آج کل دیر سے آتے ہیں۔ آؤ بیٹھو! کھانا کھاؤ گی؟"

"نہیں بھابی! کھانا کھا چکی ہوں۔"

"کہاں؟ آفس میں کھاتی ہو؟"

"جی! آپ سلائی کر رہی تھیں؟" اس نے سلائی مشین دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں بس! ننھے مہمان کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سلمان تو اتنے خوش ہیں کہ کیا بتاؤں۔" راحیلہ

اپنی اہمیت جتانے کے لیے سلمان کا نام ضرور لیتی تھی۔

"میں بھی آپ کو ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔" اس نے قدرے رُک کر کہا تو راحیلہ فوراً بولی۔

"ابو کی نوکری لگ گئی؟"

"وہ بھی لگ جائے گی' ابھی تو میں یہ بتانے آئی ہوں کہ رابعہ کی بات پکی ہوگئی ہے۔" اس نے کہا تو راحیلہ بظاہر خوش ہو کر بولی۔

"ہیں! اسی ڈاکٹر کے ساتھ؟ اور تم ایسے کیسے آگئیں بغیر مٹھائی کے۔"

"مٹھائی بھی آجائے گی' بلکہ آپ....." ڈور بیل سے اس کی بات ادھوری رہ گئی' جبکہ راحیلہ "سلمان آگئے" کہتی ہوئی اٹھ کر گئی' پھر وہیں سے اس کی آواز آنے لگی تھی۔

"رابعہ کی بات پکی ہوگئی اور تمہیں خبر ہی نہیں۔ حالانکہ تم اس گھر کے بڑے ہو لیکن تمہارے ماں باپ تمہیں کچھ نہیں سمجھتے۔ آئندہ تم بھی ان کی کسی خوشی غمی میں شریک نہیں ہونا۔"

"آہستہ بولو! اندر فائقہ موجود ہے۔" سلمان نے ٹوکا بھی تو اس لیے کہ وہ نہ سن لے۔

"تو میں کیا ڈرتی ہوں اس سے' چلو اس کے سامنے بات کرتی ہوں۔" راحیلہ سلمان کا ہاتھ کھینچتے ہوئے اندر آئی تو وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"السلام علیکم بھیا!"

"وعلیکم السلام! کیا حال ہے بیٹا؟" سلمان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا' تو وہ ان کے کندھے سے لگ گئی۔

"آپ اتنے دنوں سے آئے نہیں؟"

"کیا کروں آفس سے اسی وقت آتا ہوں۔ ویسے آؤں گا' ایک دو دن میں چکر لگاؤں گا۔ گھر میں سب ٹھیک ہیں ناں؟" سلمان نے اپنی مجبوری بتا کر پوچھا تو اس سے پہلے راحیلہ بول پڑی۔

"ٹھیک ہیں' جب ہی تو اتنے بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں۔"

"تم تو چپ کرو!" سلمان نے ڈانٹ کر کہا تو راحیلہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"بھابی ناراض ہوگئیں۔" وہ خائف ہوگئی تھی۔

"ارے نہیں! اس ڈھیٹ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ابھی دیکھنا پھر بک بک کرتی آجائے گی۔" سلمان اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولے۔

"تم سناؤ! رابعہ کی کہاں بات ہوئی؟"

"وہ جو امی نے آپ کو بتایا تھا' ڈاکٹر عفان کے ساتھ' اور بھیا سب کچھ کسی پروگرام کے تحت

نہیں ہوا۔ بس اس روز ڈاکٹر صاحب کی بہن آئیں اور ایک دم سے بات طے ہوگئی' ورنہ آپ کو ضرور پہلے سے اطلاع کی جاتی۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"ارے' یہ سب پرانی باتیں ہیں کہ پہلے سارے خاندان سے مشورہ کرو اور ایک ایک آ کر لڑکے کو دیکھے اور جب سب اوکے کر دیں' تب بات طے ہوتی تھی۔ خیر' مجھے خوشی ہے کہ یہ مسئلہ حل ہوا۔ امی ابو کو رابعہ کی بہت فکر تھی۔ اسے کوئی پسند بھی تو نہیں آتا تھا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں؟"

سلمان نے برا ماننے کے بجائے اطمینان ظاہر کر کے پوچھا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

"بہت اچھے! آپ کب مل رہے ہیں ان سے؟"

"جب کہو!"

"ٹھیک ہے تو اس اتوار کو ان کی باقاعدہ دعوت کر ڈالتے ہیں' آپ بھابی کے ساتھ آجایئے گا۔" اس نے فوراً پروگرام بنا ڈالا۔ تب ہی راحیلہ چائے لے کر آگئی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ مجھے دیکھ کر خاموش کیوں ہوگئے؟ میں چلی جاتی ہوں۔"

"ارے نہیں بھابی! ہم آپ سے کیا بات چھپائیں گے اور کیوں؟ آیئے بیٹھیں۔" اس نے زبردستی راحیلہ کا ہاتھ کھینچ کر بٹھایا تھا۔

☆☆☆☆☆

اس نے ایک سوٹ کے بہانے پوری مارکیٹ کا چکر لگا لیا تھا' لیکن اس کی نظر کسی ایسی چیز پر نہیں ٹھہری' جو وہ شہریار آفندی کو اس کی برتھ ڈے پر گفٹ کر سکتی' جبکہ وہ اسے گفٹ بھی ضرور دینا چاہتی تھی اور اس کے لیے اس کے ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ جو اس کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کر سکے۔ یعنی وہ ہونٹوں سے کچھ نہ کہے اور اس کی محبت کا اظہار ہو جائے۔ ایک جگہ وہ پینٹنگ دیکھ کر رُکی تھی' لیکن اس میں اظہار سے زیادہ' خودسپردگی زیادہ تھی۔ تب وہ مایوس ہو کر بولی۔

"بہت مشکل ہے' بلکہ ناممکن۔"

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔" نادرہ نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔

"کیا؟"

"آج کی تاریخ میں تم کچھ لے سکو۔ ویسے تمہیں لینا کیا ہے؟" نادرہ نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"اب تم سے کیا چھپانا۔ میں شہریار کے لیے گفٹ لینا چاہتی ہوں۔" اس نے بتایا تو نادرہ آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"واؤ! تو معاملہ یہاں تک آپہنچا ہے؟"

"اب یہاں تک اور وہاں تک مت کرو! بس یہ بتاؤ کیا لوں؟" اس نے ٹوک کر کہا' تو نادرہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اس کی پرسنالٹی کے حساب سے دینا پڑے گا۔"

"ہاں!" وہ پوری طرح متوجہ ہوگئی کہ شاید اس کا مسئلہ حل ہو جائے اور نادرہ کچھ دیر سوچنے کے بعد اچھل کر بولی۔

"ایسا کرو' اونٹ دے دو!"

"تم!" وہ اس پر جھپٹنا چاہتی تھی کہ ایک دم راستے کا خیال آنے پر دانت پیس کر بولی۔ "میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی۔"

"پھر مشورے کس سے لوگی؟" نادرہ ہنس رہی تھی۔

"ہاں' اب تک تو میں تمہارے مشورے ہی پر چل رہی ہوں نا۔ ہونہہ....." وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

"سنو! سنو!! ایک زبردست چیز ذہن میں آئی ہے۔" نادرہ تیز قدموں سے اس کے ساتھ ہو کر بولی' لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی اور مزید تیز تیز چلنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے' مت سنو۔ لیکن چلو تو آہستہ! ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی ہمارے پیچھے ڈنڈا لے کر آ رہا ہے۔ دیکھو کہیں آفندی تو نہیں ہے۔" نادرہ چھیڑنے سے باز نہیں آ رہی تھی۔

وہ جب سٹاپ پر رُکی تب اسے دیکھ کر بولی۔

"آج میں تمہارے ساتھ آخری بار آئی تھی۔"

"کیا بات ہے۔ ایک تو مجھے خوار کیا' اوپر سے احسان بھی جتا رہی ہو۔" نادرہ ایک دم روٹھ گئی تو اس نے چاہا کہ انجان بن جائے' لیکن یہ اس سے نہیں ہو سکتا تھا۔ فوراً معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"سوری یار! میں مذاق کر رہی تھی۔ اصل میں مجھے پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ چلو تمہیں آئس کریم کھلاؤں۔"

"نہیں میری وین آ رہی ہے۔" نادرہ نے اپنے روٹ کی وین دیکھ کر منع کیا۔

"ناراض ہو؟"

"بالکل نہیں اور آئس کریم بھی ادھار رہی' کل لیتی آنا۔ اللہ حافظ!"

نادرہ جلدی جلدی بولتی بھاگ کر اپنی وین میں سوار ہو گئی' تو اسے ایک دم اکیلے ہونے کا احساس ہونے لگا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ دُور سے آتی دو تین بسوں پر اسے اپنے روٹ کا نمبر نظر نہیں آیا' تو وہ مایوس سی ہو کر اپنے سامنے کھڑے خالی رکشہ کو دیکھنے لگی۔ لیکن اس

وقت وہ رکشہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی' جب ہی جھنجلانے لگی۔

"کیا مصیبت ہے۔ رکشہ تلاش کرو تو ملتا نہیں اور ضرورت نہیں تو....."

"فائقہ!" عظام کی آواز پر وہ اچھل کر پلٹی اور انہیں گاڑی میں دیکھ کر ان کے کہنے سے پہلے ہی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

"یہاں کہاں کھڑی تھیں.....؟" عظام نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"مارکیٹ آئی تھی۔ کل ایک دوست کی برتھ ڈے ہے' اس کے لیے گفٹ لینا تھا۔" اس نے بتایا تو وہ سرسری پوچھ گئے۔

"کیا لیا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"کیوں؟"

"بس کچھ سمجھ میں نہیں آیا' بلکہ کچھ اچھا نہیں لگا۔"

"کوئی خاص دوست ہے؟" انہوں نے ویو مرر میں اس پر نظر ڈال کر پوچھا۔

"ہاں اور میرا دل چاہ رہا ہے میں اسے کوئی ایسا تحفہ دوں' جو اس کے اندر نئی روح پھونک دے۔ نئی زندگی' جس کے دنوں' مہینوں' سالوں کا کوئی شمار نہ ہو۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنی زندگی دے دوں۔" وہ پرسوچ انداز میں آخر میں اپنے آپ سے بولی تھی۔

عظام نے اس بار گردن موڑ کر اسے دیکھا' پھر کہنے لگے۔

"تم بہت شدت پسند' بہت انتہا پسند ہو۔ جسے چاہتی ہو ٹوٹ کر اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ کسی جذبے کی کوئی حد نہیں ہوتی' لیکن بہتر یہی ہے کہ انسان خود حد مقرر کرے' ورنہ دُکھ بھی بے حساب ملتے ہیں۔"

وہ بہت خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

عظام نے اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کر کے چند لمحے توقف کیا پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئے۔

"یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ رونے والوں کا ساتھ نہیں دیتی۔ اس لیے اپنے دامن میں اتنے ہی دکھ سمیٹو، جن پر تنہا رو سکو۔ کوئی ساتھ نہیں دے گا۔"

"آپ بھی نہیں۔" اس نے کھوئے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔

عظام نے بے اختیار اسے دیکھا پھر ذرا دکھ بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ "پتہ نہیں، تم مجھے سمجھتی ہو۔"

"یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی۔ بس ایک احساس ہے جو اکثر سارے رشتوں، سارے جذبوں پر غالب آ جاتا ہے۔ اگر اس احساس کا کوئی نام ہو سکتا ہے تو عبادت کیونکہ اس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی ہے۔ ابتدا سے انتہا تک۔"

وہ کہہ کر خود ہی اپنی بات سوچنے میں لگ گئی، پھر سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

"چھوڑیں عظام بھائی! یہ بتائیں گاڑی کس کی ہے؟"

"آدھی میری......" انہوں نے کہا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"کیا مطلب۔"

"آفس سے کوئی لون ملا تھا، سو لے لی۔"

"پھر آدھی کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"کیونکہ قسطیں ادا کرنی ہیں، جب ادا ہو جائیں گی تو پوری میری ہو جائے گی۔" وہ بات کے اختتام پر مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے، مٹھائی بھی آپ تب ہی کھلائیں گے۔" اس نے فوراً جتایا۔

"خیال تو کچھ ایسا ہی تھا......" لیکن ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"جی نہیں۔ تب تک یہ گاڑی پرانی ہو چکی ہو گی اور پھر پتہ نہیں میں کہاں ہوں گی۔"

"کہاں ہوں گی سے کیا مطلب۔ کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے کیا؟" انہوں نے ٹوک کر پوچھا تو وہ ہنس پڑی۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں جاب کے لیے باہر جا سکتی ہوں۔"

"تم سے کچھ بعید نہیں۔"

"ایسا تو خیر نہ کہیں۔ میں ہر کام میں امی ابو کے علاوہ آپ سے بھی ضرور مشورہ کرتی ہوں۔" اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ہے۔"

"اچھا یہ بتائیں، آپ شادی کب کر رہے ہیں؟" وہ اچانک اور بلا ارادہ پوچھ گئی پھر انہیں یوں دیکھنے لگی جیسے وہ جز بز ہوں گے لیکن اس کے برعکس وہ بڑے آرام سے بولے تھے۔

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ شادی بیاہ کے معاملات کسی بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے کیونکہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ وہی جوڑے بناتا ہے اور ان جوڑوں کو ملانے کا اس نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے سب کام اسی وقت پر ہوتے ہیں ورنہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں دس سال پہلے شادی کر چکا ہوتا۔"

"واقعی۔" اسے حیرت اور بے یقینی نے گھیر لیا تھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ دس سال پہلے میں شادی کرنا چاہتا تھا اور اپنے طور پر میں نے سب تیاری مکمل کر لی تھی لیکن......" وہ گاڑی روک کر اسے دیکھنے لگے تو وہ ایک نظر اپنے گیٹ پر ڈال کر پوچھنے لگی۔

"کون تھی؟"

"وہ جسے اوپر والے نے میرے نصیب میں نہیں لکھا تھا اور جسے لکھا ہے، اسے میں نہیں جانتا۔" انہوں نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہا اور فوراً ہاتھ بڑھا کر اس کی طرف کا دروازہ کھول کر بولے۔

"چلو اترو، مجھے اور بھی کام ہیں۔"

وہ سمجھ گئی، اب وہ مزید کچھ نہیں بتائیں گے تو ان کی بات لوٹاتے ہوئے بولی۔

"آپ نے کہا تھا ناں کہ سفر کوئی بھی ہو، تنہا نہیں کٹتا پھر آپ کیوں؟"

"میں تنہا نہیں ہوں اور سنو فضول میں کسی بات کو خود پر سوار کر کے کڑھنے مت لگنا۔ سمجھیں......"

وہ اس کی عادت سے واقف تھے، جب ہی سرزنش کی۔

"نہیں میں کچھ نہیں سمجھوں گی جب تک آپ مجھے اس کے بارے میں نہیں بتائیں گے۔" وہ اڑ گئی۔

"میرے پاس فضول وقت نہیں ہے، چلو اترو۔" انہوں نے ڈانٹا تو وہ منہ پھلا کر اتر آئی اور دروازہ بند کیا تھا کہ وہ گاڑی بھگا لے گئے۔

وہ کتنی دیر ان کے پیچھے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❀❀❀

"ماما پلیز! آپ مجھے بلالیا کریں۔" وہ بیگم آفندی کے آنے پر فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹا! بس ویسے بھی جا رہی تھی۔" بیگم آفندی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"کہاں ...... گھر جا رہی ہیں؟"

"نہیں، پہلے فیکٹری جاؤں گی پھر گھر ......"

"فیکٹری کا کوئی کام ہے تو مجھے بتائیں، میں چلا جاتا ہوں۔" وہ اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر بولا۔

"نہیں، تمہیں کہیں اور جانا ہے۔" بیگم آفندی نے مسکرا کر کہا تو وہ کچھ جھینپ کر مسکرایا۔

"ہاں لیکن ......"

"لیکن ویکن چھوڑو، یہ بتاؤ تمہارا کیا پروگرام ہے۔"

"میں نے کوئی خاص پروگرام تو نہیں بنایا بس ابھی فائقہ سے پوچھوں گا اگر وہ میرے ساتھ ڈنر پر چلے تو ......"

"ہاں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" بیگم آفندی بے اختیار بولیں۔ پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگیں۔

"میرا مطلب ہے، آج تمہاری برتھ ڈے ہے اور تمہارے کہنے پر میں نے کوئی اہتمام نہیں کیا لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم کم از کم اپنے خاص دوستوں کے ساتھ ضرور انجوائے کرو اور میں نے ہوٹل میں تمہارے لیے ٹیبل بھی ریزرو کروالی ہے۔ میرا خیال ہے فائقہ انکار نہیں کرے گی۔"

"اور اگر اس نے انکار کر دیا۔ آئی مین دیر ہو جانے کے خیال سے۔" اس نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اگر تم کہو تو میں اس کے گھر فون کر دوں۔" بیگم آفندی اس کے سامنے محض پوز کر رہی تھیں ورنہ فائقہ کو وہ پہلے ہی تیار کر چکی تھیں۔

"کیا کہیں گی آپ؟"

"یہی کہ میرے گھر میں ایک تقریب ہے، اس لیے آفس کے بعد میں فائقہ کو اپنے ساتھ گھر لے جاؤں گی اور دیر ہو جانے پر وہ پریشان نہ ہوں۔ ہم اسے گھر بھی پہنچا دیں گے۔" بیگم آفندی جو فائقہ سے کہلوا چکی تھیں وہی اس کے سامنے دہرایا۔

"سوچ لیں ماما! فائقہ پر کوئی بات نہیں آنی چاہئے۔"

"نہیں آئے گی، تم اطمینان سے جاؤ اور ہاں تھوڑی گنجائش رکھنا، میں تمہاری فیورٹ ڈش اپنے ہاتھوں سے بناؤں گی۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"اور کھلائیں گی بھی اپنے ہاتھوں سے۔"

"اوکے! بیگم آفندی مسکراتی ہوئی چلی گئیں تو وہ گلاس وال سے اسے دیکھنے لگا، جو روزانہ کی نسبت آج بڑے اہتمام سے تیار لگ رہی تھی۔ سلور گرے سوٹ جس کی شرٹ پر بائیں کندھے سے دائیں پہلو تک بڑی خوبصورت کڑھائی تھی۔ کانوں میں ہم رنگ ٹاپس اور بالوں کا سٹائل بھی تبدیل تھا جو اس پر بہت سج رہا تھا۔ وہ کتنی دیر اس پر نظریں جمائے کھڑا رہا پھر اسے بلانے کے بجائے گاڑی کی چابی اٹھاتا خود اس کے پاس چلا آیا اور بغیر کسی تمہید کے بولا۔

"تم ابھی میرے ساتھ چل رہی ہو۔"

"پوچھ سکتی ہوں کہاں ......" وہ انگلیوں میں دبا پین تھوڑی پر ٹکا کر اسے دیکھنے لگی۔

"اگر میں نہ بتاؤں تو ......"

"تب بھی چلوں گی۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو!" وہ مسکرایا پھر اسے ساتھ لے کر آفس سے نکل آیا اور جب گاڑی پارکنگ سے نکال چکا تب کہنے لگا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی۔ کل ہی تمہیں انوی ٹیشن دیتا تو آج تم اپنے گھر میں کہہ کر آتیں۔"

"انوی ٹیشن ......" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ رات کے کھانے کا۔ کچھ دیر ہو جائے گی لیکن تم پریشان نہیں ہونا۔ میں نے ماما سے کہہ دیا ہے وہ تمہارے گھر فون کر دیں گی اور پھر میں خود تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن آج کوئی خاص بات ہے کیا۔" ادھر وہ بھی انجان بن رہی تھی۔

"نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے اور ہاں کھانے میں تو ابھی بہت وقت ہے، کہیں اور چلیں۔"

"جیسے آپ چاہیں۔ میں چونکہ اس وقت آپ کی مہمان ہوں، اس لیے کچھ نہیں کہوں گی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"لیکن میں ایک بات ضرور کہوں گا۔" وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"کیا؟"

"آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ یہ کلر بھی تم پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔" وہ خود کو روکتے روکتے ہار گیا تھا۔

"تھینک یو......" اس کے چہرے پر ایک پل کو رنگ اترے تھے۔

"کبھی تم نے اپنی آنکھوں پر غور کیا ہے؟"

"شیری پلیز! میں کنفیوز ہو رہی ہوں۔" وہ ٹوک کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی، تو وہ بے ساختہ مسکرایا پھر ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑی روک کر بولا۔

"میرا خیال ہے، ہم یہاں سکون سے بیٹھیں گے۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے اتر گئی۔

وہ گاڑی لاک کر کے اس کے پاس آیا اور چلنے کا اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

"تم نے مائنڈ کیا؟"

"نہیں۔"

"پھر خاموش کیوں ہو گئیں؟ آئی مین لڑکیاں تو اپنی تعریف پر بہت خوش ہوتی ہیں۔"

"میں بہر حال نروس ہو جاتی ہوں۔" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

"او کے! اب میں محتاط رہوں گا۔" اس نے کہا پھر اندر داخل ہو کر منیجر کو اپنا کارڈ دکھایا تو اس نے اس ٹیبل کی نشاندہی کر دی جو بیگم آفندی نے ان کے لیے ریزرو کروائی تھی۔

اور ابھی انہیں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ویٹر کیک لے کر آ گیا، جس پر ہیپی برتھ ڈے لکھا تھا۔ ساتھ ایک موم بتی بھی تھی اور گو کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ سب ماما نے کیا ہے پھر بھی حیران ہو کر ویٹر سے پوچھنے لگا۔

"یہ سب کس نے کیا ہے؟"

"آئی ڈونٹ نو سر! ہم تو آرڈر پر چلتے ہیں۔"

"او کے......" اس نے ویٹر کو جانے کا اشارا کیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ موم بتی اٹھاتے ہوئے بولی۔

"مجھے لگ رہا تھا، کوئی خاص بات ہے؟"

"لیکن مجھے بالکل یاد نہیں تھا۔"

"چلیں اب اس سرپرائز کو مس نہیں کریں۔" اس نے ماچس اٹھا کر کہا پھر موم بتی جلا کر جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ موم بتی کا ننھا سا شعلہ اس کی آنکھوں میں لہرانے لگا تھا۔

وہ بہت خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔

فائقہ نے موم بتی اٹھا کر بہت احتیاط سے کیک کے درمیان رکھ دی اور اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"شیری! میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں آپ کو گفٹ دینا چاہتی ہوں اور اس کے لیے کل میں نے ساری مارکیٹ چھان ماری لیکن اسپیشلی آپ کو دینے کے لیے مجھے کچھ اچھا نہیں لگا اور میں بہت مایوس ہو گئی تھی لیکن ابھی مجھے احساس ہوا ہے کہ میں ناحق دکانوں پر بھٹکتی رہی۔ میں جو آپ کو دینا چاہتی ہوں، وہ تو......" وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تو وہ جو اس پر نظریں جمائے بیٹھا تھا ذرا سا چونک کر بولا۔

"کیا......کیا کہہ رہی ہو؟"

"آپ کو دینے کے لیے میرے پاس ایک دل اور اس میں بے حد و حساب محبتیں ہیں۔" وہ اچانک اس کی محبت میں ڈوب گئی تھی۔ بے اختیار اس کے مضبوط ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں شیری! اتنی کہ اب تمہارے بنا زندگی کا تصور ہی محال ہے۔"

"نہیں......" وہ آہستہ سے اپنے ہاتھ کھینچ کر پیچھے ہو گیا۔

"میں جانتی ہوں، میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ ایک معمولی سی لڑکی اور میری حیثیت......"

"پلیز فائقہ! خاموش ہو جاؤ۔" وہ عاجزی سے ٹوک کر بولا۔ "تم معمولی نہیں ہو اور محبتوں میں حیثیتوں کا فرق میرے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو میرا ہاتھ تھام لو۔" اس نے ٹیبل پر اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔

"نہیں۔ میں تمہارا ہاتھ نہیں تھام سکتا۔" وہ ہنوز عاجز تھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی۔

"معاف کرنا شیری! میں بھول گئی تھی کہ محبت تو میں کرتی ہوں......تم پتہ نہیں......"

"میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور اب سے نہیں۔ اول روز تمہیں دیکھتے ہی میں نے اپنے سارے جذبے تمہارے نام کر دیے تھے اور میں چاہتا تو اسی وقت تمہیں ساری دنیا سے چرا سکتا تھا، لیکن میں بہت مجبور، بہت بے بس ہوں۔" وہ بھی اچانک بکھر گیا تھا۔

"میں صرف اپنے لیے نہیں سوچ سکتا، مجھے تمہارا خیال ہے۔ تمہارے لیے، صرف تمہارے لیے، میں نے اپنی محبت دل کے نہاں خانوں میں بند کر چھوڑی کہ کہیں اس کی آنچ تمہارے دل کو نہ چھوئے اور کاش کہ میں اپنی بے اختیاریوں پر بھی بند باندھ سکتا۔ تمہاری طرف دیکھتا، نہ کبھی تمہیں اپنے پاس بلاتا۔ لیکن یہاں میں ہار گیا۔

اورتم فائقہ مجھ سے محبت کرتی ہوناں۔ تمہیں اپنی محبت کی قسم، میری تمنا مت کرو، میرے اندر تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔ یہ تصور ہی روح فرسا ہے کہ تم منہ موڑ کر چل دو۔‘‘

’’میں منہ موڑ کر چل دوں، نہیں شیری! یہ تم نے کیسے سوچ لیا؟‘‘ وہ روح کی گہرائیوں سے اس کا دکھ محسوس کر کے بولی تھی۔

’’بس تم نہیں جانتیں۔‘‘

’’تمہیں شاید میری محبت پر یقین نہیں ہے۔ آزمانا چاہتے ہو آزمالو لیکن اس طرح مت کرو، پلیز......‘‘ وہ منت سے بولی۔

’’نہیں، تم غلط سمجھ رہی ہو۔ مجھے تمہاری محبت پر شبہ نہیں ہے۔‘‘ وہ الجھنے لگا۔

’’پھر تمہاری محبت جھوٹ ہے۔ جب ہی دامن بچا رہے ہو اور تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے شیری! تم بڑے آدمی ہو۔ آرام سے میرا ہاتھ جھٹک سکتے ہو۔‘‘ فائقہ نے اب اسے اکسایا تھا۔

وہ کتنی دیر ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھتا رہا پھر جیسے ہار کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

’’کیا چاہتی ہو تم......‘‘

’’تمہارا ساتھ......‘‘

’’کہاں تک......‘‘

’’زندگی کی آخری سانسوں تک‘‘

’’کس کی زندگی اپنی یا میری؟‘‘

’’اس پر ہمارا اختیار نہیں۔ کون جانے کس کی زندگی کتنی ہے؟‘‘

’’میں جانتا ہوں۔ میری زندگی بہت کم ہے۔ دو چار مہینے......‘‘

’’اور مجھے دو چار پل کا بھروسہ نہیں۔‘‘ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہی تھی۔

’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘

’’ظاہر ہے، زندگی موت اللہ کے اختیار میں ہے، ہوسکتا ہے، اس نے میرا اختتام یہیں لکھا ہو۔‘‘ اس کی وضاحت پر وہ زچ ہو کر بولا۔

’’مت کرو ایسی باتیں۔‘‘

’’تم کیوں کر رہے ہو؟‘‘

’’کیونکہ میں بے خبر نہیں ہوں۔ اپنے بارے میں جانتا ہوں اور اگر تمہیں سننے کا شوق ہے تو سنو! مجھے بلڈ کینسر ہے۔‘‘ اس نے اپنے تئیں انکشاف کیا اور گو کہ وہ پہلے سے جانتی تھی پھر بھی اس کی

آنکھیں یک لخت پانیوں سے لبریز ہو گئیں اور اندر جیسے کسی نے بڑی بے دردی سے اس کے دل کو مٹھی میں دبایا تھا۔

وہ اس انکشاف کے بعد پھر ہونٹ بھینچ گیا تھا اور سر جھکا کر آنکھیں بھی بند کر لیں اس خوف سے کہ وہ منہ موڑ کر چل دے گی۔ کتنی دیر کے بعد ڈرتے ڈرتے ذرا سی آنکھیں کھولیں تو وہ جیسے منتظر تھی۔ فوراً بولی۔

’’شیری! تم بہت برے ہو، کاش میں تم سے روٹھ سکتی۔‘‘

’’کیا...... کیا کہا؟‘‘ وہ ایک دم سر اونچا کر کے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

’’زندگی کم یا زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ تو رفاقتوں پر منحصر ہے، کبھی ایک پل کی رفاقت برسوں پر حاوی ہو جاتی ہے اور کبھی برس ہا برس کی رفاقتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا میں پھر تمہاری طرف ہاتھ بڑھا رہی ہوں۔ مجھے اپنی رفاقتیں بخش دو۔ زادِ راہ کے لیے کچھ تو چاہیے مجھے۔‘‘ آخر میں اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔

وہ گم صم سا تھا۔ اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں تو اس کے پھیلے ہاتھ پر جا ٹھہریں۔ جس کی ریکھاؤں میں شاید اسی کا نام رقم تھا۔ جب ہی وہ بلا ارادہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گیا۔

’’تھینک یو شیری!‘‘ وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔

’’تم بہت پچھتاؤ گی۔‘‘ وہ خوشی پا کر بھی خوش نہیں ہو رہا تھا۔

’’کل کا مت سوچو۔ ہمارا آج بہت خوبصورت ہے۔‘‘ اس نے سینے میں رکی ہوئی سانس بحال کرنے کے ساتھ آنکھیں بند کر کے سارے آنسو ایک ساتھ گرا دیئے۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔

’’میرا دل کھلکھلا کر ہنسنے کو چاہ رہا ہے اور...... اور میں چاہتی ہوں ان خوبصورت لمحوں میں تم میری آنکھوں میں خوبصورت خواب سجا دو۔‘‘

’’خواب، نہیں...... نہیں فائقہ! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جن خوابوں سے میں خود ڈرتا رہا، بھاگتا رہا۔ وہ تمہاری آنکھوں میں کیسے سجاؤں، ٹوٹ گئے تو بہت دکھ دیں گے۔‘‘ وہ اس تصور سے ہی خائف ہو گیا تھا۔

’’نہیں ٹوٹیں گے۔ میں انہیں بہت سنبھال کر رکھوں گی اور اگر وقت نے کروٹ بدلی تب بھی...... خواب کوئی کانچ کے گھروندے نہیں ہوتے جو ٹوٹ جائیں گے۔‘‘ اس نے کہا پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئی۔

خواب مرتے نہیں

خواب دل ہیں نہ آنکھیں نہ سانسیں کہ جو

ریزہ ریزہ ہوئے تو بکھر جائیں گے
جسم کی موت سے وہ بھی مر جائیں گے
خواب مرتے نہیں
خواب تو روشنی ہیں، نوا ہیں، ہوا ہیں
جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں
ظلم کے دوزخوں سے بھی پھنکتے نہیں
روشنی اور نوا اور ہوا کے علم
مقتلوں میں پہنچ کر بھی جھکتے نہیں
خواب تو حرف ہیں
خواب تو نور ہیں
خواب سقراط ہیں
خواب مرتے نہیں

وہ اس کی پلکوں پر چمکتے ستاروں میں کھو کر اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

نو بج چکے تھے اور شہریار ابھی تک نہیں آیا تھا۔ بیگم آفندی بڑی شدت سے اس کی منتظر تھیں۔ دو بار تو باہر نکل کر دیکھ آئی تھیں اور اب مسلسل لاؤنج میں ٹہل رہی تھیں، اسی حساب سے ان کا ذہن متحرک تھا۔

"بیگم صاحبہ! کھانا لگا دوں۔" رشید نے آ کر پوچھا تو انہیں اس کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔ جھڑک کر بولیں۔

"تمہیں کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے...... چلو جاؤ۔ جب مجھے کھانا ہوگا خود کہہ دوں گی۔"

"جی بہتر......" رشید وہیں سے پلٹ گیا اور انہوں نے پھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ وقفے وقفے سے وال کلاک بھی دیکھ رہی تھیں۔ دس بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے۔ جب شہریار کی گاڑی کی آواز سن کر وہ چونک کر رکیں پھر فوراً بیٹھ کر میگزین اٹھا لیا اور خود کو خاصا بے نیاز پوز کرنے لگیں۔

"السلام علیکم ماما!" کچھ دیر بعد شہریار نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" وہ اسے دیکھ کر بظاہر سرسری انداز میں بولیں۔

"بہت دیر کر دی۔"

"دیر...... ابھی تو صرف دس بجے ہیں۔" شہریار نے کہا تو انہوں نے ان سنی کر کے میگزین ایک

طرف رکھا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"کیسا رہا تمہارا ڈنر......؟"

"بہت شاندار......" اس پر اب پا لینے کا احساس غالب تھا۔

"گڈ...... تم نے انجوائے کیا؟"

"انجوائے، میں نے زندگی پا لی ماما۔" وہ ان کے قدموں کے پاس گھٹنے ٹیک کر کہنے لگا۔ "میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں اس وقت کتنا خوش ہوں۔"

"اپنی خوشی میں مجھے شریک نہیں کرو گے؟" انہوں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر کہا۔

"آپ کو شریک نہیں کروں گا تو اور کسے کروں گا؟ اور ماما! یہ صرف میری نہیں آپ کی بھی خوشی ہے، سنیں گی تو اچھل پڑیں گی۔"

"واقعی! جلدی بتاؤ......" انہوں نے اشتیاق ظاہر کیا تو وہ ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔

"وہ ماما! فائقہ ہے ناں۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے، یہ جاننے کے بعد بھی کہ مجھے بلڈ کینسر ہے۔"

"سچ! تم نے اسے بتا دیا......" انہوں نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

"ہاں اور وہ پھر بھی......!"

"اللہ! تیرا شکر ہے۔" شدت جذبات سے بیگم آفندی کی آنکھیں چھلک گئیں پھر اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ وہ اور لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔ میں کل ہی اس کے گھر جاؤں گی اور اب تم مجھے منع نہیں کرو گے۔"

"ایک بات سے منع کروں گا۔" اس نے کہا تو وہ ٹھٹھک کر بولیں۔

"کس بات سے؟"

"وہ فائقہ کہہ رہی تھی کہ اس کے گھر والوں کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ آئی مین میرے کینسر کے بارے میں۔" اس نے کہا تو وہ مطمئن ہو کر بولیں۔

"یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔ میں تو فائقہ کو بھی بتانے کے حق میں نہیں تھی۔ تمہیں شوق تھا۔"

"شوق نہیں ماما! یہ میری مجبوری تھی۔"

"اچھا چھوڑو! اب ہم اچھی اچھی باتیں کریں گے، لیکن ٹھہرو پہلے میں تمہارے لیے فروٹ کسٹرڈ لے آؤں جو میں نے خود بنایا ہے۔" وہ اس کا گال تھپک کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کچن میں آ

کر کسٹرڈ نکالتے ہوئے وہ دل ہی دل میں اس لڑکی کو سراہنے لگیں جس نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ آئندہ بھی وہ ان کے اشاروں پر چلتی رہے گی۔

یہی سوچتے ہوئے وہ کسٹرڈ لے کر واپس لاؤنج میں آئیں تو شہریار صوفے پر نیم دراز آنکھیں بند کیے یقیناً اس کے خیالوں میں گم تھا کیونکہ اس کے چہرے پر جو مسکراہٹ چمک رہی تھی وہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی اور یہاں ان کے اندر بجائے خوشی کے رقابت کی آگ سلگنے لگی تھی، لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ابھی انہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ جب ہی پہلے خود پر قابو پایا پھر کسٹرڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کا بازو ہلاتے ہوئے بولیں۔

"بچے! ابھی تو تم اس کے پاس سے آ رہے ہو۔"

"ہیں......" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور ان کی معنی خیز مسکراہٹ پر جھینپ کر بولا۔

"وہ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"میں سب جانتی ہوں۔ چلو پہلے یہ کھاؤ......" انہوں نے اس کا کان کھینچ کر اٹھایا۔

"اوں...... اپنے ہاتھوں سے کھلائیں۔"

"اب تم بڑے ہو گئے ہو......" انہوں نے کہا اور پھر پیالہ اٹھا کر کھلانے بھی لگیں۔ تیسرے چمچ کے بعد ہی اس نے روک دیا۔

"بس ماما! میں پہلے ہی بہت کھا چکا ہوں۔"

"اچھا......" انہوں نے چمچ پیالے میں ڈال کر ٹیبل پر رکھ دیا پھر اپنی نشست کا انداز بدلتے ہوئے بولیں۔

"تو فائقہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"میں نے اسے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔" اس نے کہا تو وہ یوں بن گئیں جیسے سنا ہی نہیں اور اپنی کہنے لگیں۔

"میں اب دیر نہیں کرنا چاہتی کیونکہ دو مہینے بعد پھر تمہیں لندن جانا ہے اور اس بار میں چاہتی ہوں تم اپنی بیوی کے ساتھ جاؤ۔"

"کیا یہ ممکن ہے؟ آئی مین اتنے کم وقت میں کیا اس کے گھر والے شادی کرنے پر تیار ہو جائیں گے؟" شہریار نے قدرے تعجب کے ساتھ پوچھا۔

"میری تو یہی کوشش ہوگی۔ اب آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔" انہوں نے قصداً اس کے سامنے یقین کا اظہار نہیں کیا۔

"ماما! آپ انہیں فورس نہیں کیجیے گا۔"

"نہیں بیٹا! میں فورس کیسے کر سکتی ہوں، البتہ ریکویسٹ کروں گی اور انشاء اللہ وہ مان جائیں گے۔ نو پرابلم......" انہوں نے کہا تو وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"ماما! ایک بات کہوں۔"

"کہو......" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"میرے بعد اس کا بہت خیال رکھیے گا۔" وہ رک کر بولا تھا۔

ان کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ پھر اسی طرح اٹھ کر جانے لگیں تو دوسرے قدم پر ہی رکنا پڑا کیونکہ عقب سے اس نے ان کی ساڑھی کا پلو تھام لیا تھا۔

"ماما! میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔"

"کیوں......" وہ چیخ کر بولیں۔ "یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تمہیں یا تم نے ہر قدم پر مجھے اذیت دینے کا سوچ لیا ہے۔"

"نہیں ماما......" وہ یکدم یوں سہم گیا جیسے کوئی چھوٹا بچہ ہو۔

"پھر کیوں یاد دلاتے ہو یہ سب۔ کبھی تو مجھے خود فریبی میں مبتلا رہنے دیا کرو اور تم...... تم بھی ایسا کیوں سوچتے ہو؟ زندگی کے اس خوبصورت موڑ پر حقائق سے نظریں چرا کیوں نہیں لیتے۔ خود بھی خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش ہونے دو۔"

"آئی ایم سوری ماما......" وہ نادم ہو کر بولا۔

"دس از ناٹ فیئر شیری۔" وہ کس طرح بھی خود پر قابو نہیں پا سک رہی تھیں۔ "جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"نہیں...... میں کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے اٹھ کر انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

"آپ کی خاطر ہی تو میں شادی کر رہا ہوں۔"

"تو میری خاطر خوش رہنا بھی سیکھ لو۔"

"میں خوش ہوں ماما! بہت خوش لیکن اگر آپ ناراض ہوئیں تو میں......"

"میں ناراض نہیں ہوں۔" انہوں نے فوراً کہا پھر زبردستی مسکرانے لگیں۔

"تو پھر کل آپ جا رہی ہیں فائقہ کے گھر۔" وہ انہیں مزید خوش کرنے کے لیے بولا۔

"کل جاؤں......" وہ سوچنے لگیں۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ کل یا پرسوں یا جب آپ کا دل چاہے۔"

"میرا دل......" وہ اپنی مسکراہٹ مزید پھیلا کر بولیں۔

"میرے دل کو چھوڑو تم اپنے دل کی کہو، وہ کیا چاہ رہا ہے۔"

"ماما! آپ بھی بس۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ گڈ نائٹ......" وہ جھینپ کر چلا گیا تو بیگم آفندی کچھ دیر وہیں کھڑی رہیں پھر اپنے کمرے میں آ کر بہت سنجیدگی سے اگلے اقدام کے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔

☆☆☆☆

مت پوچھو کیا مانگ کے روئے ہیں خدا سے
یوں سمجھو ہوا خاتمہ آج اپنی دعا کا

وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی۔ خود اس نے نادرہ سے کہا تھا۔

"ڈیئر! میں مانتی ہوں شہریار آفندی ہر لحاظ سے اٹریکٹو ہے لیکن میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں ہوں نہ ہی میں نے اپنے دل کو انہونی خواہشات کے لیے بے لگام چھوڑ رکھا ہے......"

اور یہی سچ تھا لیکن جس طرح نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دل شہریار کی محبت میں ہارا تھا، اسی طرح آنکھوں نے خواب بھی سجا لیے تھے، وہ بھی جاگتے میں۔

اس رات وہ ایک پل کو نہیں سوئی تھی گو کہ بہت کوشش کی لیکن نیند نے بھی جیسے خوابوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ آ کے نہیں دی۔ کروٹیں بدل بدل کر بدن بھی دکھنے لگا تھا۔ تب فجر کی اذان پر اس نے بستر چھوڑ دیا اور وضو کر کے جانماز پر کھڑے ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں ساون اتر آیا تھا اور ایسی جھڑی لگی کہ آخر میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

"الٰہی میرے خواب سلامت رکھنا۔"

اس کے بعد وہ لیٹتے ہی سو گئی تھی اور پھر معمول کے مطابق اٹھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ سات بجے امی نے آ کر اٹھایا پھر رابعہ وقفے وقفے سے آ کر جھنجوڑتی رہی لیکن وہ ہر بار سونے دو، کہہ کر کروٹ بدل لیتی۔ دوپہر میں جب امی اس کے سر پر کھڑی تشویش ظاہر کر رہی تھیں تب وہ زبردستی آنکھیں کھول کر بولی۔

"پریشان نہیں ہوں امی! میں ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر ایسے کیوں پڑی ہو۔ اٹھو کھانا کھاؤ۔ امی نے کہا تو وہ اٹھ بیٹھی۔

"کھانا کہیں بھاگا نہیں جا رہا، کھا لوں گی۔"

"آج آفس بھی نہیں گئیں۔ چھٹی تھی کیا؟"

"نہیں، میں نے چھٹی کر لی۔ رات بہت تھک گئی تھی۔ اس لیے میں نے میڈم سے کہہ دیا تھا کہ میں آج نہیں آؤں گی۔" اس نے سہولت سے بات بنائی۔

"کیا میڈم نے تقریب کے برتن تم سے دھلوائے تھے۔" رابعہ نے شرارت سے ٹوکا تو وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"جی نہیں۔ میں مہمان خصوصی تھی۔"

"واقعی۔"

"ہاں لگ۔ تو یہی رہا تھا۔" وہ بہت سنبھل کر بولی۔ "جیسے خاص میرے اعزاز میں میڈم نے ڈنر دیا ہو۔"

"ویسے تقریب کی نوعیت کیا تھی؟" رابعہ نے پوچھا تو اس بار وہ قدرے سٹپٹا گئی۔

"وہ...... میڈم کے بیٹے کی برتھ ڈے تھی۔"

"کتنے بچے ہیں ان کے؟" امی نے پوچھا۔

"بس ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کے لیے پتہ نہیں کیا کچھ کرتی رہتی ہیں۔" وہ بظاہر سرسری انداز میں کہتے ہوئے بستر چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"ظاہر ہے اور کس کے لیے کریں گی، بہت اچھی خاتون ہیں۔ اللہ خوش رکھے۔" امی احسان مندی سے مغلوب انہیں دعائیں دے رہی تھیں۔

"ارے امی! بڑے لوگوں کے پاس خوشیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ایسی دعائیں تو آپ ہمیں دیا کریں۔" رابعہ نے کہا تو وہ یونہی اسے دیکھنے لگی۔

"غلط کہہ رہی ہوں کیا میں......" رابعہ نے اس کے اس طرح دیکھنے پر پوچھا۔

"نہیں لیکن بڑے لوگوں کے دکھ بھی بڑے ہوتے ہیں۔" وہ کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

"ستو! جلدی آنا۔ میں کھانا نکال رہی ہوں۔" رابعہ نے کہا تو اس نے بس سر ہلا دیا۔

اور گو کہ ابھی اس کا کھانے سے زیادہ چائے پینے کو دل چاہ رہا تھا لیکن پھر سب کا خیال کر کے بیٹھ گئی۔ سونی اور عثمان بھی ابھی کالج سے لوٹے تھے جبکہ ابو اپنی جاب بحال کروانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

"سلمان...... رابعہ کے رشتے کا سن کر بھی نہیں آیا۔" امی جہاں سب بیٹھتے وہاں کسی نہ کسی بہانے سلمان کا ذکر ضرور کرتی تھیں۔

"راحیلہ آنے دے گی تو آئیں گے، ویسے کسی دن میں جا کر راحیلہ کو ایسی سناؤں گی کہ یاد کرے گی۔" رابعہ نے تنفر سے کہا تو امی نے فوراً ٹوکا۔

"نہیں، تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں ضرورت نہیں ہے، وہ یہاں آ کر اتنی بکواس کر جاتی ہے۔ میں بھی اس کے گھر جا کر

اسے بتاؤں گی بہت اترانے لگی ہے اور مجھے غصہ اس کے دوغلے پن پر آتا ہے۔ ہمارے سامنے سلمان سلمان کرتی رہتی ہے جیسے ان جیسا دنیا میں اور کوئی ہے ہی نہیں۔

ایک بار میں نے ٹوکا تھا تو کہنے لگی کیسی بہن ہو تم۔ بھائی کی تعریف برداشت نہیں کرسکتیں۔ وہ تعریف بھائی کی کب کرتی ہے۔ میاں کی کرتی ہے، اور ان کا اکیلے میں جو حشر کرتی ہے وہ نہیں بتاتی۔"

رابعہ کو ایک دم جلال آ گیا تھا، بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

"ہاں تو بھیا کی اپنی پسند ہے، ہم کیا کریں۔" اس نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا ورنہ رابعہ سے اسے اختلاف نہیں تھا۔

"پسند کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے اتنی ڈھیل دے دی جائے۔ تم سن لو عثمان! خبردار جو بھیا کے نقش قدم پر چلے تو......" رابعہ کی اچانک وارننگ پر عثمان اچھل کر بولا۔

"میں، میں شادی ہی نہیں کروں گا۔"

"ہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔" رابعہ اپنی دھن میں کہہ گئی۔

"ہائیں۔ دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ کیے چلی جارہی ہو۔" امی نے فوراً ٹوکا پھر عثمان سے بولیں۔

"تمہیں اس کی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یا اللہ......!" وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" امی اسے گھورنے لگیں۔

"کچھ نہیں، میں یہ کہہ رہی تھی کہ بھیا اتوار کو آئیں گے میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ میں بھیا اور بھابی دونوں کو آنے کا کہہ آئی ہوں۔ اسی دن ہم ڈاکٹر عفان کو بھی کھانے پر بلائیں گے۔" اس نے کہا تو رابعہ فوراً پوچھنے لگی۔

"راحیلہ بھی آئے گی؟"

"ہاں......"

"پھر ڈاکٹر صاحب کو کسی اور دن بلا لینا......" رابعہ نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟"

"بس میں نہیں چاہتی کہ راحیلہ ڈاکٹر صاحب سے ملے......" رابعہ کی صاف گوئی پر وہ امی کو دیکھنے لگی تو انہیں کہنا پڑا۔

"کیوں نہیں۔ وہ بہو ہے اس گھر کی اور کیا تم اس کے ہاں آنا جانا نہیں رکھو گی۔ بالکل چھوڑ دو گی۔"

"میں بعد کی نہیں ابھی کی بات کر رہی ہوں اور آپ بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔ راحیلہ نے اگر ٹر صاحب کے سامنے کچھ الٹا سیدھا بک دیا تو آپ کیا کریں گی۔" رابعہ نے اس پر دھیرج سے ا تو امی خاموش ہو گئیں جبکہ وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ بھابی موقع محل نہیں دیکھتیں۔"

"ہاں، اور یہ تم امی کو بھی سمجھا دو۔" رابعہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی سمجھتی ہیں، بس بھیا کی وجہ سے...... خیر چھوڑ یہ بتاؤ تمہارا ابھی سونے کا پروگرام تو نہیں ے۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر پوچھا تو رابعہ فوراً بولی۔

"بالکل ہے اور تم میرا پروگرام خراب کرنے کی کوشش مت کرنا۔ کھانے کے بعد بہت اچھی نیند تی ہے۔"

"میں اٹھا دوں گی تمہیں۔" وہ دسترخوان سمیٹتے ہوئے بولی، لیکن رابعہ ان سنی کرتی اپنے کمرے ں چلی گئی تو امی کہنے لگیں۔

"مجھے یہ لڑکی سمجھ میں نہیں آتی۔ اب بتاؤ بھلا یہ کوئی تک ہے۔ راحیلہ ڈاکٹر صاحب سے نہیں لے گی۔"

"ارے امی! آپ اس کی باتیں بس سن لیا کریں۔ اپنی بات پر وہ خود قائم نہیں رہتی۔ دیکھئے گا، ہ دونوں بعد خود جا کر بھابی کو بلا لائے گی۔" وہ کہتے ہوئے برتن لے کر کچن میں آ گئی اور چائے کا ی رکھ کر برتن دھوئے پھر دو مگوں میں چائے بنا کر رابعہ کے کمرے میں آ گئی۔

"میں نے کہا تھا، میرا پروگرام خراب نہیں کرنا۔" رابعہ اسے دیکھتے ہی چلائی۔

"ایک دن نہیں سوؤ گی تو قیامت نہیں آ جائے گی۔ لو جلدی مگ پکڑو، میرا ہاتھ جل رہا ہے۔" ں نے کہا تو رابعہ نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا پھر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے معنی خیز کراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آج کچھ نئی نئی لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟"

"وہی بتانے آئی ہوں، لیکن میں سمجھ نہیں پا رہی کہ آیا میں ٹھیک محسوس کر رہی ہوں یا میرا وہم ے۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا تو رابعہ چائے کا گھونٹ لے کر اسے دیکھنے لگی۔

"بات تو بتاؤ......"

"بات یہ ہے کہ مجھے میڈم آفندی کا رویہ اور ان کی مہربانیاں مشکوک لگنے لگی ہیں اور ارادے طرناک۔" وہ سوچ کر اور سنبھل کر بولی تھی۔

"ارادے خطرناک......" رابعہ نے سمجھ کر تصدیق چاہی۔

"ہاں! بہت دنوں سے میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ مجھے خاص اہمیت دینے لگی ہیں اور شہریار کی برتھ ڈے پر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے خاص میرے لیے تقریب ارینج کی گئی ہو۔"

"تو شہریار نام ہے ان کے بیٹے کا۔ کیسا ہے؟" رابعہ نے ایک دم سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"اچھا ہے، بلکہ بہت اچھا۔ میں تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں۔ جب ہی مجھے یقین نہیں آ رہا اور میں ہر بات کو وہم کہہ کر جھٹلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اسے بات بتانے میں بہت مشکل ہو رہی تھی، لیکن یہ وضاحتیں اسے ضرور کرنی تھیں۔

"ہوں......" رابعہ نے سوچتے ہوئے انداز میں سر ہلایا پھر چائے پینے میں لگ گئی تو وہ بے صبری سے بولی۔

"کچھ بتاؤ ناں! کیا ایسا ممکن ہے؟"

"کیوں نہیں؟ وہ جب تمہیں خاص اہمیت دینے لگی ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ انہوں نے یا خود شہریار نے تمہیں پسند کر لیا ہے اور اب تم یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لو......" رابعہ آخر میں شرارت سے مسکرائی۔

"ایویں سمیٹ لو، پہلے تم تو رخصت ہو۔" اس نے کہا تو رابعہ ڈھٹائی سے بولی۔

"ارے میں تو تیار بیٹھی ہوں۔ ادھر ڈاکٹر صاحب ہیں۔ سہرا باندھ کر آنے کو بے قرار، لیکن حالات ظالم سماج بنے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں کب ہمارے نصیب کھلیں گے۔"

"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے فوراً ٹوکا۔

"میں مایوس نہیں ہوں۔ حالات دیکھ کر بات کر رہی ہوں۔ اگر فوراً بھی ابو کی جاب ہو جاتی ہے تب بھی فوراً تو وہ میری اور پھر تمہاری شادی نہیں کر سکتے۔" رابعہ نے کہا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگی۔

"سنو......" قدرے توقف کے بعد رابعہ اسے متوجہ کر کے بولی۔

"میرا تو خیال تھا بلکہ مجھے یقین تھا کہ تمہاری عظام بھائی کے ساتھ انڈر سٹینڈنگ ہے پھر یہ شہریار کہاں سے آ گیا۔"

"تمہارا یقین ٹھیک ہے۔ میری عظام بھائی کے ساتھ جتنی انڈر سٹینڈنگ ہے، اتنی شاید کسی کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر اس انداز سے تو میں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ انہوں نے، پھر تم نے کیسے سوچ لیا......؟" اس نے اعتراف کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیسے سوچ لیا ہے کیا مطلب؟ تمہاری ہر بات سے پتہ چلتا ہے۔ تم ان کے خلاف کچھ سن نہیں سکتیں۔ ہر دوسرے دن ان کے پاس بھاگی جاتی ہو۔ ان کی ہر بات پر یوں ایمان لے آتی ہو

جیسے ساری دنیا میں ایک وہی سچے ہوں اور میرا خیال ہے تم ان سے محبت کا دعویٰ بھی کر چکی ہو......"

رابعہ اس کی ایک ایک بات گنوانے لگی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"وہ تو میں اب بھی کرتی ہوں۔ صرف تمہارے ہی نہیں سب کے سامنے اور عظام بھائی سے بھی اکثر کہہ جاتی ہوں کہ مجھے ان سے بے انتہا محبت ہے پھر بھی انہوں نے میرے لیے کبھی ایسا نہیں سوچا، جیسے تم کہہ رہی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری محبت میں وہ مخصوص رنگ شامل نہیں ہے جس کا اعتراف پہلے پہل خود سے کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے، سمجھیں۔

میرے دل میں اگر چور ہوتا تو میں دھڑلے سے یہ کہتی ہوئی نہ جاتی کہ میں عظام بھائی سے ملنے جا رہی ہوں۔ اس کے برعکس اسماء سے ملنے کا بہانہ ہوتا جیسے تم میرے آفس کا بہانہ کر کے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گئی تھیں۔"

اس کی لمبی چوڑی وضاحت پر رابعہ نے لمبی سانس کھینچی پھر پوچھنے لگی۔

"اور شہریار کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟"

"وہی......" اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ جسے دیکھ کر رابعہ نے معنی خیز ہوں کی آواز نکال کے پوچھا۔

"کب سے......؟"

"کب سے وب سے مجھے نہیں پتہ۔ مجھ پر تو رات اچانک انکشاف ہوا ہے کہ میں اسے پسند کرتی ہوں اور شاید اس لیے کہ......" سوہنی کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ دروازے ہی سے بولی تھی۔

"آپی! آپ کی میڈم آئی ہیں۔"

"میڈم......" اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا اور رابعہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"آ گئیں...... جاؤ ان کا استقبال کرو۔"

"میں نہیں جا رہی۔ پتہ نہیں کیوں آئی ہیں۔"

"کیوں آئی ہیں؟" رابعہ نے اونچی آواز میں سوہنی سے پوچھا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"مجھے کیا پتہ؟"

"جاؤ پوچھ کر آؤ۔"

"ہیں ہیں۔" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "چلو سوہنی! میں آ رہی ہوں۔"

"میرا اسلام کہہ دینا۔" رابعہ آرام سے لیٹ گئی۔

"اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ چلو اٹھو......" اس نے رابعہ کا ہاتھ کھینچ کر زبردستی اٹھایا اور اس

کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو پہلے امی پر نظر پڑی جو خاصی بوکھلائی ہوئی لگ رہی تھیں پھر ابو کو دیکھ کر اس نے مطمئن ہو کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام......" بیگم آفندی جواب دے کر فوراً ابو سے بولیں "میں آپ کی بیٹی فائقہ کے لیے آئی ہوں، سوالی بن کر۔"

اس نے بوکھلا کر رابعہ کو دیکھا اور فوراً اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ کر وہیں سے واپس پلٹ آئی تھی۔

پھر رات میں رابعہ سے معلوم ہوا کہ بیگم آفندی کے جانے کے بعد مسلسل امی، ابو سے اسی وقت سے ہامی بھروانے کی کوشش کرتی رہی ہیں، لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی اور اب ابو کہہ رہے ہیں کہ وہ شہریار کو دیکھنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔

"کب؟ میرا مطلب ہے شہریار یہاں آئیں گے یا ابو ان کے ہاں جائیں گے۔"

اس نے ساری بات سن کر پوچھا تو رابعہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ہم جائیں گے۔ میڈم کل رات کے کھانے پر امی ابو کو بلا کر گئی ہیں لیکن میں بھی ضرور جاؤں گی۔"

"ضرور جانا۔" اس نے کوئی بحث نہیں کی۔

☆☆☆☆

بیگم آفندی نے فائقہ کے امی ابو کے لیے گاڑی بھجوا دی تھی، اس کے بعد رشید سے کہا [illegible] تیاری کا پوچھتی ہوئی شہریار کے کمرے میں آئی تھیں۔

"بیٹا! میں نے مہمانوں کو لانے کے لیے گاڑی بھجوا دی ہے۔ اب تم جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔"

"تیار ہو کر......" وہ اپنے سراپے پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"تو کیا ایسے ہی آؤ گے۔ مانا کہ لڑکی نے تمہیں پسند کر لیا ہے لیکن اس کے ماں باپ پتہ نہیں اس کے لیے کیا سوچے ہوئے ہیں۔" انہوں نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"مجھ سے اچھا نہیں سوچا ہو گا۔"

"اچھا چلو، جلدی چینج کر کے آؤ۔" بیگم آفندی زیادہ باتوں کے موڈ میں نہیں تھیں، جب ہی فوراً ٹوک کر اس کے کمرے سے نکل آئیں۔

اصل میں وہ متضاد کیفیات میں گھر گئی تھیں۔ ایک طرف شہریار کی شادی کی خوشی تھی اور دوسری طرف ان کا اسٹیٹس تھا...... اپنی حیثیت سے کم لوگوں کے سامنے سوالی بننے سے ان کی انا کو

ٹھیس لگ رہی تھی۔

"اگر شہریار کے ساتھ پرابلم نہ ہوتی تو پھر چاہے وہ فائقہ کے لیے جان دینے کی دھمکی کیوں نہ دیتا وہ نہیں مان سکتی تھیں، لیکن اب مجبور و بے بس تھیں۔ اگر ان کے اندر خدا کا خوف ہوتا تو ضرور اس کی مصلحتیں سوچتیں لیکن اس کے برعکس نہ صرف شاکی ہو رہی تھیں بلکہ اندر ہی اندر تلملا بھی رہی تھیں۔

"اللہ میاں بھی پتہ نہیں کیسے کیسے نصیب لکھتا ہے۔ جو لوگ میرے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے لوگوں کے استقبال کو اب مجھے کھڑا ہونا پڑے گا۔ ہونہہ۔" وہ سر جھٹکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئیں اور پھر مہمانوں کے آنے کے کتنی دیر بعد نکل کر آئی تھیں۔

"اسلام علیکم۔" ابو اور رابعہ بھی انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ پلیز آپ لوگ بیٹھیں۔" وہ کہہ کر رشید سے مخاطب ہو گئیں۔

"دیکھو، شیری کیا کر رہا ہے اس سے کہو یہاں آئے۔"

"آپ نے ناحق گاڑی بھجوا دی۔ ہم آ جاتے۔" ابو نے کہا تو وہ ان سنی کر کے امی سے بولیں۔

"آپ کیسی ہیں؟ آرام سے بیٹھیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔"

"جی میں ٹھیک ہوں۔" امی بہت مرعوب لگ رہی تھیں جبکہ رابعہ شوق سے ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"آنٹی! آپ کا گھر بہت شاندار ہے۔"

"تھینک یو بیٹا! ویسے اس کی اصل شان جب دیکھنے میں آئے گی جب شہریار کی دلہن آئے گی۔" انہوں نے کہا تب ہی شہریار آ گیا۔

"السلام علیکم۔"

"یہ شیری ہے، میرا بیٹا۔"

"ماشاء اللہ......" ابو کو ایک بار پھر اٹھنا پڑا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ فوراً ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"پلیز انکل! تشریف رکھیں۔" پھر امی کو سلام کر کے رابعہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"میں رابعہ ہوں، فائقہ سے بڑی۔"

شہریار نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور ابو کے قریب بیٹھ گیا۔

"شیری میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کے فادر، جب یہ آٹھ سال کا تھا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے بعد زمانے کے سرد و گرم سہنے کو ہم ماں بیٹا تنہا رہ گئے۔ اب میری ایک ہی آرزو ہے۔ شیری کی

شادی۔" بیگم آفندی بات شروع کر کے خاموش ہو گئیں۔ پھر چند لمحوں بعد شہریار سے بولیں۔

"شیری بیٹا! تم رابعہ کو گھر دکھاؤ۔"

"جی......" اس نے رابعہ کو دیکھا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی، تب مجبوراً اسے بھی اٹھنا پڑا۔

"ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی۔" ان دونوں کے جاتے ہی بیگم آفندی نے پہلے امی پھر ابو کو دیکھا تو ابو کہنے لگے۔

"آپ شہریار کی بات کر رہی تھیں لیکن پہلے مجھے کہنے دیجئے۔ آپ ماشاء اللہ بڑے لوگ ہیں اور آپ کے بیٹے میں کوئی کمی نہیں ہے نہ اس کے لیے کوئی کمی ہو سکتی ہے پھر آپ ہم غریبوں سے کیوں رشتہ جوڑنا چاہتی ہیں۔"

'مجبوری۔' بیگم آفندی نے سوچا۔ پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگیں۔

"امیری غریبی کی کیا بات کر رہے ہیں۔ میری نظر میں یہ کوئی فرق نہیں ہے۔ سب انسان ایک جیسے ہیں۔ بس اللہ کسی کو کسی طرح نوازتا ہے کسی کو کسی طرح۔ میرے پاس اگر دولت کی فراوانی ہے تو آپ کو اللہ نے اتنی خوبصورت، ہونہار بیٹیاں عطا کی ہیں جن کے سامنے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔"

"آپ کی بات ٹھیک ہے پھر بھی میں حیثیتوں کا فرق نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بے شک میں اپنی بیٹیوں کے لیے بہت اچھا سوچتا ہوں لیکن اتنا اونچا نہیں۔ بس اپنی پرواز کی حد تک۔ حد کراس کرنے کے بعد آپ جانتی ہیں کہ پھر مقدر بھی ساتھ نہیں دیتا۔" ابو بہت سوچ سمجھ کر بات کر رہے تھے۔

بیگم آفندی بمشکل اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پا کر بولیں۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کس بات سے خائف ہیں۔"

"بس بیگم صاحبہ! یوں سمجھیں، ہم آپ کے قابل نہیں۔"

"اعزاز صاحب! خدا کے لیے، مجھے مایوس نہ کریں۔ میں فائقہ کو اپنی اولاد کی طرح چاہوں گی۔ بہت خیال رکھوں گی اس کا۔ میرا یقین کریں، یہاں اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" بیگم آفندی کے لہجے میں آپ ہی آپ عاجزی سمٹ آئی تھی۔

ابو نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا تو وہ امی سے بولیں۔ "بہن! آپ ہی کچھ بولیں۔ انہیں سمجھائیں۔"

اور امی کیا سمجھاتیں وہ تو خود سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ ابو آخر کیا چاہتے ہیں قسمت کی مہربانی سے کیوں منہ موڑ رہے ہیں۔

بیگم آفندی امی کی طرف سے مایوس ہو کر پھر ابو کو دیکھنے لگیں جو سر جھکائے جانے کس سوچ میں تھے اور غالباً کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے جب ہی بس اسی قدر بولے۔

"مجھے کچھ وقت دیں۔"

"جتنا وقت چاہیں لے لیں۔ لیکن مجھے مایوس نہیں کیجئے گا۔" بیگم آفندی نے اس وقت مصلحتاً وقت کو اہمیت نہیں دی۔

"دیکھیں جو اللہ کو منظور۔" ابو نے کہا تو وہ قصداً مسکرائیں۔

"اللہ کو ہم سب کی بہتری منظور ہے۔ یہ بچے کہاں چلے گئے۔ میں کھانا لگواتی ہوں......" وہ اٹھ کر ڈائننگ روم میں آ گئیں۔

پھر کھانے کے دوران وہ صرف اپنی باتیں کرتی رہیں کہ شوہر کے مرنے کے بعد انہوں نے کیسے حالات کا مقابلہ کیا۔ کتنی جدوجہد کی اور کبھی ہمت نہیں ہاری وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ بھی ان ہی کی طرح محنت کش ہیں۔ سب کچھ انہیں یونہی حاصل نہیں ہو گیا کیونکہ وہ سمجھ گئی تھیں کہ ابو امارت سے مرعوب ہونے والے نہیں ہیں نہ ہی ان کے اندر کوئی لالچ ہے۔ اس لیے اپنی طویل جدوجہد کی داستان سے انہیں متاثر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور آخر میں کہنے لگیں۔

"مجھے فائقہ میں بھی یہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت ذہین، بہت محنتی لڑکی ہے، میری جگہ سنبھال سکتی ہے۔"

"اللہ آپ کو سلامت رکھے۔" امی نے فوراً کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولیں۔

"شیری کی شادی تک تو میں واقعی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد پھر کوئی آرزو نہیں۔"

"ماما! کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" شہریار نے ٹوکا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں اور ڈش اٹھا کر امی کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

"آپ یہ لیں ناں۔ بہت تکلف کر رہی ہیں آپ اور ہاں، وہ آپ کی چھوٹی بیٹی کیا نام ہے اس کا۔"

"سوہنی۔"

"ہاں سوہنی، اسے کیوں نہیں لائیں۔"

"بس وہ...... فائقہ اکیلی ہو جاتی اس لیے اسے......" امی ادھوری بات کر کے فارغ ہو گئیں۔

پھر آخر تک آفندی امی کے ساتھ گھریلو باتیں کرتی رہیں جبکہ شہریار اور ابو کے درمیان سیاست کا موضوع چھڑ گیا۔ جس سے وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا۔ رابعہ نے احساس دلایا کیونکہ وہ اکیلی بور

ہونے لگی تھی۔

"پھر اعزاز صاحب! میں کب آؤں؟" بیگم آفندی انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئیں تو پوچھنے لگیں۔

"ویسے جب چاہیں لیکن......" ابو نے خاموش ہو کر ایک نظر شہریار کو دیکھا پھر کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے، میں خود آپ کو فون کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ مجھے بہت انتظار رہے گا۔" بیگم آفندی نے کہا اور پھر ڈرائیور کو اشارا کیا تو اس نے ابو کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

"اچھا بیٹا! پھر انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔" ابو شہریار سے مصافحہ کر کے بیٹھ گئے تو بیگم آفندی ان کے آخری جملے سے خاصی پرامید ہو کر مسکرائیں پھر شہریار کے ساتھ اندر آئیں تو کہنے لگیں۔

"میرا خیال تھا، میں آج سارے معاملات طے کر لوں گی یعنی تمہاری شادی کی تاریخ بھی، لیکن اعزاز صاحب پہلے مرحلے سے آگے ہی نہیں بڑھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟" شہریار پہلے ہی جاننے کو بے چین تھا۔

"وہی سوچ کر جواب دیں گے، اصل میں بے چارے کمپلیکس کا شکار ہیں اور یہاں آ کر انہیں مزید اپنی کم مائیگی کا احساس ہونے لگا۔ بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ ہم غریب لوگ ہیں، اتنے بڑے گھر میں بیٹی بیاہنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ حالانکہ انہیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ ان کی بیٹی......"

بیگم آفندی احساس برتری میں گھری ہوئی تھیں کچھ اور بولتے ہوئے اچانک شہریار پر نظر پڑی تو خاموش ہو گئیں۔

"ماما! اگر انہوں نے انکار کر دیا تو......؟" شہریار اب اسے کھونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا! انکار نہیں کریں گے۔ ایسا تو تم سوچو بھی نہیں۔" بیگم آفندی یقین سے کہہ کر مسکرائی تھیں۔

☆☆☆☆

وہ، جب تک امی ابو اپنے کمرے میں نہیں چلے گئے، خود کو انجان اور مصروف ظاہر کرتی رہی تھی۔ اس کے بعد ایک پل صبر نہیں ہوا فوراً رابعہ کے کمرے میں آ کر دروازہ بند کرتے ہی اسے گالیاں دینے لگی۔

"کتنی کمینی ہو تم۔ میرے سامنے سے گزر کر آ گئیں، بتا نہیں سکتی تھیں۔"

رابعہ ہنسنے لگی۔

"بند کرو ہنسی اور جلدی بتاؤ۔ کیا ہوا وہاں؟" وہ اس کے برابر لیٹ کر بولی۔

"جو تم جاننا چاہتی ہو، وہ میں نہیں بتا سکتی کیونکہ میرے سامنے کوئی بات نہیں ہوئی۔" رابعہ نے ہنسی روک کر کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ میں شہریار کے ساتھ ان کا گھر دیکھنے اٹھ گئی تھی......واہ! کیا شاندار گھر ہے۔ تم تو مجھ سے بھی نمبر لے گئیں۔ شہریار بھی بہت اچھے ہیں۔ آئیڈیل پرسنالٹی۔ اگر میری عفان کے ساتھ بات نہ ہوئی ہوتی تو میں......" رابعہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر ہنسنے لگی۔

"بہت ہی فضول ہو تم......کسی کام کی نہیں۔" وہ جو بہت فراغت سے آ کر لیٹی تھی۔ جھنجھلا کر اٹھ گئی۔

"کہاں جا رہی ہو، سونے......؟"

"ہاں......فضول باتوں میں، میں نیند خراب نہیں کر سکتی۔" اسے واقعی رابعہ پر غصہ آ رہا تھا۔ شب بخیر کہتی لائٹ آف کر کے اس کے کمرے سے نکل آئی، اسے امی کی آواز سنائی دی تو وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکی۔ پھر دبے پاؤں ابو کے کمرے تک آ کر رک گئی۔

اندر امی اور ابو کے درمیان باقاعدہ بحث ہو رہی تھی۔

"لوگ اپنی بیٹیوں کے لیے ایسے رشتوں کی آرزو کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ سو نقص نکال رہے ہیں۔"

"میں نقص نہیں نکال رہا حمیدہ بیگم! اپنی حیثیت دیکھ رہا ہوں۔" ابو زچ ہو کر بولے تھے۔

"تو جنہیں حیثیت دیکھنی چاہیے تھی انہوں نے تو دیکھی نہیں اور آپ انکے سامنے بھی یہی کہہ رہے تھے کہ ہم غریبوں سے کیوں رشتہ جوڑنا چاہتی ہیں؟"

"بالکل، جب میرے ذہن میں یہ سوال اٹھ رہا تھا تو میں کیوں نہ پوچھتا۔ تم بتاؤ، تمہارے ذہن میں ایسا خیال نہیں آیا؟"

"آیا تھا......" امی فوراً بولی تھیں۔

"اور اگر مجھے سوال کرنا ہوتا تو میں پہلے اپنی بیٹی سے پوچھتی جو ان کے ہاں ملازمت کرتی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" ابو اچانک کمزور پڑ گئے تھے۔

"ایسی باتوں کا مطلب نہیں پوچھا جاتا بلکہ اپنا بھرم رکھنے کے لیے بیٹیاں بیاہ دی جاتی ہیں......" امی جنہیں ساری زندگی ابو ناقص العقل کہتے رہے کیسی باتیں کر رہی تھیں۔

"خوش نصیبی ہے ہماری جو ہماری کم حیثیتی آڑے نہیں آئی اور وہ بڑے لوگ ہم سے باقاعدہ

رشتہ جوڑنے چلے آئے اس کے برعکس اگر خدانخواستہ......"

یا اللہ! یہ امی...... اس نے گھبرا کر بند دروازے کو دیکھا پھر بے آواز مگر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی اور چونکہ پہلے ہی لائٹ آف کر کے گئی تھی اس لیے اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا۔

بیڈ کے پائے سے بڑی زور سے ٹھوکر لگی تھی اور وہ تو اچھا ہوا آگے بیڈ تھا اسی پر اوندھے منہ گری تھی اور رونے کو بہانہ چاہیے تھا کیونکہ امی کی آخری ادھوری بات سے اسے بہت دکھ ہوا تھا اس کے علاوہ اور کچھ سوچ ہی نہیں سکی اور یونہی روتے روتے سو گئی تھی۔

صبح معمول کے مطابق اٹھ تو گئی لیکن کمرے سے نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کچھ دیر بعد دروازے سے لگ کر باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرتی رہی پھر مایوس سی ہو کر دوبارہ آ کر لیٹ گئی۔

آج امی اس سے یہ پوچھنے ہی نہیں آئیں کہ اسے آفس جانا ہے یا نہیں۔ شاید اب اس کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی انہیں ناشتے کے لیے تو بلانا چاہیے تھا۔ وہ بھی نہیں۔ جس سے وہ مزید اپنے آپ میں مجرم سی بننے لگی۔

"مجھ سے تو رابعہ اچھی ہے، دھڑلے سے ہر بات کہہ جاتی ہے۔ میں ہمیشہ مروت میں ماری گئی۔ سارے دکھ اپنے دامن میں سمیٹ کر سمجھتی ہوں کمال کر دیا۔

ٹھیک کہتے ہیں عظام بھائی۔ دکھ اتنے سمیٹو جن پر تنہا رو سکو، لیکن میں کیا کروں، اپنا دامن بچانے کے لیے یہ تو نہیں بتا سکتی کہ بیگم آفندی کس مجبوری کے تحت ہم غریبوں سے رشتہ جوڑنے پر آمادہ ہوئی ہیں۔ یہ انکشاف تو امی ابو کو زندہ درگور کر دے گا۔ نہیں میں کبھی نہیں بتاؤں گی۔ سہاگن سے ابھاگن ہونے تک یہ میرا اپنا نصیب، میرے اپنے دکھ ہیں اور ان پر میں تنہا روؤں گی۔" اس کی آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو گئیں اور چھلکنے کو تھیں کہ رابعہ پکارتی ہوئی آ گئی۔

"فائقہ، فائقہ۔"

اس نے جلدی سے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"آفس چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم دس دس بجے تک سوتی رہو۔ کل سے ناشتہ تم بناؤ گی۔" رابعہ نے اس کا بازو ہلا کر کہا تو وہ کروٹ بدلتے ہوئے بولی۔

"کل سے ناں! ابھی تو سونے دو۔"

"میری طرف سے بے شک سوتی رہو لیکن تمہاری میڈم کا بلاوا آیا ہے۔"

"کیا......" وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ "میڈم کا فون آیا ہے۔"

"پہلے فون آیا تھا۔ امی نے کہہ دیا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو اب انہوں نے گاڑی بھیجی ہے کہ کچھ ضروری فائلیں جو تمہارے پاس تھیں، وہ انہیں نہیں مل رہیں......" رابعہ نے بتایا تو وہ سوچ انداز میں بولنے لگی۔

"پھر اب کیا کروں؟"

"جاؤ آفس، باہر ڈرائیور انتظار میں کھڑا ہے۔"

"میرے تو کپڑے بھی استری نہیں ہوئے۔ تمہارا کوئی سوٹ استری شدہ ہو تو دے دو، میں تب تک منہ ہاتھ دھو لوں۔" وہ سستی اور بے دلی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

اور پھر منہ دھونے سے آفس پہنچنے تک اس کا دل انجانے اندیشوں میں دھڑکتا رہا کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ فائلوں کا تو بہانا ہے۔ جانے میڈم نے کس مقصد سے بلایا ہے۔

"یس میڈم۔" اس نے بیگم آفندی کے کمرے میں داخل ہو کر انہیں متوجہ کیا تو ان کا تیزی سے چلتا ہوا پین رک گیا پھر اسے دیکھ کر بولیں۔

"بیٹھ جاؤ، میں یہ کام کر لوں پھر تم سے بات کرتی ہوں۔"

"جی......" وہ بیٹھ گئی اور ان کی بات قیاس کرتے ہوئے بالکل غیر ارادی طور پر ان کے چہرے کے نقوش دیکھنے لگی۔ بلاشبہ وہ اب بھی بہت خوبصورت تھیں۔ شاداب جلد پر کہیں عمر تو کیا سر پر پڑے عظیم سانحے نے بھی کوئی لکیر نہیں کھینچی تھی۔ پتہ نہیں انہیں احساس نہیں تھا یا وہ ہر بات کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے اب مطمئن ہو چکی تھیں۔ کچھ بھی تھا اس کا ذہن ان دونوں باتوں کو تسلیم نہیں کر رہا تھا۔

"ہاں!" بیگم آفندی نے اپنے سامنے سے کاغذات سمیٹ کر ایک طرف رکھے پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگیں۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"جی بہتر ہوں۔" وہ ان کے ہاں کہنے پر ہی سنبھل گئی تھی۔

"لگ تو نہیں رہیں۔ خیر میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تمہیں تمہارا اگریمنٹ یاد دلاؤں۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"مجھے یاد ہے۔"

"یاد ہے، تو پھر تم نے اپنے والدین کو پہلے سے اس پرپوزل کے لیے کیوں نہیں تیار کیا۔ وہ میرے سامنے پس و پیش سے کام کیوں لے رہے ہیں۔ کیا ارادہ ہے ان کا؟" بیگم آفندی ایک دم سنجیدہ ہو کر بولیں۔

"معاف کیجیے گا میڈم! آپ نے بہت جلدی کی۔ میرا مطلب ہے، ابھی تو میں نے شہریار کو شادی پر آمادہ کیا تھا اس کے بعد مجھے والدین تک بات پہنچانی تھی لیکن اس سے پہلے ہی آپ......"
اس نے سہولت سے انہیں الزام دے ڈالا تو وہ بجائے اپنی غلطی ماننے کے اڑ گئیں۔

"میں یہ سب نہیں جانتی۔"

"بہر حال آپ کو مایوسی نہیں ہوگی، میں نے اپنی بہن کو بتا دیا ہے کہ میں شہریار سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور وہ امی ابو کو بتا دے گی لیکن میڈم! اس کے بعد بھی پرابلم ہے۔" اس نے اطمینان دلا کر کہا تو وہ غرائیں۔

"کیا! اس کے بعد کیا پرابلم ہے؟"

"آئی ایم سوری میڈم! میرے والدین جلدی شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور اس کے لیے میں انہیں فورس نہیں کر سکتی کیونکہ میں حالات جانتی ہوں۔" اس نے معذرت کے ساتھ کہا۔

"اپنے حالات جانتی ہو تو میرے حالات سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ میرے پاس ایک سال کی گارنٹی بھی نہیں ہے۔" انہوں نے پہلے اسے تاڑا پھر سر جھٹک کر بولیں۔

"خیر۔ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تم انہیں اپنے پرپوزل کے حق میں ہموار کرو بلکہ جلدی ہامی بھروادو۔ اس کے بعد میں دیکھ لوں گی۔"

اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"اور تم اپنا خیال رکھو۔ یہ کیا بیماروں جیسی شکل بنائے پھرتی ہو۔ تمہیں بیگم آفندی کی بہو بننا ہے سمجھیں۔"

اس نے سر اونچا نہیں کیا بس پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"جاؤ کسی اچھی بیوٹیشن سے رجوع کرو بلکہ میں اپنی بیوٹیشن کو فون کرتی ہوں۔ تم ابھی ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔" انہوں نے کہہ کر فون اٹھایا تو وہ فوراً بولی۔

"نو میڈم! ابھی نہیں۔"

"کیوں ابھی کہاں جانا ہے؟"

"کہیں نہیں۔ گھر ہی جاؤں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے! اور یاد رکھنا، میں تمہارے فادر کے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔" انہوں نے کہا تو اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

"وہ میڈم! شہریار نہیں آئے؟"

"نہیں، آج اس کا موڈ نہیں تھا۔" انہوں نے سرسری انداز میں بتا کر اپنے سامنے فائل کھول

لی۔ گویا اسے جانے کا اشارا تھا اور وہ سمجھ کر بھی پوچھنے سے باز نہیں آئی۔

"شہریار گھر پر ہی ہیں۔"

"ہاں اور کہاں جائے گا، تم اس سے ملنا چاہتی ہو؟" انہوں نے پیشانی پر لکیر کھینچ کر اسے دیکھا تو وہ چند لمحے توقف سے بولی۔

"جی! آپ ڈرائیور سے کہیں، وہ مجھے چھوڑ آئے گا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ، میں پیون سے کہلواتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ دل ہی دل میں اپنی جرأت کو سراہتی ہوئی باہر نکل آئی لیکن جب گاڑی میں بیٹھی تو اسے امی کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"مجھے اگر سوال کرنا ہوتا تو میں پہلے اپنی بیٹی سے پوچھتی جوان کے یہاں ملازمت کرتی ہے۔"
'میں ملازمت ہی کر رہی تھی۔' وہ یکدم آزردگی میں گھر گئی اور شیشے سے باہر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں اچانک پلٹا کھانے والے حالات فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔

'انسان کتنا نادان ہے اور کتنا بے خبر۔ یہ بھی نہیں جانتا اگلے پل کیا ہونے والا ہے پھر بھی برسوں کے پلان بناتا ہے۔ میں بھی کیا کیا سوچتی تھی اور نہیں سوچا تھا تو صرف اپنی شادی کے بارے میں، کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ یہ سراسر والدین کے سوچنے کا کام ہے جہاں وہ کہیں گے وہیں کر لوں گی اور کتنی عجیب بات ہے کہ وقت نے یہ فیصلہ خود مجھ سے کروالیا۔' اس کی سوچیں بہک گئی تھیں کہ گاڑی رکنے پر وہ سر جھٹک کر اتر آئی۔

"مس میں رکوں یا جاؤں؟" ڈرائیور نے پکار کر پوچھا۔

"میڈم نے تم سے کیا کہا تھا؟"

"انہوں نے کہلوایا تھا۔ آپ سے پوچھ لوں جیسے آپ کہیں گی۔"

"نہیں۔ ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ کہہ کر اندر آ گئی تو ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ پتہ نہیں شہریار کہاں تھا۔ شاید اپنے کمرے میں اور گو کہ وہ بہت بار یہاں آ چکی تھی لیکن اس کے کمرے میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لیے اب خود سے جاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

کچھ دیر رشید کے اس طرف آنے کا انتظار کرنے کے بعد دروازہ پر دستک دی تو اندر سے جانے کس کی آواز آئی تھی۔

"جلدی آؤ بھئی۔"

"کون ہے؟" وہ کچھ ابھی پھر ہینڈل گھما کر پورا دروازہ کھول دیا، سامنے بیڈ پر شہریار اسے دیکھ کر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"فائقہ! تم کیسے آئیں؟ او گاڈ......! مجھے یقین نہیں آ رہا۔ صبح سے میں سوچ رہا ہوں کہ تم سے کہاں اور کیسے رابطہ کروں۔"

وہ اس کی بے قراری پر ذرا سا مسکرائی اور صوفے پر بیٹھے شخص کو دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

"آؤ اندر آؤ۔ یہ رامش ہے، جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔"

"السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا تو رامش اٹھتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام۔ بڑی عمر ہے آپ کی، پچھلے دو گھنٹے سے یہاں آپ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ویسے آپ کو کیا الہام ہوا تھا۔"

"جی......" اس کے اقرار پر رامش حیران ہو کر بولا۔

"واقعی۔ کیسے؟"

"یہ آپ نہیں سمجھیں گے۔" اس نے کہا تو شہریار نے بے ساختہ قہقہہ لگایا، جس پر رامش اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب ہے، میں چلا جاؤں۔"

"نہیں نہیں یار، بیٹھو۔ میں تو خود فائقہ کو تم سے ملانے لانے والا تھا، کیوں فائقہ؟" شہریار نے کہہ کر اس سے تصدیق چاہی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"جی، لیکن شاید انہیں مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی۔"

"یہ تو آپ سے ملنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔" رامش نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب آپ یہاں تشریف رکھیں۔ میں آپ کا انٹرویو کروں گا، اس کے بعد خوشی ناخوشی کا فیصلہ ہوگا اور تم شہریار! کمرے سے باہر تشریف لے جاؤ۔" رامش نے کہا تو وہ کچھ گھبرا کر شہریار کو دیکھنے لگی۔

"نہیں، میں باہر کیوں جاؤں۔" وہ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر بولا۔

"کیونکہ تمہارا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ چلو......" رامش نے اسے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا پھر اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

"سوری، وہ یہاں بیٹھتا تو ہر بات میں ٹوکتا اور آپ ابھی تک کھڑی کیوں ہیں۔ بیٹھیں۔"

وہ بیڈ کے قریب کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی، لیکن اس کی نظریں دروازے پر ہی تھیں۔

"وہ کہیں نہیں جائے گا۔" رامش نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا تو اس نے سٹپٹا کر سر جھکا لیا پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

"آپ کو کیا پوچھنا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" رامش نے بڑے آرام سے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک دم سر اٹھا کر دیکھنے لگی تو اس بار رامش سنجیدہ ہو کر بولا۔

"مجھے واقعی آپ سے کچھ نہیں پوچھنا، البتہ شہریار کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یوں تو آپ سب جانتی ہیں، پھر بھی میں آپ کو بتاؤں کہ وہ بہت حساس، بہت محبت کرنے والا ہے اور یقین کریں، اس کی بیماری اتنی خوفناک نہیں ہے جتنی اس کی حساسیت۔ یہ میں آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ اس کی زندگی کی ساتھی بننے جا رہی ہیں اور اس کی زندگی کے بارے میں آپ جان گئی ہوں گی۔ ڈاکٹروں کے مطابق بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ ٹھیک ہے اس کی رپورٹس یہی بتا رہی ہیں، لیکن ایک رپورٹ وہ بھی ہے جو اوپر والے نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی لکھی ہوگی اور ہمارا یقین اس پر ہے۔ ہے ناں؟"

"جی......!" وہ بغور اسے سننے لگی تھی، چونک کر بولی۔

"بس تو میں آپ سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے دل سے سارے خوف نکال دیں اور صرف اللہ پر یقین رکھیں جس نے بیماری دی ہے، شفا بھی وہی دینے والا ہے۔ آپ اپنی محبت اور دعاؤں سے اس سے اپنی مرضی کی تقدیر لکھوا سکتی ہیں۔ ایمان کی پختگی شرط ہے اور ہاں جیسا کہ میں نے کہا وہ بہت حساس ہے تو اس کے لیے آپ کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔ یعنی کوشش کیجئے گا کہ اسے کبھی کوئی جذباتی ٹھیس نہ لگنے پائے۔ سمجھ رہی ہیں ناں؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور یہ آپ اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہیں۔ شہریار آفندی کو دیکھ کر تو لڑکیوں کے دلوں اور ہونٹوں پر بھی گلاب کھل اٹھتے ہیں اور اس لحاظ سے تو آپ خوش قسمت ہیں کہ اس کی نگاہ انتخاب آپ پر ٹھہری۔ ویسے آپ میں کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔"

رامش ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے مسکرا دیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"یہ تو آپ شہریار سے پوچھیں۔"

"اچھا۔ اسی سے پوچھ لیتا ہوں۔" رامش ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا، لیکن وہاں شہریار موجود نہیں تھا۔

"شیری کہاں چلے گئے؟" وہ کھلے دروازے سے دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آ جائے گا۔ آپ بیٹھیں۔" رامش نے کہا، لیکن وہ ان سنی کرتی کمرے سے نکل آئی اور لان میں شہریار کو دیکھ کر بولی۔

"آپ یہاں کیوں آ گئے؟"

"رامش نے تمہیں پریشان تو نہیں کیا؟" شہریار نے فوراً پوچھا تو وہ قصداً ہنسی۔

"نہیں۔ وہ محض آپ کو تنگ کر رہے تھے۔"

"باز نہیں آئے گا اپنی حرکتوں سے، چلو تم یہیں بیٹھو۔"

"نہیں شیری! اب میں چلوں گی کیونکہ آفس تو چھوٹ گیا اور دیر ہو جانے کا اور کوئی بہانہ نہیں ہے میرے پاس۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"میں چھوڑ آؤں۔"

"بس گیٹ تک۔" وہ کہہ کر چل پڑی۔

"سنو۔" وہ برآمدے میں آ کر رک گیا۔ "تم خوش ہو؟"

"ہاں بہت اور میں خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی سمجھنے لگی ہوں بلکہ میرا خیال ہے میں ہوں۔" وہ صاف گوئی سے کہہ کر مسکرائی تو وہ اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھتا رہ گیا۔

❁❁❁

پھر کتنے دن گزر گئے۔ اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ ابو اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ رابعہ اس کے سامنے امی سے پوچھتی تھی تو وہ بھی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہتیں "پتہ نہیں تمہارا باپ کیا سوچ رہا ہے۔ مجھ سے تو کوئی بات نہیں کی۔" اور اسے اب بیگم آفندی کی فکر نہیں تھی نہ ان کی طرف سے یہ خدشہ کہ وہ اس کے دستخط شدہ پیپر کو استعمال کر کے اسے رسوا نہ کر دیں۔ اسے صرف شہریار آفندی کا خیال تھا جس کی محبت اب اسے پہروں رلاتی تھی۔

"پتہ نہیں شیری! میں تمہارے بنا کیسے جیوں گی۔ وہ زندگی تو نہیں ہو گی۔ اے اللہ! میں سارے موسموں کے سارے دکھ جھیل لوں گی۔ بس ایک یہ دکھ نہیں، اس سے پہلے میں مر جاؤں۔"

وہ کتنی دیر سے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے اطراف کا ہوش بھلائے بیٹھی تھی۔ رابعہ کے آنے اور پکارنے پر بھی متوجہ نہیں ہوئی۔

"اے!" آخر رابعہ نے زور سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ بہت خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بس بہت ہو گیا۔ اپنی اداسیاں سمیٹ لو۔" رابعہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں تمہارے لیے خوشخبری لائی ہوں۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔

"پوچھو گی نہیں۔ چلو میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔ ابھی ابو نے میڈم آفندی کو فون کیا ہے اور اپنی رضامندی دینے کے ساتھ کل رات کے کھانے پر بلایا ہے۔"

رابعہ نے خاصے پرجوش انداز میں بتا کر اسے جھنجھوڑا تو اس کے سینے میں جانے کب سے رکی سانس ہونٹوں کی قید سے آزاد ہو گئی پھر وہ سیدھے سادے انداز میں بولی۔

"سارے امتحان میرے حصے میں ہی کیوں آتے ہیں۔ تمہاری بار تو ابو نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔"

"کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے پس و پیش کی تو میں بہت ہنگامہ کروں گی اور تمہارا نہیں پتہ ہے کہ رو دھو کر چپ ہو جاؤ گی۔" رابعہ خود ہی ہنسی پھر کہنے لگی

"بیوقوف! ایسے لوگوں کو اللہ بھی ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ احتجاج کرنا اور لڑنا سیکھو، اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری بات مانی جائے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں احتجاج نہیں کر سکتی، لڑ نہیں سکتی، لڑ سکتی ہوں لیکن میں کیا کروں۔ مجھے رنجشوں سے خوف آتا ہے۔ دلوں میں محبتوں کی جگہ اگر کدورتیں سما جائیں تو پھر ایک چھت تلے رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں خاموش ہو جاتی ہوں اور میری خاموشیاں رایگاں تو نہیں گئیں۔" وہ آخر میں کھل کر مسکرائی تو رابعہ اچھل کر بولی۔

"رایگاں.....ارے بہت رنگ لائی ہیں۔ کل میڈم آفندی پوری تیاری کے ساتھ آ رہی ہیں۔"

"تیاری کے ساتھ۔ کیا مطلب؟"

"مطلب ان کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ اپنے سارے ارمان اس پر نکالنا چاہتی ہیں۔ اس لیے کل وہ انگوٹھی پہنانے کی رسم کریں گی بلکہ شہریار بھی ساتھ آئیں گے۔"

رابعہ نے بتایا تو اس کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"اور ہاں جب یہ سب ہوگا تو پھر ظاہر ہے یہاں بھی کچھ اہتمام کرنا پڑے گا۔ بھیا، بھابی آئیں گے اور امی کہہ رہی ہیں وہ ماموں جی کے ہاں سے سب کو بلائیں گی۔ اسپیشلی عظام بھائی کیونکہ تمہیں پتہ ہے امی اپنی اولادوں سے زیادہ اپنے اس چہیتے بھتیجے پر بھروسہ کرتی ہیں۔ سارا انتظام وہی کریں گے باقی ہم تو جیسے کام بگاڑنے والے ہیں۔"

رابعہ نے مزید تفصیل بتا کر کہا تو یہاں بھی وہ عظام کی طرف داری کرنے سے نہیں رہ سکی۔

"عظام بھائی اصل میں ہر کام بہت خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں اور ایک بار کے بعد انہیں دوبارہ نہیں کہنا پڑتا۔ وہ اپنی ذمہ دار سمجھتے ہیں۔"

"چلو اب تم شروع ہو جاؤ۔" رابعہ نے جھنجھلا کر ٹوکا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"میں کیا کروں، مجھے وہ اچھے لگتے ہیں۔"

"خدا کے لیے۔" رابعہ ہاتھ جوڑ کر مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سوہنی آ کر پوچھنے لگی۔

"باجی! آپ کل کیا پہنیں گی؟"

"کپڑے۔" رابعہ کے جواب پر وہ جہاں ہنسی، وہاں سوہنی اپنے آپ میں سمٹ کر بولی۔

"کون سے؟"

"رات میں اطمینان سے دیکھوں گی، تم نے کون سے نکالے ہیں؟" رابعہ نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"وہ جو بھیا کی شادی پر پہنے تھے۔ ٹھیک ہیں؟" سوہنی نے بتا کر پوچھا تو رابعہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"چل جائیں گے۔"

"اتنی بے دلی سے تو نہ کہو، اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔" وہ رابعہ کو ٹوک کر سوہنی سے بولی۔

"بہت اچھے ہیں۔ سوہنی! وہی پہننا۔"

"اور آپ کون سے پہنیں گی۔" سوہنی نے شوق سے پوچھا۔

"دیکھو، امی کیا کہتی ہیں۔ جو وہ کہیں گی پہن لوں گی۔" اس نے کہا تو رابعہ سوہنی کو دیکھ کر بولی۔

"اب امی سے جا کر پوچھو، وہ کیا پہنیں گی۔"

"آپ تو بس ایسے ہی ہیں۔" سوہنی روٹھے لہجے میں کہتی ہوئی چلی گئی تو رابعہ اسے دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔ "پتہ نہیں کس پر گئی ہے۔"

"بہت معصوم ہے۔ میں جب اس کے بارے میں سوچتی ہوں تو پریشان ہو جاتی ہوں۔ اللہ اسے ہر آزمائش سے محفوظ رکھے۔" اس نے کہہ کر گہری سانس کھینچی۔

☆☆☆☆

بیگم آفندی اس وقت سب بھول کر صرف شہریار کی خوشی میں خوش تھیں اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سارے شہر میں چراغاں کر ڈالیں اور وہ ضرور کرتیں لیکن فائقہ کے ابو نے صرف انہیں بلایا تھا یعنی باقاعدہ تقریب کا کوئی پروگرام نہیں رکھا تھا۔ پھر بھی بیگم آفندی نے انہیں یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ اپنے سارے ارمان پورے کریں گی، کیونکہ ان کا ایک ہی بیٹا ہے اور اس پر ابو خاموش ہو گئے تھے اور گو کہ زیادہ وقت نہیں تھا پھر بھی بیگم آفندی نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

فائقہ کے لیے......شرارہ سوٹ میچنگ سینڈل، چوڑیاں، بیوٹی بکس، زیورات اس کے علاوہ مٹھائی، پھل اور پھول بے حساب تھے وہ شام اترنے سے پہلے ہی شہریار کے ساتھ فائقہ کے گھر پہنچیں تو......استقبال کو ابو کے ساتھ، ماموں جی، عظام اور سلمان موجود تھے۔

بیگم آفندی کو چونکہ کسی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے مروتاً تک انہوں نے رسمی کلمات نہیں کہے اور خاصی بے نیازی سے آگے بڑھ گئیں جبکہ شہریار نے ہر ایک سے مصافحہ کیا تھا اور آخر میں ابو کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔

"اتنا بہت کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔" ابو نے بیٹھتے ہی کہا تو بیگم آفندی ان کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔ "آپ نے مہلت کہاں دی۔ اتنی ایمرجنسی میں بس یہی کچھ ہو سکا۔"

"پھر بھی بہت ہے۔" امی نے کہا تو انہوں نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر کہنے لگیں۔

"میری کون سی اور اولادیں بیٹھی ہیں۔ ایک ہی بیٹا ہے اس کے لیے جتنا کروں کم ہے پھر اس کے بچوں تک پتہ نہیں زندگی مہلت دیتی ہے کہ نہیں۔"

"کیوں نہیں انشاء اللہ! بہت خوشیاں دیکھیں گی آپ۔" امی نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

"بس آپ جلدی سے شادی کر دیں۔"

امی قصداً ذرا سا مسکرائیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں ذرا بچیوں کو دیکھ لوں۔"

بیگم آفندی ان کے دامن بچانے پر خاصی جزبز ہوئیں، پھر بظاہر مامی جی سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں، لیکن بہت جلدی ہی انہیں گھبراہٹ ہونے لگی تھی کیونکہ مامی جی خالص گھریلو عورت تھیں اور بیگم آفندی کے لیے گھریلو باتیں کرنا، وہ بھی ایک متوسط طبقے کی عورت کے ساتھ بہت مشکل تھا۔ جب ہی مصلحتاً بھی وہ خود پر جبر نہیں کر سکیں اور مامی جی کی طرف سے رخ موڑ کر شہریار سے مخاطب ہو گئیں۔

"تم بور تو نہیں ہو رہے؟"

"کیوں آپ بور ہو گئیں؟" شہریار نے حیران ہو کر کہا تو وہ فوراً بات بدل گئیں۔

"انگوٹھی تم پہناؤ گے یا میں اندر جا کر۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

"میری بات چھوڑو۔ تم کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے ٹوک کر پوچھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"آپ جانتی ہیں۔"

"کبھی کبھی تم مجھے مشکل میں ڈال دیتے ہو۔ خیر، میں دیکھتی ہوں ان لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور ابو کی سوالیہ نظریں دیکھ کر ایک لحظہ کو رکیں پھر بس ایکسکیوزمی کہنے پر اکتفا کیا اور کمرے سے نکلیں تو برآمدے میں امی کو دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"فائقہ تیار ہو گئی؟"

"آپ دیکھ لیں۔"

امی نے کہہ کر فائقہ کے کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ رکے بغیر اسی طرف آ گئیں اور کمرے میں موجود رابعہ، اسماء، راحیلہ اور سوہنی کو دیکھتی ہوئی ان کی نظریں آخر میں فائقہ پر جم گئیں جس کے چہرے پر الگ ہی چمک تھی اور آنکھوں میں محبتوں اور چاہتوں کا خمار، جس نے بیگم آفندی کو نہ صرف حیران کیا بلکہ وہ ٹھٹک بھی گئی تھیں۔

"آئیے آنٹی!" رابعہ نے انہیں بیٹھنے کو کہا تب وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"نہیں بس ٹھیک ہے۔ تیار کر لیا تم نے اسے یا کچھ باقی ہے۔"

"بس اب ایک انگوٹھی پہنانی باقی ہے۔" رابعہ شوخی سے مسکرائی۔

"تو پھر لے چلو۔" انہوں نے کہا تو راحیلہ آگے آ گئی۔

"وہاں مردوں میں کہاں لے جائیں۔ آپ یہیں پہنا دیں۔ ایک انگوٹھی ہی تو پہنانی ہے۔"

"اس انگوٹھی کی اہمیت شاید تمہیں معلوم نہیں ہے۔" انہوں نے ناگواری سے راحیلہ کو ٹوکا پھر فائقہ کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

"چلو بیٹا! وہاں کوئی غیر نہیں، سب تمہارے اپنے ہیں۔"

فائقہ کیا کہتی۔ خاموش ہی رہی اور اٹھتے ہوئے رابعہ کو قریب بلا کر اس کا ہاتھ تھام لیا کیونکہ اسے ڈرائنگ روم میں جانا عجیب تو نہیں لگ رہا تھا، لیکن وہاں ابو، سلمان اور عظام کی موجودگی کے خیال سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

بیگم آفندی اسے لیے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔ جس پر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور اسے لے جا کر شہریار کے برابر بٹھا دیا پھر ابو کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگیں۔ "آپ کی اجازت ہے؟"

ابو نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر ماموں جی کو ساتھ لے کر کمرے سے نکل گئے تو یک لخت خاموشی کا سینہ چاک ہو گیا۔

عثمان نے فوراً اپنا کیمرہ سنبھال لیا اور ان خوبصورت لمحوں کو قید کرنے لگا تھا۔

بیگم آفندی انگوٹھی شہریار کو تھما کر ایک طرف ہٹ گئی تھیں۔

"السلام علیکم!" شہریار نے سرگوشی میں اس پر سلامتی بھیجی تو اس کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔

"یہ بے ایمانی ہے، جو کہنا ہے سب کے سامنے کہیں۔" رابعہ نے فوراً ٹوکا تو شہریار قدرے بوکھلا کر بولا۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔"

"تو اب کہہ دیں۔" راحیلہ نے شوخی سے کہا۔

"اوں ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ادھر سے جواب نہیں ملے گا۔" شہریار اب سنبھل کر بولا تھا۔

"اس کی طرف سے جواب ہم دیں گے۔ آپ کہیں تو۔" رابعہ نے کہا تو وہ سرگوشی میں اس سے پوچھنے لگا۔ "کہہ دوں......؟"

"اونہوں!" اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر منع کیا تو رابعہ اور اسماء نے شور مچا دیا۔

"فاؤل، فاؤل۔"

"پلیز۔" شہریار نے انہیں خاموش کرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور انگوٹھی پہنا کر بہت سادگی سے پوچھنے لگا۔

"یہ تو فاؤل نہیں ہے ناں۔"

"ہے تو لیکن مانا نہیں جائے گا، بہر حال بہت مبارک ہو۔"

رابعہ نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے کر دی۔ تب ہی بیگم آفندی آگے آ گئیں اور پلیٹ سے مٹھائی اٹھا کر پہلے فائقہ پھر شہریار کو کھلائی اس کے بعد باری باری دونوں کی پیشانی چوم کر بولی تھیں۔

"خدا تمہیں ہر بری نظر سے بچائے۔"

☆☆☆☆

وہ منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے نکلی تو کمرے میں موجود رابعہ کے ساتھ اسماء اسے دیکھتے ہی بولی۔

"سنو، ہم دونوں تم سے جیلس ہو رہی ہیں بلکہ تمہاری خوش قسمتی سے۔"

"اچھا!" وہ سمجھ کر ذرا سا مسکرائی۔ زیادہ کچھ نہیں بولی تو اسماء نے ٹوکا۔

"تمہیں برا نہیں لگا؟"

"نہیں، کیونکہ مجھے پتہ ہے۔ تم جیلس نہیں ہو رہیں یعنی اگر ہوتیں تو اس کا اعتراف نہ کرتیں۔" اس نے کہا تو اسماء ہنس کر بولی۔

"سمجھ دار ہو گئی ہو۔"

"اب یہ مت کہہ دینا کو انگوٹھی پہنتے ہی۔" اس نے فوراً کہا تو اسماء بھی برجستہ بولی تھی۔

"نہیں انگوٹھی پہن کر تو تم پرائی ہو گئی ہو۔"

"کوئی نہیں۔" وہ جھینپ کر موضوع بدل گئی۔ "تم لوگوں نے کھانا کھا لیا؟"

"تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں، باہر چلو گی یا یہیں لے آؤں۔" رابعہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہیں لے آؤ۔" وہ کہہ کر اسماء کے پاس آ بیٹھی۔

"تم آج یہیں رک جاؤ۔"

"دل تو میرا بھی چاہ رہا ہے لیکن امی اکیلی ہو جائیں گی، پھر ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اس لیے ابا اجازت نہیں دیں گے۔" اسما نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"ماموں جی سے میں اجازت لے لوں گی۔"

"نہیں۔ ابھی رہنے دو پھر انشاء اللہ تمہاری شادی پر بہت سارے دن آ کر رہوں گی۔ ویسے شادی کب تک متوقع ہے؟" اسماء نے منع کرتے ہوئے پوچھا تو وہ انجان بن گئی۔

"پتہ نہیں۔"

"میرا خیال ہے، رابعہ کی اور تمہاری ایک ساتھ ہی ہو گی۔ ہے ناں۔"

"پتہ نہیں یار!" اس کا انداز بات ختم کرنے والا تھا جب ہی اسماء اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ رابعہ کہاں رہ گئی۔"

"میں آ گئی۔" رابعہ ٹرے لیے ہوئے اندر آئی تو اس کے پیچھے راحیلہ کو دیکھ کر وہ قصداً یوں بن گئی جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو پھر بھی راحیلہ باز نہیں آئی۔

"اوہو تم تو منگنی ہی میں چھپ کر بیٹھ گئیں۔"

"آیئے بھابی! کھانا کھائیں۔" اس نے یکسر ان سنی کر کے کہا۔

"میں کھا چکی ہوں تمہاری ساس کے ساتھ۔ اف کتنا پوز کر رہی تھیں جیسے بہت بڑی آدمی ہوں۔" راحیلہ کا کمپلکس ظاہر ہونے لگا جس پر رابعہ فوراً بولی تھی۔

"پوز کیوں کرنے لگیں۔ ہیں ہی بڑی آدمی۔"

"تمہارے ڈاکٹر صاحب نہیں آئے؟" راحیلہ بات بدل گئی۔

"بلاتے تو ضرور آتے۔"

"کیوں نہیں بلایا۔ میں بھی دیکھ لیتی۔ شہریار کو دیکھ لیا۔" راحیلہ نے کہا تو رابعہ شوق سے پوچھنے لگی۔

"کیسے لگے شہریار......؟"

"ارے اتنی دیر ہو گئی۔ سلمان کو صبح آفس بھی جانا ہے۔" راحیلہ کسی کی تعریف کر ہی نہیں سکتی تھی جب ہی عجلت کا مظاہرہ کرتی کمرے سے نکل گئی تو اسماء ذرا سی حیرت بھری ہنسی کے ساتھ بولی۔

"کیا چیز ہیں؟"

"اپنے علاوہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتیں۔ کبھی فرصت سے ان کے پاس بیٹھ کر دیکھو، مزہ آ جائے گا۔" رابعہ نے ہنس کر کہا تو اس نے ٹوک دیا۔

"چلو، بس کھانا کھاؤ۔"

"ہاں، اس کی منگنی کا کھانا ہے کھاؤ اسماء! تا کہ تمہاری بھی جلدی منگنی ہو۔"

رابعہ نے پلیٹ اسماء کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا تب ہی عظام آ گئے اور اسماء کو مخاطب کر کے بولے۔ "اسماء! چلنا نہیں ہے؟"

"نہیں۔ آج اسماء یہیں رہے گی۔" اسماء سے پہلے رابعہ بول پڑی۔

"ہاں عظام بھائی! اسماء کو آج یہیں چھوڑ دیں۔" اس نے رابعہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"امی سے پوچھ لو۔"

"مامی جی منع نہیں کریں گی۔"

"ہاں لیکن وہ اکیلی بھی تو ہو جائیں گی، صبح ابا اور میں تو آفس چلے جائیں گے پھر امی اکیلی

پریشان ہو جاتی ہیں۔ اس لیے رکنے کی بات چھوڑو پھر میں دن میں لے آؤں گا۔"

عظام نے اسماء کے رکنے پر اعتراض نہیں کیا اور مجبوری بھی بتا دی تو اسماء ان کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ امی اکیلی پریشان ہو جاتی ہیں۔ میں پھر کسی دن صبح سے امی کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے مزید اصرار نہیں کیا تو عظام، اسماء کو جلدی آنے کا کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

راحیلہ اور سلمان پہلے ہی جا چکے تھے۔ پھر ماموں جی وغیرہ بھی چلے گئے تو اس نے اسی وقت رابعہ کے ساتھ مل کر سب برتن دھوئے اور کچن صاف کر کے فارغ ہوئی تو کیتلی میں پانی ڈالتے ہوئے رابعہ سے پوچھنے لگی۔

"تم چائے پیو گی۔"

"نہیں بھئی میں اب سوؤں گی اور تمہیں نیند نہیں آ رہی!" رابعہ نے منع کرتے ہوئے ٹوکا تو وہ ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آ رہی ہے لیکن میں ابھی سو نہیں سکتی۔"

"کیوں؟"

"وہ شہریار نے کہا تھا کہ میں سونے سے پہلے انہیں فون ضرور کروں۔ وہ انتظار کریں گے۔" اسے خود اپنے چہرے پر رنگ اترتے محسوس ہوئے تھے۔

"تو کیا وہ انتظار کر رہے ہوں گے، میرا مطلب ہے، دو بج چکے ہیں۔"

"پھر......" اس نے کیتلی میں چائے دم کر کے رابعہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پھر یہ کہ وہ سو چکے ہوں گے۔ خواہ مخواہ انہیں ڈسٹرب کرو گی۔ بہرحال تمہاری مرضی میں تو سونے جا رہی ہوں۔ شب بخیر۔" رابعہ کہتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔

اس نے جلدی سے مگ میں چائے ڈالی پھر لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں آتے ہوئے ٹیلی فون سیٹ ساتھ لیتی آئی اور بیڈ پر آرام سے تکیے کے سہارے بیٹھ کر شہریار کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو! پہلی بیل پر ہی ریسیور اٹھنے کے ساتھ شہریار کی آواز سنائی دی تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"سوری شیری! آپ کو انتظار کرنا پڑا۔"

"نو سوری، یہ انتظار کا موسم اگر ٹھہر جاتا تو بھی میں شکوہ نہ کرتا۔ کیونکہ بڑا کیف تھا اس میں اور

پتہ ہے اس کیف نے مجھ پر بہزاد کے اس شعر کے معنی واضح کیے ہیں۔ اس وقت مجھے بھٹکا دینا جب سامنے منزل آ جائے۔"

"اچھا......!" وہ بھی کہہ سکی تو قدرے توقف سے وہ پوچھنے لگا۔

"تم خوش ہو۔"

"ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور دیکھیں، وہ کیا کہتا ہے۔"

"میرا دل؟" شہریار کے لہجے میں قدرے حیرت، شوق اور تجسس تھا پھر ایک دم خاموشی چھا گئی۔

وہ اپنا سارا دھیان ادھر منتقل کر کے انتظار کرنے لگی تھی اور کتنی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"کل تک میرے اندر بڑا شور تھا جیسے میرا دل لہروں کی طغیانی میں ہچکولے کھا رہا تھا، لیکن اب بڑا سکون ہے کیونکہ میرا دل اس بھنور سے نکل کر ایک سبک خرام ندی کے سنگ ہو کر بڑے خوبصورت نغمے الاپ رہا ہے۔"

"میں سن رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ادھر وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"کیا......؟"

"نغمے۔" اس کی مسکراہٹ ذرا سی ہنسی میں ڈھل گئی۔

"گڈ! اس کا مطلب ہے تم خوش ہو۔" شہریار نے خوش ہو کر کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"کیوں، آپ کو شبہ تھا کیا؟"

"نہیں البتہ یہ خیال ضرور آ رہا ہے کہ تم خوش ہونے کے ساتھ خوف زدہ بھی ہو گی۔" شہریار نے صاف گوئی سے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں میں خوفزدہ نہیں ہوں اور یہ بھی سن لیں کہ میں نے بہت خوبصورت خواب سجا لیے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ جیسے اس کا دل رکھنے کی خاطر بولا تھا۔

"اور یہ کہ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو وہ چند ثانیے رک کر بولا۔

"او کے۔ گڈ نائٹ اینڈ سویٹ ڈریمز۔"

"گڈ نائٹ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔

☆☆☆☆

سرمئی شام دھیرے دھیرے سیاہ آنچل میں چھپ رہی تھی۔ بیگم آفندی تمام لائٹس آن کرتی ہوئی لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں۔ گزشتہ تین دن سے ان کا ذہن صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ وہ اعزاز صاحب کو فائقہ کی فوری شادی پر کیسے آمادہ کریں۔ کیونکہ فائقہ نے اس سلسلے میں معذوری

ظاہر کر دی تھی اور وہ خود بھی سمجھتی تھیں کہ وہ لڑکی اپنے والدین پر زور نہیں ڈال سکتی پھر ان کے حالات بھی وہ دیکھ چکی تھی۔ بیماری اور بے کاری کے بعد گو کہ اب اعزاز احمد کی جاب بحال ہو گئی تھی لیکن وہ فائقہ کی شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اور منگنی والے روز انہوں نے صاف لفظوں میں تو نہیں البتہ اشارتاً کہہ دیا تھا کہ وہ پہلے رابعہ کی شادی کریں گے۔ بیگم آفندی بظاہر انجان سی بن گئی تھیں لیکن ان کا ذہن اس وقت سے اسی فکر میں الجھ گیا تھا۔

اور آج تیسرے دن بھی وہ اسی سوچ میں بیٹھی تھیں، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیونکہ ان کی لغت میں لفظ ناممکن تھا ہی نہیں اس لیے وہ مایوس نہیں ہو رہی تھیں۔ البتہ مسلسل سوچنے سے ان کا ذہن چٹخنے لگا تھا۔ تب اپنا دھیان ہٹانے کے لیے وہ سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں پھر ٹیلی فون سیٹ قریب کھینچ کر شہریار کا معلوم کرنے کے لیے انہوں نے رامش کے نمبر ڈائل کیے لیکن پھر اچانک ایک خیال کے تحت فوراً کریڈل پر ہاتھ مار کر عروبہ کے نمبر ڈائل کیے اور خود کو ڈھیلا چھوڑ کر انتظار کرنے لگیں۔

''ہیلو!'' چوتھی بیل کے بعد ادھر سے مردانہ آواز آئی تو وہ فوراً بولیں۔

''عروبہ سے بات کرائیں۔''

''جی آپ۔''

''میں شیری کی ماما بات کر رہی ہوں۔ عروبہ کہاں ہے۔ بہت دنوں سے آئی نہیں۔''

انہوں نے وہی انداز اختیار کیا جو ابتدا میں عروبہ کے لیے ہوا کرتا تھا۔

''ایک منٹ میں بلاتا ہوں۔''

وہ پھر انتظار کرنے لگیں۔

''السلام علیکم۔'' چند لمحوں بعد عروبہ کی آواز سنتے ہی خوش دلی سے بولیں۔

''جیتی رہو، کیسی ہو؟''

''بالکل ٹھیک۔ آپ کیسی ہیں آنٹی!'' ان کے برعکس عروبہ بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

''تمہاری طرح بالکل ٹھیک اور تم کہاں غائب ہو گئیں۔ بہت عرصہ ہو گیا تمہیں دیکھے ہوئے۔''

''وہ آنٹی! میں اصل میں کمپیوٹر کورس کر رہی ہوں۔ شیری کیسا ہے؟'' عروبہ نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ تفاخر سے بولیں۔

''بالکل ٹھیک اور آج کل بہت خوش ہے ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔''

''اچھا، کیا پا لیا؟'' عروبہ ذرا سا ہنسی تھی جس پر وہ مزید تن کر بولیں۔

''اپنی محبت، جس لڑکی سے محبت کرتا تھا، عنقریب اس سے شادی کرنے والا ہے۔''

''شادی لیکن آنٹی وہ تو......''

''اس نے تمہیں بتایا نہیں۔'' بیگم آفندی یکسر انسنی کر کے کہنے لگیں۔ ''سرپرائز دینا چاہتا ہو گا۔ خیر تم تیاری کر رکھو، کیونکہ زیادہ دن نہیں ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے آنٹی لیکن......''

''او کے۔ اپنی ممی کو میرا سلام کہنا۔'' انہوں نے شہریار اور اس کے ساتھ رامش کو آتے دیکھ کر فون بند کر دیا۔

''السلام علیکم ماما!'' دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ کہاں چلے گئے تھے تم؟''

''یونہی آوارہ گردی کا شوق چرایا تھا۔'' رامش نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا تو وہ شہریار کو دیکھ کر بولیں۔

''بس یہی کچھ دن ہیں آزادی کے پھر فائقہ آ جائے گی تو یہ سارے شوق ختم کرنے پڑیں گے۔''

''کب لا رہی ہیں فائقہ کو؟'' رامش نے فوراً پوچھا۔

''بہت جلدی، ابھی میں یہی سوچ رہی تھی کہ کوئی قریبی تاریخ رکھ لوں۔'' وہ یوں بولیں جیسے سب ان ہی کے اختیار میں ہو۔

''ان سے بات کر لی آپ نے۔ آئی مین فائقہ کے والدین سے؟'' رامش نے پوچھا اور شہریار یوں متوجہ تھا جیسے یہ سوال اس نے اٹھایا ہو۔

''نہیں لیکن انہیں کیا اعتراض ہو گا۔ ظاہر ہے شادی تو کرنی ہے انہوں نے، میں ایک دو دن میں جاؤں گی۔''

وہ بولتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اگلا سوال اٹھنے سے پہلے پوچھنے لگیں۔ ''کھانا لگواؤں۔''

''ہم تو ابھی نہیں کھائیں گے لیکن آپ ضرور کھا لیں۔''

شہریار نے کہا پھر رامش کو لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا تو بیگم آفندی ڈائننگ روم میں آ گئیں کیونکہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ دونوں باہر سے کچھ کھا کر آئے ہوں گے اس لیے انہوں نے اصرار کیا تھا نہ انتظار اور کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ ان کا ذہن پھر اسی بات میں الجھ گیا تھا کہ وہ ایسا کیا کہیں جو اعزاز صاحب فائقہ کی فوراً شادی پر آمادہ ہو جائیں اور جب تک وہ اس فکر سے آزاد نہ ہو جائیں، چین سے نہیں سو سکتی تھیں۔ اس رات تو ان کی نیند بھی یوں اڑی کہ وہ بیڈ پر لیٹ ہی نہیں سکیں۔ مسلسل ٹہلتی رہیں جب تک ایک راہ نہیں سجھائی دے گئی تھی، اس کے بعد وہ سو تو گئیں لیکن مسلسل ٹینشن نے انہیں بیمار کر دیا تھا۔

"ماما!" شہریار ناشتے کی ٹیبل پر انہیں موجود نہ پا کر ان کے کمرے میں آ گیا اور انہیں لیٹے دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا ماما! آپ ابھی تک......"

"بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ تکیہ سیدھا کر کے ذرا سا اونچی ہو گئیں۔

"بخار ہو گیا ہے کیا؟" شہریار نے آگے آ کر پہلے ان کی پیشانی چھوئی پھر ہاتھ تھام کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"ڈاکٹر کو فون کروں۔"

"ابھی نہیں بعد میں، میں خود کر لوں گی۔ تم جا کر ناشتہ کرو اور مجھے چائے بھجوا دو۔"

"صرف چائے نہیں ماما! کچھ کھا بھی لیں۔" شہریار نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کھا لوں گی۔ تم فکر مت کرو۔ ابھی بس چائے اور ہاں تمہیں آفس ضرور جانا ہے۔" انہوں نے سہولت سے منع کرتے ہوئے کہا تو وہ بے دلی سے بولا۔

"چلا جاؤں گا لیکن اب وہاں دل نہیں لگتا۔"

"جس کی وجہ سے دل لگتا تھا، وہ اب یہیں آ جائے گی۔" بیگم آفندی قصداً مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کہاں جا رہی ہیں؟"

"واش روم۔ منہ ہاتھ دھو لوں۔"

"اوکے۔ میں چائے بھجواتا ہوں۔"

شہریار کمرے سے نکل گیا تو انہوں نے واش روم کا رخ کیا اور جب واپس آئیں تو کارنر ٹیبل پر چائے موجود تھی۔

پھر جب تک شہریار آفس نہیں چلا گیا۔ ان کا دھیان بس اسی کی طرف لگا رہا، اس کے بعد انہوں نے فیکٹری فون کر کے منیجر کو کام سے متعلق کچھ ضروری پوائنٹس نوٹ کرائے پھر رات جو انہیں ایک راہ سجھائی دی تھی اسے یکسوئی سے سوچ کر اعزاز احمد کو ان کے آفس فون کر ڈالا اور ادھر جب اعزاز احمد لائن پر آ گئے تب کچھ کمزور سی آواز میں بولیں۔

"السلام علیکم اعزاز صاحب! میں بیگم آفندی بات کر رہی ہوں۔"

"جی وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں بیگم صاحبہ آپ؟"

"بس۔" وہ رک کر بولیں۔ "کل سے طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اوہ کیا بخار......؟"

"نہیں۔ میرے ساتھ اور مسئلہ ہے اور میں نے آپ کو اس وقت فون بھی اسی لیے کیا ہے کہ میں صرف آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو ادھر اعزاز احمد پرسوچ انداز میں بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"ابھی نہیں اعزاز صاحب! میرا مطلب ہے، اس وقت تو آپ آفس میں مصروف ہوں گے۔ ہاں اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آفس کے بعد میری طرف آ جائیں۔"

"زحمت کیسی۔ میں آ جاؤں گا۔"

"تھینک یو اعزاز صاحب! تھینک یو ویری مچ۔"

بیگم آفندی نے سلسلہ منقطع کر کے گہری سانس کھینچی پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد ناشتے کے لیے اٹھ گئیں۔

ان کا خیال تھا کہ اعزاز احمد کو ان کا مسئلہ جاننے کی جلدی ہو گی اور وہ آفس ٹائم سے پہلے ہی ان کے پاس آ جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ چار بجے رشید نے اعزاز احمد کے آنے کی اطلاع دی تو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہہ کر وہ یونہی بے مقصد ادھر ادھر ٹہلنے لگیں، غالباً انہیں انتظار کروانا چاہتی تھیں۔ اس لیے خاصی تاخیر سے ڈرائنگ روم کا رخ کیا اور اندر داخل ہوتے ہی بولیں۔

"سوری۔ میں اصل میں سو رہی تھی۔"

"پھر تو میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔" اعزاز احمد اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں۔ پلیز تشریف رکھیں۔"

"شکریہ۔" اعزاز احمد بیٹھتے ہی انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کیا لیں گے آپ۔ چائے یا......"

"صرف چائے۔" اعزاز احمد فوراً بولے۔ غالباً وہ ان باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بیگم آفندی نے دروازے تک جا کر رشید کو چائے لانے کا کہا پھر واپس آ کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"معاف کیجئے گا، مجھے آپ کو زحمت دینی پڑی۔ اصل میں بات ہی ایسی ہے کہ میں سب کے سامنے کہہ تو سکتی ہوں لیکن صرف شہریار کی وجہ سے...... یوں سمجھیں کہ میں خود اپنے آپ سے بھی چھپاتی ہوں کیونکہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ میری ذرا سی تکلیف، ذرا سی بیماری سے بہت پریشان ہو جاتا ہے شاید اس لیے کہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تو صرف مجھے دیکھا اور مجھے بھی صرف اس کی فکر ہے، میرے بعد کہیں وہ اکیلا نہ ہو جائے۔"

"ارے نہیں بیگم صاحبہ! آپ ماشاءاللہ......" اعزاز احمد نے پہلو بدلتے ہوئے اسی قدر کہا تھا

کہ بول پڑیں۔

"میں کچھ وقت کی مہمان ہوں۔"

"جی۔" اعزاز احمد سمجھے نہیں اور ٹھٹکے بھی۔

"جی۔ میں صرف آپ کو بتا رہی ہوں کہ مجھے بلڈ کینسر ہے۔ بہت علاج کے بعد بھی ڈاکٹر زندگی کی امید نہیں دلا رہے بلکہ اب تو بالکل ہی مایوسی ہے۔"

وہ مایوسی سے کہہ کر اعزاز احمد کو دیکھنے لگیں جو حیرت اور افسوس میں گھرے کچھ بول ہی نہیں پائے تو قدرے توقف سے وہ پھر گویا ہوئیں۔

"میں مرنے سے نہیں ڈرتی، نہ افسوس ہے۔ بس شیری کی فکر ہے اور میں چاہتی ہوں، میرے سامنے اس کا گھر آباد ہو جائے تاکہ میرے بعد وہ اکیلا نہ رہے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ انشاء اللہ آپ کے سامنے ہی......" اعزاز احمد نے گلا صاف کر کے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کیونکہ یہاں کے ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں۔ میں نے اپنی تمام رپورٹ لندن بھجوائی ہیں اور وہاں سے جواب آنے پر ہو سکتا ہے مجھے لندن جانا پڑے اور اس سے پہلے میں چاہتی ہوں شیری کی شادی ہو جائے کیونکہ میرے پاس زندہ واپس آنے کا یقین نہیں ہے۔"

وہ قصداً ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں پھر کچھ توقف کیا کہ شاید اعزاز احمد کچھ کہیں، لیکن وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں ہے اور یہ پریشانی کی بات ہے بھی نہیں کیونکہ آپ کو بیٹی تو بیاہنی ہی ہے۔"

"جی لیکن۔ میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ آپ تو جانتی ہیں، میری بیماری نے مجھے الٹا مقروض کر دیا ہے اور گورنمنٹ جاب بھی نہیں ہے جو ریٹائرمنٹ لے کر پراویڈنٹ فنڈ کا سہارا لے لوں۔" اعزاز احمد نے مایوسی کے ساتھ اپنی مجبوری بیان کی۔

"اعزاز صاحب! ہم اور آپ اب الگ نہیں ہیں۔ ہمارے بچوں نے ہمیں ایک کر دیا ہے۔ آپ پیسوں کی فکر مت کریں۔"

انہوں نے بہت طریقے سے اعزاز احمد کو گھیرا تھا۔

"میں پہلے ہی آپ کا مقروض ہوں۔" اعزاز احمد سر جھکا کر بولے تھے۔

"بالکل نہیں۔ بھول جائیں اسے اور بس شادی کی تیاری کریں۔ صرف فائقہ ہی نہیں رابعہ کی

بھی۔ اچھا ہے دونوں کی ساتھ ہو جائے۔"

بیگم آفندی اس وقت یکسر مختلف روپ میں خود اپنے آپ کو اجنبی لگ رہی تھیں کیونکہ ہمیشہ تفاخر سے گردن اکڑا اکڑا کر احسان کرنا وہ اپنا حق سمجھتی تھیں اور احسان تو وہ ابھی بھی کر رہی تھیں لیکن اس کے ساتھ جو عاجزی ظاہر کرنی پڑ رہی تھی، وہ ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ بہرحال اپنے مقصد کے لیے انہوں نے خود پر جبر کیا تھا تو اعزاز احمد کو زیر کر کے ہی اٹھی تھیں۔

☆☆☆☆

وہ ناشتہ بنانے کے لیے کچن میں آئی تو وہاں رابعہ پہلے سے موجود تھی، جس پر اسے حیرت ضرور ہوئی لیکن اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا، اس لیے بہت خاموشی سے اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔ رابعہ بھی خلاف عادت خاموش رہی تھی۔ کتنی دیر دونوں کے درمیان کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ سوہنی اور عثمان تیار ہو کر آئے تو اس نے ناشتے کی ٹرے سوہنی کو تھما دی پھر دوسری ٹرے میں ابو اور امی کے لیے ناشتے کے لوازمات رکھ کر رابعہ کو دیکھنے لگی۔

رابعہ نے پہلے ٹرے پر نظر ڈالی پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "ہاں، لے جاؤ۔"

"میں نہیں جا رہی۔" وہ انکار کر کے کیبنٹ میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

"میں بھی نہیں جا رہی۔" رابعہ نے زور دے کر کہا تو وہ کچھ ٹھٹک کر اس کی طرف پلٹی۔

"کیوں؟"

"پہلے تم بتاؤ۔ تم کیوں نہیں جا رہیں؟" رابعہ نے ٹوکا تو وہ کچھ الجھی پھر پرسوچ انداز میں بولی۔

"پہلے میں بتاؤں۔ اس کا مطلب ہے، کوئی بات ہے لیکن ہماری باتوں میں یہ ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"افوہ!" رابعہ نے جھنجھلا کر ٹرے اٹھائی تھی کہ سوہنی آ گئی۔

"اچھا باجی، آپی۔ ہم جا رہے ہیں۔"

"جاتے جاتے یہ کام کرتی جاؤ۔" رابعہ نے فوراً ٹرے سوہنی کو تھما دی پھر اس کی طرف پلٹی تو وہ فوراً بولی۔

"پہلے تم بتاؤ گی۔"

"کیا بتاؤں، کچھ سمجھ میں آ رہا ہو تب ناں۔ بس کل سے دیکھ اور محسوس کر رہی ہوں کہ ابو کچھ پریشان، کچھ بوکھلائے ہوئے ہیں اور رات میں نے امی سے پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ ٹال گئیں۔"

رابعہ نے کہا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"میں نے رات بہت دیر تک امی ابو کو باتیں کرتے سنا ہے۔ یعنی میں ایک نیند لے چکی تھی۔ بس اچانک آنکھ کھل گئی پھر پانی کے لیے کمرے میں سے نکلی تو امی ابو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس وقت غالباً دو بجے تھے۔ پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے۔ مجھے تو تشویش ہونے لگی ہے۔"

"ابو آفس چلے جائیں پھر امی سے پوچھیں گے۔" رابعہ خود سے بولی۔

"وہ بتائیں گی۔ میرا مطلب ہے، رات تو تمہیں ٹال دیا تھا۔" اس نے مایوسی کا اظہار کیا۔

"اس وقت ابو تھے ناں، اس لیے میں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔ بہرحال کچھ کچھ اندازہ ہے مجھے کہ میرے یا تمہارے سسرال سے کوئی بات ہوئی ہے جب ہی اتنی رازداری برتی جا رہی ہے۔"

"میرے سسرال سے کیا بات ہو سکتی ہے۔" وہ ٹھٹک کر بیگم آفندی کو سوچنے لگی تو اس کا دل مزید اندیشوں میں گھر گیا۔

"چلو، ہم ناشتہ کرلیں۔" رابعہ نے سر جھٹک کر کہا تو وہ چونکی پھر جلدی سے مگ اتار کر ان میں چائے ڈالنے لگی۔

پھر دونوں برآمدے میں تخت پر آ بیٹھیں اور خاموشی سے ناشتہ کرنے لگیں۔

کچھ دیر بعد ابو اپنے کمرے سے نکلے تو انہیں دیکھتے ہی رابعہ بلا ارادہ پوچھ گئی۔

"آفس جا رہے ہیں ابو؟"

"ہاں بیٹا!" ابو نے ایک لحظہ رک کر دونوں کو دیکھا پھر خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے تو وہ آہستہ آواز میں رابعہ سے بولی۔

"فوراً مت شروع ہو جانا بلکہ انتظار کرو، شاید امی خود بتائیں۔"

"مجھ میں صبر نہیں ہے۔" رابعہ نے اٹھ کر امی کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی۔

"میں رکھ دوں گی۔ تم ناشتہ کرو۔" امی نے کہا۔

"کر چکی۔ تم اور چائے لو گی؟" رابعہ نے کچن میں جاتے جاتے اس سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر امی سے مخاطب ہو گئیں۔

"آئیے امی! بیٹھیں۔"

"سوہنی اور عثمان کالج چلے گئے؟" امی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔"

"سلمان نہیں آیا اس دن کے بعد سے۔" امی نے کہا تو وہ بے دھیانی میں بولی۔

"کس دن کے بعد سے؟"

"وہی تمہاری منگنی والے دن آیا تھا، اس کے بعد شکل ہی نہیں دکھائی۔" امی نے سیدھے سادے انداز میں کہا پھر بھی وہ جھینپ گئی۔

"کون۔ کس نے شکل نہیں دکھائی؟" رابعہ نے آتے ہوئے امی کی بات سن کر پوچھا۔

"سلمان کی بات کر رہی ہوں۔ بہت غیر ذمہ دار ہو گیا ہے۔"

"ہو گیا ہے سے کیا مطلب۔ شروع سے ایسے ہی ہیں۔" رابعہ ہمیشہ سلمان سے نالاں ہی رہتی تھی۔ سر جھٹک کر بولی۔ "خیر چھوڑیں انہیں اور یہ بتائیں ابو کس بات سے پریشان ہیں۔"

"پریشان؟ نہیں تو۔ تم سے کچھ کہا انہوں نے؟" امی نے الٹا رابعہ سے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے لگ رہے تھے بلکہ فائقہ کو بھی۔ کیوں فائقہ! ابو کل سے پریشان نہیں لگ رہے؟" رابعہ نے اسے بھی گھسیٹ لیا تو وہ بوکھلا کر بولی۔

"پتہ نہیں۔"

"لو، مجھ سے تو کہہ رہی تھیں۔"

"اچھا چھوڑو تم دونوں یہ فضول باتیں اور میری سنو۔" امی نے انہیں ٹوک کر کہا تو دونوں ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جی۔"

"پہلے تو ڈاکٹر عفان کی بہن کو فون کر کے شام میں آنے کا کہہ دو۔" امی نے ابھی بات شروع کی تھی کہ رابعہ بول پڑی۔

"کیوں؟"

"سنو گی تو پتہ چلے گا۔ تمہاری شادی کی تاریخ طے کرنی ہے۔" امی نے رابعہ کے ٹوکنے پر جھنجلا کر کہا۔

"سچ!" فائقہ نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا تو امی اسے دیکھ کر بولیں۔

"ہاں۔ تم دونوں کی شادی۔"

"اب میں کہوں سچ۔" رابعہ اسے دیکھ کر ہنسی پھر فوراً امی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ہاں آپ کیا کہہ رہی تھیں بلکہ یہ بتائیں کیا ابو کی کوئی لاٹری نکلی ہے جو ہم دونوں کی شادی۔"

"یہی سمجھ لو۔" امی نے کہا تو وہ بہت خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی جبکہ رابعہ سوال پر سوال کرنے لگی جس پر امی اسے ڈانٹ کر بولیں۔

"تمہیں ان باتوں سے کیا۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ فائقہ! ڈاکٹر کی بہن کو فون کرو اور سلمان کو بھی۔ اس سے کہنا۔ شام میں ادھر ہی آ جائے۔"

"جی۔" وہ یوں بھی وہاں سے ہٹنے کا بہانہ سوچ رہی تھی جب ہی فوراً اٹھ گئی اور دونوں جگہ فون کر کے سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ ناممکن کو ممکن بنانے والی بیگم آفندی ہی ہوں گی۔

"پتہ نہیں۔ میڈم نے ابو سے کیا کہا ہے جو ابو فوری شادی پر آمادہ ہو گئے، لیکن یہ سب ہو گا کیسے۔ ضرور میڈم نے پھر احسان کیا ہو گا چیک کی صورت۔ کوئی احسان نہیں۔ ان کی اپنی غرض ہے۔"

لیکن ابو کہاں سمجھ سکتے ہیں۔" اس کے ذہن میں مسلسل تکرار ہو رہی تھی۔ پھر امی کی آواز سن کر وہ بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے میں لگ گئی۔

"فائقہ! امی نے کمرے میں آ کر پکارا تو وہ سیدھی ہو کر بولی۔

"جی امی۔"

"وہ دوپہر کے بعد تم تیار رہنا۔ تمہاری میڈم گاڑی بھجوائیں گی۔ چلی جانا۔"

امی نے قدرے رک کر کہا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر انہیں کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں سب جاننا چاہتی ہوں امی! مجھ سے کچھ مت چھپائیں۔"

"کیا چھپا رہی ہوں میں اور تم کیا جاننا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ شادی کے لیے ابو کے پاس پیسہ۔" وہ جھجک کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"تمہاری میڈم نے دیا ہے۔ اصل میں ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے اور شاید بیمار بھی رہتی ہیں اس لیے تمہارے ابو نے ہامی بھر لی اور قرض سمجھو۔ ہم سب لوٹا دیں گے اور ہاں یہ تم شہریار کو مت بتانا۔ انہوں نے منع کیا ہے۔ اس بے چارے کو تو اپنی ماں کی بیماری کا بھی پتہ نہیں ہے۔ اللہ رحم کرے۔ کتنی اچھی نیک خاتون ہیں، اللہ انہیں صحت و تندرستی دے۔ اپنے بیٹے کی خوشیاں دیکھیں۔"

امی احسان مندی سے مغلوب پھر بیگم آفندی کو دعائیں دینے لگیں تو اس نے گھبرا کر انہیں پکار لیا۔

"امی......!"

"ہاں۔" امی کی سوالیہ نظروں پر وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولی۔

"وہ۔ میں یہ پوچھ رہی تھی کہ میڈم گاڑی کیوں بھجوائیں گی؟"

"تمہیں بلوایا ہے انہوں نے شادی کی شاپنگ کے لیے۔ کہہ رہی تھیں، تمہاری پسند سے کریں گی۔" امی نے بتایا تو وہ سوچ کر بولی۔

"لیکن آج میں کیسے جا سکتی ہوں۔ میرا مطلب ہے شام میں ڈاکٹر عفان کی بہن آئیں گی۔"

"تو کیا ہوا۔ کوئی لمبا چوڑا پروگرام تو نہیں ہے، جو ہم باقی کام چھوڑ دیں اور دن ہی کتنے ہیں۔ بارہ تاریخ طے کر آئے ہیں تمہارے ابو۔"

"بارہ کون سے مہینے کی؟"

"یہی اگلا مہینہ۔" امی اٹھتے ہوئے بولیں۔ "بہت کم دن ہیں۔ اللہ کرے شام میں سلمان آ جائے تو فرنیچر کی خریداری اس پر ڈال دوں گی اور ہاں عظام کو بھی فون کیا تم نے؟"

"نہیں۔ عظام بھائی کا کب کہا تھا آپ نے۔"

"جاؤ اب کر دو۔ کہنا میں نے بلایا ہے۔ رات میں فرصت سے آ جائے۔"

"جی۔" وہ امی کے ساتھ ہی کمرے سے نکلی پھر لابی میں آ کر عظام کے آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"السلام علیکم عظام بھائی!" دوسری طرف سے ان کی آواز سن کر اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ خیریت سے ہو؟" عظام کے مخصوص انداز پر وہ مسکرا کر بولی۔

"جی۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں۔"

"میں کیا سناؤں بی بی! میرے پاس تو کوئی نئی تازی نہیں ہے۔ خیر یہ بتاؤ، کیسے یاد کیا۔" انہوں نے پوچھا تو وہ زور دے کر بولی۔

"امی یاد کر رہی ہیں آپ کو۔"

"خیریت؟"

"جی انہیں کوئی کام ہے آپ سے۔ کہہ رہی ہیں رات میں فرصت سے آیئے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ حاضر ہو جاؤں گا۔" انہوں نے کہا تو اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا اور پلٹی تو رابعہ کو دیکھ کر بلاارادہ کہہ گئی۔

"عظام بھائی سے بات کر رہی تھی۔"

"میں نے تم سے پوچھا ہے کہ کس سے بات کر رہی تھیں؟" رابعہ نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"لیکن میں ضرور پوچھوں گی کہ تم کسے فون کر رہی ہو۔"

"ڈاکٹر عفان کو......" رابعہ نے اترا کر بتایا تو وہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆☆

اس کا خیال ٹھیک تھا۔ بیگم آفندی نے شہریار کے کہنے پر اسے بلوایا تھا۔ وہ خود بھی موجود تھیں اور اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چمکی تھی، اس سے وہ کچھ خائف سی ہو کر سلام کرنا

بھول گئی۔

"ہیلو!" شہریار نے کھڑے ہو کر اسے متوجہ کیا تب وہ چونک کر بولی۔

"السلام علیکم۔"

"ہاں۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا......" بیگم آفندی اسے جواب دینے کے بجائے شہریار سے مخاطب ہو گئیں تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

"جیسا آپ کہیں۔"

"میں چاہتی ہوں، تم دونوں اپنی خاص شاپنگ آج کر لو۔ یعنی ویڈنگ ڈریس، میچنگ جیولری اور ایک منٹ، میں نے رات لسٹ بنائی تھی، وہ لے کر آتی ہوں۔"

بیگم آفندی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں تو شہریار اسے دیکھ کر بولا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے بیٹھتے ہوئے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تو وہ آہ بھر کر بولا۔

"کیا بتاؤں۔ کیسے گزر رہے ہیں یہ دن۔"

"بس۔" اس نے گھبرا کر ٹوک دیا۔ "میڈم آ رہی ہیں۔"

"کون میڈم......؟" شہریار نے قصداً انجان بن کر پوچھا۔

"آپ کی ماما......"

"میری ماما اور تمہاری کیا ہوئیں؟"

"ماما......!" اس بار اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی جبکہ نظریں بیگم آفندی پر تھیں جو لسٹ دیکھتی ہوئی آ رہی تھیں اور قریب آ کر وہ لسٹ شہریار کو تھما کر بولیں۔

"یہ ساری شاپنگ تمہیں آج ہی کرنی ہے۔"

"جتنی ہو سکی۔ باقی کل......" شہریار نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

"کل فائقہ تمہارے ساتھ نہیں ہو گی۔"

"کیوں؟" وہ پوچھ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ فوراً نظروں کا زاویہ بدل کر انجان سی بن گئی۔

"تم جرح بہت کرتے ہو شیری۔" بیگم آفندی نے جھنجلا کر ٹوکا۔

"سوری ماما! ناراض کیوں ہوتی ہیں۔ اب کوئی سوال نہیں کروں گا۔ چلو فائقہ! آج کی تاریخ میں یہ شاپنگ کرنی ہے۔"

وہ جلدی جلدی بولتا ہوا چل پڑا تو وہ اجازت طلب نظروں سے بیگم آفندی کو دیکھنے لگی۔

"جاؤ اور ذرا سنبھل کر رہنا۔"

اجازت کے ساتھ بیگم آفندی کی تنبیہ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آئی پھر بھی وہ سلگ گئی تھی اور ان پر تو بس نہیں چلا جب شہریار کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو کہنے لگی۔

"شیری! مجھے ماما پر بہت ترس آتا ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں وہ بہت اسٹرانگ لگتی ہیں۔"

"وہ اسٹرانگ ہیں۔" شہریار فوراً بولا تو وہ ہونٹ بھینچ گئی۔

شہریار نے ویو مرر میں اسے دیکھا اور جب گاڑی مین روڈ پر لے آیا تب پوچھنے لگا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔ آئی مین ماما کے بارے میں۔"

"یہی کنفرم کرنا چاہ رہی تھی کہ آیا وہ صرف دیکھنے میں اسٹرانگ لگتی ہیں یا واقعی اسٹرانگ ہیں لیکن آپ کو شاید میری بات بری لگی۔ آئی ایم سوری۔" اس نے سنبھل کر بات بناتے ہوئے معذرت کی۔

"نو۔ نو سوری...... مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگتی۔ بس ماما کے بارے میں...... خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ، تمہارے گھر میں سب کیسے ہیں؟" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ بات بدل گیا۔

"ٹھیک ہیں۔"

"اور وہ کیا نام ہے ان کا۔ وہ تمہارے ماموں زاد۔"

"عظام بھائی۔"

"ہاں یہی نام بتایا تھا انہوں نے۔ بہت امپریسیو پرسنالٹی ہے ان کی۔ کچھ الگ بلکہ نمایاں نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ ان کی وجاہت نہیں بلکہ کیا کہوں، میں شاید سمجھ نہیں پایا، یا شاید مجھے الفاظ نہیں مل رہے۔ تم بتا سکتی ہو۔"

وہ عظام کو سوچتے ہوئے بول رہا تھا اور آخر میں کچھ الجھ کر اسے دیکھا تو وہ جو بہت غور سے اسے دیکھنے اور سننے لگی تھی اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی پھر بیک سے ٹیک لگا کر بولی۔

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے تو وہ اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں لگتے۔"

"شادی ہو گئی ان کی؟" شہریار نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں بلکہ ابھی کچھ دن پہلے میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی کو پسند کرتے تھے یا ہو سکتا ہے کوئی اور بات ہو۔ بہرحال وہ اس موضوع پر بات نہیں کرتے۔ اس لیے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"اوکے۔" وہ گاڑی پارک کر چکا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا تو جواباً وہ بھی مسکرائی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

پھر لسٹ کے مطابق وہ جہاں جہاں رکا وہ بھی رک گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ وہ جس چیز کے بارے میں اس کی رائے پوچھتا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر کہتی۔ "پتہ نہیں۔"

"کیا پتہ نہیں۔" آخر وہ جھنجلا گیا۔ "یہ سب تمہارے لیے ہے۔" "تم اپنی پسند بتاؤ۔"

"اوں ہوں۔" اس نے بڑے آرام سے نفی میں سر ہلایا تو وہ حیران ہوا۔

"کیوں تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا؟"

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"پھر تم خاموش کیوں ہو۔ بولتی کیوں نہیں۔" شہریار نے خفگی سے کہا۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں، مجھے آپ کی پسند اچھی لگ رہی ہے اور میں چاہتی ہوں آپ بس اپنی مرضی سے خریدیں۔ پلیز یہ میری خواہش ہے۔"

اس نے صاف گوئی سے کہا تو وہ خاموش ہو گیا اور اس پر سے نظریں ہٹا کر جیولری کے ڈیزائن دیکھنے لگا۔

وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ ہر شے میں خوبصورتی اور نفاست کو اہمیت دے رہا تھا۔ تب اس کی نظریں دیوار گیر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگی تھیں کہ ہلکی چیخ نما آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

"ہائے شیری!"

"ہائے۔" لڑکی کے برعکس شہریار کے انداز میں قدرے سرد مہری تھی۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟" لڑکی کے بے تکے سوال پر وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"ظاہر ہے، جیولری دیکھ بلکہ پسند کر رہا ہوں۔"

"ماما کے لیے؟" یہ دوسرا بے تکا سوال تھا۔

"نہیں۔ اس کے لیے۔" وہ ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"یہ......"

"یہ فائقہ ہے، میری منگیتر۔" شہریار نے مسکرا کر بتایا تو لڑکی نے حیرت سے سرتاپا اسے دیکھا پھر شہریار سے بولی۔

"سچ کہہ رہے ہو۔"

"جھوٹ کیوں کہوں گا۔"

"لیکن شیری تم۔ آئی مین تمہیں تو......" لڑکی کے الجھنے پر وہ بول پڑی۔

"کینسر تھا۔ یہی کہنا چاہ رہی ہیں ناں آپ؟"

لڑکی نے رک کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ "ہاں۔ ماما نے یہی کہا تھا۔"

"مذاق کیا تھا انہوں نے۔ کیوں شیری؟" وہ شہریار کا ہاتھ دبا کر اسے دیکھنے لگی اور وہ اسے کیوں جھٹلاتا۔ بڑی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"لیکن ماما نے ایسا مذاق کیوں کیا تھا؟" لڑکی ناگواری سے بولی تھی۔

"شاید وہ محبتوں کو پرکھنا چاہتی تھیں۔" شہریار نے کچھ جتا کر کہا تو لڑکی انجان بن گئی۔

"کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔"

"سمجھو نہ سمجھو لیکن یہ یاد رکھنا، بارہ کو میری شادی ہے اور تمہیں ضرور آنا ہے۔ اوکے۔"

وہ اسے باور کرا کے رخ موڑ گیا اور جو جیولری پسند کی تھی، اسے آرڈر کر کے اس سے بولا۔

"چلو فائقہ!"

"کون تھی؟" اس نے باہر آتے ہی پوچھا تو وہ مختصراً بولا۔

"نتاشا۔"

"اور......؟" اس نے چھیڑنے والے انداز میں ٹوکا۔

"اور کچھ نہیں۔" وہ چڑ کر بولا پھر بھی وہ باز نہیں آئی۔

"پھر آپ کی منگنی اور شادی کا سن کر بجھ کیوں گئی تھی؟"

"سنو۔" وہ رک کر بولا۔ "میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی اور ابھی تو تم صرف ایک سے ملی ہو۔ آئندہ ایسی اور بھی ملیں گی۔"

"اچھا تو آپ رک کیوں گئے۔ چلتے جائیں۔" وہ کہہ کر چل پڑی۔

"سنو۔ ابھی کچھ چیزیں باقی ہیں۔" وہ اس کے ساتھ ہو کر بولا۔

"بس اب مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ بھوک بھی لگ رہی ہے اور......"

"چلو پہلے کھانا......" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"نہیں شیری! بہت دیر ہو گئی ہے۔ کھانا گھر۔" اس نے سہولت سے منع کیا لیکن وہ مانا نہیں اور اس کا ہاتھ تھام کر قریبی ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا تھا۔

"آٹھ بج گئے۔"

اس نے بیٹھتے ہی گھڑی پر نظر ڈال کر تشویش ظاہر کی، لیکن شہریار نے کوئی توجہ نہیں دی اور مینیو کارڈ اٹھا کر دیکھنے لگا، پھر نشان لگا کر ویٹر کو تھمانے کے بعد بڑے آرام سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر نظریں اس پر جما دیں۔

وہ کچھ دیر انجان بنی رہی پھر اس کی براہ راست نظروں سے پریشان ہو کر بولی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" شہریار نے الٹا اسے ٹوکا تو وہ سمجھی نہیں۔

"کیسا۔ کیا کیا ہے میں نے؟"

"کیا کیا ہے۔ میں اتنے شوق سے تمہیں اپنے ساتھ لایا تھا لیکن تم نے کسی چیز میں دلچسپی نہیں لی، یوں بنی رہیں جیسے میں تمہارے لیے نہیں کسی اور کے لیے لے رہا ہوں۔"

شہریار نہ چاہتے ہوئے بھی ناراضی کا اظہار کر گیا تو وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں، یقین کریں مجھے آپ کے ساتھ آ کر بہت اچھا لگا اور جہاں تک دلچسپی کی بات ہے تو میرے لیے دلچسپی کپڑوں اور جیولری میں نہیں بلکہ آپ کی پسند میں ہے۔ مجھے ہر وہ شے بہت عزیز رہے گی جسے آپ نے میرے لیے پسند کیا ہوگا۔"

"ہاں یہ چیزیں ہی تو رہ جائیں گی۔" وہ گہری سانس کھینچ کر بولا تھا۔

"شیری!" اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ "میں مر جاؤں گی اگر آپ نے ایسی کوئی بات کی تو۔"

"ارے رے۔ رونا نہیں۔ تمہارے اس روز کے آنسو مجھے ابھی تک بے چین رکھتے ہیں۔"

شہریار نے فوراً سنبھل کر ٹوکتے ہوئے کہا۔ تو وہ آنسو روکنے کی کوشش میں نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔

"اچھا سنو۔ تمہیں پتہ ہے میری آواز بہت اچھی ہے۔" وہ اس کا دھیان بٹانے لگا۔ "جب میں گاتا ہوں تو اڑتے پنچھی ٹھہر جاتے ہیں۔"

"واقعی۔" وہ واقعی بہل گئی تھی۔

"ہاں لیکن ابھی گانے کی فرمائش مت کرنا سب لوگ......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر سامنے بیٹھی خاتون کی گود میں چھوٹی سی بچی کو دیکھنے لگا تھا۔

وہ اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن پیچھے موڑ کر دیکھنے لگی لیکن کچھ سمجھی نہیں تو اسے پکار کر پوچھنے لگی۔ "شیری! کیا ہوا ہے؟"

"ہیں۔ وہ بچی۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنی کیوٹ ہے بالکل اس کی طرح......" وہ چونکنے کے ساتھ بولا تھا۔

"کس کی طرح؟" اس نے پوچھا تو وہ اپنی بے دھیانی میں ہنس کر بولا۔

"ہے ایک بچی۔ چلو کھانا کھاؤ۔ تمہیں بہت بھوک لگ رہی تھی۔"

"بہت دیر ہو گئی شیری! کھانا کھاتے ہی چل پڑیں گے۔" وہ کہہ کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی تھی۔

❀❀❀

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ رابعہ کے ساتھ مارکیٹ جانے کا پروگرام بنا رہی تھی کہ مامی جی آ گئیں جنہیں دیکھ کر رابعہ نے آواز دبا کر ناگواری کا اظہار کیا۔

"یہ اس وقت کیوں آ گئیں۔"

"ہم......" اس نے رابعہ کو گھورا پھر فوراً اٹھ کر مامی جی کے گلے لگ گئی۔

"السلام علیکم مامی جی۔"

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔" مامی جی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دعائیں دیں پھر اسی طرح رابعہ کو گلے لگایا تو وہ پوچھنے سے باز نہیں آئی۔

"کیسے آئیں مامی جی؟"

"رکشہ سے۔" مامی جی نے بتایا تو وہ اپنی بے ساختہ ہنسی چھپانے کے لیے تخت پوش پر چادر ٹھیک کرنے میں لگ گئی۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے۔" رابعہ اپنی بات کی وضاحت کرنے جا رہی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"آئیے مامی جی! بیٹھیں۔"

"امی کہاں ہیں تمہاری؟" مامی جی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"امی اندر ہیں۔ امی!" اس نے بتا کر امی کو پکارا۔ "امی! مامی جی آئی ہیں۔"

"اکیلی!" رابعہ کو بھی پریشانی تھی کہ وہ اکیلی کیسے آ گئیں۔

"ہاں مامی جی آپ اکیلی آئی ہیں۔ اسماء یا عظام بھائی۔" اس نے فوراً مامی جی کی توجہ کھینچ لی۔

"عظام کہاں ہوتا ہے اس وقت اور اسماء بھی کام میں لگی تھی۔ میں نے پڑوس کے بچے سے رکشہ منگوایا اور چلی آئی۔"

"اچھا کیا۔" اس نے رابعہ کو گھورتے ہوئے کہا تب ہی امی آ گئیں اور مامی جی سے مل کر بیٹھیں تو پوچھنے لگیں۔

"خیریت تو ہے بھابی! آپ کیسے آ گئیں؟"

"مبارک باد دینے آئی ہوں۔ رات عظام نے بتایا۔ ماشاءاللہ دونوں بچیوں کی تاریخ طے ہو

گئی۔ اللہ مبارک کرے اور ہاں، ابھی میں دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔" مامی جی نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو رابعہ زور سے چیخی۔

"کیا۔ ہم آپ کے ساتھ۔"

"ہاں بیٹی! یہ ہمارے ہاں کا رواج ہے۔ لڑکی کی شادی طے ہو جائے تو پھر وہ اپنے چچا، تایا، ماموں کے ہاں دو دو دن رہ آتی ہے، اب تمہارے چچا تایا تو یہاں ہیں نہیں لیکن ماموں تو ہیں۔"

مامی نے دھیرج سے سمجھاتے ہوئے کہا تو امی ان کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

"بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ پھر شادی کے بعد لڑکی کو کہاں موقع ملتا ہے تایا، ماموں کے ہاں رہنے کا۔ ماں باپ کے ہاں بھی اپنی مرضی سے نہیں آ سکتیں۔"

اس نے رابعہ کو دیکھا تو وہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑائی۔

"میں تو نہیں جاؤں گی۔"

"میں چائے لاتی ہوں۔"

وہ اس ڈر سے کہ کہیں رابعہ مامی جی کے سامنے کچھ الٹا سیدھا نہ بول دے فوراً چائے کا کہہ کر جانے لگی کہ مامی جی روک کر بولیں۔

"چائے نہیں بیٹی! بس ٹھنڈا پانی پلا دو۔"

"جی۔" وہ جلدی سے کولر سے گلاس بھر کر لے آئی اور مامی جی کو تھما کر رابعہ کو اندر چلنے کا اشارہ کیا لیکن وہ نفی میں سر ہلا کر وہیں بیٹھ گئی۔

"خوش رہو۔" مامی جی نے گلاس خالی کر کے اسے تھمایا پھر بڑے پیار سے رابعہ سے پوچھنے لگیں۔

"چلو گی نا میرے ساتھ۔"

"چلنے پر تو مجھے اعتراض نہیں مامی جی! لیکن یہاں جو اتنے کام ہیں، وہ کون کرے گا۔"

"ہو جائیں گے، انشاء اللہ سب کام ہو جائیں گے۔ تم فکر نہیں کرو۔" مامی جی نے کہا تو امی بول پڑیں۔

"فکر تو ہے بھابی! اتنے تھوڑے دن ہیں۔ فائقہ کی ساس نے تو خیر ہر شے کو منع کر دیا ہے۔ کپڑے تک نہیں بنانے دے رہیں، لیکن رابعہ کے لیے تو کرنا ہے۔ ابھی بھی یہ دونوں بازار جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔"

"ہاں تو ہو آؤ بازار سے یا ایسا کرو میرے ہاں سے چلی جانا، وہاں سے قریب بھی پڑے گا۔ اسماء بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔ بے چاری روز مجھ سے کہتی ہے اور میرا تو تمہیں پتہ ہے،

چار قدم چل کر ہانپ جاتی ہوں۔"

مامی جی گویا طے کر کے آئی تھیں کہ انہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں گی اور اسماء کا کہا تو ٹال نہیں سکتی تھیں، وہ دونوں امی کو دیکھنے لگیں۔

"ہاں اگر اسماء کو جانا ہے تو پھر تم دونوں ادھر ہی سے چلی جانا۔" امی نے کہا تو رابعہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"لیکن میں وہاں رکوں گی نہیں، یعنی شام میں آ جاؤں گی۔"

"کیوں بیٹی؟"

"وقت کم ہے مامی جی اور اتنے بہت سارے کام۔ چلو فائقہ! جلدی سے چینج کر لو۔"

رابعہ نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ اس کے ساتھ اندر آ کر بولی۔

"تم نے خواہ مخواہ منع کیا۔ ایک دن رہنے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔"

"تمہیں کس نے منع کیا ہے۔ تم رہ جانا اور ایک کیا جتنے دن چاہو، میں بہرحال شام کو آ جاؤں گی۔"

"تم آ جانا۔" اس نے کہہ کر وارڈ روب کھول لی۔

پھر پندرہ منٹ میں دونوں تیار ہو گئیں اور مامی جی کے ساتھ نکلتے ہوئے اس نے امی سے کہہ دیا کہ وہ آج وہیں رہے گی۔ جس پر امی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور اعتراض تو رابعہ نے بھی نہیں کیا، لیکن جھنجلا ضرور گئی تھی جب ہی اسماء نے جب شوق سے پوچھا "رہو گی؟" تو وہ تپے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"فائقہ رہے گی۔"

"اور تم......؟"

"میں بعد میں آ کر رہوں گی تاکہ تم میری خوب خاطر مدارات کرو۔" رابعہ نے گردن اکڑا کر کہا تو اسماء ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ تو میں اب بھی کروں گی۔"

"ہاں دیکھوں گی۔ کیا کرتی ہو۔"

"اُفوہ جاؤ اسماء! جلدی تیار ہو جاؤ، بازار جانا ہے۔" اس نے دونوں کی تکرار سے اکتا کر اسماء کو اندر دھکیل دیا تو رابعہ بڑی بے مروتی سے اس سے پوچھنے لگی۔

"تم بھی چلو گی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب تم نہ ہی جاؤ تو اچھا ہے، کیونکہ تمہیں کچھ خریدنا تو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ ہمارے سر پہ سوار رہو گی اور جلدی جلدی کی رٹ لگاؤ گی۔ ہے نا۔" رابعہ نے کہہ کر اس سے تصدیق چاہی تو وہ برا مان کر بولی۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پاتی، خیر میں نہیں جاتی۔"

"نہیں اگر چلنا ہو تو......"

"جی نہیں۔" وہ ناراض ہو گئی تو پھر رابعہ اور اسماء کے بھی بہت منانے اور منتیں کرنے پر بھی ان کے ساتھ جانے پر تیار نہیں ہوئی اور آرام سے مامی جی کے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی۔

"کیا بات ہو گئی؟" مامی جی نے رابعہ اور اسماء کے جانے کے بعد اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں مامی جی! بس میرا موڈ بدل گیا۔ پھر مجھے کچھ لینا بھی تو نہیں ہے۔" وہ سرسری انداز میں بولی۔

"ہاں۔ تمہاری امی بتا رہی تھیں کہ تمہاری ساس نے منع کر دیا ہے۔ اچھی عورت ہیں ورنہ بڑے لوگوں میں میں نے دیکھا ہے، ہوس زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے یہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ تمہاری قسمت اچھی ہے، بہت خوش رہو گی۔"

مامی جی اس کی محبت میں بول رہی تھیں اور وہ کیا کہتی۔ چپ چاپ سنتی رہی جب مامی جی خاموش ہوئیں تب اس نے موضوع ان کی طرف موڑ دیا۔

"مامی جی! آپ عظام بھائی کی شادی کیوں نہیں کرتیں؟"

"لو میں تو آج کرنے کو تیار ہوں۔ وہ مانے تب نا۔"

"کیوں نہیں مانتے؟"

"پتہ نہیں کیا سوچے ہوئے ہے۔ شروع میں جب نوکری سے لگا تھا، تب تو خود کہتا تھا پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ ایک دم خاموشی اختیار کر لی اور اب کہتا ہے پہلے اسماء کی ہو جائے۔ اللہ اسماء کے نصیب کھولے، مجھے اب زیادہ فکر اسی کی ہے۔ میری زندگی میں اپنے گھر بار کی ہو جائے۔"

"ارے مامی جی! مایوس کیوں ہو رہی ہیں۔ اللہ نے ہر کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے اور جب وقت آئے گا تو دیکھیے گا۔ اسماء کیا، عظام بھائی کے بچے اس آنگن میں کھیل رہے ہوں گے۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" مامی جی خوش ہو کر بولیں۔

"چلیں۔ اس خوشی میں ہم کھانا کھا لیں۔ وہ دونوں تو ابھی آنے والی نہیں ہیں اور مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں کھانا نکال لاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر کھانے کے بعد مامی جی نماز کے لیے اٹھ گئیں اور اس پر سستی سوار ہو گئی۔ لیٹتے ہی ایسی سوئی

کہ شام میں رابعہ کے جھنجوڑنے پر اٹھی تھی۔

"کب آئیں تم لوگ؟"

"مجھے آئے ہوئے تو چوبیس سال ہو گئے ہیں۔" رابعہ دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں دنیا میں آنے کی بات نہیں کر رہی۔ خیر یہ بتاؤ۔ ہو گئی تمہاری شاپنگ۔" اس نے پوچھا تو رابعہ شاپرز پر ہاتھ مار کر بولی۔

"کچھ ہو گئی۔ باقی کل اور ہاں تم جو یہاں رہنے کی بات کر رہی ہو تو کل میرے ساتھ بازار کون جائے گا۔"

"میں تو نہیں جاؤں گی۔ خواہ مخواہ تمہارے سر پہ سوار رہنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے صاف انکار کر کے رابعہ کی بات لوٹا دی۔

"بکو مت۔ تمہیں چلنا ہے۔" رابعہ بجائے شرمندہ ہونے کے مزید رعب سے بولی تب ہی اسماء چائے لے کر آ گئی۔

"خوب سوئیں تم۔"

"ہاں۔ کھانا کھاتے ہی ایسی نیند آئی کہ بس۔" وہ چائے کا گھونٹ لے کر بولی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ رات کے کھانے میں کیا بناؤں۔" اسماء نے باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھا تو رابعہ فوراً بولی۔

"ہم اتنی دیر نہیں رکیں گے۔ چلو فائقہ! جلدی چائے ختم کرو۔ شام ہونے سے پہلے نکل چلیں۔"

"ہائیں۔ تم نے تو کہا تھا فائقہ یہیں رہے گی اور تم بھی رک جاؤ۔ کیا ہے ایک رات کی تو بات ہے۔" اسماء نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"تم چلی چلو نا ہمارے ساتھ۔"

"میں آؤں گی۔ تین چار دن پہلے سے آ کر رہوں گی بشرطیکہ تم آج رک جاؤ۔"

"سوری یار! میں نہیں رک سکتی۔"

"اور تم۔" اسماء نے اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"میں نے جانے کی بات ہی نہیں کی۔"

"کر کے تو دیکھو، ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاؤں گی۔" اسماء نے پیار بھری دھمکی دی۔ "بس آج کی رات۔ کل مت روکنا اور ہاں رابعہ! تم کیسے جاؤ گی؟" وہ اسماء سے کہہ کر رابعہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"چلی جاؤں گی مامی جی کی طرح۔ میرا مطلب ہے اسماء کسی بچے کو بھیج کر رکشہ منگوا دو۔"

رابعہ اپنے شاپرز سمیٹتے ہوئے بولی تو اس نے اسماء کو جانے کا اشارہ کر دیا، کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ اب رابعہ کچھ دیر بھی نہیں رکے گی اور اگر اصرار کیا گیا تو چڑ جائے گی اس لیے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے چلی گئی۔

پھر رابعہ کے جانے کے بعد وہ مامی جی کے منع کرنے کے باوجود اسماء کے ساتھ کچن میں آ گئی اور کھانا پکانے کے ساتھ اسماء کے پوچھنے پر اسے شہریار کے بارے میں بتاتے ہوئے اس کی آواز کبھی پا لینے کی خوشی میں کھنکتی ہوئی لگتی اور کبھی کھو دینے کے خیال سے بھاری ہو جاتی، جس پر اسماء نے بار بار چونک کر اسے دیکھا اور آخر میں بولی تھی۔

"مجھے لگتا ہے تم اپنی خوشیوں سے خوفزدہ ہو۔ ہے نا؟"

"شاید۔" اس نے تصدیق نہیں کی تو تردید بھی نہیں کی پھر فوراً بات بدل گئی۔

"عظام بھائی نہیں آئے ابھی تک۔"

"آج کل دیر سے آتے ہیں۔" اسماء چولہا بند کرتے ہوئے بولی۔ "چلو اندر چلیں اور ہاں تمہیں بھوک لگے تو بتانا عظام بھائی کے انتظار میں بھوکا رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ گیارہ بارہ سے پہلے نہیں آئیں گے۔"

"اتنی دیر۔ کیا کہیں پارٹ ٹائم بھی کرنے لگے ہیں؟"

"نہیں۔" اسماء نے اسی قدر کہنے پر اکتفا کیا تو اس نے بھی مزید کچھ نہیں پوچھا اور اس کے ساتھ اندر آ گئی۔

پھر ماموں جی کے آنے پر اسماء نے کھانا لگا دیا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ کھانے میں شامل ہو گئی۔ اس کے بعد کتنی دیر تک ماموں جی ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور وہ چونکہ دوپہر میں لمبی نیند لے چکی تھی اس لیے آرام سے بیٹھی تھی، لیکن اسماء کا برا حال تھا۔ بار بار اسے وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کر رہی تھی، آخر بول پڑی۔

"گیارہ بج گئے ابو! سوئیں گے نہیں؟"

"گیارہ بج گئے۔ عظام نہیں آیا؟"

"آتے ہوں گے۔ چلو فائقہ!" اسماء نے اپنے ساتھ اسے بھی اٹھا دیا۔

"مجھے تو ابھی نیند نہیں آ رہی اور میں تمہیں بھی نہیں سونے دوں گی۔" اس نے برآمدے میں اسماء کو روک لیا۔

"میں سو نہیں رہی۔ ابھی تو عظام بھائی کے لیے کھانا گرم......"

بیل کی آواز پر اسماء بات ادھوری چھوڑ کر دروازہ کھولنے گئی تو وہ غیر ارادی طور پر ستون کی آڑ

میں ہو گئی اور جب عظام قریب سے گزرنے لگے تب بے اختیار بولی تھی۔

"یہ آپ کے آنے کا وقت ہے؟"

عظام نے ایک دم رک کر اسے دیکھا تو مسکرا بولی۔

"السلام علیکم۔"

"خوش رہو۔" عظام نے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"زیادہ بڑے ابا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ان کے پیچھے چلی آئی۔

"کب آئیں؟"

"صبح سے آئی ہوئی ہوں۔" اس کے بتانے پر عظام کو یاد آیا۔

"اچھا ہاں، صبح امی کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اور رابعہ کو لے آئیں گی، رابعہ کہاں ہے؟"

"وہ شام میں چلی گئی۔ آپ کیلئے کھانا لاؤں؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"اسماء لا رہی ہے۔" وہ وارڈروب کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "جاؤ تم چائے بناؤ۔"

"میں بھی پیوں گی۔" وہ فوراً ان کے کمرے سے نکل آئی۔ کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ انہوں نے چینج کرنے کے لیے چائے کے بہانے اسے جانے کو کہا ہے۔

اسماء کھانا گرم کر چکی تھی۔ اس نے کیتلی میں پانی ڈالتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"تم چائے پیو گی۔"

"نہیں بھئی، میں اب سوؤں گی اور تمہیں اس وقت چائے کا کیا شوق چرایا ہے۔" اسماء نے منع کرنے کے ساتھ اسے بھی ٹوکا۔

"عظام بھائی نے کہا ہے اور ان کے ساتھ میں بھی پی لوں گی۔"

"اور میں انہیں کھانا دے کر سونے جا رہی ہوں۔" اسماء ٹرے اٹھا کر کچن سے نکل گئی تو اس نے اس خیال سے چولہا دھیما کر دیا کہ عظام کھانا کھا لیں پھر چائے دم کرے گی۔

اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ چائے لے کر عظام کے کمرے میں آئی تھی۔

"مجھے پتہ ہے آپ بہت تھکے ہوئے ہیں، پھر بھی میں آپ کو سونے نہیں دوں گی۔ کیونکہ مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

عظام کو مگ تھما کر اپنے مخصوص موڑھے پر بیٹھتے ہوئے بولی تو انہوں نے چائے کا سپ لے کر پوچھا۔

"تمہیں نیند کیوں نہیں آ رہی؟"

"پوری دوپہر سوئی ہوں اس لیے۔"

''اور گھر میں سب خیریت ہے؟'' عظام نے پوچھا۔ ہا تھا۔ میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی اس

''ہوں۔'' وہ مگ ہونٹوں سے لگا چکی تھی جب ہی بس اکہ وہ تو کسی اور منزل کا مسافر ہے۔ اس

کر کہنے لگی۔ ابھرا کہ میں خود بھی حیران رہ گئی

''بہت کام ہیں گھر میں۔ مجھے بھی شام کو رابعہ کے ساتھ چلے گئی۔ کیونکہ میری چاہتوں نے کسی

لیے رک گئی۔ پتہ نہیں زندگی میں پھر کبھی میں آپ کے پاس اس طرح جستجو انگڑائیاں لینے لگی جس کا وہ

نہیں۔'' ہی بھی مایوس نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں

عظام اس کی ایسی بات پر ہمیشہ انجان بن جاتے تھے، لیکن آ

لگے تو وہ یونہی ذرا سا مسکرائی پھر کہنے لگی۔ بھی تم گیا تھا۔

''ہمیشہ میں بولتی ہوں لیکن آج میں صرف آپ کو سننا چاہتی ہے گئے۔ دور کہیں چوکیدار نے

تا لیے گا نہیں۔'' لب کر کے بولے۔

''تم اگر فضول باتیں کرو گی تو ضرور ٹالوں گا۔'' عظام سمجھ گئے تھے کر

ہی باور کرایا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔ ہوئی پھر دھیمی مسکراہٹ کے

''جی نہیں۔ میں کوئی فضول بات نہیں کرتی اور ابھی تو میں صرف سننا ہے۔ جسے میں نے اپنے

بارے میں جس سے آپ دس سال پہلے شادی کرنا چاہتے تھے۔'' ر کبھی ہنستی، کبھی روتی ہے

''کیا کرو گی سن کر۔ کیا کرو گی اس کے بارے میں جان کر۔''

''کچھ نہیں۔''

''تم واقعی کچھ نہیں کر سکتیں۔ سوائے افسوس اور دکھ کے اور میں اب جبکہ تم زندگی کے

روانہ ہونے جا رہی ہو تم سے کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا جو تمہیں دنوں بلکہ مہینوں آزا ہاتھ فروخت کیا

عظام نے دھیرج سے کہا تو وہ فوراً بولی۔ زار کھچا کھچ بھر

''آپ نہیں بتائیں گے تب بھی مجھے دکھ ہوگا۔'' ں دوران ایک

''ہاں لیکر اتنا نہیں کہ تم اسے سوچتی رہو اور میں نے بتانے سے منع تو نہیں کیا۔ بس پہنچی اور بڑے

دیکھو ضد نہیں کر ناورنہ فوراً کمرے سے نکال دوں گا۔'' عظام نے خاصی سنجیدہ شکل بنا کر

بہت برے ہیں آپ۔'' وہ ناراضی سے بڑبڑانے لگی تو عظام کچھ دیر اسے دیکھنے کے لیے بہت

اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھنے لگے۔ سے لے لو اور

''اچھا یہ بتا ؤ تم مجھ سے کیا لو گی۔ میرا مطلب ہے شادی کا تحفہ؟''

''میں کیوں لوں۔'' اس کا لہجہ ابھی بھی روٹھا ہوا تھا۔ نایاب کر

''سوچ لو۔ اس وقت موڈ میں ہوں۔ جو کہو گی وہی دوں گا۔'' ے جھکے

ہیں۔ سوت کی ڈھیریاں یہاں کس کام آئیں گی۔'' بڑھیا نے دلال سے کہا۔ ''میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہ لڑکا میرے ہاتھ کوئی فروخت نہیں کرے گا لیکن میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سب دوست اور دشمن یہ تو کہیں گے کہ بڑھیا بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں سے ہے۔'' ''تو عظام بھائی میری مثال بھی اس بڑھیا جیسی ہے۔ سب کہتے ہیں کہ یہ تو عظام کی دیوانی ہے اور میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔''

عظام بالکل بت بنے بیٹھے تھے۔ صرف ساعتیں ہی انہیں زندگی کا احساس دے رہی تھیں، باقی کچھ بھی نہیں تھا۔ سارے احساسات منجمد ہو گئے تھے۔ وہ خاموش ہوئی تو بھی ان کی ساعتوں میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔ کتنی دیر بعد وہ پھر گویا ہوئی۔

''آپ اب حیران ہو رہے ہیں اور میں ہمیشہ سے حیرت کدے میں ہوں کہ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی۔ کچھ نہیں چاہتی۔ پھر بھی مجھے لگتا ہے جیسے سب کچھ مجھے آپ سے ملے گا۔ شاید اس لیے کہ میرا آپ سے دنیاوی نہیں روحانی سمبندھ ہے۔ میری روح جب آپ کو پکارتی ہے آپ سامنے آ جاتے ہیں۔ کیا ہیں آپ؟ کیا اللہ نے آپ کو کوئی خاص صلاحیت عطا کی ہے، اگر کی ہے تو آپ ظاہر کیوں نہیں ہوتے۔ خود کو پوشیدہ کیوں رکھے ہوئے ہیں۔''

وہ خاموش ہو کر ان کے جواب کا انتظار کرنے لگی تو ان کے ساکت وجود میں بس اتنی حرکت ہوئی کہ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

''ہاہا...... '' اس نے سر اونچا کر کے آہ کھینچی تھی پھر انہیں دیکھ کر بولی۔

''چلیں چھوڑیں یہ ساری باتیں اور میری صرف ایک بات کا جواب دے دیں کہ وہ جو دو سال آپ گھر سے دور رہے تو کہاں چلے گئے تھے؟''

انہوں نے پہلے سر اونچا کیا پھر گہری سانس کھینچ کر گویا خود کو کسی شکنجے سے نکال کر بولے تھے۔

''تم کوئی اور بات نہیں کر سکتیں؟''

''اور کیا بات......؟''

''اپنی باتیں کرو۔ آنے والے دنوں کی، شہریار کی، مجھے تو وہ بہت اچھا، بہت پیارا لگا ہے۔ مخلص، وفادار......'' انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا کر بولی۔

''وہ سچ مچ ایسا ہی ہے۔ جب ہی تو میں نے اپنے دل کی ہر گلی اسے سونپ دی ہے ہمیشہ کے لیے۔ اس کے بعد بھی میں کسی......''

وہ بے دھیانی میں جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ ایک دم احساس ہونے پر نہ صرف خاموش ہوئی بلکہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عظام اس کی بات پر چونکے تھے، لیکن پھر اس کے اٹھنے پر ان کا دھیان بٹ گیا۔

"کیا ہوا......؟"

وہ خود پر قابو پانے کی سعی میں بس نفی میں سر ہلا سکی۔

"تھک گئیں۔ نیند آ رہی ہے؟" انہوں نے پوچھا پھر گھڑی دیکھ کر خود ہی بولے۔ "رات تو تقریباً بیت گئی۔ اب کیا سونا۔ خیر تم جاؤ میں۔"

"نماز پڑھیں گے؟"

انہوں نے جواب نہیں دیا اور آستینیں اوپر کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ پھر بولی۔

"میرے لیے ضرور دعا کیجیے گا۔"

"کیا دعا کروں؟" انہوں نے یوں پوچھا جیسے کسی بچے سے پوچھا جائے بازار سے تمہارے لیے کیا لاؤں۔

"بس ایک دعا کہ اللہ میرے شہزادے کو بہت لمبی عمر دے۔" وہ کہہ کر فوراً جانے لگی کہ انہوں نے پکار لیا۔ "سنو۔ کون سے شہزادے کو......"

"ہوں۔ دونوں۔ دونوں کو۔" وہ سوچتے ہوئے انداز میں کہہ کر مسکرائی تھی۔

☆☆☆☆

کسی کے درد محبت نے عمر بھر کے لیے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

یہ چند دن پر لگا کر اڑے تھے۔ پھر پہلے رابعہ رخصت ہوئی اور اگلے دن وہ شہریار آفندی کے سنگ بابل کا آنگن چھوڑ آئی تو وہاں اس کی توقع سے زیادہ اسے پذیرائی ملی تھی۔

بیگم آفندی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اپنے مہمانوں کو وہ میرج ہال سے رخصت کرنے کے بجائے گھر لے آئی تھیں اور ان کے درمیان اٹھلاتی پھر رہی تھیں۔ خصوصاً ان لوگوں کے سامنے تو باقاعدہ قہقہے لگا رہی تھیں، جنہوں نے شہریار کے کینسر کا سن کر اپنی بیٹیاں دینے سے انکار کیا تھا۔

وہ کچھ دیر یہ ساری گہما گہمی دیکھتی رہی، پھر قصداً سر جھکا لیا اور پلکوں کی جھالروں تلے دزدیدہ نظروں سے قریب بیٹھے شہریار آفندی کو دیکھتے ہوئے وہ صرف اور صرف اسے محسوس کر کے کسی خوبصورت تصور سے اپنے دل کے آنگن کو مہکائے رکھنا چاہتی تھی، لیکن بیگم آفندی کے قہقہے بار بار اس کی توجہ کھینچ کر اچانک اس کا دل دہلانے لگے تھے۔ تب اس نے بہت آہستہ سے شہریار کو پکار لیا۔

چاند نے جھک کے کہا
اور ذرا آہستہ

"یہ آپ کیسے ستارے تھے؟" فائقہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونکا پھر تارے کی طرف اشارا کر کے مسکرا کر بولا۔

"اسے......اور پتہ ہے پہلی بار اسے دیکھ کر، میں نے کیا خواہش کی تھی؟"

"کیا؟"

"کہ کاش میں اسے تمہاری مانگ میں سجا سکتا۔"

شہریار نے اپنی خواہش بتا کر، اس کی مانگ پر اپنے ہونٹ رکھ دیے تو اس کا دل چاہا اس کے سینے میں منہ چھپا کر بہت روئے کہ یا تو وہ اس سے اتنی محبت نہ کرے یا چھوڑ کر نہ جائے اور شاید یہ دونوں باتیں ہی اس کے اختیار میں نہیں تھیں۔

"دیکھو۔ کتنی حسین صبح ہے۔" شہریار نے اس کا چہرہ اونچا کر کے اجالے کی طرف متوجہ کیا۔

"ہوں۔" اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا اور بولتی تو آواز بھرا جاتی اس لیے ہوں کی آواز نکالی۔

"چائے پیو گی!"

"ہوں۔"

"ایک منٹ۔ میں رشید سے کہہ کر آتا ہوں۔"

وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو اس نے جلدی سے وارڈروب کھول کر ایک سوٹ نکالا اور واش روم میں بند ہو گئی۔

جب وہ نہا کر نکلی تو شہریار چائے کی ٹرے سامنے رکھے اخبار دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس نے جلدی سے بیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلایا پھر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کوئی خاص خبر ہے۔"

"ہوں۔ ہاں۔" وہ اخبار ایک طرف ڈال کر بولا۔ "خاص خبر یہ ہے کہ اس روئے زمین پر آج کی تاریخ میں سب سے خوش شہریار آفندی ہے۔"

"کون شہریار آفندی......؟" اس نے ٹرے اپنی طرف کھینچتے ہوئے زیر لب مسکرا کر پوچھا تو وہ بھی مصنوعی حیرت سے۔

"ہائیں۔ تم شہریار آفندی کو نہیں جانتیں۔"

"اونہوں۔"

"کمال ہے۔ پوری کائنات آج اس پر رشک کر رہی ہے اور تم......"

"میں اترا رہی ہوں۔" وہ فوراً بولی تو شہریار نے بیساختہ قہقہہ لگایا۔

"یہ تمہارا حق ہے۔"

"چائے لیں۔" اس نے کپ اٹھا کر شہریار کے آگے رکھ دیا تب ہی بیگم آفندی بغیر دستک دیئے دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔

"السلام علیکم۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کی تقلید میں شہریار بھی کھڑا ہو گیا۔

"آیئے ماما، ہمارے ساتھ چائے پئیں۔"

بیگم آفندی نے اس کے سلام کا جواب دیا نہ شہریار کی بات کا اور حیرت سے پوچھنے لگیں۔

"تم لوگ اتنی جلدی کیسے اٹھ گئے؟"

"ہم اپنی نئی زندگی کی اولین صبح دیکھنا چاہتے تھے۔" شہریار نے کہا تو بیگم آفندی قصداً مسکرائیں۔

"اچھا اچھا۔ اور یہ تم دونوں کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھو۔"

"آپ بھی بیٹھیں نا ماما! میں آپ کے لیے کپ منگواتا ہوں۔"

"نہیں بیٹا۔ میں نے ابھی جوس لیا ہے۔ چائے نہیں پیوں گی۔"

بیگم آفندی اُسے روک کر بیٹھ گئیں، تب وہ اپنا کپ اٹھا کر ان کے ساتھ والے صوفے پر آ بیٹھی کیونکہ ان کی براہ راست نظروں سے بچنا چاہتی تھی۔

"ہاں تو اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" بیگم آفندی نے شہریار کے بیٹھنے پر اسے متوجہ کر کے پوچھا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"میرا تو کوئی پروگرام نہیں ہے ماما! جیسا آپ کہیں۔"

"میں چاہتی ہوں آج تم دونوں آرام کرو تا کہ شام میں ولیمے کی تقریب میں فریش نظر آؤ۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں، ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ بے اختیار بولا تھا۔

"او کے، میں پھر جلدی ناشتہ تیار کروا دوں، اس کے بعد تم آرام کرنا۔"

بیگم آفندی اٹھ کھڑی ہوئیں تو اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا اور ان کے جانے کے بعد شہریار کو دیکھ کر بولی۔

"میں رابعہ کو فون کر لوں۔"

"یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو یا؟"

"بتا رہی ہوں۔" وہ فوراً بول پڑی۔

"اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں اختیار ہے یعنی میری طرف سے کسی بات کی کوئی پابندی

نہیں ہے او کے۔ تم فون کرو میں جب تک شیو بنا لوں۔"

وہ اس کے کھلے بالوں کی لٹ کھینچ کر بولا۔ پھر کارڈلیس اسے تھما کر واش روم میں چلا گیا تو اس نے پہلے کارنر ٹیبل سے اپنی ریسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا آٹھ بج رہے تھے تب کچھ سوچتے ہوئے اس نے نمبر ڈائل کر دیئے اور انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی، لیکن ریسیور نہیں اٹھایا گیا اس نے بار بار ٹرائی کرنے کے بعد آخر مایوس ہو کر کارڈلیس بند کر دیا اور ڈریسنگ روم میں آ کر اپنے بال سلجھاتے ہوئے وہ شہریار کی محبتوں پر مسکرانے لگی تھی کہ معاً بیگم آفندی کی باتیں یاد آ گئیں۔

"مجھے یقین ہے تم اپنا کردار خوبی سے نبھاؤ گی پھر بھی میں تمہیں باور کرا دوں کہ کبھی اپنی اوقات مت بھولنا۔"

"کیا ہے میری اوقات؟" اس کے اندر اچانک تنفر بھر گیا تھا اور برش پھینک کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔

"کل تک میں جو بھی تھی، لیکن آج میں شہریار آفندی کی بیوی ہوں، چہیتی بیوی اور بیگم آفندی کو میری اس حیثیت کو مدنظر رکھ کر مجھ سے بات کرنی ہو گی۔ جب تک میں اس گھر میں ہوں اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔ یہ میرا حق ہے کیونکہ میں نے شہریار آفندی کو دل سے قبول کر کے اپنی ساری وفاداریاں اس کے نام لکھ دی ہیں۔

"سنا تم نے بیگم آفندی! میں کوئی کھیل نہیں کھیل رہی۔" وہ آئینے کے قریب ہو کر زہر خند سے بول رہی تھی۔ یوں جیسے بیگم آفندی سامنے ہوں۔

"فائقہ!" شہریار کی آواز کمرے سے آئی تھی۔

وہ فوراً آئینے سے پرے ہٹ گئی اور اپنے کھلے بالوں کو جلدی سے ہیئر بینڈ میں مقید کر کے ڈریسنگ روم سے نکل آئی۔

"چلو ناشتہ کر لیں۔" شہریار نے اسے دیکھ کر کہا۔

"ناشتا...... میرا دل نہیں چاہ رہا، آپ جائیں۔" وہ کہہ کر آرام سے بیٹھ گئی تو وہ بھی بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے جب تمہارا دل چاہے گا، تب کر لیں گے۔"

"نہیں آپ......"

"اونہوں، تمہارے ساتھ۔" شہریار نے فوراً کہا تو وہ اس کی خاطر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں، اصل میں میرا سر بھاری ہو رہا ہے اور کچھ کھانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا، شاید نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے۔"

"ہوں، چلو جوس لے لینا۔" شہریار نے کہا تو وہ خاموش ہو کر اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں آ گئی۔

بیگم آفندی ٹیبل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر اپنی چیئر سنبھال کر بولیں۔

"آؤ بچو! میں نے تمہارے لیے خاص ڈشز بنوائی ہیں جو فائقہ کو یقیناً پسند آئیں گی۔"

"کیوں نہیں آپ نے اتنی محبت سے بنوائی ہیں تو ضرور پسند آئیں گی۔" شہریار نے اس کے لیے چیئر کھینچتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔" وہ بیٹھ گئی۔

"فائقہ!" شہریار اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگا۔ "تمہاری رابعہ سے بات ہو گئی؟"

"نہیں بیل جا رہی تھی لیکن کسی نے فون اٹھایا ہی نہیں۔" اس نے بتایا۔

"سو رہے ہوں گے۔" شہریار نے کہا تو بیگم آفندی پوچھنے لگیں۔

"کون، کس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہ فائقہ کی سسٹر رابعہ۔"

"کیا ہوا اسے؟"

"کچھ نہیں ماما! آپ ناشتہ کریں۔"

"تم بھی لو ناں اور تم کیوں خاموش ہو گئیں بولو ناں۔"

بیگم آفندی ایک دم اس کی طرف متوجہ ہو گئیں اور ایک ایک چیز اٹھا کر اس کے آگے رکھنے لگیں تو وہ چاہتے ہوئے بھی منع نہیں کر سکی۔ کیونکہ آج پہلے ہی دن وہ کوئی بدمزگی نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔ یوں بھی اسے رنجشوں سے خوف آتا تھا جب ہی لڑنے اور احتجاج کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود وہ خود پر جبر کر لیتی تھی اور یہاں وہ صرف شہریار کی وجہ سے مجبور تھی۔ ورنہ بیگم آفندی نے رات پہلے ہی مقام پر جس طرح اسے اس کی اوقات سمجھا کر اپنی اوقات دکھائی تھی اس سے وہ بری طرح تپی ہوئی تھی اور چاہتی تو اسی وقت ان کے مقابل ڈٹ سکتی تھی کیونکہ مجبور وہ بھی تھیں اتنی جلدی اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

بہرحال ناشتے سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں آ کر سو گئی تھی۔

شام کو بیگم آفندی کی خاص بیوٹیشن نے گھر آ کر اسے تیار کیا تھا۔ ولیمے کی تقریب بارہ دری میں تھی۔ جب وہ شہریار کا ہاتھ تھامے بارہ دری کی روش پر چل رہی تھی تو اس کی نظریں اپنے گھر والوں کو ڈھونڈنے لگیں، لیکن کوئی نظر نہیں آیا یہاں تک کہ وہ سٹیج پر آ بیٹھی۔

"السلام علیکم....." سب سے پہلے رامش سٹیج پر آ کر اس کے سامنے جھکا کا جھکا رہ گیا۔

وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر شہریار کو دیکھنے لگی تو وہ رامش کے سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"بس اب سیدھے ہو جاؤ۔"

"یہ کیا حرکت ہے شادی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ہاتھا پائی کرنے لگو۔" رامش نے مصنوعی خفگی سے ٹوک کر کہا تو شہریار اسے مکا دکھا کر بولا۔

"ہاتھا پائی، اوئے میں یہاں تمہارا جلوس نکال دوں گا۔"

"باپ رے، تم تو بہت دلیر ہو گئے ہو ایک ہی رات میں۔" رامش پیچھے ہٹتے ہوئے چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

"شٹ اپ، چلو سامنے سے ہٹو مووی بننے دو یادگار رہے گی۔"

شہریار روانی میں کہہ گیا اور اسے احساس بھی نہیں ہوا، جب کہ اس کی آنکھیں تیز روشنیوں میں دھندلا گئی تھیں پھر اسے کچھ پتہ نہیں چلا اس کے پاس کون آیا کون گیا وہ اپنے دل کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔

"سنو میں ابھی آتا ہوں۔" شہریار اس سے کہہ کر اٹھا تو وہ یونہی پلکیں اٹھا کر اس کے پیچھے دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد سوہنی اس کے پاس آ بیٹھی۔

"آپی! آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔"

"ہیں....!" اس نے چونک کر سوہنی کو دیکھا پھر پوچھنے لگی۔ "اور سب لوگ کہاں ہیں؟ امی ابو؟"

"ابھی یہیں تو تھے آپ نے دیکھا نہیں آپ کا سر جھکا ہوا تھا ناں۔"

سوہنی نے اس کے نہ دیکھنے کا جواز بھی خود ہی بتا دیا پھر اس کے اور قریب ہو کر بولی۔

"ایک خوشخبری سناؤں، بھیا کی بیٹی ہوئی ہے۔"

"کب؟" وہ حیران ہوئی۔

"آج صبح، بہت پیاری ہے، میں دیکھ کر آئی ہوں۔"

"اچھا اور بھابی کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں، بہت اترا رہی تھیں۔"

"ہشت ایسے نہیں کہتے۔" اس نے نرمی سے ٹوکا پھر پوچھنے لگی۔ "رابعہ کہاں ہے؟"

"رابعہ باجی اور عفان بھائی دوپہر میں چلے گئے مری اسلام آباد وغیرہ۔" سوہنی نے بتایا تو اسے دھچکا سا لگا۔

"کیا......رابعہ آج ہی چلی گئی، مجھ سے ملے بغیر، ایک آدھ دن رک نہیں سکتی تھی۔"

"وہ بہت ناراض ہو کر گئی ہیں۔" سوہنی کا منہ چھوٹا سا ہو گیا تھا۔

"کس سے؟"

"آپ سے۔ صبح وہ عفان بھائی کے ساتھ آپ کے گھر گئی تھیں لیکن آپ نہیں ملیں۔ وہ کہہ رہی تھیں آئندہ کبھی آپ کے گھر نہیں جائیں گی اس لیے وہ آج ہی مری چلی گئیں تاکہ انہیں یہاں نہ آنا پڑے۔"

سوہنی کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس وقت مصلحتاً ہی کوئی بات بنا لیتی سادگی میں سب کہہ گئی جبکہ اس کا ذہن چیخنے لگا تھا۔

"رابعہ اور عفان بھائی آئے تھے؟ میں کہاں تھی؟ سنو رابعہ میرے ہاں کس وقت آئی تھی؟"

"صبح آٹھ بجے آپ کی ساس نے ان سے کہا کہ آپ سو رہی ہیں اور وہ ابھی آپ کو اٹھائیں گی ہی نہیں۔" سوہنی بتا کر پوچھنے لگی۔

"آپ گھر کب آئیں گی؟"

"آؤں گی۔ کل آؤں گی۔"

اس نے بے دھیانی میں جواب دیا جبکہ اس کا ذہن اس وقت کو سوچنے لگا تھا جب اس نے رابعہ کے ہاں فون کیا تھا پھر جب وہ ناشتے پر آئی تھی تب بھی بیگم آفندی نے رابعہ کے آنے کا نہیں بتایا تھا۔

"بہت غلط کیا ماما نے، رابعہ کبھی اس بات کو نہیں بھولے گی، میں خواہ کتنی صفائیاں پیش کروں اور عفان بھائی انہوں نے کیا سوچا ہو گا؟"

اسے واقعی بہت دکھ ہو رہا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بیگم آفندی نے ایسا کیوں کیا۔ اگر وہ سو رہی ہوتی تب بھی انہیں اٹھا دینا چاہئے تھا۔

"میں ان سے پوچھوں گی ضرور؟"

وہ اپنے اندر اٹھتے ابال پر بند باندھنے کی سعی کرتے ہوئے مہمانوں میں بیگم آفندی کو تلاش کرنے لگی، لیکن نظروں کے سامنے شہریار اور عظام آ گئے۔ دونوں کے چہرے پر چمکتی ہوئی دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ اسے یاد آیا شہریار نے کہا تھا کہ بہت امپریسو پرسنالٹی ہے ان کی، کچھ الگ بلکہ سب میں نمایاں نظر آتے ہیں اور اس نے غلط نہیں کہا تھا، اس وقت اتنے اہتمام سے تیار ہوئے لوگوں کے درمیان بھی وہ اپنے اس انداز میں سب میں نمایاں لگ رہے تھے۔

"مجھے تو یہ اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں لگتے۔" اس نے دل میں اپنی بات دہرائی پھر ان پر سے نظریں ہٹائیں اور بیگم آفندی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اسے پھر رابعہ یاد آ گئی۔

"تم بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہو گی۔" بیگم آفندی اس کے قریب آ کر بولیں۔

"چلو ادھر مہمانوں کے پاس میں تمہیں شیری کی دوستوں سے ملواؤں۔"

وہ خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ سٹیج سے اتر آئی تھی۔

بیگم آفندی کل کی طرح آج بھی بہت اٹھلا رہی تھیں اور کچھ مخصوص لوگوں سے اسے ملواتے ہوئے انہوں نے یہ ضرور کہا کہ مجھے شیری کی پسند پر ہمیشہ فخر رہا ہے اور دلہن کے انتخاب میں بھی اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔

پھر جہاں اس نے امی ابو کو دیکھا ان کے پاس بیٹھ گئی تو بیگم آفندی آگے بڑھ گئیں جیسے وہ ان کے ساتھ تھیں ہی نہیں۔

"پوتی مبارک ہو امی!" اس نے دھیمی آواز میں امی سے کہا تو وہ خوش ہو کر بولیں۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔"

وہ کچھ توقف کے بعد پوچھنے لگی۔

"رابعہ ہنی مون پر چلی گئی؟"

"ہاں اصل میں عفان کی چھٹیاں کم ہیں اس لیے۔" امی کے بات بتانے پر وہ اندر ہی اندر جز بز سی ہو کر بولی۔

"صبح دونوں آئے تھے لیکن ماما نے مجھے اٹھایا نہیں کیونکہ رات میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے......"

وہ محض امی کو اطمینان دلانے کی غرض سے بیگم آفندی کو حق بجانب قرار دینے جا رہی تھی کہ شہریار کے آنے پر خاموش ہو گئی۔

"آپ نے کھانا کھایا؟" شہریار نے سب کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں اور اب اس انتظار میں تھے کہ آپ آئیں تو ہم جانے کی اجازت لیں۔" ابو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیسے جائیں گے آئی مین میں گاڑی......"

"نہیں نہیں عظام کے پاس گاڑی ہے۔ ہم سب چلے جائیں گے۔" ابو نے سہولت سے منع کرتے ہوئے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" شہریار نے ابو سے کہہ کر اسے دیکھا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہم بھی چلیں۔"

"ہاں ماما بھی کہہ رہی ہیں کہ میں تمہیں لے جاؤں۔"

"اور ماما......"

"وہ رامش کے ساتھ آ جائیں گی۔"

"چلیں پھر......" وہ دونوں امی ابو کے ساتھ باہر آئے اور انہیں رخصت کر کے اپنی گاڑی میں بیٹھے تھے۔

گھر آتے ہی اس نے پہلے خود کو زیورات کی بندش سے آزاد کیا پھر کپڑے تبدیل کر کے کمرے میں آئی تو شہریار پوچھنے لگا۔

"سنو، رابعہ اور عفان صاحب نظر نہیں آئے۔ اور وہ تمہارے بھیا اور بھابی؟"

"بھیا آج صبح ایک عدد بیٹی کے باپ بن گئے اس لیے وہ ادھر مصروف تھے۔" وہ صرف بھیا کا بتا کر فوراً بات بدل گئی۔

"شیری! مجھے اس وقت چائے کی بہت شدید خواہش ہے پلیز رشید سے کہیں جلدی سے چائے بنا دے یا میں کہہ دوں۔"

"ہاں ڈانٹ کر کہنا ورنہ وہ چائے کو پائے بنا دے گا۔"

"میں، میں نہیں ڈانٹ سکتی، آپ خود کہہ دیں۔"

اس نے شہریار کا بازو کھینچ کر اٹھا دیا پھر ریموٹ لے کر بیڈ پر آ بیٹھی اور ٹی وی آن کر کے بظاہر نظریں اس پر جما دیں لیکن اس کا ذہن اس بات کو سوچنے لگا تھا کہ ابھی تو اس نے رابعہ اور عفان کی طرف سے شہریار کا دھیان ہٹا دیا ہے لیکن ہر بار تو وہ ایسا نہیں کر سکے گی اور یہ کہ آیا اسے شہریار کو بتا دینا چاہئے کہ ماما کے مس بی ہیو کی وجہ سے رابعہ ناراض ہو کر چلی گئی ہے یا نہیں۔"

شہریار چینج کر کے اس کے پاس آ بیٹھا تھا اور اسی وقت رشید بھی چائے لے کر آ گیا لیکن وہ اپنی سوچ میں اتنی محو تھی کہ متوجہ ہی نہیں ہوئی۔

شہریار نے رشید کے جانے کے بعد اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا پھر اسے کندھا مار کر بولا۔

"وہ مجھ سے زیادہ اچھا ہے کیا؟"

"کون؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔

"وہ......" شہریار نے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا جس کی سکرین پر کوئی انگلش ہیرو نظر آ رہا تھا۔

اس نے ایک نظر دیکھ کر یوں سر جھٹکا جیسے کیا فضول بات کی ہے پھر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"ماما نہیں آئیں ابھی تک۔"

"تو تمہارا دھیان ماما کی طرف ہے؟" شہریار نے کہا تو وہ قدرے سٹپٹا گئی۔

"ہاں۔ وہ میرا مطلب ہے وہ اکیلی......"

"کم آن یار! رامش ہے ان کے ساتھ۔ کہو تو میں بھی چلا جاؤں؟"

"مجھے نہیں پتہ۔"

"اچھا موڈ خراب نہیں کرو، میں رامش کو موبائل پر رنگ کرتا ہوں۔"

شہریار نے کہہ کر کارڈلیس اٹھایا تھا کہ بیگم آفندی کی آواز آنے لگی تو وہ ادھر متوجہ ہو کر بولا۔

"میرا خیال ہے ماما آ گئیں۔"

"ہوں......" اس نے قصداً چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

میں ذرا رامش سے مل آؤں، بلکہ اسے سی آف کر آؤں ورنہ وہ یہاں آ جائے گا۔"

شہریار اٹھ کر چلا گیا تو اس نے کپ خالی کر کے ٹرے میں رکھا اور کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹی تھی کہ بیگم آفندی کے آنے پر دوبارہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تھک گئیں......؟" بیگم آفندی کا انداز سرسری تھا۔

"جی......"

"ابھی سے، ابھی تو تمہیں لمبا سفر کرنا ہے، کل میں تمہاری لندن کی سیٹیں کنفرم کروا لوں گی۔ تم تیاری کر رکھو ہو سکتا ہے کل کی تاریخ ہی میں ہو جائیں۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔

"کل نہیں ماما اگلے ہفتے کی رکھیں۔"

"کیوں......؟" بیگم آفندی کی پیشانی پر ناگواری کی لکیر کھنچ گئی۔

"بس وہ رابعہ آ جائے تو اس سے ملنے کے بعد ہی میں کہیں جاؤں گی۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"وہ کہاں گئی ہے؟"

"مری، سوات وغیرہ۔"

"اور اگر وہ ایک مہینے تک نہ آئے؟"

اس نے قصداً خاموشی اختیار کر لی جس پر بیگم آفندی تلملا کر بولیں۔

"میں یہ سب نہیں سننا چاہتی تمہیں کل ہی لندن جانا ہے۔"

"میں ضرور جاتی اگر آج صبح میری رابعہ سے ملاقات ہو جاتی۔" اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں جتایا تو بیگم آفندی ہونٹ بھینچ کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

وہ ان کی نظروں کی چبھن سے واقعی پریشان ہوگئی اور دل ہی دل میں شہریار کے آنے کی دعا مانگنے لگی۔

''سنو! میں اپنی کسی بات میں، نہیں سننے کی عادی نہیں ہوں۔'' بیگم آفندی تیکھے لہجے میں اسے باور کرا کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تب ہی شہریار آ گیا اور ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولا۔

''او ماما، آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔''

''اچھا......!'' بیگم آفندی گردن اکڑا کر مسکرائیں۔

''اور ہاں فائقہ آپ کے لیے بہت پریشان ہو رہی تھی کہ ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر آ گئے۔''

''میں نے اتنا لمبا سفر اکیلے ہی کاٹا ہے۔'' بیگم آفندی اسے دیکھ کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولیں۔ ''کیوں شیری؟''

''ہاں میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ بہت اسٹرونگ ہیں۔''

''تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اسے خود سمجھنے دو تاکہ مجھے فالو کر سکے اور ہاں ابھی تم تیاری کرو کل میں تمہاری لندن کی سیٹیں کنفرم کرا دوں گی۔''

بیگم آفندی نے اسے نظر انداز کر کے شہریار سے کہا۔

''کل......''

''ہاں بیٹا! تمہارے چیک اپ کی یہی تاریخیں ہیں، اچھا ہے اسی بہانے ہنی مون بھی ہو جائے گا۔'' انہوں نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

''او کے، جیسے آپ کہیں۔''

''میں تو وہی کہوں گی جو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''گڈ......'' بیگم آفندی اس کا گال تھپک کر مسکرائیں پھر ایک نظر اس پر ڈال کر گڈ نائٹ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں تو وہ چھلانگ مار کر اس کے پاس آ بیٹھا۔

''سنا تم نے'' کل ہم ہنی مون پر جا رہے ہیں۔''

''ہوں......'' وہ قصداً مسکرائی تھی۔

☆☆☆☆

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جب تک اس گھر میں رہے گی، اپنی مرضی کی زندگی گزارے گی اور وہ چاہتی تو بیگم آفندی کی طرح وہ بھی شہریار کے ذریعے سے اپنا فوراً لندن جانا ملتوی کروا سکتی تھی لیکن وہی رنجشوں کا خوف جس نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بہر حال وہ جانتی تھی بیگم آفندی

آج ہی کی تاریخ میں انہیں لندن روانہ کر کے رہیں گی اس لیے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی وہ شہریار کے ساتھ امی کے ہاں آ گئی اور رات اس نے سوہنی سے آج آنے کو کہا بھی تھا شاید اس لیے ابو بھی گھر پر موجود تھے۔

وہ کچھ دیر ابو ہی کے کمرے میں بیٹھی پھر جب شہریار اور ابو کے درمیان ملکی مسائل اور وسائل کا موضوع چھڑا تو وہ اٹھ کر امی کے پاس کچن میں آ گئی۔

''کیا کر رہی ہیں امی؟''

''کچھ نہیں، تم جاؤ عثمان جلدی سامان لاؤ۔'' امی اس سے کہہ کر عثمان سے بولیں۔

''کہاں بھیج رہی ہیں اسے۔ کوئی تکلف نہیں کریں ابھی تو ہم ناشتا کر کے آئے ہیں۔ شہریار چائے بھی شاید ہی پئیں۔''

اس نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔

''جانے دو اسے میں چائے کا نہیں کھانے کا انتظام کر رہی ہوں۔'' امی اس کے ہاتھ سے عثمان کا ہاتھ چھڑا کر کہنے لگیں۔ ''میرا خیال تھا تم شام میں آؤ گی لیکن تمہارے ابو ابھی سے انتظار کر رہے تھے۔ اچھا ہوا آ گئیں چلو اندر چلو۔''

''آ تو گئی ہوں لیکن زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔'' اس نے امی کے ساتھ کچن سے نکلتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟''

''اصل میں ہم آج لندن جا رہے ہیں اور مجھے بھیا بھابی سے بھی ملنا ہے، کہاں ہیں بھابی ہسپتال میں یا گھر آ گئیں۔''

اس نے اپنے جلدی جانے کی وجہ بتا کر پوچھا۔

''پتہ نہیں، میرا دھیان بھی ادھر ہی لگا ہے، سلمان کا فون آئے تو پتہ چلے۔''

''بھابی کے پاس کون ہے؟''

''اس کی ماں ہے، کل سارا دن میں رہی پھر شام میں تمہارے ولیمے کی وجہ سے مجھے آنا پڑا تو سلمان اس کی ماں کو لے آیا تھا۔''

''بہر حال مجھے ان کے پاس جانا ہے۔'' وہ امی کے ساتھ برآمدے میں تخت پوش پر بیٹھ گئی تھی۔ ''ورنہ بھابی سو باتیں بنائیں گی کہ بھتیجی کو دیکھنے نہیں آئی ویسے ہے کیسی؟''

''بالکل بھیا جیسی۔'' امی سے پہلے سوہنی بول پڑی۔

''اچھا میں ضرور جاؤں گی۔''

"چلی جانا سارا دن پڑا ہے، لندن کے لیے ابھی روانہ ہوگی۔" امی نے ٹوک کر کہا تو سوہنی اچھل کر بولی۔

"ہائیں، آپی! لندن جا رہی ہیں؟"

"ہوں۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"اوں، رابعہ باجی بھی چلی گئیں آپ بھی جا رہی ہیں ہمارا گھر تو خالی ہو گیا ہے۔" سوہنی بسور کر بولی۔

"اچھا ہے ناں، تمہیں الگ کمرہ مل گیا ہے۔" اس نے سوہنی کا گال تھپک کر کہا۔

"مجھے نہیں چاہیے، امی آپ بھیا سے کہیں وہ یہاں آ جائیں۔" سوہنی نے کہا تو اس نے فوراً تائید کی۔

"ہاں امی۔"

"چاہتی تو میں بھی ہوں لیکن راحیلہ نہیں مانے گی۔ کل ہاسپٹل میں ہی مجھے سنا رہی تھی کہ بیٹیاں بیاہ دیں۔ اب بہو کی قدر ہوگی۔ اس وقت تو بیٹی کے کہنے پر نکال دیا تھا مجھے۔"

امی نے مایوسی اور افسوس کے ساتھ بتایا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"کس نے نکالا، خود اسے شوق تھا۔"

"یہ وہ کہاں مانے گی، بہرحال میں تو اسے آنے کو نہیں کہہ سکتی۔"

"کہیے گا بھی نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں شہریار سے پوچھوں ان کا کیا پروگرام ہے۔"

"کوئی پروگرام نہیں۔ کھانا کھا کر جانا۔" امی نے کہا تو وہ سر ہلاتی اندر آ گئی۔

"چلیں؟" شہریار نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"نہیں ابھی آپ آرام سے بیٹھیں، دوپہر کے بعد چلیں گے۔" وہ کہہ کر ابو کے پاس بیٹھ گئی تو شہریار نے یوں بھنویں اچکائیں جیسے کہہ رہا ہو۔ "جو آپ کا حکم۔"

"شہریار بتا رہے ہیں آج تمہاری لندن روانگی ہے۔" ابو نے اس سے کہا تو اس نے بس سر ہلا دیا تب ابو شہریار سے پوچھنے لگے۔

"بیگم صاحبہ بھی جا رہی ہیں؟"

"نہیں، ماما کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔"

"اچھا.....؟" ابو کو تعجب ہوا کیونکہ بیگم آفندی نے انہیں اپنی بیماری کا بتایا تھا اور ان کے خیال میں چیک اپ کیلئے انہیں جانا تھا۔

"ابو! آج آپ نہیں گئے؟" اس نے قصداً ابو کا دھیان بٹا دیا۔

"نہیں اور اچھا ہوا نہیں گیا ورنہ تم دونوں سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔"

"ہم کون سا ہمیشہ کیلئے جا رہے ہیں۔" وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

"پھر بھی ویسے تمہیں کیا میری گھر میں موجودگی اچھی نہیں لگ رہی۔"

"ہیں یہ آپ نے کیا بات کی میں تو اسپیشلی آپ سے ملنے آئی ہوں۔"

وہ ابو کے کندھے پر سر رکھ کر بولی تب ہی سوہنی آ کر شہریار سے مخاطب ہوئی۔

"شہریار بھائی! آپ کی ماما کا فون ہے؟"

"ماما کا....." شہریار فوراً کھڑا ہو گیا تو ابو کے اشارے پر وہ بھی اس کے ساتھ لابی میں آ گئی اور بظاہر متجسس سی ہو کر اسے بات کرتے ہوئے سننے لگی اور جب اس نے فون رکھا تب بھی شوق سے پوچھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں ماما؟"

"کہہ رہی ہیں' فوراً آ جاؤ کیونکہ سیٹیں کنفرم ہو گئی ہیں اور وہ چاہتی ہیں یہ وقت ہم ان کے ساتھ گزاریں۔" شہریار نے بتا کر پوچھا۔

"چلیں.....؟"

"ہاں لیکن یہاں امی کھانے کی تیاری کر رہی ہیں' آپ ماما سے کہہ دیتے کہ ہم دوپہر کے کھانے کے بعد....." وہ بولتی ہوئی الجھ گئی۔ "چلیں' میں امی کو منع کر دیتی ہوں۔"

"سنو! امی ناراض تو نہیں ہوں گی۔" شہریار نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں گی بھی تو میں منا لوں گی۔ آپ ابو کے پاس چلیں' میں امی سے بات کر کے آتی ہوں۔"

وہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر کچن میں آ گئی اور امی سے بھی اس نے اسی طرح بات کی مزید اپنی طرف سے یہ بھی کہہ دیا کہ گھر میں مہمان آئے ہیں۔ اس لیے ماما نے انہیں بلایا ہے جب کہ اندر ہی اندر وہ بری طرح تپ رہی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ بیگم آفندی نے محض اس پر جتانے کی خاطر انہیں بلوایا ہے کہ جیسے وہ سانس بھی ان کی مرضی سے ہی لے گی۔

"مائی فٹ' دیکھتی ہوں' وہ کب تک اپنی منواتی ہیں۔" وہ بہت متنفر ہو رہی تھی۔

۞۞۞

عظام گھر میں داخل ہوئے تھے کہ ہر طرف چھائی خاموشی نے ان کے قدم وہیں روک لیے۔
ان کا دل چاہا واپس پلٹ جائیں کیونکہ وہ تو تھی نہیں جسے جانے کیسے ان کی آمد کی خبر ہو جاتی تھی کہ جہاں جس کونے میں بھی ہوتی اگلے پل ان کے سامنے آ جاتی تھی اور اب کتنی دیر سے کھڑے تھے کوئی اس طرف نہیں آیا تو انہوں نے گھبرا کر وہیں سے پکار لیا۔

"عثمان! عثمان......"

اور عثمان تو نہیں سوہنی آ گئی تھی۔

"عظام بھائی! آئیے نا وہاں کیوں رک گئے؟"

"میں سمجھا گھر میں کوئی نہیں ہے۔" انہوں نے کہا تو سوہنی ہنس کر بولی۔

"اب ایسا ہی لگتا ہے عظام بھائی!"

"پھوپھو کہاں ہیں؟"

"آ رہی ہیں، آپ بیٹھیں۔" سوہنی نے جلدی جلدی تخت کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"تم کالج جا رہی ہو؟" انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جی......"

"اور عثمان کہاں ہے؟"

"دودھ وغیرہ لینے گیا ہے' ابھی آتا ہوگا۔" سوہنی نے بتایا تب ہی امی آ گئیں۔

"السلام علیکم پھوپھو......!" عظام اٹھ کھڑے ہوئے۔

"خوش رہو اللہ عمر دراز کرے۔" امی دعائیں دیتی ہوئی بیٹھ گئیں۔

"اور آپ خیریت سے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے میاں! اللہ نے بڑے فرض ادا کروا دیے۔ بڑی فکر تھی مجھے ان دونوں کی ہر وقت سوچتی تھی پتہ نہیں کیا ہوگا' کیسے رشتے ملیں گے۔ کیسے شادیاں ہوں گی۔"

"اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے پھوپھو! اس کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے' اگر کسی کام میں دیر ہوتی ہے تو اس میں بھی اس کی کوئی مصلحت ہوتی ہے لیکن ہم سمجھتے نہیں' بہر حال دونوں خوش تو

ہیں ناں؟"

"ہاں' کل آئی تھی فائقہ۔" امی انہیں بتا کر سوہنی سے بولیں۔

"چائے کا پانی رکھا؟"

"عثمان تو آ جائے' دودھ لینے گیا ہے۔"

"آتا ہوگا تم جب تک پانی رکھو اور دیکھو فریج میں کباب ہوں گے وہ بھی تل لو۔"

امی نے سوہنی کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو عظام بول پڑے۔

"ارے نہیں پھوپھو! کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے میں بس چائے پیوں گا۔"

"دعا کریں' عثمان جلدی آ جائے ورنہ چائے بھی نہیں ملے گی۔" سوہنی نے ہنس کر کہا تو امی اسے گھورنے لگیں۔

"بہت بولنا آ گیا ہے تمہیں' چلو جاؤ اپنا کام کرو۔"

"کیوں ڈانٹتی ہیں پھوپھو! ٹھیک تو کہہ رہی ہے' دودھ آئے گا تو چائے ملے گی۔" عظام، سوہنی کا دل رکھنے کی خاطر اس کی طرف داری میں بولے۔

"بیٹھ جاؤ! جب عثمان آ جائے تب چائے بنانا مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"عظام بھائی!" "آپ کو پتہ ہے آپی لندن چلی گئیں۔" سوہنی نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا تو انہوں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"کون فائقہ؟"

"جی......"

"اچھا ادھر امی اور اسما تو اس کی دعوت کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں۔" انہوں نے امی کو دیکھ کر کہا۔ پھر پوچھنے لگے۔ "کب گئی ہے؟"

"رات گیارہ بجے' وہی تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ کل صبح آئی تھی شہریار کے ساتھ تو میں جلدی جلدی دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے لگی' لیکن اس سے پہلے ہی اس کی ساس کا فون آ گیا۔ شاید گھر میں مہمان وغیرہ آئے تھے۔ بس دونوں کھانا کھائے بغیر چلے گئے۔" امی کو ابھی بھی ان کے اس طرح چلے جانے کا افسوس ہو رہا تھا۔

عظام کچھ نہیں بولے کیونکہ ان کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔ تب ہی عثمان آ گیا۔

"السلام علیکم عظام بھائی۔"

"وعلیکم السلام۔" عظام چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "کہاں چلے گئے تھے میاں! یہاں ہم چائے کو ترس رہے ہیں۔"

"بس عظام بھائی! ایک دوست مل گیا تھا۔" عثمان نے کہا تو سوہنی جاتے جاتے بولی۔

"اسے گھر تک چھوڑنے چلے گئے تھے۔"

"نہیں وہ مجھے یہاں تک چھوڑ گیا ہے۔" عثمان نے سوہنی کی طرف منہ کر کے کہا۔

پھر عظام کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"دعا کریں عظام بھائی! یہ بھی جلد ہی رخصت ہو۔"

عظام نے مسکرانے پر اکتفا کیا پھر امی سے پوچھنے لگے۔

"سلمان نے بیٹی کا کیا نام رکھا؟"

"کرن۔" امی سے پہلے عثمان بول پڑا۔ "مجھے تو بالکل اچھا نہیں لگا' یہ بھی کوئی نام ہے اور مجھے سوہنی کا نام بھی اچھا نہیں لگتا۔ شکل چڑیلوں جیسی اور نام سوہنی۔"

"ہیں...... ہیں......" امی اسے ٹوک کے بولیں۔ "وہ تمہیں چڑیلوں جیسی لگتی ہے۔"

"لگتی ہے سے کیا مطلب' ہے ہی۔ کیوں عظام بھائی؟" عثمان نے عظام کا ہاتھ دبا کر انہیں بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

"نہیں سوہنی بہت پیاری ہے۔"

"چھوڑیں عظام بھائی! آپ کی نظر کمزور ہو گئی ہے شاید۔"

"اس کی نہیں تمہاری کمزور ہے اور یہ تم اس وقت آرام سے کیسے بیٹھے ہو' پڑھنے نہیں جاؤ گے۔" امی نے اسے ٹوکا تو وہ سستی سے بولا۔

"آج دل نہیں چاہ رہا' پھر عظام بھائی بھی میرے جانے سے بور ہوں گے۔"

"نہیں میاں! میری بوریت کی فکر مت کرو۔ پڑھائی پہلے' چلو جاؤ۔" عظام نے فوراً ٹوک کر کہا تو وہ اچھل کر بولا۔

"کہیں تو میرا ساتھ دے دیں؟"

"غلط بات میں بالکل نہیں۔"

"اچھا چائے تو پی لوں۔ سوہنی! بھئی چائے لاؤ' کوچنگ کو دیر ہو رہی ہے' پتہ نہیں کیا کر رہی ہے۔"

عثمان جھنجھلاتا ہوا اٹھ کر کچن میں چلا گیا تو امی عظام سے بولیں۔

"عظام! اب تم بھی شادی کر لو۔"

"اسماء کیلئے دعا کریں پھوپھو! پہلے اس کی ہو جائے' انہوں نے کہا تو امی پوچھنے لگیں۔

"کہیں بات چلی' اس کی؟"

"خالہ جان کہہ رہی ہیں اور امی تو راضی ہیں لیکن ابو کچھ پس و پیش کر رہے ہیں۔" انہوں نے قدرے سوچتے ہوئے انداز میں بتایا۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں......" وہ قصداً لاعلمی کا اظہار کر کے سوہنی کی طرف متوجہ ہو گئے جو اتنی بڑی ٹرے اٹھائے آ رہی تھی۔

"کیا کچھ بنا ڈالا تم نے میں صرف چائے پیوں گا۔"

"جی نہیں میں نے اتنی محبت سے ٹرے سجائی ہے۔" سوہنی نے ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو وہ پہلے چونکے پھر کھو گئے۔

"سب کہتے ہیں یہ تو عظام کی دیوانی ہے اور میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"جہاں رہے خوش رہے۔" انہوں نے دل ہی دل میں اپنی "دیوانی" کیلئے دعا کی پھر کپ اٹھا کر چائے پینے لگے۔

☆☆☆

ایک تو مری سوات کی آب و ہوا دوسرے ڈاکٹر عفان کی محبت نے رابعہ کے حسن کو ایسا نکھار بخشا تھا کہ دیکھنے والے مبہوت رہ جاتے اور ایسا ہر موڑ پر ہوا تھا کہ پہلی غیر ارادی نظر کے بعد ہر شخص نے اسے رک کر دیکھا تھا' جس پر وہ اترا کر ڈاکٹر عفان کو دیکھتی تو انہیں بہت برا لگتا لیکن بظاہر انجان سے بن جاتے۔

اس وقت مال روڈ پر شاپنگ کرتے ہوئے وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور ڈاکٹر عفان نے جو واقعی اسے اچھی خاصی شاپنگ کرانے کے موڈ میں تھے۔ اس صورتحال سے پریشان ہو کر اسے واپس چلنے کو کہا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"آپ کی طبیعت......"

"ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر واپسی کیلئے قدم بڑھا دیئے تو اس کا موڈ آف ہو گیا۔ تمام راستہ کچھ نہیں بولی اور ہوٹل کے رہائشی کمرے میں آتے ہی تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔

"ارے کیا ہو گیا ہے؟" ڈاکٹر عفان نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں سو رہی ہوں۔"

"میں سونے دوں گا تب ناں۔"

"نہیں کریں عفان۔" وہ ان کے ہاتھ جھٹکنے لگی تو انہوں نے اس کی کلائیاں تھام لیں۔

"تم روٹھی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

"جی نہیں' میں ہر روپ میں اچھی لگتی ہوں۔" رابعہ نے خود پسندی کا مظاہرہ کیا۔

"واقعی میں ایسے ہی تو نہیں تم پر فدا ہوا۔" انہوں نے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے گدگدایا تو وہ کھلکھلاتی ہوئی بیڈ کے دوسرے کونے پر چلی گئی پھر کہنی کھڑی کر کے ہتھیلی پر چہرہ ٹکا رکھ کر پوچھنے لگی۔

"آپ نے بہانہ کیوں کیا؟"

"بہانہ......!" وہ سمجھے نہیں تو ان ہی کے انداز میں بولی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں' واپس چلو' کیا ہوا۔ اچھے بھلے تو ہیں۔"

"تمہیں دیکھ کر اچھا ہو جاتا ہوں۔" انہوں نے بات گھمائی۔

"وہاں بھی تو میں ساتھ تھی۔"

"ہاں لیکن خیر چھوڑو' یہ بتاؤ شام کا کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی پروگرام نہیں بس اب واپس چلتے ہیں بلکہ ایسا کرتے ہیں عفان! پہلے آپ کے گاؤں چلتے ہیں۔ مجھے گاؤں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔" اس نے کہا تو ڈاکٹر عفان فوراً بولے۔

"نہیں' ابھی گاؤں نہیں جانا۔"

"کیوں...... راستے میں تو پڑتا ہے۔ ایک دو دن وہاں ٹھہر جائیں گے۔"

"ابھی نہیں۔" انہوں نے پھر منع کیا تو وہ ضد سے بولی۔

"کیوں ابھی نہیں' کیا آپ کے ماں باپ ناراض ہوں گے؟"

"یہی سمجھ لو۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ نے تو کہا تھا......" وہ ان کی بات یاد دلانے جا رہی تھی کہ وہ بول پڑے۔

"ٹھیک کہا تھا میں نے اور ناراض میرے ماں باپ نہیں برادری والے ہیں۔ میرے ماں باپ کو انہیں منانے میں کچھ وقت لگے گا اور اس وقت سے پہلے ہمارا جانا ٹھیک نہیں ہے خود تمہیں برا لگے گا کہ تمہیں دیکھ کر کوئی خوش نہیں ہوا۔"

"ہاں لیکن......"

"بس کوئی لیکن ویکن نہیں' چلو تیاری کرو۔ آج ہی واپس چلتے ہیں۔" انہوں نے ٹوک...... کر کہا تو وہ بے دلی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"کچھ مزہ نہیں آیا۔"

ڈاکٹر عفان نے خاموشی اختیار کر لی تو وہ سمجھ گئی کہ انہیں برا لگا ہے پھر بھی انجان سی بن کر اپنی

چیزیں بیگ میں ڈالنے لگی اور اسی شام سات بجے کی فلائٹ سے وہ دونوں کراچی پہنچ گئے۔

"آپا کو فون کر کے بتا دو کہ ہم آ گئے ہیں۔" ڈاکٹر عفان نے اسے اپنی بڑی بہن کو فون کرنے کو کہا تو وہ صوفے پر گرتے ہوئے بولی۔

"میں تھک گئی ہوں' آپ خود کر لیں۔"

"اور جو انہوں نے ابھی اپنے ہاں بلا لیا تب؟"

"نہیں بھئی۔ ابھی تو میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اسی لیے میں نے تمہیں فون کرنے کو کہا ہے کیونکہ وہ میرا کوئی عذر نہیں سنیں گی اور کہیں گی بس فوراً آ جاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"زبردستی ہے کیا؟"

"ہاں وہ میری سب سے بڑی آپا ہیں۔ میں ان کی کوئی بات نہیں ٹال سکتا۔"

وہ کہہ کر بیڈ روم میں چلے گئے تو اس نے کچھ دیر سوچا پھر ٹیلیفون سیٹ قریب کھینچ کر بڑی آپا کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

دوسری طرف بڑی آپا کی بیٹی سمیرا نے فون اٹھایا تھا۔

"کون سمیرا' میں رابعہ ہوں۔" اس نے کہا تو سمیرا خوش ہو کر بولی۔

"ہائے مامی! السلام علیکم کہاں ہیں آپ؟"

"یہیں' میرا مطلب ہے' ہم لوگ ابھی آئے ہیں۔" اس نے بتایا تو سمیرا نے اور زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔

"سچ' میں امی کو بتاتی ہوں۔"

"ہاں اور انہیں میرا سلام کہہ دینا۔"

اس کا بڑی آپا سے بات کرنے کا موڈ نہیں تھا اس لیے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا اور پھر امی کے گھر کے نمبر ڈائل کر کے آرام سے وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

"ہیلو......" کچھ دیر بعد سوہنی کی آواز آئی تھی۔

"ہیلو سوہنی! کیسی ہو؟"

"اللہ باجی! کہاں ہیں آپ' میں اتنی بور ہو گئی ہوں۔" سوہنی نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔"

"کب آ رہی ہیں آپ؟"

"صبح دیکھو' صبح آؤں گی تمہارے پاس۔" اس نے کہا تو سوہنی خوش ہو کر بولی۔

"ہائے اب مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی۔"

"اچھا امی ابو کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"اور وہ بیگم آفندی کی بہو۔" اس نے فائقہ سے ناراضی کی بنا پر اس کا نام نہیں لیا اور سوہنی سمجھی نہیں۔

"کون......؟"

"ارے ایک ہی تو بہو ہے ان کی۔"

"کن کی؟" سوہنی الجھی۔

"اف کس قدر احمق ہو تم' میں فائقہ کی بات کر رہی ہوں۔ کیسی ہے وہ؟" اس نے جھنجھلا کر کہا تو سوہنی روٹھے لہجے میں بولی۔

"آپی یہاں نہیں ہیں' آپ کے جانے کے اگلے روز وہ بھی لندن چلی گئی تھیں۔"

"اچھا جب ہی تو بور ہو رہی ہو اور وہ آئے گی کب؟" اس نے فائقہ کو سوچتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں' امی سے بات کراؤں؟" سوہنی نے لاعلمی کا اظہار کر کے پوچھا تب ہی شور کی آواز سن کر وہ گلاس وال سے باہر نظر ڈال کر بولی۔

"اچھا سوہنی! میں صبح آؤں گی۔ سب کو سلام کہنا۔"

اس کے ساتھ ہی ریسیور رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈاکٹر عفان کی بڑی آپا کو بچوں سمیت آتے دیکھ کر بڑبڑائی تھی۔

"انہیں اس وقت ضرور آنا تھا۔"

"آ گئیں دلہن! ماشاءاللہ۔" بڑی آپا نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

"السلام علیکم مامی!" سمیرا اور عفت باری باری اس کے گلے لگیں۔

"عفان کہاں ہے؟" بڑی آپا نے پوچھا۔

"شاور لے رہے ہیں' آپ بیٹھیں' میں انہیں بتاتی ہوں۔" وہ انہیں بیٹھنے کا کہہ کر جانے لگی کہ وہ اسے روک کر بولیں۔

"آ جائے گا۔ تم بیٹھو ہمارے پاس۔"

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ اچھا ہوا تم لوگ آ گئے۔" انہوں نے جواب کے ساتھ کہا تب ہی عفان آ گئے۔

"السلام علیکم آپا!"

"خوش رہو' ابھی دلہن کا فون آیا تھا تو مجھ سے رہا نہیں گیا' بچیاں بھی اپنی مامی سے ملنے کو بے چین ہو گئیں۔" بڑی آپا نے کہا تو عفان دونوں بھانجیوں کو دیکھ کر بولے۔

"صرف مامی سے۔"

"جی ہم نے انہیں ٹھیک سے دیکھا کب تھا' فوراً ہی تو آپ چلے گئے تھے۔"

"اب دیکھ لیا ناں' چلو جاؤ چائے بناؤ۔" عفان دونوں بھانجیوں کو اٹھا کر خود بیٹھ گئے تو وہ بھی اٹھ کر ان دونوں کو لیے کچن میں آ گئی۔

"آپ کیوں آ گئیں مامی! ابھی تو تھکی ہوئی آئی ہیں۔" سمیرا نے اسے دیکھ کر کہا۔

"ہاں تھکن تو ہے اور چائے پینے سے ہی دور ہو گی۔" وہ اسٹول کھینچ کر آرام سے بیٹھ گئی۔

سمیرا نے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا اور عفت ٹرے میں کپ سجانے لگی۔

وہ ان دونوں سے نظریں ہٹا کر کچن کا جائزہ لینے لگی۔

"مامی!" سمیرا اسے پکار کر پوچھنے لگی۔ "وہ آپ کی بہن کی بھی تو شادی ہوئی تھی۔ وہ کہاں ہیں؟"

"لندن......" اس نے مختصر جواب دیا۔

"ہیں وہ شادی ہو کر لندن چلی گئیں۔" عفت نے شوق سے پوچھا۔

"نہیں..... ہنی مون پر گئی ہے آ جائے گی۔"

"آپ کہاں کہاں گئیں؟" دونوں بہنوں کو وہ بہت اچھی لگ رہی تھی' لیے دیئے انداز کے باوجود۔

"مری' سوات وغیرہ اور واپسی میں' میں نے عفان سے کہا بھی کہ ان کے گاؤں سے ہوتے ہوئے چلتے ہیں لیکن وہ نہیں مانے۔" اس نے بتایا تو سمیرا فوراً بولی۔

"اچھا ہوا' نہیں گئیں۔"

"کیوں؟" اس کے پوچھنے پر سمیرا نے سٹپٹا کر عفت کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے' آپ وہاں بور ہوتیں کیونکہ وہاں شہر جیسی سہولتیں تو ہیں نہیں۔"

"تو مجھے کون سا بہت دن وہاں رہنا تھا' تمہارے نانا نانی سے مل کر آ جاتے۔"

"نانا' نانی خود آپ سے ملنے آئیں گے اور ہاں بڑے ماموں بھی امریکہ سے آنے والے ہیں۔" سمیرا نے خوش ہو کر بتایا۔

"اچھا کب؟" اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

"اگلے مہینے کا کہا ہے' دیکھیں کب آتے ہیں۔" سمیرا بتا کر چائے دم کرنے لگی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری چائے ابھی مت ڈالنا۔"

"کیوں؟"

"میں پہلے شاور لوں گی۔" وہ کہہ کر کچن سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

ہر سطر پر بیگم آفندی کی پیشانی پر لکیروں کا اضافہ ہو رہا تھا اور اسی حساب سے ان کا تنفر بڑھتا جا رہا تھا اور آخری دو لائنوں سے پہلے ہی انہوں نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور دانت پیس کر گالیوں کی صورت اپنا تنفر باہر نکالنا چاہتی تھیں کہ فون کی بیل نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

"ہیلو......" خاصے جارحانہ انداز میں انہوں نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"سلامتی بھیجنا تو نہیں چاہتا لیکن عادت سے مجبور ہوں۔ السلام علیکم۔"

"آپ کون؟" بیگم آفندی نے آواز اور لہجہ کو سوچتے ہوئے پوچھا۔

"آہا آپ......" ادھر سے تمسخرانہ ہنسی پر وہ بری طرح سلگ گئیں لیکن بہت ضبط سے بولیں۔

"دیکھئے مسٹر! اگر آپ کو رانگ نمبر پر بات کرنے کا شوق ہے تو پلیز کوئی اور نمبر ڈائل کریں۔"

"ایک منٹ' یہ آفندی ہاؤس ہے؟" ادھر جیسے وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"جی آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔" بیگم آفندی نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"میں بیگم جیلان آفندی۔" انہوں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"میں بھی بیگم جیلان آفندی کا بیٹا بات کر رہا ہوں۔"

"کون شیری' کیا ہو گیا ہے بیٹا' تمہیں کیسا مذاق......"

"مذاق نہیں اور نہ ہی میں شہریار ہوں۔" ادھر سے فوراً ٹوکا گیا تو وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکیں پھر اپنی مٹھی میں خط کے ٹکڑے دیکھ کر سمٹتے ہوئے بہت سنبھل کر بولیں۔

"پھر......؟"

"میرا نام یقیناً آپ کی یادداشت میں محفوظ ہوگا' اگر نہیں تو اب محفوظ کر لیجئے اسفندیار آفندی!"

اس کے مضبوط لہجے پر بیگم آفندی فوراً کچھ کہنے کے بجائے سوچنے لگیں کہ انہیں اس سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔

"چکرا گئیں ناں؟" اس نے ان کی خاموشی پر کہا۔

"واقعی تم نے مجھے چکرا دیا۔ کیونکہ جیلان آفندی کی پہلی بیوی اور دونوں بچے برسوں پہلے کار ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گئے تھے۔"

"ہاہاہا! یہ خبر آپ نے اڑائی ہوگی۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"نہیں خود جیلان آفندی نے بتایا تھا اور مجھے بھی نہیں اپنے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی کو غالباً تم انہیں بھی خط لکھ چکے ہو اور ہاں میں ابھی تمہارا خط پڑھ رہی تھی۔ کیا لکھا ہے تم نے بہت جلد میرے مقابل آ جاؤ گے۔"

"ہاں بہت جلدی۔"

"شٹ اپ......" اب ان کا ضبط جواب دے رہا تھا اور جانتی تھیں کہ چیخنے چلانے سے ان کی اپنی پوزیشن آکورڈ ہوگی اس لیے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اسفندیار آفندی۔" انہوں نے تنفر اور نخوت سے سر جھٹک کر اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کی سعی کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو پھر وہ یکسوئی سے اسے سوچنے لگیں۔

"کیا واقعی وہ اسفندیار ہے۔ اگر ہے تو کیا کر سکتا ہے۔ کیا بگاڑ سکتا ہے میرا۔ کچھ نہیں اس کی ساری زندگی خود کو جیلان آفندی کا بیٹا ثابت کرنے میں گزر جائے گی۔ بڑا حصہ دار بننا چاہتا ہے۔ میرے مقابل آئے گا۔ میرے۔ ہونہہ!" انہوں نے پھر سر جھٹکا اور خود کو پرسکون کرنے کی خاطر اٹھ کر لان میں آ گئیں۔ یوں بھی وہ بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھیں اور کسی بات کو زیادہ دیر خود پر طاری نہیں رکھتی تھیں۔ مزید خود پر بہت زیادہ بھروسے اور اعتماد نے ہی شاید انہیں ان بریک ایبل بنا دیا تھا۔ بظاہر دھان پان سی تھیں...... لیکن بلا کا حوصلہ اور ہمت رکھتی تھیں اور اپنے مفاد کیلئے کچھ بھی کر سکتی تھیں۔ یہ ان کی خوبی تھی یا خامی وہ بہرحال خود کو حق بجانب سمجھتی تھیں۔

اور وہ شروع سے ایسی ہی تھیں کچھ ایسی فطرت لے کر پیدا ہوئیں اور رہی سہی کسر ماں باپ کے لاڈ پیار نے پوری کر دی تھی۔ گو کہ اکلوتی نہیں تھیں ان سے چھوٹی ایک اور بہن تھی جو ان سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ ان کے والد معمولی کلرک تھے اور کیونکہ شادی کے دس سال بعد ان کے آنگن میں صاعقہ اور صائمہ کی صورت دو پھول کھلے تھے۔ ان کی ناز برداری میں وہ ساری حدیں پھلانگ گئے تھے اور اس وقت تو انہیں احساس نہیں ہوا جب بیٹیاں جوان ہو کر ان کی نفی کرنے لگیں تب وہ چکرا

...ئے لیکن دیر ہو چکی تھی۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ صاعقہ نے گریجویشن کرتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ ...ب جاب کرے گی۔

''کیوں تمہیں نوکری کی کیا ضرورت ہے' ہر ضرورت تو تمہاری پوری ہو رہی ہے۔'' اس کی اماں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ضرورت پوری ہو رہی ہے خواہشیں نہیں۔'' وہ تنک کر بولی تھی۔

''تن ڈھانپنے کو معمولی کپڑے' پیٹ بھرنے کو دال روٹی اور سر چھپانے کو دو کمروں کا گھر۔''

''اور کیا چاہیے تمہیں۔''

''بہت کچھ۔'' اس نے گردن اکڑائی تھی۔

''نصیب سے ملتا ہے بیٹی۔'' اماں نے دکھ سے کہا تھا۔

''کوئی نصیب نہیں' انسان اپنا نصیب خود بناتا ہے۔ میں بھی خود بناؤں گی۔'' اس نے کہا تو صائمہ فوراً بولی تھی۔

''اور میں بھی۔''

''باپ سے پوچھ لو پہلے۔''

''بتادوں گی انہیں' اس نے احسان کیا تھا۔

اور شاید اس کی قسمت اچھی تھی کہ جاب کیلئے نکلی تو پہلے ہی انٹرویو میں کامیاب ہو کر جیلان آفندی کی پرسنل سیکرٹری بن گئی۔ پھر ایک تو خدا نے شکل صورت اچھی دی تھی دوسرے وہ خود پر توجہ بھی دیتی تھی مزید طرح دار بھی تھی۔ بس چند دن میں ہی اس نے جیلان آفندی کا جائزہ لیا تھا اور پہلے ان کے موڈ کے مطابق چلتی رہی پھر دھیرے دھیرے ان پر یوں چھا گئی کہ وہ آفس کے علاوہ اپنے گھریلو معاملات میں بھی اس کے محتاج ہو گئے تھے۔

''اس بار میرے بچے کا رزلٹ بہت خراب ہے۔ حالانکہ دو ٹیوٹر آتے ہیں لیکن......'' اس روز جیلان آفندی نے خاصے خراب موڈ میں اسے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

''سر! آپ کا بچہ کون سی کلاس میں ہے؟''

''کلاس ٹو......'' انہوں نے بتایا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

''کلاس ٹو کے بچے کیلئے دو ٹیوٹر او مائی گاڈ' سر اسی لیے تو اس کا رزلٹ خراب ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب اتنے سے بچے پر آپ نے اتنا بوجھ ڈال دیا ہے۔ سر! آپ فوراً ٹیوٹرز کو فارغ کر دیں اور اپنی مسز سے کہیں' وہ بچے کو پڑھائیں کیونکہ اتنا چھوٹا بچہ صرف اپنی ماں کی توجہ سے پڑھتا

ہے۔''

''تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن میری مسز اتنا پڑھی ہوئی نہیں ہے اور انگلش میڈیم کا کورس تو شاید وہ سمجھ بھی نہیں سکے گی۔''

انہوں نے کہا تو وہ افسوس سے بولی۔

''اوہ یہ تو واقعی مسئلہ ہے۔ صرف بچے کیلئے ہی نہیں' میرا خیال ہے آپ کو بھی خاصی پرابلم ہو گی۔ آئی مین گھر سے باہر کی پارٹیز میں تو وہ آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی ہوں گی۔''

''نہیں وہ بالکل گھریلو عورت ہے۔'' انہوں نے مایوسی سے کہا جب ہی اسے حوصلہ ہوا تھا۔

''بڑی زیادتی ہوئی آپ کے ساتھ؟''

''ہاں بس والدین نے بچپن میں ہی رشتہ طے کر دیا تھا۔''

''خاندان میں؟''

''ہوں......''

''خاندان میں کبھی شادی نہیں کرنی چاہیے۔ بندہ بالکل پابند ہو جاتا ہے۔ آئی مین نہ چاہتے ہوئے بھی اس بندھن کو نبھانا پڑتا ہے۔ خاندان والوں کے ڈر سے' میں نے تو سوچ لیا ہے کہ مر جاؤں گی لیکن اپنے کسی چچازاد' ماموں زاد سے شادی نہیں کروں گی۔''

وہ جس ادا سے بولتی تھی' جیلان آفندی چاہتے بھی تو اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکتے تھے۔

''یہ تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ البتہ مرنے والی بات غلط ہے۔''

''خیر میری بات چھوڑیں آپ کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔'' اس نے خوبصورتی سے اپنا احساس دلا کر بات بدل دی۔

''میرا کون سا مسئلہ؟'' جیلان آفندی بھول گئے تھے کہ وہ کس مسئلے پر بات کر رہے تھے۔

''بچے کا اور میں تو کہوں گی' اس کی ٹیوٹر کوئی ینگ سی لڑکی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ وہ جلدی مانوس ہو جائے گا۔''

''یہ تم نے ٹھیک کہا۔'' جیلان آفندی کو اس کی ہر بات ٹھیک لگنے لگی تھی۔

اور پہلے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ باس اس پر مہربان رہے اور وہ اپنی جاب پر جمی رہے لیکن پھر جب باس کی مہربانیاں بڑھنے لگیں تب وہ ان کی پرسنل لائف کو صرف ڈسکس ہی نہیں بلکہ شیئر کرنے کا سوچنے لگی تھی اور اس کیلئے اسے زیادہ پاپڑ نہیں بیلنے پڑے کیونکہ جیلان آفندی بہرحال مرد تھے۔ اپنی گھریلو زندگی سے مطمئن ہونے کے باوجود بھی اس کی خوبصورت اداؤں کے اسیر ہو کر وہ بہت ڈسٹرب ہو گئے تھے کیونکہ اسے پرپوز کرنا بھی چاہتے تھے اور بیوی کا خیال

بھی تھا جو کہ اپنا سب کچھ انہیں ہی سمجھتی تھی۔ ان کی ہر بات پر آنکھ بند کر کے یقین کرنا جیسے اس کا ایمان تھا۔ یعنی پتی ورتا عورت تھی اور وہ اسے دکھ اور دھوکا نہیں دینا چاہتے تھے لیکن اپنے دل کے ہاتھوں بھی مجبور ہو گئے تھے اور چاہتے تو کسی کے بھی علم میں لائے بغیر ایک اور گھر بسا سکتے تھے لیکن رگوں میں خاندانی شریف خون تھا جو پہلے انہوں نے بیوی کو اعتماد میں لے کر اس سے بات کرنا ضروری سمجھی تھی اور اس کا وہی ردعمل تھا جو ایک عورت کا سوتن کے نام پر ہوتا ہے لیکن کیونکہ سیدھی سادی بزدل عورت تھی اس لیے ان کے مقابل ڈٹ نہیں سکی اور رو دھو کر خاموش ہو رہی تھی۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جس کا صاعقہ کو شدت سے انتظار تھا۔

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' جیلان آفندی نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا تھا اور اس کیلئے یہ بات غیر متوقع نہیں تھی پھر بھی اس نے بہت زیادہ حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''میں......! مجھ سے کہہ رہے ہیں آپ؟''

''اور کون ہے یہاں تمہارے علاوہ؟''

''لیکن سر......! میں میرا مطلب ہے آپ کی بیوی' بچے......نہیں یہ ان پر ظلم ہوگا۔''

''کوئی ظلم نہیں میں افورڈ کر سکتا ہوں۔ ان کی حق تلفی نہیں ہو گی۔'' انہوں نے یقین سے کہا تو وہ خاموش ہو کر سوچنے لگ گئی۔

''سنو انکار مت کرنا۔'' انہوں نے اسے متوجہ کر کے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''اقرار بھی کیسے کروں' ڈر لگتا ہے۔''

''کس بات سے؟''

''اپنی کم مائیگی سے جس نے مجھے کمزور بنا دیا ہے۔ کل کو اگر آپ کے خاندان والوں نے آپ پر دباؤ ڈالا تو میں شاید اپنے حق کیلئے لڑ بھی نہیں سکوں گی۔''

''ایسا نہیں ہوگا' تم بے فکر رہو اور مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں جب تمہارے ساتھ ہوں گا تو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ انہوں نے کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ مزید پس و پیش کا ارادہ ترک کر کے مسکرائی تھی۔

اور اسی روز گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند اماں سے کہا تھا۔

''اماں! میں نے اپنا نصیب بنا لیا ہے۔''

''کیسے؟'' اماں کو غالباً اس سے ہر بات کی توقع تھی جب ہی پہلے ناگواری سے اسے دیکھا تھا اور وہ نوٹس لیے بغیر اترا کر بولی۔

''میں جیلان ماربل انڈسٹریز کے مالک جیلان آفندی کے ساتھ شادی کر رہی ہوں۔''

اماں جس انداز سے بیٹھی تھیں' بیٹھی رہ گئیں کیونکہ انہیں شدید دھچکا لگا تھا۔ اس کی شادی کا سن کر نہیں بلکہ جس طرح اس نے اپنے طور پر فیصلہ کیا تھا اور انہیں یوں بتا رہی تھی جیسے ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

''ہیں! آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔'' وہ اماں کو گم صم دیکھ کر بولی۔ ''آپ کی بیٹی امیر بننے جا رہی ہے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں میں کھیلے گی۔''

''اللہ مبارک کرے۔'' کتنی دیر بعد اماں سنبھل کر بولیں۔ ''لیکن بیٹی! یہ کیسے ممکن ہے؟''

''کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی اماں! سب ممکن ہے۔ آج جیلان آفندی نے خود مجھ سے شادی کا کہا ہے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''کون جیلان؟''

''وہی ہمارے مالک۔ صائمہ کہاں ہے' میں اسے بتاتی ہوں۔ آپ کہاں میری باتیں سمجھیں گی۔ صائمہ صائمہ......!''

اس نے کہہ کر اونچی آواز میں صائمہ کو پکارا تو اس کا جواب بھی اندر ہی سے آیا تھا۔

''میں نہیں آ رہی۔''

''کیا کر رہی ہو۔'' وہ چونکہ اچھے موڈ میں تھی اس لیے خود اٹھ کر جانے لگی کہ اماں اس کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

''بیٹی! پہلے مجھے تو بتاؤ۔''

''بتایا تو ہے کہ آفندی نے مجھے شادی کا کہا ہے اور میں نے ہامی بھر لی ہے۔''

''ہم سے پوچھے بغیر؟'' اماں نے کمزور سی آواز میں کہا۔

''آپ سے پوچھنے کے بعد بھی تو مجھے ہامی ہی بھرنی تھی۔'' وہ بجائے نادم ہونے کے تنک کر بولی تھی۔

جب ابا نے سنا تو انہیں بھی دکھ ہوا اور پھر انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اسے ایک شادی شدہ شخص کے ساتھ شادی کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اسے اجازت کی کب ضرورت تھی بلکہ شاید وہ چاہتی ہی یہی تھی کہ اماں ابا اعتراض اٹھائیں اور وہ انہیں چھوڑ کر چلتی بنے ورنہ اتنی خودسری نہ دکھاتی۔ بلکہ پہلے انہیں آرام سے آفندی کے بارے میں بتاتی اور ان کے حق میں راہ ہموار کرتی۔ اس کے برعکس اس نے چھوٹتے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا جب کہ ادھر جیلان آفندی کو بہت دنوں تک یہ کہہ کر ٹالتی رہی کہ وہ اپنے ماں باپ کو منانے میں لگی ہوئی ہے۔ اس سے اس کا مقصد آتش شوق

کو بھڑکانا تھا۔

"تم مجھے اپنے گھر لے چلو۔ میں خود تمہارے والدین سے بات کروں گا۔"

"نہیں آفندی! میرے والدین بہت غصے میں ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کی انسلٹ کر دی تو مجھے بہت دکھ ہوگا اور شاید آپ بھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

"تمہاری خاطر میں سب برداشت کرلوں گا' تم چلو تو۔" وہ بہت بے صبرے ہو رہے تھے۔

"نہیں پلیز! آپ نہیں جانتے انہیں' کچھ دن صبر کرلیں۔" اس نے لجاجت سے منت کی تو وہ خاموش ہو گئے تھے۔

پھر ایک ہفتے بعد جیلان آفندی نے دوبارہ اصرار کیا تو وہ ان کے سامنے رو پڑی۔

"میرے ماں باپ نہیں مانیں گے۔ کبھی نہیں مانیں گے۔ وہ میری شادی کہیں اور طے کر رہے ہیں۔"

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" جیلان آفندی حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے۔

"کیا تم ان کی بات مان لوگی؟"

"میں زہر کھالوں گی لیکن آپ کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔" وہ اور شدت سے روتے ہوئے بولی تو جیلان آفندی کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگے۔

"سنو تمہیں مجھ پر بھروسا ہے؟"

اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا تو کہنے لگے۔

"چلو ہم ابھی شادی کر لیتے ہیں' بعد میں ہم دونوں مل کر تمہارے ماں باپ کو مناتے رہیں گے۔"

وہ کچھ نہیں بولی بس انہیں دیکھے گئی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔ میری بات بری لگی کیا؟"

"پتہ نہیں' میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ قصداً الجھی تھی۔

"اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے' چلو اٹھو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"لیکن آفندی اس طرح تو میں اکیلی ہو جاؤں گی۔"

"میں جو تمہارے ساتھ ہوں یا میرے ساتھ بھی تم خود کو اکیلا محسوس کرو گی۔" انہوں نے پوچھا تو اس نے سوچتے ہوئے انداز میں نفی میں سر ہلایا تھا۔

اور یہی اس کا مقصد تھا کہ ایک تو وہ جیلان آفندی کو سرے سے اپنے گھر لے جانا ہی نہیں

چاہتی تھی۔ کیونکہ حیثیتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ کبھی وہ اسے بہت چھوٹے گھر کی ہونے کا طعنہ دیں جب کہ وہ ان پر ہمیشہ یہ کہہ کر حکمرانی کر سکتی تھی کہ اس نے ان کی خاطر سب کو چھوڑ دیا۔

اپنے والدین کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ زیادہ دن اس سے ناراض نہیں رہیں گے لیکن یہ اس کی بھول تھی۔ ایک رات آفندی کے ساتھ گزارنے کے بعد اگلے دن جب وہ ان کی گاڑی میں گھر گئی تو...... ابا نے دہلیز پر ہی اسے روک لیا تھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟"

"میں نے شادی کر لی ہے۔" اس نے اپنے طور پر خوشخبری سنائی تھی۔

"یا اللہ! یہ دن بھی دیکھنا تھا۔" ابا کے پیچھے کھڑی اماں اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولیں تو اس نے تنک کر کہا۔

"کوئی گناہ نہیں کیا۔"

"تو اب بھی نہیں کمایا' ارے ہم مر گئے تھے جو......"

"بس خاموش......" ابا نے اماں کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور پھر اس سے بولے۔

"اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟"

"آپ کی دعائیں۔" وہ ڈھٹائی سے بولی تھی۔

"میرے پاس تو اس وقت ایک ہی دعا ہے بیٹی اور تم بھی ہر پل یہی دعا کرنا کہ خدا تمہیں کبھی اولاد کا دکھ نہ دکھائے۔"

ابا کا کلیجہ پھٹ رہا تھا' الفاظ بھی ٹوٹ کر نکلے اور پھر وہ پلٹ کر اندر چلے گئے۔

"اچھا اماں! میں چلتی ہوں۔ پھر آؤں گی۔" وہ بھی مزید نہیں رکی اور دہلیز سے واپس لوٹ آئی تھی۔

گزشتہ رات جیلان آفندی نے ہوٹل میں کمرہ بک کرایا تھا اور وہ ابھی بھی وہیں تھی۔ جیلان آفندی چاہتے تھے اس کیلئے الگ گھر کا انتظام کریں لیکن وہ بضد تھی کہ اسی گھر میں جائے گی جہاں پہلے سے ان کی بیوی اور بچہ موجود تھے۔

"میں تمہیں اس سے اچھا گھر لے کر دوں گا۔" جیلان آفندی نے کہا۔

"نہیں میں اکیلی نہیں رہ سکوں گی۔"

"اکیلی کیوں' میں جو ہوں گا تمہارے ساتھ۔"

"ہاں لیکن ادھر بھی تو جائیں گے پھر میں کیا کروں گی؟"

''میرا انتظار۔'' انہوں نے مسکرا کر چھیڑا لیکن وہ روٹھ گئی۔

''یہی میں نہیں چاہتی۔''

''اچھا پھر کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ ہنوز روٹھے لہجے میں بولی۔

''مجھے نہیں پتا۔''

''اچھا چلو' ابھی چلتے ہیں لیکن یہ سن لو کہ اگر سنی کی ممی نے کچھ کہہ دیا تو میری ذمہ داری نہیں ہوگی۔ مجھ سے مت لڑنا۔'' انہوں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

''فکر نہیں کریں' میں انہیں کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دوں گی۔'' وہ انہیں مجبور کر کے خوش ہو گئی تھی۔

پھر ان کے ساتھ آفندی ہاؤس میں قدم رکھتے ہی اس نے سوچا تھا کہ اگر سنی کی ممی کو میرے یہاں آنے اور رہنے پر اعتراض ہوا تو وہ شوق سے اپنا کہیں اور انتظام کر لے۔ مجھے یہیں رہنا ہے اسی گھر میں' یہ میرا گھر ہے۔

سنی کی ممی نے تو اس کے آنے اور رہنے پر اعتراض نہیں کیا تھا' کرتی بھی کیسے جس پر مان تھا وہ تو اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس لیے بہت خاموشی سے سنی کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو اس نے قصداً انجان بن کر پوچھا تھا۔

''یہ کون تھی؟''

''میری بیوی۔'' جیلان آفندی اگر سنی کی ممی کہتے تو شاید اسے اتنا برا نہ لگتا جتنا بیوی کہنے سے سلگ گئی تھی لیکن پہلے مرحلے پر کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس لیے خاموش رہ گئی۔

''آؤ اندر چلو۔'' جیلان آفندی اسے دوسرے بیڈ روم میں لے گئے تو وہ ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لے کر بولی۔

''پتہ نہیں میں نے یہاں آ کر اچھا کیا یا نہیں۔''

''تمہاری ضد تھی۔''

''ہاں لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ سنی کی ممی مجھے دیکھتے ہی منہ موڑ کر چلی جائیں گی تو میں......''

اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ارے......!'' جیلان آفندی ہنسے تھے۔ ''تمہارا کیا خیال تھا کہ وہ تمہاری آمد پر بہت خوش ہو کر تمہارا استقبال کرے گی۔ بے وقوف تم اس کے ساتھ بٹوارہ کرنے آئی ہو۔ یہی بہت ہے کہ اس نے کچھ کہا نہیں۔ بہرحال تم کچھ خیال نہیں کرو اور کہو تو میں تمہیں اس سے اچھا کمرے

دوں۔''

''اُسے لے دیں۔'' وہ بے اختیار بولی تھی۔

''نہیں' وہ اس گھر سے نہیں جائے گی۔'' ان کے حتمی انداز پر وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکی پھر فوراً سنبھل کر ت بدل گئی تھی۔

❁❁❁

اور پھر کتنے ہی دن وہ انجان سی بنی رہی اور جس طرح آفس میں اس نے جیلان آفندی کا جائزہ لیا تھا اسی طرح ان کے گھریلو معاملات اور معمولات کا جائزہ لیتی رہی۔

جیلان آفندی آفس سے آتے تو پہلے اپنی پہلی بیوی زینب کے کمرے میں جاتے تھے کچھ دیر وہاں بیٹھتے اس کے بعد رات کے کھانے تک سنی کے ساتھ وقت گزارتے تو اس دوران اس کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے۔ بس نہیں چلتا تھا کہ انہیں کھینچ کر اپنے کمرے میں لے آتی لیکن کمال عورت تھی اپنے ہر منفی جذبے کو بہت خوبصورتی سے چھپا کر یوں بن جاتی جیسے وہ اسی میں خوش ہے اور الٹا جیلان آفندی اس کے ممنون ہونے لگتے۔ یوں کتنے ہی دن اس نے خود پر جبر کیا اس کے بعد دھیرے دھیرے جیلان آفندی کی ڈور پر اپنی گرفت مضبوط کر کے انہیں اپنی طرف کھینچنے لگی تھی۔ جب وہ آفس سے لوٹتے تو پہلے سے گیٹ کے آس پاس موجود ہوتی اور ان کے آتے ہی لپک کر ان کی طرف بڑھتی، پھر بہت لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ کمرے میں لے آتی اور جو درمیان میں وہ زینب کے کمرے کی طرف مڑنے لگتے تو اسی وقت یا تو اسے چکر آجاتا یا پیٹ میں درد شروع ہو جاتا یہاں تک کہ معصوم سنی بھی اسے کھٹکنے لگا تھا۔

اور جب ایک سال بعد شہریار پیدا ہوا تب اس کی خود غرضی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ وہ جیلان آفندی اور ان کی ہر شے پر صرف اور صرف شہریار کا حق نہ صرف سمجھنے بلکہ اکثر جتانے بھی لگی تھی جس سے جیلان آفندی پہلے ٹھٹکے پھر ایک روز اسے دھیرج سے سمجھاتے ہوئے بولے تھے۔

"میرا ایک نہیں دو بیٹے ہیں اور جس طرح میرے دل میں دونوں کی محبت یکساں ہے۔ اسی طرح یہ دونوں مجھ پر ایک جیسا حق رکھتے ہیں۔ تم شیری کی بات کرتے ہوئے سنی کو مت بھولا کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ سنی میری پہلی اولاد ہے۔"

"اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟" وہ ان کی آخری بات پر ناگواری سے بولی تھی۔

"تم جو بھی سمجھو لیکن غلط مت سمجھنا۔" انہوں نے ٹالا بھی اور باور بھی کرایا تو اس وقت وہ خاموش ہو گئی۔ لیکن لفظ "پہلی" اس کے دل میں ترازو ہو گیا تھا۔

وہ اس گھر میں آئی ہی اس لیے تھی کہ دوسری نہیں کہلانا چاہتی تھی۔ حالانکہ یہ ایک اٹل حقیقت

تھی جسے کسی طور جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اگر جیلان آفندی پہلی کو چھوڑ کر اس سے شادی کرتے تب بھی وہ پہلی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی اس کی اولاد کے حصے میں یہ اعزاز آنا تھا اور یہ اسے پہلے سوچنا چاہیے تھا لیکن اس وقت ایک تو اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ نصیب صرف پیسے سے بنتا ہے۔ دوسرے یہ زعم بھی تھا کہ اس کی محبت میں کھو کر جیلان آفندی پہلی بیوی کیا بچے کو بھی بھول جائیں گے بلکہ اس کے کہنے پر چھوڑ بھی دیں گے تو پھر کچھ عرصہ ہی وہ لوگوں کو یاد رہے گی۔ اس کے بعد صرف وہ رہ جائے گی اور وہی پہلی اور آخری ہو گی لیکن اس کے برعکس جیلان آفندی نے پہلے مقام پر ہی اسے باور کرا دیا تھا کہ زینب یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔

بظاہر تو وہ خاموش ہو گئی تھی لیکن درحقیقت اس نے اس بات کو چیلنج بنا لیا تھا اور اپنی ساری توانائیاں وہ اس کیخلاف پلان بنانے میں صرف کر رہی تھی کہ کسی طرح زینب اور سنی کو اس گھر سے ہی نہیں جیلان آفندی کی زندگی سے بھی نکال دے۔ مختلف بہانوں سے وہ جیلان آفندی کو اس کے کمرے تک جانے سے تو روک لیتی تھی۔ لیکن انہیں اس سے متنفر نہیں کر پا رہی تھی۔ کیونکہ جیلان آفندی اس کیخلاف کچھ سنتے ہی نہیں تھے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس سے محبت کرتے تھے بلکہ جانتے تھے کہ وہ سیدھی سادی کم گو عورت ہے اور اس سے بھی یہی کہتے تھے۔

"بے وقوف ہے وہ، تم اس کی باتوں کا برا نہیں مانا کرو۔"

اس کے بعد وہ لاکھ کچھ کہتی آفندی یوں بن جاتے جیسے سن ہی نہیں رہے جس پر وہ مزید تلملا جاتی تھی۔

اور اس وقت تو وہ بالکل ہی آپے سے باہر ہو گئی جب اس نے سنا کہ زینب پھر ماں بننے والی ہے۔ شاید اپنے طور پر اس نے سمجھ لیا تھا کہ جیلان آفندی دوبارہ کبھی زینب کی طرف راغب نہیں ہوں گے۔ بس فرض نبھانے کو ایک آدھ گھنٹہ جو اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں وہ بھی اسے گراں گزرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کبھی انہیں اس کے کمرے کی طرف دیکھنے بھی نہیں دیتی تھی۔ ہر پل اپنی اور شیری کی ذات میں الجھائے رکھتی اس لیے اسے حیرت تو تھی اس سے زیادہ غصہ اور پھر جیلان آفندی کے سامنے اس نے اپنا ایک امیج بنا لیا تھا یعنی زینب کے معاملے میں کسی بات پر براہ راست الجھتی نہیں تھی۔ خواہ اس کے اندر لاوا دہکتا لیکن ان پر ظاہر نہیں کرتی تھی کیونکہ اس کے خیال میں ایسا نچلے طبقے کی عورتیں کرتی ہیں۔ اس لیے اس نے ابھی بھی ان سے کچھ نہیں کہا بلکہ جب انہوں نے بتایا کہ اس گھر میں ایک اور مہمان آنے والا ہے تو پہلے وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"اور مہمان؟"

"ہاں ابھی زینب نے خوشخبری سنائی ہے۔" انہوں نے خوش ہو کر بتایا تو وہ بھونچکا رہ گئی۔

"اللہ نے بیٹے تو دیئے ہیں' اب میری خواہش بیٹی کی ہے۔" جیلان آفندی نے اپنی خوشی میں اس کے چہرے کی بدلتی رنگت پر غور ہی نہیں کیا ورنہ اس وقت وہ اسے بہت اچھی طرح پہچان لیتے۔

"بیٹی ہی ہوگی۔" وہ بہت جلدی سنبھل کر بولی تھی۔

"اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو۔" انہوں نے چونک کر پوچھا تو مسکرا کر بولی تھی۔

"میرا یقین اس بات پر ہے کہ آپ کی ہر خواہش پوری ہوگی۔"

"ہاں اب تک تو ایسا ہی ہوا ہے۔"

"آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔" وہ اس وقت ان کی خوشی شیئر کر کے ان کی نظروں میں سرخرو ہوگئی تھی۔

اور اگلے روز ان کے آفس جاتے ہی وہ زینب کے کمرے میں جا پہنچی تھی اس تمام عرصے میں وہ پہلی بار براہ راست زینب سے مخاطب ہو رہی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اسے اس قابل ہی نہیں سمجھتی اور وہ خود کیا تھی اس وقت اگر جیلان آفندی اسے دیکھ یا سن لیتے تو کھڑے کھڑے فیصلہ سنا دیتے۔

"سنا ہے تم ماں بننے والی ہو۔" اس نے چھوٹتے ہی جارحانہ انداز میں زینب سے پوچھا تھا اور گو کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا پھر بھی مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا تو وہ اس کی بزدلی پر مزید شیر ہو کر انتہائی فحش گالیاں دینے لگی تھی اور آخر میں وارننگ بھی دی کہ اگر اس نے جیلان آفندی سے اس کی شکایت کی تو وہ اسے گھر سے نکلوانے میں دیر نہیں کرے گی۔

اور زینب تو تھی ہی سادہ و بزدل' مزید اس سے خائف ہوگئی تھی۔ حالانکہ وہ جیلان آفندی کے بیٹے کی ماں تھی اور پھر بیٹی کو جنم دے کر اس نے ان کی خواہش پوری کر دی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے ڈرتی تھی کیونکہ اس نے اس گھر میں آتے ہی اپنی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔

ملازمین پر بلاوجہ رعب' کھانے کی ٹیبل پر خانساماں کی کم بختی آتی اور کیونکہ ایسے میں آفندی کچھ نہیں بولتے تھے اس لیے شاید زینب یہ سمجھتی تھی کہ وہ بھی اس سے خائف ہیں۔ بہر حال بیٹی کی پیدائش پر آفندی بہت خوش تھے اور اب آفس سے آتے ہی سیدھا زینب کے کمرے میں جاتے اور گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے تو ایسے میں وہ شیری کو ان کے پاس بھیج دیتی تھی۔ اس وقت شیری چار سال کا تھا اور اسے وہ ننھی سی گڑیا بہت اچھی لگتی تھی۔

جیلان آفندی ننھی گڑیا کو گود میں لیتے تو ان کے ایک طرف سنی اور دوسری طرف شیری آن بیٹھتا تھا۔

شیری مسلسل سوال کرتا۔

"یہ کہاں سے آئی ہے؟"

"اللہ میاں نے دی ہے۔" جیلان آفندی سے پہلے سنی جواب دے کر اپنی بڑائی جتاتا۔

"یہ بولتی کیوں نہیں؟"

"ابھی بہت چھوٹی ہے نا۔"

"یہ روتی کیوں ہے؟"

"اسے بھوک لگی ہے۔"

جیلان آفندی دونوں کی باتوں سے خاصے محظوظ ہوتے تھے۔

اور اس دوران صاعقہ...... جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں چکراتی رہتی تھی' لیکن جیسے ہی جیلان آفندی کمرے میں آتے وہ یوں بن جاتی جیسے اسے پرواہ ہی نہیں۔

جب گڑیا چھ مہینے کی ہوئی تو اس کی معصوم کلکاریاں سارے گھر میں گونجنے لگی تھیں اور فطری سی بات تھی کہ جیلان آفندی بے اختیار اس کی طرف کھنچے چلے جاتے۔ اس وقت خواہ صاعقہ...... چکرا کر گر رہی ہوتی یا اس کے پیٹ میں درد اٹھتا وہ نہیں رکتے تھے۔ بھاگے چلے جاتے تو اس صورتحال سے وہ واقعی پریشان ہوگئی لیکن ہارنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس لیے بس چند دن ہی پریشان رہی تھی اس کے بعد اس نے زینب کو بچوں سمیت اس گھر بلکہ جیلان آفندی کی زندگی سے نکال دینے کی ٹھان لی تو پھر وہ عورت سے ڈائن بن گئی تھی۔

یہ اس نے جان لیا تھا کہ زینب پر اس کی کسی بات کا اثر نہیں ہوتا یعنی وہ اس پر کتنے ستم ڈھائے یا گھناؤنے الزام لگائے وہ یہ دہلیز چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ شاید ماں باپ نے اسے رخصت کرتے ہوئے یہی سکھایا تھا کہ شوہر کی چوکھٹ سے مر کر ہی نکلے گی اور وہ اسے بچوں سمیت مار دینے پر تیار ہوگئی تو پھر اس نے کچھ اور سوچا ہی نہیں تھا اور دوپہر کے کھانے میں گھر میں موجود کیڑے کوڑے مارنے کی دوا کافی مقدار میں سالن میں ملا کر خود اپنے کمرے میں شیری کو ہوم ورک کروانے میں لگ گئی تھی۔

جب ملازمہ اسے کھانے کیلئے بلانے آئی تو اس نے خاصی پژمردہ شکل بنا کر کہا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' سر میں بہت درد ہے' بس ایک کپ چائے لا دو۔"

"اور کھانا؟" ملازمہ نے پوچھا تو وہ چڑ کر بولی تھی۔

"کیا کھانا؟"

"وہ جی میں نے میز پر رکھ دیا ہے۔"

"تو میں کیا کروں' جا کر اسے اطلاع دو۔" اس کے تیز لہجے پر ملازمہ خائف ہو کر بولی۔

"وہ تو نہیں ہیں۔"

"نہیں ہے' زینب نہیں ہے کہاں گئی۔" وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"پتہ نہیں جی مجھے تو نہیں بتایا۔"

"اچھا" اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھا۔ "بچوں کے پاس کون ہے؟"

"بچے ان کے ساتھ تھے جی۔" ملازمہ نے بتایا تو وہ چونکی ٹھٹکی پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ اور ہاں چائے ابھی مت بنانا میں پہلے کھانا کھاؤں گی۔" پھر وہ ملازمہ کے ساتھ ہی نکل کر ڈائننگ روم میں آئی تھی اور اسے دکھانے کی خاطر اس نے پلیٹ میں سالن بھی نکالا تھا۔ پھر روٹی ہاتھ میں لے کر اس سے بولی تھی۔

"ابھی تم جاؤ زینب آئے گی تو وہی تمہیں اور کام بتائے گی۔"

ملازمہ چلی گئی تب اس نے پہلے سالن ٹھکانے لگایا پھر زینب کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ اس وقت کہاں گئی ہے۔ میکے یا ڈاکٹر کے پاس' کیونکہ اس کے علاوہ تو وہ کہیں نہیں جاتی تھی اور یہ وقت دونوں جگہ جانے کا نہیں تھا۔ یعنی اگر اسے میکے جانا ہوتا تو وہ صبح کو جاتی تھی اور ڈاکٹر کے پاس شام کو۔ اس لیے وہ ٹھٹکی یا شاید اس کے دل میں چور تھا جب ہی شیری کو سلا کر وہ زینب کے کمرے میں آ گئی۔

پہلی نظر میں ہی اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ حالانکہ کمرے میں کہیں پھیلاوا نہیں تھا۔ پھر اس نے غور کیا تو الماری کے دونوں پٹ کھلے نظر آئے۔ وہ تیر کی سی تیزی سے بڑھی اور الماری کا جائزہ لینے لگی۔ کچھ بھاری کام کے کپڑے تھے اور بس دراز خالی اور لاکر میں سے ایک لفافہ اس کے ہاتھ آیا جسے اس نے فوراً چاک کر کے دیکھا تو آفندی کے نام خط تھا۔ غالباً بہت عجلت میں لکھا گیا تھا۔

جیلان!

میں آپ کی دنیا سے بہت دور جا رہی ہوں کیونکہ میں صاعقہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ عورت نہیں ڈائن ہے۔ جسے آج کھانے میں زہر ملاتے ہوئے خانساماں نے خود دیکھا ہے۔ اگر وہ مجھے نہ بتاتا تو شاید آپ کی واپسی تک میں اور سنی زندگی سے ہاتھ دھو چکے ہوتے۔ مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں لیکن اپنے بچوں کی خاطر مجھے ابھی بہت جینا ہے۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو اس عورت کے شر سے محفوظ رکھے۔

زینب۔

اس نے خط مٹھی میں دبا کر دانت پیسے لیکن اس کا دل قابو میں نہیں تھا۔ اس خیال سے ہی اسے پسینہ آ رہا تھا کہ اگر یہ خط آفندی کے ہاتھ لگ جاتا تو۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ کتنی دیر تک اسی خیال کے زیر اثر رہی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا تھا۔ پہلے خط جلایا اس کے بعد چاہا کہ کچھ دیر سو جائے لیکن نیند کہاں آنی تھی۔ اسے زینب اور اس کے بچوں کی پروا نہیں تھی۔ اس کی بلا سے جہنم میں جائیں۔ بس یہ سوچ پریشان کر رہی تھی کہ کہیں وہ جیلان آفندی تک نہ پہنچ جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر جانے آفندی اس کا کیا حشر کریں۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ خیال آیا تھا کہ اگر زینب زہر آلود کھانا کھا کر مر جاتی تو اس کا حشر اور بھی برا ہوتا اور یہ اس نے پہلے نہیں سوچا تھا۔

اچھا ہوا خود ہی چلی گئی اور اگر آفندی تک پہنچ بھی گئی تو میں صاف مکر جاؤں گی۔ کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ میں نے کھانے میں کچھ ملایا تھا اور خانساماں اس نمک حرام کو تو میں نہیں چھوڑوں گی۔

آخر وہ خود کو کچھ اطمینان دلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود روزانہ کی طرح شام کو نہ تیار ہوئی نہ لان میں نکلی۔ ایک تو دل میں چور تھا۔ دوسرے ذہنی انتشار نے واقعی اسے نڈھال کر دیا تھا اور جیلان آفندی پہلے مرحلے پر چونکہ اس کی موجودگی کے عادی ہو چکے تھے اس لیے اس روز اسے موجود نہ پا کر انہیں اچنبھا ہوا جب ہی سیدھے اسی کے پاس آئے تھے اور اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر قدرے تشویش سے پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔"

"ہاں بس۔ پوری دوپہر سر کے درد سے پریشان رہی۔" وہ براہ راست انہیں دیکھنے سے خائف تھی جب ہی اپنی کنپٹیاں دبانے لگی تھی۔

"زیادہ درد ہے تو چلو ڈاکٹر کے پاس۔" انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ پہلے شاور لے لیں۔" اس نے گویا منع نہیں کیا۔

"بس پانچ منٹ' تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تب ہی شیری ان کی ٹانگوں سے لپٹ کر بولا۔

"پاپا گڑیا پاس چلیں۔"

"ہاں بیٹا چلتے ہیں۔" انہوں نے جھک کر شیری کو گود میں اٹھا لیا اور جانے لگے تو وہ گھبرا کر بول پڑی۔

"وہ شاید میکے گئی ہے۔"

"کون زینب؟" جیلان آفندی نے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ اپنی جگہ پہلو بدل کر بولی۔

"ہاں' ملازمہ بتا رہی تھی کہ وہ بچوں کے ساتھ گئی ہے۔ سارا دن گڑیا کی آواز بھی نہیں آئی۔"

"اچھا!" جیلان آفندی کی حیرت بجا تھی کیونکہ زینب ان سے پوچھے بغیر کبھی نہیں گئی تھی۔

"آپ شاور لے لیں پھر ڈاکٹر کی طرف چلیں گے۔ شیری میرے پاس آؤ۔" اس نے فوراً ان کا دھیان بٹا دیا تھا لیکن کب تک' اسے ڈاکٹر کو دکھانے کے بعد اس کے کہنے پر رات کا کھانا بھی باہر ہی کھایا اور جب گھر واپس آئے تو زینب کے کمرے میں گئے تھے لیکن آگے اسے موجود نہ پا کر انہیں مایوسی کے ساتھ تشویش نے گھیر لیا تھا۔ الٹے پیروں واپس اس کے پاس آ کر پوچھنے لگے۔

"سنو تمہارے ساتھ کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔"

"کس کا؟" وہ یکسر انجان بن گئی تھی۔

"زینب کا۔"

"آفندی! جھگڑا وہاں ہوتا ہے جہاں دو فریقوں کے مابین کوئی تعلق ہو اور ہمارے درمیان تو کبھی رسمی گفتگو بھی نہیں ہوئی۔ ویسے زینب نے آپ سے کیا کہا ہے؟" اس نے بہت دھیرج سے ٹوکنے اور جتانے کے بعد پوچھا تو وہ جز بز سے ہو کر بولے تھے۔

"زینب ابھی تک نہیں آئی۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ وہ مجھ سے پوچھے بغیر' مجھے بتائے بغیر گئی ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا۔"

"ہو سکتا ہے اس کے میکے میں کوئی بات ہو گئی ہو۔" وہ مکمل طور پر خود پر قابو پا چکی تھی اور اسے یقین تھا کہ اب وہ کہیں کسی مقام پر کمزور نہیں پڑے گی اس لیے پورے اعتماد سے بول رہی تھی۔

"تو وہ مجھے فون کر سکتی تھی۔" انہوں نے الجھ کر کہا تو اس بار اس نے ناگواری سے ٹوکا۔

"آفندی اس کا معاملہ آپ اسی کے ساتھ نمٹائیں۔"

جیلان آفندی نے ہونٹ بھینچ کر کچھ دیر سوچا پھر کارڈلیس لے کر زینب کے کمرے میں چلے گئے اور نمبر ڈائل کرتے ہوئے انہیں اچانک کمرہ خالی خالی سا لگنے لگا تو وہ الجھ کر ایک ایک چیز کو دیکھنے لگے جبکہ ادھر کارڈلیس بھی کان سے لگا چکے تھے۔

"ہیلو!" ادھر سے ان کی چچی (ساس) کی آواز آئی تھی۔

"السلام علیکم!" انہوں نے چونک کر سلام کیا تھا۔

"خوش رہو میاں' ٹھیک تو ہو۔"

"جی آپ کے ہاں سب خیریت ہے نا۔" انہوں نے فوراً پوچھا تو ان کی توقع کے خلاف جواب آیا۔

"اللہ کا شکر ہے' سب خیریت ہے۔"

"اور زینب' میرا مطلب ہے زینب سے بات کرائیں۔" انہوں نے کہا۔

"زینب وہیں اپنے گھر ہو گی۔ تم کہاں سے بات کر رہے ہو۔" ادھر سے چچی نے تعجب سے پوچھا تو وہ الجھ کر بولے۔

"میں گھر سے ہی بات کر رہا ہوں' زینب صبح گئی تھی آپ کی طرف۔"

"ہائیں' ادھر تو نہیں آئی۔"

"پھر کہاں گئی' بچے بھی اس کے ساتھ ہیں اور ابھی تک گھر واپس نہیں آئی۔" انہوں نے یوں جرح کی جیسے ان کا قصور ہو۔

"الٰہی خیر' میری بچی۔" ادھر چچی رونے لگیں تو انہوں نے جھنجھلا کر سلسلہ منقطع کر دیا اور اس دوران جو الماری کے ادھ کھلے پٹ ان کی توجہ کھینچ رہے تھے تو وہ فوراً اٹھ کر اس کا جائزہ لیتے ہی چکرا گئے تھے۔

پورا سیف خالی تھا جس کا مطلب تھا کہ زینب سب قیمتی چیزیں اپنے ساتھ لے گئی ہے اور انہیں قیمتی چیزوں کی پروا نہیں تھی۔ زینب اور بچوں کا خیال تھا اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا۔ اگر اسے ان سے یا صاعقہ سے کوئی شکایت تھی تو پہلے ان سے کہتی۔ اس طرح جا کر تو وہ انہیں بڑی مشکل میں ڈال گئی تھی۔ اگر اپنے میکے جاتی تب بھی پریشانی کی بات نہیں تھی۔

"کہاں جا سکتی ہے۔" وہ سوچ سوچ کر تھک گئے تو وہیں چیئر کی بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ان کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔

کتنی دیر بعد صاعقہ نے آ کر انہیں پکارا تھا۔

"آفندی!"

وہ سوئے نہیں تھے پھر بھی آنکھیں نہیں کھلیں تو صاعقہ ان کا کندھا ہلا کر بولی۔

"آفندی ایسے کیسے سو رہے ہیں' بیڈ پر چلیں۔"

"میں سو نہیں رہا۔" انہوں نے آنکھیں کھولیں تو وہ ان میں اتری سرخی دیکھ کر اندر ہی اندر دہل کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے آفندی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے اور وہ زینب ابھی تک نہیں آئی۔"

"وہ شاید آنے کیلئے نہیں گئی۔" وہ بمشکل اپنا غم اور غصہ دبا کر بولے تھے۔

"کیا مطلب.....!"

"مطلب میں خود نہیں سمجھ پا رہا' تمہیں کیا بتاؤں۔" وہ سوچتے ہوئے بولنے لگے تھے۔

"وہ اگر مجھ سے یا تم سے لڑ کر جاتی تو اپنی ماں کے گھر جاتی لیکن وہ وہاں نہیں گئی اور جاتے ہوئے اپنے ساتھ زیورات اور نقد رقم بھی لے گئی ہے۔ اس سے تمہارے ذہن میں کیا بات آتی ہے۔" انہوں نے اچانک اس سے پوچھا تو وہ اندر ہی اندر مطمئن ہو گئی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے توقف سے وہ خود ہی کہنے لگے۔

"نہیں' میرا دل نہیں مان رہا۔ وہ ایسی عورت نہیں ہے جو کسی کی باتوں میں آ کر اپنا گھر بار......"

وہ ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگے تو چند لمحوں میں اس نے جانے کیا کچھ سوچ ڈالا پھر ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"میں اگر کچھ کہتی تو آپ کبھی میرا یقین نہ کرتے بلکہ یہی سمجھتے کہ میں زینب سے جل کر اور آپ کو اس سے متنفر کرنے کی خاطر اس پر الزام لگا رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر دیکھا تو وہ نظریں چرا کر بولی تھی۔

"آپ جان تو گئے ہیں اور مجھے تو بہت عرصے سے زینب کی سرگرمیاں مشکوک لگ رہی تھیں لیکن یہ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑا قدم اٹھا لے گی۔"

"کیا' کیا دیکھا تھا تم نے' کیا سرگرمیاں تھیں اس کی' وہ' وہ تو سارا وقت گھر میں رہتی تھی۔"

"ہاں یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ سارا وقت گھر میں رہتی تھی' لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے پاس کون آتا جاتا تھا۔" اس کے یقین سے کہنے پر وہ کتنی دیر اسے دیکھتے رہے پھر تنفر سے بولے تھے۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا اور جس کے ساتھ گئی ہے اسے بھی دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔"

"ریلیکس آفندی ریلیکس!" اس نے ان کا ہاتھ تھپکا لیکن وہ غصے سے اسے پرے دھکیل کر باہر نکل گئے تھے۔ پھر کتنا عرصہ جیلان آفندی پاگلوں کی طرح زینب کو ڈھونڈتے رہے تھے اور اگر وہ انہیں کہیں نظر آ جاتی تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے شوٹ کر دیتے کیونکہ جس طرح وہ گئی تھی' اس سے اگر انہیں اس کے بھاگ جانے کا شبہ تھا تو اس شبے کو تقویت دے کر یقین میں بدلنے والی صاعقہ تھی۔

جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر حقیقتاً اندر سے بہت خوش تھی لیکن بظاہر جیلان آفندی کے ساتھ ہمدردی جتاتی اور ان کا غصہ کم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ یوں دھیرے دھیرے وہ زینب کی طرف سے ان کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو گئی تو اس نے سمجھ لیا کہ اب جیلان آفندی بھی یہی چاہتے تھے لیکن پھر اچانک جانے کیا ہوا تھا کہ جیلان آفندی پہلے اس سے اُکھڑے اُکھڑے رہنے لگے پھر ایکدم گم صم ہو گئے تھے۔

وہ پوچھتی تو ٹال جاتے اور وہ قصداً زیادہ اصرار نہیں کرتی تھی مبادا وہ زینب اور بچوں کا ذکر لے

نہیں کیونکہ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ آفندی بچوں کو نہیں بھول سکتے اور بچوں ہی کو یاد کرتے ہوئے ایک رات ان کے سینے میں درد اٹھا تھا۔

"میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔" وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی' فوراً ڈاکٹر کو فون کیا اور ادھر سے جواب نہیں ملا تو ایمبولینس بلا لی تھی۔ لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی جیلان آفندی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے تھے۔

"پینتیس سال کوئی اتنی زیادہ عمر نہیں ہوتی اور وہ اتنی ہی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی۔ چاہتی تو نئے سرے سے نئی زندگی شروع کر سکتی تھی لیکن جیلان آفندی کی کرسی پر بیٹھ کر اسے جس حاکمیت کا احساس ملا تھا ایک مرد کے سامنے کھونا نہیں چاہتی تھی۔

اور پھر واقعی اس نے بہت دھڑلے سے حکمرانی کی تھی۔ بزنس کے اسرار و رموز سے ناواقفیت کے باوجود بہت جلدی اس نے ماربل انڈسٹریز کے علاوہ فیکٹری پر بھی کنٹرول حاصل کر کے بہت خوبی سے بزنس کو چلایا اور پھیلایا تھا اور اس تمام عرصے میں یہ نہیں تھا کہ وہ زینب اور اس کے بچوں کو بالکل ہی بھول گئی تھی۔

کبھی کبھی خیال ضرور آتا تھا لیکن یہ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زینب کا بیٹا سنی کبھی ان سے اپنا حق مانگنے کی جرأت بھی کرے گا اور اس کی جرأت پر وہ تلملائی ضرور تھیں لیکن پریشان نہیں تھیں کیونکہ انہیں خود پر بے پناہ بھروسہ اور غرور تھا۔

"میں...... میرے مقابل سنی ایک پل نہیں ٹھہر سکتا۔" وہ تفاخر سے گردن اکڑا کر سوچتی تھیں۔

☆☆☆

ٹھٹھرا دینے والی سردی کے باوجود وہ بالکونی میں کھڑی تھی اور دور سے آتی ہر گاڑی کو دیکھ کر سوچتی کہ شاید اس میں شہریار ہو۔ شام پانچ بجے وہ چیک اپ کیلئے ڈاکٹر کے پاس گیا تھا اور اب آٹھ بج رہے تھے۔ پتہ نہیں اسے اتنی دیر کیوں ہو گئی تھی۔

اسے غصہ اس بات پر تھا کہ وہ اسے ساتھ لے کر کیوں نہیں گیا تھا۔ کتنا اصرار کیا تھا اس نے ساتھ جانے کو لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ بس ایک گھنٹے میں آ جاؤں گا اور تین گھنٹے ہو گئے تھے تو اب اس کی تشویش فطری تھی۔ ساری خفگی بھلا کر وہ اب اس کی خیریت سے واپسی کی دعائیں مانگ رہی تھی کہ ٹیلیفون کی بیل پر اسے پہلا خیال یہی آیا کہ شہریار کا فون ہو گا جب ہی بھاگ کر اندر آئی تھی۔

"ہیلو......" اس کی بے تابی آواز میں بھی سمٹ آئی تھی۔

"کیسی ہو فائقہ؟" دوسری طرف بیگم آفندی کی آواز سن کر اس کا زور زور سے دھڑکتا دل ٹھہر گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ماما! آپ کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک' شہریار کہاں ہے؟" انہوں نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"وہ چیک اپ کیلئے ہاسپٹل گئے تھے۔ ابھی تک نہیں لوٹے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے' آ جائے گا۔" بیگم آفندی نے ناگواری سے ٹوکا تو اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ مبادا اسکی کی صورت کوئی آواز سن کر وہ اور ناراض ہوں۔

"سنو!" قدرے توقف سے بیگم آفندی اسے پکار کر پوچھنے لگیں۔

"تم نے چیک اپ کرایا؟"

"میں نے؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں' میں تمہاری طرف سے خوشخبری کی منتظر ہوں۔" بیگم آفندی نے کہا تو وہ ان کا مطلب سمجھ کر جز بزسی ہو کر بولی۔

"ماما! اس وقت آپ کو صرف اور صرف شیری کیلئے دعا کرنی چاہیے۔"

"یہ تم مجھے بتاؤ گی۔" انہوں نے غصے سے کہا تو وہ خاموش ہو رہی۔

"سنو' شیری آئے تو اس سے کہنا مجھے فون کرے۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"عجیب عورت ہے' بلکہ عجیب ماں ہے۔" وہ ریسیور رکھ کر تاسف سے بڑبڑانے لگی تھی۔

"بہت اسٹرانگ بنتی ہیں۔ یہ بے حسی ہے سراسر بے حسی۔" معاً ڈور بیل پر وہ چونک کر اٹھی اور دروازے کے قریب جا کر انٹرکام کا بٹن دبا کر پوچھا۔

"کون؟"

"شہریار۔" اس نے فوراً دروازہ کھول دیا لیکن پھر اسے دیکھ کر رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"سوری سوری یار! آئی ایم ویری سوری۔" شہریار نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنی طرف موڑا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"مجھ سے بات مت کریں۔"

"پھر کس سے کروں۔"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ اپنے کندھوں سے اس کا ہاتھ ہٹا کر کچن میں آ گئی۔

"بہت سخت بھوک لگی ہے لیکن میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔" شہریار نے اس کے پیچھے آتے ہوئے کہا تو اس نے بے اختیار پوچھا۔

"کیوں؟"

"تم جو ناراض ہو۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر بولا تو اسے ہنسی آ گئی۔

"میں بالکل ناراض نہیں ہوں۔ آپ جلدی سے منہ ہاتھ دھوئیں' میں کھانا نکال رہی ہوں۔"

"او کے باس!" وہ اسے سلیوٹ مار کر واپس پلٹ گیا تو اس نے کھانا نکال کر ٹیبل پر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

شہریار صرف ہاتھ دھو کر ہی آ گیا تھا۔

"تم کھانا اچھا پکا لیتی ہو۔" شہریار نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔"

"میں پاکستان جاتے ہی خانساماں کی چھٹی کر دوں گا۔" اس نے کہا پھر خود ہی برا سا منہ بنا کر بولا۔ "لیکن ماما نہیں کرنے دیں گی۔"

"ارے ہاں ماما کا فون آیا تھا۔" اس نے یوں ظاہر کیا جیسے ماما کے ذکر پر اسے یاد آیا ہو۔

"کب......؟" شہریار کھانے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے' آپ کھانے کے بعد انہیں فون کر لیجئے گا۔" اس نے کہا تو وہ کھانا چھوڑ کر اٹھنے لگا تھا۔

"ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں پہلے ان سے بات کر لوں۔"

"شیری پلیز! پہلے کھانا کھا لیں۔" اس نے نرمی سے روک دیا پھر کھانے کے بعد انجان سی بن کر چائے بنانے لگ گئی اور جب چائے لے کر کمرے میں آئی تو وہ آرام سے لیٹا تھا۔

"ہو گئی ماما سے بات؟" اس نے چائے کا مگ اسے تھماتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں بہت شکایتیں کی ہیں تم نے میری۔"

"میں نے۔"

"تو انہیں کس نے بتایا ہے کہ میں اکیلا گیا تھا' بہت دیر سے لوٹا ہوں' تم پریشان ہو رہی تھیں وغیرہ وغیرہ۔"

"میں نے شکایتاً انہیں بتایا تھا؟ خیر چھوڑیں یہ بتائیں ڈاکٹر نے آپ سے کیا کہا؟" اس نے بیگم آفندی کے ذکر سے کترا کر بات بدل دی۔

"سب ٹھیک ہے کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" وہ ڈاکٹر کے انداز میں کہہ کر ہنسا پھر آہستہ سے اس کی ناک چھو کر بولا۔

"تمہاری محبت نے مجھے زندہ کر دیا ہے۔"

"یہ آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔" وہ شریر مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولی۔

"نہیں کرتیں؟" شہریار نے گھورا۔

"اونہوں" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر مجھ پر ابھی فاتحہ پڑھ لو۔" شہریار نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں تو وہ چیخ پڑی۔

"شیری! میں ایسا بے ہودہ مذاق ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اور جو تم نے کیا' وہ بہت اچھا مذاق تھا۔ اس روز مر جاؤں گا جس روز تمہاری محبت میں ذرہ برابر کمی آئی' سمجھیں۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" اس کے آنسو بے اختیار چھلک گئے تھے۔

"اے اے رونا نہیں۔" وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر بولا۔

"میں جانتا ہوں' تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو اور یہ بات جہاں مجھے بہت خوشی دیتی ہے وہاں میں پریشان بھی ہو جاتا ہوں۔"

"پریشان کیوں؟" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیونکہ اپنی زندگی بہت تھوڑی لگتی ہے' سوچتا ہوں......" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ اس نے فوراً اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ٹوک دیا۔

"شیری پلیز۔"

شہریار نے بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھا پھر اپنے ہونٹوں سے اس کا ہاتھ ہٹا کر بولا۔

"آؤ آج ہم اپنے سارے خوف مٹا ڈالیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"مطلب جو میں پوچھوں اس کا ایمانداری سے جواب دینا اور یوں سمجھنا جیسے ہم اپنے بارے میں نہیں بلکہ کسی اور کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ اس طرح تمہیں آسانی ہو گی۔" شہریار نے کہا تو وہ ابھی بھی نہیں سمجھی اور وہ مزید سمجھانے کے بجائے پوچھنے لگا۔

"یہ بتاؤ' جب شہریار مر جائے گا تو فائقہ کیا کرے گی۔"

"فائقہ بھی مر جائے گی۔" وہ بے اختیار کہہ کر اس کا مطلب بھی سمجھ گئی تھی اور احتجاج کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

"نہیں یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو اپنی عمر جینا ہوتا ہے۔ کوئی کسی کے ساتھ نہیں مرتا۔ یہ قدرت کا قانون ہے۔"

"ہو سکتا ہے فائقہ کی عمر بھی اتنی ہی ہو بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شہریار سے پہلے ہی مر جائے۔" اس نے اپنے طور پر اسے لاجواب کر دیا تھا۔

"ہوں' ایسا ہو بھی سکتا ہے لیکن ابھی ہم فائقہ کی لمبی عمر کی بات کریں گے۔" شہریار نے اس کا دل رکھنے کی خاطر اس کی تائید کر کے کہا تو وہ الجھ کر بولی۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"ایسے مت کرو پلیز' ریلیکس ہو کر میری بات کا جواب دو کہ شیری کے بعد فائقہ کیا کرے گی۔" شہریار نے دھیرج سے ٹوک کر اپنی بات دہرائی تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"پتہ نہیں' آپ بتائیں اسے کیا کرنا چاہیے؟"

وہ کچھ دیر اس پر نظریں جمائے جانے کیا سوچتا رہا پھر بیڈ کی پشت سے سر ٹکا کر کہنے لگا۔

"شیری کی یاد کو دل کے کسی کونے میں بند کر رکھنا اور کبھی کبھار ہی وہاں جھانکنا اور اگر زندگی میں کوئی اور اچھا ساتھی مل جائے تو پھر کبھی کبھار بھی نہیں۔"

"شیری!" اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا تھا۔

"میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں لیکن میں تمہیں اپنی محبت کا پابند نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ سراسر خود غرضی ہو گی اور خود غرض تو میں کبھی بھی نہیں تھا۔ ورنہ دھوکے سے تم سے شادی کر سکتا تھا' ہے نا۔"

وہ فوراً کچھ نہیں بولی۔ کچھ دیر سر جھکائے اپنی ہتھیلیاں دیکھتی رہی پھر ذرا سی پلکیں اٹھا کر پوچھنے لگی۔

"سچ بتائیں شیری! آپ کو میری محبت پر کتنا یقین ہے۔"

"جتنا اس وقت مجھے اپنے اور تمہارے ہونے پر ہے۔" شہریار نے ایمانداری سے کہا تو وہ پھر سوچتے ہوئے انداز میں پوچھنے لگی۔

"اگر کوئی ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا کر دے یا آپ کو مجھ سے بدگمان کرنے کی کوشش کرے تو آپ کیا کریں گے۔"

"بے وقوف' ایسی جرأت کوئی نہیں کر سکتا۔" شہریار نے اس کے اندیشے پر ذرا سا مسکرا کر کہا۔

"فرض کریں۔" وہ بضد ہوئی۔

"تو میں کبھی اس کا یقین نہیں کروں گا۔"

"وعدہ؟" اس نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی تو وہ اسے اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر بولا۔

"پکا وعدہ۔" پھر اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

"تمہارے اندر ایسا کوئی خدشہ ہے؟"

"نہیں بس یونہی خیال آ گیا تھا۔" وہ قصداً مسکرائی پھر وارننگ کے انداز میں بولی تھی۔

"اور ہاں ابھی جو آپ نے اتنی خوفناک باتیں کیں تو یاد رکھیں آئندہ کبھی ایسی کوئی بات کی تو میں اسی وقت اپنی جان دے دوں گی سمجھے آپ۔"

"سمجھ گیا" شہریار نے فوراً اپنے کان پکڑے پھر اس کی ٹھوڑی چھو کر بولا۔ "تم غصے میں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

"جناب! ابھی آپ نے میرا غصہ دیکھا کہاں ہے۔ میں بہت خوفناک' بلکہ خونخوار ہو جاتی ہوں۔"

"واقعی؟" شہریار نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"جناب! ایسے میں شیر بھی میرے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔" وہ مزید اترا کر بولی تو شہریار نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی اور بہت معصوم شکل بنا کر پوچھنے لگا۔

"شیری بھی نہیں؟"

"شیری؟" وہ ایک لحظہ کو رکی پھر مسکرا کر بولی تھی۔ "بس ایک شیری کے سامنے میں بے بس ہو جاتی ہوں۔"

"بے وقوف' شیری تو خود تمہارے بس میں ہے۔"

"اچھا چھوڑیں یہ سب باتیں اور یہ بتائیں واپس کب چلیں گے؟"

"جب ماما کہیں گی۔" اس نے کہا تو وہ قصداً ان سنی کر کے تکیہ اٹھا کر یوں دیکھنے لگی جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو۔

"کیا ہوا؟" شہریار نے پوچھا۔

"وہ میری گھڑی' پتہ نہیں میں نے کہاں رکھ دی۔" اس نے اپنی تلاش جاری رکھی۔

"مل جائے گی یار! چلو لائٹ آف کر و سوتے ہیں۔"

"ہاں نیند آ رہی ہے۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی اور پھر لائٹ آف کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

"ماما نہیں' جب میں چاہوں گی تب ہم واپس جائیں گے۔"

☆☆☆

رابعہ کے کہنے پر ڈاکٹر عفان ہاسپٹل جاتے ہوئے اسے امی کے ہاں چھوڑ گئے تھے۔ کچھ دیر وہ امی کے ساتھ اپنے گھر کی باتیں کرتی رہی پھر بھیا، بھابھی اور ماموں جی کے بھی سب گھر والوں کے بارے میں پوچھا لیکن فائقہ کو یکسر نظر انداز کر گئی کیونکہ اس سے وہ ابھی تک ناراض تھی۔ حالانکہ قصور وار وہ نہیں تھی لیکن رابعہ کہاں ماننے والی تھی۔

اسے ابھی بھی یہ سوچ کر غصہ اور توہین کا احساس ہوتا تھا کہ وہ فائقہ کے گھر گئی اور پھر اس کی

ساس نے انہیں بیٹھنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ بہر حال اس وقت امی نے خود ہی فائقہ کا ذکر چھیڑ دیا۔

"فائقہ کا فون آیا تھا لندن سے' تمہارا بہت پوچھ رہی تھی۔"

"اچھا؟ گھر جاؤ تو ملتی نہیں۔" وہ ابھی بھی طنز سے جتا کر بولی۔ "میں نے سوچ لیا ہے آئندہ کبھی اس کے گھر نہیں جاؤں گی جب تک اس کی ساس زندہ ہے۔"

"خدا کو مانو بیٹی! اس کی ساس اتنی اچھی نیک عورت ہیں۔ اللہ انہیں تندرستی دے۔ سلامت رکھے۔" امی حسب سابق بیگم آفندی کو دعائیں دینے لگیں تو رابعہ ناگواری سے بولی۔

"آپ کو پتہ نہیں کیا گھول کے پلا دیا ہے انہوں نے"

"کچھ گھول کے نہیں پلایا' احسان کیا ہے اور ایسی توفیق ہر ایک کو نہیں ہوتی۔"

"بس رہنے دیں۔ مجھے تو احسان کم' سازش زیادہ لگتی ہے۔" رابعہ نے سر جھٹک کر کہا تو امی اچھل کر بولیں۔

"ہائیں' کیسی سازش' پاگل تو نہیں ہو گئیں تم' وہ ہمارے خلاف کیا سازش کریں گی اور کیوں؟"

"اُفوہ آپ تو پیچھے پڑ گئیں چھوڑیں ان کی بات' یہ بتائیں سوہنی کب آئے گی۔" رابعہ نے جھنجھلا کر موضوع بدل دیا تو امی اٹھتے ہوئے بولیں۔

"لو بچوں کے آنے کا وقت ہو گیا اور میں نے ابھی تک کچھ پکایا بھی نہیں۔"

"اب کیا پکائیں گی' جو رات کا بچا ہو گا کھا لیں گے البتہ رات میں کچھ ڈھنگ کی چیز بنا لیجئے گا عفان آئیں گے۔"

"اچھا' روٹی تو ڈال دوں۔" امی کہتی ہوئی کچن میں چلی گئیں اور اس نے مروتاً بھی اپنی خدمات پیش نہیں کیں اور بڑے آرام سے اندر آ کر لیٹ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد سوہنی کالج سے آئی تو اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"ہائے باجی! ایمان سے میں راستے بھر دعا کرتی آئی ہوں کہ آپ آئی ہوں۔"

"اب یہ مت کہہ دینا کہ کاش کوئی اور دعا مانگتی۔" اس نے فوراً ٹوک دیا تو سوہنی اس کے گلے لگ کر بولی۔

"نہیں' آپ کو دیکھ کر مجھے جو خوشی ہوئی ہے وہ کسی اور بات سے نہیں ہو سکتی تھی۔"

"سچ کہہ رہی ہو۔"

"بالکل سچ۔"

"چلو تو اس خوشی میں کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد میں سوؤں گی۔" رابعہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو سوہنی سادگی سے پوچھنے لگی۔

"آپ ابھی بھی دوپہر میں سوتی ہیں۔"

"تو اور کام ہی کیا ہوتا ہے عفان بھی پانچ چھ بجے آتے ہیں۔"

"بہت اچھے ہیں عفان بھائی اور شہریار بھائی' پتہ نہیں وہ دونوں لندن سے کب آئیں گے۔ میں روز آپی کو خواب میں دیکھتی ہوں۔" سوہنی شوق سے بتانے لگی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

"بس اب خواب سنانے مت کھڑی ہو جانا مجھے بھوک لگی ہے۔"

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔" سوہنی نے کہا تو وہ کمرے سے نکل آئی۔

پھر کھانے کے بعد وہ واقعی لمبی تان کر سوگئی اور عفان کے آنے سے پہلے اٹھ بھی گئی تھی۔ امی اور سوہنی دونوں رات کے کھانے کی تیاری میں لگی تھیں۔

"چائے ملے گی؟" رابعہ نے کچن میں جھانک کر پوچھا۔

"ضرور ملے گی لیکن تھوڑا انتظار کریں۔ بھیا، بھابھی آنے والے ہیں ان کے ساتھ پی لیجیے گا۔" سوہنی نے کہا تو وہ کچن میں داخل ہو کر پوچھنے لگی۔

"بھیا بھابھی کے آنے کا کس نے بتایا ہے۔"

"ابھی بھیا کا فون آیا تھا۔ آپ کا سنا تو کہنے لگے میں تمہاری بھابھی کو لے کر آ رہا ہوں۔"

"کتنے چالاک ہیں۔ کہیں میں ان کے ہاں نہ چلی جاؤں۔" اس نے بجائے خوشی کا اظہار کرنے کے الٹا منہ بنا کر کہا تو امی ٹوک کر بولیں۔

"سنو ایک تو وہ تم سے ملنے آ رہے ہیں اور تم۔"

"ہاں مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔ چلو تم میرے لیے چائے ڈالو۔ بعد میں دل چاہا تو ان کے ساتھ بھی پی لوں گی۔"

رابعہ نے سر جھٹک کر ہمیشہ کی طرح سوہنی پر رعب جمایا تو وہ فوراً مگ اتار کر اس میں چائے ڈالنے لگی۔

"عفان کب تک آئیں گے۔" امی نے اس سے پوچھا۔

"پتہ نہیں' کہہ رہے تھے اپنی آپا کے ہاں سے ہو کر آئیں گے۔" اس نے بتایا تو امی نے پھر پوچھا۔

"ٹھیک ہیں ان کی آپا۔"

"ہاں آ جاتی ہیں ہر دوسرے تیسرے دن بیٹیوں کو لے کر۔" اس نے نخوت سے کہا تو امی قصداً نظر انداز کر کے بولیں۔

"اچھی بات ہے نا' بھائی بھاوج کا خیال رکھتی ہیں۔"

وہ کچھ نہیں بولی اور چائے کا مگ لے کر برآمدے میں آ بیٹھی اور ابھی اس کی چائے ختم نہیں ہوئی تھی کہ بھیا، بھابھی آ گئے۔

"کیسی ہو؟ گھوم آئیں مری سوات سے!" راحیلہ کا شاید انداز ہی ایسا تھا، بات کرتی تھی تو لگتا تھا طنز کر رہی ہے۔

"ہاں۔" اس نے مختصر جواب دے کر راحیلہ کی گود سے کرن کو لے لیا۔ "یہ تو بہت پیاری ہو گئی ہے۔"

"سلمان بہت چاہتے ہیں اسے۔" راحیلہ فوراً بولی تو وہ بمشکل اپنی ہنسی روک کر سلمان سے مخاطب ہوگئی۔

"آپ کیسے ہیں بھیا۔"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ' ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟" سلمان نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ابھی آئے نہیں۔"

"آئیں گے؟"

"جی۔"

"اور فائقہ کب آ رہی ہے لندن سے؟" راحیلہ دونوں بہن بھائی کے درمیان مداخلت کرتے ہوئے بولی۔

"جاتے ہوئے مل کر بھی نہیں گئی۔ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی۔ کم از کم بھتیجی کو تو دیکھنے آتی۔"

"آ جائے گی۔ اس وقت جلدی میں گئی تھی۔" سلمان نے فائقہ کی طرفداری میں کہا۔

"رابعہ بھی تو ایسے گئی تھی لیکن کرن کو دیکھ کر گئی۔" راحیلہ سلمان کے ٹوکنے کا برا مان کر بولی تب تک سوہنی چائے لے کر آ گئی اور اس کے پیچھے امی کو دیکھ کر سلمان اٹھتے ہوئے بولے۔

"السلام علیکم امی!"

"خوش رہو' تم کیسی ہو دلہن؟" امی نے دعائیں دے کر راحیلہ کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہوں' آپ تو آتی نہیں۔" راحیلہ نے جواب کے ساتھ شکوہ کیا۔ "کچھ دن ہمارے ہاں آ کر رہیں' آپ کے بیٹے کا گھر ہے۔"

"ہاں اپنے گھر سے فرصت ملے تو آؤں۔"

"تم آؤ نا رابعہ! کب آؤ گی۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ آنا۔" راحیلہ نے اس سے کہا تو وہ بے زاری سے بولی۔

"آؤں گی۔"

"کیسے ہیں ڈاکٹر صاحب؟" راحیلہ اس کے قریب ہو کر سرگوشی میں پوچھنے لگی۔ "مزاج کیسے ہیں۔"

"اچھے ہیں۔"

"مری میں خوب انجوائے کیا ہوگا تم نے۔"

"ہوں۔"

"شاپنگ کی، کیا کیا خریدا؟"

وہ جانتی تھی اگر اس نے کہا کچھ نہیں تو اس سے نہ صرف راحیلہ کو خوشی ہوگی بلکہ وہ ڈاکٹر عفان کو کنجوس مان کر اس پر ترس بھی کھائے گی اس لیے اترا کر بولی۔

"بہت کچھ۔"

"ہیں، میں آؤں گی تمہارے گھر، تمہاری شاپنگ دیکھوں گی اور دیکھو فائقہ وہاں سے کیا لاتی ہے۔ اس کی پسند تو بس ایسی ہی ہے۔" راحیلہ نے کہا تو وہ قصداً ان سنی کر کے موضوع بدلنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر عفان کو آتے دیکھ کر راحیلہ کو ان کی طرف متوجہ کر کے بولی۔

"عفان آگئے۔"

"اوہو بڑی عمر ہے ابھی ہم آپ ہی کا ذکر کر رہے تھے۔" راحیلہ بغیر سلام دعا کے شروع ہو گئی تھی۔ "رابعہ کے پاس تو آپ کی تعریف کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہے۔"

"اچھا؟" ڈاکٹر عفان نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ رابعہ کو دیکھا تو وہ ہنس کر بولی تھی۔

"میں جھوٹی تعریفیں کرنے میں ماسٹر ہوں۔"

"السلام علیکم!" ڈاکٹر عفان نے سلمان کے ساتھ مصافحہ کیا پھر امی کو سلام کر کے بیٹھتے ہی سوہنی سے بولے۔

"سنا ہے، تم چائے بہت اچھی بناتی ہو۔"

"کس سے سنا ہے۔" سوہنی نے سادگی سے پوچھا تو سب بے ساختہ ہنسے لیکن ڈاکٹر عفان بظاہر اسی سنجیدگی سے بولے۔

"شاید اخبار میں پڑھا تھا۔"

"اخبار میں؟" سوہنی پہلے حیران ہوئی پھر سب کو ہنستے دیکھ کر روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں نہیں بنا رہی چائے وائے۔"

"ہائیں کیوں نہیں بنا رہیں، چلو جاؤ۔" امی کے گھورنے پر وہ ایسے ہی روٹھی ہوئی اٹھ کر چلی گئی تو

ڈاکٹر عفان رابعہ سے بولے۔

"تمہاری بہن نہیں لگتی۔"

"میں سب سے الگ ہوں۔" رابعہ نے فوراً گردن اکڑا کر اپنی خوبصورتی کو جتایا تو ڈاکٹر عفان ان کی تائید کے ساتھ بولے تھے۔

"ہاں نہ صرف شکلاً بلکہ شاید عادتاً بھی تم سب سے الگ ہو۔"

☆☆☆

رات شہریار کے سونے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک جاگتی رہی تھی اور یہی سوچتی رہی کہ پتہ نہیں ڈاکٹر نے شہریار سے کیا کہا ہے؟ گو کہ اس نے اسے اطمینان دلایا تھا لیکن اس کے بعد اس کی باتوں نے اس کے دل کو اندیشوں کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ اس نے لاکھ اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کی لیکن پھر وہی بات۔

"اگر شیری مر گیا تو فائقہ کیا کرے گی۔"

اور ابھی بھی اس کا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا تھا کہ فون کی بیل پر چونکنے کے ساتھ اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تو خود کو سرزنش کرتے ہوئے اس نے جلدی سے چولہا دھیما کیا اور کمرے میں آ کر ریسیور اٹھاتے ہوئے بیگم آفندی کا خیال آنے پر سنبھل کر بولی۔

"ہیلو السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" دوسری طرف خاصی پرجوش مردانہ آواز پر وہ ٹھٹک گئی۔

"جی کون؟"

"کون، یعنی آپ نے مجھے پہچانا نہیں، خاتون خادم کو رامش کہتے ہیں۔" رامش نے حیرت سے اچھل کر کہا تو وہ فوراً بولی۔

"السلام علیکم رامش بھائی! کیسے ہیں آپ؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور آپ دونوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔"

"خدا کے فضل و کرم سے ہم دونوں خیریت سے ہیں۔" وہ اسی کے انداز میں بولی تو ادھر رامش نے زوردار قہقہہ لگایا پھر پوچھنے لگا۔

"مسٹر شہریار آفندی سے بات ہو سکے گی۔"

"نہیں۔"

"کیوں آپ نے پابندی لگا دی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے بھائی! وہ اصل میں اس وقت موجود نہیں ہیں۔" اس نے کہا۔

"کہاں گیا ہے اتنی صبح' لندن میں تو اس وقت صبح ہی ہوگی نا اور سردی بھی۔"

"جی اور شیری کہیں دور نہیں یہیں قریبی اسٹور تک گئے ہیں۔" اس نے بتایا تو وہ فوراً بولا۔

"دودھ ڈبل روٹی لینے۔"

"جی اتفاق سے' رات کو یاد نہیں رہا۔" اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"شیری نے جان بوجھ کر یاد نہیں رکھا ہوگا تاکہ اس وقت جا سکے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس وقت اسٹور پر ماریا ہوتی ہے نا' اس کے چکر میں گیا ہوگا۔" رامش نے ہنس کر کہا تو وہ فوراً بولی۔

"جی نہیں' شیری ایسے نہیں ہیں۔"

"اچھا آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں اور سنیں میں دس پندرہ منٹ بعد پھر فون کروں گا شیری سے کہیے گا موجود رہے۔"

"اچھی بات ہے' خدا حافظ۔"

اس نے فون بند کر دیا پھر کچن میں آ کر دوبارہ چائے کا پانی رکھتے ہوئے وہ ایک خوبصورت گیت گنگنانے لگی تھی اور اس کا کریڈٹ رامش کو جاتا تھا جس کی ہلکی پھلکی باتوں سے اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد پھر فون کی بیل بجی تو وہ حیران ہو کر اپنے آپ سے بولی۔

"ہیں پندرہ منٹ ہو گئے اور یہ شیری ابھی تک نہیں آئے۔"

"سوری شیری ابھی تک نہیں آئے۔" وہ رامش کا سوچ کر ریسیور اٹھاتے ہی بولی تھی لیکن دوسری طرف بیگم آفندی تھیں۔

"کہاں گیا ہے شیری؟"

"جی ماما السلام علیکم۔" وہ سٹپٹا کر بولی۔

"وعلیکم السلام' شیری کہاں گیا ہے؟" انہوں نے جواب کے ساتھ پھر پوچھا۔

"یہیں اسٹور تک گئے ہیں ابھی آتے ہوں گے۔"

"اچھا شیری کا واپسی کا کیا پروگرام ہے۔" بیگم آفندی نے پوچھا تو وہ بے اختیار بولی تھی۔

"جب میں کہوں گی۔"

"تم۔" بیگم آفندی نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"جی ماما! ابھی ہفتہ دس دن تک تو میرا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"سنو! اپنی حد میں رہو۔" بیگم آفندی کا لہجہ تلملایا ہوا تھا۔

"میں اپنی حدود پہچانتی ہوں۔" اس نے اطمینان سے کہا تب ہی ڈور بیل بجنے لگی تو اس نے جلدی سے ٹیلیفون کا پلگ نکال کر سلسلہ منقطع کر دیا پھر جا کر دروازہ تو کھول دیا لیکن خود راستہ روک کر بولی۔

"اتنی دیر' چائے کا پانی دوبارہ سوکھ چکا ہے۔"

"سوری یار! اصل میں....." شہریار جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"ماریا کے پاس سے آنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"ہائیں۔" وہ اچھل کر بولا۔ "تم ماریا کو کیسے جانتی ہو۔"

"جیسے بھی جانتی ہوں وجہ وہی تھی ناں۔" اس نے سنجیدہ شکل بنا کر جرح کی تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر جواب دینے کے بجائے پوچھنے لگا۔

"اندر نہیں آنے دو گی۔"

"اندر آنے سے کس نے روکا ہے۔" وہ بظاہر ناراضی سے رخ موڑ کر کچن میں آ گئی اور کیونکہ وہ پیچھے پیچھے تھا اس لیے اسے دکھانے کی خاطر پھر کیتلی میں پانی ڈالنے لگی۔

"آئی ایم سوری یار! اصل میں ماریا نے چائے منگوائی تھی۔ میں نے منع بھی کیا لیکن......اور وہ تو کہہ رہی تھی میں ناشتا بھی اس کے ساتھ کروں۔"

"تو کر لیتے۔"

"میں نے اس سے کہہ دیا کہ میرا ناشتا' کھانا اور سونا صرف اپنی بیوی کے ساتھ۔" شہریار نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چیخ پڑی۔

"کیا؟"

"غلط تو نہیں کہا۔" وہ بھی اس کی طرح بظاہر سنجیدگی سے بولا لیکن پھر اس کے گھورنے پر ہنس پڑا۔

"بہت خراب ہیں آپ۔"

"جیسا بھی ہوں' تمہارا ہوں' اب جلدی سے چائے پلاؤ تاکہ بدن میں کچھ گرمی آئے۔" وہ اپنے ٹھنڈے ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھو کر بولا تو اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"اف کتنے ٹھنڈے ہاتھ ہیں۔"

"بہت سردی ہے باہر' جب ہی تو میں وہاں چائے پینے بیٹھ گیا۔ اور ہاں ماریا نے رات کے کھانے پر بلایا ہے۔"

شہریار نے کہا تو وہ چائے کا مگ اسے تھما کر بولی۔

"چلیں گے۔"

"ہاں' وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ ویسے تم اسے کیسے جانتی ہو۔" اس نے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"ابھی رامش بھائی کا فون آیا تھا۔"

"وہ تو اس نے بہکایا ہے۔"

"بہکایا وہکایا نہیں ہے اور نہ میں بہکنے والی ہوں۔"

"پھر اتنا غصہ کس بات کا تھا۔" شہریار نے فوراً جتایا تو وہ ہنس کر بولی۔

"وہ تو میں آپ کو تنگ کر رہی تھی۔"

"تنگ کر رہی تھی۔ میں بتاؤں کیسے تنگ کیا جاتا ہے۔" وہ چائے کا مگ رکھتے ہوئے بولا۔

"جی نہیں آرام سے کھڑے رہیں۔ میں اب ناشتہ بناؤں گی۔" اس نے ایک دم سنجیدہ ہو کر ٹوک دیا تو وہ سر کھجاتا ہوا بولا۔

"ناشتے کا موڈ نہیں ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولی اور جلدی جلدی سلائس گرم کرنے لگی تو اس نے مایوس ہو کر چائے کا مگ اٹھالیا پھر پوچھنے لگا۔

"رامش کیا کہہ رہا تھا۔"

"کوئی خاص بات نہیں کی' البتہ دوبارہ فون کرنے کو کہا ہے۔" اس نے بتایا تب ہی اسے خیال آیا کہ وہ فون کا پلگ نکال چکی ہے اور ایسا اس نے بیگم آفندی کی وجہ سے کیا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ بھی دوبارہ فون ضرور کریں گی۔ صرف شہریار کو واپسی کا کہنے کیلئے اور شہریار پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ان کی واپسی ماما کے کہنے پر ہو گی۔

وہ یہ تو نہیں چاہتی تھی کہ شہریار اس کے اشاروں پر چلے البتہ بیگم آفندی سے اسے چڑ ہو گئی تھی جب ہی اس نے شہریار کو ان کے فون کا نہیں بتایا اور ناشتے کے بعد جب فراغت سے بیٹھی تو کہنے لگی۔

"مجھے ایسی ٹھٹھرا دینے والی سردی بہت اچھی لگتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں بہت سارے دن یہاں رہوں۔"

"بہت سارے دن رہ لیں گے۔" شہریار نے فراخدلی سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر مایوسی سے بولی۔

"نہیں رہ سکتے۔"

"کیوں؟"

"ابھی اگر ماما کا فون آ گیا اور انہوں نے کہا فوراً واپس آ جاؤ تو ہمیں جانا پڑے گا۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

"نہیں' اگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو ماما کو منع کر دیں گے۔" شہریار نے کہا تو وہ بمشکل اپنی خوشی چھپا کر پوچھنے لگی۔

"ماما! ناراض تو نہیں ہوں گی۔"

"نہیں ماما' مجھ سے ناراض نہیں ہوتیں۔"

"اور مجھ سے؟"

"تم مجھ سے الگ تو نہیں ہو اس لیے وہ تم سے بھی ناراض نہیں ہوں گی۔" شہریار نے اس کا مان بڑھا دیا تھا اور وہ جتنی اس بات سے خوش تھی اتنی ہی یہ سوچ کر خوش تھی کہ یہاں وہ بیگم آفندی سے جیت گئی تھی۔

پھر جیسے ہی شہریار ادھر ادھر ہوا اس نے ٹیلیفون کا پلگ لگا دیا اور بڑی شدت سے بیگم آفندی کے فون کا انتظار کرنے لگی' لیکن وہ بھول گئی تھی کہ اس کا واسطہ جس عورت سے ہے وہ زمانے کو چلاتی ہے۔ بہرحال سارا دن وہ فون کے آس پاس چکراتی رہی' لیکن بیگم آفندی نے دوبارہ فون نہیں کیا تھا اور وہ اتنی بددل ہوئی کہ رات میں ماریا کے ہاں جانے کو بھی دل نہیں چاہا لیکن شہریار کے سامنے کوئی بہانہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"ماریا کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے۔" راستے میں اس نے شہریار سے پوچھا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"پتہ نہیں' میں پہلے کبھی اس کے گھر نہیں گیا۔"

"آپ نے پوچھا بھی نہیں؟"

"آں" وہ سوچتا ہوا بولا۔ "شاید پوچھا تھا لیکن مجھے یاد نہیں کہ اس نے کیا بتایا تھا شاید اس کی ممی یا ڈیڈی۔"

"اور اس کے بہن بھائی۔"

"یہ سب تم خود پوچھ لینا اس سے۔"

"لیکن میری انگلش زیادہ اچھی نہیں ہے میں شاید اس سے بات نہیں کر سکوں گی۔" اس نے مایوسی سے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"میں ہوں ناں تمہارا ٹرانسلیٹر۔"

"اور اگر مجھے اس سے کوئی ایسی بات کرنی ہوئی جو میں آپ کو نہ بتانا چاہوں تو۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگی تو وہ اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولا۔

"میں راستے کا خیال نہیں کروں گا۔"

"اُف!" وہ اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولی۔ "بس اب میں بات نہیں کروں گی۔"

"یہ ٹھیک ہے' میں ماریا سے کہہ دوں گا یہ گونگی ہے۔" وہ کہہ کر ڈرائیور کو ایڈریس بتانے لگا۔

چند منٹ بعد جب شہریار ماریا کے اپارٹمنٹ کی بیل بجا رہا تھا تو وہ اپنا جائزہ لینے لگی کیونکہ اس کے خیال میں ابھی اسے ایک خوب صورت لڑکی کا سامنا کرنا تھا لیکن اس کے برعکس دروازہ ایک ادھیڑ عمر سیاہ فام عورت نے کھولا تھا۔

"ہیلو!" شہریار نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کا تعارف کرایا۔

"میری مسز فائقہ۔"

"ہاؤ سویٹ!" خاتون نے اسے گلے لگا کر پیار کیا پھر اس کا ہاتھ پکڑے اندر لے گئیں۔

"ہمیں دیر تو نہیں ہوئی۔" شہریار نے سٹنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔

"بالکل نہیں' تم ٹھیک وقت پر آئے ہو۔" خاتون نے انہیں بیٹھنے کا اشارا کیا پھر فائقہ کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

"گزشتہ بار جب شیری آیا تھا تو سارا وقت تمہاری باتیں کرتا رہتا تھا۔ میں نے یسوع مسیح سے دعا کی کہ اس کی شادی تمہارے ساتھ ہو جائے۔" اس نے مسکرا کر شہریار کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

"ٹرانسلیٹ کروں۔"

"جی نہیں' اب اتنی نااہل بھی نہیں ہوں میں۔" اس نے گھور کر کہا پھر فوراً خاتون کی طرف متوجہ ہو گئی جو پوچھ رہی تھیں۔

"تم کھانے سے پہلے کچھ پینا پسند کرتی ہو۔"

"اونلی سیون اپ۔" اس سے پہلے شہریار بول پڑا تو ماریہ سر ہلاتی چلی گئیں۔

"ماریا کہاں ہے؟" اس نے خاتون کے جاتے ہی شہریار سے پوچھا تو وہ ہنسنے لگا۔

"ہنس کیوں رہے ہیں' میں نے کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا۔"

"ابھی سنانا باقی ہے کیا۔" وہ اسی طرح ہنستے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"بیگم! ابھی تم ماریا ہی سے بات کر رہی تھی۔" وہ بمشکل ہنسی روک کر بولا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیا یہ ماریا ہے یہی آپ کی دوست ہے؟"

"ہاں یہی میری دوست ماریا ہے۔ بہت اچھی بہت مخلص' بہت محبت کرنے والی۔" شہریار ایکدم سنجیدہ ہو کر ماریا کی تعریف کرتے ہوئے جانے کہاں کھو گیا تھا کہ وہ اپنی حیرت پر ندامت محسوس کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

'یہ لڑکی فائقہ' کیا جتانا چاہتی ہے مجھے' بہت بڑی شخصیت ہو گئی ہے کیا...... شاید میں نے اسے اس کی اوقات سے زیادہ نواز دیا ہے۔' بیگم آفندی اس وقت پھر فراغت سے بیٹھی تھیں تو فائقہ کو سوچ کر تلملانے لگی تھیں۔

پچاس لاکھ اور ایک چھوٹا سا بنگلہ' بس اتنی حیثیت ہے اس کی اور وہ بھی میری عطا کردہ جس پر اترا کر وہ مجھے چیلنج کر رہی ہے۔ ہونہہ نان سینس مجھے چیلنج کرنے والا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔

کیا کہہ رہی تھی۔ ابھی ہفتہ دس دن تک میرا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

"ہفتہ دس دن' دس گھنٹے وہاں نہیں رکنے دوں گی بدذات کو' دور جا کر سمجھ رہی ہے شیری کو میرے خلاف بہکا لے گی اور پھر جو اس کا دل چاہے گا کرتی پھرے گی۔ بے وقوف' احمق۔" ان کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔ کتنی دیر دانت پیستی اور مٹھیاں بھینچتی رہیں پھر کچھ سوچ کر اسی وقت رامش کو فون کر ڈالا۔

"رامش! کیسے ہو بیٹا۔" انہوں نے قصداً کمزور سی آواز میں کہا۔

"ارے ماما آپ! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔" رامش نے ان کی کمزور آواز پر تشویش کا اظہار کیا۔

"بس ٹھیک ہی ہے۔"

"نہیں ماما' مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ میں آ رہا ہوں آپ کے پاس۔"

"ہاں میں یہی کہہ رہی تھی کہ شیری یہاں نہیں ہے تو تم بھی نہیں آتے کم از کم فون ہی کر لیا کرو۔" انہوں نے شاکی لہجے میں ٹوکا۔

"میں آ رہا ہوں ماما! ابھی آ رہا ہوں۔" رامش نے بہت عجلت میں فون بند کیا تھا جس سے وہ سمجھ گئیں کہ اب وہ سیدھا ادھر ہی آئے گا۔ اس لیے فوراً اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئیں اور رامش کے آنے تک وہ کافی کچھ سوچ چکی تھیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد رامش نے ان کے دروازے پر دستک دی تھی۔

"کون ہے آ جاؤ۔" وہ خود پر کافی نقاہت طاری کر چکی تھی۔

"السلام علیکم۔" رامش نے اندر داخل ہو کر سلام کیا تو وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

"لیٹی رہیں ماما!" رامش نے فوراً آگے آ کر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اٹھنے سے روکا پھر پوچھنے لگا۔

"کب سے طبیعت خراب ہے۔ آپ نے مجھے پہلے فون کیوں نہیں کیا؟"

وہ کچھ نہیں بولیں۔

"ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"ہاں صبح آئے تھے ڈاکٹر صاحب دوا دے گئے تھے اور یہ دوائیں تو بس ایسے ہی ہیں بیٹا! میری اصل دوا تو شیری اور اب فائقہ بھی ہے' دونوں آ جائیں تو میں......" انہوں نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کب آئیں گے وہ دونوں؟" رامش نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں ان کا کیا پروگرام ہے۔ میں نے پوچھا نہیں۔"

"بس اب بلا لیں انہیں' بہت دن ہو گئے۔" رامش نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولیں۔

"نہیں بیٹا یہی تو ان کے گھومنے پھرنے کے دن ہیں۔ پرسوں شیری کا فون آیا تھا۔ بہت خوش تھا اور تم جانتے ہو مجھے اس کی خوشی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ماما! لیکن آپ کی طبیعت' میں فون کرتا ہوں اسے۔" رامش نے کہہ کر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے منع نہیں کیا لیکن یہ بھی بولیں۔

"بیٹا! وہ پریشان ہو جائے گا۔"

رامش نے ان سنی کر کے لندن کال ملا دی تو انہوں نے مطمئن ہو کر آنکھیں بند کر لیں' لیکن کان اسی کی آواز پر لگے تھے۔

"ہیلو فائقہ بھابھی السلام علیکم۔"

"شیری ہے۔"

"پلیز میری بات کرائیں۔"

چند لمحوں کے توقف سے وہ پھر بولا تھا۔

"شیری یار! بہت ہی غیر ذمہ دار ہو تم۔"

"ماما کا خیال نہیں ہے تمہیں' بے چاری اکیلی اور دو دن سے بیمار ہیں۔"

"بس تم آ جاؤ۔"

"ماما سو رہی ہیں۔"

"اٹھیں گی تو بتا دوں گا۔"

"او کے۔" رامش نے فون بند کر کے بیگم آفندی کو دیکھا ان کی آنکھیں بند تھیں' جس سے وہ انہیں سوتا سمجھ کر بہت احتیاط سے اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھا۔

بیگم آفندی یہ جاننے کو بے تاب تھیں کہ شہریار نے آنے کے بارے میں کیا کہا ہے لیکن خود پر جبر کیے پڑی رہیں اور کتنی دیر بعد ذرا سی آنکھیں کھول کر رامش کی طرف گردن موڑی تو وہ فوراً اٹھ کر پوچھنے لگا۔

"کچھ چاہیے ماما۔"

"پانی۔"

"میں تازہ پانی لاتا ہوں۔" رامش جگ لے کر کمرے سے نکل گیا تو وہ گہری سانس کھینچ کر مسکرائیں پھر تکیہ سیدھا کر کے اس کے ساتھ کمر ٹیک کر بیٹھی تھیں کہ رامش پانی لے کر آ گیا اور گلاس انہیں تھما کر پوچھنے لگا۔

"ڈاکٹر کو فون کروں؟"

"صبح آئے تھے ڈاکٹر صاحب اور پھر ابھی تو میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔" پھر مسکرا کر بولیں۔

"تم جو آ گئے ہو نا۔"

"شیری بھی آ رہا ہے۔" رامش نے کہا تو وہ انجان بن کر بولیں۔

"شیری!"

"جی ماما' ابھی میں نے فون کیا تھا نا' کہہ رہا تھا پہلی ہی فلائٹ سے کوشش کروں گا۔" رامش نے بتایا تو وہ اندر سے لاکھ خوش مگر رامش سے افسوس سے بولیں۔

"تم نے خواہ مخواہ ان کا پروگرام خراب کیا۔"

"آپ سے زیادہ کچھ نہیں ماما! شیری اور فائقہ کو خود خیال کرنا چاہیے۔" رامش ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"خیال کرتے ہیں بیٹا! اور فائقہ تو جانا بھی نہیں چاہتی تھی میں نے زبردستی بھیجا تھا۔" وہ اپنے لہجے میں محبت سمو کر بولیں تو رامش بھی فائقہ کی تعریف کرنے لگا۔

"اچھی لڑکی ہے فائقہ' سمجھ دار' سلجھی ہوئی۔"

"ہوں' تم کب کر رہے ہو شادی؟" بیگم آفندی موضوع بدل گئیں۔

"اسی سال' اگر ممی اور ڈیڈی ایک لڑکی پر متفق ہو گئے تب۔"

"تمہارے ممی ڈیڈی بھی بس۔ پتہ نہیں انہوں نے ساتھ زندگی کیسے گزاری۔ ہر بات میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔" بیگم آفندی نے تاسف سے کہا پھر اسے خاموش دیکھ کر بولیں۔

"تم نے چائے تو پی نہیں۔ جاؤ رشید سے کہو چائے بنا دے۔"

"بس ماما! اب میں چلوں گا۔" رامش اٹھ کھڑا ہوا۔ "کسی بھی وقت کوئی بھی ضرورت ہو مجھے فون کر لیجئے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے مروتاً بھی نہیں روکا کیونکہ ان کا کام ہو چکا تھا۔

اور واقعی اگلی صبح ناشتے کے بعد وہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ انہیں آفس جانا چاہئے یا نہیں کہ شہریار آ گیا۔

ہمیشہ کی طرح لاؤنج ہی سے انہیں پکارنے لگا تھا۔ وہ فوراً بیڈ پر نیم دراز ہو کر دروازے کو دیکھنے لگی تھیں۔ چند لمحوں بعد ہی شہریار دروازہ دھکیل کر اندر آیا تھا۔

بیگم آفندی نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔

"کیا ہو گیا ہے ماما آپ کو......" وہ بچوں کی طرح ان کے بازوؤں میں سما کر بولا۔

"کیا ہوا ہے۔ ٹھیک تو ہوں۔" انہوں نے شہریار کی پیشانی چوم کر کہا۔

"رامش تو کہہ رہا تھا۔"

"رامش!" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑیں۔

"او گاڈ! میں نے رامش کو منع بھی کیا تھا کہ تم سے کچھ نہ کہے۔ معمولی بخار تھا۔ اتر بھی گیا۔" پھر فائقہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"ارے تم وہاں کیوں کھڑی ہو۔ میرے پاس آؤ۔"

شہریار نے اٹھ کر فائقہ کو آگے آنے کا اشارہ کیا تو وہ اس کی جگہ بیٹھ کر بیگم آفندی کے گلے لگ کر پوچھنے لگی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا! رامش نے خوامخواہ تم لوگوں کو پریشان کیا۔ میں تو چاہتی تھی۔ ابھی تم لوگ خوب گھومو پھرو۔" انہوں نے فائقہ کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا پھر مسکرا کر بولیں۔ "ماشاءاللہ۔ لندن کی آب و ہوا نے بہت اچھا اثر ڈالا ہے تم پر۔ بہت پیاری ہو گئی ہو۔"

"آپ کی محبت ہے۔" وہ بھی مسکرا کر بولی تھی۔

"ہفتہ دس دن اور رہتیں تو......" وہ اس قدر کہہ کر شہریار کی طرف متوجہ ہو گئیں تو فائقہ جز بز ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ انہوں نے اس کی بات کو جتایا ہے۔

"تم لوگ ناشتہ کرو گے؟" وہ دیکھ تو شہریار کو رہی تھیں لیکن دھیان فائقہ کی طرف تھا۔

"نہیں ماما! صرف چائے۔ میں رشید سے کہہ دوں گا۔ آپ آرام کریں۔" شہریار نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"بہت آرام کر لیا بیٹا! اور ابھی تو میں آفس جانے کا سوچ رہی تھی۔"

"کوئی آفس نہیں۔ بس آپ آرام کریں۔"

"اچھا تم جلدی سے شاور لے لو پھر ساتھ چائے پئیں گے۔" انہوں نے دوبارہ تکیے سے کمر ٹکاتے ہوئے کہا اور دونوں کے کمرے سے جاتے ہی بڑے فاتحانہ انداز میں مسکرائی تھیں۔

❁❁❁

وہ اپنے شہزا اپنے گھر آ گئی تھی تو اب اس کا سب سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔ امی' ابو پھر رابعہ کے بارے میں اسے تجسس تھا کہ وہ اپنی نئی زندگی میں کتنی خوش ہے۔ بھیا' بھابی سے زیادہ ان کی بچی کو دیکھنے کا اشتیاق تھا اور عظام...... لیکن اس نے خود سے کہیں بھی جانے کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بیگم آفندی پھر اسے کسی بہانے روک کر اس پر اپنی اہمیت جتائیں۔ اس لئے بہت چاہنے کے باوجود اس نے گھر فون بھی نہیں کیا۔ حالانکہ شہریار نے دو تین بار کہا تھا اور وہ اچھا کہہ کر رہ گئی لیکن اگلے دن وہ رہ نہیں سکی اور ناشتے کی ٹیبل پر جب بیگم آفندی شہریار سے آفس جانے کے بارے میں پوچھ رہی تھیں تب وہ بول پڑی۔

"میں ابھی امی کے گھر جاؤں گی۔"

بیگم آفندی نے شہریار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر بولیں۔

"ضرور بیٹا! تمہیں کل ہی جانا چاہئے تھا۔"

"جی۔ شیری! نے بھی کہا تھا لیکن میں بہت تھک گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے شیری! پھر تم فائقہ کو وہاں چھوڑ کر آفس آ جانا۔" بیگم آفندی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو شہریار شرارت سے اسے دیکھ کر بولا۔

"چھوڑ کر کیوں ماما! اسے بھی ساتھ لے آؤں گا۔ اس کی ٹیبل پر بہت کام جمع ہو گیا ہوگا۔"

"شیری!" بیگم آفندی نے جاتے جاتے سرزنشی انداز میں شہریار کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

"میں آ جاؤں گا ماما!"

"وقت پر۔"

"ہائیں! میں پہلے بھی وقت پر گیا ہوں۔" شہریار نے تعجب سے کہا لیکن بیگم آفندی ان سنی کر کے چلی گئیں تو وہ اس سے بولا۔

"سنا تم نے۔ ماما کیا کہہ گئی ہیں۔"

"مجھ سے نہیں آپ سے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"تیار ہونے اور ہاں ابھی ہم امی کے ہاں جائیں گے پھر آپ آفس سے جلدی آ جائیے گا تو میں رابعہ اور بھیا کے ہاں بھی آج ہی جاؤں گی کیونکہ جاتے ہوئے ہم کسی سے مل کر نہیں گئے تھے۔ سب ناراض ہوں گے۔" اس نے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تو آج سب کو منانے کا دن ہے۔"

"جناب۔"

"اچھی بات ہے چلو۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر تقریباً پندرہ منٹ میں دونوں تیار ہو گئے تھے تو شہریار کے یاد دلانے پر اس نے وہ تمام تحائف بھی لے لئے جو اس نے لندن سے لئے تھے۔

اور جب وہ امی کے ہاں پہنچے تو گھر میں امی اکیلی تھیں۔

"ارے تم کب آئیں؟" امی نے حیرت و خوشی سے اسے دیکھا تو وہ ان کے گلے لگ کر بولی۔

"کل۔"

"السلام علیکم۔" شہریار نے سلام کیا تو امی اسے خود سے الگ کر کے بولیں۔

"خوش رہو۔ آؤ اندر چلو۔"

"آپ اکیلی ہیں؟"

"ہاں' اس وقت تو اکیلی ہی ہوتی ہوں۔" امی نے شہریار کیلئے کرسی کھینچتے ہوئے کہا تو وہ فوراً ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔"

"بیٹھو بیٹا! بیٹھو۔"

"نہیں۔ آپ بیٹھیں۔" شہریار نے اسی کرسی پر انہیں بٹھا دیا پھر اسے دیکھ کر بولا۔

"میں چلوں۔ ماما نے کہا تھا' وقت پر۔"

"پہلے بھی وقت پر گئے ہیں۔" اس نے اسی کی بات دہرائی۔

"نہیں' لیکن اب شاید ماما مجھے میری ذمہ داری کا احساس دلانا چاہتی ہیں۔"

شہریار نے کہا تو وہ قصداً ذرا سا مسکرائی پھر اس کے اشارے پر امی سے بولی۔

"اچھا امی! شہریار کو ابھی آفس جانا ہے۔"

"ہاں تو چائے ناشتہ......" امی اٹھنے لگیں تو وہ روک کر بولا۔

"ہم ابھی ناشتہ کر کے آئے ہیں پھر میں اسے لینے آؤں گا تو چائے پیوں گا۔ ابھی آپ مجھے اجازت دیجئے۔"

"پھر رات کا کھانا یہیں کھانا۔" امی نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"یہ آپ فائقہ سے طے کرلیں۔"

"ہاں۔ میں طے کرلوں گی۔ آپ بس جلدی آجایئے گا۔ وہ فوراً بولی پھر اسے گیٹ تک سی آف کرکے واپس آئی تو دوبارہ امی سے لپٹ گئی۔

"خوش ہو؟" امی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"جی۔"

"اللہ ہمیشہ خوش رکھے۔" امی نے اس کی پیشانی چوم کر دعا دی پھر پوچھنے لگیں۔ "ساس ٹھیک ہیں تمہاری؟"

"جی سلام کہہ رہی تھیں آپ کو۔" اس نے اپنی طرف سے کہہ دیا۔

"وعلیکم السلام۔" میرا بھی سلام کہہ دینا۔"

"اور ابو کیسے ہیں۔ سوہنی اور عثمان۔"

"سب ٹھیک ہیں۔ سوہنی بہت یاد کرتی ہے تمہیں' دن گن رہی تھی۔" امی نے اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بتایا۔

"اچھا اور رابعہ' وہ نہیں آتی۔"

"آتی ہے اکثر شام میں دونوں آجاتے ہیں۔ کل بھی آئے تھے۔" امی نے بتایا تو وہ فوراً بولی۔

"میں شام کو جاؤں گی اس کے ہاں۔"

"آج شام کو......؟"

"جی۔ میرا بہت دل چاہ رہا ہے اس سے ملنے کو۔ شادی کے بعد کہاں ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا ہے۔ وہ بھی فوراً چلی گئی تھی۔ خوش تو ہے ناں۔؟"

"ہاں لیکن مجھے اس لڑکی کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔" امی نے خدشہ ظاہر کیا تو وہ ٹھٹک کر بولی۔

"کیوں؟"

"ضدی ہے ناں۔ میاں کے ساتھ بھی ضد لگاتی ہے۔ وہ تو شکر ہے عفان ٹھنڈے مزاج کا ہے۔ اس کی بات رکھ لیتا ہے۔ تم جاؤ گی تو ذرا سمجھانا اسے لیکن آج نہیں۔ رات کا کھانا یہیں کھانا' پہلے بھی ایسے ہی چلے گئے تھے بغیر کچھ کھائے پیے۔"

"ارے امی! اب تو ہم یہیں ہیں' آجائیں گے پھر کسی دن۔ آج ہمیں نہیں روکیں۔ میں رابعہ سے مل لوں اور بھیا بھابی ان کی طرف جانے کا پروگرام بھی ہے۔"

اس نے لجاجت سے امی کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا تو امی مصنوعی خفگی سے بولیں۔

"چلو ہٹو' یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسے ہی چلی گئی تھیں۔"

"تو آج تو سارا دن میں آپ کے پاس ہوں۔"

"اور شہریار......؟"

"وہ شام کو آئیں گے تو اس وقت آپ چائے کے ساتھ کباب وغیرہ بنا لیجیے گا۔ باقی کھانا تو اب ہم آتے ہی رہیں گے اور کھاتے ہی رہیں گے۔" وہ کہہ کر ہنسنے لگی۔

"اچھا میں دوپہر کیلئے تو......" امی اٹھنے لگیں تو وہ روک کر بولی۔

"میں بنالوں گی۔ آپ بیٹھیں۔"

"نہیں' اب تم اپنے گھر کا کرنا۔" امی نے کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"میرے گھر میں ملازم ہیں۔"

"شکر کرو۔" امی نے ٹوکا تو وہ ہنس پڑی۔

"ہاں شکر ہے لیکن امی ایسے بیکار بیٹھے بیٹھے تو میں بیکار ہوجاؤں گی۔ اس لئے یہاں آپ مجھے نہیں روکیے گا۔"

"اچھا تم کیا کھاؤ گی؟"

"دال چاول اور میں وہی پکاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

پھر وہ کھانا تیار کرکے فارغ ہوئی تھی کہ سوہنی اور عثمان آگئے اور سوہنی کیونکہ اس سے زیادہ مانوس تھی' اس لئے اسے دیکھ کر خوشی سے چلانے لگی۔

"ہائے آپی! مجھے پتہ ہوتا آج آپ آئیں گی تو میں کالج سے چھٹی کرلیتی' آپ نے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"تاکہ تم چھٹی نہ کرسکو۔ کیسی جارہی ہے تمہاری پڑھائی۔؟"

"بہت اچھی۔"

"شاباش اور عثمان تم؟"

"ارے آپی! میں تو ٹاپ کروں گا۔" عثمان نے اترا کر کہا۔

"ماشاءاللہ۔ چلو اب جلدی سے منہ ہاتھ دھولو میں کھانا نکال رہی ہوں۔" اس نے کہا تو عثمان فوراً بولا۔

"آپ کیوں۔ سوہنی ہے ناں۔"

وہ ان سنی کرتی کچن میں چلی گئی۔

پھر کھانے کے بعد وہ کچھ دیر سونے کی غرض سے لیٹی تھی لیکن سوہنی نے اسے سونے نہیں دیا۔ پہلے اپنی سہیلیوں کی باتیں پھر لندن میں وہ کہاں کہاں گھومی۔ اس نے سوہنی کا اشتیاق دیکھتے ہوئے اسے ہر جگہ کے بارے میں بتایا اور اسی میں دوپہر ڈھل گئی۔

"تم نے آخر مجھے سونے نہیں دیا۔ چلو اب جلدی سے چائے بنا کر لاؤ۔ میں جب تک منہ ہاتھ دھولوں۔ شہریار بھی آنے والے ہوں گے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ابھی آئیں گے شہریار بھائی۔" سوہنی نے گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں پھر ہمیں رابعہ کے ہاں جانا ہے۔" وہ جواب دے کر واش روم میں چلی گئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تو سوہنی کو ٹیبل پر لوازمات سجاتے دیکھ کر قدرے حیرت سے پوچھنے لگی۔

"یہ سب کس کیلئے؟"

"شہریار بھائی کیلئے۔" سوہنی نے کہا۔

"آ گئے کیا۔؟"

"نہیں۔"

"پھر یہ ابھی سے کیوں رکھ رہی ہو۔" اس نے ٹوکا۔

"امی نے کہا ہے شاید انہیں خدشہ ہے کہ وہ پھر کچھ کھائے پیئے بغیر چلے جائیں گے۔ سوہنی نے کہا تب ہی گیٹ پر گاڑی کی آواز سن کر وہ فوراً عثمان کو پکار کر بولی۔

"عثمان! جاؤ گیٹ کھولو، شہریار آ گئے ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد ہی شہریار، عثمان کے ساتھ اندر آیا تو وہ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"سیدھے وہاں چلے جائیں۔"

شہریار نے ایک نظر ٹیبل پر ڈالی پھر اسے دیکھ کر بولا۔

"بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اصل میں دوپہر کا کھانا ابھی کچھ دیر پہلے کھایا ہے۔"

"پھر بھی بیٹھ تو جائیں ورنہ امی رات کا کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے دیں گی۔ انہیں ابھی تک افسوس ہے کہ پچھلی بار ہم ایسے ہی چلے گئے تھے۔" اس نے کہا۔ پھر اس کے ساتھ ہی ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم۔" سوہنی نے سامنے آ کر شہریار کو سلام کیا تو وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر بولا۔

"لٹل گرل! جلدی بتاؤ میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔"

"میرے لئے۔" سوہنی کچھ کنفیوژ ہو گئی اور وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ارے۔ صبح میں گاڑی سے بیگ لینا تو بھول گئی تھی۔"

"بس ایک مجھے نہ بھولنا۔" شہریار نے سرگوشی میں اس سے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"ایک آپ ہی تو یاد ہیں، باقی تو سب بھول گئی۔" فوراً سوہنی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ہاں سوہنی! بتاؤ شہریار لندن سے تمہارے لئے کیا لائے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں۔" سوہنی نے لاعلمی کا اظہار کیا تو شہریار نے جیب سے بہت خوبصورت ریسٹ واچ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔" امی نے کہا تو وہ ان سنی کر کے اس سے بولا۔

"عثمان کا گفٹ بیگ میں ہے۔"

اس نے جلدی سے بیگ کھول کر عثمان کیلئے لائی ہوئی شرٹ اس کے حوالے کی پھر شہریار سے بولی۔

"اب جلدی سے چائے وائے پئیں، مجھے رابعہ سے ملنا ہے۔"

"او کے باس!" شہریار نے فوراً چائے کا کپ اٹھا لیا تھا۔

پھر ابھی شام پوری طرح نہیں اتری تھی جب وہ رابعہ کے ہاں پہنچی تو پہلے مرحلے پر رابعہ ساری خفگی بھلا کر اس سے ملی تھی۔

"آپ کیسے ہیں شہریار؟" رابعہ اس سے الگ ہو کر شہریار کی طرف متوجہ ہوئی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا۔

"بالکل ٹھیک۔ آپ سے تو بس ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی۔" شہریار نے ڈاکٹر عفان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم تو آئے تھے لیکن۔" رابعہ وہی! اپنا جانا بتانے جا رہی تھی کہ اس نے فوراً اسے مخاطب کر لیا۔

"رابعہ! اپنا البم دکھاؤ۔ شادی کا اور ابھی مری وغیرہ کی تصویریں بھی ہوں گی۔"

"بہت تصویریں ہیں۔" "کریز ہے شاید انہیں تصویریں کھنچوانے کا۔" ڈاکٹر عفان نے کہا۔

رابعہ انہیں گھورتے ہوئے اٹھ کر جانے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ اس کے کمرے میں جاتے ہی بولی۔

"رابعہ پلیز، شہریار کے سامنے مت کہنا کہ تم شادی کے دوسرے دن ہمارے گھر آئی تھیں۔"

"کیوں۔ اسے معلوم نہیں ہے۔" رابعہ نے تنک کر پوچھا تو وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

"نہیں، میں نے جان بوجھ کر نہیں بتایا۔ خوانخواہ ماما سے الجھتے۔"

"خوانخواہ۔ یعنی تمہارے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ تمہارے ہاں

گئی اور ہمیں تم سے ملنے نہیں دیا گیا۔ میرے خدا میں تو جب بھی سوچتی ہوں' میرا دماغ گھوم جاتا ہے۔ کتنے ہرٹ ہوئے ہم۔"

رابعہ کا غصہ بھی بجا تھا جب ہی اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں رابعہ! حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر بھی میں تم سے معافی مانگ رہی ہوں۔ پلیز بھول جاؤ۔"

"ہرگز نہیں۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ ذرا سوچو مجھے عفان کے سامنے کتنی خفت اٹھانی پڑی ہوگی۔"

"مجھے احساس ہے جب ہی تو میں تم سے معافی مانگ رہی ہوں اور میں عفان بھائی سے بھی سوری کرلوں گی بس تم شہریار کے سامنے کچھ مت کہنا۔"

اس نے منت سے کہا تو رابعہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر بولی۔

"بہرحال' میں آئندہ تمہارے ہاں کبھی نہیں آؤں گی۔ تمہاری ساس کے مرنے پر بھی نہیں۔"

"میری ساس کا اتنی جلدی مرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" وہ بے ساختہ ہنسی کے ساتھ بولی تھی۔

☆☆☆

"اماں! آپ کو پتہ ہے' فائقہ لندن سے آگئی ہے۔" عظام خود تو حیران تھے ہی اپنی اماں اور اسماء کو بھی بتا کر حیران کر دیا۔

"اچھا کب آئی؟" ان کی اماں نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔" انہوں نے بتایا تو اسماء اچھل کر بولی۔

"ایک ہفتہ اور آنا تو دور کی بات' فون بھی نہیں کیا اس نے۔ آپ کو کس نے بتایا۔"

"میں آفس سے سیدھا پھوپھو کے ہاں چلا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اسے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔"

"بڑی بے مروت نکلی۔" اسماء نے کہا تو وہ ان سنی کر کے اماں سے بولے۔

"پتہ نہیں ان کے ہاں کیا رواج ہے۔ آپ کب بلا رہی ہیں اسے۔"

"ہاں' بلانا تو ہے اور میرا خیال ہے۔ چھٹی کا دن ٹھیک رہے گا۔" اماں نے کہا تو وہ فوراً بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے اور میں کل ہی جا کر شہریار کو اتوار رات کے کھانے کی دعوت دے آؤں گا یا آپ کو دوپہر کی سہولت ہو تو۔"

"نہیں۔ رات کا کھانا ٹھیک ہے۔ آرام سے ہر چیز بن جاتی ہے۔" اماں سے پہلے اسماء بول

پڑی۔ "اور ہاں اس سے کہیئے گا جلدی آئے یہ نہیں کہ مہمانوں کی طرح کھانے ہی پر آ رہی ہیں۔"

"اب یہ اس کے اختیار کی بات نہیں ہے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اور اگلے روز جب وہ آفس سے نکلے تو شام ڈھل چکی تھی جس سے وہ شش و پنج میں پڑ گئے کہ آیا انہیں اس وقت فائقہ کے گھر جانا چاہیئے یا نہیں۔ پھر یہ سوچ کر وہ کھڑے کھڑے ہی اس سے مل کر اور کھانے کی دعوت دے کر چلے آئیں گے' انہوں نے گاڑی اس کے گھر کے راستے پر ڈال دی تھی۔

اور جب وہ اس کے بنگلے کے سامنے گاڑی سے اتر رہے تھے تو اسی وقت بڑا گیٹ کھلنے پر وہ رک کر دیکھنے لگے۔ چند لمحوں بعد وائٹ وی ٹی آئی باہر نکلی لیکن پھر ان کے قریب رک گئی۔

"عظام بھائی!" فائقہ فوراً اتر کر ان کے قریب آئی تھی۔ "ہم آپ ہی کی طرف جا رہے تھے۔"

"خیریت سے ہو؟" انہوں نے اس کے کھلتے چہرے پر بس ایک نظر ڈال کر پوچھا تو وہ اپنے مخصوص انداز پر بے ساختہ مسکرائی تب ہی شہریار آ گیا۔

"السلام علیکم۔"

"علیکم السلام۔ اگر آپ میرے گھر جا رہے تھے تو چلیں۔" عظام نے اس کا ہاتھ گرمجوشی سے تھامتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اب تو آپ آ گئے ہیں۔ آیئے اندر چلیں۔" شہریار نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے واپس اندر کا رخ کیا تھا۔

"کیسے ہیں عظام بھائی آپ اور گھر میں سب۔" فائقہ نے ڈرائنگ روم میں انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ مجھے کل پھوپھو سے معلوم ہوا کہ تم آ چکی ہو۔" انہوں نے جتایا نہیں تھا بلکہ سیدھے سادے انداز میں کہا۔

"جی مجھے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور میں نے جان بوجھ کر آپ کو فون نہیں کیا کیونکہ میں اچانک آپ کے ہاں آنا چاہتی تھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"چلو پھر کسی دن اچانک آ جانا۔" انہوں نے کہا پھر شہریار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں اسپیشلی آپ کو انوائٹ کرنے آیا ہوں۔"

شہریار نہ سمجھنے والے انداز میں فائقہ کو دیکھنے لگا تو اس نے پوچھ لیا۔

"کس سلسلے میں عظام بھائی؟"

"کوئی سلسلہ ہونا ضروری تو نہیں ہے۔ ویسے یہ انوی ٹیشن تمہاری شادی کی خوشی میں ہے۔

اتوار کی شام آپ دونوں کھانے پر ضرور آئیے گا۔"

انہوں نے آخر میں شہریار کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں ایسے تو حالات نہیں۔" پھر فائقہ سے بولا۔ "بھئی کوئی چائے وائے بلکہ نہیں کھانا لگوا دو۔"

"ہاں!" فائقہ فوراً اٹھی تھی لیکن عظام نے روک لیا۔

"نہیں پلیز۔ کھانے کا تکلف نہیں کریں۔ ویسے بھی میں اتنی جلدی کھانا نہیں کھاتا۔"

"یہ جلدی کہاں ہے عظام بھائی؟"

"بس تم چائے پلا دو۔" انہوں نے کہہ کر فائقہ کو آنکھوں سے اشارہ بھی کیا تو اس نے مزید اصرار نہیں کیا اور چلی گئی تب شہریار پوچھنے لگا۔

"آپ کہاں جاب کرتے ہیں؟"

وہ اپنی فرم کا نام بتا کر کہنے لگے۔

"مجھے اس فرم میں آٹھ سال ہو گئے ہیں اور اللہ کا شکر ہے میں اپنی جاب سے مطمئن ہوں۔"

"کبھی ہماری فرم کا چکر لگائیے۔"

"ان شاء اللہ کبھی موقع ملا تو آؤں گا۔" انہوں نے کہا' تب ہی بیگم آفندی آ گئیں۔

"السلام علیکم۔" عظام انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

بیگم آفندی سرسری نظر ان پر ڈال کر شہریار سے مخاطب ہو گئیں۔

"شیری! مجھے لاہور کے ڈیلرز بہت مایوس کر رہے ہیں میں چاہتی ہوں' تم لاہور جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لے آؤ۔"

"جی ماما! ابھی تو آپ ان سے ملیں۔ یہ فائقہ کے کزن ہیں عظام۔" شہریار کو بیگم آفندی کا عظام کو نظر انداز کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"فائقہ کے کزن۔" بیگم آفندی ان کی طرف متوجہ ہوئیں اور پھر یوں ظاہر کیا جیسے اب پہچانا ہو۔

"اچھا اچھا۔ ہاں شادی میں دیکھا تھا۔ بیٹھو۔"

"شکریہ۔" عظام بیٹھتے ہوئے بولے۔ "کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک۔ تمہارے گھر میں سب خیریت ہے؟" بیگم آفندی نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"جی۔ آپ آئیے کسی دن۔" عظام نے کہا تب ہی فائقہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے آ گئی تو بیگم آفندی اسے دیکھ کر بولیں۔

"چائے۔ بیٹا! یہ کھانے کا وقت ہے۔"

"جی لیکن عظام بھائی کھانے کو منع کر رہے ہیں۔" فائقہ نے کہا تو وہ پیار بھری سرزنش کے ساتھ بولیں۔ "بیوقوف لڑکی! یہ تو مہمان ہیں۔ تکلف کریں گے۔ جاؤ رشید سے کہو جلدی کھانا لگائے۔"

"جی!" فائقہ کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ عظام کو دیکھا اور وہ منع کرنا چاہتے تھے کہ بیگم آفندی اس سے بولیں۔

"جاؤ بیٹا!" انداز ایسا تھا جیسے سنا نہیں تم نے۔ اور یہ وہی سمجھتی تھی جب ہی فوراً پلٹ گئی تھی۔

عظام خاصے جز بز ہوئے اور کھانا بھی انہوں نے گو کہ برائے نام ہی کھایا تھا پھر بھی اپنے آپ میں عجیب سا محسوس کرتے رہے کہ وہ تو انہیں دعوت دینے آئے تھے اور اس سے پہلے خود ان کے ہاں مہمان ہو گئے۔ مزید کھانے کے بعد فوراً جانے کا بھی نہیں کہہ سکے اور چائے تک انہیں بیٹھنا پڑا تھا۔

☆☆☆

"شیری! تم آج لاہور جا رہے ہو۔ طاہر صاحب تمہارے ساتھ جائیں گے۔" ناشتے کی ٹیبل پر بیگم آفندی نے شہریار سے کہا تو وہ حیران ہوا۔

"آج......"

"ہاں۔ بریف کیس میں اپنا ایک آدھ سوٹ رکھ لو۔ آفس ہی سے طاہر صاحب کے ساتھ چلے جانا۔" بیگم آفندی اس کی حیرت نظر انداز کر کے بولیں۔

"لیکن ماما! میں چاہ رہا تھا فائقہ......"

"فائقہ کا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑیں۔ "تمہیں ڈیلرز سے ملنا ہے اور دو دن میں واپس بھی آ جاؤ گے۔"

"دو دن۔" وہ فائقہ کو دیکھنے لگا تو اس نے ٹیبل کے نیچے اس کے پیر پر پیر مار کر ماما کی موجودگی کا احساس دلایا۔

"ماما! آپ زیادتی کر رہی ہیں۔" شہریار نے احتجاج کیا۔

"کیا زیادتی بیٹا! کیا چاہتے ہو تم۔ میں جاؤں' ڈیلرز سے میں بات کروں؟" بیگم آفندی اس کا مطلب سمجھنے کے باوجود انجان بن کر بولیں۔

"نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ مجھے جانے سے انکار نہیں۔ بس آپ طاہر صاحب کو یہیں روکیں۔ میں فائقہ کو ساتھ لے جاؤں گا۔" شہریار کی وضاحت پر وہ قدرے سختی سے بولیں۔

"نہیں۔ طاہر صاحب کا جانا ضروری ہے۔" پھر فائقہ سے بولیں۔

"جاؤ بیٹا! بریف کیس میں اس کے دو سوٹ رکھ دو۔"

"جی!" فائقہ اٹھ کر چلی گئی اور جس طرح شہریار بھی فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے گیا اس سے وہ تلملا کر بڑبڑائیں۔

"نان سینس! ساری دیوانگی بھول جائے گا' جب میں اسے بے نقاب کروں گی۔"

اور پھر اسی روز وہ شہریار کو لاہور روانہ کر کے شام کو جب لوٹیں تو فوراً کوئی ایسا تاثر نہیں دیا جس سے فائقہ خائف ہوتی یا خود کو اکیلا محسوس کرتی۔ اس کے برعکس رات کو بڑی محبت سے بولی تھیں۔

"بیٹا! تمہیں اگر اکیلے میں ڈر لگے تو میرے کمرے میں آ جاؤ۔"

"نہیں ماما! اپنے گھر میں' میں ڈروں گی کیوں۔" فائقہ نے کہا تو وہ قصداً ان سنی کر کے پوچھنے لگیں۔

"شیری کا فون آیا تھا؟"

"جی۔ لاہور پہنچتے ہی انہوں نے فون کیا تھا۔" اس نے بتایا تو وہ تسلی آمیز لہجے میں بولیں۔

"آ جائے گا دو دن میں' پریشان نہیں ہونا۔"

"جی۔" وہ اندر ہی اندر حیران ہوتی بس یہی کہہ سکی' تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔

"شیری ہوگا۔ دیکھو......" وہ جانے کس موڈ میں تھیں۔ مسکرا کر فائقہ کو فون اٹھانے کو کہا اور خود اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"ماما!" فائقہ کے پکارنے پر وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"کوئی اسفندیار صاحب ہیں۔" فائقہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا تو انہوں نے تیر کی سی تیزی سے آ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا اور پہلے اس سے بولیں۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

فائقہ کچھ خائف سی ہو کر فوراً تیز قدموں سے اپنے کمرے میں چلی گئی' تب وہ ریسیور کان سے لگا کر بولیں۔

"تم باز نہیں آؤ گے' بند کرو یہ سلسلہ۔"

"ابھی تو شروعات ہیں میڈم!" ادھر سے اطمینان سے کہا گیا۔

"شٹ اپ!" وہ ریسیور پٹخنے لگی تھیں کہ ادھر سے فوراً کہا گیا۔

"فون بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دوبارہ رنگ کر سکتا ہوں۔"

"اسٹوپڈ! کیا چاہتے ہو تم؟" انہوں نے جس قدر جھنجلا کر کہا' ادھر وہ اسی قدر مزہ لے کر بولا۔

"ہاں۔ اب کی ہے ناں آپ نے کام کی بات۔ کیا چاہتا ہوں میں؟"

"میرے در سے تمہیں کوئی بھیک نہیں ملے گی۔" وہ فوراً زہر خند سے بولی تھیں۔

"میں بھیک نہیں اپنا حق مانگ لوں گا۔" اس کے مضبوط لہجے پر وہ ایک لحظہ رک کر بولیں۔

"سنو! تم ہو کون؟ میں تو تمہیں جانتی بھی نہیں۔"

"میں بھی آپ کو نہیں جانتا لیکن اپنے آپ کو بہت اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں کہ میں جیلان آفندی کی پہلی نرینہ اولاد یعنی پہلا وارث اسفندیار آفندی ہوں۔" اس کا لہجہ ہنوز مضبوط تھا مزید چبا چبا کر بولا تھا۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"وقت آنے پر سارے ثبوت کے ساتھ آؤں گا۔" اس نے کہا تو وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"میں انتظار کروں گی۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور کچھ دیر وہیں کھڑی تنفر سے اس کے بارے میں سوچتی رہیں پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آ گئیں لیکن ذہن پھر اس کی طرف چلا گیا اور گو کہ وہ اس سے خائف نہیں تھیں البتہ یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ شہریار یا فائقہ سے کچھ الٹا سیدھا نہ کہہ دے۔ جیسے ابھی فائقہ نے فون ریسیو کیا تھا اور یہ تو اتفاق تھا کہ وہ موجود تھیں اگر وہ گھر پر نہ ہوتیں تو جانے وہ اس سے کیا کہتا۔ جبکہ وہ خاص طور سے شہریار کو تو اس کے بارے میں بتانا بھی نہیں چاہتی تھیں اور اب وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ اسے یہاں فون کرنے سے کیسے روکیں۔ گویا وہ خود اس حقیقت کو تسلیم کر رہی تھیں کہ وہ جیلان آفندی کا بیٹا ہی ہے۔ حالانکہ انکے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی نے انہیں بتایا تھا کہ جیلان آفندی کی پہلی بیوی اور بچے ایک حادثے کا شکار ہو گئے تھے اور اس وقت انہیں انکی بات پر یقین آیا بھی تھا اور نہیں بھی۔ بہر حال اس وقت انہوں نے بہت سوچ کر ابرار قریشی کو فون کر ڈالا۔

"ابرار صاحب! میں بیگم آفندی۔" انہوں نے ابرار قریشی کی آواز سنتے ہی کہا۔

"جی بیگم صاحبہ کیسی ہیں آپ......؟"

"بہت ڈسٹرب ہوں ابرار صاحب! بلکہ مجھے ڈسٹرب کیا جا رہا ہے" انہوں نے کہا تو ابرار قریشی تعجب سے بولے۔

"خیریت۔ کون ڈسٹرب کر رہا ہے؟"

"پتہ نہیں ابرار صاحب! ہر دوسرے دن کسی نہ کسی آدمی کا فون آ جاتا ہے اور ہر ایک خود کو جیلان آفندی کا بیٹا کہتا ہے۔" انہوں نے لاعلمی کا اظہار کر کے بتایا تو ابرار قریشی مزید متعجب

ہوئے۔

"کیا مطلب۔ کوئی ایک آدمی نہیں ہے۔؟"

"نہیں، ہر بار نئی آواز سنائی دیتی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں جیلان صاحب کی پہلی بیوی کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ بھی شاید ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگیا تھا پھر یہ اتنے سارے بیٹے۔" انہوں نے تشویش کے ساتھ کہا تو ابرار قریشی پوچھنے لگے۔

"آپ نے نمبر نوٹ کیے؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ابرار صاحب! ایسے فون اپنے نمبرز سے کون کرتا ہے۔" انہوں نے ٹوک کر کہا تو ابرار قریشی سوچتے ہوئے انداز میں بولے۔

"ہا۔ آں۔ بہر حال آپ پریشان نہ ہوں۔"

"کیسے پریشان نہ ہوں۔ آپ جانتے ہیں، شیری کیلئے کسی بھی قسم کی ٹینشن کتنی خطرناک ہو سکتی ہے اگر اسے معلوم ہوگیا اور اس نے اس بات کو سیریسلی لے لیا تو......"

"نہیں، نہیں بیگم صاحبہ! ایسا نہیں ہوگا۔" ابرار قریشی تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا۔ "آپ ایسا کریں شہر یار کو خود بتا دیں۔"

"نہیں وہ بہت جذباتی اور حساس ہے۔ میں اس کے سامنے گھر کی چھوٹی موٹی پرابلم کا ذکر بھی نہیں کرتی۔" انہوں نے ابرار قریشی کا مشورہ رد کر دیا۔

"لیکن بیگم صاحبہ! یہ تو آپ کو بتانا پڑے گا تاکہ اگر کسی دن شہر یار ایسا کوئی فون اٹینڈ کرے تو پریشان نہ ہو بلکہ وہ سہولت سے فیس کر سکے گا۔" ابرار قریشی نے سمجھاتے ہوئے کہا تو اس بار وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"دوسری بات آپ پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں درج کراتیں یا میں کرادوں۔"

"نہیں۔ میں پولیس کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتی۔ ہاں اگر بات زیادہ بڑھی پھر تو یقیناً پولیس کی مدد لینی پڑے گی اور اس کیلئے میں آپ سے ہی کہوں گی، فی الحال میں ضروری نہیں سمجھتی۔"

"اچھی بات ہے۔ میرے لائق اور کوئی خدمت۔"

"نہیں۔ اس وقت مجھے اچانک خیال آیا کہ مجھے یہ ٹیلی فون کالز آپ کے علم میں لانی چاہئیں اور مزید کوئی بات ہوگی تو فون کروں گی۔"

"آپ کو پہلے ہی فون کرنا چاہئے تھا بہر حال پریشان نہ ہوں۔ میں اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ ایسا کون کر رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ فون رکھ کر مطمئن ہوگئی تھیں۔

پھر صبح ڈائننگ روم میں آتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ وہ فائقہ کو سمجھا دیں گی کہ اسفندیار نامی کسی شخص کا فون اٹینڈ نہ کرے۔

"فائقہ نے ناشتہ کرلیا؟" انہوں نے ڈائننگ روم میں فائقہ کو موجود نہ پا کر ملازمہ سے پوچھا۔

"نہیں جی۔ وہ تو آج کمرے سے نکلیں ہی نہیں۔" ملازمہ نے بتایا تو وہ ناگواری سے بولیں۔

"شیری یہاں نہیں ہے تو......" پھر بات ادھوری چھوڑ کر وہ خود ہی فائقہ کے کمرے میں آگئیں اور آگے اسے لیٹے دیکھ کر اسی ناگواری سے بولیں۔

"تم ناشتے پر نہیں آئیں؟"

فائقہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"سوری ماما! میں آرہی تھی لیکن مجھے بہت زور کا چکر آیا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تو میں دوبارہ لیٹ گئی۔"

"چکر آیا......" انہوں نے سوچتے ہوئے انداز میں دہرایا پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

دھیرے دھیرے اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر لائٹ کا بٹن آن کر دیا پھر اس کا دل چاہا باہر لان میں نکل جائے لیکن بیگم آفندی جس سختی سے اسے آرام کرنے کی تاکید کر گئی تھیں، اس سے اس کی ہمت نہیں ہوئی کمرے سے نکلنے کی کیونکہ ان کا کچھ پتہ نہیں تھا کب آجاتیں۔ ویسے روزانہ تو اس وقت تک آجاتی تھیں۔ آج پتہ نہیں کیوں دیر ہوگئی تھی۔ وہ سوچتے ہوئے کمرے ہی میں ٹہلنے لگی۔

کچھ دیر بعد ملازمہ نے آکر پوچھا۔ "بی بی! آپ کیلئے جوس لاؤں؟"

"یا اللہ!" اس نے رک کر گہری سانس کھینچی پھر ملازمہ سے بولی۔ "ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو تم جوس لائی تھیں۔ دیکھو وہ رکھا ہے۔ میرا نہیں دل چاہ رہا پینے کو۔"

"بیگم صاحبہ کہہ گئی تھیں کہ......" ملازمہ نے اسی قدر کہا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

"وہ جو بھی کہہ گئی تھیں مجھے جب جس چیز کی ضرورت ہوگی میں خود لے لوں گی یا تم سے کہہ دوں گی۔ اب تم جاؤ اور یہ جوس بھی لیتی جاؤ۔"

ملازمہ اس کے بگڑنے پر خاموشی سے جوس کا گلاس اٹھا کر چلی گئی۔

وہ کچھ دیر بڑبڑاتی رہی پھر اپنا دھیان بٹانے کیلئے رابعہ کو فون کر ڈالا۔

دوسری طرف ڈاکٹر عفان نے فون اٹھایا تھا۔

"السلام علیکم عفان بھائی! میں فائقہ ہوں۔" اس نے ڈاکٹر عفان کی ہیلو کے جواب میں کہا تو وہ خوش دلی سے بولے۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"رابعہ کیا کر رہی ہے؟" اس نے پوچھا تو ڈاکٹر عفان ہنس کر بولے۔

"ٹی وی سے کھیل رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بھی ہنسی۔

"ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہے۔" ڈاکٹر عفان نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"میں سمجھ گئی۔ مسلسل چینل بدل رہی ہوگی۔ اس سے کہیں اب ذرا اس چینل پر بات کرے۔"

"اچھی بات ہے۔"

چند لمحوں بعد رابعہ کی آواز آئی۔

"کون سوہنی؟"

"نہیں میں اور میں تم سے بہت ناراض ہوں۔" اس نے کہا تو رابعہ نے تعجب سے پوچھا۔ "مجھ سے۔ کیوں؟"

"کل میں نے تمہیں کتنے فون کیے۔"

"میں گھر پر نہیں تھی۔ اپنی نند کے ہاں گئی ہوئی تھی۔" رابعہ نے فوراً کہا۔

"تو آ کر مجھے کال بیک نہیں کر سکتی تھیں یا تم نے اپنا سی ایل آئی دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔"

"نہیں، میں نے آتے ہی چیک کیا تھا لیکن میں تمہیں فون نہیں کروں گی۔" رابعہ کے صاف انکار کرنے پر وہ برا مان کر بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ آؤ گی بھی نہیں اور فون بھی نہیں کرو گی۔"

"ہاں، بس اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کیسی ہو۔ شہریار کیسے ہیں؟" رابعہ نے اسے بحث سے روکتے ہوئے پوچھا۔

"شیری لاہور گئے ہوئے ہیں اور میں بہت بور ہو رہی ہوں۔" اس نے کہا تو رابعہ فوراً بولی۔

"میرے پاس آ جاؤ۔"

"اچھا۔ تم نے نہ آنے کی قسم کھائی ہے اور میں آ جاؤں۔" اس نے ٹوکا۔

"سنو تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو میں بہت خودسر اور ضدی ہوں لہٰذا مجھے بار بار مت ٹوکو۔ اگر تم چاہتی ہو کہ ہمارے درمیان کوئی رنجش، کوئی دوری نہ ہو تو جب تمہارا مجھ سے ملنے کو دل چاہے میرے گھر آ جانا لیکن کبھی مجھے اپنے گھر آنے کو مت کہنا۔ سمجھیں؟"

رابعہ نے تنبیہی انداز میں باور کرایا تو وہ خاموش ہو رہی۔

"سنو!" قدرے توقف سے رابعہ پکار کر پوچھنے لگی۔ "پھر کب آ رہی ہو؟"

"آؤں گی کسی دن اور سارا دن تمہارے ساتھ رہوں گی۔" اس نے گویا ہتھیار ڈال دیئے۔

"ضرور، میں انتظار کروں گی۔" رابعہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھا خدا حافظ۔" اس نے فون بند کر دیا اور رابعہ ہی کو سوچنے لگی تھی کہ ماما کا خیال آیا آٹھ بج چکے تھے اور وہ ابھی تک نہیں آئی تھیں۔

"کہاں رہ گئیں ماما! اتنی دیر تو انہوں نے کبھی نہیں کی۔" وہ خود سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئی اور رشید کو بلا کر پوچھنے لگی۔

"ماما کا فون تو نہیں آیا تھا۔"

"نہیں جی۔"

"آٹھ بج گئے۔" اس نے تشویش کا اظہار کیا۔

"آپ کیلئے کھانا لگاؤں؟" رشید نے پوچھا۔

"نہیں۔ ماما آئیں گی تو ان کے ساتھ کھاؤں گی۔" وہ منع کر کے واپس کمرے میں آ کر لیٹی اور بیگم آفندی کو سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

پھر صبح ہی اس کی آنکھ کھلی تھی اور اپنے قریب شہریار کو دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئی۔ اس کی آمد پر نہیں بلکہ اپنی بے خبری پر کہ اتنی گہری نیند تو وہ کبھی نہیں سوئی تھی۔

"شیری!" اس نے اس خیال سے بہت آہستہ سے پکارا کہ وہ اگر گہری نیند میں ہوگا تو دوبارہ نہیں پکارے گی۔ لیکن شہریار نے اس کی پہلی پکار پر ہی آنکھیں کھول دیں۔

"آپ جاگ رہے تھے۔" وہ ذرا سا ہنس کر بولی۔

"جگا کر پوچھتی ہو جاگ رہے تھے۔" وہ اس کی ٹھوڑی پر پیشانی ٹکا کر بوجھل لہجے میں بولا۔

"رات کب آئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"ایک بجے۔ تم بہت گہری نیند سو رہی تھیں جب ہی میں نے نہیں اٹھایا۔" شہریار نے کہا تو وہ پھر خود پر حیران ہو کر کہنے لگی۔

"ہاں۔ رات میں بہت جلدی سو گئی تھی۔ اس وقت ماما بھی نہیں آئی تھیں اور میں ان ہی کا

انتظار کر رہی تھی پتہ نہیں کیسے نیند آ گئی اور وہ بھی اتنی گہری کہ آپ کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

"اب تو پتہ چل گیا ناں۔ چلو سو جاؤ۔" شہریار ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا۔

"نہیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ رات میں کھانا کھائے بغیر سو گئی تھی۔ اب میرا پیٹ بالکل خالی ہے اور اگر مجھے فوراً کھانے کو کچھ نہیں ملا تو......"

اسے ایکدم بڑی زور کی ابکائی آئی تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر فوراً اٹھ کر واش روم کی طرف بھاگی تھی۔ کچھ دیر بعد جب وہ واش روم سے نکلی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔

"فائقہ!" شہریار کی پریشانی انتہا کو چھو رہی تھی۔ اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا جان! ماما کو بلاؤں۔"

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔" وہ جھک کر اپنی شرٹ کے دامن سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"کیا ٹھیک ہو یہ......"

"یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی ابتدائی دو تین مہینے ایسے ہی وومیٹنگ ہوتی ہے۔" وہ بتا کر جھینپ گئی تو اس کے جھینپنے سے شہریار سمجھ کر زور سے چلایا۔

"فائقہ! میں ابھی ماما کو بتاتا ہوں۔"

"انہیں پتہ ہے۔" وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی۔ کل ماما ہی تو مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں۔"

"اچھا پھر کیا کہا تھا ڈاکٹر نے؟" شہریار نے شرارت سے پوچھا تو وہ شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مجھے نہیں پتہ۔"

"مجھے پتہ ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہوگا کہ......"

"شیری! خالی پیٹ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ ٹوک کر بولی۔

"اوہ ہاں۔ میں ابھی لاتا ہوں۔ کیا لاؤں؟" شہریار نے جاتے جاتے پوچھا۔ لیکن پھر اس کا جواب سنے بغیر کمرے سے نکل گیا تو وہ نڈھال سی دوبارہ لیٹ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ جوس لے کر آیا تو اس کے پیچھے بیگم آفندی کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹا! بیگم آفندی نے شہریار کے ہاتھ سے جوس کا گلاس لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"رات مجھے ایک پارٹی میں جانا پڑ گیا۔ جب ہی دیر ہوگئی تھی اور تم کھانا کھائے بغیر سو گئی تھیں۔ ایسی حالت میں خوراک کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ آئندہ میرا اور شیری کا بھی انتظار نہیں کرنا۔ تمہیں جب بھوک لگے کھا لینا' سمجھیں۔"

"جی۔"

"شیری! تمہارے فریج میں ہر وقت تازہ پھل موجود رہنا چاہئے اور کولڈ ڈرنکس بھی رکھو۔ اس کے علاوہ بیٹا تمہارا جس چیز کو دل چاہے۔" بیگم آفندی دونوں سے مخاطب تھیں۔

"ہاتھی کے پائے کھانے کو دل چاہے تو بھی بتا دینا' میں لا دوں گا۔" شہریار نے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔

"شیری! بچپنا چھوڑو۔" بیگم آفندی اسے ٹوک کر مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ وہ برجستہ بولا۔

"اب میں باپ بننے والا ہوں۔"

وہ کسی طرح اپنی بے ساختہ ہنسی نہیں روک سکی تو بیگم آفندی ایک نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گئیں۔

"عجیب ہیں آپ بھی۔" وہ اس طرح ہنستے ہوئے بولی۔

"کیوں۔ میں نے غلط تو نہیں کہا۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آ بیٹھا۔

"اچھا چھوڑیں۔ یہ بتائیں آج کون سا دن ہے۔" اس نے پوچھا تو وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔

"سنڈے۔ آج مابدولت کی چھٹی ہے۔"

"جی اور شام میں ہمیں ماموں جان کے ہاں جانا ہے۔" اس نے کہا تو وہ یاد آنے پر بولا۔

"ارے ہاں۔ عظام بھائی آئے تھے۔ آج جانا ہے۔"

"جی۔"

"اچھا ہوا تم نے یاد دلا دیا ورنہ میں کوئی اور پروگرام بنانے والا تھا۔"

"اور کوئی پروگرام نہیں۔ چلیں۔ میرا خیال ہے ناشتہ لگ چکا ہوگا۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور پھر شام کو جب وہ ماموں جان کے ہاں جانے کیلئے تیار ہو کر شہریار کے ساتھ کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں موجود بیگم آفندی نے دونوں کو دیکھا لیکن پھر مخاطب شہریار کو کیا۔

"کہاں لے جا رہے ہو اسے؟"

"ماما! وہ فائقہ کے کزن آئے تھے ناں' وہ انوائٹ کر گئے تھے' ابھی ہم ان کے ہاں جا رہے

ہیں۔" شہریار نے بتایا تو بیگم آفندی بظاہر نرمی سے بولیں۔

"لیکن بیٹا۔ فائقہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے ڈاکٹر نے ریسٹ بتایا ہے۔"

"سارا وقت ریسٹ ہی تو کرتی ہوں ماما اور ابھی میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"ابھی ٹھیک تو ہو لیکن......" بیگم آفندی کچھ کہتے کہتے رک گئیں تو وہ شہریار سے بولی۔

"چلیں!"

"او کے ماما۔ کھانے پر انتظار نہیں کیجئے گا۔" شہریار نے کہا تو اس نے بہت عجلت میں قدم آگے بڑھا دیئے۔ اس ڈر سے کہ کہیں بیگم آفندی کسی بہانے روک نہ لیں جبکہ شہریار وہیں کھڑا تھا۔ شاید ماما کچھ کہہ رہی تھیں اور وہ ان کی بات سننے کے بعد اس کے پیچھے آیا تو ٹوکتے ہوئے بولا۔

"اتنی جلدی کیا ہے' ابھی تو شام بھی نہیں ڈھلی۔"

وہ کچھ نہیں بولی اور یوں بن گئی جیسے بے دھیانی میں باہر نکل آئی ہو۔ پھر جب گاڑی میں بیٹھی تو پوچھنے لگی۔

"کیا کہہ رہی تھیں ماما......"

"جلدی آنے کو کہا ہے۔" شہریار بتا کر پوچھنے لگا۔ "تمہیں گھر معلوم ہے؟"

"ماموں جی کا۔"

"ہوں۔"

"بالکل معلوم ہے۔ آنکھیں بند کر کے جا سکتی ہوں۔" اس نے کہا تو شہریار نے تعجب کا اظہار کیا۔

"واقعی؟"

"جی' وہ میرا ننھیال ہے۔ ارے ہاں شیری! آپ کا ننھیال کہاں ہے۔ آئی مین نانا نانی۔ ماموں وغیرہ۔"

اسے ایکدم خیال آیا کہ اس تمام عرصے میں اس نے بیگم آفندی کے میکے کے کسی فرد کو نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ذکر سنا تھا۔

"میری صرف ایک خالہ ہیں جو امریکہ میں ہوتی ہیں۔" شہریار نے بتایا تو اس نے فوراً پوچھا۔

"شادی میں آئی تھیں؟"

"نہیں۔ ماما بتاتی ہیں وہ جب سے شادی ہو کر امریکہ گئی ہیں تو صرف ایک بار پاکستان آئی تھیں اور اس وقت میں بہت چھوٹا تھا اس لئے یوں سمجھو کہ میں نے بھی انہیں نہیں دیکھا۔"

"حیرت ہے۔"

"کس بات پر؟" شہریار نے اس پر نظر ڈال کر پوچھا۔

"آپ کی خالہ پر۔ کیا ان کا اپنوں سے ملنے کو دل نہیں چاہتا' اسپیشلی ماما سے۔" اس نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"ماما جو مل آتی ہیں۔ ابھی بھی ماما امریکہ جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں لیکن تمہاری وجہ سے کینسل کر دیا ہے۔"

"میری وجہ سے......؟"

"ہاں بلکہ تمہارے بچے کی وجہ سے۔ پتہ ہے ماما بہت خوش ہیں۔ اس دن کا انہیں شدت سے انتظار تھا۔" وہ بیگم آفندی کی خوشی پر خوش ہو رہا تھا۔

وہ کیا کہتی' اسے دیکھ کر رہ گئی۔

پھر جب ماموں جی کے گھر کے سامنے گاڑی رکوائی تو شہریار گیٹ پر نظر ڈال کر بولا۔

"تو یہاں تم آنکھیں بند کر کے آ سکتی ہو۔"

وہ ہنستی ہوئی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی اور جب وہ گاڑی لاک کر کے آیا تب اس کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو پہلے مرحلے پر ماموں جی سے سامنا ہو گیا۔

"السلام علیکم۔" دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا تو ماموں جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر شہریار کو گلے لگا لیا۔

"مامی جی کہاں ہیں؟" وہ پوچھتی ہوئی کمرے میں آئی تو آگے اسماء اسے دیکھ کر فوراً اٹھتی ہوئی بولی۔

"بڑے لوگ آ گئے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے ناراضی سے ٹوکا تو اسما بازو پھیلا کر بولی۔

"پہلے مل تو لو۔"

"نہیں' پہلے وضاحت کرو۔" وہ اسماء کو چھوڑ کر مامی جی کے گلے لگ گئی۔

"کیا وضاحت کروں۔ اتنے دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے اور ایک فون تک نہیں کیا۔ ابھی دیکھو۔ کیسے اترا رہی ہو۔ ٹھیک ہے مت ملو۔ میں مری نہیں جا رہی؟" اسماء روٹھ گئی۔

"پھر کہاں اسلام آباد جا رہی ہو۔" وہ اسماء کو گدگدا کر بولی۔ تو اسماء نے اسے گلے لگا کر شکوہ کیا۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"بکو مت۔ یہ بتاؤ' عظام بھائی کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گے اور تم شہریار بھائی کو کہاں چھوڑ آئیں۔" اسماء کو ایکدم شہریار کا خیال آیا تھا۔

"ماموں جی کے ساتھ ہیں۔" اس نے بتایا تو اسماء اپنی امی کو دیکھ کر بولی۔

"چلیں امی! شہریار بھائی سے مل لیں۔" پھر اس سے کہنے لگی۔ "پتہ ہے رابعہ دو تین بار آ چکی ہے۔"

"وہ اکیلی ہے ناں۔ میرا مطلب ہے۔ اس کی ساس وغیرہ تو یہاں ہیں نہیں' اس لئے اس کا ہر جگہ آنا جانا ہو جاتا ہے۔" اس نے کہا تو اسماء پوچھنے لگی۔

"تمہاری ساس منع کرتی ہیں؟"

"نہیں۔ منع تو نہیں کرتیں بس مجھے خود خیال رہتا ہے۔ خیر چلو' شیری سے مل لو' چلیں مامی جی!"

اس نے مامی جی کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو آگے عظام بھی موجود تھے جنہیں دیکھ کر وہ ہمیشہ کی طرح ان کی طرف کھنچتی چلی گئی تھی۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی بے اختیاری تھی کہ شہریار نے نہ صرف محسوس کیا بلکہ ٹھٹک بھی گیا تھا۔

اس نے ماموں جی کے گھر سے ہی شہریار کی خاموشی اور قدرے سرد مہری محسوس کر لی تھی پھر واپسی کا تمام راستہ بھی وہ بولتی رہی تھی۔ شہریار بس ہوں ہاں کرتا رہا اور ابھی بھی کسی بات کا ٹھیک سے جواب نہیں دے رہا تھا۔

اور وہ ٹھٹکی تو پہلے مرحلے پر ہی تھی اب متوحش سی ہو کر سوچنے لگی تھی کہ ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو شہریار کو بری لگی ہے اور وہ براہ راست اس سے کہہ بھی نہیں رہا۔ حالانکہ دونوں میں اتنی انڈر اسٹینڈنگ تو تھی کہ اپنی ہر بات ایک دوسرے سے کہہ دیتے تھے۔ ابھی کتنی بار اس نے چاہا کہ خود اس سے پوچھ لے کہ وہ اچانک خاموش کیوں ہو گیا ہے لیکن اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کا وہم کہہ کر ٹال دے گا جس سے اس کی تشفی نہیں ہو گی۔

"لائٹ آف کر دو۔"

شہریار نے اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے اسے مخاطب کئے بغیر کہا تو اس انداز پر اسے مزید حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا لیکن کچھ بولی نہیں۔ خاموشی سے لائٹ آف کر کے لیٹ گئی اور انتظار کرنے لگی لیکن شہریار نے روزانہ کی طرح اسے اپنے بازو کے حلقے میں نہیں لیا' اس کے برعکس کچھ دیر بعد دوسری طرف کروٹ بدل گیا' تب وہ رہ نہیں سکی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔

"شیری! ناراض ہیں کیا؟"

"نہیں۔" شہریار نے فوراً اس کی طرف کروٹ لی تھی۔

"میں کب سے پتہ نہیں کیا کیا بول رہی ہوں۔ آپ جواب ہی نہیں دے رہے' اگر میری کوئی بات بری لگی ہے تو بتائیں لیکن خدا کیلئے منہ نہ موڑیں۔" وہ آخر میں رو پڑی۔

"فائقہ! کم آن یار! تمہیں پتہ ہے مجھ سے تمہارے آنسو برداشت نہیں ہوتے۔ اگر روؤ گی تو میں کمرے سے چلا جاؤں گا۔"

شہریار نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ اس کے سینے میں منہ چھپا کر اور شدت سے رونے لگی۔

"سنو' میری بات سنو فائقہ......"

شہریار اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پکارے جا رہا تھا اور وہ اس کی پکار پر مزید بکھر رہی تھی۔ تب شہریار نے اٹھ کر لائٹ آن کر دی اور اس کے روانی سے چھلکتے آنسو دیکھ کر بگڑ گیا۔

"سنو' جب میں مر جاؤں تب اس طرح رونا۔"

اس کا دل دہل گیا اور بجائے آنسو صاف کرنے کے بالکل غیر ارادی طور پر تکیے میں منہ چھپا لیا تو شہریار جیسے زچ ہو کر اس کے قریب آ گیا اور تکیہ کھینچ کر نرمی سے پوچھنے لگا۔

"کیوں رو رہی ہو؟"

"اپنے آپ سے پوچھیں۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔"

"تو کہئے ناں' کیوں نہیں کہتے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"او گاڈ کیا کہوں؟"

"وہی جو آپ کے دل میں ہے۔"

"میرے دل میں تمہاری محبت کے سوا کچھ نہیں۔" وہ اس کے آنسو اپنی انگلیوں پر سمیٹتے ہوئے بولا۔

"میں مانتی ہوں لیکن......"

"کوئی لیکن نہیں۔" وہ ٹوک کر بولا۔ "چلو سو جاؤ ورنہ میں ماما کو بلا لاؤں گا۔"

"بلا لائیں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"سوؤ گی نہیں؟"

"نہیں' آپ کو سونا ہے سو جائیں۔" وہ ہنوز روٹھی ہوئی اور کچھ ضد سے بولی تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"اور تم کیا کرو گی؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

شہریار کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر لائٹ آف کر کے لیٹ گیا لیکن اس کو نیند اس کے سونے کے بعد ہی آئی تھی۔ صبح جب وہ اٹھی تو کافی دن چڑھ آیا تھا لیکن کھڑکیوں پر دبیز پردوں کی وجہ سے فوراً اسے احساس نہیں ہوا۔ جب ضروریات سے فارغ ہو کر کمرے سے نکلی تب گلاس وال سے ادھر تیز دھوپ دیکھ کر جہاں حیران ہوئی وہاں اس خیال سے بے حد آزردہ کہ شہریار اسے اٹھائے بغیر آفس چلا گیا تھا۔

"شیری نے اٹھایا ضرور ہوگا مجھے پتہ نہیں چلا آج کل نیند بھی تو ایسی آتی ہے۔"

وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

"بی بی! آپ کیلئے ناشتہ لگاؤں؟" ملازمہ نے فوراً آ کر پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

"نہیں ابھی صرف جوس لے آؤ۔"

"جی بڑی بیگم صاحبہ کہہ گئی تھیں آپ ناشتا ضرور کریں۔" ملازمہ نے کہا تو وہ کوئی سخت بات کہنا چاہتی تھی کہ معافون کی بیل پر اس کا دھیان ادھر منتقل ہو گیا اور ملازمہ کو اچھا کہنے کے ساتھ جانے کا اشارہ کر کے اس نے شہریار کو سوچ کر فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو!"

"کیسی ہو فائقہ؟" دوسری طرف عظام تھے۔

"ارے عظام بھائی۔" اس نے حیرت و خوشی کا اظہار کیا۔

"بھول جاؤ عظام بھائی کو۔" عظام کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ ٹھٹک گئی۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب اب تم چھوٹی بچی نہیں ہو شادی شدہ عورت ہو۔" عظام نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ تمہیں احتیاط کرنی چاہئے ہو سکتا ہے تمہاری میرے ساتھ وابستگی شہریار کو بری لگے کیونکہ ابھی تمہاری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ شہریار کو سمجھنے میں......" عظام دھیرج سے سمجھا رہے تھے کہ اس نے ٹوک دیا۔

"ارے نہیں عظام بھائی! آپ شہریار کو غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"اچھا تم بتاؤ رات میرے ہاں سے جانے کے بعد شہریار کا رویہ تمہارے ساتھ......"

عظام ایکدم خاموش ہو گئے لیکن وہ اس پر ہی ٹھٹک گئی اور فوراً کچھ بول بھی نہیں سکی تو قدرے توقف سے عظام اسے متوجہ کر کے بولے۔

"سنو اپنی بے اختیاریوں کو لگام دو۔ اس سے پہلے کہ کوئی الزام آئے۔"

عظام نے اپنی بات کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا لیکن وہ کتنی دیر سمجھ نہیں سکی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے البتہ یہ خیال ضرور تھا کہ شہریار کی اچانک خاموشی اور سرد مہری کو انہوں نے نہ صرف محسوس کر لیا تھا بلکہ وجہ بھی سمجھ کر اب اسے خبردار کر رہے تھے۔

"او گاڈ!" کتنی دیر بعد اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی اور اس کی نظروں میں وہ لمحہ آن سمایا جب وہ بے اختیار عظام کی طرف لپکی تھی۔

"تو شہریار آفندی کو میرا بے اختیار عظام بھائی کی طرف لپکنا اچھا نہیں لگا۔" وہ خود سے بولنے لگی تھی۔

"اور عظام بھائی کہہ رہے ہیں اپنی بے اختیاریوں کو لگام دو۔"

کیا ایسا ممکن ہے؟

وہ سارا دن خود سے ہی بولتی اور آخر میں سوالیہ نشان پر الجھتی رہی تھی۔ شام میں شہریار آیا تو وہ اس سے اس بات پر ناراض تھی کہ ایک تو وہ اسے صبح اٹھائے بغیر چلا گیا تھا۔ دوسرے سارا دن فون بھی نہیں کیا تھا۔ جب ہی اس کے آنے پر رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"ہیلو۔ السلام علیکم!" شہریار نے اسے متوجہ کرنے کے لیے پہلے ہیلو کہا پھر سلام کیا لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئی تو وہ قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"کیوں نہیں۔ مجھے تو ضرورت ہے اور میں کروں گا۔" وہ اس کی ناراضی سمجھ کر دھڑلے سے بولا۔

"لیکن میں نہیں کروں گی۔"

"وجہ۔"

"وجہ۔" وہ واقعی غصے میں تھی۔ "یعنی وجہ بھی میں بتاؤں۔ آپ تو بالکل نہیں جانتے۔ احساس ہو تو جانیں۔"

"کم آن یار!" شہریار اس کے بازو تھامنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"تم غصے میں......"

"مجھے پتہ ہے میں بہت بری لگتی ہوں۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"اونہوں۔ بہت اچھی لگتی ہو اور یقین کرو' تمہارا یہ روپ دیکھنے کے لیے میں نے جان بوجھ کر تمہیں غصہ دلایا۔" شہریار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر پوچھنے لگا۔

"ویسے تمہارا غصہ کتنی دیر رہتا ہے؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

"اچھا چلو یہ بتا دو۔ تم مانو گی کیسے۔ ہاتھ جوڑوں یا پاؤں پڑوں۔"

وہ کہہ کر جھکنے لگا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

"فضول حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر روٹھے لہجے میں بولی۔ "جائیے چینج کریں۔"

"ایسے نہیں مسکرا کر کہو۔"

"بہت برے ہیں آپ۔" وہ کہہ کر قصداً مسکرائی تھی۔

❁❁❁

کتاب کا صفحہ الٹتے ہوئے عظام کی نظریں سامنے وال کلاک پر گئیں تو وہ حیران ہو گئے۔ یعنی انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ انہوں نے اٹھ کر کتاب ریک پر رکھی پھر لائٹ آف کر کے لیٹ گئے لیکن آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ کچھ دیر وہ کروٹیں بدلتے رہے پھر تھک کر بالکل سیدھے لیٹ کر اندھیرے میں چھت کو گھورنے لگے۔ یہاں تک کہ آنکھوں میں ہلکی ہلکی چبھن اتر آئی تھی۔ تب انہوں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں لیکن نیند پھر بھی نہیں آئی۔ اس کے برعکس کچھ مناظر رقص کرنے لگے تھے۔

انہوں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو سماعتوں کے در بھی کھل گئے تھے۔

"نانی اماں کہتیں۔ شہزادہ گلفام اور میری سماعتیں شہزادہ عظام سنتیں پھر مجھے ہر کہانی کا شہزادہ عظام جیسا لگنے لگا تھا۔"

"پگلی۔" ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی' کچھ نہیں چاہتی پھر بھی مجھے لگتا ہے۔ سب کچھ مجھے آپ ہی سے ملے گا۔"

وہ جیسے ساری دیواریں پھلانگتی ہوئی سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا دے سکتا ہوں میں تمہیں؟"

"بس ایک نظر جو مجھے روح کی گہرائیوں تک سیراب کر دے۔" وہ عاجزی سے التجا کر رہی تھی۔

"پاگل مت بنو۔" انہوں نے ٹوکا۔

"بڑا مزا ہے اس پاگل پن میں۔ جب دل میں ایک لہر اٹھتی ہے تو مدہوش کر دیتی ہے۔ کیا کروں عظام بھائی! مجھ سے رہا نہیں جاتا میں بار بار آپ کے پاس آتی ہوں اور ہر بار آپ مجھے مایوس لوٹاتے ہیں۔ کیوں۔ کبھی تو ایسا ہو کہ آپ کے در سے لوٹتے ہوئے میرے دل کا کاسہ لبریز ہو۔" وہ رو رہی تھی۔

"فائقہ! فائقہ! مت رو۔"

عظام بے اختیار اٹھ بیٹھے تو ایک دم انہیں جھٹکا سا لگا تھا۔ کتنی دیر اس موڑھے کو گھورتے رہے جہاں وہ گھنٹوں بیٹھتی تھی اور آخری بار اس نے کہا تھا۔

"پتہ نہیں عظام بھائی! زندگی میں پھر کبھی میں آپ کے پاس اتنی فراغت سے بیٹھ سکوں گی کہ نہیں۔"

"نہیں۔" انہوں نے دوبارہ لیٹتے ہوئے سوچا۔ "وہ تو بے وقوف ہے اب مجھے ہی احتیاط کرنی پڑے گی۔ اسے بلاؤں گا نہ کبھی اس کی طرف جاؤں گا۔ اس کے لیے یہی بہتر ہے۔"

انہوں نے تہیہ کر لیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں دکھ بھی ہو رہا تھا شاید اس لیے کہ وہ خود بھی اس کے عادی ہو گئے تھے۔ اگر وہ دو دن نہیں آتی تو انہیں تشویش ہونے لگتی تھی۔ اور تیسرے دن خود اس کے پاس پہنچ جاتے تھے۔

"ناراض ہو؟"

ادھر وہ خاموش رہتی۔

"چلو میری خوش فہمی دور ہوئی۔ میں سمجھتا تھا۔ دنیا میں ایک صرف تم ہو جو کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتیں۔"

"میں آپ سے تو ناراض نہیں ہوں۔"

اس نے بے اختیار کہہ کر ان کے دل پر سے ایک انجانا بوجھ سرکا دیا تھا۔ لیکن اس روز اس کی بے اختیاری پر شہر یار کا ٹھٹکنا اور ایکدم خاموش ہو جانا محسوس کر کے ان کے دل پر جو بوجھ آن گرا تھا۔ وہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا حالانکہ اس بات کو کتنے دن ہو گئے تھے لیکن وہ ابھی بھی اس کے لیے فکر مند تھے اور پھر صرف اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے وہ اگلے روز آفس سے سیدھے پھوپھو کے پاس آئے تو وہاں رابعہ اور ڈاکٹر عفان سے ملاقات ہو گئی۔

"خیریت سے ہو؟" انہوں نے سب کو سلام کرنے کے بعد رابعہ سے پوچھا۔ تو وہ حسب سابق ان کے انداز پر کھلکھلا کر بولی۔

"بالکل خیریت سے ہوں۔" پھر شکوہ کرنے لگی۔ "آپ میرے ہاں کیوں نہیں آتے؟"

"آؤں گا۔" وہ کہہ کر ڈاکٹر عفان سے مخاطب ہو گئے۔ "آپ سنائیے ڈاکٹر صاحب؟"

"میں کیا سناؤں بھائی! اب تو میں سنتا ہی سنتا ہوں۔" ڈاکٹر عفان نے کن انکھیوں سے رابعہ کو دیکھ کر کہا تو وہ چیخ کر بولی۔

"آپ کو فضول بولنے کی عادت ہے۔"

"وہ بھی یہی کہتی ہے۔" ڈاکٹر عفان نے مزید چھیڑا تو وہ باقاعدہ لڑنے پر تیار ہو گئی۔

"وہ کون؟"

"ارے!" عظام نے ہنس کر ٹوکا۔ "تم مذاق بھی نہیں سمجھتی۔"

"میں مذاق میں بھی یہ سب نہیں سن سکتی۔" رابعہ غصے سے بولی۔

"اچھا جاؤ۔ کچھ چائے وائے۔" عظام نے مصلحتاً اسے وہاں سے اٹھانا چاہا لیکن وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"چائے کے لیے آپ سوہنی سے کہیں۔"

"میں لا رہی ہوں عظام بھائی!" سوہنی فوراً اٹھ کر چلی گئی تو وہ امی کے قریب ہو کر پوچھنے لگے۔

"فائقہ کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" امی کے سیدھے سادے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوئے۔

"آئی نہیں؟"

"آئی تھی کوئی چار پانچ روز پہلے۔ سارا دن رہی۔"

"اور شہر یار....؟"

"وہ شام کے وقت آیا تھا اسے لینے۔ ماشاء اللہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔ بہت عزت کرتا ہے ہماری۔"

امی شہر یار کی تعریفیں کرنے لگیں تو اس کے بعد انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

☆☆☆

فون کی بیل پر رابعہ نے پہلے ٹی وی کی آواز بند کی پھر ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"کیا کر رہی ہو؟" دوسری طرف فائقہ تھی۔

"بہت بور ہو رہی ہوں۔ تم نے جو صبح سے آنے کو کہا تھا تو کیوں نہیں آئیں؟" رابعہ نے جواب دیتے ہی فوراً بعد ٹوکا۔

"کیا کروں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" فائقہ نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

"خیریت کیا ہوا ہے؟"

"ابھی تو نہیں ہوا لیکن ہونے کے آثار......" ادھر وہ ہنسی ادھر رابعہ اچھل پڑی۔

"ہائیں اتنی جلدی۔ پاگل تو نہیں ہو گئیں۔"

"اس میں پاگل پنے کی کیا بات ہے۔" فائقہ نے ہنوز ہنستے ہوئے کہا۔

"بالکل ہے۔ کتنے دن ہوئے ہیں شادی کو۔"

"دن نہیں مہینے۔ تین مہینے ہوگئے ہیں۔" فائقہ نے کہا تو رابعہ حساب لگا کر بولی۔

"اس کا مطلب ہے' شادی کی پہلی سالگرہ کے لیے تحفے کی ایڈوانس بکنگ۔"

"بکواس۔" فائقہ ٹوک کر پوچھنے لگی۔ "تم کب سنا رہی ہو ایسی خوشخبری۔"

"دو سال بعد۔" اس نے اطمینان سے کہا تو فائقہ چیخ پڑی۔

"کیوں۔ اتنی دیر۔"

"بس مجھے کوئی شوق نہیں ہے اور عفان تو کہتے ہیں پانچ سال بعد۔" اس نے بتایا تو فائقہ نے پھر ٹوکا۔

"نہیں رابعہ! اتنی دیر نہیں پھر ابھی دیکھو۔ تم اکیلی کتنی بور ہوتی ہو۔ بچے کے ساتھ کم از کم بوریت تو نہیں ہوگی۔"

"ہاں یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ خیر یہ بتاؤ۔ میرے ہاں آنے کا کیا پروگرام ہے؟"

رابعہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے پوچھا۔

"آؤں گی کسی دن۔"

"کسی دن نہیں۔ کل ہی آجاؤ۔ شہریار سے کہنا۔ صبح آفس جاتے ہوئے تمہیں یہاں چھوڑ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ دعا کرو' میری ساس کا موڈ ٹھیک رہے۔" فائقہ نے ہامی بھرنے کے ساتھ کہا تو وہ بلا ارادہ بولی تھی۔

"انہیں بھی لیتی آنا۔"

فائقہ بڑے زور سے ہنسی تھی۔

"ہائیں۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" رابعہ نے ایکدم سنجیدہ ہو کر ٹوکا لیکن ادھر وہ اسی طرح ہنستی ہوئی بولی۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔"

"کیوں تمہاری ساس کہیں آتی جاتی نہیں ہیں۔" رابعہ کو بیگم آفندی سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

"ان کے پاس ٹائم کہاں ہے۔ صبح کی گئی شام میں آتی ہیں۔"

"اچھا خیر' تم کل ضرور آنا۔ خواہ ان کا موڈ کیسا بھی ہو اور سن لو اگر تم نہیں آئیں تو میں آفس فون کر کے تمہاری ساس کو بہت گالیاں دوں گی۔" رابعہ کی دھمکی پر وہ واقعی دہل گئی۔

"ہائے نہیں رابعہ۔"

رابعہ نے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا کیونکہ جانتی تھی کہ فائقہ اب اس کی منتوں کے علاوہ اور کوئی

ات ہی نہیں کرے گی۔

"بے وقوف' بزدل' ساس کا موڈ دیکھتی ہے۔ اگر میری ساس ایسی ہوتی تو......" وہ فائقہ کی بزدلی پر بڑبڑاتے ہوئے اچانک اپنی ساس کو سوچنے لگی۔

"پتہ نہیں میری ساس کیسی ہیں۔ عفان گاؤں جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ بزدل ہیں یہ بھی فائقہ کی طرح۔ اس ویک اینڈ پر میں زبردستی لے جاؤں گی انہیں۔ گاؤں والے کھا تو نہیں جائیں گے انہیں۔"

معاً ڈور بیل بڑے زور سے بجی تھی۔

"اس وقت کون آگیا؟" وہ وال کلاک پر نظر ڈال کر بڑبڑائی پھر گیٹ پر جا کر پوچھا۔

"کون......؟"

"میڈم! میں سیکورٹی گارڈ ہوں۔"

"کیا بات ہے؟" اس نے گیٹ کھول کر پوچھا۔ گارڈ اپنے ساتھ کھڑے شخص کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"میڈم! یہ شخص ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ آپ جانتی ہیں اسے؟"

رابعہ اب اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کے حلیے سے سمجھ کر پوچھنے لگی۔

"گاؤں سے آئے ہو؟"

"جی۔ بھائی عفان کا گھر یہی ہے؟" اس شخص نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ پہلے گارڈ سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ جائیں۔"

گارڈ چلا گیا تب وہ اس سے بولی۔

"عفان تو گھر پر نہیں ہیں۔ تم ان کے کون ہو؟"

"بھائی ہوں جی۔ سگے چاچے کا بیٹا اور......"

"آؤ اندر آجاؤ۔" وہ فوراً کہہ کر پلٹ آئی تو اس کے پیچھے آتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔

"آپ کون ہو؟"

اس نے فوراً جواب نہیں دیا۔ جب اندر آگئی تب بھی اسی قدر بولی۔

"میں رابعہ ہوں۔"

"رابعہ۔" وہ مزید تفصیل جاننے کے لیے سوالیہ نشان بن گیا اور وہ سمجھ تو گئی پھر بھی انجان بن کر الیہ کا کہہ کر پوچھنے لگی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جمشید۔"

"یہاں کسی کام سے آئے ہو یا صرف عفان سے ملنے؟"

اس نے کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے پوچھا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں بھائی عفان سے ہی ملنے آیا ہوں۔ پروین نے بھیجا ہے مجھے۔ کتنے مہینے ہو گئے ہیں؟ عفان گھر آئے نہیں۔ خط بھی نہیں لکھتے اور خرچہ بھی نہیں بھیج رہے۔ پروین بڑی پریشان ہے جی اب کاکے کو اسکول بھی داخل کرانا ہے۔ یہاں شہر میں تو اچھے اسکول ہوتے ہیں۔ بھائی عفان اسے یہیں بلالیں تو اچھا ہے۔"

اس کے سرسری سوال کے جواب میں وہ تفصیل سے شروع ہو گیا تھا اور وہ کچھ بھی کچھ نہیں البتہ پروین کے نام پر کچھ ٹھٹکی تھی۔ جب ہی اس کے خاموش ہوتے ہی پوچھنے لگی۔

"پروین کون ہے؟"

"میری بہن ہے۔" اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ فوراً قدرے ناگواری سے بات کاٹ کر بولی۔

"تمہاری بہن ہے تو خرچہ عفان سے کیوں مانگتی ہے۔"

"اور کس سے مانگے۔ عورت اپنے خاوند ہی سے مانگتی ہے۔"

جمشید نے بڑی معصومیت سے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا کہ اسے اپنے وجود کے پرخچے اڑتے محسوس ہوئے۔ کتنی دیر بعد وہ اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے بھی بس اس قدر بول سکی۔

"پروین۔ عفان کی بیوی۔"

"ہاں جی۔ آپ کو نہیں پتہ؟ پر آپ ہو کون؟" جمشید اس کے بارے میں الجھ رہا تھا۔

"کتنے بچے ہیں عفان کے؟" اس نے جمشید کا سوال نظرانداز کر کے تنفر سے پوچھا۔

"ایک۔"

"اف۔ کتنا دھوکے باز شخص ہے۔ بیوی بچے والا ہو کر۔"

وہ ایک دم آپے سے باہر ہو کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی جا کر عفان کو شوٹ کر دے۔

"وہ جی۔ آپ نے بتایا نہیں آپ کون ہو؟" جمشید نے پھر پوچھا تو وہ چیخ پڑی۔

"کتنی بار بتاؤں۔ میں رابعہ ہوں صرف رابعہ۔"

"تو یہاں بھائی عفان کے گھر میں......" وہ اس کے چیخنے سے خائف ہو گیا تھا۔

"یہ تم عفان سے پوچھنا۔"

وہ کہہ کر ٹیلی فون سیٹ اسٹینڈ سمیت گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور ڈاکٹر عفان کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو۔" چوتھی بیل کے بعد ریسیور اٹھنے کے ساتھ ڈاکٹر عفان کی آواز سنتے ہی وہ ضبط کی کوشش میں دانت کاٹنے لگی۔

"ڈاکٹر عفان! یہ میں ہوں رابعہ۔"

"ہاں رابعہ کہو۔" ڈاکٹر عفان غالباً مصروفیت کے باعث اس کے لہجے پر غور نہیں کر سکے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا اور نہ کچھ سننا ہے۔ آپ کو صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں اپنے گھر جا رہی ہوں ہمیشہ کے لیے۔"

وہ انتہائی غصے سے بولی تھی۔

"ہائیں! صبح تو میں تمہیں اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا۔ ابھی کیا ہوا۔"

ڈاکٹر عفان نے اس کی بات مذاق میں اڑائی تو وہ زہر خند سے بولی۔

"ابھی آپ کے سالے صاحب آ گئے ہیں۔ گاؤں سے۔"

"ک۔ کون؟" ادھر وہ یقیناً بوکھلا گئے تھے۔

"جمشید اور میرا احسان مانیے کہ میں نے اسے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ جبکہ وہ بار بار پوچھ رہا ہے کہ میں کون ہوں اور اس کے بھائی عفان کے گھر میں کیا کر رہی ہوں۔ آپ میں ہمت ہو تو بتا دیجیے گا۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے ریسیور پٹخ دیا اور پھر ڈاکٹر عفان کے آنے سے پہلے ہی وہ ان کے گھر سے نکل آئی تھی۔

تمام راستہ اس نے بہت ضبط کیا تھا لیکن امی کے گلے لگتے ہی جو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا تو اسے چپ کراتے کراتے سوہنی بھی رونے لگی تھی۔

"یا اللہ۔ کچھ پتہ تو چلے۔ ہوا کیا؟" امی پریشان ہو کر بس یہی کہے جا رہی تھیں۔

"باجی! بتائیں ناں۔" سوہنی اس کا بازو سہلانے لگی۔

"بہت دھوکا ہوا ہے میرے ساتھ۔ میں اب کبھی عفان کی شکل نہیں دیکھوں گی۔"

وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تو امی مزید پریشان ہو گئیں۔

"کیا۔ کیا کیا ہے اس نے؟"

"شادی۔ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔" اس کے انکشاف پر امی

ایکدم سناٹے میں آ گئیں جبکہ سوہنی کو شاید یقین نہیں آیا تھا۔

"نہیں باجی! عفان بھائی۔"

"خبردار جو اس فریبی کی طرف داری کی تو۔" اس نے بری طرح سوہنی کو ڈانٹ دیا۔ تو امی گہری آہ کے ساتھ بولیں۔

"اسے کیوں ڈانٹتی ہو۔ جاؤ سوہنی! تم اندر جاؤ۔"

سوہنی اٹھ کر چلی گئی۔ تب امی اس سے پوچھنے لگیں۔

"تمہیں عفان نے خود بتایا ہے؟"

"نہیں۔ ابھی ان کے گاؤں سے ایک آدمی آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ عفان کا سالا ہے۔ اسی لیے وہ مجھے گاؤں نہیں لے جا رہے تھے ان کا پول جو کھل جاتا۔"

وہ کہہ کر پھر رونے لگی تو امی نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"بیٹا۔ روؤ مت۔ حوصلے سے کام لو۔"

"میں عفان کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ہم خود عفان سے بات کریں گے۔" امی نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے بات کرنے کی۔ میں چھوڑ آئی ہوں اسے۔"

امی اسے ضد نہیں دلانا چاہتی تھیں۔ اس لیے مزید کچھ کہنے اور پوچھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ورنہ ذہن میں بہت سے سوال اٹھ رہے تھے اور انہیں پریشان بھی کر رہے تھے۔

"اور وہ موٹی۔ اسے تو میں نہیں چھوڑوں گی۔ بڑی آ گئی تھی بھائی کا رشتہ لے کر۔ اللہ کرے اس کی اپنی بیٹیوں کے ساتھ ایسا ہو۔"

وہ ڈاکٹر عفان کی بڑی آپا کو کوسنے لگی تو امی قصداً خاموش رہیں تاکہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔

شام میں ابو آئے تو اس کا ستا ہوا چہرا اور سرخ آنکھیں دیکھ کر انہیں شدید دھچکا لگا تھا۔ شاید اس لیے کہ اپنی اولادوں میں انہیں وہ سب سے زیادہ عزیز تھی اور جب انہیں اس کی اس حالت کا سبب معلوم ہوا تب تو وہ جیسے ٹوٹ گئے تھے۔ کتنی دیر ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے تھے۔

"پتہ نہیں یہ سچ بھی ہے کہ نہیں......"

امی نے سوچتے ہوئے انداز میں خود کو تسلی دی اور ان کی اس بات سے ابو کو کافی سہارا ملا تھا۔

"ہاں۔ ہمیں یونہی کسی کی باتوں پر یقین نہیں کر لینا چاہیے۔" پھر رابعہ سے بولے۔

"بیٹا! تم نے بہت غلطی کی۔ عفان کے آنے تک تمہیں وہیں رکنا چاہیے تھا۔ بہرحال تم فکر نہیں کرو۔ میں خود ساری حقیقت معلوم کروں گا۔"

"یہ آپ کو پہلے معلوم کرنا چاہئے تھا۔" رابعہ ایک طرح سے انہیں الزام دے کر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ رابعہ کے ساتھ طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کے گھر آئی تھی۔

"او کے۔ میں پھر شام کو آؤں گا۔" شہریار نے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ ابھی آپ اندر نہیں چلیں گے۔" اس نے رک کر پوچھا۔

"نہیں یار! ابھی ڈاکٹر صاحب تو ہوں گے نہیں۔ میں کس سے بات کروں گا؟"

شہریار نے کہا تو اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور اسے شام کو جلدی آنے کا کہہ کر گاڑی سے اتر آئی۔

"او کے خدا حافظ۔" شہریار نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ تب اس نے بیل کا بٹن پش کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر عفان نے گیٹ کھولا تھا۔

"ارے عفان بھائی! آپ ابھی موجود ہیں۔" اس نے کہا تو عفان سمجھے نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"وہ اصل میں شہریار اس لیے نہیں رکے کہ آپ تو گھر پہ ہوں گے نہیں۔"

"چلے گئے کیا؟" ڈاکٹر عفان نے اس کے پیچھے نظریں دوڑائیں۔

"جی شام میں آئیں گے۔"

"اچھا آؤ اندر چلو۔" ڈاکٹر عفان نے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔

"رابعہ سو رہی ہے کیا؟"

اس نے اندر آتے ہی خاموشی محسوس کر کے پوچھا تو ڈاکٹر عفان سمجھ گئے کہ اسے کچھ نہیں معلوم پھر بھی نظریں چرا کر بولے۔

"نہیں تم بیٹھو......"

"آپ آج ہاسپٹل نہیں گئے؟" اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جاؤں گا ذرا دیر سے۔ تم چائے پیو گی؟" انہوں نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ ہنس کر بولی۔

"میرا خیال ہے' ابھی آپ لوگوں نے ناشتہ نہیں کیا۔"

"صرف میں نے۔ رابعہ یہاں نہیں ہے۔" ڈاکٹر عفان نے کہا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"ہائیں کہاں چلی گئی مجھے بلا کر۔"

"وہ امی کے ہاں گئی ہے۔"

"کب......"

"کل......"

"ہیں' اسے جانا تھا تو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی یا بتا دیتی تو میں بھی وہیں چلی جاتی۔"

وہ کوفت کا شکار ہو کر بولی تو ڈاکٹر عفان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

"وہ اصل میں مجھ سے ناراض ہو کر گئی ہے۔"

وہ ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے توقف سے ڈاکٹر عفان خود ہی کہنے لگے۔

"اس کی ناراضی بجا ہے۔ مجھے پہلے ہی اسے بتا دینا چاہیے تھا۔"

"کیا......؟" وہ بالکل غیر ارادی طور پر پوری جان سے متوجہ ہو گئی تھی۔

"تم پلیز' اس کی طرح جذباتی نہیں ہونا۔ بات یہ ہے کہ گاؤں میں میری بیوی اور بچہ ہے۔"

انہوں نے مجرمانہ انداز میں انکشاف کر کے اسے چکرا دیا تھا اور چونکہ پہلے ہی ٹوک چکے تھے کہ تم جذباتی نہیں ہونا۔ اس لیے وہ اپنا ردِعمل روکنے کی سعی کرتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔ اور وہ مزید گویا ہوئے۔

"کل اچانک رابعہ کو پتہ چلا تو وہ چلی گئی' مجھے صفائی کا موقع بھی نہیں دیا۔"

"کیا صفائی پیش کریں گے آپ؟" اس کے لہجے میں آپ ہی آپ طنز سمٹ آیا تھا۔

"یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن......"

ان کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں تو بے بسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار واضح نظر آ رہے تھے۔

وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی اور اندر ہی اندر کڑھتی رہی پھر اپنی نرم دلی سے مجبور ہو کر بولی۔

"بیٹھ جائیں عفان بھائی! اور مجھے بتائیں' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"تم......!" عفان نے رک کر اسے دیکھا پھر منت سے بولے۔ "تم میری رابعہ سے بات کرا دو۔"

"سوری عفان بھائی! وہ اس وقت کچھ نہیں سنے گی۔ بہت غصے میں ہو گی۔ آپ کو جو کہنا ہو' ابو سے کہیں۔"

اس نے معذرت کے ساتھ کہا تو وہ صوفے پر گرتے ہوئے بولے۔

"میں ابھی ابو کا سامنا نہیں کر سکتا گو کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا لیکن......"

وہ کندھے اچکا کر نفی میں سر ہلانے لگے۔ تو وہ گہری سانس کھینچتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلوں......"

"ہیں...... کہاں جاؤ گی؟" انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"امی کے ہاں......"

"ابھی بیٹھو......" انہوں نے ہاتھ سے بھی اسے بیٹھنے کا اشارا کیا پھر قدرے رک کر کہنے لگے۔

"میں رابعہ سے محبت کرتا ہوں' دل سے چاہتا ہوں اسے۔ اس سے پہلے جو عورت میری زندگی میں آئی' وہ میری محبت نہیں ہے اسے زبردستی میرے ساتھ باندھا گیا تھا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔

پروین میری چچا زاد ہے۔ اور اس وقت جب میں میڈیکل میں پڑھ رہا تھا تب میرے چچا کی بیماری کے باعث میرے والد نے ان کی خواہش دیکھتے ہوئے پروین کے ساتھ میری شادی کر دی۔ اور میں احتجاج کیا' صاف انکار کر سکتا تھا لیکن چچا کی حالت کے پیش نظر مجھے خاموشی اختیار کرنی پڑی اور چچا تو بیٹی کی طرف سے مطمئن ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن میری دنیا ویران ہو گئی۔ پروین بالکل ان پڑھ ہے۔ شروع میں یوں سمجھو میں اس پر ترس کھاتا تھا لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ زندگی یوں نہیں گزرتی تب اپنے ماں باپ کی اجازت سے میں نے دوسری شادی کا سوچا تو میری زندگی میں رابعہ آ گئی' اسے دیکھتے ہی مجھے لگا تھا جیسے میں ہمیشہ سے اس کی تلاش میں تھا اور یہی سچ ہے کہ رابعہ میری اولین محبت ہے۔"

وہ خاموش ہو کر بڑی آس سے اسے دیکھنے لگے تو اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی۔ پھر مایوسی سے بولی۔

"سوری عفان بھائی! میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میرا مطلب ہے' آپ کو کوئی امید نہیں دلا سکتی۔ البتہ جو حالات آپ نے بتائے ہیں۔ وہ میں امی ابو کو بتا دوں گی اس کے بعد وہ جو بھی فیصلہ کریں۔ ویسے وہ وہی کریں گے جو رابعہ چاہے گی۔"

"رابعہ کیا چاہے گی؟" ان کی بے قراری پر وہ ذرا سا مسکرائی۔

"پتہ نہیں' یہ تو اس سے مل کر ہی معلوم ہو گا۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ پوچھنے لگے۔

"تم ابھی وہیں جاؤ گی؟"

"جی۔"

"رکو' میں بھی چلتا ہوں' بس پانچ منٹ میں چینج کر کے آتا ہوں۔" ڈاکٹر عفان کہتے ہوئے فوراً

اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"الٰہی خیر کرنا۔" وہ آگے کا سوچ کر پریشان ہو گئی۔

پھر اس نے بہت چاہا کہ ڈاکٹر عفان اس وقت اس کے ساتھ نہ جائیں لیکن انہوں نے پتہ نہیں کیا سوچ لیا تھا کہ فوراً ہی تیار ہو کر اس کے ساتھ آ گئے تھے۔

اور جب وہ ڈاکٹر عفان کے ساتھ امی کے گھر میں داخل ہوئی تو برآمدے میں بیٹھی رابعہ ڈاکٹر عفان کو دیکھتے ہی بھاگ کر کمرے میں بند ہو گئی۔ جب کہ امی قدرے بوکھلا گئیں شاید ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

"السلام علیکم......" ڈاکٹر عفان نے سلام کیا لیکن امی جواب نہیں دے سکیں۔ تب وہ فوراً امی کے گلے لگ کر سرگوشی میں بولی۔

"خود کو سنبھالیں امی! اور معاملہ سلجھانے کی کوشش کریں۔" پھر ان سے الگ ہو کر ڈاکٹر عفان سے بولی۔

"آیئے بیٹھیں عفان بھائی!"

"ادھر نہیں اندر چلو ابو کے کمرے میں۔" امی نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"ابو آفس نہیں گئے؟"

"نہیں......"

امی کا جواب سن کر وہ سیدھی ابو کے کمرے میں آ گئی اور ان کا متفکر چہرہ دیکھ کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ایک رات میں وہ کتنے بوڑھے ہو گئے تھے وہ آہستہ سے سلام کر کے ان کے پاس بیٹھتے ہوئی بولی۔

"ابو عفان بھائی آئے ہیں۔"

"رابعہ کہاں ہے؟" ابو نے عفان کا سن کر جانے کس خیال سے رابعہ کا پوچھا تھا۔

"اندر ہے سوہنی کے کمرے میں۔" اس نے بتایا تب ہی ڈاکٹر عفان کمرے میں آ گئے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" ابو نے صرف جواب دینے پر اکتفا کیا۔ پھر اس سے پوچھنے لگے۔

"بیٹا! تم کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"عفان بھائی کے ساتھ۔" وہ بے اختیار بولی پھر فوراً وضاحت کرنے لگی۔

"مجھے آج رابعہ نے اپنے ہاں بلایا تھا۔ اور میں وہاں گئی تو معلوم ہوا وہ یہاں ہے۔"

"ہاں...... وہ یہاں ہے۔ تم جاؤ اس کے پاس۔" ابو نے گہری سانس کے ساتھ کہا۔

اس نے اٹھتے ہوئے ڈاکٹر عفان کو دیکھا تو انہوں نے اسے رکنے کا اشارا کیا لیکن وہ قصداً انجان سی بن کر باہر نکل آئی۔

"کیا ہوا؟" امی نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"عفان بھائی ابو سے بات کر رہے ہیں۔"

"یہ عفان تمہارے ساتھ کیسے آئے۔ کیا تمہارے ہاں گئے تھے؟"

"نہیں میں ان کے ہاں گئی تھی۔ ٹھہریں، پہلے میں شہریار کو فون کر دوں، ایسا نہ ہو شام میں وہ وہاں پہنچ جائیں۔"

وہ کہتی ہوئی ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئی۔

"سنو......" امی اسے پکار کر بولیں۔ "شہریار سے ابھی کچھ مت کہنا۔"

"نہیں۔ میں تو اس لیے فون کر رہی ہوں کہ......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پھر شہریار کی آواز سنتے ہی بولی۔

"شیری! میں رابعہ کے ساتھ امی کے ہاں آ گئی ہوں۔"

"خیریت......" شہریار نے پوچھا۔

"ہاں بس اچانک پروگرام بن گیا۔ آپ شام میں ادھر ہی آ جایئے گا۔"

اس نے سرسری انداز میں بتا کر کہا۔

"اچھی بات ہے اور کوئی حکم؟"

"نہیں اپنا کام کریں۔ اللہ حافظ۔"

اس نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔ پھر امی کے اشارے پر رابعہ کے پاس آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی غصے سے بولی۔

"تم عفان کو کیوں لائی ہو؟"

"میں کیوں لاؤں گی۔ وہ خود آئے ہیں۔" جواباً اس نے بھی تنک کر کہا۔ تو رابعہ نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔

وہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی پھر رابعہ کے قریب بیٹھ کر اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بنا کر بولی۔

"مجھ سے کیوں ناراض ہوتی ہو۔ مجھے اگر پتہ ہوتا تو میں کبھی وہاں نہ جاتی اور تم یہاں آ گئی تھیں تو فون کر کے مجھے منع کر دیتیں۔"

"مجھے بالکل یاد نہیں رہا۔" رابعہ کو غالباً احساس ہو گیا تھا کہ غلطی اس کی ہے پھر قدرے رک کر

پوچھنے لگی۔

"سنو..... شہریار بھی تمہارے ساتھ تھے؟"

"ہاں' نہیں' میرا مطلب ہے میں گئی تو ان کے ساتھ تھی لیکن وہ اندر نہیں گئے تھے۔ اور ابھی میں نے انہیں فون کر دیا ہے کہ شام کو یہیں آئیں۔" اس نے رابعہ کا خدشہ سمجھ کر وضاحت کی۔

"یہ اچھا ہوا اور تم انہیں بتانا بھی مت۔"

"نہیں...... جب تک معاملہ سلجھ نہیں جاتا۔ میں کوشش کروں گی کہ شہریار یہاں نہ آئیں۔" اس نے کہا تو رابعہ تنفر سے بولی۔

"سلجھنے والی تو بات ہی نہیں ہے۔" پھر پوچھنے لگی۔

"تم سے عفان نے کیا کہا ہے۔ یعنی پہلی شادی کا اعتراف کیا ہے یا صاف مکر گئے ہیں۔"

"اعتراف کیا ہے۔ لیکن؟"

"بس......" رابعہ نے فوراً ٹوک دیا؟ "اعتراف کے بعد میں کچھ اور سننا ہی نہیں چاہتی۔ اور تم سن لو' آئندہ کبھی عفان سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا۔"

"نہیں' میں کیوں واسطہ رکھوں گی' مجھے خود ان کے اس اقدام سے بہت دکھ ہوا ہے۔ اگر پہلے سے بتا دیتے تو ہو سکتا تھا کہ تم پھر بھی ان سے شادی پر آمادہ ہو جاتیں۔ جیسے میں۔"

وہ بولتے ہوئے ایک دم احساس ہونے پر خاموش ہو گئی لیکن رابعہ نے ٹوک دیا۔

"تم...... تمہیں شہریار نے کیا بتایا تھا۔"

وہ واقعی سٹپٹا گئی تھی۔ لیکن پھر بات بھی بنا گئی۔

"اپنی ماما کے بارے میں...... میرا مطلب ہے' انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ کس مزاج کی ہیں؟"

"یہ اور بات ہے' میرا معاملہ اور ہے۔" رابعہ نے سر جھٹک کر کہا تو وہ بات بن جانے پر دل ہی دل میں شکر کرنے لگی پھر اس کا ہاتھ بٹانے کے بہانے اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

❁❁❁

رابعہ نے جانے کیا سوچ لیا تھا کہ اب ہر ایک کے سامنے باقاعدہ اعلان کرنے لگی تھی کہ وہ ڈاکٹر عفان کو چھوڑ آئی ہے لہٰذا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ اس وقت امی کے منع کرنے کے باوجود وہ عظام سے کہنے سے باز نہیں آئی۔

"عظام بھائی! اگر کبھی آپ کی ڈاکٹر عفان سے ملاقات ہو تو یوں بن جائیے گا جیسے آپ انہیں جانتے ہی نہیں۔"

"کیوں......؟" عظام نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیونکہ اب میرا ان سے کوئی تعلق نہیں......" اس نے کہا تو عظام امی کو دیکھنے لگے۔

"پاگل ہے یہ......" امی نے رابعہ کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ تیز ہو کر بولی۔

"نہیں...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آپ کیوں چھپانا چاہتی ہیں۔ آج نہیں تو کل سب کو معلوم ہو جائے گا۔" پھر ایک دم عظام کی طرف گھوم گئی۔

"سنیں عظام بھائی! وہ جو ڈاکٹر عفان ہیں ناں۔ وہ پہلے سے شادی شدہ اور ایک بچے کے باپ تھے لیکن انہوں نے ہمیں نہیں بتایا تھا...... یہ دھوکہ ہے کہ نہیں......؟"

عظام سمجھ تو گئے تھے لیکن فوراً کچھ نہیں کہہ سکے۔ بس خاموشی اور کچھ حیرت سے اسے دیکھے گئے تو وہ مزید تنفر سے بولی۔

"اور میں ایسے دھوکے باز شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے میں اسے چھوڑ آئی ہوں ہمیشہ کیلئے۔ آپ سن لیں' میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کو بھی اس سے نہیں ملنا۔"

"اچھا بس خاموش رہو۔" امی نے ٹوک دیا۔

"میں فاقتہ نہیں ہوں جو خاموش رہوں گی۔ مجھے احتجاج کرنا اور لڑنا آتا ہے۔"

وہ بھناتی ہوئی اندر چلی گئی' تب بھی عظام خاموش بیٹھے رہے تو قدرے توقف سے امی خود ہی بولنے لگیں۔

"کیا کریں۔ نصیب ہی خراب ہیں۔ خدا خدا کر کے تو اس لڑکی کی شادی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ......"

"کیا ہوا پھوپھو؟ کیا رابعہ سچ کہہ رہی ہے؟" عظام کو غالباً یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں......" امی نے ہاں کی صورت آہ بھری تو عظام ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"لیکن پھوپھو! ڈاکٹر عفان۔ میرا مطلب ہے انہوں نے ایسا کیوں کیا۔"

"میں کیا جانوں بیٹا۔ پھر اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ میری بیٹی کی زندگی تو خراب ہوئی۔" امی کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

"روئیں نہیں پھوپھو! شادی شدہ ہونا کوئی برائی یا عیب تو نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے پہلے نہ بتا کر غلطی کی ہے اور یہ کوئی اتنی بڑی غلطی بھی نہیں ہے جو معاف نہ کی جا سکے۔"

عظام نے تسلی دے کر سمجھاتے ہوئے کہا تو امی مایوسی سے بولیں۔

"رابعہ معاف کرنے والی نہیں ہے۔ بہت ضدی ہے۔ تم جانتے ہو۔"

"ہوں۔" عظام کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگے۔ "پھوپھا جان کیا کہتے ہیں؟"

"کیا کہیں گے، بھئی وہ بھی بیٹی کو دیکھ رہے ہیں جو عفان کا نام ہی نہیں سننا چاہتی۔ ابھی تم نے دیکھا نہیں کیسے کر رہی تھی۔"

"جی۔ اس کا غصہ بجا ہے اور بہتر ہوگا ابھی آپ اسے نہ چھیڑیں۔ آہستہ آہستہ نارمل ہو گی تو شاید مثبت انداز سے سوچنے لگے گی۔"

"تمہارے پھوپھا بھی یہی کہتے ہیں، لیکن مجھے امید نہیں ہے۔" امی نے مایوسی سے کہا۔

"اللہ پر بھروسا رکھیں پھوپھو! اس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔" عظام نے کہا تو امی ناراضی سے بولیں۔

"اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟"

"یہ ہم ابھی نہیں جان سکتے۔ بہرحال آپ فکر نہیں کریں اور اللہ سے اچھی امید رکھیں۔ وہ یقیناً بہتر کرنے والا ہے۔" عظام نے تسلی دی پھر موضوع بدلنے کی خاطر پوچھنے لگے۔

"فائقہ کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ ادھر آئی نہیں کتنے دنوں سے۔ اچھا ہے، اپنے گھر میں خوش رہے۔" امی کو شاید اس کی طرف سے بھی دھڑکا لگ گیا تھا۔

"اچھا پھوپھو! میں چلوں۔" عظام اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھو۔ کھانا کھا کر جانا۔" امی نے روکا تب ہی سلمان آ گئے۔ ان کے ساتھ راحیلہ بھی تھی جو سلام کرتے ہی شروع ہو گئی۔

"ہائے امی! رابعہ کے ساتھ کیا ہوا۔ اتنا بڑا دھوکہ توبہ توبہ۔ میں تو ایسے شخص کو گولی مار دوں۔

ویسے غلطی آپ لوگوں کی ہے۔ کوئی چھان بین نہیں کی اور جھٹ شادی کر دی۔"

عظام جو سلمان کے ساتھ بیٹھنا چاہتے تھے۔ راحیلہ کی باتیں سن کر انہوں نے رکنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کام کا بہانا کر کے چلے گئے۔

"تم سے صبر نہیں ہوتا۔" سلمان راحیلہ کو ٹوکتے ہوئے بولے۔ "آتے ہی شروع ہو گئیں۔ عظام کا خیال بھی نہیں کیا۔"

"کیوں۔ انہیں معلوم نہیں ہے۔ ہیں امی......؟" راحیلہ نے امی سے پوچھا تو وہ گہری سانس کے ساتھ بولیں۔

"ابھی رابعہ نے خود بتایا ہے اسے۔"

"ہاں یہ کوئی چھپنے والی بات تھوڑی ہے۔ بہت برا ہوا بے چاری کے ساتھ، آپ کو دیکھ بھال کرنی چاہیے تھی۔ کیا کمی ہے بھلا اس میں۔ اتنی خوبصورت ہے۔ اسے تو فائقہ سے اچھا رشتہ مل سکتا تھا بلکہ ابھی بھی مل سکتا ہے لیکن اب آپ دیکھ بھال کیجیے گا۔" راحیلہ بے سوچے سمجھے بولے جا رہی تھی۔

امی نے سلمان کو گھبرا کر دیکھا تو انہوں نے پھر اسے ٹوکا۔

"کیا فضول باتیں کیے جا رہی ہو۔ رابعہ، ڈاکٹر عفان کی بیوی ہے۔"

"ہاں امی! رابعہ ہے کہاں؟" راحیلہ نے سلمان کے ٹوکنے کا نوٹس لیے بغیر پوچھا۔

"اندر ہے۔"

"میں ذرا اس سے مل لوں۔"

"کوئی الٹی سیدھی بات مت کرنا۔" سلمان نے کہا لیکن راحیلہ ان سنی کرتی ہوئی کمرے میں رابعہ کے پاس آ گئی اور خلاف توقع اسے سکون سے دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"ہائیں! تم تو بڑے آرام سے ہو۔"

"کیا مطلب؟" رابعہ سمجھی نہیں۔

"اتنی بڑی بات ہو گئی۔ میرا تو خیال تھا، تم نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہو گا۔" راحیلہ نے کہا تو اس بار رابعہ سمجھ تو گئی پھر بھی انجان بن کر پوچھنے لگی۔

"کون سی بات؟"

"میں ڈاکٹر عفان کی بات کر رہی ہوں۔ شکل سے کیسے شریف آدمی لگتے تھے۔ تم نے اچھا کیا جو چھوڑ کر آ گئیں۔ تمہارے لیے کمی تھوڑی ہے اور یہ بھی شکر کرو کہ جلدی ان کی اصلیت کھل گئی ورنہ اگر ایک دو بچے ہونے کے بعد پتا چلتا تب تمہیں مجبوراً ان کے ساتھ رہنا پڑتا۔" راحیلہ یہاں بھی

بولے جارہی تھی۔

''نہیں۔ میں تب بھی چھوڑ آتی۔'' رابعہ نخوت سے کہہ کر بات بدل گئی۔ ''کرن کہاں ہے؟''

''سوہنی کے پاس۔''

''چلیں' باہر چلتے ہیں۔'' رابعہ مزید ڈاکٹر عفان کے بارے میں نہیں سننا چاہتی تھی۔ اس لیے فوراً اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ کتنے دنوں سے فائقہ کی خاموشی اور بات کرتے ہوئے اچانک کھو جانا محسوس کر رہا تھا پھر کچھ پریشان بھی نظر آتی تھی۔ لیکن اس نے ٹوکا نہیں کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو بھی بات ہے' وہ خود سے کہے جبکہ اپنے آپ قیاس کرنے سے بھی باز نہیں آ رہا تھا۔ کتنی باتیں سوچ ڈالی تھیں جس سے اس کا ذہن منتشر رہنے لگا تھا اور یہ اس کیلئے اچھا نہیں تھا۔

اس وقت وہ اسے سوچتے دیکھ کر اپنے آپ سے الجھ رہا تھا۔ ایک دو بار کھانس کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی اور ناکامی کی صورت میں اس کا ضبط جواب دے گیا تو اس کا کندھا ہلا کر پکارا۔

''فائقہ!''

''جی؟'' وہ بری طرح چونکی تھی۔

''کیا پریشانی ہے تمہیں؟'' اس کا لہجہ آپ ہی آپ درشت ہو گیا تھا جس سے وہ قدرے سہم کر بولی۔

''نہیں تو...... میرا مطلب ہے' کوئی پریشانی نہیں۔''

''مت چھپاؤ مجھ سے۔ میں بہت دنوں سے تمہیں نوٹ کر رہا ہوں۔ ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔'' اس کے غصے پر وہ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''شیری پلیز۔ ریلیکس ہو جائیں۔''

''تمہیں پریشان دیکھ کر میں' ریلیکس ہو سکتا ہوں؟ نہیں' اور مزید تکلیف دہ بات یہ ہے کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کر رہیں۔'' آخر میں اس کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا تھا جس پر وہ تڑپ کر بولی۔

''ایسی بات نہیں کریں شیری! میں خود سے زیادہ آپ پر اعتماد کرتی ہوں۔''

''اگر ایسا ہے تو کہہ دو وہ بات جسے سوچتے ہوئے تم مجھ سے بھی غافل ہو جاتی ہو۔''

اس نے جتایا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر بولی۔

''میں رابعہ کو سوچتی ہوں اور اسی کے لئے پریشان ہوں۔''

''رابعہ!'' وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ ''کیا ہوا اسے؟''

''وہ...... اس کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''کیسی زیادتی......؟'' وہ اس کے الجھنے پر نرمی سے بولا۔ ''مجھے بتاؤ' کیا ہوا ہے؟''

''وہ عفان بھائی ہیں ناں۔ وہ پہلے بھی شادی شدہ تھے لیکن انہوں نے یہ بات چھپائی تھی اور اب جیسے ہی رابعہ کو معلوم ہوا وہ ان کا گھر چھوڑ کر آ گئی ہے۔'' اس نے بتایا تو وہ بلا ارادہ کہہ گیا۔

''اچھا کیا......''

''نہیں شیری! یہ اچھا نہیں ہوا۔ عفان بھائی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''ہاں عفان نے واقعی غلط کیا۔ اسے پہلے ہی ہر بات کلیئر کر دینی چاہیے تھی۔''

''اب رابعہ کا کیا ہو گا؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''تو تم ہر وقت یہی سوچتی رہتی ہو۔ بے وقوف۔ تمہارے سوچنے اور کڑھنے سے کیا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

اس کے ٹوکنے پر وہ بے بسی سے بولی۔

''میں کیا کروں۔ میرا دھیان اس طرف سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ بس یہی سوچتی رہتی ہوں کہ رابعہ کا کیا ہو گا۔''

''رابعہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے اور نہ ہی نادان ہے۔'' وہ زور دے کر بولا۔ ''اپنا برا بھلا وہ خود سوچ سمجھ سکتی ہے۔ تمہیں اس کیلئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر اس نے تم سے مشورہ مانگا ہے تب تم ضرور سوچ سکتی ہو لیکن اس طرح بھی نہیں کہ باقی ہر طرف سے غافل ہو جاؤ۔''

''آئی ایم سوری۔'' وہ اپنی غفلت پر نادم ہو کر بولی۔ ''آپ کو پہلے ہی ٹوک دینا چاہیے تھا۔''

''میں سمجھا پتہ نہیں۔ شاید تم میرے لیے پریشان ہو۔'' شہریار نے جتایا نہیں تھا پھر بھی وہ الجھ گئی۔

''آپ کیلئے۔''

''ہاں۔ مجھے لندن جانا ہے ٹریٹ منٹ کے لئے۔'' شہریار نے بظاہر سرسری انداز میں بتایا پھر بھی وہ پریشان ہو گئی۔

''کب۔ کب جانا ہے؟''

''ایک آدھ ہفتے میں جاؤں گا۔'' اس نے بتایا تو وہ فوراً بولی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''ہاں چاہتا تو میں بھی یہی ہوں لیکن ماما کا خیال ہے تمہیں پریگنینسی میں اتنا لمبا سفر نہیں کرنا

چاہیے۔اس لئے وہ منع کر رہی ہیں۔"

شہریار نے جس انداز سے کہا اس سے وہ سمجھ گئی کہ وہ بیگم آفندی کے خیال سے اختلاف نہیں کرے گا پھر بھی ضد سے بولی۔

"نہیں۔میں ساتھ جاؤں گی۔"

"ماما منع کر رہی ہیں یار! اور وہ زیادہ جانتی ہیں۔"

"ہاں لیکن شاید یہ نہیں جانتیں کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ افسردہ ہو کر بولی۔

"جانتی ہیں جب ہی تو۔" وہ کہہ کر جانے کیا سوچنے لگا تھا۔

"کیا جب ہی تو؟" اس کے ٹوکنے پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"ماما چاہتی ہیں، تم میرے بنا رہنا سیکھو۔کیا پتہ کب؟"

"شیری!" اس نے فوراً اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔"بس اور کچھ مت کہنا۔"

"کم آن یار۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔"بی بریو۔میں نے اس لیے تمہیں پہلے ہی سب بتا دیا تھا۔"

"اس کے باوجود میں ایسی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ بے اختیار رو پڑی۔

"اوں ہوں۔تم رویا مت کرو۔میں پریشان ہو جاتا ہوں۔"

"خود ہی تو رلاتے ہیں۔"

"اچھا آنسو صاف کرو فوراً بلکہ جاؤ منہ دھو کر آؤ۔" اس نے رعب سے کہا۔تو وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

'کیا کرے گی یہ لڑکی......' وہ سوچتے ہوئے تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گیا۔

چند لمحوں بعد وہ تولیے سے منہ صاف کیے بغیر آ کر کہنے لگی۔

"شیری! میں خود ماما سے کہوں گی۔"

"کیا......" اسے دیکھنے لگا۔

"یہی کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

"کم آن یار! اس بات کو مسئلہ مت بناؤ۔" وہ دھیرج سے ٹوک کر کہنے لگا۔"چند دنوں کی بات ہے، میں جاؤں گا اور آ جاؤں گا۔"

"میں بھی جاؤں گی بس۔"

اس کی ضد پر وہ کچھ دیر حیران ہو کر اسے دیکھتا رہا پھر محض بات ختم کرنے کی غرض سے بولا تھا۔

"اچھی بات ہے۔"

☆☆☆

وہ جانتی تھی کہ بیگم آفندی اسے بھی وہی جواب دیں گی کہ پریگننسی میں اتنا لمبا سفر ٹھیک نہیں ہے۔ پھر بھی اس نے سوچ لیا کہ وہ ان سے شہریار کے ساتھ جانے کا کہے گی ضرور اور اس کیلئے اسے ان کا موڈ دیکھنا تھا۔ شاید اچھے موڈ میں ہوں تو اس کی بات مان بھی جائیں۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ بس ان کا موڈ دیکھتی رہی گو کہ اس وقت وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھیں لیکن اس کے ساتھ بہت عجلت میں بھی تھیں۔ اس لیے اس نے قصداً اس موضوع سے گریز کیا البتہ ان کے جاتے ہی شہریار سے بولی تھی۔

"شیری! لندن کیلئے ایک نہیں دو ٹکٹ لیجیے گا۔"

"چار لے لوں گا۔" شہریار نے مذاق میں بات اڑائی تو وہ ان سنی کر کے بولی تھی۔

"میں آج شام ماما سے بات کروں گی اور مجھے یقین ہے، وہ منع نہیں کریں گی۔"

"او۔کے۔اگر ماما نے اجازت دے دی تو پھر میں کیوں اعتراض کروں گا بلکہ میں خود بھی چاہتا ہوں کہ تم ہر جگہ ہر پل میرے ساتھ رہو۔"

"تو آپ ماما سے کیوں نہیں کہتے؟"

"کہہ چکا ہوں جب ہی تو۔خیر چھوڑو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔شام کو میں جلدی آؤں گا پھر بات کریں گے۔او کے۔"

شہریار نے آخر میں مسکرا کر اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تو وہ اس کے پیچھے دیکھتی ہوئی وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ اب شام تک اس کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا اور یہ فراغت اسے واقعی بہت بور کر دیتی تھی۔ کبھی گھنٹوں ایک ہی جگہ بیٹھی رہتی۔ کبھی بے مقصد ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جھانکتی پھرتی اور کبھی تنہائی اور خاموشی سے گھبرا کر رابعہ کو فون کرتی تو پھر باتوں میں کچھ وقت گزر جاتا تھا لیکن ادھر جب سے رابعہ امی کے گھر آئی تھی تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سے کیا باتیں کرے۔ ڈاکٹر عرفان کے بارے میں وہ سننا نہیں چاہتی تھی اور ان سے ہٹ کر اس کے پاس بھی شاید کوئی موضوع نہیں رہا تھا۔ جب ہی رسمی جملے کہہ کر وہ فون بند کر دیتی تھی جس سے وہ مزید پریشان ہو جاتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچے چلی جاتی۔

"پتہ نہیں اس کا کیا ہوگا؟ ڈاکٹر عرفان سے اس کی مصالحت ہو سکے گی یا نہیں۔" پھر دعائیں۔

"اے اللہ! رابعہ کے ساتھ اچھا کرنا۔ جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔"

اور رات چونکہ شہر یار نے ٹوک دیا تھا۔اس لیے اس وقت اسے جیسے ہی رابعہ کا خیال آیا' وہ اپنا دھیان بٹانے کو فوراً وہاں سے اٹھ گئی اور اپنے کمرے میں آ کر ٹی وی آن کیا تھا کہ ادھر فون کی بیل بجنے لگی۔

''ہیلو!'' اس نے ٹی وی کی آواز بند کر کے کارڈلیس اٹھایا تھا۔

''السلام علیکم۔'' دوسری طرف جانے کون تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' اس نے جواب دیا تھا کہ ادھر سے پوچھا گیا۔

''آپ کون ہیں؟''

''جی آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔'' وہ اب پوری طرح متوجہ ہو گئی تھی۔

''اگر میں کہوں آپ سے۔'' اس نے کہا تو وہ رانگ نمبر سمجھ کر بولی۔

''سوری۔''

''فون بند مت کیجیے گا۔'' وہ فوراً بولا تھا۔''میں دوبارہ رنگ کر لوں گا۔''

''آپ ہیں کون؟'' اس نے ناگواری سے پوچھا۔

''اسفند یار آفندی اور آپ......'' اس نے اپنا نام بتا کر پوچھا تو وہ بلا ارادہ بولی تھی۔

''مسز شہر یار آفندی......''

''مسز شہر یار آفندی۔'' اس نے سوچتے ہوئے انداز میں دہرایا پھر شاید حیران ہوا تھا۔

''شیری۔آپ شیری کی مسز ہیں۔''

''جی اور آپ۔''

''میں بدقسمتی سے شیری کا بھائی ہوں۔'' وہ تلخی سے بولا تھا۔

''جی۔'' اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔''کیا کہا آپ نے؟''

''شیری کا بھائی اسفند یار آفندی۔'' اس نے زور دے کر کہا تو وہ الجھ گئی۔

''لیکن شیری نے تو کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔''

''پتہ نہیں وہ میرے بارے میں جانتا بھی ہے کہ نہیں۔ بہت چھوٹا تھا وہ اس وقت اور شاید اس کی ماں نے اسے نہیں بتایا ہوگا۔'' اس نے کہا تو وہ مزید الجھ گئی۔

''کیا مطلب۔اس کی ماں؟''

''میری ماں میرے ساتھ ہے جو جیلان آفندی کی خاندانی بیوی ہے' سمجھیں آپ؟ اور مزید یہ بھی سمجھ لیں کہ جس گھر میں آپ رہتی ہیں' میرے باپ نے میرے نام سے بنوایا تھا۔شہر یار اور اس کی ماں کا کوئی حق نہیں اس پر۔ غاصب ہیں وہ دونوں۔ میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔

ہری ماں کے ساتھ جو سلوک کیا......''

''یا اللہ......'' اس نے گھبرا کر سلسلہ منقطع کر کے کارڈلیس دور پھینک دیا لیکن فوراً ہی دوبارہ لل بجنے لگی جس سے وہ مزید ڈر گئی۔ یوں لگا جیسے فون کے بجائے وہ خود سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔

''غاصب ہیں وہ دونوں۔''

''میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

''اف نہیں۔شیری ایسا نہیں ہے۔''

اس نے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا اور جتنی دیر فون کی بیل بجتی رہی وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ اس کے بعد بھی اس نے ڈرتے ڈرتے سر اونچا کیا تھا پھر بھاگ کر کمرے سے نکل آئی اور کچھ دیر لاؤنج میں ٹہل کر اپنے حواس بحال کیے پھر پہلے اس نے خود کو سرزنش کی کہ وہ کیوں ڈر رہی ہے۔ اس کے بعد اسفند یار کو سوچتے ہوئے اسے یاد آیا کہ وہ شاید پہلے بھی اس کا فون اٹینڈ کر چکی ہے۔ اس وقت بیگم آفندی موجود تھیں اور انہوں نے اسفند یار کا نام سنتے ہی اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹا تھا۔ یہ اسے اب خیال آیا تو وہ اسی نہج پر سوچنے لگی۔

''اس کا مطلب ہے۔ماما کا اسفند یار سے رابطہ ہے اور شیری......وہ شاید نہیں جانتے ورنہ مجھے ضرور بتاتے۔' پتہ نہیں ماما ان سے کیوں چھپا رہی ہیں۔اسفند یار بھی تو یہی کہہ رہے تھے کہ اس کی ماں نے اسے نہیں بتایا ہوگا۔ کیوں نہیں بتایا۔سوتیلے ہی سہی' ہیں تو بھائی۔ایک باپ کی اولاد۔خیر اب میں بتاؤں گی شیری کو......''

آخر میں وہ شہر یار کے سامنے انکشاف کرنے اور اس کے بعد کا ردعمل سوچ رہی تھی کہ اسی وقت شہر یار آ گیا اور جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا۔

''ہیلو۔کہاں گم ہو؟''

اس نے چونک کر گہری سانس کھینچی پھر مسکرا کر بولی۔

''میں آپ ہی کو سوچ رہی تھی۔''

''تم نے سوچا اور میں آ گیا۔'' شہر یار نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟''

''چلا جاؤں؟''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو۔میں تمہارے لیے آیا ہوں۔'' شہر یار نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھایا تو ..... بیٹھتے ہوئے وہ کچھ ٹھٹک گئی۔

"شیری! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"تمہیں کیا لگ رہا ہے؟" وہ بظاہر مسکرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں جانے کون سا رنگ تھا جس نے اسے بے چین کر دیا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ آپ بتائیں۔"

"او گاڈ! تم کتنی جلدی پریشان ہو جاتی ہو۔" وہ گہری سانس کے ساتھ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو کمرے میں۔"

وہ فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔

شہریار نے گلے سے ٹائی کھینچ کر ایک طرف ڈال دی۔ پھر شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے بولا۔

"پردے برابر کر دو۔ میں سووں گا۔"

اس نے بڑھ کر پردے کھینچ دیئے پھر وہیں رک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ جھنجلا گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔ میں مر نہیں رہا اور خبردار رونا نہیں۔"

وہ بمشکل آنسوؤں پر بند باندھ کر اس کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

"شیری! مجھے لگتا ہے' تمہارا مجھ سے دل بھر گیا ہے اور اب تم آرام سے مر جانا چاہتے ہو۔ کتنے خود غرض ہو تم۔ میرا کوئی خیال نہیں۔"

"بے وقوف!" شہریار نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ "تمہارے خیال سے ہی تو میں خدا سے لمبی عمر کی دعا مانگتا ہوں۔"

"پھر مرنے کی بات کیوں کرتے ہو؟"

"آئی ایم سوری۔" وہ پہلے نادم ہوا پھر اس کا چہرہ اونچا کر کے بولا۔ "ویسے مرنا تو ہے ایک دن۔"

"وہ دن میری زندگی میں نہیں آنا چاہیے۔" اس نے فوراً کہا تو وہ قصداً مسکرا کر بولا۔

"اچھی بات ہے۔ اب یہ بتاؤ تمہارے بعد میں کیا کروں گا۔"

"دوسری شادی۔" وہ بے ساختہ بولی اور ایسا ہی بے ساختہ شہریار کا قہقہہ تھا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"کس سے؟"

"کسی سے بھی لیکن مجھے مت بھولنا۔ ہمیشہ اپنے دل میں رکھنا۔"

"اچھا اور......" وہ خاصا محظوظ ہوا۔

"اور بس۔"

"چلو تو اب مجھے سونے دو تاکہ میں دوسری بیوی کے خواب دیکھ سکوں۔"

وہ کہہ کر کروٹ بدل گیا۔ تو اس کا دل چاہا اسے جھنجوڑ کر پوچھے کہ وہ کیوں بار بار اس کی طرف سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اس کے بازو پر ہاتھ رکھا بھی لیکن پھر اچانک کسی خیال سے رک کر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر بہت احتیاط سے کمرے سے نکل کر لابی میں آ گئی اور آفس بیگم آفندی کو فون کر ڈالا۔

"یس۔" بیگم آفندی غالباً بہت مصروف تھیں۔

"ماما!" وہ ان کی آواز سنتے ہی جیسے بکھر گئی۔ "ماما! شیری کو کیا ہوا ہے؟"

"شیری گھر پہنچ گیا؟" بیگم آفندی نے بہت آرام سے پوچھا تھا۔

"جی۔"

"ٹھیک ہے' اسے آرام کرنے دو۔" انہوں نے کہا تو وہ چیخ پڑی۔

"وہ ٹھیک تو ہیں ناں۔ ماما پلیز' مجھے بتائیں۔"

"کیا بتاؤں۔ تم نہیں جانتیں کیا اور یہ تم اتنا چلا کیوں رہی ہو؟" بیگم آفندی کے ڈانٹنے پر اس کے آنسو چھلک گئے۔

"آئی ایم سوری ماما! لیکن پلیز' آپ مجھے بتائیں' شیری اتنے نڈھال کیوں ہو رہے ہیں۔"

"تھک گیا ہے' اسے آرام کی ضرورت ہے۔ جاؤ اس کا خیال رکھو اور دیکھو کوئی ایسی بات نہیں کرنا جو اسے پریشان کر دے۔"

بیگم آفندی نے دھیرج سے اسے سرزنش کر کے سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ ریسیور رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ کیونکہ اس کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔ جتنا آنکھیں رگڑتی آنسو اور روانی سے بہنے لگے اور اس طرح روتی ہوئی وہ شہریار کے سامنے نہیں جا سکتی تھی اس لیے کتنی دیر وہیں بیٹھی رہی۔ رونے کے ساتھ اسے یہ احساس بھی ہونے لگا تھا کہ وہ کتنی تنہا ہو گئی ہے۔ اپنا دکھ کسی سے کہہ نہیں سکتی۔ کسی کو تو ہمراز بنایا ہوتا۔

"عظام بھائی۔" ایسے میں ہمیشہ اس کے ہونٹوں پر یہی نام آتا تھا لیکن اب وہ ان کے پاس پہلے کی طرح بھاگی نہیں جا سکتی تھی۔ پھر جب سے انہوں نے ٹوکا تھا' تب سے وہ اور محتاط ہو گئی تھی۔ ابھی بھی بہت چاہنے کے باوجود وہ انہیں فون نہیں کر سکی اور وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی اور بغور سوئے ہوئے شہریار کو دیکھنے لگی جس کے چہرے پر اچانک زردیاں کھنڈنے لگی تھیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر عفان کیلئے رابعہ کی ناراضی بے حد پریشان کن تھی کیونکہ حقیقتاً وہ ایک شریف انسان تھے اور حقیقت وہی تھی جو انہوں نے فائقہ کو بتائی تھی۔ وہ رابعہ کے ساتھ بہت مخلص تھے اور مصلحتاً ہی

انہوں نے اپنی پہلی شادی کو چھپایا تھا۔ ان کا خیال تھا' کبھی رابعہ کو اعتماد میں لے کر اسے تمام حالات کہہ سنائیں گے لیکن یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ اس سے پہلے ہی اسے معلوم ہو گیا اور مزید ستم ظریفی کہ وہ انہیں صفائی کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ ملنا تو دور کی بات فون پر بھی نہیں آتی تھی۔

پہلے دن فائقہ کے ساتھ گھر گئے تھے تو اس وقت ابو نے ان کی ساری بات سننے کے بعد کہا تھا کہ گو انہیں ان کے اس اقدام سے دکھ ہوا ہے لیکن وہ بھی اپنی بیٹی کا نصیب سمجھ کر معاف کر رہے ہیں۔ البتہ رابعہ کے ساتھ وہ زبردستی نہیں کر سکتے نہ ہی انہیں زبردستی کی اجازت دیں گے۔ وہ اگر خوشی سے ان کے ساتھ جانا چاہے گی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اس کے بعد یہ بھی کہا تھا کہ اس کیلئے انہیں کچھ عرصہ یا ہو سکتا ہے ایک طویل عرصہ انتظار کرنا پڑے۔ یہ ان پر بھی منحصر ہے کہ وہ رابعہ کو منانے میں کب کامیاب ہوتے ہیں اور انہیں کامیابی تو تب ہوتی جب رابعہ کچھ سننے سنانے پر آمادہ ہوتی' بہر حال وہ مایوس نہیں تھے۔ رابعہ سے زیادہ انہیں اپنی محبت پر یقین تھا اور اس یقین کے سہارے وہ مسلسل اس تک رسائی کی کوشش میں لگے رہتے۔

گو کہ ان کے گھر آنے پر ابو نے پابندی نہیں لگائی تھی لیکن وہ خود ہی دوبارہ نہیں گئے تھے کیونکہ ان چند مہینوں میں انہوں نے رابعہ کو اتنا جان لیا تھا کہ وہ کتنی ضدی اور خودسر ہے۔ کسی کا لحاظ نہیں کرتی اس لیے وہ بار بار اس گھر میں جا کر ہرٹ نہیں ہونا چاہتے تھے کہ بہر حال ان کا سسرال تھا۔ گو کہ روزانہ شام کو جب وہ ہاسپٹل سے نکلتے تو ان کا دل چاہتا سیدھے اس کے پاس جائیں لیکن بڑی مشکل سے وہ خود کو سمجھاتے ہوئے گھر جاتے تو آگے گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا حالانکہ رابعہ سے پہلے بھی وہ اکیلے ہی رہتے تھے۔ بہر حال اس وقت گھر جاتے ہوئے انہیں وہ شدت سے یاد آ رہی تھی اور دل یہ چاہ رہا تھا اس کے پاس چلے جائیں اور پھر وہاں تو نہیں وہ سلمان کے گھر چلے آئے۔

سلمان اس وقت آفس سے لوٹے تھے اور انہیں سامنے پا کر کسی طرح اپنا رویہ تبدیل نہیں کر سکے یعنی ڈاکٹر عفان کو دیکھ کر ان کی پیشانی پر کوئی بل نہیں آیا تھا۔

"کیسے ہیں عفان بھائی آپ آئیں بیٹھیں۔"

"شکریہ آپ سنائیں کیا ابھی آفس سے آ رہے ہیں۔" ڈاکٹر عفان نے پوچھا۔

"جی......راحیلہ......!" سلمان نے انہیں جواب دینے کے ساتھ راحیلہ کو پکارا تو اس کا جواب کچن سے آیا تھا۔

"چائے لا رہی ہوں۔"

"ایک منٹ' میں چائے کا کہہ آؤں ورنہ وہ صرف ایک ہی کپ لے آئیں گی۔" سلمان کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

ڈاکٹر عفان نے ٹیبل سے اخبار اٹھا لیا' بظاہر نظریں اس پر جما دیں جبکہ ذہن یہ سوچنے لگا تھا کہ انہیں رابعہ کے متعلق کوئی بات کرنی چاہیے یا نہیں اور ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کہ سلمان اور ان کے پیچھے راحیلہ بھی آ گئی۔

"السلام علیکم کیسے ہیں آپ؟" راحیلہ نے خاصے پرجوش انداز میں ان کی خیریت پوچھی جس پر وہ اندر ہی اندر بے حد حیران ہوئے کیونکہ رابعہ کی موجودگی میں وہ خاصے روٹھے پن کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"رابعہ سے ملاقات ہوئی؟" راحیلہ نے گو کہ استہزائیہ انداز میں پوچھا تھا اور وہ خاصے جزبز بھی ہوئے۔ لیکن اس کے ساتھ انہیں موقع مل گیا تھا جب ہی فوراً بولے۔

"وہ تو آپ کرائیں گی۔"

"میں؟ نا بابا!" راحیلہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔ "میری شامت نہیں آئی۔"

"کیا مطلب آپ ڈرتی ہیں اس سے۔" ڈاکٹر عفان نے بمشکل ناگواری چھپا کر پوچھا۔

"میں کیا سب ہی ڈرتے ہیں' بہت تیز ہے۔ میرے ساتھ جو سلوک کیا اس نے، وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔"

راحیلہ نے سلمان کا بھی خیال نہیں کیا۔

"اور آپ اپنے آپ کو دیکھیں' کتنا چاہتے ہیں آپ اسے۔ کسی چیز کی کمی نہیں دی پھر بھی وہ آپ پر لعنت بھیج کر چلی گئی' بہت غرور ہے اسے' آپ کا نام بھی نہیں سننا چاہتی' حالانکہ آپ نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا۔ پہلے شادی ہی تو کی تھی۔"

'کہاں آ گیا۔' ڈاکٹر عفان بہت جزبز ہو رہے تھے اور کتنی بار انہوں نے سلمان کو دیکھا لیکن وہ یوں بیٹھے تھے جیسے کچھ سن ہی نہیں رہے۔

"آپ کی پہلی بیوی کہاں رہتی ہے؟" راحیلہ نے پہلی شادی کے ذکر کے ساتھ ہی سوال شروع کر دیے۔

"گاؤں میں۔"

"آپ کے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہو گی۔؟"

"جی۔"

"کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"پھر آپ نے دوسری شادی کیوں کی۔ یہ تو اس بے چاری پر بھی ظلم ہوا ناں آپ کو ایسا نہیں

کرنا چاہیے تھا۔ وہ دیہاتی سیدھی سادی عورت اپنے حق کیلئے آواز بھی نہیں اٹھا سکتی۔ آپ مرد ایسے کیوں ہوتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے سلمان ایسے نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں مجھے۔" راحیلہ کی تان اسی بات پر ٹوٹتی تھی۔

"جی' رابعہ نے بتایا تھا مجھے۔ آپ کی لو میرج ہے۔؟" ڈاکٹر عفان نے محض اپنی طرف سے دھیان ہٹانے کی خاطر بات کا رخ اس کی طرف موڑا تھا۔

"اور کیا کیا بتایا رابعہ نے؟" راحیلہ نے فوراً پوچھا۔

"بس یہی......" وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اچھا سلمان بھائی! میں چلتا ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہیں' بیٹھیں کھانا کھا کر جایئے گا۔" سلمان نے کہا تو راحیلہ ان کی تائید کرنے لگی۔

"ہاں ہاں کھانا کھا کر جایئے گا۔"

"شکریہ میں پھر کسی دن آ جاؤں گا۔" سہولت سے انکار کرتے ہوئے باہر آئے تو سلمان بھی ان کے ساتھ آ گئے اور معذرت کرتے ہوئے بولے۔

"سوری عفان بھائی! برا نہیں منایئے گا۔ میری بیوی کو زیادہ بولنے کی عادت ہے اور ابھی اس نے جو کچھ کہا اس پر آپ یقین نہیں کیجئے گا' میرا مطلب ہے رابعہ کے بارے میں۔"

ڈاکٹر عفان نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور قدرے رک کر پوچھنے لگے۔

"رابعہ کیا چاہتی ہے؟"

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سلمان نے معذوری ظاہر کی۔

"اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس سے کہیں' ایک بار مجھ سے مل لے۔" انہوں نے کہا تو سلمان سوچتے ہوئے بولے۔

"ہاں۔ آپ کا یہ میسج تو میں اسے دے سکتا ہوں' اس کے بعد اس کی مرضی۔"

"او کے۔" ڈاکٹر عفان کو مزید کچھ کہنا فضول لگا۔ اس لیے ان سے مصافحہ کر کے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆☆☆

رابعہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو امی اسے دیکھ کر قدرے تعجب سے پوچھنے لگیں۔

"کہیں جا رہی ہو کیا؟"

"ہاں' جاب کیلئے۔" وہ بے نیازی سے جواب دے کر پرس چیک کرنے میں لگ گئی۔

"جاب کیلئے۔" امی مزید متعجب ہو کر بولیں۔ "باپ سے پوچھا ہے؟"

"کیوں' وہ منع کریں گے کیا؟ فائقہ کو تو منع نہیں کیا تھا۔" وہ تنک کر بولی۔

"منع وہ تمہیں بھی نہ کرتے اگر تمہاری شادی نہ ہوئی ہوتی۔ اب تم عفان کی بیوی ہو' کیا کہے گا وہ' ہم چار دن بٹھا کر نہ کھلا سکے۔" امی نے سمجھاتے ہوئے کہا لیکن وہ کہاں سمجھنے والی تھی۔

"یہ چار دن کی بات نہیں ہے۔ مجھے اب یہیں رہنا ہے۔ اور جو میرا دل چاہے گا' کروں گی۔ عفان کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔"

"چلو اسے چھوڑو لیکن اپنے باپ سے تو پوچھ لو۔"

"کیا پوچھ لوں؟"

"یہی کہ تم نوکری کرنا چاہتی ہو پھر جو وہ کہیں۔"

"وہ کچھ نہیں کہیں گے اور آئیں گے تو میں بتا دوں گی' ابھی مجھے ضرور جانا ہے۔" اس کی ہٹ دھری پر امی زچ ہو کر بولیں۔

"کل چلی جانا۔"

"انٹرویو آج ہے۔ میں کل کیوں جاؤں۔ یہ دیکھیے اخبار۔" اس نے پرس میں سے اخبار کا تراشہ نکال کر ان کے سامنے کیا۔

"میں کیا کروں گی دیکھ کر' باپ کو دکھاؤ۔" امی نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"دکھا دوں گی انہیں بھی...... خدا حافظ۔" وہ غصے سے کہتی تیز قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ اس نے جاب کا فیصلہ اچانک کر لیا تھا۔ گزشتہ کئی دنوں سے وہ اخبار میں ویکنسیز دیکھ رہی تھی۔ اور یہ اتفاق ہی تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اسے اپنے مطلب کی ویکنسی نظر آ گئی تھی اور انٹرویو بھی آج ہی تھا۔ جب ہی وہ فوراً تیار ہو گئی تھی ورنہ ابو کو بتانے میں اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا اور اس نے یہی سوچا تھا کہ شام میں ابو کو بتا دے گی لیکن امی جس طرح بضد ہوئیں کہ وہ پہلے بتائے' اس سے وہ چڑ گئی تھی حالانکہ اپنی جگہ امی بھی ٹھیک تھیں اور غلط وہ بھی نہیں تھی۔ بہر حال اس بحث نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا اور جب باری آنے پر وہ انٹرویو کیلئے کمرے میں داخل ہوئی تب بھی اس کے چہرے پر بیزاری کا تاثر نمایاں تھا۔

"سمپل بی اے۔" اس کے ڈاکومنٹس دیکھنے والے نے پتہ نہیں اس سے پوچھا تھا یا حیرت کا اظہار کیا تھا۔ پھر بھی اس نے جواب دے دیا۔

"جی......"

"کوئی ایکسپیرینس......" اب کے براہ راست اسے دیکھا گیا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟ آئی مین بی اے کیے ہوئے آپ کو......"

"پچاس سال نہیں ہوئے۔" وہ فوراً بولی تھی۔

سامنے بیٹھے تینوں اشخاص نے ایک دوسرے کو دیکھ کر غالباً آنکھوں کی زبانی کچھ کہا تھا۔ پھر اس سے پوچھا۔

"کوئی کورس، کمپیوٹر وغیرہ......"

"نہیں......" وہ کیونکہ خود کو ضرورت مند نہیں سمجھتی تھی اس لیے پراعتماد تھی اور اس بار بائیں طرف بیٹھے شخص نے خاصے سراہنے والے انداز میں کہا۔

"ویری گڈ۔"

"جی......" وہ حیران ہوئی تو وہ فوراً بولا۔

"آپ باہر تشریف رکھیں۔ باقی کینڈیڈیٹس سے فارغ ہونے کے بعد ہم آپ سے پھر بات کریں گے۔"

"وہ......کیا بات......" کہتے کہتے رہ گئی اور اٹھ کر باہر آ گئی۔ جہاں دو تین لڑکیاں ہی بیٹھی تھیں۔ وہ ان سے ہٹ کر کنارے پر بیٹھ گئی اور خاصی تنقیدی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے سوچنے لگی کہ اس سے دوبارہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ زیادہ امکان اپنے سلیکٹ ہونے کا تھا اور یہ خیال اسے مزید مغرور کر دیتا کہ وہ ریجیکٹ ہو ہی نہیں سکتی۔

پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسے دوبارہ اندر بلایا گیا تو اس بار اس کے چہرے پر بیزاری کی جگہ سلیکٹ ہونے کا غرور تھا۔

"یہ اپنے ڈاکومنٹس آپ رکھ لیں، کیونکہ اس جاب کیلئے آپ سوٹ ایبل نہیں ہیں۔"

اس شخص نے لفافہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو اس کی پیشانی پر یوں شکنیں پڑیں جیسے مجھے روکنے کا مقصد کیا تھا۔

"آپ مایوس نہ ہوں۔" وہ اس کی شکنیں دیکھ کر فوراً بولا۔ "میں آپ کو ایک اور آفر کر رہا ہوں۔"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

"ہم ماڈلنگ کیلئے اچھے چہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔" وہ کہنے لگا۔

"آپ ماشاء اللہ بہت اٹریکٹو ہیں، اسکرین پر آپ کی پرسنالٹی مزید نکھر جائے گی۔ اگر آپ انٹرسٹڈ ہوں تو۔"

"ماڈلنگ۔" اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دہرایا۔

"جی ہاں ماڈلنگ، کسی دور میں اسے معیوب خیال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے بلکہ اب تو بہت اچھے گھرانوں کی لڑکیاں اس طرف آ رہی ہیں۔ آپ میں مجھے صلاحیت نظر آئی ہے جب ہی میں آپ کو آفر کر رہا ہوں۔ بہت کامیاب ہوں گی آپ۔"

اس کا ذہن اچانک بالکل خالی ہو گیا تھا کوئی سوچ نہیں ابھر رہی تھی۔ جب ہی چپ چاپ دیکھے گئی تو قدرے رک کر وہ اکسانے والے انداز میں کہنے لگا۔

"سوچ لیں، اس میں شہرت بھی ہے اور روپیہ بھی۔"

وہ ابھی بھی خاموش تھی اور ادھر وہ یہی سمجھا کہ وہ سوچ رہی ہے۔ جب ہی کچھ انتظار کے بعد پوچھنے لگا۔

"جی پھر کیا سوچا آپ نے؟"

"آں......" وہ چونک کر بولی۔ "کچھ نہیں آئی مین میں سوچ کر بتاؤں گی۔"

"کب؟"

"ایک دو دن......" وہ اس قدر کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے فوراً اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ضرور رابطہ کیجئے گا اور سنیں میں ابھی آپ کو ایڈوانس پے منٹ کر سکتا ہوں۔"

"ابھی میں نے ہامی نہیں بھری۔" وہ کہہ کر باہر نکل آئی تھی۔

❁❁❁

شہریار جانتا تھا کہ اب اس کیلئے فوری ٹریٹ منٹ کتنا ضروری ہے ورنہ وہ اسی طرح نڈھال رہے گا۔ سارا دن وہ بیڈ سے اٹھا ہی نہیں تھا اور ابھی بھی اس کا اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن صرف فائقہ کی وجہ سے وہ نہ صرف اٹھا بلکہ شاور بھی لیا پھر قصداً انجان بن کر پوچھنے لگا۔

"تم اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہو؟" پھر اس کے بکھرے بالوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"لگتا ہے' صبح سے تم نے برش بھی نہیں کیا۔ جاؤ اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔"

وہ کچھ بولی اور نہ ہی وہاں سے اٹھی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے یار! کیوں اتنی پریشان ہو؟"

"پتہ نہیں۔" وہ آزردگی میں گھری خود اپنی کیفیت نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"میرے ساتھ لندن جانا چاہتی ہو؟" وہ اس کے چہرے سے بال ہٹا کر بولا۔ "لے چلوں گا۔"

وہ خاموش رہی۔

"اب تو خوش ہو جاؤ۔ میں ماما سے صاف کہہ دوں گا کہ میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا ورنہ پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔"

اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں شیری! تمہیں ہر حال میں جانا ہے۔"

"اوں ہوں' تمہیں اس حال میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایسی اُداس ویران شکل جیسے......" وہ کوئی تشبیہ سوچنے لگا تھا کہ بیگم آفندی آ گئیں۔

"کیسے ہو شیری؟"

"ٹھیک ہوں ماما۔" اس نے بہت بیزاری سے جواب دیا۔ جیسے وہ اس سوال سے عاجز آ گیا ہو۔

"لی بریو بیٹا! دیکھو' تمہاری ٹکٹ کنفرم ہو گئی ہے۔ پرسوں رات کی فلائیٹ ہے۔"

بیگم آفندی پرس میں سے ٹکٹ کا لفافہ نکال کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"میری آج ڈاکٹر بوتھم سے بات ہوئی ہے' میں نے انہیں تمہاری کنڈیشن بھی بتا دی ہے۔"

"او کے ماما! او کے۔"

اس کا دھیان فائقہ کی طرف تھا جو کچھ گم صم سی ہو گئی تھی' جب ہی اس نے بیگم آفندی کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا تو وہ فائقہ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ "فائقہ بیٹا! ٹھیک تو ہو؟"

"جی......" وہ ایسے ہی گم صم انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"یہ ٹھیک ہے ماما! آپ پریشان نہ ہوں۔ چلو فائقہ! ہم آؤٹنگ پر جا رہے ہیں' جاؤ جلدی چینج کر کے آؤ۔"

اس نے زبردستی فائقہ کو اٹھا دیا پھر بیگم آفندی کو دیکھ کر قصداً مسکرایا تو وہ قدرے ناگواری سے بولیں۔ "تمہارا بی ہیویر میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"سوری ماما! میں پتہ نہیں کیوں گلٹی فیل کر رہا ہوں۔"

"وائے؟"

"آئی ڈونٹ نو۔ آپ فیل نہیں کریں اور پلیز اپنے کمرے میں جائیں۔"

وہ عاجزی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تو بیگم آفندی گہری سانس کے ساتھ بولیں۔

"پتہ نہیں تمہیں کیا ہو جاتا ہے؟"

"شاید سارا دن بے کار لیٹے لیٹے میں اکتا گیا ہوں۔"

"اور فائقہ......اسے کیا ہوا ہے؟" بیگم آفندی نے شاکی ہو کر پوچھا۔

"وہ ظاہر ہے' میری وجہ سے بلکہ میرے لیے پریشان ہے اور شاید اسے پریشان دیکھ کر ہی میں گلٹی فیل کر رہا ہوں۔" وہ جیسے ٹوٹ رہا تھا۔

بیگم آفندی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر پوچھنے لگیں۔

"تم آؤٹنگ پر جا رہے ہو؟"

"جی۔"

"اچھا۔ ہے کچھ فریش ہو جاؤ گے۔ کہاں ہے فائقہ' بلاؤ اسے......فائقہ......!" انہوں نے کہہ کر اونچی اسے پکارا تو وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر وہی کھڑی ہو گئی۔

"آؤ بیٹا! شیری تمہارے انتظار میں کھڑا ہے۔"

وہ ست روی سے شہریار کے قریب آ گئی۔

"چلیں....." شہریار نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر بیگم آفندی سے بولا۔ "ماما! کھانے پر انتظار نہیں کیجیے گا۔"

"پھر بھی جلدی لوٹ آنا۔"

"او کے۔" وہ اسی طرح اس کا ہاتھ تھامے ہوئے چلنے لگا کہ اچانک وہ پلٹ کر بیگم آفندی سے بولی تھی۔

"ماما! میں شیری کے ساتھ جاؤں گی۔"

"جا تو رہی ہو۔" بیگم آفندی نے ہنس کر کہا۔

"نہیں۔ میں لندن کی بات کر رہی ہوں۔"

اس کے اندر جیسے ابال اٹھ رہا تھا۔ جسے دبانے کی سعی میں اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

بیگم آفندی کی پیشانی پر ایک لحظہ کو لکیر ابھری تھی لیکن فوراً سنبھل کر نرمی سے بولیں۔

"چلی جانا بیٹا! لیکن ڈیلیوری کے بعد۔ ابھی تمہارے لیے سفر ٹھیک نہیں ہے۔"

"کون کہتا ہے سفر ٹھیک نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں' سفر کر سکتی ہوں اور اگر نقصان ہو گا بھی تو میرا۔ میں مر جاؤں گی یا میرے پیٹ میں بچہ' مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں بس شیری کے ساتھ جاؤں گی۔"

وہ اچانک بپھر گئی تھی۔

پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو شہریار جو اس کے اچانک بپھرنے سے غصے میں آیا تھا' رونے سے پریشان ہو گیا اور فوراً اسے کندھوں سے تھام لیا لیکن مخاطب بیگم آفندی سے ہوا تھا۔

"ماما! کیا ہو گیا ہے اسے؟"

بیگم آفندی نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا' ان کا غصہ انتہاؤں کو چھو رہا تھا جسے وہ شہریار کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لیے نہ صرف ہونٹ بھینچے بلکہ اس کی طرف سے رخ بھی موڑ گئیں۔

"فائقہ! فائقہ!" وہ اسے جھنجھوڑنے لگا۔

"میں کچھ نہیں جانتی' میں بس تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اس کی ابھی بھی وہی ضد تھی۔

"لے چلوں گا۔ بابا لے چلوں گا۔" وہ اسے رونے سے باز رکھنے کی خاطر فوراً بولا تو بیگم آفندی پلٹ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ماما پلیز! آپ منع نہ کریں۔" اس نے فوراً ان کی منت کر ڈالی۔

"میں اس کے بھلے کو منع کر دہی تھی۔ لیکن جب خود اسے اپنی پروا نہیں ہے تو....." بہت ضبط سے بیگم آفندی بس اسی قدر کہہ سکیں تو ہونہہ کے انداز میں سر جھٹک کر کمرے سے نکل گئیں۔

شہریار نے ان کے پیچھے دیکھا پھر روتی ہوئی فائقہ کو اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے تو اسے چھوڑ کر صوفے پر ڈھے گیا۔

"شیری....." وہ ایک دم رونا بھول کر اس کی طرف پلٹی تو وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"میں ٹھیک ہوں' بالکل ٹھیک۔"

وہ مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکی اور بس اسے دیکھے گئی تو وہ پھر جھنجھلا گیا۔

"میں نے کہا نا' میں ٹھیک ہوں یا تم مجھے ٹھیک نہیں دیکھنا چاہتیں؟"

"شیری!" وہ اس کے قدموں میں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ "تم اگر میری جگہ ہوتے تو بتاؤ' کیا مجھے اکیلا چھوڑ دیتے۔"

"اس طرح مت سوچو جان! میں کوئی پہلی بار نہیں جا رہا۔" شہریار کی عاجزی پر وہ مزید تڑپ گئی۔

"میں جانتی ہوں لیکن میں کیا کروں میرا دل نہیں مانتا۔"

"شروع میں ماما بھی ایسے ہی کرتی تھیں لیکن دیکھو اب وہ عادی ہو گئی ہیں' تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ گی۔" شہریار نے نرم پڑ کر کہا تو وہ بے اختیار بولی۔

"نہیں۔ مجھے ماما سے مت ملاؤ۔"

"کیوں......؟" اس نے ناگواری سے ٹوکا تو وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

"وہ......وہ بہت اسٹرونگ ہیں۔ میں ان کی طرح نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں نہیں ہو سکتیں' ہونا ہے تمہیں۔ میں چاہتا ہوں تم ماما کی طرح اسٹرونگ بنو۔" شہریار نے زور دے کر اپنے تئیں اسے اکسایا تھا۔

'اگر تم اس عورت کو جانتے تو ایسی خواہش کبھی نہ کرتے۔' اس نے دکھ سے سوچا اور اٹھنے لگی تھی کہ وہ اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر پوچھنے لگا۔

"سچ بتاؤ' تم میرے ساتھ جانے پر بضد کیوں ہو؟"

"پتہ نہیں۔" وہ جیسے اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"دیکھو جو بھی خدشہ ہے۔ کہہ ڈالو۔ کس بات سے خائف ہو؟" وہ اس کی ٹھوڑی چھو کر پوچھ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر گئیں جنہیں چھلکنے سے روکنے کی خاطر وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اصرار سے بولا۔

"بتاؤ فائقہ! تمہیں میری قسم' کیوں اتنی خائف ہو۔"

"میں......" وہ اس کی قسم سے مجبور ہو کر خود کو بولنے پر آمادہ کر کے کہنے لگی۔ "میں اپنے اندر کے سناٹوں سے خائف ہوں۔ اگر کوئی خدشہ' کوئی وہم ہوتا تو کسی طرح ان کا ازالہ ہو سکتا تھا لیکن یہ سناٹے جو دھیرے دھیرے میری روح میں اتر رہے ہیں' مجھے ان سے بہت ڈر لگ رہا ہے شیری! مجھ سے وعدہ کرو' تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

"بے وقوف......" وہ قصداً ذرا سا مسکرایا' پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بولا۔

"میں کب تمہیں چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن دیکھو' یہ تو پہلے سے طے تھا نا کہ میری زندگی......"

"بس آگے کچھ مت کہنا......" اس نے فوراً ٹوکا۔

"اوکے' میں کچھ نہیں کہتا لیکن تم اس حقیقت کو تسلیم کرو۔" وہ کہہ کر پھر اسے بہلانے لگا۔

"ویسے میرا ابھی مرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ ابھی مجھے اپنے بچے کو کھلانا ہے۔ پڑھانا ہے۔ اپنے برابر کرنا ہے' سمجھیں۔"

اس نے جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تو کچھ موتی رخساروں پر ڈھلک گئے جن سے نظریں چرا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو ماما سے سوری کریں۔ وہ ناراض ہو کر گئی ہیں۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر کمرے سے نکل آیا۔

بیگم آفندی لاؤنج ہی میں فون پر جانے کس سے بات کر رہی تھیں۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ان کے سامنے جا کھڑا ہوا تو بیگم آفندی ریسیور رکھ کر براہ راست فائقہ کو دیکھنے لگیں۔ ان کی نظروں میں ایسی چبھن تھی کہ اسے اپنا وجود چھلنی ہوتا محسوس ہوا۔ جبکہ شہریار کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ کانپنے لگا تھا۔

وہ اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر کے بیگم آفندی سے مخاطب ہوا۔

"ماما! فائقہ آپ سے سوری کرنے آئی ہے۔"

"فائقہ مجھ سے......" بیگم آفندی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں' نہیں بیٹا! سوری تو مجھے اس سے کرنی ہے۔ میں نے اس غریب بچی پر بہت ظلم کیا۔"

"ماما......!" شہریار ٹوکنا چاہتا تھا لیکن وہ ان سنی کر کے اپنی کہے گئیں۔

"مجھے معاف کر دو بیٹی! میں نے تمہاری غربت اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر تمہیں شیری سے

شادی پر مجبور کیا۔"

"نہیں......" اس کے پیروں تلے سے جیسے زمین کھسک گئی تھی۔ مزید شہریار نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور ایسا اس نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اچانک زلزلوں کی زد میں آ کر حواس کھو رہا تھا۔

"ماما! ماما کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں بیٹا۔" بیگم آفندی اس وقت یہ بھول گئیں کہ ان کا انکشاف ان کے بیٹے کی جان بھی لے سکتا ہے۔ انہیں صرف اس لڑکی سے اپنی تذلیل کا بدلہ لینا یاد تھا اور بس......خود پر مظلومیت طاری کر کے کہنے لگیں۔

"میں کیا کرتی بیٹا! تمہاری محبت سے مجبور تھی۔ تم اس لڑکی کو پسند کرتے تھے لیکن یہ اپنے کزن کیا نام ہے اس کا۔ ہاں عظام۔ اس کے ساتھ انوالو تھی۔ جب ہی اس نے تمہارا پروپوزل ریجیکٹ کر دیا تھا لیکن پھر وقت اسے میرے پاس لے آیا۔ اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔"

"بس کریں ماما! خدا کیلئے بس کریں۔" وہ ہاتھوں میں سر تھام کر چیخا تھا جبکہ فائقہ اپنی جگہ پتھر ہو چکی تھی۔ اگر سماعتوں پر بیگم آفندی کے الفاظ ہتھوڑے نہ برسا رہے ہوتے تو خود اسے اپنے مرنے کا یقین ہو جاتا۔

"پریشان کیوں ہوتے ہو بیٹا! میں نے تمہیں صرف اس لیے آگاہ کیا تاکہ تم اس سے ہوشیار رہو۔ یہ جو تمہارے ساتھ لندن جانے کی ضد کر رہی ہے تو اس میں ضرور اس کی......"

"ماما پلیز......!" وہ پھر چیخا تھا۔ "مت کریں ایسی باتیں' میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"میرا یقین مت کرو۔ اس سے پوچھو۔ یہ پیسوں کے عوض تم سے شادی پر آمادہ ہوئی تھی کہ نہیں۔" بیگم آفندی نے دانت پیس کر کہا تو وہ ایک ہی جست میں اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔

"فائقہ......فائقہ......! مجھے بتاؤ کیا یہ سچ ہے تمہیں میری قسم......؟"

اس کے بے حس وجود میں بس اتنی حرکت ہوئی تھی کہ نظریں بیگم آفندی سے ہٹ کر اس کے چہرے پر جا ٹھہریں تو وہ ٹوٹے لہجے میں بولا۔

"میں صرف ہاں یا ناں سننا چاہتا ہوں۔"

اس نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے ذرا سے ہونٹ کھولے تھے کہ بیگم آفندی بول پڑیں۔

"میرے پاس اس کا ایگریمنٹ موجود ہے۔"

"آپ خاموش رہیں ماما! فائقہ! تم بولو۔ ہاں یا ناں۔"

اور وہ اگر نہ کہنے جا رہی تھی تو ایگریمنٹ کا سن کر اس کا سر آپ ہی آپ جھک گیا' جس سے وہ بالکل ہی ٹوٹ گیا اور گرنے کو تھا کہ بیگم آفندی نے فوراً بڑھ کر اسے تھام لیا۔

"شیری! میری جان تم اپنی ماما کو کیوں بھول جاتے ہو۔"

"بس ماما! اب زندگی میں کچھ نہیں رہا۔" وہ اونچا پورا مرد رو رہا تھا۔ اس کے سرد وجود میں یکلخت بجلیاں دوڑ گئیں اس کی طرف گھوم کر چیخی تھی۔

"شیری...... شیری......! میری بات سنو۔"

"شٹ اپ......" بیگم آفندی اس سے زیادہ زور سے چیخیں اور شہر یار کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں لے گئیں اور دروازہ بند کرلیا تو اس نے بھاگ کر دروازہ دھکیلا لیکن وہ اندر سے لاک ہو چکا تھا۔

"شیری......!" وہ دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگی۔

"شیری ماما سچ کہہ رہی ہیں لیکن اس سے بڑا سچ یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم شیری میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میرا یقین کرو۔" وہ دروازے کو ہاتھوں اور پیشانی سے پیٹتے پیٹتے وہیں ڈھے گئی تھی۔

☆☆☆

"تم لیٹ جاؤ بیٹا!" بیگم آفندی نے شہر یار کو زبردستی لٹا دیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں لیکن اس کا ذہن اس بری طرح چیخ رہا تھا کہ اسے نرم انگلیوں کا لمس بھی ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔ کچھ دیر اس نے خود پر جبر کیا پھر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بس کریں ماما! اور پلیز' مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

"نہیں' میں اس وقت تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"میں سونا چاہتا ہوں۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم سو جاؤ' کوئی ٹینشن نہ لو۔" بیگم آفندی نے آہستہ سے اس کا گال تھپک کر کہا تو وہ دکھ سے بولا۔

"ٹینشن نہ لوں۔ ماما! میں تو لٹ گیا اور قصوروار آپ بھی ہیں۔ آپ نے میری محبت کی قیمت کیوں لگائی؟"

"میں کیا کرتی بیٹا! مجھ سے تمہاری بے بسی دیکھی نہیں جاتی تھی اور پھر تم بتاؤ' اپنی اب تک کی زندگی میں تم نے کسی چیز کی خواہش کی ہو اور میں نے پوری نہ کی ہو۔" بیگم آفندی اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتی تھیں۔

"چیزوں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے ماما!"

"آج کے مادی دور میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ انسان بھی چیزوں کے بھاؤ بکنے لگے ہیں۔"

"لیکن میری محبت......"

"تمہاری محبت کا کوئی مول نہیں۔" وہ فوراً بولی تھیں۔ "یہ صرف میں جانتی ہوں' تمہاری محبت انمول ہے۔ تم نے اس لڑکی کو ٹوٹ کر چاہا ہے۔"

"اس کا یہ صلہ......"

"بس بیٹا! محبتوں میں ایسے ہی دکھ ملتے ہیں۔ تم زیادہ مت سوچو۔ جوس لاؤں تمہارے لیے۔" بیگم آفندی نے اس کا دھیان بٹانے کی سعی کی لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"میرا دل نہیں مان رہا ماما! فائقہ میرے ساتھ محبت کی آنکھ مچولی کیسے کھیل گئی۔ وہ تو بہت نرم دل......"

"کوئی نرم دل نہیں۔" بیگم آفندی اندر ہی اندر تلملا کر کہنے لگیں۔ "اگر اس کے دل میں گداز ہوتا یا اس کے اندر انسانیت ہوتی تو جب میں نے تمہارا پرپوزل دیا تھا' اسی وقت ہامی بھر لیتی لیکن اس وقت نہ صرف اس نے انکار کیا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ میں اپنے بیمار بیٹے کیلئے اس جیسی کوئی لڑکی تلاش کروں جو چند دن کی مہمان ہو۔"

شہر یار نے ہونٹ بھینچ کر آنکھیں بند کرلیں۔ تو وہ کن انکھیوں سے دیکھ کر بولیں۔

"خدا نے اسے اسی غرور کی سزا دی جو وہ سوالی بن کر میرے ہی پاس آئی۔"

"اور آپ نے اسے خرید لیا۔"

"ہاں۔ یہ میری غلطی تھی اور اس کی سزا میں بھگت رہی ہوں۔" بیگم آفندی اعتراف کے ساتھ ہی پھر مظلوم بن گئیں۔ "روزانہ وہ مجھے دھمکاتی ہے کہ میں یہ کھیل ختم کر رہی ہوں اور میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ شیری کی محبت کو ٹھکرا کر مت جاؤ۔ ابھی جو یہ تمہارے ساتھ لندن جانے کی ضد کر رہی ہے تو جانتی ہوں' اس کا مقصد ہے۔ یہ وہاں جا کر تمہیں چھوڑ دے گی۔ پتہ نہیں اس نے کیا کیا پلان بنا رکھے ہیں۔"

"بس کریں ماما! میرا سر پھٹ رہا ہے۔" اس نے تکیہ کھینچ کر اپنے منہ پر رکھ لیا۔

"تم سو جاؤ بیٹا! سو جاؤ۔" بیگم آفندی پھر اس کا سر تھپکنے لگیں۔

"آپ ادھر آ جائیں' مجھے الجھن ہو رہی ہے اور ہاں لائٹ آف کر دیں۔" وہ ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا تو بیگم آفندی نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی۔ وہ کچھ دیر تکیے میں منہ دیئے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر گھبرا کر تکیہ دور پھینک دیا اور اٹھ کر لائٹ آن کر دی۔

"کیا ہوا بیٹا؟" بیگم آفندی فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"میں باہر جا رہا ہوں۔" اس نے کہہ کر دروازہ کھولا تو فرش پر فائقہ کو بے ہوش دیکھ کر وہ بے اختیار اس کے قریب گھٹنے ٹیک گیا۔

"اگر یہ تمہارے بچے کی ماں نہ بننے والی ہوتی تو میں اسی حالت میں اسے باہر پھنکوا دیتی۔" بیگم آفندی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اور بچے ہی کی وجہ سے مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے اسے کمرے میں پہنچا دو۔" وہ کچھ نہیں بولا۔ بہت خاموشی سے اسے بازوؤں میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا اور بیڈ پر لٹاتے ہوئے اس نے سنا' وہ بے ہوشی کی حالت میں بھی اسے ہی پکار رہی تھی۔

وہ سیدھا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پلکوں پر آنسو ٹھہر گئے تھے اور نیم وا ہونٹوں سے بس ایک ہی آواز نکل رہی تھی۔

"شیری! شیری......!"

"مار ڈالا تم نے شیری کو......" وہ انتہائی شکستہ قدموں سے باہر نکل آیا تھا۔

لاؤنج میں بیگم آفندی نے پوچھا بھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے لیکن اس نے سنا ہی نہیں تھا۔ اس کی سماعتوں میں شیری شیری کی پکار تھی جو ابھی تک گونج رہی تھی۔ ٹریفک کا شور بھی اس ہلکی سی پکار کا کچھ نہیں بگاڑ پا رہا تھا۔ آخر تھک کر اس نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور سٹیئرنگ پر پیشانی ٹکا کر رو پڑا۔

"اے اللہ! ایسا کیا گناہ ہوا مجھ سے جس کی یہ سزا دی تو نے۔ میری زندگی تیرے اختیار میں ہے۔ تو نے اسی وقت کیوں نہ چھین لی جب میری محبت کی قیمت لگائی گئی۔

یا اللہ! یہ دکھ میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ میں جی نہیں پاؤں گا میں اب نہیں جی پاؤں گا۔ اور جی کر کروں گا بھی کیا۔ ماتم......"

"شیری! مجھے لگتا ہے۔ تمہارا مجھ سے دل بھر گیا ہے اور اب تم آرام سے مر جانا چاہتے ہو۔" وہ اس کے اندر سے بولنے لگی تھی۔

"ہاں میں مر جانا چاہتا ہوں۔" وہ اس سے لڑنے لگا تھا کہ کندھے پر ہاتھ پڑنے سے چونک کر سٹیئرنگ سے سر اٹھایا اور رامش کو دیکھ کر فوراً چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" رامش نے پوچھا۔

وہ فوراً جواب نہیں دے سکا اور اپنے بازو سے چہرہ صاف کرنے لگا۔

"شیری......!" رامش کچھ ٹھٹکا پھر بھاگ کر دوسری طرف سے اس کے برابر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں......؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں۔ کوئی بات ہوئی ہے' بتاؤ بھابی سے جھگڑا ہوا ہے۔" وہ خاموش رہا تو رامش خود ہی اپنی بات کی نفی کرتا ہوا بولا۔

"بھابی تو جھگڑنے والی نہیں ہیں وہ بے چاری تو......"

"بس......" اس نے ہاتھ اٹھا کر رامش کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا تو وہ کچھ انتظار کے بعد پوچھنے لگا۔

"کیا بس......؟"

"جسے تم بے چاری کہہ رہے ہو وہ جھوٹی' بے ایمان' دھوکے باز ہے۔" وہ ضبط کرتے کرتے بھی پھٹ پڑا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں' اسے مجھ سے محبت نہیں ہے۔ صرف پیسے کی خاطر اس نے مجھ سے محبت کا ڈرامہ رچایا اور......" وہ دکھ اور نفرت سے بول رہا تھا کہ رامش نے ٹوک دیا۔

"نہیں یار......! تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر کسی نے بہکایا ہے تمہیں۔"

"میں نادان' ناسمجھ نہیں ہوں جو کسی کے بہکانے سے بہک جاؤں گا۔" اس کے اندر اچانک تنفر بھر گیا تھا۔

"پھر...... آئی مین...... تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ صرف پیسے کی خاطر......" رامش نے سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"بس ہو گیا معلوم......" اس نے کہا تو رامش کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

"حیرت ہے۔ صرف اس پر ہی نہیں تم پر بھی کہ اتنے قریب رہ کر محبت اور فریب میں فرق نہیں جان سکے۔ بہر حال جو کچھ تم نے کہا۔ اگر یہی سچ ہے تو انتہائی گھناؤنا اور میرے نزدیک اس کی معافی نہیں ہے۔"

"کیا سزا دوں اسے؟" اس کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے تھے۔

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"دل کی بات مت کرو۔ دل تو اب بھی اسے......" وہ ہونٹ بھینچ گیا۔

"ہوں......" رامش خاموش ہو کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ یوں جیسے وہ آیا ہی اسی مقصد سے

ہو۔ تیز رفتار گاڑیوں کی ہیڈلائٹس میں چمکتے پروانے' سائن بورڈ پر رنگ برنگے اشتہارات' وہ باقاعدہ گردن آگے پیچھے کرکے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں کہاں جانا ہے؟'' شہریار نے اس کی خاموشی سے اکتا کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''اے بھائی! چلامت دینا۔ میری گاڑی وہ کھڑی ہے۔''

''یہاں کہاں آئے تھے؟''

''میں یہاں کہیں نہیں آیا تھا' البتہ یہاں سے گزر رہا تھا۔ تمہاری گاڑی دیکھ کر رک گیا۔'' رامش نے بتایا تو وہ پوچھنے لگا۔

''اب کیا پروگرام ہے؟''

''گھر جاؤں گا لیکن تمہیں اس طرح چھوڑ کر جانے کو......''

''میں بالکل ٹھیک ہوں' میری فکر مت کرو۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''اچھا پھر میں چلوں' لیکن جانے سے پہلے ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔'' رامش نے ایک لحظہ رک کر اسے دیکھا پھر کہنے لگا۔

''دیکھو' محبت دل سے ہوتی ہے دماغ سے نہیں۔ اس لیے اس کے معاملے میں دل کی بات کو یکسر نظرانداز کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اپنے دل کی آواز ضرور سننا۔ اگر تم اپنی محبت میں سچے' ایماندار ہو تو تمہارا دل ضرور تمہاری رہنمائی کرے گا۔ خدا حافظ۔'' رامش اپنی بات ختم کرتے ہی اتر کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ کچھ دیر نا سمجھنے والے انداز میں اس کے پیچھے دیکھتا رہا پھر گو کہ اس نے سر کو جھٹکا دیا تھا لیکن چند لمحوں بعد ہی اس کی بات پر غور کرنے لگا تھا اور جب گھر آیا تو بیگم آفندی اس کے انتظار میں ٹہل رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی لپک کر اس کی طرف آئی تھیں۔

''کہاں چلے گئے تھے بیٹا؟''

وہ جواب دینے کے بجائے بالکل غیر ارادی طور پر پوچھ گیا۔

''فائقہ کو ہوش آیا؟''

''شیری!'' بیگم آفندی کسی طرح اپنی ناگواری نہیں چھپا سکیں اور پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر ٹوکا۔ ''تمہیں ابھی بھی اس کا خیال ہے۔''

''نہیں......'' وہ خود پر جھنجلا گیا پھر ان سے بولا۔ ''آپ کیوں اب تک جاگ رہی ہیں' جا کر سو

جائیں۔''

''میں تمہارے لیے......''

''مجھے کچھ نہیں ہوا ماما! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ جائیں اپنے کمرے میں۔'' وہ ہمیشہ ان کی آغوش میں پناہ لینے والا اچانک ان سے بھی اکھڑ رہا تھا۔

''چلی جاؤں گی۔ پہلے تم کھانا کھا لو......'' وہ اس کے اکھڑے انداز پر اندر ہی اندر متوحش ہو کر بولیں۔

''میں کھا آیا ہوں۔'' وہ کہہ کر زینہ چڑھنے لگا تو بیگم آفندی نے پھر ٹوکا۔

''وہاں کہاں جا رہے ہو؟''

''ماما......'' وہ زچ ہو کر ان کی طرف پلٹا تھا۔ ''کیا چاہتی ہیں آپ' اس لڑکی کے پاس جاؤں' جسے میں دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔''

بیگم آفندی ایک دم خاموش ہو گئیں جبکہ اندر اطمینان اتر آیا تھا۔

''میں لائبریری میں ہوں' نیند آئے گی تو وہیں سو بھی جاؤں گا۔'' وہ کہہ کر بقیہ سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔

☆☆☆

جب اسے ہوش آیا' وہ اپنے کمرے میں تھی اور کیونکہ بے ہوشی کی حالت میں بھی وہ شہریار کو پکارتی رہی تھی اس لیے ہوش آنے پر پہلا خیال اسی کا آیا تو وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اور کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ تب انتہائی مایوس اور دل گرفتہ سی ہو کر وہ رونے لگی اور کچھ سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔ بس یہی خیال تھا کہ اس نے شہریار کو کھو دیا ہے کیونکہ جس طرح وہ بیگم آفندی کی ہر بات مانتا اور انہیں اہمیت دیتا تھا اس سے وہ یہی سوچ سکتی تھی کہ وہ ان کی ہر بات کا یقین کر کے اس سے متنفر اور دور ہو گیا ہے۔

''تو میڈم آفندی نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔'' آنسوؤں کی روانی کے ساتھ اسے بیگم آفندی کی ایک ایک بات یاد آنے لگی تھی۔ اول روز انہوں نے کہا تھا۔

''اپنی اوقات مت بھولنا۔ میں جب چاہوں گی تمہیں شہریار کی نظروں میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دوں گی۔''

پھر اس تمام عرصے میں ہر بات میں انہوں نے اس کی نفی کر کے اپنی برتری جتائی تھی۔

یا اللہ! کتنی ظالم عورت ہے۔ میں اس سے کیا توقع رکھوں۔ اس نے تو اپنے بیٹے کا بھی خیال نہیں کیا۔ ان کے الزام نے اسے کتنا توڑ دیا۔ وہ اونچا پورا مرد رو رہا تھا۔

"شیری!" وہ اس کا رونا سوچ کر تڑپ گئی۔ "مجھے ہر ظلم، ہر الزام گوارا ہے لیکن میں تمہیں دکھ نہیں دے سکتی۔ تم اپنی محبت میں جتنے سچے ہو، میں اس سے زیادہ ایماندار۔ خدا گواہ ہے میں نے اپنے دل کی فقط ایک گلی جو خود مجھ سے بھی پوشیدہ ہے بجز اس کے باقی ہر گلی تمہیں سونپ دی ہے۔ کہ میرا یقین کرو گے۔ شیری۔ شیری......!"

وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔ پھر اسی طرح اسے پکارتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے سے جھانک کر دیکھا ہر سو سناٹے کا راج تھا۔

لاؤنج میں زیرو پاور کی مدھم روشنی سے اسے کافی رات گزرنے کا احساس ہوا تھا جبھی وہ مزید مایوسیوں میں گھر گئی اور قدم واپس موڑ کر دروازہ بند کرتے ہوئے زینے پر روشنی کی پتلی سی لکیر دیکھ کر وہ پہلے چونکی اور دوسرے پل شہریار کا خیال آتے ہی وہ بے آواز قدموں سے تقریباً بھاگتی ہوئی دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر اس دروازے تک آ کر رک گئی اور اپنی سانسیں ہموار کرنے کے بعد اندر داخل تو ہو گئی لیکن پھر آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

شہریار کی دروازے کی طرف پشت تھی اور گو کہ دروازہ کھلنے اور اس کے آنے کی کوئی آہٹ نہیں ابھری تھی پھر بھی وہ چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"کون......!"

"شیری......!" وہ چند قدم آگے بڑھی تھی کہ اس نے روک دیا۔

"وہیں رک جاؤ۔" ٹھہرا ہوا سرد لہجہ۔

وہ رک کر گڑگڑائی۔

"میری بات سنو۔"

"میں سچ سننا چاہتا ہوں۔ صرف سچ......" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا تھا۔

"نہیں سن سکو گے، بہت تلخ ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ......"

"شٹ اپ!" وہ دبے لہجے میں چیخا تھا۔ "تم کیا جانو میری بہتری کس بات میں ہے۔ تم اگر سچ نہیں کہہ سکتیں تو......"

"میں کہہ سکتی ہوں۔" وہ اس خیال سے فوراً بولی تھی کہ کہیں وہ اسے جانے کو نہ کہہ دے اور وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا تھا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"کہاں سے شروع کروں۔" اس نے کہہ کر چند لمحے سوچا پھر بولنا شروع ہوئی تو بولتی چلی گئی تھی۔

"تقریباً ایک سال پہلے میں نے جیلان انڈسٹری جوائن کی تھی تو پہلے مرحلے پر میں میڈم اندری سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ ان کی قابلیت، ہوشیاری، ہر بات مجھے اٹریکٹ کرتی تھی اور حقیقتاً میں انہیں آئیڈیلائز کرنے لگی تھی کہ اچانک ایک حادثے نے ان کا اصل روپ دکھا کر ان کی شخصیت مسخ کر دی۔

جیسا کہ ماما نے کہا کہ میں مجبور تھی، مجھے پیسے کی ضرورت تھی اور پیسوں کے عوض میں نے تم سے شادی کی تو یہ ہے تو سچ لیکن اس طرح نہیں ہوا تھا بلکہ ماما نے شرط رکھی تھی اور اس وقت جب ادھر میرے ابو ایکسیڈنٹ کے بعد ایمرجنسی میں پڑے تھے۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کیلئے بھاری فیس مانگی تھی اور میں ماما سے قرض لینے گئی تھی تو اس قرض کے عوض انہوں نے اس وقت مجھ سے ایک سادہ پیپر سائن کروایا تھا۔ ساتھ یہ کہا کہ جب میرے ابو ٹھیک ہو جائیں گے تب وہ اپنی شرط بتائیں گی اور میں اس وقت کچھ سوچ سمجھ نہیں سکتی تھی کیونکہ میرے پیش نظر صرف اور صرف ابو کی زندگی تھی۔ اس دوران اگر مجھے سادہ پیپر کا خیال آیا بھی تو میں نے یہی سوچا کہ ابو کیلئے میں اپنی زندگی کی قربانی کیا نیلامی بھی لکھ کر دے سکتی تھی اور میں کیا میری جگہ دنیا کی کوئی بھی بیٹی ہوتی وہ اپنے باپ کیلئے یہی کرتی۔ بہر حال اللہ کے فضل سے ابو ٹھیک ہو گئے۔ اس کے بعد میں ماما کے پاس گئی تھی ان کی شرط معلوم کرنے۔ تب انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتا کر کہا تھا کہ میں تم سے شادی کروں، پھر بچہ......اور وہ بچہ صرف ماما کا ہوگا جبکہ میں اس گھر میں تمہاری زندگی تک رہ سکتی ہوں۔ اس کے بعد بچہ ماما کے حوالے کر کے میں......" اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ آواز بھی ساتھ چھوڑ گئی۔

اور وہ جو اس کی طرف پیٹھ موڑے بہت خاموشی سے سن رہا تھا۔ اپنی جگہ سن ہو گیا تھا۔

کچھ دیر خود کو سہارا دینے کے بعد وہ پھر گویا ہوئی۔

"لیکن یہ ماما کا حکم نہیں تھا۔ یعنی اپنی شرط بتانے کے بعد انہوں نے اختیار مجھے دے کر کہا تھا کہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ میں چاہوں تو مان لوں یا صاف منع کر دوں اور میں چاہتی تو منع کر سکتی تھی لیکن پہلے مقام پر میں نے احسان مندی سے مغلوب ہو کر ہامی بھری تھی پھر ماما کے اشاروں پر تمہاری طرف پیش رفت کی لیکن خدا گواہ ہے میں نے تم سے محبت کا اظہار اس وقت کیا تھا جب میرے دل نے تمہیں اپنا مان کر یہ عہد کر لیا کہ تم ہی وہ شخص ہو جس کی رفاقت ایک لمحے کی ہو یا ایک صدی کی، میرے لیے بس یہی زندگی ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں......" وہ خاموش ہوئی تو گویا کائنات کی گردش تھم گئی تھی۔

کتنے لمحے سرک گئے۔

وہ دھندلائی آنکھوں میں امید لیے کھڑی تھی لیکن ادھر ہنوز سناٹا تھا۔

"شیری!" وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی اور آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس کی طرف دیکھے بغیر چند قدم آگے چلا گیا۔ تو وہ پھر گڑگڑائی۔

"شیری...... امیرا یقین کرو۔ میں نے تم سے سچ بولا ہے۔"

شہریار قدرے رک کر دھیرے دھیرے اس کی طرف پلٹا اور بغور اسے دیکھنے لگا تو اس نے جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"شیری میں......"

شہریار نے قریب آ کر اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا پھر پوچھنے لگا۔

"میرے بعد کیا کرو گی۔ بچے کو ماما کے حوالے کر کے خود یہاں سے چلی جاؤ گی۔"

"ہیں......" وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے پھر بھی آنکھیں اچانک پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"بتاؤ...... کیا سچ مچ ایسا ہی کرو گی۔" شہریار نے اصرار کیا تو وہ سر جھکا کر بولی۔

"ماما ایسا ہی چاہتی ہیں۔"

"اور تم......؟"

"میری بات مت کرو۔ میں نے اپنا سب کچھ تمہاری محبت میں ہار دیا' تم نہیں شیری' تو کچھ نہیں......" اس کے لہجے میں تڑپا دینے والا دکھ تھا جسے وہ بمشکل نظر انداز کر سکا۔

"باقی ماندہ حیات کا سفر کیسے کاٹو گی تنہا؟"

"تنہا کیوں' تمہارے سنگ بیتا ہر پل زادِ راہ ہے۔" وہ کہہ کر رو پڑی۔ "تم ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہو شیری! زندگی کی باتیں کرو۔ خدا سے زندگی مانگو' اپنے لیے نہیں تو میرے لیے' اپنے بچے کیلئے۔"

"اب کیا مانگوں' سب کچھ تو یہاں طے ہو چکا اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" اس کا درد لہجے میں سمٹ آیا تھا۔ چند ثانیے ہونٹ بھینچ کر اس نے خود پر قابو پایا پھر کہنے لگا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ ابھی پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"نہیں شیری!"

"پلیز......" وہ عاجزی سے ٹوک کر کہنے لگا۔ "تم جاؤ اور دیکھو ابھی ماما کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تمہاری مجھ سے بات ہوئی ہے۔ جاؤ پلیز' اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر اس طرف آئیں' تم چلی

جاؤ۔"

وہ اس کی عاجزی پر کٹ کر رہ گئی اور جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

"شیری! تمہیں میری سچائی پر شبہ تو نہیں ہے نا۔"

"ابھی میں کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ کہہ کر رخ موڑ گیا تو ناچار وہ اس کے پاس سے چلی آئی تھی۔

☆☆☆

رابعہ نے کسی ضرورت یا مجبوری کے تحت ماڈلنگ کا نہیں سوچا تھا بلکہ اس کا مقصد صرف ڈاکٹر عفان کو پریشان کرنا اور اکسانا تھا کیونکہ وہ ان سے مصالحت نہیں چاہتی تھی اور خود سے علیحدگی کی بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی' اس لیے اس نے ایسا سوچ لیا تھا کہ اس کے ماڈلنگ کرنے سے ڈاکٹر عفان پہلے مشتعل پھر یقیناً متنفر ہو کر خود ہی اسے طلاق دے دیں گے تو یوں وہ خود پر الزام بھی نہیں آنے دے گی اور اس کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ یوں اس نے باقاعدہ پلاننگ کے تحت ماڈلنگ کا املہ کر لیا۔ تو سب سے پہلے اسے فائقہ یاد آئی کیونکہ وہ اپنی ہر بات پہلے اسی سے کہتی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس کے گھر تو کیا جاتی' اسے خود سے فون بھی نہیں کرتی تھی۔ دوپہر تک انتظار کرتی رہی کہ شاید اس کا فون آ جائے پھر مایوس ہو کر اسے گالیاں دینے لگی تو سوہنی پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا باجی! کسے برا بھلا کہہ رہی ہیں؟"

"فائقہ کو......" وہ اسی روانی میں بولی تھی۔

"کیوں...... انہوں نے کیا کیا ہے؟" سوہنی نے تعجب کے ساتھ ناگواری کا اظہار بھی کیا۔

"فون نہیں کیا۔ صبح سے انتظار کر رہی ہوں۔" پھر ایک دم اچھل کر بولی۔ "چلو ذرا تم اس کا نمبر ملاؤ تو...... مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"تو آپ خود کر لیں۔" سوہنی کا اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"نہیں' تم چلو......" وہ زبردستی سوہنی کو اٹھا کر ٹیلی فون کے پاس لے آئی اور ریسیور اٹھا کر اسے نمبر ڈائل کرنے کو کہا تو سوہنی نے محض جان چھڑانے کو فوراً نمبر ڈائل کر دیئے۔

"اب تم جاؤ۔" اس نے سوہنی کا ہاتھ چھوڑ کر ریسیور کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی۔ کتنی دیر بعد جیسے بے دلی سے ریسیور اٹھایا گیا تھا۔ پھر فائقہ کی کمزور سی آواز آئی۔

"ہیلو......"

"کہاں مر گئی تھی؟" اس نے فائقہ کی آواز سنتے ہی غصے سے کہا۔

"کون رابعہ!" ادھر اس نے تصدیق چاہی' ادھر یہ تنک کر بولی۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ فون میں نے نہیں سوہنی نے کیا ہے۔"

"کیسی ہو؟ امی ابو کیسے ہیں؟" فائقہ کے لہجے کی مایوسی اور حسرت اس نے محسوس ہی نہیں کی اور اپنی دھن میں بولی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتاؤ......"

"میں ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں جاب کیلئے گئی تھی اور وہاں پتہ ہے کیا ہوا؟ انٹرویو کے بعد انہوں نے مجھے ماڈلنگ کی آفر کر دی جو اس وقت تو مجھے ناگوار گزری تھی لیکن اب سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ضرور کروں گی۔" اسے یقین تھا کہ فائقہ نہ صرف اختلاف بلکہ اسے روکنے کی بھرپور کوشش کرے گی لیکن اس کے برعکس ادھر سے بہت دھیما جواب آیا تھا۔

"اچھا......"

"ہائیں......" وہ متعجب ہوئی۔ "تم نے اعتراض نہیں کیا' نہ ہی دادی بن کر مجھے سمجھانے کی کوشش......"

"فضول ہے۔" افسردگی سے کہا گیا تو اس بار وہ کچھ ٹھٹکی تھی۔

"سنو تم ٹھیک تو ہو۔"

ادھر خاموشی چھا گئی۔

"فائقہ! بتاؤ نا کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس نے تیز ہو کر پکارا تب بھی مختصر جواب آیا تھا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے' کیا تمہاری ساس سر پر کھڑی ہے؟" اس نے اچانک خیال آنے پر پوچھا۔

"نہیں......"

"اور شہریار......وہ کہاں ہیں؟" وہ جلدی جلدی سوال کر کے اصل بات تک پہنچنا چاہتی تھی۔

"آفس......"

"پھر تم ایسے بات کیوں کر رہی ہو' ڈر کر۔"

"نہیں تو......"

"اچھا آؤ گی کب؟ اتنے دن ہو گئے۔" وہ جرح کرنے لگی۔

"آؤں گی۔" ادھر وہی اختصار تھا۔

"کل آ جاؤ۔"

"کل نہیں......کل شیری لندن جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آؤں گی۔"

"اچھی بات ہے' پرسوں آ جانا۔ میں انتظار کروں گی۔" اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع تو کر دیا لیکن مطمئن نہیں ہوئی۔ جیسے ہمیشہ اسے یقین ہو جاتا تھا کہ جو اس نے کہا ہے وہی ہو گا۔ تو اب ایسا نہیں لگ رہا تھا۔ جب ہی کچھ دیر وہیں کھڑی اس تمام گفتگو کو سوچتی رہی پھر سیدھی امی کے پاس آ کر پوچھنے لگی۔

"امی! فائقہ کو آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں۔"

"فائقہ کو......!" امی سوچنے لگیں تو وہ جھنجلا کر بولی۔

"آپ تو دن گننے بیٹھ گئیں۔ ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے نا۔"

"پھر......؟"

"پھر یہ کہ آپ کو اس کی خیر خیریت معلوم کر لینی چاہیے' مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہی۔" اس نے کہا تو امی پریشان ہو گئیں۔

"تمہیں کیسے پتہ......؟"

"ابھی فون کیا تھا اسے' ڈری سہمی ہوئی آواز......یوں لگ رہا تھا جیسے ساس اس کے گلے پر چھری رکھے کھڑی ہوں۔" اس نے کہا تو امی فوراً بولیں۔

"اس کی ساس ایسی نہیں ہے۔"

"بات سنیں امی! میرے ساتھ جو ہوا سو ہوا۔ اگر خدانخواستہ فائقہ کے ساتھ کچھ برا ہوا تو میں زمین آسمان ایک کر دوں گی۔" وہ یکدم غصے میں آ کر چیخی تھی۔

"یا اللہ! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ جا کر اس کی خبر لیں۔ وہ خود سے کبھی کچھ نہیں بتائے گی۔" وہ امی کو پریشان چھوڑ کر پیر پٹختی ہوئی ان کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

اس کا دل اگر فائقہ کو جھٹلانے پر آمادہ نہیں تھا تو ذہن اس حقیقت کو بھی تسلیم نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کی ماں کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ فائقہ کے جانے کے بعد اس نے ہر بات کو بار بار سوچا تھا اور اتنا ہی الجھتا گیا تھا اور چونکہ یہ طے تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک ہی سچ ہو سکتا ہے اس لیے وہ زیادہ پریشان ہو گیا تھا کہ دونوں ہی اسے بے حد عزیز تھیں۔ ایک دل تو دوسری جان۔ وہ کس کا خون کرے۔ آخر بہت تھک کر اس نے فیصلہ وقت پر چھوڑتے ہوئے اپنے رب سے بہت عاجزی سے التجا کی تھی کہ جو بھی حقیقت ہے اس پر واضح کر دے۔ اس کے بعد وہ بہت رویا تھا کیونکہ اندر سے بہت خوفزدہ تھا۔ اس کے باوجود ایک خیال کی گرفت میں جو طے تھی کہ فائقہ کا کیا

ہوگا اور صرف اس کی سکیورٹی کا سوچ کر ہی وہ اس وقت اپنے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی کے پاس آیا تھا۔

"آہا..... شہریار۔ آؤ' آؤ کیسے آنا ہوا؟" ابرار قریشی نے اسے دیکھ کر خوشی کے اظہار کے ساتھ کہا تو وہ مسکراتا بولا۔

"آپ سے ملنے کو دل چاہا' آ گیا۔"

"ماشاءاللہ۔ آؤ بیٹھو۔ بیگم صاحبہ کیسی ہیں؟" ابرار قریشی اپنی چیئر چھوڑ کر اس کے پاس آ گئے تھے اور اس کا مصافحے کیلئے بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے بیگم آفندی کے بارے میں پوچھا تو اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوگئی تھی۔

"ٹھیک ہیں۔"

"اور تمہاری مسز....."

"ٹھیک ہے وہ بھی۔ میں اس کیلئے بہت پریشان ہوں۔" وہ اندر سے اتنا ڈسٹرب تھا کہ فوراً ہی اصل بات کی طرف آ گیا۔

"خیریت کیا پریشانی ہے۔؟" ابرار قریشی ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"پریشانی....." اس نے چند لمحے توقف کیا پھر کہنے لگا۔ "آپ تو جانتے ہیں۔ میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔"

"یہاں کوئی بھی اپنی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا بیٹا!" ابرار قریشی نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میرا معاملہ اور ہے اور میں اس پر بحث نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اگر آپ سہولت سے میری بات سن لیں تو میں آپ کا ممنون ہوں گا۔" اس نے کہا تو ابرار قریشی اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت....."

"یہ سب چھوڑیں ابرار صاحب! بس آپ میری بات سنیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر کہنے لگا۔

"میں کل لندن جا رہا ہوں اور گو کہ پہلی بار نہیں جا رہا ہمیشہ کی طرح میں پرامید بھی نہیں ہوں۔"

"مایوس بھی نہیں ہونا چاہئے تمہیں بلکہ مجھے تمہاری مایوسی پر حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہو رہا ہے۔ تم ماشاءاللہ اتنے باہمت....."

"ابرار صاحب پلیز....." وہ عاجزی سے ٹوک کر بولا۔ "آپ مجھ سے یہ باتیں نہیں کریں۔"

"چلو تم اپنی کہو۔ کیا چاہتے ہو۔" ابرار قریشی نے کہہ کر یوں نشست کا انداز بدلا جیسے اب وہ صرف اس کی سنیں گے اور وہ قدرے رک کر کہنے لگا۔

"ایسا ہے ابرار صاحب! کہ میری بیوی' میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اور یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے بعد میری ہر شے کا وارث میرا بچہ ہوگا لیکن اسے بڑا ہونے میں ظاہر ہے بہت وقت لگے گا اور میں چاہتا ہوں اس سے پہلے میں نگران اپنی بیوی کو بنا دوں اور اسپیشلی یہ گھر' آفندی لاج میں اپنے بیوی بچوں کے نام کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت میں آپ کے پاس اسی کام سے آیا ہوں کہ آپ فوراً یہ کاغذات تیار کر لیں اور کل رات سے پہلے مجھ سے سب سائن کروا لیں۔" وہ اپنی بات ختم کر کے انہیں دیکھنے لگا تو ابرار قریشی نظریں چرا کر جانے کیا سوچنے لگے تھے۔

"میں جانتا ہوں۔ وقت بہت کم ہے لیکن یہ بہت ضروری ہے۔" اس نے جو سمجھا اسی حساب سے کہا تو ابرار قریشی نے چونک کر اسے دیکھا پھر بلاارادہ نفی میں سر ہلانے لگے۔

"آپ کوشش تو کریں۔ کل کا پورا دن ہے آپ کے پاس۔"

"نہیں بیٹا! یہ ناممکن ہے۔" ان کے صاف جواب پر اس نے جرح کی۔

"کیوں..... کیوں ناممکن ہے؟"

"کیونکہ آفندی لاج تمہاری ملکیت نہیں ہے نہ ہی بیگم صاحبہ کی۔" انہوں نے کہا تو اسے نہ صرف بہت عجیب سا لگا بلکہ ہرٹ بھی ہوا تھا جب ہی کچھ دیر خاموش رہا پھر بس اسی قدر پوچھا تھا۔

"پھر.....؟"

"پھر اب میں تمہیں کیا بتاؤں ایسا کرو تم لندن سے آ جاؤ اس کے بعد....."

"میں لندن نہیں جا رہا۔" وہ اچانک ٹھنک کر حتمی انداز میں بولا تھا۔ "آپ جو بھی بات ہے ابھی بتائیں۔"

"تم بتاؤ' کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" ابرار قریشی نے پہلوتہی کرتے ہوئے پوچھا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر سوچتے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے جو مجھ سے چھپائی جا رہی ہے۔ کیوں ابرار صاحب؟"

"نہیں نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ابرار قریشی نے اسے تسلی دی تو وہ سوچنے کے بعد پوچھنے لگا۔

"ڈیڈی کی تمام پراپرٹی میں میرا کیا ہے جسے میں فائقہ کے نام کر سکوں۔"

ابرار قریشی نے فوری جواب سے بچنے کی خاطر اٹھ کر الماری کھولی اور اس میں سے تلاش کر کے ایک فائل نکال کر دوبارہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں بولے تھے۔

"اکیلے تمہارا کچھ بھی نہیں ہے شہریار اور شراکت میں سب کچھ تمہارا ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے الجھ کر دیکھا تو ابرار قریشی وضاحت کرتے ہوئے بولے۔

"جیلانی صاحب نے اپنی آخری وصیت میں بیٹی کا حصہ الگ کر کے باقی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد تم دونوں بھائیوں کے نام لکھوائی تھی۔"

"بھائیوں......" وہ مزید الجھا۔

"ہاں' شاید تمہیں بیگم صاحبہ نے جیلان صاحب کی پہلی بیوی اور بچوں کے بارے میں بتا ہو۔"

"جی جی......" اس نے فوراً اعتراف کیا تو ابرار قریشی کہنے لگے۔

"میں ان ہی کی بات کر رہا ہوں' اسفندیار تمہارا بڑا بھائی ہے اور ہر شے میں تمہارا حصہ دار' اگر تم کوئی چیز بیچنا یا کسی کے نام کرنا چاہو گے تو اس کیلئے تمہیں پہلے اسفندیار سے طے کرنا ہو گا کہ آیا وہ تمہارے حق میں دستبردار ہو رہا ہے یا تم سے اس کی قیمت وصول کرے گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہوں......" وہ کتنی دیر پرسوچ انداز میں سر ہلاتا رہا۔ پھر اچانک یاد آنے پر کہنے لگا۔

"لیکن ابرار صاحب! میں نے تو سنا تھا کہ وہ آئی مین۔ ڈیڈی کی فرسٹ وائف اور بچے کسی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے تھے۔"

"یہ بات خود جیلان صاحب نے پھیلائی تھی لیکن ایسا ہوا نہیں تھا۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ پھر الجھ گیا۔

"کیوں......؟ ڈیڈی نے ایسا کیوں کیا؟"

"جیلان صاحب نے ایسا کیوں کیا؟" ابرار قریشی اسے دیکھے گئے' جانے کیا جاننا چاہتے تھے جبکہ وہ ان کی نظروں سے الجھن محسوس کرنے لگا تھا۔ آخر عاجز آ کر بولا۔

"ابرار صاحب! آپ کیوں میری برداشت کا امتحان لے رہے ہیں۔ صاف بات کیوں نہیں کرتے۔"

"میں دیکھ رہا ہوں' تم میں کتنا حوصلہ ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"بہت......بہت حوصلہ ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" ابرار قریشی نے فائل کھول کر ایک لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھا کر کہنے لگے۔

صرف اس "یہ تمہارے ڈیڈی کی تحریر ہے۔ تمہارے نام' اسی دن کیلئے انہوں نے میرے پاس امانت رکھی اور کہا تھا کہ جب تم مجھ سے پراپرٹی اور ان کے بیوی بچوں کے بارے میں سوال کرو' تب یہ میں تمہیں دے دوں۔"

اس نے لفافہ تھام لیا لیکن حیران نظریں ابرار قریشی پر تھیں۔

"تم یہ دیکھو' میں ابھی آتا ہوں۔" ابرار قریشی نے اس کا کندھا تھپکا پھر اٹھ کر باہر چلے گئے تو اس کی نظریں لفافے پر آن ٹھہریں۔

"ڈیڈی......!" ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ ہی اس کے احساسات جاگنے لگے تھے۔ دل کبھی پوری قوت سے دھڑکنے لگتا اور کبھی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا محسوس ہوتا اور جب اس نے لفافہ چاک کیا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جانے خوشی تھی یا خوف......وہ خود نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"شہریار! میرے بچے!" وہ یہیں پر ہی اٹک گیا تھا کیونکہ آنکھیں اچانک پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ پھر یوں لگا جیسے ڈیڈی اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہوں۔ پوری شدتوں سے انہیں محسوس کرتے ہوئے اس نے صوفے کی بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کتنے لمحے سرک گئے۔ مدتوں بعد اس ہستی نے اسے پکارا تھا جس کی شفقتوں کیلئے اگر وہ ترسا نہیں تھا تو سوچا ضرور تھا۔ اس کا دل اچانک اس آغوش میں بیٹھنے کو مچلنے لگا تھا جس نے جانے کس احساس میں گھر کر اسے پکارا تھا۔

"شہریار! میرے بچے......!"

اور اس احساس کو چھونے کیلئے ہی اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ پھر اس کی نظریں تحریر پر پھسلتی چلی گئیں اور اسی رفتار سے اس کا دل ڈوب رہا تھا۔

جیلان آفندی نے اس وقت سے شروع کیا تھا جب انہوں نے اس کی ماں صاعقہ بیگم سے شادی کی تھی۔ پھر اس کی تمام چالیں جو اس نے زینب اور بچوں کے خلاف چلیں اس کے بعد لکھا تھا۔

"میں تمہاری ماں کا یقین کر کے اپنی بیوی زینب سے متنفر ہو چکا تھا کہ ایک دن اچانک مجھے زینب کا خط ملا جس میں اس نے اپنے گھر چھوڑنے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا تھا کہ تمہاری ماں نے اس کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا جس سے وہ اتنی خوفزدہ ہوئی کہ اسی وقت بچوں کو لے کر نکل گئی تھی۔ اسے مجھ پر بھی بھروسا نہیں رہا تھا۔ بہرحال میں نے اس معاملے میں تمہاری ماں سے کوئی باز پرس نہیں کی اور نہ ہی اس پر یہ ظاہر ہونے دیا کہ میں حقیقت سے واقف ہو چکا ہوں کیونکہ میرا خیال تھا کہ میں زینب کو تلاش کر لوں گا اور پھر اچانک اسے تمہاری ماں کے سامنے لے آؤں گا لیکن جانے خدا کو کیا منظور تھا کہ اس کی تلاش میں میری ہر کوشش ناکام ہو گئی اور اتنا ہی میں ٹوٹتا چلا گیا۔

جانے میرے بچے کس حال میں ہوں گے۔ انہیں کوئی پناہ گاہ میسر ہو گی کہ نہیں۔ ہر پل مجرمانہ احساس میں گھر کر میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا تھا۔ میرا دل چاہتا کہ میں صاعقہ بیگم کو عبرت ناک سزا دوں لیکن پھر مجھے تمہارا خیال آتا۔ بچے کو بنانے اور بگاڑنے میں سب سے اہم کردار اس کی ماں کا ہوتا ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری شخصیت مسخ ہو۔ اس لیے میں نے تمہاری ماں کی پردہ پوشی کر کے ہر پوچھنے والے سے یہ کہہ دیا کہ زینب ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی ہے لیکن اب میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا کیونکہ تمہاری ماں انتہائی خود غرض اور بے رحم عورت ہے اور یاد رکھنا بیٹا' ایسی عورت اپنے مفاد کیلئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ کبھی تمہارے ساتھ کوئی گیم کھیلے۔ اگر ایسا ہو تو زینب کی طرح خاموشی سے راہ فرار اختیار کر لینا۔ اس کے مقابل ڈٹ مت جانا کیونکہ یہ بہت خطرناک عورت ہے۔"

اس سے آگے اور بھی بہت کچھ لکھا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ایسی چبھن' ایسی دھند چھائی تھی کہ بار بار آنکھیں جھپکنے کے بعد بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس میں مزید پڑھنے کا یارا بھی نہیں تھا۔ بہت نڈھال سا اس نے پھر صوفے کی بیک پر سر رکھا تو جہاں آنکھوں میں ٹھہرا پانی کناروں سے چھلکا وہاں ہونٹوں نے بے اختیار اسی کو پکارا تھا جس کے خلاف دل میں نفرتوں کا آتش فشاں پھٹنے کو تیار تھا۔"

"ماما......!"

"ماما......! ماما......!" جیسے معصوم بچہ ہر تکلیف میں ماں کو پکارتا ہے' وہ بھی ویسے ہی ورد کر رہا تھا لیکن اندر درد اتنا تھا کہ...... ٹھہر کے نہیں دے رہا تھا بلکہ مزید بڑھتا جا رہا تھا اور اسی حساب سے آنسو جبکہ ذہن میں آندھیوں کا شور تھا' شائیں شائیں کی چنگھاڑتی ہوئی آوازوں میں اچانک ایک چیخ ابھری تھی۔

"شیری! اس سے بڑا سچ یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم شیری! میں تم سے محبت کرتی ہوں۔"

اس کے ورد کرتے ہونٹ یکلخت ایک دوسرے میں مدغم ہو کر رہ گئے تھے۔

"یاد رکھنا بیٹا! ایسی عورت اپنے مفاد کیلئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔" ایک اور آواز ابھری تھی اور پھر دونوں آوازیں گڈمڈ ہونے لگیں۔

"ابو کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ میں اس وقت کچھ سوچ سمجھ نہیں سکتی تھی۔ ماما نے شرط رکھ کر مجھ سے سادہ پیپر سائن کروایا تھا۔"

"خدا نہ کرے کہ یہ کبھی تمہارے ساتھ کوئی گیم کھیلے' اگر ایسا ہو تو خاموشی سے راہ فرار اختیار

کرنا۔ اس کے مقابل ڈٹ مت جانا کیونکہ یہ بہت خطرناک عورت ہے۔"

"خطرناک عورت...... خطرناک عورت۔" اس کا سر پھٹنے لگا تھا۔

"یا اللہ......" اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"الٰہی مجھے چھپا لے۔ میں اب کسی کو منہ نہیں دکھا سکتا۔ بے خبری میں میں کیسے سر اٹھا کے جیا۔ کیا تھا جو اس بے خبری میں مر جاتا۔ اب تو ہر پل عذاب ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ ساری حقیقت دنیا کے سامنے آئے۔ مجھے چھپا لے۔ مجھے چھپا لے۔"

وہ شدت سے رو رہا تھا۔ تب ہی ابرار قریشی آ گئے اور شاید صورتحال ان کیلئے غیر متوقع نہیں تھی۔ اس لیے چونکے نہ ٹھٹکے اس کے برعکس خاموشی سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر غالباً اس کا رونا برداشت نہیں ہوا تھا جب ہی بے اختیار اس کا کندھا ہلا ڈالا۔

"بس کر دو بیٹا۔ بہادر بنو۔ تمہیں ابھی بہت لڑنا ہے۔"

"کس کیلئے؟" ضبط کی کوشش میں اس کی آواز پھٹ گئی تھی۔

"اپنے لیے' اپنی بیوی اور بچے کیلئے۔ لو پانی پیو۔" انہوں نے گلاس بھر کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا تو وہ ایک گھونٹ بمشکل حلق سے اتار سکا۔

"بس ابرار صاحب۔" وہ گلاس پرے دھکیل کر ہاتھوں سے چہرہ صاف کرنے لگا' وہ چاہ رہا تھا کہ فوراً یہاں سے اٹھ کر چلا جائے لیکن اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی۔ سارا جسم بے جان ہو رہا تھا۔ مزید اس خیال سے نڈھال ہو رہا تھا کہ ابرار قریشی سب جانتے ہیں۔ اس کی ماں کے بارے میں کہ وہ کیسی عورت ہے اور اس عورت کا بیٹا ہونے پر جتنا اسے فخر تھا اب اسی قدر ندامت ہو رہی تھی۔

"آئی ایم سوری بیٹا!" ابرار قریشی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔ "میں فوری طور پر تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ کوشش کروں گا کہ اسفند یار پراپرٹی تقسیم کرنے پر آمادہ ہو جائے تب پھر اپنے حصے میں سے تم جو چاہے اپنی بیوی کے نام کر دینا۔"

اس نے بے دھیانی میں ان کی بات سنی تھی لیکن پھر اچانک اسفند یار کے نام پر چونکا تھا اور انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اسفند یار؟"

"تمہارا بھائی۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگا۔

"آپ جانتے ہیں انہیں۔ آئی مین کہاں ہیں وہ؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے۔" انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"پھر آپ کیسے رابطہ کریں گے ان سے؟"

"وہ خود فون کرتا ہے کبھی کبھی اور صرف مجھے ہی نہیں بیگم صاحبہ کو بھی۔ ابھی چار روز پہلے اس کا فون آیا تھا۔"

"کیا۔ کیا کہہ رہے تھے؟" اس کی بے تابی پر ابرار قریشی ذرا سا مسکرا کر بولے۔

"وہ بھی تمہارے بارے میں اسی طرح پوچھتا ہے۔"

"کیا کہہ رہے تھے وہ؟" اس نے ان سنی کر کے اپنی بات دہرائی تو ابرار قریشی مایوں سے بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں کی۔ ہمیشہ یہی کہتا ہے میں جلدی آؤں گا اور میں نے اس کا اتا پتہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ٹال جاتا ہے۔"

"یہیں اسی شہر میں ہیں؟" اس نے پھر پوچھا۔

"نہیں......" وہ مختصر جواب دے کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ ان کی تقلید کرتا ہوا بولا۔

"میں چلتا ہوں ابرار صاحب۔"

"اچھا۔ پھر کل تو تم لندن جا رہے ہو۔"

"شاید......" وہ اسی قدر کہہ کر باہر نکل آیا لیکن پھر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔ گھر جانا چاہتا تھا لیکن اب وہ خود میں فائقہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ جب ہی مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا ہوا جانے کس ویرانے میں نکل گیا تھا۔

☆☆☆

بیگم آفندی اس خیال سے آفس چھوڑ کر گھر آئی تھیں کہ کہیں فائقہ کو ان کے خلاف کچھ کہنے کا موقع نہ مل جائے لیکن آگے شہریار موجود ہی نہیں تھا اور فائقہ اپنے کمرے میں تھی۔ انہوں نے پہلے رشید سے شہریار کے بارے میں پوچھا پھر فائقہ کے پاس چلی آئیں۔

وہ بیڈ پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔

"شہریار کہاں ہے؟" ان کا پوچھنا تھا کہ فائقہ کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی۔

"میں پوچھ رہی ہوں شیری کہاں ہے؟" وہ اس کے رونے سے مزید غصے میں آ گئیں۔

"پتہ نہیں۔ میں نے انہیں نہیں دیکھا۔" وہ گھٹنوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

"تم سے کچھ کہہ کر نہیں گیا؟"

"نہیں۔"

"پھر رو کیوں رہی ہو؟" ان کے تیز کاٹ دار لہجے پر وہ بھی تلملا گئی۔

"اپنی قسمت پر اور آپ کے ظلم پر۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"مجھے یہی کرنا تھا۔ بہت پر پرزے نکل آئے تھے تمہارے۔ شہریار کی بیوی بن کر کیا سمجھ لیا تم نے کہ اب میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کس زعم میں تھیں تم بتاؤ۔"

"مجھے کوئی زعم نہیں لیکن آپ جس زعم میں ہیں وہ ایک دن آپ کو تباہ کر دے گا۔" اس کے سے جواب دینے پر بیگم آفندی چیخی تھیں۔

"شٹ اپ۔"

اس نے ہونٹ بھینچ کر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔

"ہونہہ۔" بیگم آفندی پیر پٹختی ہوئی اس کے کمرے سے نکل آئیں تو جہاں انہیں یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ شہریار فائقہ کے پاس نہیں آیا وہاں یہ فکر کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ صبح ان کے ساتھ آفس گیا تھا۔ اس کے بعد انہیں نہیں معلوم کہ وہ کب وہاں سے نکلا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے طاہر صاحب نے جب انہیں بتایا کہ شہریار اپنے آفس میں نہیں ہے تب وہ نہ صرف ٹھٹکیں بلکہ اسی وقت آفس چھوڑ کر آ گئی تھیں لیکن وہ یہاں بھی نہیں تھا۔

"کہاں چلا گیا۔" انہوں نے سوچتے ہوئے پہلے فیکٹری پھر رامش کو فون کیا اور دونوں طرف سے مایوس ہو کر ٹہلنے لگیں۔ ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے ان کا ذہن بھی چکرانے لگا تھا اور پر تھک کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھیں کہ فائقہ کی امی اور بہن کو آتے دیکھ کر انہیں پہلا خیال یہی آیا کہ فائقہ نے انہیں بلایا ہو گا اور اس خیال کے ساتھ اور بہت سی باتیں ایک لمحے میں سوچ کر ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" امی کے ساتھ سوہنی نے بھی انہیں سلام کیا جسے وہ یکسر نظر انداز کر کے پوچھنے لگیں۔

"کیسے آنا ہوا؟"

"بہت دنوں سے فائقہ نہیں آئی تو میں نے سوچا میں ہی اس کی خیر خیریت معلوم کر آؤں۔" امی نے کہا تو وہ خشک انداز سے بولیں۔

"فون کر لیتیں۔"

"کیا تھا۔ رابعہ نے کیا تھا۔" امی یوں بھی ان سے مرعوب تھیں جبھی وہ بوکھلا گئیں۔

"پھر......؟" عجیب کھوجتا ہوا انداز تھا۔ سوہنی کو بہت برا لگا۔

"آنٹی! فائقہ آپی کہاں ہیں؟"

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ شیری کے ساتھ باہر گئی ہے اور میں بھی ایک میٹنگ میں جا رہی ہوں۔"

بیگم آفندی نے فوراً ہی ایک طرح سے انہیں جانے کا نوٹس دے دیا۔

"چلیں امی......" سوہنی نے بمجبوراً امی سے کہا تو وہ یوں دیکھنے لگیں جیسے ابھی تو آئے ہیں۔

"آپی پتہ نہیں کب آئیں گی' چلیں پھر آ جایئے گا۔"

"اچھا......" امی نے بیگم آفندی کو دیکھا کہ شاید وہ رکنے کو کہیں گی لیکن وہ بڑے آرام سے بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ فائقہ آئے گی تو میں اس سے فون کروا دوں گی۔"

"ہاں۔ بہت دن ہو گئے۔" امی کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ سوہنی انہیں کھینچتی ہوئی لے گئی۔

بیگم آفندی نے گلاس وال سے انہیں گیٹ تک دیکھا پھر اپنے کمرے میں آ گئیں اور شہریار کو سوچتے ہوئے پھر متفکر ہو گئیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں بتائے بغیر کہاں چلا گیا۔ کتنی دیر وہ اس کی لاپروائی پر کڑھتی رہیں پھر دھیان بٹانے کی خاطر میگزین اٹھا لیا لیکن بار بار ان کی نظریں وال کلاک پر جا ٹھہرتیں۔

سہ پہر ڈھلی پھر شام اور جب اجالوں کا سفر تمام ہوا تب وہ آیا تو اسے دیکھ کر سچ مچ ان کا دل دہل گیا تھا۔ ہمیشہ سلیقے سے جمے بالوں میں جانے کہاں کہاں کی دھول اٹی تھی۔ آنکھوں میں وحشت اور قدموں میں شکستگی۔

"کہاں چلے گئے تھے بیٹا؟" بیگم آفندی نے بے تابی سے بڑھ کر اسے تھاما تھا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ بہت آہستگی سے ان کے ہاتھ ہٹا کر صوفے پر ڈھے گیا تو وہ مزید پریشان ہو گئیں۔

"شیری۔ شیری بیٹا! تم ٹھیک تو ہو ناں۔"

"ہوں۔"

"یہ کیا حال ہو رہا ہے تمہارا۔ کہاں سے آ رہے ہو؟" انہوں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ شاید میں خود کو ڈھونڈنے نکلا تھا لیکن بہت دیر ہو گئی۔ لمبا سفر بے خبری میں کٹ گیا اور یہ دو چار قدم......" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بے ربط بولنے لگا تھا۔

"میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں۔" بیگم آفندی گھبرا کر جانے لگیں کہ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں ماما! مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں۔ بس آپ میرے پاس بیٹھ جائیں۔"

"میں تمہارے پاس ہوں بیٹا۔" وہ فوراً بیٹھ گئیں اور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں تو وہ ان کی پریشانی سمجھ کر دکھ سے مسکرایا۔ پھر صوفے کی بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"شیری! میرے کمرے میں چلو بیٹا۔ آرام سے لیٹ جانا۔" انہوں نے کہہ کر اس کا بازو ہلایا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا پھر قدرے توقف سے خود ہی کہنے لگا۔

"مجھے لگتا ہے ماما! ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ کوئی گناہ جس کی پاداش میں خدا نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہ میں نے کب' کہاں' کس کے ساتھ زیادتی کی۔ شاید انجانے میں کسی کا دل دکھایا ہو یا کسی کو اس کے حق سے محروم کیا ہو تو ایسے میں میں کیا کروں۔ کیسے تلافی کروں کہ میرے لیے آسانی ہو۔"

بیگم آفندی کو اچانک اپنے وجود پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں جس سے ان کے اندر بے چینی پھیل گئی تھی۔

"بتائیں ناں ماما۔" اس کے اصرار پر وہ چونک کر بولیں۔

"نہیں نہیں بیٹا! ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم سے کوئی گناہ نہیں ہوا۔"

"پھر آپ...... آپ سوچیں ماما! شاید کہیں کوتاہی' کوئی زیادتی یا ظلم۔" اس نے پلکوں کی جھریوں میں سے انہیں دیکھتے ہوئے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ چیخ کر بولیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں کیوں کسی پر ظلم' زیادتی کرنے لگی' چلو اٹھو' جا کر شاور لو اور پتہ نہیں فائقہ نے تمہاری پیکنگ کی ہے کہ نہیں کل تمہیں جانا ہے یاد ہے ناں۔"

"ہوں......" وہ اثبات میں سر ہلاتا گیا تھا' غالباً ذہن حاضر نہیں تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں' میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔" انہوں نے کہا تو اس کا ہلتا ہوا سر رک گیا پھر انہیں دیکھ کر بولا۔

"نہیں ماما! آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم یوں مایوس نظر آؤ گے تو میں ضرور جاؤں گی۔"

"میں مایوس نہیں ہوں۔ بس ذرا تھک گیا ہوں۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"شاور لے لو۔ میں جب تک کھانا لگواتی ہوں اور ہاں فائقہ کو لے آؤ۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا اس نے۔ بے وقوف۔ ایسی حالت میں پتہ نہیں کیسے بھوکی پیاسی بیٹھی ہے۔" انہوں نے ایسا انداز اختیار کیا جیسے انہیں فائقہ کی بہت فکر اور اس سے ہمدردی ہو۔

اس نے حیران ہو کر دیکھا تو مزید گویا ہوئیں۔

"یہ اس کیلئے نقصان دہ ہے بیٹا! جاؤ اسے سمجھاؤ لیکن آرام سے' محبت سے۔"

"بس کریں ماما کوئی ضرورت نہیں اس کی فکر کرنے کی۔" وہ ان کے رنگ بدلنے سے چڑ گیا تھا۔ پھر انہیں اطمینان دے کر اپنے کمرے میں چلا گیا تو ہمیشہ کی طرح بیگم آفندی فاتحانہ انداز میں مسکرائی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ فائقہ کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو بیگم آفندی یوں بن گئیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو اور پہلے کی طرح فائقہ کو کھانے کی تاکید کے ساتھ ہر چیز اٹھا اٹھا کر اس کے سامنے رکھتی گئیں۔

وہ بظاہر انجان بنا رہا لیکن اندر ہی اندر خاصا جز بز ہو رہا تھا اور چونکہ اس کی رگوں میں جیلان آفندی کا خون دوڑ رہا تھا تو جیسے انہوں نے سب جاننے کے بعد بھی بیوی پر کچھ نہیں جتایا تھا۔ اسی طرح وہ بھی سوچ چکا تھا کہ اپنی ماں پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دے گا جبکہ ان کا بناوٹی انداز اسے بری طرح کھل رہا تھا۔ جب برداشت سے باہر ہونے لگا تب وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور ٹی وی آن کر کے نظریں اس پر جما دیں۔

کچھ دیر بعد فائقہ آئی تو چند لمحے اس کے متوجہ ہونے کا انتظار کیا پھر وارڈ روب سے بیگ نکال کر پوچھنے لگی۔

"شیری! تمہارا بیگ تیار کر دوں۔"

"ہیں۔" وہ چونک کر پوچھنے لگا۔ "کچھ کہا تم نے؟"

"یہ بیگ یا سوٹ کیس لے جاؤ گے؟" اس نے بیگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"کہاں......؟" اس کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا جب ہی سمجھا نہیں۔

"لندن۔ کل تم جا رہے ہو ناں؟"

"ہاں۔ نہیں میں ابھی نہیں جا رہا بلکہ شاید کبھی نہیں۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے قریب جا کر باہر دیکھنے لگا۔

"شیری!" وہ اس کے قریب آ کر بولی۔ "تمہیں ٹریٹ منٹ کیلئے جانا ہے۔ اس میں کوتاہی مت کرو۔"

"میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ تم پریشان مت ہو۔"

"کیسے نہ ہوں۔ تم جان بوجھ کر۔"

"اوں ہوں۔" وہ اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا۔ "ایسا نہیں ہے' میرا ابھی مرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ گو کہ زندگی نے بہت دکھ دیئے ہیں۔ بہت مایوس کیا ہے پھر بھی ابھی میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ دعا کرو اتنی مہلت مل جائے کہ میں اپنے بھائی بہن کو تلاش کر سکوں۔"

"بھائی بہن۔" وہ ایک لحظہ کو حیران ہوئی لیکن پھر فوراً ہی اسفندیار کا خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"تم جانتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" اب وہ حیران ہوا تھا۔ "تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے تم سب جانتی ہو۔"

"سب تو نہیں لیکن اسفندیار......" وہ خاموش ہو کر سوچنے لگی کہ آیا اسے بتانا چاہیے یا نہیں۔

"ہاں اسفندیار۔ تم جانتی ہو انہیں؟ بتاؤ۔" وہ بے تاب ہو کر اسے جھنجوڑنے لگا تو وہ اس کی کلائیاں تھام کر بولی۔

"آرام سے۔"

"سوری۔ آؤ یہاں بیٹھو......" وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر پوچھنے لگا۔ "کیسے جانتی ہو اسفندیار کو......؟"

"جانتی نہیں ہوں۔ بس ایک بار ان کا فون اٹینڈ کیا تھا اور انہوں نے ہی بتایا تھا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔" وہ بتا کر مجرم سی بن گئی کیونکہ اس کا اگلا سوال جانتی تھی اور اس نے وہی پوچھا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟"

"میں بتانا چاہتی تھی اسی روز۔ لیکن تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ پریشانی میں میں سب بھول گئی۔ ابھی تم نے کہا تو یاد آیا۔" وہ ایمانداری سے کہہ رہی تھی اور وہ یقین کر کے پوچھنے لگا۔

"کیا باتیں ہوئی تھیں تمہاری اسفندیار سے؟"

"باتیں! نہیں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ اصل میں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ مسلسل مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں پھر انہوں نے دوبارہ فون کرنے کو کہا تھا لیکن ابھی تک تو نہیں کیا یا شاید میں اٹینڈ نہیں کر سکی۔" وہ بہت سنبھل کر اصل بات چھپا گئی تھی کیونکہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔

شہریار نے گہری سانس کھینچتے ہوئے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا لیے پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"پتہ نہیں کہاں ہیں وہ۔ کاش میں ان تک پہنچ سکوں۔"

وہ قصداً خاموش رہی تھی۔

"سنو۔" خاصی تاخیر سے وہ اسے متوجہ کر کے کہنے لگا۔ "دوبارہ کبھی ان سے بات ہو تو کہنا وہ فوراً یہاں آ جائیں یا اپنا پتہ دیں۔ میں خود انہیں لے آؤں گا لیکن میں۔ پتہ نہیں زندگی......" وہ مایوس نظر آنے لگا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"شیری! زندہ رہنا چاہو گے تو زندگی ملے گی ناں۔ تم تو خود زندگی سے بھاگ رہے ہو۔"

”میں کیا کروں۔ میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے ہر شے سے۔ بس ایک تم ہو۔ تمہاری رفاقت میں برسہا برس جینے کی آرزو تھی، وہ بھی دم توڑ رہی ہے کیونکہ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ کچھ نہیں ہے میرے پاس بالکل تہی دست ہوں۔“

”میں کب تم سے کچھ مانگ رہی ہوں۔ کچھ نہیں چاہیے مجھے، بس تم ساتھ ہو۔“ وہ اس کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے رو پڑی تو اپنی ہتھیلیوں پر اس کے آنسو شمار کرتے کرتے اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

”خدا نہ کرے کہ یہ عورت تمہارے ساتھ کوئی گیم کھیلے۔ اگر ایسا ہو تو خاموشی سے راہ فرار اختیار کرنا۔ اس کے سامنے ڈٹ مت جانا کہ یہ بہت خطرناک عورت ہے۔“

’راہ فرار......‘ اس نے دکھ سے سوچا۔ ’زندگی سے فرار۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ میں دنیا کا سامنا نہیں کر سکتا۔ آج نہیں تو کل جب اسفندیار آ کر ماما کو بے نقاب کریں گے تو......‘

”اُف نہیں۔“ وہ گھبرا کر اپنے ہاتھ کھینچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔ بہت مضطرب اور عاجز نظر آ رہا تھا۔

”شیری! تم کیوں اتنے پریشان ہو؟ کوئی ایسی بات تو نہیں ہوئی جسے تم نے خود پر طاری کر لیا ہے۔“ وہ بہت ہمت کر کے اس کے مقابل کھڑی ہو گئی تھی۔

”ہاں، کوئی ایسی بات تو نہیں ہوئی۔ ماما نے اگر تمہارے سامنے کوئی شرط رکھی تو یہ ان کی مجبوری تھی۔ پھر انہوں نے اختیار بھی تمہیں سونپ دیا تھا اور تم نے میری محبت میں ہار کر ہامی بھری تھی۔ ہے ناں؟“ وہ اس پر جتا نہیں رہا تھا بلکہ خود کو بہلا رہا تھا۔

”ہاں......“ اس نے فوراً تائید کی۔

”بس اتنی سی بات۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔“ اس نے کہا پھر ایک دم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ”ماما کو معاف کر دو میری خاطر۔“

”شیری!“ وہ تڑپ گئی۔ ”کیسی باتیں کرتے ہو۔“

”ماما کو معاف کر دو پلیز اور پھر یہاں سے دور چلی جاؤ، بڑی ماں کی طرح۔“ وہ شاید حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

”نہیں شیری! میں کہیں نہیں جاؤں گی۔“ وہ پھر رونے لگی۔

”سنو، سنو، روؤ مت۔ میری بات سنو۔“ وہ اسے جھنجھوڑنے لگا۔ ”یہاں میرا کچھ نہیں ہے۔ میں خود اپنے حق سے دستبردار ہو کر سب کچھ اسفندیار کو سونپ رہا ہوں۔ محرومیوں میں پلنے والے وہ میرے بھائی بہن، سب کچھ ان کا ہے۔ میرے بعد تم کوئی دعویٰ مت کرنا۔ سمجھیں۔“

”نہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔ تم خدا کے لیے ایسی باتیں مت کرو۔“ وہ اور شدت سے رونے لگی۔

”اوگاڈ۔“ وہ اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور بالوں میں انگلیاں پھنسا کر کتنی دیر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر جا کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔

”بس کرو یار! کتنا روؤ گی۔“

اس نے گھبرا کر ہاتھ نیچے گرا دیئے کیونکہ اس کی آواز دور سے سنائی دی تھی۔ پھر اسے آنکھیں بند کرتے دیکھ کر قریب چلی آئی۔

”سو رہے ہو؟“

”ہاں۔ لائٹ آف کر دو۔“ اس نے کہا تو وہ لائٹ آف کر کے کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر زیرو پاور کا مدھم بلب روشن کر کے اپنی جگہ پر آ لیٹی اور اس کی طرف کروٹ لے کر بولی۔

”شیری! ہم اچھی اچھی باتیں بھی تو کر سکتے ہیں۔“

”نہیں میں اب کوئی بات نہیں کروں گا۔“ وہ روٹھے لہجے میں بولا تھا۔

”کیوں؟“

”تم رونے لگتی ہو۔“

”اب نہیں روؤں گی۔“ وہ فوراً بولی۔

”وعدہ۔“

”پکا وعدہ۔“

وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ آنسوؤں سے دھل کر اس کا چہرہ نکھر آیا تھا پلکیں ابھی بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پلکوں کی ساری نمی اپنی انگلیوں پر سمیٹ لی اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

”تم پتہ ہے، کیسی لگ رہی ہو۔“

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”جیسے بارش کے بعد آسمان۔“

”اچھا۔“ وہ ذرا سا مسکرائی تو وہ اس کی مسکراہٹ میں کھو کر پوچھنے لگا۔

”تمہیں یاد ہے۔ میں نے تمہارے کمپیوٹر پر ایک نظم لکھی تھی۔“

”ہاں، لیکن نظم یاد نہیں ہے۔“ وہ ان دنوں کو سوچتے ہوئے بولی۔

”مجھے یاد ہے۔ اس کا عنوان تھا ”فریب“ سنو گی۔“

"ہوں۔" وہ ایسے ہی سوچتے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگی تو وہ گہری سانس کھینچنے کے بعد گویا ہوا تھا۔

مجھے خبر تھی
کہ بادِ صبا کے جھونکے کو
میں اپنی سانسوں میں کچھ دیر روک سکتا ہوں
گلوں کی خوشبو بھی کچھ پل ہی ساتھ دے گی مرا
وہ نغمہ جو کہ سماعت میں رس بکھیرتا ہے
رہے گا اس کا بھی آہنگ
بس گھڑی کی گھڑی
رہِ حیات میں اس روشنی کا رنگیں خمار
بس اگلے موڑ پہ مجھ سے بچھڑنے والا ہے
مری تمام مسافت رہے گی لاحاصل
میں جانتا تھا
میں جانتا تھا مگر کسی کو کیا بتلاتا
اس عارضی سے تعلق میں کتنا جیون تھا
اور اس فریب میں کتنا سکون پنہاں تھا

وہ آخر میں داد طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو وہ افسردگی سے مسکرائی پھر پوچھنے لگی۔

"اور کیا کیا یاد ہے تمہیں؟"

"تمہارا جہاز، جسے تم بہت اونچا اڑانا چاہتی تھیں اور دیکھو، میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکا۔" وہ افسوس سے بولا تو وہ ہنس پڑی۔

"ارے تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے میں نے تم سے باقاعدہ فرمائش کی ہو کہ مجھے جہاز لا کر دو میں اڑاؤں گی۔"

"پھر بھی مجھے افسوس ہے۔"

"خیر چھوڑو اور بتاؤ۔"

"اور سب کچھ، تمہارے سنگ بیتا ہر پل ہر لمحہ یادگار ہے۔ اول روز جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تب سے اب تک میں کچھ بھی نہیں بھولا۔" اس کی آنکھوں میں ان سارے لمحوں کا عکس جھلملانے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"شیری! ایک بات مانو گے؟"

"نہیں۔ اب کچھ مت کہنا۔" اس نے پہلے صاف منع کیا پھر اس کی آزردگی کا خیال کر کے کہنے لگا۔ "میرا مطلب ہے، ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔ باقی باتیں صبح کریں گے اور میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔ ٹھیک۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو مسکرا کر بولا۔

"شب بخیر۔"

❁❁❁

ابو دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے بالکل سیدھے لیٹے تھے۔

امی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کمرے میں آئیں تو انہیں دیکھ کر ایک لمحہ کو ٹھٹکیں پھر فوراً آگے بڑھ کر پوچھنے لگیں۔

"سو گئے کیا؟"

"نہیں۔" ابو نے آنکھیں کھولیں پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور چشمے کی تلاش میں ادھر اُدھر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔ "پتہ نہیں کیا بات ہے نیند آتی ہے پھر آنکھ کھل جاتی ہے۔"

"کتنے دنوں سے میرا بھی یہی حال ہے۔ اللہ خیر کرے۔" امی نے بیٹھتے ہوئے کہا تو ابو چونک کر بولے۔

"وہم مت کیا کرو۔"

"آج میں فائقہ کی طرف گئی تھی۔ سوہنی کے ساتھ۔" امی نے ان سنی کر کے بتایا۔

"خیریت سے ہے وہ اور شہریار!" ابو چشمہ لگا کر پوری طرح متوجہ ہو گئے تھے۔

"پتہ نہیں۔ ملے ہی نہیں وہ دونوں فائقہ کی ساس تھی۔ وہ بھی آفس جا رہی تھیں، جب ہی ہم کھڑے کھڑے واپس آ گئے۔"

"ان سے پوچھا تو ہو گا بچوں کا۔"

"ہاں بتا رہی تھیں۔ ٹھیک ہیں، لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔ فائقہ سے مل لیتی تو تسلی ہو جاتی۔"

امی نے تشویش سے کہا تو ابو ناراضی سے بولے۔

"فون کر کے جانے میں کیا قباحت تھی۔ اتنی دور گئیں بھی اور یونہی چلی آئیں۔"

"فون کیا تھا رابعہ نے اور اس کی فائقہ سے بات بھی ہوئی تھی پھر رابعہ ہی نے مجھے زبردستی بھیجا کہ فائقہ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ جا کر دیکھ آؤں لیکن آگے وہ تھی ہی نہیں۔ پتہ نہیں دونوں میاں بیوی کہاں نکل گئے تھے۔ اور ہاں کل شہریار لندن جا رہا ہے۔" امی نے ساری بات بتا کر آخر میں اطلاع دی تو وہ پوچھنے لگے۔

"تمہیں کیسے پتہ؟"

"فائقہ نے بتایا تھا رابعہ کو۔ اس لیے میں شام تک دونوں کی راہ دیکھتی رہی لیکن....." امی کی ناراضی پر وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے۔

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ بڑے لوگوں کا لندن جانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ہم صدر جائیں تو کیا ہر بار وہ جانے سے پہلے باقاعدہ ہم سے ملنے آئیں گے۔"

"میں یہ نہیں کہتی لیکن انہیں یہ تو معلوم ہوا ہو گا کہ میں ان کے ہاں گئی تھی پھر کیا ان کا فرض نہیں بنتا تھا آ کر پوچھ جائیں۔" امی کی بات ٹھیک تھی جب ہی ابو تائید کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بیگم صاحبہ انہیں بتانا بھول گئی ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے ایسا ہی ہو گا ورنہ وہ دونوں ضرور آتے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہی تھی لیکن رابعہ نہیں مانتی۔ صبح سے لڑ رہی ہے مجھ سے اور ایک طرح سے وہ ٹھیک ہی ہے۔ اسے بھی تو شہریار کی ماں نے لوٹا دیا تھا۔"

امی متضاد کیفیات میں گھر کر جھنجھلا رہی تھیں۔

"کیا مطلب۔ رابعہ کب گئی تھی؟" ابو نے چونک کر پوچھا تو وہ سر جھٹک کر بولیں۔

"اسی سے پوچھیں اور سمجھائیں بھی۔ اپنی طرف سے پتہ نہیں کیا کیا کہتی رہتی ہے۔"

"تم اس کی باتوں کا برا نہیں مانو۔ اصل میں وہ خود پریشان ہے۔" ابو رابعہ کی حمایت میں بولے تھے۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے بھی پریشان کرے۔ خود زبردستی مجھے فائقہ کے ہاں بھیجا پھر کہتی ہے بیگم آفندی نے کھڑے کھڑے نکال دیا۔ کوئی دین ایمان ہے اس کا۔"

"اچھا بس۔ میں سمجھاتا ہوں اسے اور دیکھو تم کچھ مت بولنا۔"

ابو کہتے ہوئے اٹھ کر دروازے تک گئے اور وہیں سے پکار کر واپس آ کر بیٹھے تھے کہ رابعہ آ گئی۔

"جی ابو!"

"آؤ بیٹھو بیٹا!" انہوں نے اپنے برابر اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ امی کو دیکھتی ہوئی ان کے پاس آ بیٹھی۔

"جی.....!"

"تم نے آج فائقہ کو فون کیا تھا؟" ابو نے بہت نرمی سے پوچھا۔

"جی۔"

"کیسی ہے وہ؟" ابو نے پوچھا تو جواب میں وہ شروع ہو گئی۔

"مجھے وہ ٹھیک نہیں لگی۔ بہت کمزور آواز تھی اس کی۔ ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہی تھی اور شاید رو

بھی رہی تھی۔ جب ہی میں نے امی کو بھیجا لیکن آگے اس کی ساس نے اس سے ملنے ہی نہیں دیا۔"

"وہ گھر پر ہوتی تو ملنے دیتیں۔" ابو نے زور دے کر کہا تو وہ چڑ کر بولی۔

"بس آپ بھی یہی سمجھتے رہیں۔"

"اور تم کیا سمجھتی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس کے روٹھے لہجے پر ابو ذرا سا مسکرائے پھر سمجھاتے ہوئے کہنے لگے۔

"دیکھو بیٹا! فائقہ جذباتی، نادان بچی نہیں ہے۔ ماشاء اللہ سمجھ دار ہے۔ اور اگر خدانخواستہ اسے کوئی گھریلو مسئلہ درپیش ہے تو ہمیں اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ جب تک وہ خود اپنے منہ سے نہ کہے۔"

"وہ کبھی بھی نہیں کہے گی۔ آپ کیا اسے جانتے نہیں۔" وہ ابھی بھی ناراضی سے بولی۔

"جانتا ہوں اور یہ بھی کہ وہ مسائل سے لڑنا جانتی ہے۔" ابو نے یقین سے کہا۔

"اس کے ساتھ وہ بزدل بھی ہے۔"

"نہیں۔ یہ محض تمہارا خیال ہے۔ فائقہ بزدل نہیں ہے۔ بہت بہادر ہے۔ اس کی خاموشی میں طاقت ہے۔ تسخیر کر لیتی ہے۔ میں جانتا ہوں، بیگم آفندی جیسی عورت کے ساتھ رہنا آسان نہیں ہے لیکن مجھے اپنی بیٹی پر بھروسہ ہے۔ دیکھنا وہ ایک دن اس عورت کو بھی تسخیر کر لے گی۔" ابو نے کہا تو وہ اچھل کر بولی۔

"دیکھا۔ آپ خود بیگم آفندی کو برا کہہ رہے ہیں۔"

"میں برا نہیں کہہ رہا۔ وہ غیر معمولی عورت ہے۔" ابو نے تصحیح کی تو وہ پھر چڑ گئی۔

"کچھ بھی کہیں مجھے وہ بہت خطرناک لگتی ہیں اور میرا خیال ہے انہوں نے فائقہ کو قید کر رکھا ہے جب ہی وہ آتی ہے نہ فون کرتی ہے اور یہاں سے کوئی جائے تو اس سے ملنے بھی نہیں دیا جاتا۔"

"چلو، صبح میں آفس جاتے ہوئے پہلے وہیں جاؤں گا۔" ابو نے اس کا کندھا تھپک کر تسلی دی پھر پوچھنے لگے۔

"تم بھی چلو گی؟"

"نہیں۔ مجھے اس غیر معمولی عورت کے گھر جانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس کے طنز پر ابو مسکرا کر بولے۔

"وہ گھر تمہاری بہن کا بھی ہے۔"

"ہوگا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لائٹ آف کر دینا بیٹا۔" ابو چشمہ اتارتے ہوئے بولے۔ "اور ذرا ٹائم بتا دینا۔"

"ایک بج رہا ہے۔" اس نے ابو کی ریسٹ واچ دیکھ کر ٹائم بتایا پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل گئی تو امی کہنے لگیں۔

"سن لیں آپ نے اس کی باتیں۔"

"نادان ہے۔" ابو اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئے۔ تو امی یہی سمجھیں کہ انہیں نیند آ رہی ہے جب ہی مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے لیٹ گئیں۔

"سنو۔" کتنی دیر بعد ابو نے بہت آہستہ سے پکارا کہ اگر وہ جاگ رہی ہوں گی تو سن لیں گی ورنہ ان کی نیند خراب نہ ہو۔ لیکن ادھر جیسے وہ منتظر تھیں وہ فوراً جواب دیا۔

"ہاں۔"

"اپنا فون تو ٹھیک ہے ناں؟"

"ہاں کیوں۔ اس وقت کسے کرنا ہے۔" امی نے الجھ کر کہا۔

"صبح میں فائقہ کے ہاں ضرور جاؤں گا۔ پتہ نہیں کیسی طبیعت ہے اس کی۔" ابو ان کا سوال نظر انداز کر کے بولے تھے۔

"اللہ اچھا رکھے۔ مجھے بھی اس کی فکر ہو رہی ہے۔"

"اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ میں صبح جاؤں گا۔" ابو کہتے ہوئے کروٹ بدل گئے تو سناٹے میں امی کی سانسیں ہلکا ہلکا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ ناشتے کے لیے شہریار کے ساتھ کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ اچانک ایک خیال کے تحت اسے روک کر کہنے لگی۔

"شیری! رات تم نے کہا تھا کہ صبح میری ہر بات مانو گے اور صبح ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔ بولو کیا منوانا چاہتی ہو؟" اس کے ہونٹوں پر بڑی تھکی ہوئی مسکراہٹ آئی تھی۔

"زیادہ کچھ نہیں۔ بس یہ کہ آج تم لندن ضرور جاؤ گے۔" اس نے کہا تو وہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

"چلا جاؤں گا۔"

"تھینک یو۔ باقی باتیں جب تم لندن سے آؤ گے تب منواؤں گی۔"

"ابھی کہہ دو۔"

"اوں ہوں۔ ابھی ماما ناشتے پر انتظار کر رہی ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے بولی اور ڈائننگ روم میں داخل ہو کر دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا۔ تو بیگم آفندی سر کے اشارے سے

جواب دے کر بولیں۔

"جلدی آؤ۔ بہت دیر کرتے ہو تم لوگ......"

"سوری ماما! آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" شہریار نے معذرت کی پھر پہلے اس کے لیے چیئر کھینچی اس کے بعد خود بیٹھا تھا۔

بیگم آفندی نے رات کی طرح ابھی بھی ایک ایک چیز اٹھا کر فائقہ کے سامنے رکھتے ہوئے کھانے پر اصرار کیا پھر شہریار سے پوچھنے لگیں۔

"تم آج لندن جا رہے ہو۔"

"جی......" شہریار نے بے تاثر لہجے میں مختصر جواب دیا تھا۔

"گڈ۔" بیگم آفندی کو غالباً اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ جب ہی اندر ہی اندر حیران ہوتی ناشتے میں مصروف ہو گئیں۔ تو قدرے توقف سے وہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ماما! میں چاہتا ہوں فائقہ کچھ دنوں کے لیے اپنے والدین کے پاس چلی جائے۔"

فائقہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا کیونکہ رات تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ جبکہ بیگم آفندی نے فوراً ٹوکا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ آپ تو سارا دن آفس میں مصروف ہوں گی اور یہاں اکیلی فائقہ خدانخواستہ کوئی پرابلم ہو گئی تو......" اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ رشید آ کر فائقہ سے کہنے لگا۔

"بی بی! آپ کے والد آئے ہیں۔"

"ابو......" وہ حقیقتاً بڑی شدت سے ان کی ضرورت محسوس کر رہی تھی جب ہی فوراً کھڑی ہو گئی لیکن پھر رک کر شہریار کو دیکھنے لگی تو وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"چلو۔"

"ناشتہ تو کر لو۔" بیگم آفندی نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبایا تھا۔

"بعد میں کر لیں گے ماما......" شہریار نے کہا اور وہ اس کا جواب سننے تک رکی تھی پھر اس سے پہلے ڈائننگ سے نکلتے ہی بھاگ کر ابو کے سینے سے جا لگی تو بہت روکتے روکتے بھی کچھ آنسو چھلک گئے تھے۔

"السلام علیکم۔" شہریار نے عقب سے سلام کیا تب وہ جلدی سے ابو سے الگ ہو کر ایک طرف ہو گئی۔

"جیتے رہو میاں!" ابو نے شہریار کو گلے لگایا پھر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔

"بہت دنوں سے آئے نہیں تم لوگ تو میں نے سوچا، میں ہی خیریت معلوم کر آؤں۔ ویسے کل تمہاری امی بھی آئی تھیں لیکن تم دونوں ملے ہی نہیں۔ بیگم صاحبہ نے بتایا، کہیں باہر گئے ہوئے ہو۔"

"جی۔" اس نے کچھ پریشان ہو کر شہریار کو دیکھا اور اس کے سر جھکانے پر فوراً سنبھل کر ابو سے بولی۔

"جی جی! کل ہم ان کے دوست کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ ماما نے بتایا تھا امی کا۔"

"تو بیٹا! فون ہی کر لیتیں۔" ابو نے نرمی سے سرزنش کی تو اس نے پھر جھوٹ بولا۔

"کیا تھا لیکن آپ کا فون انگیج جا رہا تھا۔ پھر شہریار کی تیاری میں دوبارہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ آج لندن جا رہے ہیں نا۔"

"اچھا ہاں۔ تمہاری امی نے بتایا تھا۔" ابو نے کہا پھر شہریار کو سوچتے دیکھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے۔ "تم کیا سوچنے لگے بیٹا؟"

"جی۔" اس نے چونک کر سر اونچا کیا تو پہلے سامنے بیٹھی فائقہ پر نظر پڑی جو اس کا بھرم رکھنے کے لیے خوش نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ جس سے وہ مزید مجرمانہ احساس میں گھر گیا اور اس سے نظریں چرا کر ابو سے کہنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں۔ فائقہ کو کچھ دنوں کے لیے آپ کے پاس چھوڑ دوں کیونکہ ماما تو بہت مصروف رہتی ہیں اور یہ اکیلی بور ہو گی۔"

"کیوں نہیں ضرور۔" ابو نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ پوچھنے لگا۔

"کوئی پرابلم تو نہیں ہو گی آپ کو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا! بیٹیوں کے آنے سے تو رونق ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی تو جب سے شادی ہوئی ہے۔ ایک دن بھی ہمارے پاس آ کر نہیں رہی۔" ابو نے شکایتاً نہیں کہا تھا پھر بھی وہ فوراً بولا۔

"میری طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔"

"جانتا ہوں۔ میری بیٹی اپنی ذمہ داریاں محسوس کر کے اپنے آپ کو پابند کر لیتی ہے اور یہ اچھی بات ہے۔ بہرحال میں تم دونوں سے بہت خوش ہوں۔"

"شکریہ۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔"

"یہ کہنے کی بات نہیں ہے۔" ابو نے کہا۔

تب ہی رشید چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سے سجی ٹرالی دھکیلتا ہوا آ گیا۔ تو وہ جو بہت دیر سے خاموش بیٹھی یہ سوچے جا رہی تھی کہ "شہریار اسے ابو کے ہاں کیوں چھوڑنا چاہتا ہے۔" رشید کے آنے

سے اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ فوراً اٹھ کر ابو کے پاس آ بیٹھی اور ٹرالی ان کے سامنے کھینچ کر بولی۔

"بیٹھیے ابو!"

"اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ میں ابھی ناشتہ کر کے آرہا ہوں۔ بس چائے بنا دو۔"

ابو نے ایک نظر ٹرالی پر ڈال کر کہا تو وہ فوراً کپ سیدھے کر کے ان میں چائے ڈالنے لگی کیونکہ جانتی تھی کہ بہت اصرار پر بھی ابو کچھ نہیں لیں گے۔

پھر چائے پیتے ہی ابو اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ انہیں آفس جانا تھا اور جاتے جاتے شہریار سے پوچھنے لگے۔ "میں فائقہ کو لینے آجاؤں یا۔"

"میں خود آجاؤں گی ابو!" وہ اس سے پہلے بول پڑی تو اسے بھی کہنا پڑا۔

"جی یہ آجائیں گی ڈرائیور کے ساتھ یا ماما چھوڑ دیں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" ابو چلے گئے۔

وہ دونوں انہیں چھوڑنے گیٹ تک گئے تھے پھر واپس آتے ہوئے وہ اس سے کہنے لگی۔

"تم نے ماما سے اجازت لی نہیں اور ابو سے کہہ دیا۔"

"مجھے ماما سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے معاملے میں میں خود مختار ہوں اور تم وہی کرو گی جو میں کہوں گا۔" اس کے مضبوط لہجے پر جہاں وہ خوش ہوئی وہاں حسرت سے سوچا۔

"کاش تم اول روز یہ فیصلہ سناتے۔"

"سمجھیں یا مزید سمجھاؤں۔" شہریار نے اسے خاموش دیکھ کر ٹوکا تو وہ چونک کر بولی۔

"سمجھ گئی۔"

"چلو اب میری پیکنگ کرو۔ زیادہ سامان بھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر آخری سفر کے خیال سے بولا تھا۔ "بس جتنا بوجھ اٹھا سکوں۔"

"کندھوں پر اٹھا کر لے جاؤ گے کیا؟" وہ ہنسی تھی۔

"ہاں سنا ہے سارے حساب کتاب کندھوں پر لکھے جاتے ہیں۔"

شہریار نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ بھی قصداً ان سنی کر کے کمرے میں آگئی اور پہلے چھوٹا سوٹ کیس لا کر بیڈ پر رکھا پھر وارڈ روب کھول کر اس کے سوٹ نکالنے لگی۔

"سنو۔" شہریار عقب سے اسے پکار کر کہنے لگا۔ "مجھے افسوس ہے، کل تمہاری امی آئیں اور ماما نے انہیں تم سے ملنے نہیں دیا۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ بس ایک لمحہ رک کر اسے دیکھا تھا پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تو وہ قریب چلا آیا اور اسے کندھوں سے تھام کر کہنے لگا۔

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ ماما نے تمہارے ساتھ کتنی زیادتیاں کی ہوں گی، کاش میں ان کی تلافی کر سکتا لیکن کوشش ضرور کروں گا۔ اگر زندگی نے وفا کی تو دیکھنا اس گھر کو میں تمہارے لیے جنت بنا دوں گا۔"

"زندگی وفا کرے گی اور تمہاری کوشش بھی انشاء اللہ ضرور رنگ لائے گی۔ بس تم اپنا خیال رکھو اور ہاں میں نے تمہارے سامان میں پلٹ آنے کی خواہش بھی رکھ دی ہے۔" وہ اپنی آخری بات پر مسکرائی تھی اور شہریار وہی نہیں سمجھا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ کسی نے کہا ہے۔

چلے جانا مگر جانے سے پہلے دھیان میں رکھنا
پلٹ آنے کی خواہش یاد سے سامان میں رکھنا۔"

"سامان میں کیوں دل میں ہونی چاہیے۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرایا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"تمہارے دل میں ہے نا۔"

"ارے میرے دل میں تو جانے کیا کیا ہے۔ بتانا شروع کروں تو....." بیگم آفندی کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"جی ماما....." وہ ہمیشہ والی سعادت مندی سے ان کی طرف پلٹا تھا۔

"بیٹا! پھر میں آفس جا رہی ہوں۔ شام میں جلدی آجاؤں گی۔" بیگم آفندی نے ایک نظر بیڈ پر کھلے سوٹ کیس کو دیکھ کر کہا۔

"میری فلائٹ رات ایک بجے ہے ماما....." اس نے یوں بتایا جیسے آپ جلدی آکر کیا کریں گی۔ اور بیگم آفندی سمجھ کر دل برداشتہ ضرور ہوئیں لیکن فوراً انجان بن گئیں۔

"ایک بجے، میں سمجھی چھ بجے کی فلائٹ ہے۔ چلو پھر تو میں آرام سے آؤں گی۔"

"جی میں بھی ابھی فائقہ کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔ میری واپسی رات میں ہوگی۔ فائقہ کو اس کے امی ابو کے پاس چھوڑتا ہوا آؤں گا۔" شہریار نے اپنا پروگرام بتایا تو بیگم آفندی سچ مچ چکرا گئیں اور فوراً سنبھل بھی نہیں سکیں۔ جب ہی بولتے ہوئے ہکلا رہی تھیں۔

"ک..... کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب۔ جب تک میں لندن سے نہیں آجاتا فائقہ وہیں رہے گی۔" اس کے حتمی انداز پر بیگم آفندی نے فوراً مصلحت کا دامن تھام لیا۔

"جیسے تمہاری مرضی....." پھر ایک نظر فائقہ پر ڈال کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ اس کی طرف

پلٹ کر بولا۔

''چلو اپنا بیگ تیار کرو۔''

''لیکن شیری......''

''اوں ہوں۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''تم وہی کرو گی جو میں کہوں گا۔''

''یہ اگر تم اول روز کہہ دیتے تو نہ میں اتنی کمزور ہوتی اور نہ تم بے خبر رہتے۔'' اب اس نے صرف سوچا نہیں کہہ بھی دیا۔

''دیر آید درست آید......''

''ہاں۔ اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔'' وہ کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

گزشتہ کئی دنوں سے عظام کے اندر عجیب سی بے چینی پھیلی تھی۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ہر حالت میں بہت پرسکون رہتے تھے کیونکہ خدا پر یقین کامل تھا اور یہ کہ ہر بات اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے اس کی رضا میں راضی ہو کر وہ دوسروں کو بھی یہی سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اب جانے کیا بات تھی یا ہونے والی تھی جس کا اگر انہیں پوری طرح ادراک نہیں تھا تو چھٹی حس ضرور خبردار کر رہی تھی۔ جب ہی وہ بہت مضطرب تھے۔ رات عشاء کے بعد انہوں نے تمام عزیز واقارب کی خیر و عافیت کے لیے بہت لمبی دعا مانگی تھی۔ اس کے بعد وہ قدرے مطمئن ہو کر سوئے تھے لیکن کچھ دیر بعد ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ جانے خواب تھا یا حقیقت، کسی نے بہت نرمی سے ان کے پیر کے انگوٹھے کو چھوا تھا۔

''کون......کون ہے؟''

انہوں نے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ پھر اٹھ کر لائٹ آن کر دی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ کتنی دیر کھڑے چاروں طرف دیکھتے رہے پھر لائٹ جلتی چھوڑ کر دوبارہ لیٹ گئے اور خود کو سرزنش کرتے کرتے جانے کب سوئے تھے۔ پھر صبح آفس میں ان کا کسی کام میں دل نہیں لگا۔ دوپہر تک انہوں نے زبردستی خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کی لیکن دل مضطرب کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ بہت عاجز آ کر آخر ایم ڈی سے اجازت لے کر آفس سے نکل آئے اور گھر جاتے ہوئے انہیں اچانک ہی فائقہ کا خیال آیا تھا۔ جسے دیکھے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے نہ خیر خبر معلوم تھی۔ شادی سے پہلے وہ ان کے جتنی قریب رہی تھی، اب اتنی ہی دور ہو گئی تھی اور یہ فاصلے خود انہوں نے بڑھائے تھے اس کی بہتری کے لیے جس کا انہیں افسوس نہیں تھا۔ البتہ کبھی کبھی

وہ اسے مس کرتے تھے۔ اور جب یاد آتی تھی تو شدت سے آتی تھی اور یہ فطری سی بات تھی کیونکہ اکثر جب وہ آفس سے لوٹتے تو آگے وہ موجود ہوتی تھی۔ کبھی کوئی مسئلہ لیے کبھی کسی خوش خبری کے ساتھ اور اکثر صرف ان سے ملنے جس کا وہ برملا اظہار کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے جب کوئی ہماری زندگی میں اس طرح شامل ہو کر اچانک دور ہو جائے تو محسوس تو ہوتا ہے۔ وہ بھی محسوس کرتے تھے۔ اور اس وقت اسے سوچتے ہوئے وہ اس کی خیر خیریت معلوم کرنے سیدھے پھوپھو کے گھر چلے آئے۔

''ارے عظام بھائی!'' عثان انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا۔ ''آیئے اندر آیئے۔''

''السلام علیکم......'' انہوں نے عثان کو ٹوکنے کے بجائے خود سلام کیا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''سوری عظام بھائی، میں سلام کرنا بھول گیا۔''

''جواب دینا مت بھولو کہ یہ فرض ہے۔'' اس بار وہ رہ نہیں سکے، ٹوک دیا۔

''جی وعلیکم السلام!'' عثان ٹپٹایا تھا۔

''خیریت سے ہو؟''

''جی دعا ہے آپ کی۔ بیٹھیں۔'' عثان نے ان کے سامنے کرسی کھینچی تب ہی رابعہ نے کمرے سے نکل کر پوچھا۔

''کون ہے؟'' پھر عظام کو دیکھ کر قصداً تعجب سے بولی۔ ''ہائیں! آپ کیسے راستہ بھول گئے۔''

''پھوپھو کہاں ہیں؟'' وہ بھی قصداً نظر انداز کر گئے تو رابعہ چڑ کر پوچھنے لگی۔

''آپ کیا صرف اپنی پھوپھو سے ملنے آتے ہیں۔''

''نہیں، سب سے، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ پہلے پھوپھو کو سلام کر لوں، اس کے بعد تمہاری سنوں۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح تحمل کا مظاہرہ کیا، تب ہی اندر سے امی کی آواز آئی تھی۔

''کون آیا ہے؟''

''آپ کے بھتیجے صاحب!'' رابعہ نے یہیں سے جواب دیا پھر انہیں دیکھ کر بولی۔ ''ابھی بھاگی آئیں گی۔''

''ظاہر ہے۔ میں ان کا اکلوتا بھتیجا ہوں یعنی ان کے میکے کا چشم و چراغ۔'' عظام نے چھیڑنے والے انداز میں کہا تو وہ جل کر بولی۔

''وہ بھی بجھا ہوا۔''

عظام بے ساختہ ہنسے تھے۔ پھر امی کو دیکھ کر فوراً ہنسی روک لی۔

''السلام علیکم پھوپھو!''

''وعلیکم السلام خوش رہو پھولو پھلو اللہ ایک سے گیارہ کرے۔''

"پہلے دو تو ہوں۔" رابعہ نے ٹوک دیا تو امی اسے گھور کر بولیں۔

"تم ضرور بیچ میں بولا کرو۔"

"بس آ گئے نا آپ کے چہیتے۔" رابعہ سر جھٹکتی اندر چلی گئی تو امی ان سے بولیں۔

"برا نہیں ماننا بیٹا!"

"ارے نہیں پھوپھو!" عظام نے ان کے کندھے تھام کر اپنائیت کا اظہار کیا پھر انہیں ساتھ بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگے۔ "سوہنی کہاں ہے؟"

"پڑوس میں گئی ہے۔ آتی ہوگی۔ تم سناؤ۔ گھر میں سب خیریت ہے۔"

"جی اللہ کا شکر ہے۔ اماں آئیں گی ایک دو دن میں آپ کے پاس۔ اسماء کی شادی کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہ رہی ہیں۔" عظام نے جواب کے ساتھ کہا تو امی آہ بھر کر کہنے لگیں۔

"ارے میں کیا مشورہ دوں گی۔ میں تو خود پھنس گئی رابعہ یہاں آ بیٹھی ہے اور فائقہ کا کچھ پتہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ نہ صرف ٹھٹکے بلکہ پریشان بھی ہو گئے تھے۔ "فائقہ کہاں ہے؟"

"اپنے گھر ہے۔"

"پھر...... میرا مطلب ہے خیریت سے تو ہے نا......" وہ بے چین ہو گئے تھے۔

"پتہ نہیں۔ کتنے دنوں سے آئی نہیں نہ فون کرتی ہے۔ دیکھو، صبح تمہارے پھوپھا گئے ہوں گے۔ اس کی طرف اب آئیں گے تو ان سے خیریت معلوم ہوگی۔"

"امی تشویش کے ساتھ مایوسی سے بول رہی تھیں۔

"عجیب لڑکی ہے اتنی لاپرواہ تھی تو نہیں۔ اگر آ نہیں سکتی تب بھی فون تو کرنا چاہیے۔"

وہ جو صرف اسی کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے، متوحش ہو کر سوچ میں پڑ گئے پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگے۔

"پھوپھا جان کب تک آتے ہیں؟"

"کبھی چھ بجے، کبھی نو بجے کوئی ایک وقت تھوڑی ہے۔"

"خیر۔ آپ پریشان نہ ہوں پھوپھا جان کو اس کی خیریت مل گئی جب ہی اطمینان سے ہیں ورنہ وہی آپ کو فون کرتے۔" انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو امی ناراضی سے بولیں۔

"ہاں۔ ہمیں اطمینان کا فون کرنا گناہ ہے۔"

"ارے نہیں پھوپھو! اصل میں آفس میں بہت کام ہوتے ہیں اس لیے گھر فون کرنے کا بندہ سوچتا رہ جاتا ہے لیکن موقع نہیں ملتا۔ خیر اب تو پھوپھا جان آنے والے ہوں گے اتنی دیر میں میں

آپ کو چائے پلاتا ہوں۔" انہوں نے امی کا دھیان بٹانے کی خاطر کہا۔

"ہائیں یہ سوہنی کہاں رہ گئی۔ رابعہ!" امی رابعہ کو پکار کر خود بھی اٹھنے لگیں لیکن انہوں نے روک دیا۔

"آپ بیٹھیں، رابعہ آ رہی ہے۔"

"وہ چائے کہاں بناتی ہے۔"

"نہ بنائے سوہنی کو تو بلا لائے گی۔" انہوں نے کہا تب ہی رابعہ آ گئی۔

"جی۔"

"سوہنی کو بلاؤ۔ چائے بنا دے۔" امی نے رابعہ سے کہا تو وہ غالباً اس خیال سے کہ کہیں اسے نہ بنانی پڑے بلا چون و چرا سوہنی کو بلانے چلی گئی۔

"رابعہ نے کیا سوچا ہے؟" انہوں نے رابعہ کے جاتے ہی پوچھا تو امی افسوس سے بولیں۔

"پتہ نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہے۔ بس ایک میاں کے پاس جانے کا نہیں سوچتی۔"

"ڈاکٹر صاحب بھی نہیں آتے؟"

"کیسے آئے، یہ آگے دروازے بند کر کے بیٹھ جاتی ہے۔ البتہ سلمان کے پاس گیا تھا اور تمہارے پھوپھا سے بھی ملتا رہتا ہے ان کے آفس جا کر۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ مصالحت پر آمادہ ہیں۔"

"ہاں، یہی نہیں مانتی۔ کون سمجھائے اسے۔ اب بتاؤ کون کرتا ہے اتنی خوشامد، خدانخواستہ وہ بھی ضد میں آ کر تین لفظ کہہ گیا تب کیا کرے گی یہ۔"

امی فکر مندی سے کہہ رہی تھیں کہ رابعہ اور سوہنی کے ساتھ فائقہ اور شہریار کو آتے دیکھ کر وقتی طور پر سب بھول گئیں اور خوش ہو کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"لو آ گئی فائقہ......"

"فائقہ!" انہوں نے پلٹ کر دیکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

فائقہ امی کے گلے لگ گئی تھی۔

عظام نے شہریار کو گلے لگا کر خیریت پوچھی پھر فائقہ کو دیکھا اور سلام کر کے اسے متوجہ کیا تو وہ اچھل کر بولی۔

"اللہ عظام بھائی! کتنے عرصے بعد آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ کیسے ہیں آپ؟"

"تم سناؤ کیا کسی اور شہر جا بسی ہو۔" انہوں نے ایک نظر اس کے سوٹ کیس پر ڈال کر کہا تو وہ فوراً بولی۔

"واقعی ایسا لگ رہا ہے، آپی کسی اور شہر سے آئی ہوں۔"

"آئی بھی کتنے دنوں بعد ہے۔" امی نے شاکی لہجے میں کہا تو وہ پھر ان کے گلے لگ کر بولی۔

"بہت سارے دن رہوں گی آپ کے پاس پھر تنگ آجائیں گی۔"

یونہی کچھ دیر فضا میں ہلچل سی رہی پھر سوہنی چائے بنانے چلی گئی اور امی رابعہ سے رات کے کھانے کا مشورہ کرنے کیلئے اسے اپنے ساتھ اندر لے گئیں تو عظام پوری طرح شہریار کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

"آپ شاید میرے گھر کا راستہ بھول گئے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فائقہ کو یاد ہے۔ کیوں فائقہ۔" شہریار نے ان سے کہہ کر فائقہ کو دیکھا تو اس کا ابھی بھی وہی جواب تھا۔

"ہاں۔ آنکھیں بند کر کے جاسکتی ہوں۔"

"پھر آئیں کیوں نہیں؟" انہیں کہنا پڑا جب کہ اسے مخاطب نہیں کرنا چاہ رہے تھے کیونکہ اس کی بے اختیاری سے خائف تھے۔

"آؤں گی۔ شہریار لندن سے ہو کر آجائیں پھر ان کے ساتھ آؤں گی۔" فائقہ نے کہا تو وہ شہر یار کو دیکھنے لگے۔

"کب جارہے ہیں؟"

"آج ہی رات کی فلائٹ ہے۔"

"اور واپسی کب ہوگی۔" انہوں نے پوچھا تو شہریار ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

"دیکھیں۔ میرا پروگرام تو پندرہ دن کا ہے آگے اللہ بہتر جانتا ہے۔"

"دعا کریں عظام بھائی! یہ جلدی آجائیں۔"

فائقہ نے بظاہر عام سی بات کہی تھی لیکن اس کے لہجے میں جانے کیسی تڑپ تھی کہ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر شہریار کو تو وہ مسکرا کر بولا۔

"اسے آپ کی دعاؤں پر بہت یقین ہے۔"

"اچھا۔" عظام ذرا سا ہنسے پھر فائقہ سے کہنے لگے۔ "میری دعاؤں کو چھوڑو تم ڈائریکٹ شہریار سے کہہ دو کہ جلدی آجائیں۔ یہ تمہاری بات ٹالیں گے تو نہیں۔"

"اور کیا تم کہو تو میں جاؤں ہی نہ۔" شہریار نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"جی نہیں۔ تمہیں جانا ہے۔"

"دیکھا آپ نے۔ زبردستی بھیج رہی ہے پھر کہتی ہے۔ جلدی بھی آجاؤں۔" شہریار نے ہلکے

پھلکے انداز میں کہا تو وہ پھر باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"آپ بس دعا کریں۔" فائقہ نے کہا تو وہ بے اختیار پوچھ گئے۔

"کیا دعا کروں؟"

"یہی کہ....." فائقہ سوچتے ہوئے انداز میں جانے کیا کہنے جارہی تھی کہ انہوں نے فوراً اس کا دھیان ہٹا دیا۔

"جاؤ دیکھو، سوہنی چائے بنا رہی ہے یا پائے۔"

"ہیں۔" وہ چونکی تھی پھر اٹھ کر چلی گئی تو وہ بہت سنبھل کر شہریار کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ پھر ٹھٹک گئے۔ اس کی آنکھوں میں جانے کس سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"کیا بات ہے شہریار! آپ کچھ پریشان ہیں؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکے۔

"فائقہ کا خیال رکھیے گا۔" وہ غالباً جو سوچ رہا تھا وہی کہہ گیا تو وہ پوچھنے لگے۔

"کیا بہت زیادہ دنوں کے لیے جارہے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ اب چونکنے کے انداز کے ساتھ سنبھل کر کہنے لگا۔ "ہو سکتا ہے زیادہ دن لگ جائیں۔ اس لیے میں فائقہ کو یہاں چھوڑے جارہا ہوں کیونکہ ادھر ماما بہت بزی رہتی ہیں پھر یہاں یہ بہنوں کے ساتھ بہل بھی جائے گی۔"

"ہوں۔" وہ کیا کہتے۔ یونہی سر ہلا دیا جبکہ شہریار کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فائقہ اور سوہنی کے آنے سے خاموش ہو گیا تھا اور یہ بات انہوں نے شدت سے محسوس کی تھی بلکہ جب وہاں سے آ رہے تھے تب بھی یہی سوچ تھی۔

"شہریار کیا کہنا چاہتا تھا۔"

☆☆☆

بیگم آفندی بری طرح تلملا رہی تھیں اور بار بار گھڑی دیکھتیں کیونکہ شہریار کے جانے کا وقت ہو رہا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ پہلے تو وہ بڑے آرام سے اسے فون کر کے بلا لیتی تھیں لیکن صبح جس طرح اس نے رویہ بدلا تھا۔ اس سے ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اسے فون کرنے کی اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھیں لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ان کی بے بسی شہریار کے آنے اور لندن روانہ ہونے تک ہے، اس لیے وہ اس تھوڑے سے وقت کو بھی سمیٹ لینا چاہتی تھیں۔ تاکہ بے بسی کے اذیت ناک احساس سے چھٹکارا پالیں۔ اس کے بعد ہی وہ فائقہ کو اس کی اوقات یاد دلا سکتی تھیں۔

ٹھیک دس بجے شہریار آیا تھا اور آتے ہی بولا۔

"چلیں ماما؟"

"ہاں، ٹائم تو ہو گیا ہے۔" وہ بمشکل اپنا تنفر دبا کر بولیں۔

"میں چینج کر کے آتا ہوں۔ رشید سے کہیں، میرا سوٹ کیس گاڑی میں رکھ دے۔"

وہ کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا تو وہ اس کے اجنبی انداز پر کڑھتی ہوئی باہر آ گئیں۔ اس کا سامان پہلے ہی گاڑی میں رکھوا چکی تھیں۔

اور اب وہ دس منٹ میں ہی آ گیا تھا تو لباس تبدیل کرنے کے ساتھ موڈ بھی تبدیل کر آیا تھا۔ جب ہی ان کے ساتھ گاڑی میں پچھلی نشست پر بیٹھا تو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"آپ پریشان ہیں ماما؟"

وہ کچھ نہیں بولیں۔

"ناراض ہیں؟" وہ بچوں کی طرح ان کا چہرہ دیکھنے لگا جیسے ماں ناراض ہو گی تو اس کے اس انداز پر مسکرا کر گلے لگا لے گی لیکن اس کے برعکس وہ پوچھنے لگیں۔

"یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟"

"آپ کی خاموشی سے۔" اس نے کہا تو گہری سانس کھینچ کر بولیں۔

"میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہو سکتی۔"

"اور فائقہ سے۔" اس بار اس نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اس سے بھی نہیں۔" وہ کہاں اپنا کوئی جذبہ، کوئی احساس ظاہر ہونے دیتی تھیں۔ بڑے آرام سے کہنے لگیں۔

"فائقہ تم سے منسوب ہے بیٹا اور تم جانتے ہو مجھے صرف تم سے ہی نہیں تمہاری ہر چیز سے پیار ہے۔ پھر فائقہ تو تمہاری زندگی ہے۔ میں اس سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں۔"

وہ اگر اپنے باپ کی تحریر نہ پڑھ چکا ہوتا تو ان کے جذبات پر بہت خوشی کا اظہار کرتا لیکن اب اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی جبھی شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

"سنو۔" وہ اس کے منہ موڑنے پر جز بز ہو کر موضوع بدل گئیں۔ "میں نے ڈاکٹر بوتھم کو فون کر دیا ہے۔ لندن کے ٹائم کے مطابق کل چھ بجے کی اپائنٹمنٹ دی ہے انہوں نے۔ امید ہے تم پہنچ جاؤ گے۔"

"جی۔"

"اور ہاں ابھی تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے رامش کا فون آیا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا ہے تم لندن جا رہے ہو۔" وہ اب اسے اپنی طرف متوجہ رکھنے کیلئے یونہی ادھر اُدھر کی کہنے لگی تھیں۔ اور جب گاڑی رکی تب وہ بھی خاموش ہو گئیں۔ تو وہ انہیں گلے لگا کر بولا۔

"اوکے ماما! اپنا خیال رکھیے گا اور اگر ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو پلیز معاف کر دیجیے۔" اس نے ہم اپنے اور فائقہ کے لیے استعمال کیا تھا پھر ان کی پیشانی چوم کر فوراً اتر گیا اور اپنا سوٹ کیس لے کر تیز روشنیوں میں چلتا ہوا جب گلاس ڈور تک پہنچا تو ہمیشہ کی طرح پلٹ کر انہیں ہاتھ ہلایا پھر اندر چلا گیا تو اس کے بعد بھی وہ وہیں دیکھتی رہیں جہاں وہ کھڑا تھا۔ جب ڈرائیور نے چلنے کا پوچھا تب وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی تھیں۔

گھر آتے ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئیں اور کتنی دیر صرف شہریار کو سوچتی رہیں۔ اس کی زندگی کے سارے ماہ و سال نظروں کے سامنے آنے لگے تھے۔ کس طرح جوانی کی دہلیز کو چھوتے ہی وہ سب کی نظروں میں آ گیا تھا۔

شیری۔ شیری! جہاں جاتا ہر طرف بس یہی پکار ہوتی تھی جو ابھی بھی ان کی سماعتوں میں گونجنے لگی تھی جب ہی بے اختیار پکار بیٹھیں۔

"شیری۔" پھر چونک کر ادھر اُدھر دیکھا اور ذرا سا ہنسیں۔ اس کے بعد لائٹ آف کر کے لیٹتے ہی انہیں فائقہ کا خیال آیا تو دل چاہا کہ اسی وقت اسے فون کر کے واپس بلا لیں لیکن وہ جانتی تھیں کہ شہریار لندن پہنچ کر اسے وہیں فون کرے گا اس لیے ابھی وہ ایسی غلطی نہیں کر سکتی تھیں۔ بس سوچ کر رہ گئیں پھر اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کرتے کرتے سو گئی تھیں۔

صبح اٹھتے ہی انہوں نے ٹیلی فون چیک کیا پھر تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آ گئیں۔ اس کے بعد شہریار کے فون کے انتظار میں لاؤنج میں آ بیٹھیں۔ کیونکہ وہ لندن پہنچتے ہی پہلے انہیں خیریت سے پہنچنے کا فون کرتا تھا لیکن آج جانے وہ ان کا صبر آزما رہا تھا یا انہیں سزا دے رہا تھا کہ فون ہی نہیں آیا۔ صبح سے دوپہر ہو گئی پھر شام اور اس عرصے میں وہ جتنی پریشان ہوئیں اس سے زیادہ فائقہ سے مگر کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کے حصے میں یہ پریشانی اور بے بسی اسی کی وجہ سے آ رہی ہے اور حالانکہ وہ ہر کام پلاننگ کے تحت کرتی تھیں اس لیے انہوں نے ابھی فائقہ کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا سوچا بھی نہیں اور ڈائریکٹ لندن کال ملا دی۔

دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی لیکن فون نہیں اٹھایا گیا جس سے وہ یہی سمجھیں کہ شہریار باہر نکل گیا ہوگا۔

پھر انہوں نے ایک گھنٹے بعد فون کیا اور یہ سلسلہ رات تک جاری رہا لیکن شہریار کی آواز نہیں

سنائی دی تو حقیقتاً ان کی پریشانی عروج پر پہنچ گئی تھی جبھی کچھ اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ابھی بھی انہوں نے مایوس ہو کر فون پٹخا تھا کہ بیل بجنے لگی۔

"ہیلو۔" انہوں نے بہت تیزی سے ریسیور کان سے لگایا تھا۔

"اسلام علیکم!" دوسری طرف فائقہ تھی۔ جس کی آواز سن کر انہوں نے سختی سے ہونٹ بھینچ کر خود کو گویا پھٹنے سے روکنے کی سعی کی تھی۔

"ہیلو ماما!" ادھر وہ پکار رہی تھی۔

"ک...... کیا بات ہے؟" وہ بمشکل بول پائیں۔

"وہ ماما شیری کا فون نہیں آیا۔ میں صبح سے انتظار کر رہی ہوں۔" ادھر وہ پریشانی سے بول رہی تھی ادھر ان کا ذہنی تناؤ کم ہوتا گیا اور جب بولیں تو حیرت انگیز طور پر بہت پرسکون تھیں۔

"ہاں کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں شیری کا پوچھ رہی ہوں۔ انہوں نے آپ کو فون کیا ہے؟" فائقہ نے پوچھا تو وہ جتا کر بولیں۔

"ہاں۔ لندن پہنچتے ہی اس نے مجھے فون کیا تھا۔ تمہیں نہیں کیا۔"

"نہیں۔" وہ جیسے رو دینے کو ہو رہی تھی۔

"بھول گیا ہوگا۔ بہت لاپروا ہے۔ خیر تم فکر نہیں کرو۔ وہ خیریت سے پہنچ گیا ہے اور اب اس کا فون آئے گا تو میں اسے یاد دلا دوں گی۔ تمہیں ضرور فون کرے، او کے۔" وہ اس پر اپنی اہمیت جتا کر پھر سے پریشان ہو گئیں۔ لیکن ان کا ذہن کام کرنے لگا تھا جب ہی انہوں نے شہریار کے بجائے ڈاکٹر بوتھم کو فون کر ڈالا اور جب انہوں نے بتایا کہ شہریار ان کے پاس آیا ہی نہیں تب یکدم ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

"کہاں چلا گیا شیری! ٹریٹمنٹ کے لیے بھی نہیں گیا۔ خدانخواستہ اس کی فلائٹ نہیں نہیں۔"

وہ ناگہانی سوچ کر کانپ گئیں۔ پھر جلدی سے برٹش ایئر لائن کے آفس فون کر کے اس کی فلائٹ کا معلوم کیا اور ادھر سے اطمینان بخش جواب پا کر بھی وہ مطمئن نہیں ہوئیں اور خود لندن جانے کا سوچنے لگی تھیں۔

❁❁❁

وہ بیگم آفندی سے شہریار کے خیریت سے پہنچنے کا سن کر کچھ مطمئن تو ہو گئی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شہریار نے اسے فون کیوں نہیں کیا۔ جبکہ جاتے ہوئے وہ اس سے بہت وعدے کر کے گیا تھا۔ نہ بھی کرتا تب بھی وہ یقین کے ساتھ انتظار کرتی۔

بیگم آفندی نے تو بڑے آرام سے کہہ دیا تھا کہ بھول گیا ہوگا۔ بہت لاپروا ہے۔ لیکن وہ ایسا گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"شیری سب کچھ بھول سکتا ہے۔ مجھے نہیں۔"

وہ بار بار خود کو یقین دلاتی اور اس وقت امی سے اجازت لے کر اس نے خود لندن کال ملا دی تو دوسری طرف تاخیر سے ریسیور اٹھایا گیا لیکن کوئی آواز نہیں آئی۔

"ہیلو...... ہیلو شیری۔" اس نے پہلے دھیرج سے پکارا پھر ادھر کی خاموشی سے گھبرا کر اس کی آواز ہر پکار کے ساتھ اونچی اور تھرتھرانے لگی تھی۔

"شیری...... ہیلو شیری۔"

"شیری! یہ میں ہوں فائقہ۔"

"شیری! سن رہے ہو نا۔"

"شیری! مجھے تمہاری آواز سنائی نہیں دے رہی۔"

"شیری! کچھ کہو نا۔" انتہائی عاجزی سے اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ آنسو بھی سارے بند توڑ کر چھلک آئے تھے۔ جس سے اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

"شیری! خدا کے لیے کچھ کہو۔"

"سب کچھ تو کہہ آیا ہوں۔ اب ان لمحوں میں خدا حافظ ہی کہہ سکتا ہوں۔" وہ غالباً اس کے آنسوؤں سے بے چین ہو کر بولا تھا بس اتنی سی بات اور سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ جو اس کی آواز پر گم صم ہوئی تھی پھر پکارنے لگی۔

"شیری! شیری!"

عقب سے رابعہ نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا پھر کریڈل پر رکھ کر بولی۔

"شاید لائن کٹ گئی۔"

"ہیں۔" وہ رابعہ کی طرف پلٹی تو وہ اس کے آنسو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟"

"میں رو رہی ہوں۔" اس نے اپنے گال چھوئے پھر دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں ملا کر ان پر آنسوؤں کی نمی دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے شہریار ناراض ہے کیا؟" رابعہ نے ہی سمجھ کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پھر اس نے تم سے بات کیوں نہیں کی۔" رابعہ کا انداز کھوجنے والا نہیں تھا بلکہ شاید وہ اس سے ہمدردی جتانا چاہتی تھی۔

"کیا بات! سب کچھ تو کہہ دیا۔ اب اور کیا کہتا۔"

وہ دکھ کی شدت سے حواس کھونے لگی تھی کہ فون کی بیل پر ایکدم ہوش میں آکر ریسیور پر جھپٹی تھی۔

"ہیلو شیری!"

"میں ماما بات کر رہی ہوں۔" ادھر سے بیگم آفندی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ مایوس ہو کر جیسے ڈھے گئی۔

"جی ماما!"

"میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں لندن جا رہی ہوں شیری کے پاس۔ تم اگر یہاں آنا چاہو تو گاڑی بھجوا دوں۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"جی جی۔ میں آرہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے فون بند کر دیا تو وہ جو شہریار کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی فون بند ہونے پر بری طرح سلگ کر ریسیور پٹخ دیا پھر رابعہ کو دیکھ کر بولی۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔"

"بس ساس نے بلایا اور تم نے ہامی بھر لی۔ منع نہیں کر سکتی تھیں۔"

رابعہ چڑ کر ڈانٹنے لگی لیکن وہ اسے نہیں سمجھا سکتی تھی اور فوراً کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھا۔ کچھ ضد سے بولی۔

"نہیں بس مجھے جانا ہے۔"

"تمہاری مرضی۔"

"امی!" وہ وہیں سے پکارتی ہوئی اندر گئی اور امی کو اپنے جانے کا بتانے کے ساتھ اپنا سوٹ کیس کھینچ لیا تو امی پوچھنے لگیں۔

"کس کے ساتھ جاؤ گی؟"

"ماما نے گاڑی بھیج دی ہے۔ آتی ہو گی۔" وہ خود اندر سے بہت پریشان تھی، جب ہی امی کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگی جیسے اپنی کھوئی چیز تلاش کر رہی ہو۔

"شہریار تو کہہ گیا تھا جب تک وہ آ نہیں جاتا۔ تم یہیں رہنا پھر تمہاری ساس نے کیوں بلا لیا؟" امی نے پوچھا تو وہ اکتا کر بولی۔

"اکیلی تو ہیں نا۔"

"اور جو سارا دن تم اکیلی ہو گی، وہ تو آفس چلی جائیں گی۔ ان سے کہنا صبح جاتے ہوئے تمہیں یہاں چھوڑ جایا کریں گی۔"

امی بولے جا رہی تھیں۔ وہ بس ہوں ہاں کرتی رہی۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کی ساس لندن جا رہی ہیں کیونکہ اس کے بعد امی جو سوال کرتیں، ان کا جواب دینے کی وہ پوزیشن میں نہیں تھی۔ جبکہ خود اس کا ذہن اس بات میں اٹکا تھا۔ اور جیسے ہی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ وہ بہت جلدی میں خدا حافظ کہہ کر سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی بھاگی تھی۔

برآمدے میں رابعہ نے جانے کیا کہا۔ اس نے سنا ہی نہیں اور شاید اسے دیکھا بھی نہیں تھا جب ہی رکے بغیر چلی آئی تھی۔

اور بیگم آفندی کے سامنے اس وقت وہ پچھلی ساری باتیں بھلا کر پوچھنے لگی۔

"ماما! آپ لندن کیوں جا رہی ہیں؟"

"شیری کے پاس......" انہوں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"شیری ٹھیک تو ہیں ناں؟" اس نے پھر پوچھا۔

"ہاں۔" انہوں نے اپنی بے نیازی برقرار رکھنے کی خاطر کہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی صوفے پر ڈھے گئیں اور بہت دکھ سے کہنے لگیں۔

"مجھے لگتا ہے۔ شیری نے ہم سے دور جانے کی ٹھان لی ہے۔ جب ہی علاج میں کوتاہی کر رہا ہے۔ ڈاکٹر بوتھم کہہ رہے تھے اگر اس نے فوری ٹریٹ منٹ نہیں لی تو۔" وہ ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگیں۔

"ماما میں......" وہ کہنے جا رہی تھی کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گی لیکن اچانک اپنی پہلی ضد کا خیال آنے پر ایک دم خاموش ہو گئی۔ تو بیگم آفندی نے غالباً سمجھ کر ہی بس ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور اس کے بعد ظاہر ہے پھر اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی ان کا سامنا کرنے کی۔ اس لیے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور وضو کر کے جاء نماز بچھا دی۔

رات میں جب بیگم آفندی جانے لگیں تو وہ خود ہی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ وہ اس وقت بھی جاء نماز پر بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھ دعا کے لیے پھیلے تھے۔

بیگم آفندی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں۔ پھر دھیرے سے اپنی ساڑھی کا پلو اس کے پھیلے ہاتھوں پر ڈال کر بولیں۔

"سنا ہے، ماں کی دعا عرش ہلا دیتی ہے۔ اس دامن کو تھام کر اپنا سہاگ مانگو۔"

اس نے دھندلائی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں پر پھیلے سفید پلو کو دیکھا پھر غیر محسوس طریقے سے اپنے ہاتھ کھینچ کر دکھ سے سوچا۔

"اگر دینے والی آپ ہوتیں تو میں دامن کیا آپ کے پیر تھامتی۔"

"میں جارہی ہوں۔" بیگم آفندی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی اور منت سے بولی۔

"ماما! فون ضرور کیجئے گا۔"

"میں شیری کی طرح لاپروا نہیں ہوں اور نہ ہی تمہیں بھولنے والی۔ او کے۔" وہ جتا کر بھی جاتے جاتے بلا ارادہ ہی سہی اس کے سر پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

وہ ان کے پیچھے باہر نہیں نکلی، وہیں کھڑی رہ گئی جبکہ دھیان ان کے ساتھ تھا جب گاڑی اسٹارٹ ہونے کے بعد گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ تب اس نے بیٹھتے ہی دوبارہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلا لیے تھے اور جیسے بندہ کبھی براہ راست اپنے رب کی طرف سے قبولیت کا یقین چاہتا ہے، وہ بھی اسی انتظار میں بیٹھی رہی کہ آسمانوں کو چیرتی ہوئی آواز آئے گی۔

"جا ہم نے تجھے عطا کیا۔"

اور ایسا ہوتا نہیں ہے لیکن انسان سوچتا ضرور ہے اور جب مایوس ہونے لگتا ہے تو سودے بازی کرنے لگتا ہے۔ وہ بھی اللہ سے سودے بازی کرنے لگی تھی۔

"اے اللہ! اپنی اب تک کی زندگی میں مجھ سے جتنی نیکیاں ہوئیں، وہ سب لے لے اور ان کے عوض میرے سہاگ کو سلامتی بخش دے۔"

دل میں کھٹک ہوئی پتہ نہیں کوئی نیکی ہوئی بھی ہے یا نہیں تو اپنی سانسیں دان کرنے لگی۔

"یا اللہ! میری جتنی سانسیں تو نے لکھی ہیں، وہ سب شیری کو دے دے۔ اگر سب نہیں تو آدھی۔ اچھا ہے ہم دونوں ساتھ مر جائیں گے۔"

پھر منتیں شروع ہو گئیں۔

"شیری ٹھیک ہو کر آجائے پھر ہم سب سے پہلے عمرہ پر جائیں گے۔"

"میں وہیں حرم شریف میں شکرانے کے ایک ہزار نفل پڑھوں گی۔"

"اور میرے پاس رونمائی کا جتنا پیسہ ہے وہ سب میں غریبوں میں بانٹ دوں گی۔"

"اللہ میاں بس تو مجھے شیری دے دے۔ اس کے بعد کچھ نہیں مانگوں گی۔"

اور یہاں انسان مات کھا جاتا ہے۔ جب کہتا ہے "اور کچھ نہیں" جبکہ خدا بہتر جانتا ہے کہ انسان کو اور کیا کچھ چاہیے۔

اور وہ اور بہت کچھ دینے کے لیے ہی انتہائی عاجزی اور انکساری سے مانگی ہوئی ایک دعا سے بے نیاز ہو جاتا ہے تاکہ کم فہم بندہ آئندہ مانگنے میں جھجکے نہیں۔ اس کے لیے بھی آئندہ کے لیے در

کھلے رکھے تھے۔ بس اس وقت بے نیاز ہو گیا تھا اور شاید اس کی آزمائش بھی مطلوب تھی کہ وہ جو رات بھر اس کے سامنے روتی گڑگڑاتی رہی ہے وہ اس کے فیصلے پر راضی ہوتی ہے یا شاکی۔ اور وہ راضی تھی نہ شاکی، وہ تو بیگم آفندی کا فون سنتے ہی ڈھے گئی تھی جنہوں نے بغیر کسی تمہید کے کہا تھا۔

"شیری مر گیا۔"

❁❁❁

جب اسے ہوش آیا تو نظروں کے عین سامنے امی کا چہرہ آ گیا تو وہ یہی سمجھی کہ ابھی وہ انہی کے گھر میں ہے، یعنی جب شہریار اسے وہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کے بعد کی کوئی بات فوری طور پر اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی بلکہ وہاں جو وہ شہریار کے فون کا انتظار کر رہی تھی تو اسی خیال سے پوچھنے لگی۔

"امی! شیری کا فون آیا؟"

امی جو بہت ضبط کر رہی تھیں ان کے آنسو اس روانی سے چھلکے کہ وہ خود پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا امی؟" وہ جس طرح جھٹکے سے اٹھی تھی، ایسے ہی اس کے ذہن کو جھٹکا لگا تھا اور اگلے پل وہ امی کے سینے میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆☆☆

یہ وہ گھر تھا جہاں فائقہ نے اپنی زندگی کے بائیس سال گزارے تھے۔ بچپن، لڑکپن اور اولین جوانی کے خوبصورت ماہ و سال جو اپنے اندر اس کا ہر نقش چھپائے ہوئے تھے۔ وہ ان در و دیوار کو ازبر تھے۔

اس کی معصوم شوخیاں۔

بے ضرر شرارتیں۔

روٹھے ہوؤں کو منانے کے جتن۔

رنجشوں سے خائف۔

اس کی جاں نثاریاں۔

محبتیں۔

اور جب وہ دل میں نئی امنگوں، آرزوؤں اور محبتوں کا جہاں بسائے شہریار کے سنگ رخصت ہوئی تھی تب یہ گھر سونا ہوا تھا نہ در و دیوار پہ اداسی اتری تھی جیسی آج اس کے اجڑنے پر تھی۔ گو کہ وہ یہاں نہیں تھی۔ نہ دیوار و در نے اس کی اجڑی صورت دیکھی تھی، پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی محبتوں کا جنازہ یہیں سے اٹھا ہو۔

صبح محشر کا سا سماں تھا۔

اور اب دشت کی سی ویرانی تھی۔

کہیں کوئی آواز نہیں...... کوئی آہٹ نہیں۔ جیسے صدیوں سے یہ گھر کھنڈر ہو۔

ابو اپنے کمرے میں بے حس و حرکت پڑے تھے۔ ذہن میں کوئی سوچ نہیں تھی، نہ کوئی سوال تھا کہ کیسے ہوا۔ کیوں ہوا اور آئندہ کیا ہو گا۔ کچھ بھی نہیں۔ البتہ نظروں کے سامنے ایک فلم سی چل رہی تھی۔

عثمان اپنے کمرے میں تکیوں میں منہ چھپائے پڑا تھا۔

رابعہ جس نے کہا تھا کہ میرے ساتھ جو ہوا سو ہوا اگر فائقہ کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو میں زمین آسمان ایک کر دوں گی۔ وہ اس خدائی فیصلے پر حیران و پریشان بس یہی سوچے جا رہی تھی کہ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔ اس کا ذہن اس سانحے کو قبول کر بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔ اور اس کے قریب لیٹی ہوئی سوہنی دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"اللہ میاں! شہریار بھائی کو کیوں لے لیا۔ وہ تو اتنے اچھے تھے۔ آپی سے بہت محبت کرتے تھے، ان کے بغیر آپی کیسے رہیں گی۔"

پھر ایک دم رابعہ کے بازو پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔ "باجی! کیا سچ مچ شہریار بھائی چلے گئے؟"

رابعہ کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی پھر سوہنی کو دیکھ کر یوں نفی میں سر ہلانے لگی جیسے اسے بھی یقین نہیں آ رہا ہو۔

"پرسوں رات میں تو وہ یہیں تھے نا۔ کھانے کے بعد جب میں نے انہیں چائے دی تو پوچھنے لگے۔ اس بار لندن سے تمہارے لیے کیا لاؤں۔" سوہنی کی بات پر رابعہ کو بھی یاد آیا تو کہنے لگی۔

"میں نے تو خود پوچھا تھا کہ میرے لیے کیا لائیں گے۔ اس پر پتہ ہے انہوں نے کیا کہا تھا؟"

"کیا؟"

"کہ دعا کرو، میں خود آ جاؤں اور اس وقت میں نے مذاق میں بات اڑا دی تھی، لیکن اب یوں لگ رہا ہے جیسے انہیں پتہ تھا کہ وہ نہیں آئیں گے۔"

"سب کہتے ہیں۔ جانے والوں کو پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے۔"

"ہاں۔ اگر معلوم نہیں بھی ہوتا تب بھی ان کے منہ سے ایسی باتیں نکلنے لگتی ہیں جو ہم بعد میں یاد کرتے ہیں۔" رابعہ نے کہہ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔

"دو بج گئے۔ سو جاؤ ورنہ صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ آپ بھی نہیں سوئیے گا۔" سوہنی نے کہا تو وہ اس کی شکل دیکھ کر پوچھنے

گی۔

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہاں۔ امی کب آئیں گی؟" سوہنی نے اعتراف کے ساتھ پوچھا۔

"امی میرا خیال ہے فائقہ کی ساس کے آنے تک وہیں رہیں گی۔" رابعہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"پھر آپی کو ساتھ لے کر آئیں گی؟"

"پتہ نہیں۔ ابھی تو اس کی ساس جو کہیں گی۔" رابعہ کو ان سوالوں سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی لیکن ٹوکا یوں نہیں کہ وہ پہلے ہی سہمی ہوئی تھی۔

"بے چاری مجھے ان پر بہت ترس آرہا ہے۔"

"ہاں ایک ہی بیٹا تھا اور اتنی دور اکیلی۔ پتہ نہیں کیا حال ہوگا ان کا۔" رابعہ کو اس وقت بیگم آفندی سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

"وہ شہریار بھائی کو یہاں لے کر آئیں گی؟"

"لانا تو چاہئے آگے ان کی مرضی۔" رابعہ نے کہہ کر سوہنی کو ٹوکا۔ "بس مت کرو ایسی باتیں۔ جاؤ میں لائٹ آف کر رہی ہوں۔"

"نہیں باجی! لائٹ آف نہیں کریں۔" سوہنی نے فوراً منع کیا تو وہ اس کی طرف کروٹ لے کر بولی۔

"چلو سو جاؤ۔"

☆☆☆

یہ وہ گھر تھا جس کا راستہ فائقہ کو یوں ازبر تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے یہاں آسکتی تھی۔ کیونکہ یہاں کے مکینوں سے اس کی ہمیشہ سے گہری وابستگی تھی۔ خصوصاً عظام سے۔ جنہوں نے اس وقت جب وہ ان کے سامنے چھوٹی سی بچی ہوا کرتی تھی اس کی محبتوں کا جواب محبت اور شفقت سے دیا تھا۔ پھر جب وہ لڑکپن سے نکلی تو قصداً نظرانداز کرنے لگے تھے۔ لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آئی۔ بنا دستک دیئے چلی آتی تھی اور شاید کسی لمحے اپنا آپ منوا کر گئی تھی کہ وہ اکثر بلا ارادہ اسے سوچنے لگے تھے اور آخر میں سر جھٹک کر مسکراتے۔

"پگلی ہے۔"

اور وہ پگلی جب اپنی زندگی کے نئے سفر پر روانہ ہو رہی تھی۔ انہوں نے بہت خلوص سے اسے رخصت کرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں اس کے نام کی تھیں، جن میں سرفہرست اس کی ابدی

خوشیوں کی دعا تھی۔ اور ابھی ابد دور تھا بلکہ ابھی تو سفر کی ابتدا تھی اور ابتدا ہی میں خوشیاں اس سے روٹھ گئی تھیں۔

وہ جب سے اس کے پاس سے ہو کر آئے تھے۔ بہت بے چین تھے۔ سیاہ چادر میں لپٹی گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے جانے وہ اس سانحے پر حیران تھی یا اس کے بعد اپنے زندہ ہونے پر۔ اس کی آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں تھا۔ نہ چہرے پر کوئی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارے احساسات مُردہ ہو گئے ہوں جب ہی اپنے پاس آنے والوں کو بس ایک نظر دیکھ کر رہ جاتی۔ ان کے حصے میں بھی وہی ایک خالی نظر آئی تھی۔ گو کہ اس کے بعد وہ کتنی دیر اس کے پاس بیٹھے رہے تھے لیکن وہ دوبارہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود اسے تعزیت یا تسلی کے دو بول نہیں کہہ سکے اور یونہی اٹھ کر چلے آئے تھے، لیکن ان کا سارا دھیان وہیں رہ گیا تھا۔ جب ہی فجر کے بعد پھر اس کے پاس جانے کا سوچتے ہوئے کمرے سے نکل کر آئے تو آگے مامی جی جیسے انتظار میں کھڑی تھیں۔

"اٹھ گئے؟"

"جی۔" اب انہیں کیا بتاتے کہ وہ تو رات بھر سوئے ہی نہیں تھے۔

"چائے بناؤں؟" مامی جی نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

"آپ اصل بات کہیں۔"

"وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھیں کہ۔" مامی جی جانے کیا پوچھتے پوچھتے رو پڑیں۔

"اماں!" انہوں نے مامی جی کو کندھوں سے تھام کر وہیں تخت پر بٹھا دیا۔

"روئیں نہیں۔"

"ارے یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ ہمارے ہاتھوں کی کھیلی بچی! ابھی تو اس کے ہنسنے کھیلنے کے دن تھے۔ کیسے اجڑ گئی۔" مامی جی روتے ہوئے بولیں۔

"اللہ کی مرضی۔" ان کی نظریں نیم کے پیڑ سے ہوتی ہوئی آسمان پر جا ٹکی تھیں۔

"ہاں بس۔ یہی کہہ کر ہم خود کو بہلاتے رہیں گے۔"

"ایسے نہیں کہتے اماں! اس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔" انہوں نے نرمی سے ٹوک کر کہا۔

"اس میں کیا مصلحت ہے۔ بتاؤ۔"

"وقت بتائے گا۔ ابھی تو آپ یہ بتائیں۔ کیا پوچھ رہی تھیں؟" انہوں نے سہولت سے اصل بات کی طرف لانے کی سعی کی تو مامی جی آہ بھر کر بولیں۔

"کیا پوچھ رہی تھی۔ یہی کہ شہریار کی تدفین کہاں ہوگی؟"
"لندن۔" انہوں نے مختصر جواب دے کر سر جھکا لیا۔
"کیسے معلوم؟"
"کل وہیں سنا تھا۔ ان کے شاید خاندانی وکیل تھے وہی بتا رہے تھے کہ شہریار نے یہی وصیت کی تھی۔" انہوں نے بتایا تو مای جی پھر رو پڑیں۔
"ہائے بے چاری کو آخری دیدار بھی نصیب نہیں ہوگا۔"
"جہاں کی مٹی ہوتی ہے انسان وہیں جاتا ہے۔" انہوں نے گہری سانس کھینچی پھر یوں جیسے کسی بات کو ان کی عقل تسلیم نہ کر رہی ہو۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے آپ سے بولے تھے۔
"بہت ظالم ہے فائقہ! بہت ظالم ہے۔"
"ہائیں...... کیا کہہ رہے ہو۔" مای جی ان کی خود کلامی سن کر حیرت سے بولیں۔ "وہ بے چاری مظلوم بچی اسے تم ظالم کہہ رہے ہو۔"
وہ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں جا رہا ہوں۔"
"کہاں؟"
"فائقہ کے پاس وہیں سے آفس چلا جاؤں گا۔" انہوں نے بتایا تو مای جی فوراً بولیں۔
"ناشتہ کر لو پھر میں بھی چلوں گی۔"
"آپ بعد میں اسماء کے ساتھ چلی جایئے گا۔"
"تو تم ناشتہ تو کر لو۔"
"دل نہیں چاہ رہا۔" وہ کہہ کر رکے نہیں، وہیں سے باہر نکل گئے تھے۔

☆☆☆

یہ آفندی ہاؤس ہے۔ جہاں برسوں سے بیگم آفندی کی حکمرانی ہے، جبکہ فائقہ کو یہاں آئے ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ صرف چند ماہ جو بیگم آفندی کے طویل برسوں پر حاوی ہو گئے تھے کیونکہ یہاں کی ہر شے بیگم آفندی سے زیادہ اس کے دکھ پر ماتم کناں تھی۔ حتیٰ کہ اس کی کھڑکی سے جھانکتا چاند بھی سوگوار تھا۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ جو دھیرے دھیرے سفر کرتا اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ اور اس کے بعد صبح کا تارہ تھا ہمیشہ کی طرح بہت روشن، جسے اس کی مانگ میں سجانے کی آرزو لیے شہریار آفندی اس سے بھی آگے نکل گیا تھا۔
"سنو۔" وہ دل ہی دل میں اسے مخاطب کرنے لگی۔ "تم نے شیری کو جاتے دیکھا ہے۔ ایک پل تمہارے پاس رکا تو ہوگا۔ تم اس کے ہم نوا تھے۔ اولین صبح میں نے دیکھا تھا۔ وہ اپنی اولین

شب کا احوال تمہیں سنا رہا تھا۔ تو ضرور آسمانوں کی طرف پرواز کرتے ہوئے آخر شب کی داستان تم سے کہی ہوگی۔ مجھے بتاؤ۔ وہ کیوں چلا گیا۔ وہ تو میری رفاقتوں میں برسہا برس جینے کی آرزو رکھتا تھا۔ پھر اچانک کیا ہوا۔ کس بات نے اس کے اندر سے زندگی کی امنگ چھین لی کہ میری محبتیں بھی اسے زندہ رکھنے میں ناکام ہو گئیں۔"
آسمان کی سیاہی چھٹ رہی تھیں اور دھیرے دھیرے پھیلتے اجالے میں صبح کا تارا اپنی شناخت کھو رہا تھا۔ وہ اسے پکارتے پکارتے رو پڑی اور اس خیال سے کہ امی کی نیند خراب نہ ہو۔ بہت احتیاط سے اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں ٹیوب لائٹ روشن تھی۔ اس نے آف کی تو ہر شے دھندلا گئی البتہ گلاس وال پر اجالا اپنی آمد کا اعلان کر رہا تھا۔ وہ صوفے کے کونے میں دھنس کر بیٹھ گئی اور متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی، لیکن اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا ڈھونڈ رہی ہے۔ چونک چونک کر نظریں بھٹک رہی تھیں۔ تب ہی گیٹ کھلنے کی آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ اتنی صبح پتہ نہیں کون آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دھند تھی یا گلاس وال کو شبنم کے قطروں نے دھندلا دیا تھا جو وہ پہچان نہیں سکی۔ بس سفید کپڑے نظر آ رہے تھے۔ پھر دروازہ کھول کر عظام سامنے آ گئے۔ تو وہ بے اختیار یوں کھڑی ہوئی جیسے بھاگ کر ان کے سینے میں جا چھپے گی، لیکن اس کے قدم اٹھ کے نہیں دیئے تو دوبارہ وہیں ڈھے گئی۔
اس اچانک حادثہ نے فائقہ کے احساسات تو منجمد کیے ہی تھے۔ عظام کا ذہن بھی ہر احساس سے عاری ہو چکا تھا، انہیں یہ بھی خیال نہیں آیا کہ فائقہ عدت میں ہے اور اسے ان سے پردہ کرنا چاہیے۔
"اسلام علیکم!" عظام نے قریب آ کر سلام کیا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "خیریت سے ہو؟"
وہ جواب دینے سے قاصر رہی کیونکہ حلق میں گولہ سا اٹک گیا تھا۔
عظام اس صوفے کے دوسرے کنارے بیٹھ گئے اور قدرے توقف سے پوچھنے لگے۔ "پھوپھو کہاں ہیں؟"
وہ اب بھی خاموش رہی تو عظام گردن موڑ کر براہ راست اسے دیکھنے لگے۔ سرخ بوجھل آنکھیں صرف شدتِ گریہ ہی نہیں رتجگے کا بھی پتہ دے رہی تھیں اور کانپتے ہونٹ جانے کچھ کہنے کو بے تاب تھے یا کچھ چھپانے کی سعی میں مصروف انہوں نے قیاس نہیں کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بول پڑی۔
"امی سو رہی ہیں۔ رات بہت دیر تک میرے ساتھ جاگتی رہی تھیں۔ اس لیے میں نے نہیں

اٹھایا۔"

"تم کیوں اٹھ گئیں؟" انہوں نے بے اختیار ٹوکا پھر جواب کا انتظار کیے بغیر پوچھنے لگے۔

"طبیعت ٹھیک ہے پھوپھو کی؟"

"بس۔" وہ یہی کہہ سکی۔

"سانحہ بھی تو اچانک ہوا ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے ہی۔" وہ ایکدم خاموش ہو گئے پھر دوبارہ اسی جگہ بیٹھ کر بولے تھے۔

"تمہارے لیے تو اچانک نہیں تھا۔"

"جی۔" وہ چونک کر دیکھنے لگی تو یقین سے پوچھنے لگے۔

"شہریار کو کینسر کب سے تھا؟ آخری اسٹیج پر اچانک ظاہر ہوا یا؟"

وہ حیرت کی وسعتوں میں پرواز کر گئی تھی کہ انہیں کیسے معلوم ہوا اور وہ جواب چاہتے تھے۔

"بتاؤ۔" وہ خاموش رہی۔

"فائقہ! میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟" انہوں نے آہستہ سے اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"کب معلوم ہوا تمہیں؟"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اس نے گھبرا کر چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔ تو وہ خاموش ہو گئے۔ پھر قدرے توقف سے خود ہی کہنے لگے۔

"مجھے اس وقت یہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ لیکن میں بہت پریشان ہو گیا ہوں جب سے سنا شہریار کو بلڈ کینسر تھا۔ تب سے الجھ رہا ہوں۔"

"آپ کو کس نے بتایا؟" اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر پوچھا لیکن ان کی طرف دیکھا نہیں تھا۔

"خاص طور سے کسی نے نہیں۔ اس روز دو آدمی باتیں کر رہے تھے۔ ایک غالباً شہریار کا دوست تھا اور دوسرا ان کا لیگل ایڈوائزر۔ میں وہیں ان کے پیچھے موجود تھا اور ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ یہ ابھی کی نہیں بلکہ برسوں پرانی بات ہے۔ اس لیے میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں کب معلوم ہوا؟" وہ بات کے اختتام پر اسے دیکھنے لگے تھے۔

"اگر آپ جاننا چاہتے ہیں تو سن لیں میں نے سب جاننے کے بعد اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا۔ اس کے بعد میں نے یہ نہیں سوچا کہ زندگی کی طویل شاہراہ پر وہ کتنے قدم میرے ساتھ چلے

گا میرے لیے چند قدم ہی زندگی تھے اور مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں۔ کوئی ملال نہیں۔ میں نے ان تھوڑے سے وقت میں اپنی پوری زندگی سمو دی ہے۔"

وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

"گو کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ چلا گیا لیکن میرے لیے سب سے بڑی حقیقت وہی تھا۔ اس کے بعد سب فریب ہے اور میں فریب کے بجائے اس حقیقت میں زندہ رہوں گی جو وہ محبت کی صورت میری نس نس میں اتار گیا ہے۔ وہ کوئی عام شخص نہیں تھا۔ عام سی تو میں ہوں۔ جانے کیسے اس کی نظروں میں سما گئی۔ شاید میرے نصیب میں اسی طرح زمین سے آسمان ہونا لکھا تھا۔"

وہ نہ صرف خاموش ہوئی بلکہ آنکھیں بھی بند کر لیں تو اس کی پلکوں پر ستارے چمکنے لگے۔

عظام جو ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے۔ اس کے اس الوہی روپ سے نظریں چرا کر گلاس وال کو دیکھنے لگے جہاں سورج کی کرنیں دستک دے رہی تھیں۔ انہوں نے چاہا کہ اسے روشنی کی نوید دیں، لیکن ان کی ہمت نہیں ہوئی اسے پکارنے کی کہ کہیں بند پلکوں کے اندر سجی شاہراہ پر اس کے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔

کتنی دیر بعد اس نے پلکوں کے در کھولنے کے ساتھ ہی انہیں پکارا تھا۔

"عظام بھائی!"

"ہوں۔" وہ فوراً متوجہ ہوئے۔

"شہریار کے بارے میں صرف میں جانتی تھی یا پھر اب آپ اور کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔" اس نے کہا تو عظام دکھ سے بولے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"محبت میں اچھا برا کب سمجھ میں آتا ہے؟"

"میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ تمہیں کم از کم مجھے ضرور بتانا چاہئے تھا۔" انہیں واقعی اس کے نہ بتانے پر بہت دکھ ہو رہا تھا۔

"آپ کیا کرتے؟" وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

"دعا کرتے کہ آسمان ہلا دیتے۔" وہ بے اختیار کہہ کر ایک لحظہ کو خاموش ہوئے پھر کہنے لگے۔

"تم نے ہمیشہ اپنی ہر بات مجھ سے کہی پھر یہ کیوں چھپایا۔ کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ پاگل لڑکی! کہہ کر تو دیکھتیں۔ اپنی زندگی دے کر اس کی زندگی مانگ لاتا۔"

"اس تمام عرصے میں میں یہی دعا مانگتی رہی لیکن۔" وہ مایوسی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تمہیں مانگنے کا سلیقہ ہی نہیں اور پھر یہی تمہارا نصیب تھا جس پر اب تمہیں صبر کرنا ہے۔ میں

کوئی دعویٰ نہیں کروں گا پھر بھی جب کبھی، کہیں بھی میری ضرورت محسوس کرو بلا جھجک پکار لینا۔" کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر پوچھنے لگے۔ "شہریار کی والدہ کب آئیں گی۔"

"پتہ نہیں، رات ان کا فون آیا تھا۔ بتا رہی تھیں، ابھی ان کا واپسی کا ٹکٹ کنفرم نہیں ہوا۔" اس نے بتایا تو وہ جانے کیا جاننا چاہتے تھے۔

"اور......اور کیا کہا؟"

"بس یہی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔" انہوں نے کہہ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔

"رکیں۔ میں امی کو اٹھاتی ہوں اور چائے......" وہ اٹھنے لگی لیکن انہوں نے روک دیا۔

"نہیں۔ چائے وغیرہ کچھ نہیں اور ابھی پھوپھو کو مت اٹھاؤ بلکہ تم بھی سو جاؤ۔ کب سے جاگ رہی ہو؟"

"مجھے نیند نہیں آتی۔" وہ بے بسی سے بولی۔ "حالانکہ میں سونا چاہتی ہوں۔ بہت لمبی نیند۔"

"ہاں کوشش کرو۔" انہوں نے قصداً اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔

"آپ میرے لیے دعا کیجئے گا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح کہا اور وہ دکھ سے بولے۔

"اب کیا دعا کروں؟"

وہ خاموش رہی تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اللہ تمہارا نگہبان ہو۔"

اس کے ساتھ ہی پلٹ کر چلے گئے تو اس نے گیٹ تک انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر وہیں صوفے پر لیٹ گئی۔ عجیب بات تھی کہ آج چوتھے دن بھی اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ رات بھی اس نے زبردستی سوچنے کی کوشش کی تھی کہ بیگم آفندی اب اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گی اور ابھی بھی، لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ مزید اس سے ہٹ کر بھی کوئی بات سوچ نہیں پا رہی تھی۔ بس جو سامنے آ جاتا تو اسے دیکھ لیتی۔ سن لیتی اس کے بعد یوں جیسے کوئی تھا ہی نہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے عظام اس کے سامنے تھے لیکن جیسے ہی منظر سے ہٹے ذہن سے بھی محو ہو گئے تھے۔ جس کا مطلب تھا اس عظیم سانحے سے اس کے سارے احساسات متاثر ہوئے تھے۔ منجمد ہو گئے تھے۔ بھوک پیاس کا احساس بھی نہیں تھا۔ رات امی کے بہت مجبور کرنے پر اس نے چند نوالے بمشکل حلق سے اتارے تھے۔ اس کے بعد حالانکہ سوئی بھی نہیں تھی پھر بھی بھوک کا احساس نہیں تھا۔ البتہ کمزوری بہت محسوس ہو رہی تھی۔

امی اٹھ کر آئیں تو اسے نڈھال حالت میں لیٹے دیکھ کر مزید پریشان ہو گئیں۔

"یہاں کیوں آ گئیں؟"

"بس یونہی۔" اس نے کہا پھر ایک دم یاد آنے پر بولی۔ "وہ عظام بھائی آئے تھے۔"

"چلا گیا۔"

"جی۔"

"دفتر جانا ہو گا۔ خیر تم نے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔" امی نے پوچھا اور اس کے خاموش رہنے پر بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد امی ناشتہ لے کر آئیں تو وہ امی کی ناراضی کے خیال سے خود ہی اٹھ بیٹھی۔

"ایسی حالت میں تو خوراک ڈبل ہو جاتی ہے اور تم کچھ نہیں کھاتیں۔" امی اسے سرزنش کرنے کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کھلانے لگیں۔

وہ کچھ بولی نہ انہیں کھلانے سے روکا۔ البتہ آخر میں دودھ کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر خود ہی گھونٹ گھونٹ پینے لگی تو پیٹ بھر جانے سے آنکھوں میں نیند اترنے لگی تھی۔ لیکن اس وقت سلمان کے ساتھ راحیلہ آ گئی اور ابھی سلام دعا کا مرحلہ طے ہوا تھا کہ سوہنی، رابعہ اور عثمان آ گئے۔ جس سے سناٹا تو ٹوٹا ہی اس کا دھیان بھی بٹ گیا۔

"اچھا ہوا۔ تم لوگ آ گئے۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اتنا بڑا گھر کیسا ویران پڑا ہے۔" امی نے کہا تو راحیلہ پوچھنے لگی۔

"اس کی ساس کب آئیں گی؟"

"پتہ نہیں۔ رات فون تو آیا تھا۔ آنے کا کچھ طے نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں، جب تک میں نہ آؤں اس کے پاس رہنا۔" امی نے بتایا۔

"ظاہر ہے، اسے اکیلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔" راحیلہ نے کہا تو رابعہ اسے دیکھ کر بولی۔

"میرا تو خیال ہے امی! اسے لے کر گھر چلیں۔"

"نہیں نہیں ایسی غلطی نہیں کرنا۔" راحیلہ فوراً ٹوک کر کہنے لگی۔ "اس کی ساس بہت چالاک عورت ہے اگر یہ یہاں سے چلی گئی تو اسے کچھ بھی نہیں دے گی۔ جبکہ اس کا میاں اکیلا وارث تھا۔ سنو، اپنا حق مت چھوڑنا۔ آگے تمہاری بھی اولاد ہونے والی ہے اس کے کام آئے گا۔"

اس نے التجائیہ نظروں سے رابعہ کو دیکھا کہ خدا کے لئے اسے خاموش کراؤ اور رابعہ نے سمجھ کر راحیلہ کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"خدا کے لیے ایسی باتیں مت کرو۔"

"میں اس کے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔"

"اپنا برا بھلا یہ خود سوچ سکتی ہے اور اس کے یہاں یا وہاں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو اس کا حق ہے، اسے ملے گا مجھے اور تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

رابعہ قدرے سختی سے اسے ٹوک کر پھر امی سے بولی۔

"چلیں امی! گھر چلیں فائقہ کو لے کر۔"

"اس کی ساس سے پوچھے بغیر تو میں اسے نہیں لے جا سکتی۔" امی نے معذوری ظاہر کی تو رابعہ ناگواری سے بولی۔

"کیوں ان کا اب کیا اختیار جس کے ساتھ اصل ناتا تھا وہی نہیں رہا تو اس کے بعد باقی رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیوں فائقہ؟"

اس نے کچھ حیران ہو کر رابعہ کو دیکھا پھر دکھ سے بولی۔

"میرا شہریار سے ناتا ٹوٹا نہیں ہے۔ کچھ بدل گیا ہے۔ کل میں اس کی بیوی تھی آج میں اس کی بیوہ ہوں۔ وہ ہے یا نہیں۔ اس کا نام میرے نام کے ساتھ تھا، ہے اور رہے گا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" رابعہ نے نادم ہو کر اسے گلے لگا لیا، پھر اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کر کے کہنے لگی۔

"میں تمہاری تنہائی کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ وہاں سب کے درمیان تم خود کو بہتر محسوس کرو گی۔ یہاں تمہاری دل جوئی کرنے والا کوئی نہیں ہے جو کہ بہت ضروری ہے۔ لیکن اگر تم نہیں چاہتیں....."

وہ رابعہ کی بات کاٹ کر بولی تھی۔

"میں چاہوں یا نہ چاہوں۔ جانا تو ہے۔"

☆☆☆

بیگم آفندی نے لندن میں یہ اپارٹمنٹ شہریار کے لیے ہی خریدا تھا کہ جب وہ علاج کے لیے یہاں آئے تو اسے رہائش کی پرابلم نہ ہو اور گو کہ وہ بہت تھوڑے دن یہاں رہتا تھا، پھر بھی اس میں ضرورت کے علاوہ اس کی دلچسپی کی بھی ہر شے موجود تھی۔ جنہیں اب بیگم آفندی حسرت سے تک رہی تھیں۔

دس روز پہلے جب وہ یہاں آئی تھیں۔ اس وقت شہریار اپنی زندگی کی کتاب کا آخری ورق کھولے بیٹھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر چیخ پڑی تھیں۔

"شیری! کیا مقصد ہے تمہارا کیوں تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔"

"اب نہیں کروں گا۔" وہ بہت معصومیت سے بولا تھا۔

"تم یہاں ٹریٹ منٹ کے لیے آئے تھے اور تمہاری یہ حالت...... او گاڈ....." وہ اس کے زرد

...پر بڑھی شیو دیکھ کر بری طرح جھنجلا گئی تھیں۔ "چلو اٹھو میں ڈاکٹر بوتھم سے اپائنٹمنٹ لے کر آ ...وں۔"

"بس ماما! اب میرا علاج ڈاکٹر بوتھم کے پاس نہیں ہے۔" اس نے اکتا کر کہا تھا۔

"بیٹا! کیوں مایوسی کی باتیں کر رہے ہو۔ چلو اٹھو۔" انہوں نے محبت سے اسے اٹھانا چاہا تھا ...س نے انہیں بازوؤں سے تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

"میری اس حالت کی ذمہ دار آپ ہیں ماما!"

"میں۔" ان کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر ابھری تھی۔

"ہاں۔ اتنے برسوں میں کبھی ایک بار بھی آپ نے سوچا کہ مجھے بیماری دے کر اللہ آپ کو آزما ...ہے، سزا دے رہا ہے یا اپنی طرف رجوع کرنے کا موقع....اشارا....."

اس نے کہا تو وہ بڑے آرام سے بولی تھیں۔ "آزمائش ہوتی ہے بیٹا!"

"لیکن آپ کے لیے آزمائش نہیں سزا ہے، کیونکہ آپ نے ڈیڈی کے بیوی بچوں کے ساتھ ...ھا سلوک نہیں کیا تھا۔ زہر دیا تھا انہیں اور وہی زہر اللہ نے آپ کی اولاد میں اتار دیا۔"

وہ اچانک بپھر کر انہیں جھنجھوڑنے لگا تھا، جبکہ وہ سناٹے میں آ گئی تھیں۔

"اس کے باوجود آپ کو کبھی احساس نہیں ہوا۔ کبھی اپنے گناہ پر نادم نہیں ہوئیں۔ اگر نادم ہو کر ...انی مانگتیں تو اللہ بڑا مہربان ہے۔ ضرور معاف کر کے مجھے نئی زندگی بخش دیتا، لیکن آپ کو مجھ سے ...ا دھن دولت سے پیار ہے اور اسی پر بھروسہ۔ جب ہی آپ نے اللہ سے رجوع نہیں کیا۔ ابھی ...ی وقت ہے ماما! توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ آپ مانگ سکتی ہیں۔" وہ نڈھال ہو کر ...ی سے گڑگڑا رہا تھا۔

"ماما پلیز....."

وہ اس کے گڑگڑانے سے ذرا سا چونکیں۔ پھر اپنے کندھوں سے اس کے ہاتھ ہٹا کر بولی تھیں۔

"تمہیں ضرور کسی نے میرے خلاف بہکایا ہے اور تم نے یقین بھی کر لیا ہے۔"

"ان باتوں میں وقت ضائع نہیں کریں ماما! مجھے بس اتنا یقین دے دیں کہ آپ ڈیڈی کے ...ای بچوں سے معافی مانگ کر ان کے سارے حق ادا کر دیں گی۔" اس نے پھر ان کے ہاتھ تھام ...لیے تھے۔

"اول تو میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا پھر بھی اگر تم کہتے ہو تو میں ایسا کر لوں گی۔ لیکن پہلے ...۔" وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے ایک دم خاموش ہو کر اس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگیں جو ان کے ...ھوں سے پھسل گئے تھے۔

"شیری......!" انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے پھر چہرہ دیکھ کر چیخنے لگی تھیں۔

"شیری! شیری......"

اور وہ سکون سے ابدی نیند سو گیا تھا۔ کیونکہ اس نے یقین کر لیا تھا کہ اس کی ماں ضرور گناہوں کا کفارہ ادا کر دے گی۔

اور بیگم آفندی گو کہ اس سانحے کے لیے برسوں سے تیار تھیں پھر بھی وہ ان لمحات کی سو جسے ہر بار جھٹک کر وہ اپنا دھیان بٹا لیتی تھیں، لیکن حقیقت کیسے جھٹلاتیں۔ خود ہی ٹوٹ گئی تھیں مزید اپنے گھر سے اتنی دور جہاں کوئی سہارا دینے والا بھی نہیں تھا۔ بس ڈاکٹر بوتھم نے ہی کچھ کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ بالکل اکیلی تھیں تو بس دوسرے تیسرے دن تک ہی شہریار کی باتوں انہیں جھنجھوڑا تھا۔ اس کے بعد سے وہ مسلسل یہ سوچ رہی تھیں کہ شہریار کو یہ ساری باتیں کس بتائیں۔ کون ہے جس نے اس راز سے پردہ ہٹا کر اسے ان سے ہی نہیں زندگی سے بھی دور کر اور ہر بار ان کا ذہن اسفندیار کی طرف جاتا تھا، لیکن اس کے ساتھ یہ سوچ بھی تھی کہ اگر شہریار ا سے ملا ہوتا تو اس کی تصدیق کے لیے ہی ان سے ذکر ضرور کرتا، کیونکہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں چھوٹی بچی تو محفوظ تھی، لیکن اس کے بھائی کا کوئی خاکہ نہیں تھا، اس لیے وہ مسلسل الجھ رہی تھیں پھر ابھی ان کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی بات کو بہت دور تک سوچ سکیں۔ ورنہ اتنے د میں تو وہ کیا سے کیا کر ڈالتیں۔

دس دن ہو گئے تھے اور انہیں واپسی کا خیال بھی تھا لیکن اس کے ساتھ ہی متضاد کیفیات میں گم جاتیں کبھی سوچتیں سب کچھ تو ان کا یہاں ہے پھر واپس جا کر کیا کریں گی کبھی اس کے بالکل برعکس اور جس روز انہیں یہ خیال آیا کہ شہریار کی صورت اس کا بچہ جس کے لیے انہوں نے اتنے جتن کیے تھے۔ وہ ان کی تنہا زندگی کو آباد کرنے والا ہے، بس اسی روز انہوں نے واپسی کا پروگرام طے کر لیا تھا۔

☆☆☆

ابو آفس جا چکے تھے۔

سوہنی اور عثمان بھی کالج چلے گئے۔ رابعہ گھر میں اکیلی رہ گئی تو پہلے اس نے امی کو فون کر کے ان کے آنے کا پوچھا اور ادھر سے وہی جواب سن کر کہ بیگم آفندی کے آنے پر آئیں گی وہ چڑ کر بولی تھی۔

"وہ کبھی نہیں آئیں گی۔"

"رات ان کا فون آیا تھا۔" امی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"تو آپ کو کہنا چاہیے تھا کہ زیادہ دن اپنا گھر چھوڑ کر نہیں بیٹھ سکتیں۔"

"تمہیں کیا تکلیف ہے؟" امی نے ٹوکا تو وہ چیخ کر بولی۔

"مجھے نہیں ابو کو ہے۔ روزانہ آ کر پوچھتے ہیں، تمہاری ماں آ گئی۔"

"ابھی یہاں سے ہو کر دفتر گئے ہیں۔ مجھ سے تو انہوں نے کوئی شکایت نہیں کی۔"

"بہرحال آپ جلدی آ جائیں۔ مجھے بھی اب جاب کے لیے نکلنا ہے۔"

اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا پھر پہلے ناشتے کے برتن دھوئے۔ اس کے بعد جھاڑ پونچھ کر رہی تھی کہ ڈاکٹر عفان آ گئے۔

"گیٹ کھلا تھا، میں سیدھا اندر چلا آیا۔" انہوں نے آتے ہی کہا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"گیٹ کھلا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو چاہے اندر آ جائے۔ آپ کو دستک دینی چاہیے تھی۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" انہوں نے کہا تو وہ سر جھٹک کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"سنو...... گھر میں اور کوئی نہیں ہے کیا؟"

"کیوں؟" وہ کام ترک کر کے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں تم سے بحث کرنے یا لڑنے نہیں آیا، بلکہ شہریار کا سن کر آیا ہوں۔" انہوں نے ٹوک کر کہا تو وہ بے بس سی ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔

"بہت افسوس ہوا۔ میری ابھی ابو سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا۔ اس سے پہلے وہ مجھے فون کرتے رہے ہیں لیکن میں اتفاق سے یہاں تھا نہیں گاؤں گیا ہوا تھا۔ وہاں میری والدہ بیمار تھیں۔"

وہ خود ہی بولے جا رہے تھے اور وہ یوں بنی بیٹھی تھی جیسے وہ اس سے نہیں کسی اور سے بات کر رہے ہوں۔

"یقین نہیں آ رہا۔ بہت اچھا لڑکا تھا۔ ہوا کیا تھا اسے؟"

انہوں نے اسے متوجہ کرنے کی خاطر سوال اٹھایا تھا۔ اور وہ متوجہ تو ہوئی لیکن جواب نہیں دیا تو پوچھنے لگے۔

"فائقہ کیسی ہے؟"

"زندہ ہے اور جب تک زندگی ہے جیئے گی۔" وہ فائقہ کو سوچ کر بولی۔ جبھی اس کے لہجے میں ... آیا تھا۔

"میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ میرا اکیلا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ تم......"

وہ اس کے دیکھنے پر خاموش ہو گئے۔ پھر قدرے توقف سے کہنے لگے۔

"کچھ دیر کو سارے اختلاف بھلا دو رابعہ! اس کے پاس سے ہو کر میں تمہیں یہیں چھوڑ ں گا۔ میں نے ابو سے بھی یہی کہا ہے کہ میں تمہیں لے کر فائقہ کے ہاں جاؤں گا۔"

"اس کے پاس امی ہیں۔ آپ اکیلے جا سکتے ہیں۔" اس نے جز بز ہو کر کہا۔

"نہیں...... تم ساتھ چلو گی۔ اٹھو سوہنی اور عثمان کے آنے میں ابھی بہت وقت ہے ان سے پہلے واپس آجائیں گے۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

اور یہ موقع ایسا تھا کہ وہ زیادہ اڑ نہیں سکی اور ناچار اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد کپڑے بدل کر واپس آئی تو ڈاکٹر عفان چلنے کو تیار کھڑے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

"بہت بڑا سانحہ ہوا ہے۔" راستے میں ڈاکٹر عفان خود ہی بولنے لگے تھے۔ "فائقہ کو سنبھلنے میں بہت وقت لگے گا۔ گو کہ اس کی شادی ہمارے ساتھ ہی ہوئی تھی، لیکن مجھے یوں لگتا تھا جیسے دونوں کا برسوں کا ساتھ ہو۔ اگر تم فائقہ سے پوچھو تو وہ بھی یہی کہے گی۔ تھوڑے سے وقت میں زندگی گزار آئی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس کا اتفاق غالباً ڈاکٹر عفان کے لیے غیر متوقع تھا جبھی قدرے حیرت سے پوچھنے لگے۔

"تمہیں بھی یہی لگتا ہے؟"

"ہاں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فائقہ محبت میں ڈوب جاتی ہے پھر قسمت سے اسے ساتھی بھی ایسا ہی ملا تھا جس کی تھوڑے سے وقت کی رفاقت ایک عمر پر بھاری ہو گئی۔ پھر بھی مجھے اللہ تعالیٰ سے گلہ ہے۔ اس کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔"

"اللہ کی مصلحتیں وہی جانے۔" انہوں نے گاڑی روک کر اسے دیکھا۔ تو وہ اتر کر کھڑی ہو گئی پھر ان کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔

فائقہ لاؤنج ہی میں صوفے پر امی کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی اس لیے اس نے رابعہ کو آتے ہوئے نہیں دیکھا جب کہ امی اسے ڈاکٹر عفان کے ساتھ دیکھ کر نہ صرف خوش ہوئیں بلکہ بے ساختہ اظہار فائقہ کا کندھا ہلا کر کیا تھا۔

"دیکھو! رابعہ اور عفان آرہے ہیں۔"

فائقہ نے پہلے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا پھر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور چادر کو اس طرح لپیٹ لیا کہ اس کا چہرہ چھپ گیا ڈاکٹر عفان سلام کے ساتھ بولے۔

"لیٹی رہو۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ بیٹھیں۔"

"انہیں ابھی معلوم ہوا ہے۔" رابعہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تو ڈاکٹر عفان مزید وضاحت کے ساتھ بولے۔

"میں اصل میں گاؤں گیا ہوا تھا، آج میں آیا ہوں تو یہ افسوس ناک خبر سننے کو ملی۔ حقیقتاً دلی رنج ہوا۔"

"بس بیٹا! قیامت گزر گئی۔" امی آبدیدہ ہو گئیں۔

"اللہ کے سامنے ہم سب بے بس ہیں۔ آپ روئیں نہیں۔ آپ کو تو اسے حوصلہ دینا ہے۔" ڈاکٹر عفان نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر امی سے کہا۔

"میری بیٹی میں بہت حوصلہ ہے۔ بہت صبر ہے مجھے رونے سے منع کرتی ہے۔" امی کہہ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ ٹپک کر اس کی اپنی ہتھیلیوں میں جمع ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر عفان نے رابعہ کو اس کے پاس سے اٹھنے کا اشارہ کیا پھر خود اس کے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔

"تم میری اپنی بہن ہو۔ رابعہ میرے ساتھ کوئی تعلق رکھے نہ رکھے۔ تم ہمیشہ میری بہن رہو گی۔ اور جب تک میں ہوں تم روؤ گی نہیں۔"

رابعہ کچھ گم صم سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی تھی جو بہت مشفق انداز میں اس کی بہن کو اپنا مان دے رہے تھے۔

"تمہارے سامنے پوری زندگی ہے۔ لمبا سفر کاٹنا ہے تمہیں لیکن کبھی خود کو اکیلا مت سمجھنا۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

ڈاکٹر عفان اس کے آنسو پونچھ کر رابعہ سے کچھ کہنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے لیکن اسے گم صم دیکھ کر جانے کیا سمجھے کہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے پھر امی سے پوچھنے لگے۔

"آپ ابھی یہیں رکیں گی؟"

"ہاں بیٹا! پرسوں اس کی ساس آرہی ہیں پھر میں گھر جاؤں گی۔" امی نے کہا تو رابعہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"پرسوں آرہی ہیں۔"

"ہاں۔ ابھی تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی ان کا فون آیا تھا۔ اللہ کرے خیریت سے پہنچ

جائیں۔ بے چاری بیمار لگ رہی تھیں۔"

امی نے جواب کے ساتھ حسب عادت بیگم آفندی سے ہمدردی کا اظہار کیا تو رابعہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں بولی تھی۔

"آپ آجایئے گا۔ یہ نہیں کہ ان کی تیمارداری کرنے بیٹھ جائیں۔"

"انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔" ڈاکٹر عفان نے ٹوکا تو رابعہ انہیں دیکھ کر بولی۔

"ہاں سنا ہے، ڈاکٹروں میں کچھ زیادہ ہوتی ہے۔" پھر فوراً فائقہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اچھا فائقہ! ہم چلتے ہیں۔ میں سارے کام چھوڑ کر آئی تھی۔ تم اپنا خیال رکھنا اور دیکھو میں اب تمہیں فون ہی کرسکوں گی۔"

"آؤ گی نہیں؟" فائقہ نے بے دھیانی میں پوچھا، لیکن پھر سمجھ گئی کہ اس نے بیگم آفندی کی وجہ سے کہا ہے جب ہی اصرار نہیں کیا۔

"میں جاب کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔" اس نے پھر بھی بات بنادی۔

"چلیں۔" ڈاکٹر عفان نے اسے دیکھا پھر فائقہ سے الوداعی کلمات کہہ کر باہر نکل گئے۔ تو امی نے بڑی امید سے پوچھا۔

"تم کہاں جاؤ گی؟"

"آپ کے گھر......" اس نے جتا کر کہا اور سر جھٹک کر باہر آگئی۔

ڈاکٹر عفان گاڑی اسٹارٹ کر چکے تھے۔ اس کے بیٹھتے ہی سبک روی سے آگے بڑھا دی۔ اور کچھ دیر اس کے بولنے کے منتظر رہے پھر خود ہی پوچھنے لگے۔ "تم جاب کر رہی ہو؟"

"ہاں لیکن ابھی اسٹارٹ نہیں کی۔ امی گھر آجائیں پھر جانا شروع کروں گی۔"

اس نے بظاہر سرسری انداز میں بتایا، جب کہ ان کا ردعمل جاننے کے لیے انہیں مرر میں دیکھنے لگی تھی۔

"کہاں جانا شروع کرو گی؟" انہوں نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں بات ہوئی تھی۔ وہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟ میرا مطلب ہے۔ تمہیں جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو تمہارے اخراجات ہیں۔ وہ مجھ سے لے لیا کرو۔" انہوں نے بہت سہولت سے اسے پیش کش کی تھی، لیکن وہ بھنک کر بولی۔

"آپ سے کیوں لے لیا کروں۔"

"حق ہے تمہارا لے سکتی ہو۔" انہوں نے زور دے کر کہا تو وہ طنز سے بولی۔

"تاکہ کل کو آپ حق جتانے آجائیں۔"

"ابھی بھی جتا سکتا ہوں، بلکہ استعمال بھی کرسکتا ہوں لیکن میں دھاندلی پسند نہیں کرتا۔" وہ اس کا طنز قصداً نظر انداز کر کے بولے تھے۔

وہ استہزائیہ ہنس کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"سنو۔" قدرے توقف سے وہ اسے پکار کر بولے۔ "تم بہت غلط کر رہی ہو۔"

"مجھے صحیح یا غلط سمجھانے کے بجائے بہتر ہوگا آپ اپنا محاسبہ کریں۔" وہ تیز ہو کر بولی۔

"دیکھو لڑو مت۔ ہم آرام سے بات کرسکتے ہیں۔" انہوں نے دھیرج سے کہا۔

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی، نہ سننی ہے۔ آپ اگر خاموش نہیں رہ سکتے تو مجھے یہیں اتار دیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔"

اس کے مزید تیز ہونے پر انہوں نے ہونٹ بھینچنے کے ساتھ اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

مری زندگی میں بس اِک کتاب ہے
ایک خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیان جو منزلیں ہیں
میں چاہتا ہوں
تمہارے ساتھ بسر کروں
یہی کل اثاثۂ زندگی ہے
اسی کو زادِ سفر کروں
میرے دل کے جادۂ خوش خبر پہ بجز تمہارے
کبھی کسی کا گزر نہ ہو
مگر اس طرح کہ تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو

وہ شہر یار کی ڈائری کھولے بیٹھی تھی۔ ابتدائی اوراق میں اس نے یہ نظم اس وقت لکھی تھی، جب وہ خود اس کا اسیر ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ اسے خبر نہ ہو۔ کیونکہ وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔

"جو دکھ میرے مقدر میں لکھا تھا۔ اسے کون ٹال سکتا تھا۔" اس نے ڈائری بند کرتے ہوئے سوچا پھر ایک نظر امی پر ڈال کر کمرے سے نکل آئی۔

امی فجر کی نماز کے بعد دوبارہ سوگئی تھیں، کیونکہ یہاں کرنے کو کوئی کام نہیں تھا اور خالی بیٹھے بیٹھے وہ پریشان ہوجاتی تھیں۔ اس لیے اس نے انہیں سونے دیا اور رشید سے چائے کا کہہ کر لاؤنج

میں آ بیٹھی، تو پندرہ دنوں میں آج پہلی بار اس کا ذہن کچھ سوچنے پر آمادہ ہوا تھا۔

"کیسی خاموشی، کیسا سناٹا ہے۔ زندگی کے سارے رنگ تو اس کے ساتھ تھے۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کیا کروں گی میں۔ کیسے جیوں گی۔"

معاً اس کے وجود میں ایک نئی زندگی نے اپنا احساس دلایا تھا۔

"میرا بچہ!" اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے پیٹ پر چلا گیا۔ اور بچے کو محسوس کرتے ہوئے وہ اس کے لیے زندہ رہنے کا سوچنے لگی تھی کہ اسی وقت بیگم آفندی آ گئیں۔ وہ اپنی سوچ میں اتنی محو تھی کہ گیٹ کھلنے کی آواز سنی نہ گاڑی کی، بس اچانک انہیں سامنے دیکھا تھا اور اگلے پل بے اختیار اٹھ کر ان کے گلے جا لگی۔

"ماما! شیری نہیں آیا؟"

"وہ نہیں آئے گا۔"

دونوں رو رہی تھیں اور رونے کی آواز سن کر ہی امی اٹھ کر آ گئیں تو بیگم آفندی نے آرام سے اسے خود سے الگ کیا پھر امی سے مل کر انہیں بٹھانے کے بعد کہنے لگیں۔

"میں آپ کی ممنون ہوں کہ آپ اپنا گھر چھوڑ کر فائقہ کے پاس رہیں۔"

"کوئی احسان نہیں کیا میں نے۔ میری بیٹی ہے۔" امی نے کہا تو بیگم آفندی اسے دیکھ کر بولیں۔

"بہت کمزور ہو گئی ہے۔"

"کچھ کھاتی پیتی بھی نہیں۔ زبردستی کرتی ہوں تو رونے لگتی ہے۔"

"بیٹا! یہ ٹھیک ہے کہ دل نہیں چاہتا لیکن اس طرح ہر شے سے منہ موڑ کر ہم شیری کو واپس تو نہیں لا سکتے بلکہ اسے تکلیف ہو گی کہ تم اپنا خیال نہیں رکھ رہیں۔ اگر تم چاہو کہ وہ وہاں آرام سے رہے تو اپنا خیال رکھو۔ پھر تم ماں بننے والی ہو۔ شیری کے بچے کی ماں۔ جسے خوراک اس وقت ملے گی جب تم کھاؤ پیو گی، اپنے اندر اسے بھوکا مت مارو۔"

بیگم آفندی نے دھیرج سے اسے سمجھایا بھی اور ٹوکا بھی پھر امی سے کہنے لگیں۔

"آپ فکر نہیں کریں۔ اب میں آ گئی ہوں۔"

"آپ بھی تو اتنی کمزور ہو گئی ہیں۔" امی نے کہا تو وہ رو پڑیں۔

"جوان بیٹا گیا ہے میرا۔ میری آنکھوں کے سامنے اور میں اسے وہیں چھوڑ آئی ہوں۔ یہاں بھی نہیں لا سکی۔"

"کیوں ماما......؟" اس نے نہ لانے کا سوال تو اٹھایا ہی تھا۔ ساتھ احتجاج بھی تھا۔

"مشکل تو نہیں تھا بیٹا! میں لے آتی لیکن......" انہوں نے پرس کھول کر ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا اور اس کی طرف بڑھا کر بولیں۔ "مجھے اس کے سرہانے یہ ملا تھا اس کی آخری تحریر تمہارے نام۔"

اس نے کچھ سہمے ہوئے انداز میں کاغذ لے کر کھولا تھا۔

میں تمہیں زندگی بھی نہیں کہہ سکتا کہ زندگی تو بے وفا ہے۔ جان بھی نہیں، ایمان ہو تم۔

تم نے مجھے زندہ دیکھا ہے اور میں ہمیشہ تمہارے دل میں، ہر احساس میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ماما سے کہہ دینا مجھے یہیں چھوڑ دیں۔ تمہارے سامنے میں آنکھیں بند کر کے نہیں آ سکتا۔ پھر تم پکارو اور میں سنوں نہیں۔ کہیں اپنی بے بسی پر میں خدا سے شاکی نہ ہو جاؤں۔ تم بھی شاکی مت ہونا۔

اور سنو
غم کی لہر میں بہہ کر
جیسے ہارنے والے
بے کنار روتے ہیں
اس طرح سے مت رونا
تم اداس مت ہونا

اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں اور پورا بدن سن۔ پھر پلکوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپکنے لگے تھے۔

بیگم آفندی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر بولیں۔

"بہت چاہا اس نے تمہیں۔ تمہاری سوچ سے بڑھ کر۔"

اس کے آنسو اور شدت سے بہنے لگے تھے۔

"وہ تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا تھا لیکن یہاں وہ ہار گیا، تم اس کی خواہش کا احترام کر لو۔ مت روؤ۔"

انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا لیکن اسے آنسوؤں پر کہاں اختیار تھا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو منہ دھونے کے بعد بھی اس کی آنکھوں کے سوتے خشک نہیں ہوئے تھے۔

پھر بیگم آفندی نے زبردستی اسے اپنے ساتھ ناشتہ کرایا تو اس دوران وہ بار بار اسے ہونے والے بچے کا احساس دلاتی رہی تھیں۔ جسے ان کے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ خود شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ بہر حال ناشتے کے بعد امی نے جانے کی بات کی تو بیگم آفندی نے ہمیشہ کی طرح مروتاً بھی انہیں رکنے کو نہیں کہا۔ اس کے برعکس اسی وقت ڈرائیور کو بلا کر انہیں چھوڑ آنے کا کہہ دیا۔ تو وہ ان کی بے مروتی پر جز بز ہو کر امی سے بولی۔

”امی پھر آتی رہے گا۔“

”ہاں بیٹا! جب تک تم عدت میں ہو۔“ امی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ بیگم آفندی بول پڑیں۔

”عدت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ جب گھبرائے گی۔ میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں گی۔ ویسے آپ فکر نہیں کریں۔ یہاں اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔“

امی کیا کہتیں۔ اسے گلے لگا کر یہی بولیں۔

”تم آجایا کرنا۔“

”جی......!“ وہ ان کے ساتھ گلاس ڈور تک جا کر واپس لوٹ آئی۔

”اب تم آرام کرو بیٹا! شام میں میں تمہاری ڈاکٹر کو یہیں بلالوں گی، چیک اپ کے ساتھ تمہیں ڈرپ بھی لگا دے گی بہت کمزور ہو گئی ہو۔ جاؤ آرام کرو۔ میں بھی تھک گئی ہوں، کچھ دیر سوؤں گی۔“

انہوں نے کہا تو وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی اور یونہی بے مقصد بیڈ کارنر کے دراز کھول کھول کر دیکھنے لگی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تو ایسا لگا جیسے شہریار اس کے ساتھ ساتھ آیا ہو۔ شاید اس لیے کہ یہاں کی بند فضا میں وہی مہک رچ بس گئی تھی، جو ہر پل اس کے وجود سے اٹھتی تھی۔ کتنی دیر وہ اس فضا میں سانس لے کر اسے اپنے قریب محسوس کرتی رہی۔ پھر واپس کمرے میں آ کر وہ اس احساس کے ساتھ سونا چاہتی تھی کہ معاً فون کی بیل نے اس کی توجہ کھینچ لی تو پہلے کارڈلیس کی تلاش میں اس نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں پھر لاؤنج میں جا کر ریسیور اٹھایا تھا۔

”ہیلو۔“

”اسلام علیکم۔“ دوسری طرف اسفند یار تھا جس کی آواز وہ فوراً نہیں پہچان سکی، جب ہی عام سے انداز میں جواب دیا۔

”وعلیکم السلام۔“

”آپ شہریار کی مسز ہیں ناں۔“ ادھر سے پوچھا گیا تو اس بار وہ پہچان کر فوراً کہنے لگی۔

”آپ...... آپ! اسفند یار ہیں ناں۔ پلیز فون بند مت کیجئے گا۔ مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔“

”جی۔“ وہ غالباً حیران ہوا تھا۔ ”میں نے تو کبھی فون بند نہیں کیا۔“

”آپ سن رہے ہیں ناں۔“ وہ اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر اپنی کہے گئی۔

”مجھے شیری نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ آپ پلیز یہاں آجائیں۔ شیری نے کہا تھا۔ یہ

سب کچھ آپ کا ہے۔ میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گی۔ میرے لیے سب کچھ شیری تھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ آرہے ہیں ناں؟“

”ہیلو، ہیلو اسفند یار۔“

دوسری طرف کوئی آواز نہیں تھی۔ اس نے کریڈل پر ہاتھ مارا، لیکن وہاں پہلے ہی بیگم آفندی کا ہاتھ موجود تھا۔ وہ پھر بھی نہیں سمجھی اور انہیں دیکھ کر سادگی سے کہنے لگی۔

”ماما! اسفند یار کا فون تھا۔ مجھ سے شیری نے کہا تھا کہ میں انہیں......“

بقیہ الفاظ اس کے حلق ہی میں رہ گئے کیونکہ بیگم آفندی کے زوردار طمانچے نے اس کی آواز بند کر دی تھی۔

❁❁❁

وہ اس غیر متوقع تھپڑ پر نہ صرف حیران بلکہ اچانک سہم گئی تھی۔ اور گال پر ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہوئے صوفے پر ڈھے گئی تو اگلے پل بیگم آفندی اس کے قریب آ کر غرائیں۔

"میں نے تمہیں اسفند یار کا فون اٹینڈ کرنے سے منع کیا تھا۔ تم نے میری بات سنی نہیں یا سمجھی نہیں تھی۔ جانتی ہو کون ہے وہ؟"

وہ اگر جواب دینا بھی چاہتی تو نہیں دے سکتی تھی کیونکہ اس کی سانسیں تک رک گئی تھیں۔

"وہ قاتل ہے۔ شہر یار کا قاتل اور تم اسے یہاں آنے کو کہہ رہی تھیں جس نے میرے شیری کو مار ڈالا۔ متنفر کر دیا تھا اس نے شیری کو مجھ سے، تم سے، اس لیے وہ ہم سے دور چلا گیا۔ ورنہ اس سے پہلے بتاؤ، کیا اس کے اندر جینے کی خواہش نہیں تھی۔ تمہارے لیے، میرے لیے اور اسفند یار نے اس کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ قاتل ہے میرے شیری کا قاتل۔"

بیگم آفندی اچانک ٹوٹ کر رونے لگیں تو وہ جو گال پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی ان کے رونے سے یک لخت اس کے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی۔

"ماما! ماما! آئی ایم سوری۔ پلیز، مجھے معاف کر دیں۔ میں یہ سب نہیں جانتی تھی۔"

بیگم آفندی نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگیں۔ "تم کچھ نہیں جانتیں بیٹا! اور میں نے تو شیری کو بھی بے خبر رکھا تھا کہ کیسے کیسے لوگ اس کے دشمن ہو رہے ہیں۔ میں خود ہی سب سے لڑ رہی تھی لیکن جانے کب، کیسے اسفند یار شیری تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے اندر ہمارے خلاف ایسا زہر اتارا کہ وہ اپنی زندگی ہی سے نفرت کرنے لگا تھا۔ تم نے خود دیکھا۔ وہ لندن جانے پر آمادہ نہیں تھا۔ کیوں؟ کیونکہ اسفند یار نے اس سے جینے کی امنگ چھین لی تھی اور اب اس کا اگلا شکار تم ہو۔ کیونکہ تم شیری کا وارث پیدا کرنے والی ہو۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

وہ گم صم سی انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ ان کی آخری بات پر ہی سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔ پھر ان کے ہاتھ تھام کر بولی۔

"ماما! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"نہیں نہیں بیٹا! تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میں ہوں نا اور میں دیکھوں گی، اسفند یار میں کتنی جرات ہے، اس گھر میں آنا تو دور کی بات، وہ اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

ان کے لہجے میں زہر اسفند یار کے لیے تھا پھر اس کا گال تھپک کر بولیں۔

"تم اب محتاط رہنا۔ اسفند یار کسی بھی انجان شخص کا فون آئے تو صاف انکار کر دینا کہ تم بات نہیں کرنا چاہتیں اور مجھے ضرور بتانا۔"

"جی......"

"جاؤ اب تم آرام کرو۔ اپنے دل اور ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا۔ اینڈ آئی ایم سوری کہ تمہارے منہ سے اسفند یار کا نام سن کر میں بالکل آپے سے باہر ہو گئی تھی۔"

بیگم آفندی نے اسے تسلی دینے کے ساتھ اپنے رویے پر معذرت بھی کی تو اس کا دل مزید سہم گیا۔ کیونکہ وہ بھولی نہیں تھی کہ بیگم آفندی نے ایک بار پہلے بھی اس سے معافی مانگی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے جس طرح شہر یار کی نظروں میں دو کوڑی کا کرنے کی سعی کی تھی، اس سے وہ ان کی نفرت سے زیادہ محبت کے مظاہرے سے ڈرنے لگی تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ کتنی دیر ان کی باتوں پر غور کرنے کے ساتھ ان میں سچائی ڈھونڈتی رہی لیکن اس کا دل اس سے پہلے ہی شہر یار پر ایمان لا چکا تھا۔ جس نے کبھی اس سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی اس کا لہجہ سچائیوں سے چور تھا، جب اس نے کہا تھا۔

"محرومیوں میں پلنے والے میرے وہ بھائی بہن، سب کچھ ان کا ہے۔ تم کوئی دعویٰ نہیں کرنا۔"

پھر کیسی عاجزی تھی۔ "سنو۔ اب اسفند یار کا فون آئے تو ان سے کہنا فوراً یہاں آ جائیں یا اپنا اتا پتہ بتا دیں۔ میں خود جا کر انہیں لے آؤں گا۔"

اس کا دل ابھی بھی اس لہجے پر تڑپ گیا تھا اور پھر وہ اسی نہج پر سوچنے لگی۔

"شیری جب اسفند یار سے ملا ہی نہیں تو پھر وہ کیسے اسے مجھ سے یا ماما سے متنفر کر سکتے ہیں۔ ماما کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر وہ ان سے ملنا ہی نہیں چاہتیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ کچھ ہے ضرور لیکن میں کیا کروں، ماما منع کر رہی ہیں اور شیری۔"

وہ الجھنے لگی کہ کس کی مانے۔ جو موجود ہے یا جو چلا گیا ہے۔ بے شک جانے والا لوٹ کر نہیں آ سکتا لیکن وہ اس کی نفی نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

رابعہ نے پہلے جس ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ہامی نہیں بھری تھی۔ اب دوبارہ وہاں جانے کے

لیے باقاعدہ تیار ہو رہی تھی۔

امی کو اس کے کہیں جانے پر نہیں بلکہ تیاری پر اچنبھا ہو رہا تھا لیکن ٹوکا یوں نہیں کہ اس کا ردعمل جانتی تھیں۔ جبھی بس کن انکھیوں سے اسے دیکھتی رہیں۔

''اچھا امی!'' رابعہ بیگ کندھے پر ڈال کر امی سے مخاطب ہوئی، تب وہ رہ نہیں سکیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''جاب کیلئے۔'' وہ اپنے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''عفان سے پوچھ لیا تھا؟'' امی نے گزشتہ کی طرح ابھی بھی اسے احساس دلانے کی کوشش کی تو وہ ناگواری سے بولی۔

''کیوں۔ ان سے کیوں پوچھوں گی، البتہ بتا دیا تھا۔''

''کیا...... کیا بتایا تھا؟'' اب امی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''یہی کہ میں جاب کروں گی۔'' اس نے جتنی بے نیازی دکھائی، امی نے اسی قدر بے تابی سے پوچھا۔

''پھر اس نے کیا کہا۔''

''کہہ رہے تھے۔ کیا ضرورت ہے جو تمہارا خرچہ ہے مجھ سے لے لیا کرو۔ ہونہہ۔''

اس نے بتا کر نخوت سے سر جھٹکا لیکن امی اس بات سے ہی خوش ہو گئی تھیں۔

''ٹھیک تو ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے، جس شخص سے میرا کوئی واسطہ، تعلق ہی نہیں اس سے میں خرچہ لوں۔ کیوں۔''

''کیوں واسطہ تعلق نہیں۔ نکاح میں ہو اس کے۔''

''اچھا بس، میرا موڈ خراب نہیں کریں۔ میں جا رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلی تھی۔

اور اپنا موڈ ٹھیک رکھنے کی خاطر امی کی باتوں کو سوچنے کے بجائے تمام راستہ وہ آگے کا سوچتی رہی کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کی زبردست پذیرائی ہو گی اور واقعی اس کا یقین سچ ثابت ہو گیا۔

''موسٹ ویلکم مس رابعہ! میں بڑی شدت سے آپ کا منتظر تھا۔''

جس شخص نے اسے ماڈلنگ کی آفر کی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر کھل گیا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ قصداً بے نیازی دکھاتی بیٹھ گئی تو پوچھنے لگا۔

''کیا منگواؤں آپ کے لیے کولڈ ڈرنک یا......؟''

''نو تھینکس، پہلے کام کی بات ہونی چاہیے۔'' اس نے سہولت سے منع کر کے کہا۔

''وہ بھی ہو جائے گی۔'' وہ لاپروائی سے بولا لیکن پھر اسے سنجیدہ دیکھ کر خود بھی سنجیدہ شکل بنا کر

پوچھنے لگا۔ ''ہاں تو کیا سوچا آپ نے؟''

''کس بارے میں؟''

''ماڈلنگ......'' اس نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''ماڈلنگ میں ضرور کروں گی لیکن ابھی فوراً نہیں۔ کچھ عرصہ میں آفس ورک کرنا چاہتی ہوں اس کے بعد ماڈلنگ کی طرف آؤں گی۔ آپ کے پاس جگہ ہے تو ٹھیک ورنہ میں کہیں اور ٹرائی کر لوں گی۔''

''جگہ کیوں نہیں، آپ کے لیے بہت جگہ ہے۔ کہیں تو میں اپنی کرسی آپ کے لیے چھوڑ دوں۔''

وہ والہانہ نظریں اس پر جمائے واقعی اٹھ کھڑا ہوا تو وہ اندر ہی اندر محظوظ ہو کر بولی۔

''میں آپ کی جگہ لینے نہیں آئی مسٹر۔''

''توصیف! توصیف عالم۔''

''جی توصیف عالم صاحب! میں جاب کے لیے آئی ہوں۔ اتنے دن میں نے سوچنے میں نہیں گزارے کیونکہ فیصلہ تو میں نے یہاں سے جاتے ہی کر لیا تھا، لیکن فیملی میں ایک اچانک سانحے کے باعث میں آپ سے فوراً رابطہ نہیں کر سکی۔''

اس نے اپنے دیر سے آنے کا سبب بتایا تو وہ کہنے لگا۔

''کوئی بات نہیں آپ آ گئیں یہی بہت ہے اور جہاں تک آفس ورک کی بات ہے تو ابھی آپ ریسپشن پر بیٹھ سکتی ہیں گو کہ یہ آپ کے لیے موزوں نہیں ہے لیکن مجبوری ہے۔''

''کوئی مجبوری نہیں بلکہ میرے خیال میں میرے لیے یہی موزوں ہے کیونکہ میرے پاس کوئی ڈپلومہ ہے نہ تجربہ۔ پھر بعد میں تو مجھے ماڈلنگ ہی کرنی ہے۔'' اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

''ابھی کیا پرابلم ہے؟''

''پرابلم تو نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ میں پہلی بار گھر سے نکلی ہوں، اس لیے مجھ میں زیادہ کونفیڈنس نہیں ہے اور میں کونفیڈنس کے ساتھ اس فیلڈ میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔''

''مگر مجھے یقین ہے۔ آپ بہت جلد ہمیں اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقع دیں گی۔''

''شیور، پھر میں کب سے جوائن کروں۔'' اس نے پوچھا تو وہ چند ثانیے رک کر بولا۔

''کل، کل صبح دس بجے آپ کو ریسپشن پر موجود ہونا چاہیے۔''

''اوکے تھینک یو۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا بڑھا ہوا ہاتھ سرسری انداز میں چھو کر باہر نکل آئی تھی۔

اور چونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے جاب کرنے پر کوئی خوش نہیں ہے۔ اس لیے گھر آکر اس نے سرسری انداز میں بتایا تھا کہ اسے جاب مل گئی ہے اور وہ کل سے آفس جائے گی۔ جس پر امی اپنے آپ بڑبڑا کر خاموش ہو گئیں اور ابو نے بھی کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جس سے اسے حوصلہ ملتا، جب ہی اس نے مزید ضد پکڑ لی تھی۔

"اب تو میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔"

اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے من مانی کرتی آرہی تھی۔ پھر بھی سدا کی شاکی تھی اور خصوصاً ایسے موقعوں پر فائقہ سے موازنہ کرنے لگتی تھی۔

اسے تو کسی نے منع نہیں کیا تھا بلکہ امی دعائیں کرتی تھیں اور جس روز اس نے جاب کی خوشخبری سنائی تھی سب کیسے خوش ہوئے تھے اور میری باری سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ ٹھیک ہے۔ نہیں کوئی خوش ہوتا نہ ہو میں تو خوش ہوں۔

اور یہی فرق اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ فائقہ کے پیش نظر سب کی خوشی ہوتی تھی اور اسے اپنی خوشی عزیز تھی۔

فائقہ مان کر سکون سے رہتی۔

وہ منوا کر جھنجلاتی رہتی۔

اور پھر فائقہ پر آزمائش بھی اللہ کی طرف سے آئی تھی تو سب کی دعائیں بھی اس کے حصے میں آگئی تھیں جبکہ وہ خود اپنے لیے آزمائش منتخب کر کے دعاؤں سے محروم ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ یہ سوچنے کو تیار نہیں تھی کہ وہ غلطی پر ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس اس کی وہی ہمیشہ والی "میں" تھی۔

میں جو کر رہی ہوں ٹھیک کر رہی ہوں۔

بہر حال امی کی واضح اور ابو کی محسوس کی جانے والی ناراضی کے باوجود اگلے دن سے آفس جانے لگی تھی اور وہ اور کچھ سمجھے نہ سمجھے لیکن یہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ اسے جاب صلاحیتوں کی بنا پر نہیں بلکہ غیر معمولی خوبصورتی کی بدولت حاصل ہوئی ہے تو اس کے بعد اس کے نزدیک کام کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ بس اسے حسین سے حسین نظر آنا چاہیے۔ جب ہی وہ اپنے آپ پر پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگی تھی اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ تیاری پر صرف کر کے جب وہ آفس جاتی تو توصیف عالم جس انداز سے اس کی پذیرائی کرتا اور پھر جس طرح اسے سراہتا، اس سے وہ مزید اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگی تھی۔

اس وقت توصیف عالم اسے سراہنے کے بعد بولا تھا۔

"میرا خیال ہے تم میں کونفیڈنس کی کمی نہیں ہے۔ تم آرام سے ماڈلنگ کر سکتی ہو۔"

"کروں گی۔ ضرور کروں گی۔ جلدی کیا ہے۔" وہ قصداً لاپروائی دکھاتی تھی۔

"کلائنٹس جلدی مچا رہے ہیں۔ انہیں ایک ہفتے میں ایڈ چاہیے، اگر ہم نے تیار نہیں کیا تو وہ کسی اور کمپنی سے رجوع کر لیں گے۔"

توصیف عالم اندر سے خواہ کتنا جھنجلایا لیکن اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"تو آپ کسی اور ماڈل سے کروالیں۔"

"اوں ہوں، تمہیں دیکھنے کے بعد کوئی اور چہرہ نظروں میں جچتا نہیں، اب میرے ہر ایڈ کی ماڈل تم ہو گی۔ صرف تم۔"

وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر بولا۔

"پھر تو آپ کو انہیں منع کرنا پڑے گا جنہیں ایک ہفتے میں ایڈ چاہیے کیونکہ میں خود کو اس کام کے لیے تیار نہیں کر پا رہی۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے انداز میں بولی پھر اسے خاموش دیکھ کر کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے، آپ اپنا نقصان نہیں کریں اور ابھی کسی بھی......"

"تمہارے لیے سارے نقصان برداشت کر لوں گا؟" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

"سب کو منع کر دوں گا۔ جب تک تم تیار نہیں ہو جاتیں۔ کتنا وقت لگے گا تمہیں۔ سال دو سال اس سال؟"

"نہیں نہیں۔" وہ ہنس پڑی بڑی دل آویز ہنسی تھی۔ توصیف عالم کے دل میں گھنگھرو بجنے لگے تھے۔

"پھر......؟"

"بس ایک مہینہ یا زیادہ سے زیادہ دو مہینے۔"

وہ اس کے چہرے پر اندرونی جذبات کا عکس دیکھ کر قدرے نروس ہو گئی تھی۔

"او کے۔ میری ایجنسی میں دو مہینے سے پہلے کوئی نیا ایڈ نہیں بنے گا۔" اس نے کہا تو وہ اٹھلا کر بولی۔

"اور اگر میں اس سے پہلے تیار ہو گئی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔" وہ فوراً بولا تو وہ پھر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

☆☆☆

ابرار قریشی کے آفس میں داخل ہونے والا شخص اسفند یار آفندی تھا۔ جو گو کہ شہریار آفندی سے

بہت زیادہ مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن جیسے ایک باپ کی اولاد میں بہت سی باتیں یا خصوصیات مشترک ہوتی ہیں کہ دیکھنے والا ازخود جان لیتا ہے، تو اسی طرح ابرار قریشی اسے دیکھ کر ٹھٹکے تھے پھر بھی سوالیہ انداز میں "صرف جی" کہا تھا۔

"آئی ایم اسفند یار آفندی۔" اسفند یار کا لہجہ حد درجہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا اور تعارف کے ساتھ ہی بولے تھے۔

"مجھے ابرار قریشی صاحب سے ملنا ہے۔"

"جی میں ہی ابرار قریشی ہوں۔" ابرار قریشی نے فوراً اٹھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"اسلام علیکم! اینڈ آئی ایم سوری کہ میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔" اسفند یار نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"ہم شاید پہلی بار مل رہے ہیں۔ پلیز تشریف رکھیں۔" ابرار قریشی نے قدرے شگفتگی سے نہ پہچاننے کا سبب جتا کر انہیں بیٹھنے کو کہا۔

تھینک یو۔" اسفند یار چیئر کھینچ کر آرام سے بیٹھ گئے تو ابرار قریشی نے پہلے چپڑاسی کو بلا کر چائے لانے کا اشارہ کیا تو پھر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"کہاں سے آرہے ہیں؟"

"گھر سے......" ان کے جواب سے ابرار قریشی جز بز ہو کر بولے۔

"نہیں میرا مطلب ہے۔"

"ابرار صاحب!" وہ ٹوک کر بولے۔ "آپ کیوں اتنے متجسس ہیں۔ میں کہیں کسی شہر میں بھی رہوں۔ کیا فرق پڑتا ہے آپ سے رابطہ کر تو لیتا ہوں۔"

"ہاں لیکن جب مجھے آپ کی ضرورت پڑتی ہے تب آپ نہیں ملتے۔ بہر حال اب آپ آگئے ہیں تو اپنے والد کی وصیت کے مطابق۔"

"نہیں۔ میں اس وقت ایسے کسی مقصد سے نہیں آیا۔" انہوں نے ناگواری سے ٹوک دیا۔

"پھر؟" ابرار قریشی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"میں شہر یار، شیری کہاں ہے شیری؟" وہ اپنے آپ میں الجھ کر بولے اور ابرار قریشی کے سر جھکانے پر کہنے لگے۔

"میں نے ابھی کچھ دن پہلے آفندی ہاؤس فون کیا تھا تو شہر یار کی مسز سے بہت تھوڑی بات ہوئی تھی، پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہی تھیں میں ٹھیک سے سمجھ نہیں پایا۔

اس کے بعد میں نے آپ کو اور آفندی ہاؤس میں بھی بہت فون کیے لیکن ادھر آپ ملے نہیں اور

ادھر میری آواز سنتے ہی فون بند کر دیا گیا۔ تب مجھے مجبوراً یہاں آنا پڑا کیونکہ مسز شہر یار کی بات گو کہ میں سمجھ نہیں پایا، لیکن جس انداز سے انہوں نے شیری کا ذکر کیا، اس سے میں پریشان ہو گیا ہوں۔ کہاں ہے شیری؟"

انہوں نے آخر میں پھر اپنا سوال دہرایا تو ابرار قریشی گہری سانس کھینچ کر افسوس سے بولے۔

"بہت جلدی چلا گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"بس اسفند یار! ہم اللہ کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتے۔ وہ اتنی ہی عمر لے کر آیا تھا۔ اللہ اس کی مغفرت فرمائے بہت اچھا بہت نیک لڑکا تھا۔"

"او گاڈ......" اسفند یار کو فائقہ کی باتوں سے شبہ ہوا تھا اور اب تصدیق ہونے پر انہیں واقعی دکھ ہو رہا تھا کچھ بھی سہی وہ ان کا بھائی تھا۔ گو کہ میڈم آفندی کے ناتے وہ اس سے نفرت کرتے تھے اور اس کے بارے میں جب بھی سوچا تنفر سے سوچا تھا لیکن ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا پھر اب رگوں میں باپ کا خون جوش مار رہا تھا جو کتنی دیر وہ دکھ کی کیفیت میں گم صم بیٹھے رہے۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید کوئی بہت اپنا سامنے ہوتا تو وہ رو بھی پڑتے لیکن اب ضبط کیے بیٹھے تھے۔

چپڑاسی چائے کی ٹرے رکھ گیا تھا۔

ابرار قریشی ان کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔ جب ہی شہر یار کے بارے میں مزید کچھ نہیں کہا اور چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ کر بولے۔

"چائے پیجئے۔"

اسفند یار آواز پر چونکے تو ان کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی جس سے گویا زندگی سے رابطہ بحال ہو گیا تھا، تب چائے کا کپ اٹھا کر پوچھنے لگے۔

"کیا ہوا تھا اسے؟"

"کینسر اور ابھی نہیں بہت سالوں سے بلڈ کینسر تھا اسے۔" ابرار قریشی نے بتایا تو ان کی انگلی میں پھنسا چائے کا کپ لرزنے لگا جسے واپس ٹرے میں رکھ کر بولے۔

"آپ نے پہلے نہیں بتایا؟"

"کبھی خاص طور سے اس کے بارے میں آپ نے پوچھا ہی نہیں۔ خیر اگر پوچھتے تب بھی میں ب نہ بتاتا کیونکہ بیگم صاحبہ نے اس کی بیماری کو ہر ایک کے سامنے بیان نہیں کیا تھا۔ بہت کم جانتے تھے۔"

"اس کی مسز، وہ جانتی تھیں۔" انہوں نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔

"آئی ڈونٹ نو......" ابرار قریشی نے لاعلمی کا اظہار کر کے انہیں چائے کی طرف متوجہ کیا۔

"آپ چائے پیجیے یا اگر ٹھنڈی ہو گئی ہے تو اور منگواؤں۔"

"نہیں، بس ٹھیک ہے۔" انہوں نے کپ اٹھا لیا پھر شہر یار کو سوچتے ہوئے بولے۔

"کیسا تھا شیری! آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر ہے؟"

"نہیں، اگر آپ کہیں تو میں حاصل کر سکتا ہوں۔" ابرار قریشی نے کہا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا پھر چائے کا گھونٹ لے کر پوچھنے لگے۔

"اس کی تدفین کہاں ہوئی ہے؟"

"لندن......"

"لندن!" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہاں وہ ٹریٹ منٹ کے لیے وہیں جاتا تھا۔ اس بار گیا تو واپس ہی نہیں آیا۔ بیگم صاحبہ گئی تھیں اور اس کی وصیت کے مطابق اسے وہیں......" ابرار قریشی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے تو پھر کتنی دیر خاموشی چھائی رہی۔

اسفند یار کچھ سوچ نہیں رہے تھے، البتہ برسوں پہلے کے کچھ منظر ان کی نظروں میں آن سامنے تھے۔ جب شہر یار چھوٹی بہن کے بارے میں سوال کرتا تھا اور ڈیڈی سے پہلے وہ جواب دیتے تھے۔ کتنی دیر وہ اسی زمانے میں کھوئے رہے پھر جب بولے تو ان کے لہجے میں دکھ اور پچھتاوا تھا۔

"کاش میں اس سے مل لیتا۔"

"وہ بھی یہ حسرت لے کر گیا ہے۔ آخری بار جب وہ میرے پاس آیا تھا تو میرے پاس بیٹھ کر بہت رویا تھا اور آپ کے لیے بہت بے قرار تھا لیکن افسوس میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکا، آپ کا ٹیلیفون نمبر ہی ہوتا تو......"

ابرار قریشی اس امید پر دیکھنے لگے کہ شاید اب وہ اپنا اتا پتہ بتا دیں لیکن وہ ان کی آخری بات نظر انداز کر کے پوچھنے لگے۔

"وہ آپ کے پاس کیوں آیا تھا۔ آئی مین یونہی ملنے یا کوئی وصیت وغیرہ لکھی؟"

"وصیت کہہ لیں یا اس کی خواہش کہ وہ آفندی ہاؤس اپنی مسز کے نام کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت پتہ نہیں کیوں وہ اپنی زندگی سے بہت مایوس لگ رہا تھا۔ بہر حال جب میں نے اسے بتایا کہ وہ آپ کے تعاون کے بغیر کچھ بھی اپنی مسز کے نام نہیں کر سکتا تو پھر اس نے اصرار نہیں کیا تھا بلکہ وہ پھر آپ ہی کے بارے میں پوچھتا رہا تھا۔"

ابرار قریشی تفصیلی جواب دے کر کہنے لگے۔

"میرا خیال ہے اب آپ کو سامنے آ جانا چاہیے اور جو کچھ آپ کا......"

"نہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگا۔ "میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں ایسے کسی مقصد سے نہیں آیا۔ مجھے صرف شہر یار کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ جسے میں نے کبھی اچھائی کے ساتھ نہیں سوچا لیکن آج اپنی ساری اچھائیاں اس کے نام کر رہا ہوں کہ بڑے بھائی کی حیثیت سے میرا فرض اسے دینا ہے۔ اور لینے کے لیے میں وقت آنے پر اپنے باپ کی ہر شے پر حق جتاؤں گا۔"

"وقت آنے پر...... آپ کس وقت کے انتظار میں ہیں۔" ابرار قریشی نے قدرے رک کر پوچھا۔

"میرا کوئی پلان نہیں ہے۔ میں صرف اپنی والدہ کے سامنے مجبور ہوں جو نہیں چاہتیں کہ میں شیری کی ممی کا سامنا کروں۔ بس جس روز میں نے انہیں منا لیا، اسی دن میں انہیں لے کر سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔ آفندی ہاؤس......"

ان کے مضبوط لہجے پر ابرار قریشی انہیں دیکھتے رہ گئے تو وہ اٹھنے کا ارادہ کرتے کرتے اچانک کسی خیال سے رک کر پوچھنے لگے۔

"ایک بات اور...... شیری کی مسز کون ہیں، آئی مین فیملی کی کوئی لڑکی ہے؟"

"نہیں میں ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ وہ جیلان ماربل انڈسٹریز میں جاب کرتی تھیں۔"

ابرار قریشی نے بتایا تو ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"شیری کی ممی کی طرح وہ بھی تو وہیں ملازم تھیں۔"

"ہاں لیکن......" ابرار قریشی فائقہ کی تعریف یا طرف داری میں کچھ کہتے کہتے رہ گئے پھر کندھے اچکا کر بولے۔

"بہر حال میں زیادہ نہیں جانتا۔"

"میں جانتا ہوں کہ انڈسٹریز میں کام کرنے والی لڑکیاں جب انڈسٹری کی مالک بننے کا خواب دیکھتی ہیں تو پھر......" وہ زہر خند سے بولتے ہوئے اچانک ابرار قریشی کو دیکھ کر ہونٹ بھینچ گئے پھر اٹھتے ہوئے بولے۔

"او کے ابرار صاحب! آپ سے انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔"

"ضرور۔ لیکن آپ نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا نہیں۔ میرا مطلب ہے کیا کرتے ہیں آپ؟" ابرار قریشی نے پوچھا تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اللہ کا شکر ہے کوئی غلط کام نہیں کرتا۔"

"اچھی بات ہے۔" ابرار قریشی نے مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ جان گئے تھے کہ وہ ایسے ہی جواب دیں گے۔

"اب مجھے اجازت......" انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ابرار قریشی ان کا ہاتھ تھام کر پھر بے اختیار پوچھ گئے۔

"ابھی آپ کہاں جائیں گے؟"

"گھر اور میرا گھر اسی زمین پر ہے۔ اوکے خدا حافظ۔"

وہ ابرار قریشی کو لاجواب کر کے مسکراتے ہوئے باہر نکلے تھے لیکن جب ٹیکسی روک کر بیٹھے تب ان کا ذہن بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل میں بھی الجھنے لگا تھا۔ اور دل یہ چاہ رہا تھا کہ اسی وقت آفندی ہاؤس جا کر ان دونوں عورتوں کو نکال باہر کریں جو ایک ان کے باپ اور دوسری ان کے بھائی کی ملازمہ تھی۔ اور پھر اس گھر کی اصل مالکن کو لے آئیں جو آج بھی یہاں آنے کے تصور سے ہی خوفزدہ ہو جاتی تھیں۔

"پتہ نہیں ماں کب سمجھیں گی۔" انہوں نے گہری سانس کے ساتھ سوچا پھر شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

اس نے بیگم آفندی کے ساتھ ناشتہ کیا تھا۔ اس کے بعد لاؤنج میں آ بیٹھی تھی۔

کچھ دیر بعد بیگم آفندی آفس جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلیں اور اسے تنہا اداس دیکھ کر اس کے پاس رک گئیں تو وہ بلا ارادہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی ماما۔"

"بیٹا! تمہیں تنہائی مار ڈالے گی۔ چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گی۔ وہاں بہن بھائیوں کے ساتھ شاید تم بہل جاؤ گی بلکہ کوشش کر کے اپنا دھیان بٹاؤ۔ اس طرح تو زندگی نہیں گزرتی۔ جاؤ بیگ تیار کر کے لے آؤ۔ کچھ دن وہیں رہنا۔"

بیگم آفندی نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی اور بڑی بے دلی سے بیگ میں چند جوڑے ڈال کر واپس آ گئی۔

"ایسے جاؤ گی۔" بیگم آفندی نے اس کے الجھے سراپے کو تنقیدی نظروں سے دیکھا پھر سر جھٹک کر بولیں۔

"خیر چلو لیکن واپس اس حلیے میں مت آنا۔"

وہ کیا کہتی۔" خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑی۔

پھر تمام راستہ بیگم آفندی اسے لیکچر دیتی رہیں۔

"اپنا خیال رکھو۔ تمہارے آگے ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ جو صرف یادوں کے سہارے نہیں گزر سکتی۔ کچھ وقت گزرے گا پھر تمہیں خود احساس ہو جائے گا، ابھی شاید تمہیں میری باتیں بری لگ رہی ہوں گی لیکن آہستہ آہستہ سمجھ جاؤ گی۔ مجھے دیکھو، میری کل کائنات شیری تھا۔ اس کے بعد بھی میں زندہ ہوں پہلے کی طرح کیونکہ مجھے بالکل پسند نہیں کہ لوگ مجھ سے ہمدردی جتائیں، ترس کھائیں مجھ پر۔ تم بھی اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔ کمزور عورت کی حیثیت، ایک کھلونے سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

اس نے صرف سر جھکانے پر اکتفا کیا تو بیگم آفندی ایک نظر اس پر ڈال کر خاموش ہو رہیں۔ پھر جب اس کے گھر کے سامنے گاڑی رکوائی تو کہنے لگیں۔

"کچھ دن آرام سے یہاں رہو اور اگر کہیں جانے آنے کو دل چاہے تو فون کر دینا۔ میں گاڑی بھجوا دوں گی اور ہاں بیگ میں کچھ پیسے ویسے بھی رکھے ہیں یا نہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بے وقوف!" انہوں نے اپنے پرس میں سے نکال کر کچھ نوٹ اسے تھما دیئے۔ "جاؤ اپنا خیال رکھنا۔"

"آپ اندر نہیں آئیں گی؟" اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" بیگم آفندی نے ایک طرح سے انکار کر دیا تو وہ عاجزی سے بولی۔

"لیکن ماما! میں اکیلی......"

"ہاں، یہاں سے تمہیں اکیلے چلنا ہے۔ جہاں تک چل سکو۔"

بیگم آفندی نے کہہ کر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تو وہ مایوس ہو کر اپنا بیگ کھینچتی ہوئی اترتے ہی گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور جیسے ہی بیل کا بٹن پش کیا ادھر بیگم آفندی نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

اس نے دھندلائی آنکھوں سے گاڑی کو جاتے دیکھا پھر دوبارہ بٹن پر انگلی رکھی تھی کہ گیٹ کھلنے کے ساتھ ابو سامنے آ گئے اور اسے دیکھ کر بے اختیار وہیں اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر اسی طرح اندر لے آئے تو امی نے پہلا سوال وہی کیا جس سے وہ خائف تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"ماما...... ماما کے ساتھ۔" وہ ابو سے الگ ہو کر امی کے گلے لگ کر بولی تو اس کی آنکھوں سے

جھڑی لگ چکی تھی۔

"روتی کیوں ہو بیٹا۔" ابو کا انداز ایسا تھا جیسے ہم مر گئے ہیں کیا۔ جس سے وہ اور شدت سے رونے لگی، تب ہی رابعہ کمرے سے نکل کر آئی اور کچھ دیر رک کر صورتحال سمجھنے کی کوشش کی پھر اسے امی سے الگ کر کے بولی۔

"عجیب ہیں آپ لوگ بھی، پہلے اسے بٹھائیں تو سہی۔ چلو تم اندر چلو۔"

"ہاں اندر لے جاؤ۔" امی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

"وہ رابعہ کے سہارے کمرے میں آ گئی اور دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگی لیکن آنسو خشک نہیں ہو رہے تھے۔

"سنو۔" رابعہ اس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگی۔

"میں تمہیں رونے سے منع نہیں کروں گی۔ لیکن امی! ابو کا خیال کر لو۔ ان کے سامنے مت روؤ کیونکہ امی ویسے ہی تمہارے لیے بہت روتی ہیں پھر ابھی تو وہ ماموں جی کے لیے اتنی پریشان ہیں۔"

"ماموں جی! کیا ہوا انہیں؟" وہ رونا بھول گئی۔

"بس اللہ نے بچایا ہے۔ بہت سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا انہیں۔" رابعہ نے بتایا تو وہ مزید پریشان ہو گئی۔

"آں...... پندرہ دن ہو گئے ہیں۔ ویسے اللہ کا شکر ہے اب بہت بہتر ہیں۔" رابعہ نے اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے تسلی بھی دی۔

"مجھے...... مجھے کیوں نہیں اطلاع دی۔"

"تم پہلے اپنے آپ کو تو سنبھالو۔ کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ ڈیلیوری کب ہے تمہاری؟" رابعہ نے ٹوکنے کے ساتھ پوچھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"پتہ نہیں۔"

"کیا مطلب، تمہیں نہیں پتہ۔"

"بس چھوڑو ناں تم مجھے ماموں جی کا بتاؤ، وہ کہاں ہیں ہاسپٹل یا......"

"گھر آ چکے ہیں اور ماشاء اللہ کافی بہتر ہیں۔ تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عظام بھائی نے اسی لیے تمہیں بتانے کو منع کیا تھا۔"

رابعہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ پوچھنے لگی۔

"عظام بھائی ٹھیک ہیں؟"

"ہاں، ادھر ماموں جی کی وجہ سے نہیں آ پا رہے ورنہ اکثر آتے رہتے ہیں۔ اور تمہارا بھی پوچھتے ہیں بلکہ شاید تمہارا پوچھنے ہی آتے ہیں۔"

رابعہ نے سیدھے سادے انداز میں کہا، اس لئے اس نے توجہ نہیں دی اور اپنی ہی رو میں بولی تھی۔

"میں جاؤں گی ماموں جی کو دیکھنے۔"

"اچھا، ابھی تو تم آرام کرو، کچھ کھانے کو لاؤں تمہارے لیے؟" رابعہ الماری کا پٹ کھول کر اس کی طرف پلٹی تو وہ تکیے کے ساتھ کمر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"نہیں، ابھی تو میں ناشتہ کر کے آئی ہوں۔ امی کو بھی منع کر دو۔ میرے لیے کچھ نہ بنائیں۔"

"وہ ابو کو سی آف کرنے کے بعد ہی کچھ بنانے کا سوچیں گی۔ میں جب تک استری کر لوں۔"

رابعہ نے اپنا سوٹ نکالتے ہوئے کہا تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"کہیں جانے کا پروگرام ہے؟"

"آفس میں جاب کر لی ہے نا۔" رابعہ اب عجلت دکھانے لگی تھی۔

"اچھا کہاں؟" اس نے کوشش سے اشتیاق ظاہر کیا۔

"شاید میں نے تمہیں بتایا تھا۔ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے۔ اور ابھی تو میں۔" رابعہ بتا رہی تھی کہ ابو کی آواز پر خاموش ہو گئی۔

"فائقہ!" ابو پکار کر اندر آئے تھے۔ "بیٹا! میں آفس جا رہا ہوں۔"

"جی......" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو ابو اسے دوبارہ بٹھا کر کہنے لگے۔

"رابعہ بھی ابھی چلی جائے گی لیکن تمہاری امی تو ہیں پھر دوپہر تک سوہنی اور عثمان بھی آ جائیں گے۔ تم گھبرانا نہیں۔ تمہاری امی پریشان ہو جاتی ہیں۔ اور تم نے اچھا کیا بیٹا یہاں آ گئیں۔ سارا وقت دھیان تمہاری طرف رہتا تھا۔ اب رونا نہیں، شاباش۔"

پھر رابعہ سے پوچھنے لگے۔ "تمہیں ابھی دیر ہے۔"

"جی......"

"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔" ابو اس کا سر تھپک کر چلے گئے تو اس نے ایک نظر رابعہ کو دیکھا اور تکیے پر سر رکھ کر اپنے آپ بولنے لگی تھی۔

"لگتا ہے تقدیر نے ہمارے ماں باپ کے ساتھ مذاق کیا ہے، پہلے ہم دونوں کو رخصت کرنے کی خوشی دی اور اب، ہم دونوں کو دیکھ کر ان کے دلوں پر جانے کیسی قیامت گزرتی ہو گی۔ توبہ، اب میں بھی ان کے سامنے نہیں روؤں گی۔ میری ذات سے انہیں خوشی نہیں ملی تو دکھ بھی نہیں ملنے

جائیں۔"

رابعہ نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر اپنے کپڑے لے کر واش روم میں چلی گئی تو دروازہ بند ہونے کی آواز پر وہ چونکی تھی اور چاہا کہ اٹھ کر امی کے پاس چلی جائے لیکن ایک تو ایسی حالت میں تھی دوسرے کمزوری کے باعث اس سے بار بار اٹھا بیٹھا نہیں جاتا تھا اس لیے چاہنے کے باوجود اٹھ نہیں سکی اور وہیں امی کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆

اس نے ماموں جی کے ہاں جانے کے لیے بیگم آفندی کو فون کر کے ان سے اجازت لی تو انہوں نے گاڑی بھجوا دی تھی۔ وہ شام سے کچھ پہلے امی کے ساتھ ماموں جی کے ہاں آگئی اور چونکہ واپسی کے لیے امی نے کہا تھا کہ عظام چھوڑ جائیں گے اس لیے اس نے وہیں سے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا۔ اور امی کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو پہلی بار وہ اندر سے بالکل خالی تھی ورنہ ہمیشہ اس دروازے پر کچھ کہنے، کچھ سننے اور ایک جستجو لیے آتی تھی تو اس کا دل ایک انجانی خوشی سے ہم کنار ہو کر دھڑکتا تھا اور جتنی دیر عظام کے پاس بیٹھتی اپنے دل کا دامن پھیلائے رکھتی کہ جانے کب کوئی لمحہ گلاب ہو۔ وہ اس کی ساری زندگی کو مہکا دے۔ اسی جستجو میں وہ ایک بار ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بولی تھی۔

"کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے، میں آپ کا ہاتھ تھام کر بہت دور نکل جاؤں، پتہ نہیں وہ کون سی منزل ہے جو مجھے اپنی طرف بلاتی ہے اور مجھے لگتا ہے میں بنا آپ کے ساتھ کے اس تک نہیں پہنچ سکوں گی۔ آپ ہی کیوں عظام بھائی! مجھے کسی اور کا خیال کیوں نہیں آتا؟" اور ان کے نظر انداز کرنے پر بکھرنے لگی تھی۔

"خدا کے لیے عظام بھائی! میری بات کا جواب دیں۔ آپ خدا تو نہیں ہیں پھر میں ہر مشکل گھڑی میں آپ کو کیوں سوچتی ہوں؟"

پھر بہت آزردگی میں گھر کر اٹھی تھی۔

"کبھی تو اے خدا! یہاں سے جاتے ہوئے میرے دامن میں خوشیوں کے گلاب کھلے ہوں۔"

اور آج وہ بالکل خالی تھی۔ کہنے سننے کی خواہش نہ کوئی جستجو۔ اس کے برعکس یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آج یہاں پہلی بار آئی ہو۔

"فائقہ!" مامی جی نے اسے کھینچ کر گلے لگایا پھر اسماء اور اس کے بعد ماموں جی کے پاس بیٹھی تو بجائے اس کے وہ اس کا حال احوال پوچھ رہے تھے۔

وہ مختصراً جواب دے کر امی کو چلنے کا اشارہ کرنے لگی تو اسماء دیکھ کر اچھل پڑی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں چلو ہم باہر بیٹھتے ہیں۔"

اسماء یہی سمجھی کہ وہ ماموں جی کو بیمار اور کمزور دیکھ کر گھبرا رہی ہے جب ہی اسے اٹھا کر برآمدے میں لے آئی تو وہ لمبے لمبے سانس لے کر بولی۔

"آج صبح سے حبس ہے۔ بہت گھٹن ہو رہی ہے۔"

"ہائیں۔" اسماء نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر اپنے ساتھ بٹھا کر کہنے لگی۔

"حبس اور گھٹن تمہارے اپنے اندر ہے ورنہ باہر کا موسم تو بہت خوبصورت ہے۔ بارش کا امکان لگ رہا ہے۔ اللہ کرے جم کے برسے۔"

پھر اس کی چادر کا کونہ کھینچ کر بولی۔ "اسے تو اتارو، کیا مہمانوں کی طرح بیٹھی ہو۔"

"نہیں بس ٹھیک ہے۔" اس نے چادر مضبوطی سے پکڑ لی۔

"کچھ بھی کر لو جانے نہیں دوں گی ابھی۔ آرام سے رات کا کھانا کھا کر جانا۔ یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟" اسماء نے پیار بھری دھونس جتا کر پوچھا۔

"جو پکا ہے وہی کھا لوں گی اگر اتنی دیر رک گئی تو......؟" اس نے کہا تو اسماء اٹھتے ہوئے بولی۔

"کتنی دیر۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد جب کہو گی دستر خوان بچھا دوں گی۔"

"جا کہاں رہی ہو؟"

"نماز پڑھنے۔" اسماء کہہ کر جانے لگی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا سنو مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا۔ میں لیٹوں گی۔"

"ہاں ادھر میرے کمرے میں چلی جاؤ۔ لائٹ آن کر لینا۔ میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔"

"جلدی آنا، وظیفہ پڑھنے مت بیٹھ جانا عظام بھائی کی طرح۔"

وہ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی پھر ایک دم رک کر پوچھنے لگی۔

"سنو، عظام بھائی نہیں آئے ابھی؟"

"نہیں۔"

"دیر سے آتے ہیں؟"

"کبھی دیر سے کبھی جلدی، کوئی ایک وقت مقرر نہیں ہے۔" اسماء نے جائے نماز بچھاتے ہوئے کہا پھر اسے دیکھنے لگی۔

"سوری تم نماز پڑھ لو۔" وہ جلدی سے کہہ کر اسماء کے کمرے میں آگئی اور لیٹ کر پھر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ شاید اندر سے وجود کی گرمی تھی جو اسے کسی کل چین نہیں آتا تھا۔ گھبراہٹ کے ساتھ سانس لینا دشوار ہو جاتا۔ پرسوں بیگم آفندی اسے چیک اپ کے لیے لے گئی تھیں تو اس نے ڈاکٹر کو

اپنی یہ کیفیت بتائی تھی جس پر اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ آخری ایک دو مہینوں میں ایسا ہوتا ہے۔ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ تم واک کیا کرو۔ اور اس سے کمزوری کے باعث زیادہ چلا نہیں جاتا تھا۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک جا کر ہی ہانپ جاتی تھی اور زیادہ دیر تک کمر کو سہارا دیے بغیر بیٹھنا تو بہت ہی مشکل تھا۔ جب ہی وہ آ کر لیٹ گئی تھی۔ اور کچھ دیر یونہی گردن گھما گھما کر ایک ایک چیز کو دیکھتی رہی پھر اس کا دھیان اپنے آنے والے بچے کی طرف چلا گیا۔ اسے سوچتے ہوئے اس کے دل میں دھیرے دھیرے ایک نیا احساس جاگنے لگا تو اسے اپنے زندہ رہنے کی وجہ بھی سمجھ میں آنے لگی۔ اور مقصد بھی۔

'دنیا اسی لیے ایک توازن سے قائم ہے۔ ایک جاتا ہے تو ایک آتا ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک سلسلہ بھی بند ہو جائے تو یا تو سب ختم ہو جائے گا یا اپنی جگہ بنانے کے لیے سب ایک دوسرے کو ختم کر دیں گے۔ جب کہ وقت مقرر تک دنیا کو اسی طرح قائم رہنا ہے۔ اور نظام ہستی بھی اسی طرح چلتا رہے گا۔ جسے اللہ زندہ رکھنا چاہے گا۔ زندگی خود اسے ڈھونڈتی رہے گی اور جسے اللہ اپنے پاس بلانا چاہے گا۔ وہ خود زندگی سے بھاگتا رہے گا جیسے شیری۔'

اس کی سوچیں بس ایک پل کو اس نقطے پر آ کر ٹھہری تھیں اور ایک پل میں بڑا کرب تھا۔ دل کو بہت زور کا دھچکا لگا تھا کہ آنکھیں جل تھل ہو گئیں لیکن اس نے کمال ضبط سے آنسوؤں کو چھلکنے سے روک لیا کیونکہ ابھی کل ہی تو اس نے تہیہ کیا تھا کہ وہ کسی کے سامنے نہیں روئے گی۔ گو کہ ابھی یہاں کوئی نہیں تھا لیکن اسماء آنے والی تھی۔ اس لیے اس نے بہت کوشش سے آنکھوں کا سارا پانی اپنے اندر اتارا تھا کہ اسماء تیزی میں آ کر بولی۔

"میں نے کیا کہا تھا۔ بارش ہو گی۔"

'کہیں تو جھڑی لگنی تھی۔' اس نے سوچا۔

"آ ؤناں برآمدے میں بیٹھیں گے۔ بہت تیز بارش ہو رہی ہے۔"

اسماء نے پورا دروازہ کھول کر کہا۔ تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر چلا آیا جس نے اس کے پورے بدن میں سرد لہر دوڑا دی اور ایسی ہی ٹھنڈک وہ چاہتی تھی جب ہی اٹھ گئی اور چادر اچھی طرح لپیٹ کر برآمدے میں آ بیٹھی۔

'واہ رے اللہ تعالیٰ! میں نے آنسو روکے تو، تو نے سارا آسمان رُلا دیا۔'

"اللہ کرے صبح تک اسی طرح برستی رہے پھوپھو اور تم جا ہی نہ سکو۔"

اسماء نے کہا تب ہی مامی جی اور امی آ گئیں۔

"ہائیں جب ہم آئے تھے تو ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔"

امی نے تعجب کا اظہار کیا تو اسماء فوراً بولی۔

"تھے پھوپھو! آپ نے غور نہیں کیا ہو گا مجھے تو صبح سے لگ رہا تھا۔"

"اچھا ہماری طرف دھوپ تھی۔" امی تخت پر اس کے پاس بیٹھ گئیں، پھر اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ "تمہیں ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی۔"

"نہیں۔ ٹھنڈک اچھی لگ رہی ہے۔" وہ چونک کر بولی تھی۔

"جاؤ اسماء! چائے بنا لاؤ۔" مامی جی اسماء کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ گئیں تو امی نے خیال آنے پر پوچھا۔

"عظام آ گیا؟"

"نہیں ابھی کہاں آیا۔" مامی جی بتا کر تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ "اللہ ساتھ خیریت کے لائے۔ یہاں تو ذرا سی بارش میں سڑکوں پر سیلاب آ جاتا ہے اور بجلی چلی جائے تو اور مصیبت۔"

"مامی جی! اسماء سے کہیں، موم بتی ابھی سے تلاش کر رکھے۔ اندھیرے میں پریشانی ہو گی۔"

اس نے کہا تو مامی جی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ تم نے ٹھیک کہا۔ میں پہلے تمہارے ماموں کے کمرے میں رکھ آؤں انہیں پریشانی نہ ہو۔"

"امی! گھر کیسے جائیں گے۔" اس نے کہا تو مامی جی جاتے جاتے رک کر بولیں۔

"خیر ہے بیٹی! اپنے گھر میں بیٹھی ہو۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔"

"جی۔" وہ خاموش ہو رہی پھر مامی جی کے جاتے ہی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اسماء چائے لے کر آ گئی تو وہ بس امی کو دیکھ کر رہ گئی۔

"پھوپھو! میں بارش کو دعائیں دے رہی ہوں، اسی بہانے آپ رکیں گی تو۔" اسماء نے چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا تو امی نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"تم تو بہت آتی ہوناں۔"

"آؤں گی پھوپھو! ابا اچھے ہو جائیں پھر انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔"

"ہاں اللہ تمہارے ابا کو جلدی اچھا کرے۔ بہت منتیں مانی ہیں میں نے۔ ایک ہی بھائی ہے میرا اللہ سلامت رکھے۔" امی انجانے میں اس کے زخموں کو چھیڑ رہی تھیں۔

'منتیں دعائیں، زندگی کا سودا، کیا کچھ نہیں کیا میں نے پھر بھی وہ چلا گیا۔' وہ آسمان سے لگی جھڑی کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

اسماء کھانے کا انتظام کرنے دوبارہ کچن میں چلی گئی تھی اور امی کچھ دیر اپنے آپ جانے کیا بولتی رہیں پھر گھر فون کرنے کا کہہ کر اٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تب وہ چونک کر انہیں

جاتے ہوئے دیکھنے لگی پھر دیوار کے ساتھ کمر لگا کر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔ کیونکہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی اور اس ٹھنڈے ماحول سے اٹھنے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ بارش میں بھیگی ہوا کے جھونکے بہت سکون دے رہے تھے۔ جب ہی وہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر رفاقتوں کے ان لمحوں میں کھو گئی تھی جو اس کی زندگی تھے۔

کتنی دیر بعد کھانسنے کی آواز پر اس نے پہلے آنکھیں کھول کر سمجھنے کی کوشش کی پھر گھٹنوں سے پیشانی اٹھائی تو سامنے عظام پانی میں شرابور کھڑے تھے اور کیونکہ اس کا پورا وجود چادر میں لپٹا تھا۔ اس لیے عظام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون ہے جب ہی کھانس کر متوجہ کیا تھا اور اسے دیکھ کر واقعی حیران ہو گئے کیونکہ اس کے آنے کا گمان بھی نہیں تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا تب عظام چونک کر بولے۔

"وعلیکم السلام! خیریت سے ہو؟"

"آپ کپڑے بدل لیں۔" اس نے جواب سے کترا کر کہا تو عظام فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"پتہ نہیں اسماء کیا کر رہی ہے۔" وہ عظام کے واپس آنے سے پہلے وہاں سے اٹھ گئی اور کچن میں جھانک کر اسماء کو دیکھا پھر وہیں سے پلٹ کر ماموں جی کے کمرے میں آ گئی۔

"میں نے گھر فون کر دیا ہے۔" امی نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ سمجھ کر بھی پوچھنے لگی۔

"کیسے جائیں گے ہم؟"

"ابھی تو نہیں جا سکتے۔ بارش رک بھی جائے تو راستے میں پانی کتنا ہوگا۔ تمہارے ابو نے بھی منع کیا ہے اس وقت نکلنے کو۔"

امی نے کہا تو ماموں جی اور مامی جی بھی ان کی تائید کرنے لگیں تب ہی عظام آ گئے۔

"السلام علیکم!"

"شکر ہے، کیسے پہنچے۔" امی جی نے ان کے آنے پر شکر کرنے کے ساتھ پوچھا تو وہ امی کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

"اللہ نے پہنچانا تھا۔ پہنچا دیا۔" پھر پوچھنے لگے۔ "کھانا کھا لیا آپ سب نے؟"

"نہیں اسماء شاید روٹی ڈال رہی ہے۔ میں دیکھتی ہوں۔" مامی جی اٹھنے لگیں کہ اس نے روک دیا۔

"آپ بیٹھیں مامی جی!" اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔

پھر ماموں جی کے کمرے میں ہی سب نے کھانا کھایا۔ اس دوران عظام بارش سے ہونے والے

نقصانات جو وہ راستے میں دیکھتے آئے تھے بتاتے رہے۔ اور آخر میں اسماء کی طرح بولے تھے۔

"چلیں پھوپھو! اسی بہانے آپ تو رکیں۔"

"اور فائقہ بھی۔" اسماء نے کہا تو عظام اسے دیکھ کر بولے۔

"فائقہ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ کبھی اس گھر کا راستہ نہیں بھولی۔"

"اب شاید بھول جاؤں۔" وہ بلا ارادہ کہہ گئی تو جہاں عظام چونکے وہاں اسماء نے فوراً ٹوکا۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" وہ کوئی بات نہیں بنا سکی تو عظام نے اس کی بے بسی محسوس کر کے بات بدل دی۔

"اسماء چائے لاؤ اور ذرا جلدی۔"

اسماء دسترخوان سمیٹ کر چلی گئی تو وہ امی سے کہہ کر اسماء کے کمرے میں آ گئی کیونکہ سب کے درمیان بار بار پہلو بدلنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بہرحال ابھی کھانا کھایا تھا۔ اس لیے وہ کمرے میں ہی ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ جب اسماء چائے لے کر آئی تب اس کے ساتھ بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

"امی کہاں سوئیں گی۔"

"بہت جگہ ہے۔ جہاں دل چاہے گا سو جائیں گی۔ البتہ تم بتاؤ۔" اسماء نے اس سے پوچھا۔

"میں یہیں تمہارے ساتھ سوؤں گی اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔" اس نے کہا۔ تب ہی عظام پکار کر اندر آ گئے اور چیئر کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے۔

"میں نے تمہارا حال احوال تو پوچھا ہی نہیں۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے فوراً جواب دے کر گویا خود کو ٹھیک ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ادھر پھوپھو کے ہاں کب آئیں؟"

"کل اور کل ہی مجھے ماموں جی کے ہارٹ اٹیک کا پتہ چلا لیکن میں اس وقت نہیں آ سکی کیونکہ......"

وہ جانے کس خوف کے تحت روانی سے بولتے ہوئے ان پر نظر پڑی تو سٹپٹا کر خاموش ہو گئی۔

"تمہاری ساس ٹھیک ہیں؟" عظام نے غالباً بات کرتے رہنے کی غرض سے پوچھا۔

"جی......"

"آفس جا رہی ہیں۔"

"جی۔"

"اچھی بات ہے۔ انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے اور پھر خدائی فیصلے پر تو کسی کا اختیار نہیں۔"

عظام نے جس انداز سے بات شروع کی اس سے اسماء سمجھ گئی کہ وہ اس کے اندر ہمت حوصلہ

پیدا کرنے کے لیے طویل لیکچر دیں گے اس لیے عشاء کی نماز کا کہہ کر اٹھ کر چلی گئی تو وہ انہیں اٹھانے کی غرض سے بولی تھی۔

"آپ نماز نہیں پڑھیں گے؟"

"تم کیوں نہیں پڑھتیں؟" انہوں نے نرمی سے ٹوکا پھر کہنے لگے۔ "اللہ کی طرف سے نماز انمول تحفہ ہے۔ اسے اپنی زندگی میں اس قدر اہم کرلو جس قدر کھانا پینا۔ ہم پر خواہ کتنی قیامتیں ٹوٹ پڑیں، ہمارا کھانا پینا نہیں چھوٹتا پھر نماز کیوں چھوڑیں۔ نماز میں دل لگاؤ۔ سکون ملے گا۔ اور اللہ کی مصلحتیں بھی سمجھ میں آنے لگیں گی۔ سن رہی ہو ناں۔"

"جی۔" اس نے چونک کر جی کہا تو وہ پوچھنے لگے۔

"کیا سوچتی رہتی ہو۔ کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ یا سارے ستم تنہا اپنی ذات پر سہنے کا تہیہ کر چکی ہو۔"

"جو سہنا تھا سہ لیا۔ اب تو کوئی ایسی بات نہیں۔" وہ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھتے ہوئے بولی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" انہوں نے گہری سانس کھینچی پھر پوچھنے لگے۔ "پھوپھو کے پاس کیسے آئیں اپنی مرضی سے یا؟"

"میں بھی چاہتی تھی کیونکہ ماما صبح سے آفس چلی جاتی ہیں اور میں سارا دن اکیلی۔ بس اسی لیے آگئی۔ کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"نہیں اچھا کیا آگئیں۔ انسانوں میں رہو گی تو زندگی کا احساس ملے گا۔ تنہائی تو اچھے اچھوں کو پاگل کر دیتی ہے۔ میں مانتا ہوں تم پر پہاڑ ٹوٹا ہے۔ لیکن یہ بھی تو ہے کہ اللہ کسی انسان کو اس کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا۔ تم اپنی ہمت اور حوصلہ بلند رکھو کیونکہ تمہیں ابھی بہت جینا ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں؟"

"ہاں جب تک زندگی ہے تب تک جیوں گی۔ اس سے پہلے پتہ نہیں میرے نصیب میں اور کیا لکھا ہے۔ کتنے دکھ، کتنی آزمائشیں۔" وہ مایوسی میں گھر کر بول رہی تھی۔

"دکھ اور آزمائشیں ہی کیوں سکھ اور خوشیاں بھی تو ہو سکتی ہیں۔" عظام نے ٹوک کر کہا تو وہ گہری سانس سینے میں دبا کر گویا ہوئی۔

"میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور سب سے بڑا دکھ جھیل چکی اس کے بعد تو سارے دکھ سکھ بے معنی رہ گئے ہیں۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے زندگی بس گزرتی چلی جائے گی۔ یا ہو سکتا ہے کہیں میں تھک کر بیٹھ جاؤں یا کھو جاؤں۔" پھر اچانک انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ایک بات بتائیں عظام بھائی! اگر میں کہیں کھو جاؤں تو آپ مجھے ڈھونڈیں گے؟"

عظام مشکل میں پڑ گئے تھے سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا جواب دیں تو اس سے پوچھنے لگے۔

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔ آپ مجھے ڈھونڈنے کا کبھی سوچئے گا بھی نہیں۔" اس نے جتنے آرام سے کہا۔ عظام اسی قدر حیران ہوئے۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟"

"کیوں نہیں۔"

"بے وقوف لڑکی! جب میں کھو گیا تھا، تب تم کیوں پریشان تھیں اور یہ دعا کیوں کرتی تھیں کہ تمہارے پاس ایک پری آجائے جو مجھے ڈھونڈ لائے۔ میں تمہاری طرح پری کا انتظار نہیں کروں گا۔ خود نکل کھڑا ہوں گا۔" عظام کے لہجے کی گمبھیرتا نے اسے گم صم کر دیا تھا۔

❁❁❁

بیگم آفندی کو بادلوں کی گھن گرج سخت ناگوار لگ رہی تھی جب ہی کمرے میں آتے ہی انہوں نے کھڑکیاں بند کر کے پردے بھی برابر کر دیئے پھر اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئیں اور سامنے کیلنڈر پر کسی نئے کانٹریکٹ کی ڈیٹ دیکھتے ہوئے ان کا ذہن فائقہ کی ڈلیوری کی طرف منتقل ہو گیا۔ یعنی ڈاکٹر نے جو مہینہ اور تاریخ بتائی تھی وہ اس حساب سے دن شمار کر کے سوچنے لگی تھیں۔

"ابھی ایک مہینہ ہے پھر میری آغوش میں شیری ہوگا۔ میں پھر سے ماں بن جاؤں گی۔ شیری کی ماں! پھر وہی دن لوٹ آئیں گے۔ میں شیری کو پھر سے پروان چڑھاؤں گی۔ جب وہ میری انگلی تھام کر چلنا سیکھے گا تو لوگ حیران ہو کر پوچھیں گے کہ یہ کون ہے اور میں کہوں گی شیری! میرا شیری لوٹ آیا ہے۔ میں اکیلی ہو گئی تھی ناں اس لیے وہ میرے پاس واپس آ گیا ہے۔"

معاً فون کی بیل نے ان کی سوچوں کو منتشر کر دیا تو انہوں نے غصے اور ناگواری سے ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو!"

"السلام علیکم!" دوسری طرف اسفندیار تھے، جن کی آواز کو فوراً پہچانتے ہی ان کا تنفر عروج پر پہنچ گیا لیکن کمال ضبط سے غصہ دبا کر بالکل انجان بن گئیں۔

"وعلیکم السلام۔"

"میں شہریار کی جواں مرگی پر جس صدمے سے دوچار ہوا ہوں۔ وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہت دکھ ہوا ہے، اپنے باپ سے زیادہ شاید ان کے مرنے کا سن کر میں اتنا نہیں رویا تھا، جتنا شیری کے لیے رویا ہوں۔"

اسفندیار، شہریار کی تعزیت کے ساتھ جس طرح اس کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کر رہے تھے، اس سے وہ بجائے کچھ اچھا سوچنے کے ٹھٹک کر زہرخند سے بولیں۔

"تمہارا کیا لگتا تھا وہ؟"

"بھائی! بھائی تھا میرا چھوٹا بھائی۔" اسفندیار کو غالباً اس وقت ان کی طرف سے ایسے رویے کی توقع نہیں تھی، جب ہی حیرت کے ساتھ کچھ گڑبڑا بھی گئے تھے۔

"ہاں بھائی!" ان کے تنفر میں طنز بھی شامل ہو گیا۔ "اب اسے بھائی کہہ رہے ہو، مارنے کے بعد۔"

"مارنے کے بعد۔" ادھر نہ سمجھنے والا انداز تھا۔

"ہاں، تم نے تم نے مار ڈالا اسے۔ میرے شیری کو مار دیا تم نے۔" وہ اچانک بھڑک گئی تھیں۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں اور تم جھٹلا نہیں سکتے کیونکہ تم مجھے بھی دھمکی آمیز فون کرتے رہے ہو۔ اسے بھی جانے کیا کچھ کہہ ڈالا کہ وہ بالکل ٹوٹ گیا۔ مر گیا۔" وہ یقین سے انہیں شہریار کی موت کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھیں۔

"آپ غلط کہہ رہی ہیں میڈم! میری کبھی شیری سے بات نہیں ہوئی، جس کا ہمیشہ مجھے افسوس رہے گا۔" اسفندیار سے یہ الزام برداشت نہیں ہوا تھا غصے سے بولے تو ادھر وہ زور سے چیخیں۔

"جھوٹ بولتے ہو تم۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں جھوٹ بولنے کی اور آپ مجھ پر الزام رکھ کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ کیا کر سکتی ہیں آپ میرے خلاف......"

"چاہوں تو بہت کچھ کر سکتی ہوں لیکن میرے پاس تم جیسے فالتو لوگوں پر ضائع کرنے کیلئے وقت نہیں ہے۔" انہوں نے اپنی بڑائی جتا کر فون رکھنا چاہا لیکن ادھر وہ جیسے ان کا ارادہ بھانپ کر بولے تھے۔

"ایک منٹ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"جیلان آفندی کے بیٹے کو آپ نے اتنی دور اور اتنی خاموشی سے کیوں دفن کر دیا؟" اسفندیار نے پوچھا تو وہ ان کے مشکوک لہجے پر تلملا کر بولیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی میں نے، سیدھا سادا سوال ہے، سیدھا سادا جواب چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولیں۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں پھر بھی سن لو کہ یہ شیری کی وصیت تھی۔"

"اور کیا وصیت کی ہے اس نے؟" دھیرج سے پوچھا گیا۔

"شٹ اپ۔"

"ریلیکس میڈم! ریلیکس آپ شاید نہیں جانتیں لیکن میں جانتا ہوں کہ شیری آفندی ہاؤس اپنی مسز کے نام کرنا چاہتا تھا۔" اسفندیار نے کہا تو وہ ایک لمحہ کو ٹھٹک کر بولیں۔

"بکواس کرتے ہو تم۔"

"ابرار قریشی صاحب سے پوچھ لیں، شیری آخری ایام میں ان کے پاس اسی مقصد سے گیا تھا۔ آپ کو ابرار صاحب نے نہیں بتایا۔" اسفندیار نے بنا کر تعجب کا اظہار کیا تو وہ محض اپنی برتری اور اہمیت قائم رکھنے کی خاطر بولیں۔

"میں سب جانتی ہوں۔"

"اچھا تو پھر شیری کی آخری خواہش پوری کر دیں، کر سکتی ہیں تو آفندی ہاؤس اس کی مسز کے نام کر دیں۔" ادھر استہزا کے ساتھ چیلنج تھا۔

"تم......" ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو پہلے ریسیور پٹخا پھر پورا سیٹ اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ اس کے بعد بھی ان کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ کتنی دیر تلملاتی رہیں پھر کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھیں، جہاں سامنے وال گلاس براہ راست بارش کا نشانہ بن رہی تھی۔ گو کہ ابھی زیادہ رات نہیں بیتی تھی لیکن طوفانی بارش نے ساری افراتفری سمیٹ لی تھی۔ لوگ اپنے گھروں میں جانے دبک کر سو گئے تھے یا رت جگا منا رہے تھے۔ شور صرف بارش کا تھا یا پھر ان کی سماعتوں میں اسفندیار کی آواز گونج رہی تھی۔

"شیری آفندی ہاؤس اپنی مسز کے نام کرنا چاہتا تھا۔"

"ابرار صاحب سے پوچھ لیں شیری آخری ایام میں ان کے پاس اسی مقصد سے گیا تھا۔"

"نہیں۔" کتنی دیر بعد ان کا ذہن سوچنے پر آمادہ ہوا تھا۔ "جھوٹ کہتا ہے اسفندیار! میری مرضی کے بغیر شیری کبھی ایک قدم نہیں چلا، اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتا ہے، یا ہو سکتا ہے فائقہ کے اکسانے پر......"

"فائقہ!" ان کے اندر ایک دم شرارے بھر گئے۔ "وہ میسنی ضرور اُسی نے اکسایا ہوگا۔ اول روز ہی اپنی اوقات بھول گئی تھی اور میری جگہ لینا چاہتی ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے یہاں آنے والی عورت بھی یہاں نہیں ٹھہر سکی، یہ کیا ٹھہرے گی۔ ہونہہ آفندی ہاؤس کے خواب دیکھتی ہے۔ میرے شیری کو بہکا دیا اور ابرار قریشی نے بھی مجھے نہیں بتایا کیوں؟"

انہوں نے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر اسی وقت ابرار قریشی کے گھر فون کر ڈالا۔

"ہیلو۔" ابرار قریشی کی بیٹی کی آواز تھی۔

"ابرار صاحب ہیں میں بیگم آفندی ہوں۔" وہ کہہ کر انتظار کرنے لگیں۔

"جی بیگم صاحبہ! السلام علیکم!" قدرے تاخیر سے ابرار قریشی لائن پر آئے تھے۔

"سوری ابرار صاحب! میں نے اس وقت آپ کو ڈسٹرب کیا۔" وہ سلام کا جواب دیئے بغیر بولیں تو ابرار صاحب نے بھی کوئی رسمی بات نہیں کی۔

"جی فرمایئے۔"

"وہ مجھے یہ کہنا تھا کہ شیری لندن جانے سے پہلے اپنی ایک خواہش لے کر آپ کے پاس گیا تھا۔" انہوں نے بجائے ان سے تصدیق کروانے کے چھوٹتے ہی یہ باور کرا دیا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں اور ظاہر ہے ابرار قریشی بوکھلائے تھے۔

"کیسی خواہش؟"

"آپ بھول گئے، وہ آفندی ہاؤس اپنی مسز کے نام کروانا چاہتا تھا تو آپ نے اس سلسلے میں کیا کہا۔" انہوں نے کہا تو ابرار قریشی معذرت کرتے ہوئے بولے۔

"سوری بیگم صاحبہ! یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ابرار صاحب! یہاں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ جیلان آفندی کی تحریر کردہ وصیت یقیناً آپ کے پاس ہوگی آپ چاہیں تو......" وہ بظاہر بہت آرام سے بات کر رہی تھیں۔

"نہیں بیگم صاحبہ! میں کوئی غلط کام نہیں کر سکتا۔ جیلان آفندی کی وصیت کے مطابق ان کی تمام پراپرٹی میں اسفندیار اور شہریار برابر کے حق دار ہیں۔ آپ کو شیری نے بتایا ہوگا۔"

ابرار قریشی نے کہا تو وہ جو پورے دھیان سے سن رہی تھیں، بے نیازی سے بولیں۔

"ہاں بتایا تھا۔"

"پھر آپ بتائیں میں کیا کر سکتا ہوں؟" ابرار قریشی نے ایک طرح سے معذوری ظاہر کی تھی۔

"آپ اسفندیار سے بات کریں، آپ کا رابطہ تو ہے اس کے ساتھ۔ اس سے پوچھیں وہ آفندی ہاؤس سے دستبرداری کی کیا قیمت لے گا۔" انہوں نے بہت یقین سے ان کا اسفندیار سے رابطہ جتا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا بیگم صاحبہ! میرا اسفندیار سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔" ابرار قریشی قدرے رک کر بولے تھے۔

"پھر کیسے رابطہ ہوگا بلکہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ اسفندیار کہاں سے آ گیا۔ میرا مطلب ہے خود آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ جیلان آفندی کی پہلی بیوی اور بچے ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے تھے پھر اسفندیار زندہ کیسے ہو گیا۔"

وہ ابرار قریشی پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"مجھے نہیں معلوم بیگم صاحبہ! مجھ سے جو کچھ جیلان صاحب نے کہا تھا۔ میں نے آپ سے وہی کہا۔ اس کے بعد اسفند یار کہاں سے آ گیا۔ یہ وہی آ کر بتائے گا۔ میں اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

"یہ جانتے ہیں کہ وہ جیلان آفندی کا بیٹا ہی ہے۔" انہوں نے قصداً سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا، سامنے آ کر اپنی پہچان کروائے گا، تب ہی تو ہم مانیں گے۔"

ابرار قریشی نے اس بار خود کو ان کے ساتھ شامل کر کے گویا انہیں اطمینان دلایا تھا کہ وہ ان کے وفادار ہیں۔

"ہاں میں بھی یہی کہنا چاہ رہی ہوں۔" وہ فوراً بولی تھیں۔

"جی میں سمجھ رہا ہوں آپ فکر نہیں کریں۔ کوئی ایرا غیرا شخص جیلان آفندی کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کر کے ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا۔ ہم پوری تحقیق کریں گے اور کسی بھی صورت میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں پریشان نہیں ہوں، میں تو بس شیری کی خواہش...... اصل میں...... میں اس وقت بالکل اکیلی ہوں اور مجھے شیری بہت یاد آ رہا ہے۔"

وہ جان بوجھ کر بے ربط بول رہی تھیں تا کہ ابرار قریشی ان کی تمام گفتگو بے معنی قرار دے دیں۔

"بیگم صاحبہ! اللہ آپ کو صبر دے۔"

"دعا کریں۔" انہوں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور پھر نئے سرے سے ان ساری باتوں کو سوچنے لگی تھیں۔

☆☆☆

رات بھر کی بارش کے بعد اب صبح بہت اجلی اجلی نکھری نکھری تھی۔ صاف شفاف آسمان لگ رہا تھا جیسے سارا غبار نکال کر ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔ اس کی نیلاہٹیں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ برآمدے میں رک کر آس پاس کا جائزہ لے رہی تھی۔ نیلے آسمان سے ہوتی اس کی نظریں کچھ دیر نیم کے پیڑ پر ٹھہریں پھر کیاری میں جھومتے پودوں کو دیکھتے ہوئے وہ امی کو پکار کر بولی۔

"امی! ناشتہ کرتے ہی نکل چلیں گے۔"

"کیوں؟" امی کے بجائے عظام کی آواز پر اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا پھر پوچھنے لگی۔

"امی کہاں چلی گئیں؟"

"اندر گئی ہیں۔ چلو اسماء نے ناشتہ رکھ دیا ہے۔" عظام کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے تو وہ ان کے پیچھے چلی آئی اور ماموں جی کو سلام کر کے امی کے پاس بیٹھتے ہی پھر بولی۔

"ناشتہ کر لیں پھر چلتے ہیں۔"

"کیوں بیٹی! کاہے کی جلدی ہے۔ پیچھے کوئی کام ادھورے چھوڑ آئی ہو۔" مامی جی نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ صاف گوئی سے بولی۔

"نہیں مامی جی! اصل میں ماما کا کچھ پتہ نہیں کب بلا لیں۔"

"خیر ہے، ابھی دو دن تو کل ہوئے ہیں۔ بلائیں بھی تو منع کر دینا۔" مامی جی نے کہا تو وہ اندر ہی اندر جز بز سی ہو کر بولی۔

"نہیں مامی جی! وہ بھی تو اکیلی ہیں۔ شاید رات میں انہوں نے ادھر فون کیا ہو۔"

"اچھا ناشتہ کرو۔ تمہیں زیادہ ہر ایک کی فکر رہتی ہے۔"

اسماء نے اسے ناشتے کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے کہا تو اس نے پہلے امی کو دیکھا پھر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

لیکن اس کے ذہن پر بیگم آفندی سوار تھیں اس لیے کوئی چیز اس کے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ بمشکل ایک سلائس وہ بھی چائے کے گھونٹ لے لے کر حلق سے اتارا اور اس سے پہلے کہ سب اصرار کرتے وہ اٹھ کر اسماء کے کمرے میں چلی گئی تو امی فکر مندی سے بولیں۔

"سمجھ میں نہیں آتا اس لڑکی کا کیا ہو گا۔"

"اس کی ساس کیا چاہتی ہیں؟" ماموں جی نے پوچھا تو امی سمجھیں نہیں۔

"کیا مطلب، کیا چاہتی ہیں؟"

"اسے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں کیا؟"

"پتہ نہیں، کچھ کہا تو نہیں انہوں نے البتہ حق جتا رہی ہیں۔" امی نے بتایا تو ماموں جی چونک کر پوچھنے لگے۔

"کیسا حق؟"

"یہی کہ ان کی مرضی کے بغیر فائقہ کہیں آ جا نہیں سکتی۔ یہاں آنے کے لیے بھی پہلے اس نے انہیں فون کر کے اجازت لی ہے اور انہوں نے گاڑی بھیج دی تو اس کا کیا مطلب ہے۔"

"یہی کہ فائقہ ان کی بہو ہے۔" مامی جی نے پر سوچ انداز میں کہا تو امی تائید کے ساتھ بولیں۔

"ہاں اور مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ تو وہاں نہیں رہے گی۔"

"نہیں، ابھی جب تک وہ خیال کر رہی ہیں کرنے دو، رشتے ناتے ایک دم سے نہیں توڑے جاتے۔ آہستہ آہستہ جب انہیں صبر آ جائے گا اور فائقہ کو بھی تو پھر یہ خود ہی چلی آئے گی۔" ماموں جی نے دھیرج سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہم بھی اس لیے خاموش ہیں کہ ابھی غم تازہ ہے ورنہ سچ پوچھیں تو اب میرا دل اسے وہاں بھیجنے کو نہیں چاہتا کیونکہ ساس تو صبح کی گئی شام میں آتی ہے۔ اور یہ بے چاری اکیلی جب ہی اتنی کمزور اور نڈھال ہو گئی ہے۔" امی کی مجبوری اور بے بسی پر عظام نے انہیں تسلی دی۔

"ٹھیک ہو جائے گی پھوپھو! آپ پریشان نہ ہوں۔"

"پریشانی تو مقدر میں لکھی ہے، اتنے ارمانوں سے بیٹیاں بیاہی تھیں۔" امی نے آہ بھر کر کہا تو مامی جی پوچھنے لگیں۔

"رابعہ کا کیا سوچا؟"

"ہم کیا سوچیں، وہ ہماری مانتی کب ہے۔ جو دل میں آتا ہے کرتی ہے۔ نوکری کر رہی ہے اب۔" امی کے لہجے میں اب تاسف سمٹ آیا تھا۔

"مرضی اس کی، حالانکہ عفان نے یہاں بیٹھی کو خرچہ دینے کو کہا ہے لیکن نہیں۔ کہتی ہے میں کیوں لوں، میرا اس سے کیا تعلق۔"

امی کو جیسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا کیونکہ گھر میں رابعہ سے کچھ کہتیں تو وہ جھٹ سے اکھڑ جاتی تھی اور ابو کچھ سننا ہی نہیں چاہتے تھے یا پھر ایک ہی جواب دیتے۔ ہم اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے اور یہاں ان کی سنی جا رہی تھی۔ اس لیے وہ بولے جا رہی تھیں۔

عظام کے اشارے پر اسماء دسترخوان سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ خود بھی اس کے ساتھ کمرے سے نکل آئے۔

"فائقہ نے ناشتہ نہیں کیا، کھانا جلدی پکا لو اور اگر کچھ منگوانا ہو تو بتاؤ۔ میں لا دیتا ہوں۔" وہ اسی مقصد سے اسماء کو اٹھا لائے تھے۔

"نہیں فریج میں گوشت رکھا ہے۔ اسٹو کے ساتھ دال چاول بنا لیتی ہوں فائقہ کو پسند بھی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ فائقہ ہے کہاں؟" انہوں نے واپس پلٹتے ہوئے رک کر پوچھا۔

"میرے کمرے میں ہو گی، آپ اور چائے پئیں گے تو بنا دوں۔" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ منع کرتے ہوئے بولے۔

"نہیں بس تم کھانا تیار کرو اور ہاں فائقہ کو اپنے پاس بلا لو، اکیلی بیٹھی کڑھ رہی ہو گی۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اسماء نے فریج میں سے گوشت نکالتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں نہیں اپنے کمرے میں ہوں۔" وہ کہہ کر پلٹے تو سامنے فائقہ کھڑی تھی فوراً بولی۔

"عظام بھائی! ہمیں گھر چھوڑ آئیں۔"

"چھوڑ آؤں گا ذرا راستے صاف ہونے دو۔" انہوں نے نرمی سے کہا پھر بھی وہ کچھ ضد سے بولی۔

"راستے صاف ہوں گے بس آپ چلیں۔ نہیں تو رکشہ ٹیکسی دیکھیں۔ ہم خود چلے جائیں گے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں چلو اندر اور شام سے پہلے جانے کا نام مت لینا۔"

وہ اسے ڈانٹ کر اسماء کے کمرے میں لے آئے اور اس کی ناراضی قصداً نظر انداز کر کے کہنے لگے۔

"تم نے گھر میں بیٹھ کر بارش کا مزہ لے لیا۔ مجھ سے پوچھو، رات میں کس طرح گھر آیا ہوں۔ سڑکوں پر گاڑیاں تیر رہی تھیں۔ اگر راستے صاف ہوتے تو میں آفس نہ جاتا۔ ویسے تمہیں یہاں تکلیف کیا ہے۔"

"مجھ سے بات نہیں کریں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"ہاں نہیں کر رہا۔ میں خود تم سے بہت ناراض ہوں۔"

وہ کہہ کر بیٹھ بھی گئے تو وہ بے پناہ آزردگیوں میں گھر گئی۔

"میں جانتی ہوں آپ کیوں ناراض ہیں، میں نے آپ کو مایوس کیا ہے ناں ہمیشہ ہر چھوٹی بڑی بات کے لیے بھاگ بھاگ کر آپ کے پاس آتی رہی اور جب زندگی کا اہم موڑ آیا تب سارے فیصلے خود کر لیے لیکن مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں۔ میں نے تھوڑی سی رفاقت سے ایک عمر چرا لی ہے۔ اب کوئی تمنا کوئی آرزو نہیں۔"

"میں تم سے اس لیے ناراض نہیں ہوں۔" عظام اس کی پوری بات سن کر بولے تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ تم رابعہ کو کیوں نہیں سمجھا رہیں۔" عظام بات بدل گئے تھے۔

"کیا سمجھاؤں؟"

"اپنے گھر کی اہمیت، وہ جو اتنے آرام سے اپنا گھر چھوڑ کر آ گئی ہے تو یہ عقل مندی تو نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر عفان اس کے ساتھ مخلص ہیں تو پھر ان کی غلطی معاف کرنے میں اس کی بہتری ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ گہری سانس کے ساتھ بولی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تو سمجھے گی کیا؟"

"جاب کہاں کر رہی ہے؟"

"پتہ نہیں، کسی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا نام لے رہی تھی۔ میں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔" اس نے بتایا تو عظام افسوس سے کہنے لگے۔

"بہت غلط کر رہی ہے، اسے سوچنا چاہئے کہ ماں باپ کے لیے تمہارا صدمہ ہی کتنا گہرا ہے۔ ایسے میں اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ صلح کر لے تو کم از کم اس کی فکر سے تو انہیں نجات ملے گی۔ کیسی لڑکی ہے۔ کسی کا احساس ہی نہیں اور وہ خود اپنے ساتھ بھی بھلائی نہیں کر رہی۔"

ان کی باتوں کے جواب میں وہ کچھ نہیں کہہ سکی تو قدرے رک کر بولی۔

"برا نہیں مانئے گا عظام بھائی! اگر آپ اس کے ساتھ شادی کر لیتے تو۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" انہوں نے ٹوک دیا تو وہ ان کا سرخ چہرہ دیکھ کر خائف سی ہو گئی لیکن پھر پوچھنے سے باز نہیں آئی۔

"آپ نے انکار کیوں کیا تھا؟"

"کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی اور تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ اس نے ہمیشہ مجھ پر اور میرے گھر پر تنقید کی ہے۔ وہ یہاں کے ماحول میں کبھی نہیں ڈھل سکتی تھی اور میرے لیے اس کے ساتھ چلنا اس سے زیادہ مشکل تھا۔ میں ٹھہرا سیدھا سادا ملنگ آدمی جسے ازراہ ہمدردی دل کی ایک گلی سونپی جاتی ہے، باقی گلیوں پر تو جدید دور کا شہزادہ ہی حکمرانی کرتا ہے۔"

وہ بولتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے جب ہی اپنی بات ختم کرتے ہی کمرے سے نکل گئے تو وہ حیرت سے ان کے پیچھے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"ہیلو توصیف عالم! میں جا رہی ہوں۔" رابعہ نے دروازے سے جھانک کر توصیف عالم کو مطلع کیا تو وہ جو سگریٹ سلگا رہا تھا، آنکھوں سے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"فرمائیے۔" وہ اس کی ٹیبل کے قریب آ کر بولی۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ ہونٹوں سے سگریٹ نکال کر بولا۔

"پانچ بج چکے ہیں اور مجھے جلدی جانا ہے۔" اس نے کہا اور بیٹھ بھی گئی تو وہ بیل کا بٹن پش کرتے ہوئے بولا۔

"ایک کپ چائے پینے میں کوئی دیر نہیں ہو گی۔"

"پورا ایک گھنٹہ لگتا ہے یہاں سے گھر جانے میں اور اس وقت بسوں کا جو حال ہوتا ہے وہ

آپ کو پتہ ہے۔"

"میں تو کتنی بار تمہیں پک اینڈ ڈراپ کی آفر کر چکا ہوں، تم ہی نہیں مانتیں، آخر پرابلم کیا ہے میرے ساتھ جانے آنے میں۔" توصیف عالم چپڑاسی کو چائے لانے کا اشارہ کر کے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"میرے گھر والوں سے زیادہ محلے والے اعتراض کریں گے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔

"کرنے دو تم کیا ڈرتی ہو ان سے۔" توصیف عالم نے ایک طرح سے اسے اکسایا تھا۔

"نہیں ڈرتی تو نہیں۔ بس ابھی میں کسی کی باتیں نہیں سننا چاہتی کیونکہ مجھے اپنی عادت کا پتہ ہے کہ میں یا تو ضد میں آ جاؤں گی یا سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤں گی۔"

دوسری بات اس نے محض توصیف عالم کا ردعمل دیکھنے کے لیے کہی تھی اور وہ فوراً بولا تھا۔

"نہیں چھوڑنا نہیں۔" پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ "خیر کچھ دنوں کی بات ہے پھر جب تم ایڈ کرنے لگو گی تو پہلی فرصت میں گاڑی لے لینا۔"

"میں نے بھی یہی سوچا ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے یاد دلایا۔

"چائے آ رہی ہے۔"

"ہاں لیکن میرا موڈ نہیں ہے پھر سہی۔" وہ رکنے پر آمادہ نہیں ہوئی تو وہ خاموش ہو رہا۔

"جاؤں؟"

"میں جانے کو نہیں کہوں گا۔"

"اچھا میں پھر آؤں گی۔"

وہ ہنستی ہوئی باہر نکل آئی تو روزانہ کی طرح بسوں اور ویگنوں میں آف ٹائم کا رش عروج پر تھا۔ وہ اسٹاپ پر رکنے کے بجائے آگے چلتی چلی گئی کیونکہ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ اسٹاپ پر کافی لوگ تھے اور وہ ایسی جگہ کھڑے ہونے سے بہت گھبراتی تھی جہاں اتنے لوگوں کی نظریں صرف اس کو دیکھنے لگتی تھیں۔ گو کہ تقریبات میں اسے نمایاں ہونے کا شوق تھا لیکن سر راہ پریشانی ہو جاتی تھی اس لیے جہاں رش دیکھتی وہاں سے آگے بڑھ جاتی اور گردن موڑ موڑ کر دیکھتی رہتی۔ جیسے ہی اپنے روٹ کی ویگن نظر آتی اشارے سے روک کر اس میں سوار ہو جاتی۔ ابھی بھی وہ تیز تیز چلتی ہوئی بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی اور اس بار جیسے ہی گردن موڑی تو نظروں کے عین سامنے ڈاکٹر عفان کا چہرہ آ گیا۔ وہ غالباً عقب سے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے پھر اس کا چہرہ دیکھ کر گاڑی اس کے قریب روک دی تو وہ کچھ پیچھے ہٹ کر پھر آگے چل پڑی لیکن اگلے پل ڈاکٹر عفان نے گاڑی آگے بڑھا کر فوراً اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کا راستہ روک لیا پھر اتر کر اس کے

پاس آکر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔
"کار کے ہوتے بے کار پھر رہی ہو۔"
"میں اپنی مرضی سے بے کار جا رہی ہوں کیونکہ مجھے کاروں والے زہر لگنے لگے ہیں۔" وہ غصے سے بولی۔
"کاروں والے ناں کار تو نہیں۔ چلو بیٹھو۔" ڈاکٹر عفان اس کا غصہ یکسر نظر انداز کر گئے تو وہ مزید چیخ کر بولی۔
"سوری! آپ کو اگر لفٹ دینے کا شوق ہے تو اور بہت سی لڑکیاں جا رہی ہیں، کسی کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیں۔"
"بیوی کے ہوتے کوئی اور کیوں۔" انہوں نے بڑے آرام سے اسے گاڑی کے اندر دھکیل دیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولے۔ "اترنے کی کوشش مت کرنا ورنہ اتنے لوگ تماشہ دیکھیں گے۔"
وہ دانت پیستے انہیں سامنے سے آتے دیکھنے لگی اور جب وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھے تب غصے سے دھاڑی۔
"آخر آپ کا مقصد کیا ہے؟"
"تم بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" انہوں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا تو وہ تڑخ کر بولی۔
"کم از کم آپ سے میں کچھ نہیں چاہتی اور نہ اپنی زندگی اپنے معاملات میں آپ کی مداخلت پسند کرتی ہوں۔"
"تمہاری زندگی، تمہارے معاملات۔" انہوں نے وہی دہرایا تھا کہ وہ بول پڑی۔
"ہاں، میری زندگی، میرے معاملات جن سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ میں چھوڑ آئی ہوں آپ کو۔"
"بے وقوفی کی باتیں مت کرو گھر چھوڑ آنے سے ہم ایک دوسرے کی زندگی سے بے دخل نہیں ہوگئے۔ ہمارا رشتہ قائم ہے اور انشاء اللہ قائم رہے گا۔" انہوں نے ٹوک کر کہا تو اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔
"ہونہہ! قائم رہے گا میں چاہوں گی تب نا۔"
"تم کیوں نہیں چاہتیں؟" انہوں نے انجان بن کر پوچھا۔
"آپ اچھی طرح جانتے ہیں اور میں اس موضوع پر بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔ پلیز آپ گاڑی روکیں۔ مجھے یہیں اترنا ہے۔" وہ جہاں اصل موضوع شروع ہوتا بھاگنے کا سوچتی تھی۔

"نہیں میں تمہیں گھر پر اتاروں گا اور سب سے مل بھی لوں گا۔" انہوں نے کہا تو وہ ان کی ...سری بات پر ناگواری سے بولی۔
"کوئی ضرورت نہیں کسی سے ملنے کی۔"
"کیوں؟"
"بس میں نہیں چاہتی۔"
"میں بھی بہت سی باتیں نہیں چاہتا اور تم ضد سے کرتی ہو لیکن میں تمہاری ضد میں نہیں جا رہا، ...ر چھوڑو یہ بتاؤ۔ فائقہ کیسی ہے؟" انہوں نے خود ہی موضوع بدل دیا لیکن اس نے جواب نہیں دیا ...ر بھی پوچھنے لگے۔
"ابھی اپنے سسرال میں ہے؟"
وہ ابھی بھی خاموش رہی۔
"مت بتاؤ، میں ابھی ابو سے معلوم کرلوں گا اور بھی بہت سی باتیں ان سے پوچھنی ہیں۔" ...نہوں نے گویا اسے بولنے پر اکسایا تھا اور واقعی وہ بول پڑی۔
"میرے بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"یہ میں نے کب کہا کہ تمہارے بارے میں پوچھوں گا۔" انہوں نے محظوظ ہو کر ٹوکا تو چڑ کر ...ششے سے باہر دیکھنے لگی اور پھر جیسے ہی انہوں نے گھر کے سامنے گاڑی روکی فوراً اتر کر اندر چلی ...ائی۔ حالانکہ ان کے انداز سے سمجھ گئی تھی کہ وہ بھی اندر ضرور آئیں گے۔
"کیا ہوا؟" فائقہ نے اس کا تپا ہوا چہرہ دیکھتے ہی ٹوکا تو وہ جل کر بولی۔
"تمہارے بھائی آئے ہیں۔"
"بھیا! بھابی بھی ساتھ ہیں۔" فائقہ، سلیمان کو سمجھی تھی۔
"نہیں۔" وہ کہہ کر واش روم میں بند ہوگئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو فائقہ کی جگہ امی کو دیکھ کر انجان سی بن گئی۔
"تم عفان کے ساتھ آئی ہو؟" امی نے خوش ہو کر پوچھا تو وہ مزید تپ کر کہنے لگی۔
"مجھے ان کے ساتھ آنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ راستے میں دیکھ کر زبردستی گاڑی میں بٹھا لیا ...ور ایسا آج پہلی اور آخری بار ہوا ہے۔ آئندہ اگر انہوں نے ایسی حرکت کی تو میں۔ ہیں چیخ چیخ کر ...سارے لوگوں کو اکٹھا کرلوں گی۔ یہ بات آپ انہیں اچھی طرح سمجھا دیں۔"
"تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔" امی جتنی خوش آئی تھیں اسی قدر دلبرداشتہ ہو کر چلی گئیں تو وہ ...جائے ان کے احساسات سمجھ کر کڑھنے کے الٹا ان کے خلاف بڑبڑانے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد فائقہ آئی تو اسے بڑبڑاتے دیکھ کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"مل آئیں اپنے بھائی سے۔" اس نے خود ہی فائقہ کو ٹوکا تو وہ منمناتی آواز میں بولی۔

"میں سمجھی سلمان بھیا آئے ہیں۔"

"اسی لیے بھاگی گئی تھیں۔"

"ہاں دوپہر کو ان کا فون آیا تھا کہہ رہے تھے۔ شام کو آئیں گے لیکن ابھی تک نہیں آئے۔" فائقہ نے مایوسی سے کہا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"تم ان کا انتظار کر رہی ہو؟ بے وقوف! وہ تو ہر تیسرے دن آنے کا کہتے ہیں اور تین مہینے بعد شکل دکھاتے ہیں۔"

"ایسے کیوں ہو گئے ہیں؟" فائقہ کی مایوسی میں افسوس بھی شامل ہو گیا تو وہ استہزائیہ ہنس کر بولی۔

"شروع سے ایسے ہیں، اب کیا ہو گئے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن ابھی تو انہیں آنا چاہئے کیونکہ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں کل چلی جاؤں گی۔" فائقہ نے کہا تو اس نے کچھ بے دھیانی میں پوچھا۔

"کہاں؟"

"اپنے گھر، ابھی کچھ دیر پہلے ماما کا فون آیا تھا، کہہ رہی تھیں اب تم آجاؤ میں اداس ہو گئی ہوں۔" فائقہ نے بتا کر گہری سانس کھینچی تو وہ بے ساختہ بولی۔

"ماشاء اللہ۔" پھر اس کے پاس بیٹھ کر کہنے لگی۔ "وہ اداس ہو گئی ہیں اور تمہاری اداسی دور کرنے کے لیے وہ کیا آفس چھوڑ کر تمہارے پاس بیٹھیں گی۔"

"پتہ نہیں۔" فائقہ نظریں چرا گئی۔

"پتہ کرنا تھا میری جان! اب تم ان کی پابند نہیں ہو، نہ وہ تمہارے ساتھ زبردستی کر سکتی ہیں اور تم اپنا سوچو، وہاں کی نسبت یہاں خود کو بہتر محسوس کر رہی ہو کہ نہیں۔" وہ بمشکل خود پر قابو پا کر دھیرج سے بول رہی تھی ورنہ بیگم آفندی کے بارے میں وہ آرام سے بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن ابھی میں کچھ نہیں سوچ سکتی۔" فائقہ نے اعتراف کے ساتھ معذوری ظاہر کی تو وہ اس کی حالت کے پیش نظر بات بدل گئی۔

"خیر چھوڑو یہ بتاؤ کھانا کھالیا۔"

"نہیں۔"

"میں یہیں لے آتی ہوں ہم دونوں کھالیں گے باقی سب تو پتہ نہیں کب کھائیں گے۔"

وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئی اور پہلے یہ جاننے کے لیے کہ ڈاکٹر عفان موجود ہیں یا جا چکے ہیں، اس نے برآمدے میں رک کر ابو کے کمرے سے آتی آوازیں سنیں اور تب کچن میں گئی تھی پھر جلدی سے کھانا نکال کر واپس کمرے میں آتے ہی اپنے آپ بولنے لگی۔

"جب میں عفان سے کوئی واسطہ، تعلق نہیں رکھنا چاہتی تو امی ابو کس حساب سے ان کی خاطر مدارات کرتے ہیں، اسی لیے وہ دھڑلے سے مجھے راستے میں روک لیتے ہیں۔ اگر امی ابو اپنا رویہ تبدیل کر لیں تو ان کی جرات نہ ہو۔"

"کیا کریں۔ امی ابو بے چارے مجبور ہیں۔" فائقہ نے کہا تو وہ تڑخ کر بولی۔

"کوئی مجبوری نہیں، ابھی فیصلہ سنا کر بات ختم کر دیں، میرے لیے کوئی کی تھوڑی ہے۔"

فائقہ نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں تو قدرے توقف سے وہ آواز دبا کر کہنے لگی۔

"سنو! تم امی کو سمجھاؤ کہ میں ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ اگر وہ سمجھ رہی ہیں کہ عفان سے طلاق لے کر میں کہیں کی نہیں رہوں گی تو یہ غلط ہے۔ میری عمر کوئی اتنی زیادہ نہیں ہے آج سے دس سال بعد بھی میں ایسی ہی ینگ، اسمارٹ نظر آؤں گی اور شادی کا کیا ہے پھر ہو جائے گی۔"

فائقہ اگر اپنے ساتھ ہونے والے سانحے کے زیر اثر نہ ہوتی تو اس وقت اسے بے نقط سناتی، جبکہ اب گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ البتہ نظروں میں تاسف کے ساتھ ملامت بھی تھی جسے دیکھ کر وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکی پھر سر جھٹک کر دھڑلے سے بولی۔

"رہنے دو میں خود بات کر لوں گی۔"

☆☆☆

شام اتر رہی تھی، جب آفندی ہاؤس کے ڈرائیو وے پر وہ گاڑی سے اتری تو اس کے قدموں میں انتہا درجے کی شکستگی در آئی تھی۔ فقط چار سیڑھیاں اور پھر گلاس ڈور سے اندر آ کر چند قدم گویا صدیوں کی مسافت تھی۔

"ماما!" وہ بیگم آفندی کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیک کر ان کے زانو پر سر رکھ کر بولی۔ "میں تھک گئی ہوں۔"

"ابھی سے۔" بیگم آفندی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔ "ابھی تو تمہیں بہت چلنا ہے۔ تھکو گی تو آگے لمبا سفر کیسے طے ہوگا۔"

"آپ، آپ نے کیسے طے کیا؟" وہ ان کے زانو سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دیکھ لو۔ تمہارے سامنے ہوں اور میرا سفر تم سے زیادہ کٹھن تھا کیونکہ میں بالکل اکیلی تھی۔ سر پر ہاتھ رکھنے والے ماں باپ تھے نہ ساس سسر اور زمانہ دشمن...... تمہارا کوئی دشمن نہیں اور ماں بہن بھائی سب تمہارے ساتھ ہیں۔" انہوں نے کہا تو وہ بے اختیار بولی۔

"آپ بھی تو ہیں ماما!"

"نہیں میرا تمہارا ساتھ تھوڑے دنوں کا رہ گیا ہے۔ بچے کی پیدائش تک اس کے بعد تم بھول جانا کہ کبھی تمہارا آفندی ہاؤس سے گزر بھی ہوا تھا۔"

بیگم آفندی نے بہت پیار سے اسے زلزلوں کی زد میں دھکیل دیا تھا۔ اس کے بعد بھی خاموش نہیں ہوئیں، ایسے ہی نرمی سے بولے گئیں۔

"یہی طے پایا تھا ناں ہمارے درمیان؟ تمہیں اپنے باپ کی زندگی بچانے کے لیے پیسہ چاہیے تھا اور مجھے اپنی زندگی کے لیے شیری کا بچہ۔ جس کی ہر ہر ادا میں مجھے شیری نظر آئے۔ تم نے جو چاہا تھا تمہیں مل گیا اور میں نے جو چاہا۔ وہ مجھے ملنے والا ہے۔ اس کے بعد ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ یہی طے ہوا تھا ہمارے درمیان کہ بچہ میرا ہوگا، صرف میرا اور میں تمہیں مزید اتنا کچھ دے دوں گی کہ تم......"

"نہیں ماما!" اس نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔ "مجھے کچھ نہیں چاہیے جو کچھ آپ نے پہلے دیا ہے وہ بھی واپس لے لیں بس مجھ سے تعلق نہ توڑیں۔ میں ہمیشہ آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں اپنے بچے کے ساتھ۔"

"نہیں ایسا سوچنا بھی مت۔ جو کچھ پہلے سے طے ہے وہی ہوگا۔" بیگم آفندی نے آہستہ سے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکال لیے۔ جانے کیوں وہ اتنی نرمی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

"تم نے اگر اپنے ماں باپ کو نہیں بتایا تو اب بتا دو کیونکہ میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتی۔ تم یہاں سے جا کر ان کے سامنے رو دھو اور وہ ہر دوسرے دن میرے پاس بھاگے آئیں کہ تمہیں بچے سے ملنے دیا جائے۔ نہیں، یہ سب نہیں ہونا چاہیے۔"

انہوں نے جس طرح آہستہ سے اپنے ہاتھ چھڑائے تھے۔ اسی طرح اپنے زانو سے اس کے بازو ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی ان کے ساتھ اٹھنا چاہتی تھی لیکن اس میں اتنی سکت ہی نہیں تھی۔

"بہر حال، تم انہیں حقیقت بتا دو یا جو تمہارا دل چاہے۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے بس جو کرنا ہے جلدی کرو کیونکہ زیادہ دن نہیں ہیں اور ہاں جب میں تمہیں بیاہ کر لائی تھی تو تمہارے ساتھ صرف اور صرف تمہارے ماں باپ کی دعائیں تھیں اور کچھ بھی نہیں لیکن میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں بھیجوں گی۔ جو کچھ تمہیں شیری نے دیا اور اس کے علاوہ بھی جو چاہے یہاں سے لے جا سکتی ہو۔ میں

ہیں نہیں روکوں گی۔ بس ان ہی دنوں میں اپنی پیکنگ کر رکھو۔" وہ بڑی سنگ دلی سے فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

رونے گڑگڑانے کے لیے بھی کچھ توانائی چاہیے تھی اور اس میں وہ بھی نہیں تھی۔ کارپٹ پر دو زانو بیٹھی تھی اور جو بازو انہوں نے اپنے زانو سے ہٹائے تھے وہ صوفے پر بے جان پڑے تھے۔ آنکھوں میں آنسو بھی ٹھہر گئے تھے۔ بس ساعتوں پر اس کی تقدیر کے فیصلے ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔

"میں تمہاری ڈلیوری تک یہاں ہوں پھر بچے کو لے کر کچھ عرصہ کے لیے لندن چلی جاؤں گی ...ی کے پاس اور یہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہوگا۔ تمہیں نئے سرے سے نئی زندگی شروع کرنے میں آسانی ہوگی۔ بہر حال ابھی جتنے دن تم یہاں ہو۔ آرام کرو۔ اس کے بعد......"

انہوں نے "بعد" پر روشنی نہیں ڈالی۔ شاید اس لیے کہ انہیں کوئی غرض نہیں تھی اور اس کی طرف دیکھے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اس کی آنکھوں میں پڑے آنسو آپ ہی آپ چھلک گئے اور سامنے ان کے کمرے کا بند دروازہ دیکھ کر جہاں دل کو دھچکا لگا وہاں اس دروازے سے اپنا ناتا یاد آیا۔

"شیری! شیری! ماما سچ کہہ رہی ہیں لیکن اس سے بڑا سچ یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں، یقین کرو شیری۔"

"شیری!" وہ پیشانی صوفے پر ٹکا کر کتنی دیر سسکتی رہی لیکن کوئی اسے تسلی دلاسہ دینے والا نہیں تھا۔ آخر وہ خود ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور ایک ایک چیز کو حسرت سے دیکھنے لگی۔

"جو کچھ تمہیں شیری نے دیا اور اس کے علاوہ بھی جو چاہے یہاں سے لے جا سکتی ہو۔" بیگم آفندی کی فراخ دلی اسے پھر تڑپا گئی۔

"نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں صرف اور صرف اپنے ماں باپ کی دعائیں لے کر یہاں آئی تھی اور اپنی دعاؤں کا حاصل صرف اپنا بچہ لے کر جاؤں گی اور شیری نے جتنا کچھ مجھے دیا، ان میں سے انمول اس کی محبتیں جو ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گی، اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

اس کے سوچنے میں عزم نہیں عاجزی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ بیگم آفندی کے مقابل کھڑی نہیں ہو سکتی جو اسے معاہدہ یاد دلا کر خود آرام سے جا سوئی تھیں کیونکہ سب کچھ ان کی مرضی کے مطابق ہو گیا تھا۔

"اے اللہ! تو بھی ان کے ساتھ ہے ہم غریبوں کو ہمارے حال پر کیوں چھوڑ دیتا ہے کیا

ضروری تھا کہ میں ماں بنتی۔ کم از کم اس معاملے میں ہی ماما کو مایوس کر دیتا تو مجھے یہاں سے جانے میں اتنا دکھ نہ ہوتا۔ شیری بھی نہیں ہے اور بچہ بھی میں انہیں دے دوں تو پھر میں کیا کروں گی، کیسے جیوں گی۔'' وہ دکھ سے شکوہ کر رہی تھی پھر گڑگڑانے لگی۔

''اے اللہ کوئی معجزہ ہی کر دے، ماما کے دل میں رحم ڈال دے۔ وہ مجھ سے میرا بچہ نہ چھینیں یا پھر مجھے اتنی ہمت دے کہ میں اپنے بچے کے لیے لڑ سکوں یا اسے لے کر کہیں دور چلی جاؤں۔''

''کہیں دور۔'' اس نے سوچا تھا کہ اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

''ماما کو معاف کر دو اور پھر یہاں سے دور چلی جاؤ بڑی ماں کی طرح۔''

''شیری!'' اس کے سینے میں سانسیں رک گئی تھیں۔ ''میں کہاں جاؤں مجھے کوئی راستہ بھی بجھایا ہوتا۔''

''دعا کرو اتنی مہلت مل جائے کہ میں اپنے بھائی بہن کو تلاش کر سکوں۔'' وہ شاید اب اسے راستہ بجھا رہا تھا۔

''اسفندیار!'' اس نام کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ اپنے گال پر چلا گیا، جہاں بیگم آفندی کی انگلیوں نے نشان چھوڑے تھے۔

''اف ماما تو مجھے زندہ جلا دیں گی۔'' اس نے جھرجھری لے کر تکیے میں منہ چھپایا۔ لیکن ذہن کو ایک نئی سوچ مل گئی تھی، جسے وہ کسی طرح نہیں جھٹک سکی۔ البتہ کسی نتیجے پر پہنچنا بہت مشکل تھا، بس الجھتی چلی گئی تھی۔

اور اگلے دن سے وہ بڑی شدت سے اسفندیار کے فون کا انتظار کرنے لگی۔ جبکہ اس کا کوئی دن اور وقت مقرر نہیں تھا اور اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس مقصد سے فون کرتے تھے پھر بھی وہ بڑی شدت سے منتظر تھی اور اس کے ساتھ وہ مسلسل یہاں سے دور جانے کا سوچ رہی تھی۔ جہاں بیگم آفندی کی رسائی ممکن نہ ہو سکے کیونکہ وہ کسی طرح بھی اپنے بچے سے دستبردار ہونے پر خود کو تیار نہیں کر سکی تھی۔ خواہ اس کے لیے ساری دنیا چھوڑنی پڑے وہ تیار ہو گئی تھی اور جانے کیوں اسے لگ رہا تھا جیسے اسفندیار اس سلسلے میں ضرور اس کی مدد کریں گے۔ اسی لیے ان کے فون کا انتظار تھا اور دعا بھی کر رہی تھی کہ دن میں کسی وقت جب بیگم آفندی گھر پر نہ ہوں تب ان کا فون آ جائے تا کہ وہ سہولت سے بات کر سکے۔

اس وقت بیگم آفندی آفس جانے سے پہلے روزانہ کی طرح اسے کھانا اور دوائیں وقت پر لینے کی تاکید کرتے ہوئے اس کی غائب دماغی محسوس کر کے پوچھنے لگیں۔

''کیا بات ہے تم ٹھیک تو ہو؟''

''جی۔'' اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر فوراً سر جھکا لیا۔ کیونکہ ان کی تیز نظروں سے ڈرتی تھی کہ کہیں اس کی سوچ تک نہ پہنچ جائیں۔

''نہیں، تم ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ ایسا کرو آج چیک اپ کروا لو۔'' انہوں نے کہا تو وہ جزبز سی ہو کر بولی۔

''میں ٹھیک ہوں ماما! اصل میں رات دیر تک جاگتی رہی تھی۔ اس لیے کچھ سست ہو رہی ہوں۔''

''اور کوئی بات تو نہیں ہے؟'' انہوں نے یونہی پوچھا تھا اور وہ اندر ہی اندر سہم گئی۔

''نہیں اور تو کوئی بات نہیں۔''

''اچھا پھر تم آرام کرو اور ہاں ڈرائیور یہیں ہو گا، کسی بھی وقت طبیعت خراب ہو تو مجھے فون کر کے اس کے ساتھ اسپتال چلی جانا میں وہیں پہنچ جاؤں گی۔ بچے کا سامان تو سب تیار ہے نا؟''

''جی۔''

''اور تم نے ابھی تک اپنا سامان پیک نہیں کیا؟'' انہوں نے ٹوکا تو وہ فوراً بولی۔

''آج کر لوں گی۔''

''نہیں آج تم آرام کرو۔''

وہ کہہ کر چلی گئیں تو اس نے سکون کا سانس لیا پھر اٹھ کر پہلے ڈریسنگ روم میں سے بیگ اٹھا لائی، اس کے بعد سوچ سوچ کر اپنی چیزیں اکٹھی کرتے ہوئے اسے لگا جیسے وہ کہیں بھی جائے لوٹ کر یہیں آئے گی کہ اس گھر پر بے شک اس کا حق نہ سہی لیکن اس کا بچہ حق دار ہو گا اور اس کے ساتھ وہ یہاں اکثر نہیں تو کبھی کبھار ضرور آئے گی جیسے اس نے کہا۔

''شیری کی یاد کو دل کے کسی کونے میں بند کر رکھنا اور کبھی کبھار ہی وہاں جھانکنا اور اگر زندگی میں کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو پھر کبھی کبھار بھی نہیں۔''

''شیری! میں کیا کروں کہاں جاؤں۔'' وہ ساری اکٹھی کی ہوئی چیزیں بکھیر کر پھر رونے بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

اسے بیگم آفندی نے اپنا سامان پیک کرنے کو کہا تھا اور اس کا سامان ایک بیگ میں ہی سما گیا تھا لیکن اس نے بیگم آفندی پر ظاہر نہیں کیا، اس کے برعکس جب وہ آتیں تو انہیں دکھانے کو سوٹ کیس میں چیزیں اور کپڑے وغیرہ بھرنے کھڑی ہو جاتی جبکہ بچے کا تیار شدہ بیگ سامنے ہی رکھا پڑا تھا۔ گو کہ وہ جانتی تھی کہ بیگم آفندی کو دھوکہ دینا آسان نہیں ہے لیکن وہ آر یا پار سوچ چکی تھی

اور اب یہ چاہتی تھی کہ کسی طرح اسفندیار سے رابطہ ہو جائے۔ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ وہ ان کی مدد ضرور کریں گے اس لیے اس کا سارا دھیان فون کی طرف رہتا تھا۔ اس وقت بیل ہونے پر اس نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم آپی!" دوسری طرف سوہنی تھی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" اس نے مایوسی سے جواب دے کر پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں، امی سے بات کریں۔" سوہنی نے کہا پھر امی کی آواز آئی۔

"فائقہ! کیسی ہو، طبیعت کیسی ہے تمہاری؟"

"ٹھیک ہوں امی آپ میری فکر نہیں کیا کریں۔" وہ کچھ عاجز آ کر بولی تھی۔

"کیسے نہ کروں، سارا وقت دھیان تمہاری طرف رہتا ہے۔ تم فون ہی کر لیا کرو۔ کیا کرتی رہتی ہو سارا دن۔" امی نے ٹوکا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"کچھ نہیں آرام کرتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے لیکن کچھ چلا پھرا بھی کرو یہی مہینہ ہے نا۔ کون سی تاریخ بتائی ہے ڈاکٹر نے۔" امی نے پوچھا تو وہ کچھ جھجک کر بولی۔

"ابھی بیس دن ہیں۔"

"اچھا تمہاری ساس کیسی ہیں۔"

"ٹھیک ہیں، سوہنی کہاں گئی؟" اس نے بیگم آفندی کے ذکر سے کترا کر پوچھا۔

"کھڑی ہے لو بات کرو۔"

"جی آپی!" سوہنی کی آواز آئی تو وہ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

"سنو، تم اب بڑی ہو گئی ہو۔ امی ابو کا خیال رکھ سکتی ہو۔ رابعہ سے تو امید نہیں ہے لیکن تمہیں خیال رکھنا ہے۔"

"آپی! میں کیا کروں۔ امی کبھی آپ کے لیے پریشان ہوتی ہیں کبھی باجی کی فکر۔ آپ کو پتا ہے باجی نے ماڈلنگ شروع کر دی ہے۔" سوہنی نے بتایا تو وہ اچھل کر بولی۔

"ہائیں کب؟ اس دن تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"ابھی دو دن ہوئے ہیں بتا رہی تھیں۔ وہ اب شوٹنگ پر جاتی ہیں اور انہوں نے امی ابو کو نہیں بتایا لیکن آپی جب ٹی وی پر ایڈ چلے گا تب تو سب کو پتہ چل جائے گا۔ عفان بھائی کو بھی۔" سوہنی بہت خائف ہو کر بول رہی تھی۔

"ظاہر ہے خیر تم اس کے لیے پریشان مت ہو، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ تم بس امی ابو کا خیال رکھو۔" اس نے کہا تو سوہنی پوچھنے لگی۔

"آپ کب آئیں گی؟"

"دیکھو، کب آنا ہوتا ہے اور پتہ نہیں......"

وہ اپنے خیال میں جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ فوراً احساس ہونے پر خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا، پھر ادھر اُدھر یوں دیکھنے لگی جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کیا کرے اور کرنے کو تو اب کچھ نہیں تھا۔ بس انتظار تھا وہ بھی اب مایوسی میں بدل رہا تھا۔

"کیا کروں، اگر اسفندیار سے رابطہ نہیں ہوا تو پھر میں کہاں جاؤں گی۔" وہ کتنی دیر اس نہج پر سوچتی رہی پھر وہی خود کو تسلی دینے والی بات۔

"اللہ مالک ہے۔ کہیں تو ٹھکانا مل ہی جائے گا اور اے اللہ! مجھ سے میرا بچہ نہ چھیننا میں شیری کے ساتھ تو نہیں مری لیکن بچے کے بغیر مر جاؤں گی۔ اگر ماما اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں تو میں خود اپنے آپ کو ختم کر لوں گی۔"

معاً فون کی بیل پر وہ یوں چونکی کہ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے پہلے خود کو سنبھالا پھر ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم۔" اسفندیار کتنے ناراض سہی پہلے سلام ضرور کرتے تھے اور وہ ان کی آواز سنتے ہی بے قابو ہو گئی۔

"اسفندیار! آپ اسفندیار ہیں ناں۔ میں بڑی شدت سے آپ کا، نہیں آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔"

"کیوں؟" ادھر خاصہ روکھا پن تھا اور جارحانہ انداز تھا جس سے اس کا سارا جوش پل میں رخصت ہو گیا اور کچھ سٹپٹا کر بولی۔

"وہ......شیری، ہاں شیری نے کہا تھا کہ میں آپ سے آپ کا اتا پتہ معلوم کر لوں پھر وہ خود آپ کو یہاں لے آئے گا۔"

"لیکن اب شیری تو ہے نہیں۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میں آ جاؤں گی۔"

"تم......تم! مجھے لینے آؤ گی۔ کیا اوقات ہے تمہاری؟ ملازمہ سے مالکن بن کر سمجھتی ہو دوسری بیگم آفندی بن جاؤ گی، ہرگز نہیں۔" اسفندیار نے اس بری طرح اسے جھاڑا تھا کہ وہ چکرا گئی۔

"آ...... آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"غلط نہ صحیح تم مجھے کچھ بھی سمجھانے کی کوشش مت کرو اور صرف میری بات سمجھ لو کہ میں جیلانی آفندی کی کہانی دوبارہ نہیں دہرانے دوں گا۔ صاعقہ بیگم کا وار یوں چل گیا تھا کہ میں اس وقت کم سن نا سمجھ تھا۔ تمہیں تو میں اس انجام کو پہنچاؤں گا کہ جس کا تم تصور نہیں کر سکتیں۔ شہریار کی سادگی کا فائدہ اٹھا کر آفندی ہاؤس اپنے نام کروانا چاہتی تھیں ناں، تو میں اسی آفندی ہاؤس میں تمہیں زندہ دفن کر دوں گا۔"

اسفندیار نے اپنے طور پر جو سوچ سمجھ لیا تھا اسی حساب سے زہر اگل رہے تھے۔

اور وہ جس طرح پہلی بار ان کا فون سن کر پریشان اور خوف زدہ ہوئی تھی اسی طرح اب بھی فون رکھ کر کانپ رہی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے یوں فون کو گھور رہی تھی جیسے پہلے کی طرح دوبارہ بجنے لگے گا لیکن اسفندیار کو شاید مزید کچھ نہیں کہنا تھا اور جو وہ کہہ چکے تھے۔ وہ اس کی سمجھ میں کہاں آیا تھا، نہ پہلے سمجھی تھی نہ اب۔ البتہ یقین ٹوٹنے کا احساس ہو رہا تھا اور بڑا تکلیف دہ تھا کہ اتنے دنوں سے وہ کس شدت سے منتظر تھی، کتنی دیر بعد جب وہ خوف سے نکلی تو دکھ و تاسف نے گھیر لیا۔

"عجیب آدمی ہیں۔ پتہ نہیں شیری نے ان کے بارے میں کیا سوچ لیا تھا۔ اچھا ہوا اس کی ملاقات نہیں ہوئی، ورنہ کتنا دکھ ہوتا اسے۔ بڑے آئے مجھے میری اوقات یاد دلانے والے۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں آفندی ہاؤس سے میں خود جا رہی ہوں۔"

وہ جانے کے خیال سے پھر پریشان ہو گئی کہ اب کہاں جائے تب ہی ملازمہ جوس لے کر آ گئی۔

"بی بی! جوس پی لیں۔"

اس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر بولی۔

"چلو، تمہاری چھٹی ہوئی۔"

"جی" ملازمہ سمجھی نہیں۔

"کچھ نہیں جاؤ اپنا کام کرو۔" وہ اسے بھیج کر گھونٹ گھونٹ جوس پینے کے ساتھ پھر اپنا سوچنے میں لگ گئی اور گلاس خالی ہونے تک اس نے ایک فیصلہ کر کے عظام کے آفس کا نمبر یاد کیا پھر انہیں فون کر ڈالا۔

"یس۔" پہلی بیل پر ہی ریسیور اٹھنے کے ساتھ عظام کی آواز سن کر اس نے فوراً سلام کیا۔

"السلام علیکم عظام بھائی۔"

"وعلیکم السلام خیریت سے ہو۔" انہوں نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"کیا میں نے کبھی آپ کو خیریت کا فون کیا ہے۔" اس نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگے۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں بس میں نے آپ کو یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں جا رہی ہوں۔" اس کے ذہن پر صرف "جانا" سوار تھا اس لیے کچھ اور کہہ ہی نہیں سکی۔

"کہاں؟" انہیں یہی پوچھنا تھا۔

"اللہ میاں کے پاس۔" وہ بے دھیانی میں بولی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" انہوں نے ٹوکا تو اس نے پہلے اپنی بات پر غور کیا پھر کچھ عاجز سی آ کر بولی۔

"نہیں میرا مطلب ہے جہاں اللہ لے جائے گا۔"

"فائقہ! تم ٹھیک تو ہو۔ تمہیں پتہ ہے۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ کچھ ٹھٹک کر پوچھ رہے تھے۔

"نہیں، مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"میرا خیال ہے۔ تم تنہائی کا شکار ہو لیکن خدا کے لیے اسے خود پر طاری مت کرو، کسی کام میں اپنا دھیان بٹاؤ اور سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرو، صرف اس پر بھروسہ رکھو، وہی ہمارا سب سے اچھا اور سچا دوست ہے۔ اسے دوست رکھو گی تو وہ تمہیں ہر دنیاوی غم سے بے نیاز کر دے گا پھر تم مطمئن ہو جاؤ گی۔ سن رہی ہو نا۔ دنیا کے غم مت پالو یہاں کچھ اپنا نہیں ہے ہر شے فانی ہے۔ حتیٰ کہ انسان بھی پھر کسی سے توقع رکھنے کا فائدہ، کوئی کتنے دن ساتھ دے گا۔"

ان کے خیال میں وہ تنہائی کا شکار ہو کر بہت دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ جب ہی زندگی سے فرار سوچ رہی تھی اور وہ اسے مایوسیوں سے نکالنے کی سعی کر رہے تھے۔

"چند دن، چند سال بس...... تم اپنا بتاؤ کیا ابد تک کسی کا ساتھ دے سکتی ہو۔ نہیں ناں، جب اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں تو پھر کسی اور کا بھروسہ بھی مت کرو۔ کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب رشتے عارضی اور جھوٹے ہیں۔ سچا رشتہ صرف اللہ کا ہے۔ اگر دل کا اطمینان اور سکون چاہتی ہو تو صرف اسی کو یاد کرو۔

اگر کسی مشکل میں ہو تو صرف اسی کو پکارو۔

اگر آسانیاں مطلوب ہیں تو ہر معاملہ اس پر چھوڑ کر یہ یقین رکھو کہ وہ بہتر کرنے والا ہے۔

کسی کام کے انجام پر یہ مت سوچو کہ اللہ نے قسمت میں یہی لکھا تھا بلکہ ابتدا میں اس کا نام لو پھر جو وہ کرے اس پر راضی ہو جاؤ سمجھ رہی ہو نا؟"

"جی۔" وہ خود سے نہیں بولی تھی جس طاقت کے زیر اثر تھی اسی نے اپنا آپ منوایا تھا۔

"چلو اللہ کا نام لے کر اٹھو اور جو کرنا چاہتی ہو کر ڈالو۔" عظام اگر جانتے کہ وہ کیا سوچے بیٹھی ہے تو ہرگز یہ بات نہ کہتے۔ ان کا خیال تھا وہ شاید یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ اسے کہاں رہنا چاہیے۔ بیگم آفندی کے پاس یا ای کے ہاں۔

"میں..... وہ..... میرا مطلب ہے اللہ میری رہنمائی میری مدد کرے گا؟" وہ اپنے خیال میں کھو کر پوچھ رہی تھی۔

"کیوں نہیں، جب دل سے اس پر بھروسہ کرو گی تو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔" انہوں نے کہا تو اس کے سینے سے آپ ہی گہری سانس خارج ہوئی اور اس کے ساتھ ہی وہ جیسے ہوش میں آ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے عظام بھائی!"

"کیا ٹھیک ہے؟"

"میں آپ کی باتوں پر عمل کروں گی۔ آپ میرے لیے دعا کیجئے گا کہ میں جس راستے پر قدم رکھوں، اس میں میرے لیے آسانیاں اور بہتری ہو اور ہاں میں آپ کو بہت تنگ کرتی رہی ہوں، معاف کر دیجئے۔"

"اچھی بات ہے اللہ حافظ۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو اس نے کچھ دیر سوچا پھر اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ملازمہ کو پکار کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"جی بی بی!" ملازمہ فوراً اس کے پیچھے آ گئی تھی۔

"وہ ڈرائیور سے کہو، گاڑی نکالے مجھے ہاسپٹل جانا ہے۔" اس نے ملازمہ کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

"میں بی بی! میں بھی ساتھ چلوں گی۔ بیگم صاحبہ نے کہا تھا۔"

"نہیں میں نے ماما کو فون کر دیا ہے وہ وہیں پہنچ جائیں گی تم جاؤ ڈرائیور کو دیکھو۔"

وہ اندر ہی اندر پریشان ہو گئی تھی جب ہی روکھے پن کا مظاہرہ کر کے اسے بھیج دیا اور جلدی سے چادر لپیٹ کر دونوں بیگ سامنے رکھے پھر کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے دل میں شہریار سے مخاطب ہوئی۔

"میں جا رہی ہوں شیری! تم نے بھی تو کہا تھا۔ یہاں سے دور چلی جاؤ تو میں جا رہی ہوں۔ میں نے ماما کو معاف کر دیا ہے لیکن میں انہیں اپنا بچہ نہیں دے سکتی۔ ہاں جب بچہ بڑا ہو جائے گا تب میں اسے ماما سے ملانے ضرور لاؤں گی۔"

"بی بی!" ملازمہ کے پکارنے پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہ بیگ لے جاؤں؟" ملازمہ نے بچے کے بیگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"ہاں دونوں گاڑی میں رکھو۔" اس نے کہہ کر اپنا پرس کھول لیا اور کچھ نوٹ مٹھی میں دبا کر ملازمہ کے پیچھے باہر نکل آئی۔

"اللہ چاند سا بیٹا دے، ساتھ خیریت کے آپ گھر واپس آؤ۔"

ملازمہ دعائیں دیئے جا رہی تھی، وہ خاموشی سے ڈرائیور کو دونوں بیگ گاڑی میں رکھتے ہوئے دیکھنے لگی پھر ملازمہ کی پھیلی جھولی میں کچھ نوٹ ڈال کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد گاڑی شفاف سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی اور اس کا ذہن بالکل خالی تھا کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ بس یہاں سے دور جانا تھا۔

جب ڈرائیور نے گاڑی روک کر دونوں بیگ باہر نکال دیئے تب وہ اتر کر اس سے بولی۔

"تم ماما کے آنے تک یہیں رکو پھر جیسا وہ کہیں۔"

"جی بیگم صاحبہ! یہ بیگ اندر پہنچا دوں۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"نہیں میں لے جاؤں گی۔" وہ سہولت سے دونوں بیگ گھسیٹتی ہوئی ہاسپٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور پھر راہداریوں سے گزرتی ہوئی دوسرے گیٹ سے باہر نکل گئی تھی۔

❁❁❁

اس نے توصیف عالم کے کمرے میں جھانکا اور وہاں کچھ اور لوگوں کو دیکھ کر واپس پلٹنے لگی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

"رابی! کم آن......"

"جی......" وہ اس کی ٹیبل کے قریب آ گئی۔

"بیٹھو! یہ تم سے ملنے آئے ہیں۔" توصیف عالم نے کہا تو وہ ان دونوں حضرات کو دیکھنے لگی۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ بیٹھ تو جائیں۔"

"ہاں۔" وہ بیٹھ کر پھر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو ان کے بجائے توصیف عالم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"رابعہ! یہ فیشن شوز کرتے ہیں فائیو اسٹارز میں اور اس سلسلے میں تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"سوری! میں فیشن شوز میں ماڈلنگ نہیں کر سکتی۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیے بغیر فوراً منع کر دیا۔ تو ایک پوچھنے لگا۔

"کیوں؟"

"بس میں پسند نہیں کرتی۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے تو ان دونوں حضرات نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ باتیں کیں پھر ایک اس سے بولا۔

"آپ ایک بار ہمارا شو اٹینڈ کر کے دیکھیں پھر آپ منع نہیں کریں گی۔"

"اچھا۔" وہ ہنسی۔

"ہم آپ کو چیلنج نہیں کر رہے لیکن آپ آئیں ضرور۔" اس نے اصرار کیا تو وہ پھر لاپروائی سے بولی۔

"او کے۔ آؤں گی کسی دن۔"

"ہم انتظار کریں گے۔ توصیف صاحب! آپ انہیں ضرور اپنے ساتھ لایئے گا۔" وہ کہہ کر

اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ضرور......" توصیف عالم نے ان کے ساتھ مصافحہ کیا پھر ان کے جاتے ہی اس سے بولا۔

"تم نے اچھا کیا۔"

"کیا؟"

"منع کر دیا، میں بھی ہوٹلوں کی ماڈلنگ پسند نہیں کرتا۔ سینکڑوں لوگوں کے سامنے جس طرح لڑکیاں اپنی نمائش کرتی ہیں۔ وہ میں کم از کم تمہارے لیے پسند نہیں کرتا۔"

توصیف عالم نے اسے خاص اہمیت دے کر جانے کیا سمجھانا چاہا تھا۔ اور اس نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ انجان بن کر بات بدل گئی۔

"اچھا...... وہ فوٹو سیشن کا کیا ہوا؟"

"ہاں چلو......" وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تو بھول ہی گیا۔ اور فوٹو گرافر گالیاں دے رہا ہو گا۔"

"میرے کپڑے ٹھیک ہیں؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہاں کچھ تصویریں ان میں بنوا لو، پھر چینج کر لینا۔" توصیف عالم نے سر تا پا اسے دیکھا پھر اپنے اسٹوڈیو کا دروازہ کھول دیا۔

"واؤ......" وہ تیز روشنیوں میں آ کر چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگی پھر توصیف عالم کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ جانے کس بات پر جھنجھلا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا تو وہ کیمرے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"فوٹو گرافر پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔ میں نے کہا بھی تھا کہ ہم ابھی آ رہے ہیں۔ خیر تم ادھر کھڑی ہو۔"

"تم کھینچو گے۔" وہ ہنستی ہوئی کیمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"توصیف عالم نے اسے کیمرے کی آنکھ سے دیکھا، تیز روشنیوں میں اس کا حسن گھائل کیے دے رہا تھا۔ وہ کتنی دیر اس بہانے اسے ہر ہر زاویے سے دیکھتا رہا پھر دو تین تصویریں کھینچ کر اس کے قریب چلا آیا اور اسے پوز سمجھانے کا بھی بہانہ تھا۔

"ایسے سیدھی کیا کھڑی ہو گئی ہو۔ یہ ہاتھ یہاں رکھو۔ گردن تھوڑی نیچی، کمر بالکل سیدھی کرو۔"

وہ دھیرے دھیرے اسے چھو رہا تھا اور جب کمر پر اس کی انگلیاں رینگنے لگیں تب وہ پریشان ہو گئی لیکن کمال ہوشیاری سے انجان بن کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"تم کیمرہ سنبھالو اور دیکھو میں کیسے کیسے پوز بناتی ہوں۔"

"دیکھ لو اگر یہاں فلاپ ہو گئیں تو......؟"

"میں کچھ فلاپ نہیں ہو سکتی۔" وہ گردن اکڑا کر بولی۔

اور پھر واقعی اس نے توصیف عالم کو حیران کر دیا تھا۔ وہ کیمرے کا بٹن دباتے دباتے تھک گیا لیکن اس کے پوز ختم نہیں ہوئے تھے۔

"تم تو لگتا ہے، پیدائشی ماڈل ہو۔" وہ کیمرے سے ہٹ کر بولا۔ "چلو باقی آئندہ۔"

"بس۔" وہ ہنسی پھر اس کے ساتھ واپس اس کے کمرے میں آئی تو پوچھنے لگی۔

"میرا ایڈ ٹی وی پر کب چلے گا؟"

"پتہ نہیں۔ آئی مین ہم صرف ایڈ بناتے ہیں۔ باقی جس فرم کا ایڈ ہے وہی جانے۔"

اس نے کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"میں تو سمجھی تھی اس ہفتے آ جائے گا۔"

"یہ بھی ممکن ہے اسی ہفتے آ جائے، بہر حال تم اگلے ایڈ کی تیاری کرو۔ کل میں تمہیں ڈریس ڈیزائنر کے پاس لے جاؤں گا۔ ذرا جلدی آنا۔"

"میں اپنی کلاس اٹینڈ کر کے ہی آؤں گی۔" اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیسی کلاس؟"

"لو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے ڈرائیونگ انسٹی ٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لیا ہے۔ دس سے گیارہ اس کے بعد سیدھی یہیں آ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں تمہارے لیے گاڑی دیکھوں؟" توصیف عالم نے اسے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ محظوظ ہنسی ہنس کر بولی۔

"ابھی نہیں میں سیکھنے کے بعد پہلے تمہاری گاڑی پر ہاتھ صاف کروں گی۔ پھر اپنی خریدوں گی۔"

"سیکھنے کے بعد کیوں تم ابھی میری گاڑی پر ہاتھ صاف کر سکتی ہو اور ہاں تمہیں انسٹیٹیوٹ جانے کا مشورہ کس نے دیا۔ میں دو دن میں سکھا دیتا۔"

"ہاں مجھے خیال آیا تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ میں کون سا ابھی گاڑی خرید رہی ہوں۔ خیر وہاں بھی زیادہ دن نہیں لگیں گے، مزید یہ کہ لائسنس بھی مل جائے گا۔" وہ بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ اپنی رسٹ واچ اس کے سامنے کر کے بولا۔

"ابھی صرف تین بجے ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ تمہاری ڈیوٹی پانچ بجے آف ہوتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں اپنی سیٹ پر جا رہی ہوں۔"

وہ کہہ کر ہنستی ہوئی اس کے کمرے سے نکل آئی۔ گو کہ اب اسے ریسپشن کی ضرورت نہیں تھی۔ توصیف عالم نے بھی منع کیا تھا لیکن وہ سارا دن اس کے سامنے نہیں بیٹھے رہنا چاہتی تھی کیونکہ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ خود کو صرف اس کا پابند نہیں رکھے گی۔ جب ماڈلنگ میں آ ہی گئی ہے تو پھر جہاں سے اچھی آفر ملے گی وہیں جائے گی۔ اس لیے وہ جو ایڈ کر چکی تھی، اس کے لیے چاہتی تھی کہ جلدی ٹی وی پر آ جائے تاکہ اس کے فن کا چرچا ہو جائے۔ اس کے بعد ظاہر ہے وہ اپنی ڈیمانڈ بڑھا سکتی تھی۔

وہ اب آگے اور آگے کا سوچنے لگی تھی، جہاں اسے سب کچھ حاصل ہو جائے اور ایسے میں اس کے ذہن میں ڈاکٹر عفان ہوتے تھے۔ جنہوں نے اسے راستے میں روک کر کہا تھا۔

"کار کے ہوتے بے کار پھر رہی ہو۔" گو کہ انہوں نے طنز نہیں کیا تھا لیکن وہ ان کی بات کو چیلنج بنا چکی تھی کہ انہیں کار ہی نہیں اور بھی بہت کچھ حاصل کر کے دکھائے گی۔ اسی لیے اس نے ذرا ماڈلنگ کی ہامی بھر لی تھی۔ ورنہ اس کا ارادہ نہیں تھا البتہ جاب کرنا چاہتی تھی اور اس کا خیال تھا جب تک توصیف عالم اسے ماڈلنگ کے لیے مجبور کرے گا تب تک اسے کہیں اور جاب مل جائے گی اور اس کے لیے وہ کوشش بھی کر رہی تھی۔ لیکن اب ڈاکٹر عفان کی ضد میں اس نے ساری کوششیں ترک کر کے ماڈلنگ کی دنیا میں قدم رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر سے شام ہو گئی تھی اور بیگم آفندی کا ڈرائیور ابھی تک ان کے انتظار میں ہاسپٹل کے گیٹ پر کھڑا تھا، کیونکہ فائقہ کہہ گئی تھی کہ وہ ماما کے آنے تک یہیں رکے پھر جیسا وہ کہیں اور ظاہر ہے وہ ملازم تھا پھر فائقہ جس حالت میں اندر گئی تھی۔ اس سے وہ اس کے باہر آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس لیے اس کا سارا دھیان بیگم آفندی کی طرف تھا اور وہ بار بار یہ سوچ رہا تھا کہ اندر چھوٹی بی بی اکیلی ہیں۔ بیگم صاحبہ کو آ جانا چاہئے اور بیگم آفندی سات بجے آئی تھیں۔

ڈرائیور انہیں دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا۔ لیکن وہ اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سیدھی اندر چلی آئیں، لیکن وہاں ڈاکٹر نزہت موجود نہیں تھیں۔ انہوں نے سسٹر کو روک لیا۔

"سنو فائقہ کہاں ہے۔ کیا ہے بیٹا، بیٹی!" انہوں نے بے تابی سے پوچھا تو سسٹر سوچتے ہوئے بولی۔

"فائقہ آپ مسز شہریار کا پوچھ رہی ہیں؟"

"ہاں ہاں وہ دوپہر میں ڈلیوری کے لیے آئی تھی۔ کیا ہوا ہے؟" وہ بہت بے صبری ہو رہی تھیں۔

"نہیں میڈم! آج تو مسز شہریار کی ڈلیوری نہیں تھی۔" سسٹر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ اچنبھے سے پوچھنے لگیں۔

"پھر کہاں ہے وہ ٹھیک تو ہے ناں؟"

"سوری میڈم! میں نے انہیں نہیں دیکھا۔" سسٹر کی بات پر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تو اب دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ کیسی ہے وہ۔ کوئی پرابلم تو نہیں ہوگئی اس کے ساتھ؟ وہ ماں بننے والی ہے ماں۔"

سسٹر خائف سی ہو کر فوراً آگے بڑھ گئی اور ایک ایک کمرے میں دیکھنے کے بعد واپس ان کے پاس آ کر بولی۔

"سوری میڈم! مسز شہریار یہاں نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں میڈم! وہ آج یہاں آئی ہی نہیں، آپ ڈاکٹر صاحبہ سے پوچھ لیں۔" سسٹر نے اپنی جان چھڑانے کو ڈاکٹر کا کہہ دیا تو وہ پوچھنے لگیں۔

"کہاں ہیں ڈاکٹر نزہت؟"

"وہ آٹھ بجے آئیں گی آپ انتظار کر لیں۔"

"میں انتظار کر لوں، ہونہہ، اس کے گھر کا نمبر لکھ دو۔ میں فون پر بات کر لوں گی۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" سسٹر نے ایک پرچے پر نمبر لکھ کر دے دیا تو انہوں نے باہر آتے ہوئے سوچا۔

"وہ یہاں آ کر کہاں گئی۔" پھر ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کر کے اپنی گاڑی میں آ بیٹھیں اور اسپیڈ سے ڈرائیو کرتے ہوئے گھر آئیں تو پہلے ڈاکٹر نزہت کو فون کیا۔ اس کے بعد ملازمہ کی شامت آ گئی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں فائقہ کے ساتھ ہاسپٹل جانا ہے پھر تم کیوں نہیں گئیں۔"

ملازمہ کسی خوشخبری کی منتظر تھی۔ ان کے غصے سے جانے کیا سمجھ کر رونے لگی تو وہ زور سے دھاڑیں۔

"بند کرو یہ مکاری اور میری بات کا جواب دو۔"

"جی۔ میں نے بی بی سے کہا تھا پر انہوں نے منع کر دیا۔" ملازمہ فوراً ہاتھ نیچے گرا کر سہمی ہوئی آواز میں بولی تو وہ پوچھنے لگیں۔

"کیا کہا تھا اس نے؟"

"جی انہوں نے کہا تھا کہ انہوں نے آپ کو فون کر دیا ہے، آپ ان کے پاس اسپتال پہنچ جائیں گی۔"

ملازمہ نے بتایا تو وہ کچھ ٹھٹک گئیں، لیکن فوراً کچھ قیاس کرنے سے گریز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"اور...... اور کیا کہا تھا؟"

"اور تو جی کچھ نہیں کہا۔"

"اچھا دیکھو، ڈرائیور آ گیا ہو تو اسے یہاں لے آؤ۔" وہ ملازمہ کو بھیج کر خود بیٹھ گئیں۔

ملازمہ فوراً ہی ڈرائیور کے ساتھ واپس آ گئی تو انہوں نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا تھا۔

"تم فائقہ کو کہاں لے گئے تھے؟"

"جی اسپتال......" ڈرائیور ان کے سوال سے پریشان ہوا تھا۔

"سچ بتاؤ مجھ سے جھوٹ بولنے کی سزا کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" انہوں نے دانت پیس کر کہا۔ تو ڈرائیور ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بیگم صاحبہ! میں چھوٹی بی بی کو اسپتال لے گیا تھا۔ وہاں انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کا انتظار کروں اور میں آپ کے انتظار میں وہاں سے ہلا بھی نہیں۔"

بیگم آفندی نے کچھ دیر اس کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں پھر اگر اس کا یقین کیا بھی تو ظاہر نہیں ہونے دیا اور جتا کر بولیں۔

"وہ وہاں نہیں ہے۔"

"وہاں نہیں ہیں۔" ڈرائیور مزید پریشان ہو کر گڑگڑانے لگا۔ "میں اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں بیگم صاحبہ! وہ میرے سامنے اندر گئی تھیں اور میں نے انہیں واپس باہر آتے نہیں دیکھا۔"

"پھر کہاں گئی وہ؟" وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"پتہ نہیں جی۔"

"شٹ اپ۔" انہوں نے چیخ کر اسے خاموش کرایا پھر فون کے پاس آ کر سی ایل آئی پر نمبر چیک کرنے لگیں۔ آنے والی کال میں فائقہ کے گھر کا نمبر تھا اور جہاں اس نے رنگ کیا تھا۔ اس

نمبر کو وہ کچھ دیر سوچتی رہیں لیکن سمجھ نہیں پائیں تو اسے ڈائری پر نوٹ کرنے کے بعد اس کے گھر کے نمبر ملا ڈالے۔

دوسری طرف رابعہ نے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"میں بیگم آفندی بات کر رہی ہوں ذرا فائقہ کو بلاؤ۔" ان کے ذہن نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کیا تھا۔

"فائقہ!" رابعہ غالباً حیران ہوئی تھی۔ "فائقہ تو یہاں نہیں ہے۔"

"کہاں گئی ہے؟" انہوں نے بہت نارمل انداز میں پوچھا تو ادھر رابعہ جو ویسے ہی ان سے خار کھاتی تھی چڑ کر بولی۔

"مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں۔ آپ کو پتہ ہونا چاہئے۔"

"ہاں مجھے پتہ ہے کہ دن میں گیارہ بجے تمہارے ہاں سے فون آیا تھا، اس کے بعد وہ ڈرائیور کے ساتھ تمہارے ہاں گئی تھی اور مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے اور نہ میں اسے ابھی واپس بلا رہی ہوں، جب تک اس کا دل چاہے وہاں رہے۔ مجھے صرف اس کی طبیعت پوچھنی ہے۔"

انہوں نے بہت ضبط سے ایک ایک بات پر زور دے کر کہا تو رابعہ اچنبھے میں گھر کر بولی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میڈم! فائقہ یہاں نہیں آئی۔"

"کیسے نہیں آئی۔ ڈرائیور چھوڑ کر آیا ہے اسے۔" اب انہوں نے قدرے جھنجھلا کر ٹوکا تو ادھر وہ بھی غصے سے بولی۔

"جھوٹ بولتا ہے آپ کا ڈرائیور۔"

"اسے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔"

"تو پھر فائقہ یہاں کیوں نہیں ہے۔"

"دیکھو لڑکی! مجھے چکر دینے کی کوشش مت کرو۔ اپنے باپ کو بلاؤ۔ میں ان سے پوچھتی ہوں۔" انہوں نے تیز ہو کر تنبیہہ کے ساتھ کہا۔

"ابو ابھی آفس سے نہیں آئے اور آپ ان سے کیا پوچھیں گی، اپنے ڈرائیور سے پوچھیں کہ اس نے فائقہ کو کہاں چھوڑا ہے۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اس دروازے پر اتر کر کہیں اور چلی جائے، آس پاس کوئی رشتہ دار نہیں ہے جہاں وہ دوپہر سے اب تک بیٹھی رہے۔"

رابعہ کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خود پر بہت ضبط کر رہی ہے اور وہ کہہ بھی ٹھیک رہی تھی لیکن بیگم آفندی کیونکہ چھوٹتے ہی یقین سے اس کا وہاں جانا جتا چکی تھیں۔ اس لیے اب انہیں اپنی بات

قائم رہنا تھا۔ دوسری صورت میں وہ مشکوک ٹھہرتیں۔ اس لیے فوراً لہجہ بدل گئیں۔ کچھ نرم پڑ کر تشویش سے بولیں۔

"پھر کہاں چلی گئی، میں ڈرائیور سے معلوم کرتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے فون بند کر دیا اور کچھ دیر اسی رخ پر کھڑی سوچتی رہیں پھر پلٹ کر ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے بہت سرد لہجے میں بولیں۔

"سن لیا تم نے؟"

"جی۔" ڈرائیور کا جی نہ سمجھنے والا تھا۔

"تم نے فائقہ کو اس کے باپ کے گھر چھوڑا تھا۔" انہوں نے ہنوز اسی انداز میں کہا تو اس بار وہ حیران ہوا۔

"جی۔"

"ہاں تم نے فائقہ کو اس کے باپ کے گھر چھوڑا تھا۔" وہ اپنی بات دہرا کر پوچھنے لگیں۔ "کہاں چھوڑا تھا؟"

"ان کے باپ کے گھر۔" ڈرائیور اب سمجھ کر اور خائف ہو کر بولا تھا۔

"ہاں اور تم بھی سن لو۔" وہ ملازمہ سے مخاطب ہوئیں۔ "فائقہ تم سے اپنے باپ کے گھر جانے کا کہہ گئی تھی۔ سمجھ رہی ہو نا۔"

"جی......" ملازمہ کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"کوئی بھی پوچھے، تم دونوں کو یہی کہنا ہے اگر کہیں غلطی سے بھی کوئی اور بات منہ سے نکلی تو سب سے پہلے پولیس تم دونوں کو پکڑے گی۔ کیونکہ میں تو گھر پر تھی نہیں اور میں نے تمہیں بچانے کے لیے ہی اس کے گھر والوں سے جھوٹ بولا ہے۔ سمجھے۔" بیگم آفندی نے پولیس کا نام لے کر دونوں کو ڈرا دیا تھا۔

"بیگم صاحب! ہمارا کوئی قصور نہیں جی۔" ملازمہ رونے لگی۔

"میں جانتی ہوں جب ہی تو تمہیں بچا رہی ہوں۔ ورنہ میں خود تمہیں پولیس کے حوالے کر دیتی اور یہ رونا دھونا بند کرو۔ ابھی اس کے گھر سے کوئی آ جائے گا اور تمہیں کسی کے سامنے کمزور نہیں پڑنا۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

وہ ان دونوں کو بھیج کر فائقہ کے کمرے میں آ گئیں، جہاں کسی افراتفری کا کوئی نشان نہیں تھا ہر شے جوں کی توں موجود تھی وہاں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا ذہن یک لخت بہت پیچھے چلا گیا۔ جب زینب نے گھر چھوڑا تھا تو اس کے کمرے میں بھی ایسی ہی ادا [illegible] ہر شے سمٹ

آئی تھی جیسے اپنے مکین کے جانے پر افسردہ ہو۔

"تو کیا فائقہ بھی؟" ان کے ذہن کو پھر جھٹکا لگا۔

"نہیں وہ ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی۔ اس نے میرے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور پھر وہ کہاں جائے گی۔ اپنے باپ کے گھر ہوگی۔ وہیں سے فون آیا تھا۔ اس کی وہ بہن ضرور اس نے بہکایا ہوگا۔ فائقہ خود سے نہیں جا سکتی، میں...... میں اس کے باپ سے پوچھتی ہوں۔"

وہ خود کو تسلیاں دیتی واپس لاؤنج میں آ گئیں اور ریسیور اٹھانے لگی تھیں کہ ڈائری پر وہ دوسرا نمبر جہاں فائقہ نے رنگ کیا تھا دیکھ کر پھر اسے سوچتے ہوئے پہلے وہی نمبر ڈائل کیا اور کچھ دیر دوسری طرف کی ٹیون سنتی رہیں پھر کریڈل پر ہاتھ رکھا تھا کہ بیل بج اٹھی۔

"ہیلو۔" انہوں نے کریڈل سے ہاتھ ہٹا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف فائقہ کے ابو تھے۔

"اسلام علیکم بیگم صاحبہ! میں اعزاز احمد بات کر رہا ہوں۔"

"جی میں آپ ہی کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ فوراً ذہن سے ہر خیال جھٹک کر ادھر متوجہ ہو گئیں۔

"جی میں ابھی آفس سے آیا ہوں تو رابعہ نے مجھے آپ کے فون کا بتایا۔" ابو نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

"اور فائقہ کا نہیں بتایا؟"

"بتایا ہے لیکن فائقہ یہاں نہیں آئی۔ آپ نے ڈرائیور سے پوچھا؟" ابو کے پوچھنے پر انہوں نے ایک لحظہ کو ہونٹ بھینچے پھر ضبط سے بولیں۔

"دیکھیں اعزاز صاحب! میرے ڈرائیور میں اتنی جرات نہیں ہے کہ وہ غلط بیانی کرے۔ دن میں آپ کے ہاں سے فون آیا تھا۔ اس کے بعد فائقہ ملازمہ سے یہ کہہ کر نکلی تھی کہ وہ آپ کے ہاں جا رہی ہے۔ پھر ڈرائیور نے اسے آپ کے دروازے پر چھوڑا تھا اور ابھی جب میں نے آفس سے آ کر فائقہ کی طبیعت معلوم کرنے کے لیے آپ کے ہاں فون کیا تو آپ کی دوسری بیٹی نے بتایا۔ کہ فائقہ وہاں نہیں ہے اب بتائیں وہ آپ کے ہاں نہیں ہے تو کہاں ہے؟"

دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پھر کتنی دیر بعد ابو کی ٹوٹی ہوئی آواز آئی تھی۔

"میری بیٹی کہاں چلی گئی؟"

"آپ اپنے عزیزوں کے ہاں معلوم کریں۔ ویسے اتنی غیر ذمہ دار تو نہیں ہے وہ۔ بہرحال آپ معلوم کریں میں بہت پریشان ہو رہی ہوں۔"

بیگم آفندی ان کی پریشانی نظرانداز کر گئیں اور اپنی پریشانی جتا کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

☆☆☆

ابو کے ہاتھ میں ریسیور کانپ رہا تھا۔

رابعہ نے جلدی سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھا پھر ان کا بازو تھام کر وہیں چیئر پر بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا کہہ رہی ہیں میڈم؟"

ابو میں بولنے کی سکت نہیں تھی بس ایک نظر اسے دیکھ کر سر جھکا گئے تو وہ ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"پریشان نہیں ہوں۔ ابو! مجھے یقین ہے فائقہ وہیں اپنے گھر میں ہوگی۔ اس کی ساس بہت چالاک عورت ہے، ضرور ان کا مقصد۔"

وہ امی کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئی کیونکہ اس نے ابھی امی کو نہیں بتایا تھا صرف اس لیے کہ وہ سنتے ہی رونا دھونا مچا دیتیں۔

"کیا بات ہے؟" امی نے ابو کو مضمحل دیکھ کر تشویش سے پوچھا تو اس سے پہلے ابو بول اٹھے۔

"کچھ نہیں، بس ذرا کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" پھر اس سے بولے۔

"بیٹا! ذرا اعظام کو فون کرو۔ کہو اگر فارغ ہے تو یہاں آ جائے۔ میں اس کے ساتھ۔"

"ہاں ڈاکٹر کو دکھا دیں۔" امی نے خود ہی ان کی بات پوری کر دی۔ جب کہ رابعہ سمجھ کر عظام کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پھر بہت مختصراً انہیں ابو کی طبیعت کی خرابی کا بتا کر آنے کو کہہ دیا۔

"کیا ہوا، نہیں ہے عظام؟" امی اس کے اتنی جلدی فون رکھنے سے یہی سمجھیں۔

"نہیں۔ آ رہے ہیں ابو! آپ جب تک کھانا کھا لیں۔ چلیں اٹھیں، منہ ہاتھ دھوئیں۔ میں کھانا لاتی ہوں۔"

رابعہ زبردستی ابو کو اٹھا کر خود کچن میں چلی گئی اور بہت جلدی کھانا نکال لائی کیونکہ جانتی تھی کہ عظام فون رکھتے ہی نکل پڑے ہوں گے اور انہیں دیکھ کر پھر ابو نہیں رکیں گے۔ فوراً ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو جائیں گے اور چاہ تو وہ بھی رہی تھی کہ ابو کے ساتھ بیگم آفندی کے پاس جائے لیکن ابو کی فوراً آپے سے باہر ہو جانے والی عادت سے واقف تھی، اس لیے خود پر جبر کر رہی تھی کہ کہیں اس کے غصے میں بات خراب نہ ہو جائے، جب کہ اس کا ذہن مسلسل اس بات میں الجھا ہوا تھا کہ آخر بیگم آفندی کا مقصد کیا ہے۔ فائقہ کے ذریعے وہ ان سے کیا چاہتی ہیں۔ گویا یہ ذہن تھا کہ فائقہ انہی کے پاس ہے اور ابو کو بھی یہی تسلی دیے جا رہی تھی۔

"تقریباً پندرہ منٹ بعد عظام آئے تو انہیں دیکھتے ہی ابو نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

"آپ کھانا کھالیں پھوپھا جان!" عظام نے ان کے اٹھنے پر کہا۔

"نہیں میاں چلو۔" ابو کے حلق سے نوالے کہاں اتر رہے تھے۔

"کیا طبیعت خراب ہے۔ میرا مطلب ہے کون سے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے؟" عظام نے پوچھتے ہوئے یونہی رابعہ کو دیکھا تو وہ امی کی موجودگی کے باعث آنکھوں سے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ابو کو معلوم ہے۔"

عظام اس کے اشارے سے قدرے ٹھٹکے تھے کہ ادھر امی پوچھنے لگیں۔

"میں بھی چلوں۔"

"تم کہاں جاؤ گی۔ میں بس دوا لے کر آتا ہوں۔ چلو میاں!" ابو نے کچھ ناراضی سے امی کو ٹوکا اور عظام کا بازو تھام کر باہر نکل آئے تھے۔

"فائقہ کے ہاں چلو!" ابو نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا اور پھر عظام کو ساری بات بتاتے ہوئے وہ بہت متوحش تھے۔

عظام اپنی جگہ حیران پریشان ہونے کے ساتھ دن میں فائقہ کے ساتھ فون پر ہونے والی باتیں سوچنے لگے تھے۔ اور اس کی آخری بات۔

"میرے لیے دعا کیجئے گا کہ میں جس راستے پر قدم رکھوں اس میں میرے لیے آسانیاں اور بہتری ہو۔"

"اللہ کرے۔" ان کے دل نے بے اختیار دعا کی پھر ایک دم چونک کر ابو کو دیکھا جو سر تھامے بیٹھے تھے۔ انہیں بہت دکھ ہوا لیکن تسلی دینے کی ہمت نہیں ہوئی، جب کہ بقول رابعہ، فائقہ بھی کہ وہ پیدا ہی دوسروں کی دلداری کے لیے ہوئے ہیں۔ اور ایسا تھا تو لیکن کبھی کبھی انسان واقعی بہت بے بس ہو جاتا ہے۔

کچھ دیر بعد جب انہوں نے آفندی ہاؤس کے گیٹ پر گاڑی روکی تب ابو نے انہیں یوں دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔ اور وہ کیا کہتے خاموشی سے اتر گئے اور ابو کے اتر کر آنے تک چوکیدار کو اندر بھیج چکے تھے۔

پھر چوکیدار قدرے تاخیر سے آیا تھا اور کچھ کہے بغیر گیٹ کھول دیا تو ابو ان کے ساتھ اندر چلے آئے۔

بیگم آفندی لاؤنج میں موجود تھیں۔

"السلام علیکم!" ابو نے سلام کیا تو بیگم آفندی جواب دیئے بغیر پوچھنے لگیں۔

"کچھ پتہ چلا؟"

ابو نفی میں سر ہلا کر عظام کو دیکھنے لگے تو انہوں نے پہلے انہیں بٹھایا پھر ان کے ساتھ بیٹھ کر بیگم آفندی سے پوچھنے لگے۔

"میڈم! فائقہ نے یہاں سے نکلتے ہوئے آپ سے اجازت تو لی ہو گی یا بتایا ہو گا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟"

"نہیں میں آفس میں تھی اور اس نے مجھے فون بھی نہیں کیا۔ البتہ ایک فون اس نے کیا تھا اور میں نہیں جانتی یہ کس کا نمبر ہے۔"

بیگم آفندی نے ہاتھ بڑھا کر ڈائری اٹھا لی اور نمبر دہرایا تو عظام کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ لیکن بہت سنبھل کر بولے۔

"جی..... یہ میرے آفس کا نمبر ہے۔"

"ہوں مجھے شبہ ہو رہا تھا۔" بیگم آفندی نے ڈائری واپس رکھتے ہوئے کہا۔ پھر مشکوک نظروں سے انہیں دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ "کیوں فون کیا تھا اس نے تمہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں شاید اکیلے میں گھبرا رہی تھی۔" عظام کے لیے یہ صورتحال نہ صرف غیر متوقع بلکہ انتہائی پریشان کن تھی کہ جہاں سے دامن بچاتے آئے تھے وہیں الجھ رہا تھا۔

"ہاں گھبراتی تو تھی اور اسی لیے میں نے ڈرائیور کی ڈیوٹی گھر پر لگا دی تھی کہ وہ جب چاہے اپنے ماں باپ کے گھر یا شاپنگ وغیرہ کے لیے جا سکتی ہے۔" بیگم آفندی نے کہا تو ابو عاجزی سے بولے۔

"لیکن وہ گھر نہیں آئی۔"

"تم سے کیا باتیں کی تھیں اس نے اپنے کہیں جانے کا بتایا تھا۔" بیگم آفندی ابو کی بات یکسر نظر انداز کر گئیں۔

عظام جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اور پہلی بار احساس ہوا کہ کبھی کبھی سچ بولنے میں کتنی رسوائی ہوتی ہے۔ ایک عمر کی ریاضت داؤ پر لگ جاتی ہے۔

"کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا اس نے۔ بس یہ کہا تھا کہ میں جا رہی ہوں میرے پوچھنے پر بولی تھی۔ جہاں اللہ لے جائے گا۔" وہ نظریں جھکائے رک رک کر بول رہے تھے۔

"بہت ڈسٹرب لگ رہی تھی پھر میرے تسلی دینے اور سمجھانے پر نارمل ہو گئی تھی یا ہو سکتا ہے مجھے ایسا لگا ہو لیکن یہ میں نے گمان بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کہیں اور جانے کا سوچ سکتی ہے۔"

"سنا آپ نے اعزاز صاحب!" بیگم آفندی ان کی پوری بات سن کر ابو سے مخاطب ہوئیں۔

"فائقہ مجھے اور آپ کو نہیں اپنے کزن کو بتا کر گئی ہے اور یہ بھی ضرور بتایا ہوگا کہ وہ کہاں جارہی ہے۔"

"نہیں......" عظام نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا لیکن بیگم آفندی اب کہاں کچھ سننے اور ماننے والی تھیں مزید تیز ہو کر کہنے لگیں۔

"اعزاز صاحب! میں فائقہ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ بہت اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ خود سے کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتی۔ ضرور اسے بہکایا گیا ہے۔ اور بہکانے والے غیر نہیں اپنے ہی ہو سکتے ہیں۔"

ان کا اشارہ عظام کی طرف تھا۔ ابو بھی سمجھ رہے تھے اور عظام کے لیے یہ الزام جس قدر شرمناک تھا اسی قدر وہ بے بس ہو گئے تھے کہ سچ کہ بعد اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"بہر حال، مجھے ہر حال میں فائقہ چاہیے۔ کیونکہ وہ میرے شیری کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ میں یہ خوشی اپنے گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں اور کچھ دنوں کی بات ہے، اس کے بعد تو فائقہ کو آپ کے پاس ہی جانا ہے۔ ظاہر ہے جوان لڑکی ہے۔ ایک بچے کے سہارے تو زندگی نہیں گزار سکتی۔"

بیگم آفندی یقین سے فائقہ کا مطالبہ کر کے کہے جا رہی تھیں۔

ابو نے پہلے عظام کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا پھر بہت سنبھل کر کہنے لگے۔

"بیگم صاحبہ! فائقہ کے بارے میں آپ کا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ بہت اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی یقین کر لیں کہ اسے کوئی نہیں بہکا سکتا۔ وہ کبھی غلط فیصلے ضرور کر لیتی ہے لیکن پھر انہیں نبھانا بھی جانتی ہے۔ مجھے کبھی کسی مقام پر اس نے مایوس نہیں کیا۔ اس گھر میں ضروری نہیں کہ اس نے صرف سکھ ہی پائے ہوں۔ دکھ بھی ضرور جھیلے ہوں گے لیکن اس نے کبھی مجھ سے شکایت نہیں کی کیونکہ وہ اپنے حصے کے دکھ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" بیگم آفندی کی پیشانی پر بے شمار لکیریں کھنچ گئی تھیں۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری بیٹی کہاں ہے۔ اگر آپ سے لڑ جھگڑ کر بھی یہاں سے نکلی ہے تو میرے گھر کیوں نہیں پہنچی؟"

اب وہ حیثیتوں کا فرق بھلا کر باقاعدہ ان کے مقابل ڈٹ گئے تھے۔ "آپ اپنے ڈرائیور کو بلائیں جو کہتا ہے کہ اس نے فائقہ کو میرے دروازے پر چھوڑا تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اعزاز صاحب! اس میں اتنی جرات نہیں ہے کہ

میری بہو کو کہیں ادھر ادھر اتار دے۔" بیگم آفندی تلملا کر بولیں۔ پھر وہیں سے رشید کو پکار لیا تو وہ بھاگا آیا۔

"جی بیگم صاحبہ!"

"ڈرائیور کو بھیجو ادھر۔" وہ اس سے کہہ کر پھر ابو سے بولیں۔

"آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ فائقہ مجھ سے لڑ جھگڑ کر جا سکتی ہے۔ میں کیا آپ کو مڈل کلاس کی جھگڑالو عورت نظر آتی ہوں۔ اونو......"

"مڈل کلاس ہو یا اپر، پرابلمز ہر جگہ ہوتی ہیں۔" ابو اب انہیں اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔

"ہاں لیکن ہمارے ہاں جھگڑے نہیں ہوتے۔" بیگم آفندی نے نخوت سے کہا تب ہی رشید ڈرائیور کو ساتھ لے کر آگیا۔

"تم جاؤ۔" بیگم آفندی رشید کو بھیج کر ڈرائیور سے بولیں۔ "بتاؤ انہیں تم نے فائقہ کو کہاں چھوڑا تھا؟"

"جی ان کے گھر۔" ڈرائیور نے کہا تو ابو ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جھوٹ بولتے ہو تم، میں تمہارے خلاف رپورٹ لکھوا دوں گا۔ اگر تم نے غلط بیانی کی تو سچ بتاؤ میری بیٹی کہاں ہے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں صاحب! جھوٹ کیوں بولوں گا۔ سالوں سے اس گھر کی نوکری کر رہا ہوں۔ نوکر ہوں صاحب! حکم مانتا ہوں۔ میری جرات نہیں سوال کرنے کی۔ چھوٹی بی بی نے حکم دیا۔ گھر چھوڑ آؤ میں چھوڑ آیا۔"

ڈرائیور کی پشت پر بیگم آفندی کا ہاتھ تھا جب ہی اب وہ روانی سے بول رہا تھا۔

ابو کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بیگم آفندی سے بولے۔

"نہیں بیگم صاحبہ! میرا ذہن اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا کہ فائقہ میرے دروازے تک آ کر کہیں اور جا سکتی ہے اور کہیں اور جانے کا کیا مطلب ہے، کیا وہ خوفزدہ تھی اور اگر تھی تو کیوں کس بات سے؟"

"یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کس خوف نے اسے آپ کے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔" بیگم آفندی نے دھڑلے سے کہا تو ابو عاجز سے ہو کر عظام کو دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس بحث میں پڑنے کے بجائے اسے ڈھونڈنے کی فکر کرنی چاہیے۔"

عظام نے کہا تو بیگم آفندی پھر انہیں مشکوک نظروں سے دیکھنے لگیں۔ جس سے جز بز ہو کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلیں پھوپھا جان!"

"کہاں؟" ابو نے بے بسی سے پوچھا۔

"گھر یہاں بیٹھ کر تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"گھر جا کر کیا کرلو گے؟" بیگم آفندی نے چبھتے ہوئے لہجے میں ٹوکا لیکن انہوں نے یکسر نظر انداز کر کے ابو کا بازو تھام لیا۔ اور دروازے کی طرف بڑھے تو بیگم آفندی فوراً بولیں۔

"اعزاز صاحب! میں آرام سے نہیں بیٹھوں گی۔ فائقہ جہاں کہیں بھی ہو گی۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔"

ابو ان کے بولنے پر رکے تھے پھر پلٹ کر دیکھے بغیر عظام کے ساتھ باہر نکل کر آئے تو بچوں کی طرح رونے لگے تھے۔

"پھوپھا جان! پھوپھا جان پلیز! حوصلہ رکھیں فائقہ کہیں نہیں جا سکتی۔" عظام مزید پریشان ہو گئے۔

"چلی تو گئی ہے۔" ابو پھر بہت نڈھال ہو گئے تھے۔

عظام نے بمشکل انہیں گاڑی میں بٹھایا اور تمام راستہ فائقہ کی طرف سے اطمینان دلانے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن اب ابو جب تک فائقہ کو دیکھ نہ لیتے کیسے اطمینان سے ہو سکتے تھے۔

☆☆☆

اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو کھڑکی کے شیشوں پر چمکتی دھوپ دیکھ کر جہاں رات گزر جانے کا احساس ہوا وہاں ذہن بھی یوں بیدار ہوا کہ ایک پل میں رات بھر کا سفر سوچ ڈالا اور اگلے پل اٹھنا چاہتی تھی کہ ایک بوڑھی آواز نے روک دیا۔

"لیٹی رہو بچی۔"

اس نے چونک کر دیکھا۔ وہی خاتون تھیں جو رات کے آخری پہر ایک چھوٹے سے اسٹیشن سے ٹرین میں سوار ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ اس نے بلا ارادہ اس کی تلاش میں نظروں کا زاویہ بدلا، تو وہ دائیں طرف کھڑی نظر آئی اور اس کے دیکھنے پر فوراً اپنی ماں سے بولی۔

"اماں! یہ اٹھ گئی ہے۔"

"ہاں جا جلدی سے راحل کو بلا لا۔" اماں نے کہا تو وہ وہیں سے پکارتی ہوئی بھاگی۔

"بھائی...... بھائی۔"

"یا اللہ!" اس کے سینے میں دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کہ جانے اب کون آئے اور اس

سے کیا سوال کرے۔

چند لمحوں بعد ہی وہ لڑکی اسی طرح بھاگتی ہوئی واپس آئی اور اس کے پیچھے وہ اونچا توانا مرد دروازے کی چوکھٹ پر ہی رک کر خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ تو اندر ہی اندر سہم کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

"اے۔" وہ اس سے مخاطب ہوا۔ "آنکھیں کھولو۔"

اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں تو پوچھنے لگا۔

"کہاں جانا ہے تم کو؟"

وہ خاموش رہی کیونکہ اس کے پاس جواب ہی نہیں تھا۔

"جلدی بتاؤ۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" اس کی عجلت میں بیزاری بھی شامل تھی۔

وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر اس کی اماں کو دیکھنے لگی تو وہ نرمی سے بولیں۔

"بتا بچی! تجھے کہاں جانا ہے۔ یہ میرا بیٹا تجھے چھوڑ آئے گا۔"

اس کی آنکھیں اپنی بے بسی پر آنسوؤں سے بھر گئیں تو وہ دو قدم آگے آکر بولا۔

"دیکھا اماں! اس کی مکاری۔ اب یہ کہے گی میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے میں بالکل اکیلی ہوں، مجھ پر رحم کرو۔ کوئی ضرورت نہیں اس پر ترس کھانے کی۔"

"بس چپ کر راحل!" اماں کے ٹوکنے پر وہ اور تیز ہو کر بولا۔

"نہیں پہلے میں اس سے سچ اگلواؤں گا مجھے چکر نہیں دے سکتی یہ۔"

"بھائی! آرام سے بات کرو۔" وہ لڑکی منمنائی تھی۔

"چل تو اپنا کام کر۔" وہ بہن کو ٹوک کر پھر اسے گھورنے لگا تو اس نے چند لمحے اٹھ کر بیٹھنے میں صرف کیے پھر اس کے بجائے اماں کو دیکھ کر بولی۔

"میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور میری ساس نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔"

"ہاہاہا......" وہ زور سے ہنسا۔ تو اماں غصے سے بولیں۔

"راحل! تو جا اپنے کام پر۔"

"نہ نہ جب تک یہ یہاں موجود ہے میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

وہ دھڑلے سے اماں کے پاس بیٹھ گیا اور انہیں سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ بہت سیدھی ہو اماں ہر ایک کی باتوں میں آجاتی ہو۔ اسے اگر ساس نے نکال دیا ہے تو اپنی ماں کے پاس جائے۔ یہاں کیوں آئی ہے۔"

"میں خود سے نہیں آئی تم لے کر آئے ہو۔" وہ ساری ہمتیں یکجا کر کے بولی تھی۔

"اماں کے کہنے پر لایا ہوں۔ انہیں ہمدردی ہو رہی تھی تم سے ورنہ میں وہیں اسٹیشن پر بے ہوش پڑا رہنے دیتا۔ خیر اب تو تمہیں ہوش آ گیا ہے اب جاؤ اپنے گھر۔" وہ ذرا بھی مروت برتنے کو تیار نہیں تھا۔

"میرا گھر یہاں نہیں ہے۔" وہ جز بز ہو کر بولی۔

"جہاں بھی ہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ تم بس یہاں سے جاؤ۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"راحل! مہمان کے ساتھ......" اماں نے پھر ٹوکنا چاہا کہ وہ بول پڑا۔

"کوئی مہمان نہیں اماں! آپ اس کی حالت نہیں دیکھ رہیں پتہ نہیں پیٹ میں کس کا بچہ لیے پھرتی ہے اور کہتی ہے شوہر مر گیا ہے ساس نے گھر سے نکال دیا۔ جھوٹی ہے یہ۔"

"میرے خدا......" وہ چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر سسک پڑی تو وہ اس پر دھاڑا۔

"اے یہ آنسو اپنے گھر جا کر بہانا چلو اٹھو۔"

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھنے لگی تھی کہ اماں نے روک دیا۔

"ابھی بیٹھ بچی! پہلے کچھ کھا پی لے۔"

"اماں!" وہ جھنجلا گیا۔

"بس چپ کر مہمان کو ایسے نہیں جانے دیتے۔" اماں کہہ کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ پھر اسے گھورنے لگا۔

"بدتمیز، جنگلی، جاہل، گنوار۔" وہ اس کی گھورتی نظروں سے پریشان ہوتی دل ہی دل میں اسے گالیاں دینے لگی پھر ایک دم خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"یہ کون سا شہر ہے؟"

"تم نے کس شہر کا ٹکٹ کٹایا تھا؟" جواب کے بجائے چبھتا ہوا سوال آیا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"پڑھی لکھی لگتی ہو۔" قدرے توقف سے وہ اسے مخاطب کیے بغیر بولا اور اس کے خاموش رہنے پر ملامت کے ساتھ کہنے لگا۔ "چ...... چ...... کیا فائدہ ایسی تعلیم کا جو اچھے برے کی تمیز نہ سکھائے۔"

"میں نے کوئی برا کام نہیں کیا۔" وہ چیخ کر بولی۔

"تو پھر گھر سے بھاگیں کیوں؟" وہ اب اسے طیش دلا رہا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں گھر سے بھاگی ہوں۔"

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے جس پر نہ چھوڑی ہوئی منزل کا نشان ہے، نہ اگلی منزل کا پتہ۔" اس نے کہہ کر تاسف بھری سانس کھینچی تو وہ دکھ سے بولی۔

"تمہارا قیاس ٹھیک ہے۔ لیکن سچ وہی ہے کہ میرے شوہر کے بعد اس کے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں رہی تھی۔"

"اور تمہارے ماں باپ؟" اس نے پوچھا تب ہی اماں اس کے لیے ناشتہ لے کر آ گئیں۔ چنگیر میں پراٹھا فرائی انڈا اور دودھ کا گلاس۔

وہ کیونکہ کل سے بھوکی تھی، اس لیے مروتاً بھی تکلف نہیں کیا۔ دوسرے اس کے سوالوں سے بھی بچنا چاہ رہی تھی، جب ہی فوراً کھانے میں لگ گئی تو وہ اماں سے بولا۔

"اماں! مجھے چائے ہی دے دیتیں۔"

"تو کام پر نہیں جائے گا۔" اماں اسے وہاں سے اٹھانا چاہتی تھیں لیکن وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا۔

"جاؤں گا کیوں نہیں پہلے اسے تو چلتا کروں۔"

"میری فکر مت کرو میں چلی جاؤں گی۔" وہ ناگواری سے بولی تو اماں نے فوراً پوچھا۔

"کہاں جائے گی؟"

"جہاں اللہ لے جائے گا اسی کے بھروسے پر نکلی ہوں، وہ جس کے دل میں چاہے گا میرے لیے رحم ڈال دے گا۔" وہ کھانے میں مصروف اتنے مطمئن انداز میں بولی تھی کہ اس کے بعد کچھ دیر کے لیے بالکل خاموشی چھا گئی پھر غالباً اس نے اماں کو جانے کا اشارہ کیا تھا اور ان کے جاتے ہی کہنے لگا۔

"سنو اگر تم اپنے بارے میں سچ بتا دو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"سچ وہی ہے جو میں کہہ چکی ہوں۔" پیٹ بھرنے سے وہ اب خود کو کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

"اور میں نے تمہارے ماں باپ کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"میرے ماں باپ پر اور بہت ذمہ داریاں ہیں۔ میں اپنا بوجھ ان پر نہیں ڈالنا چاہتی۔ اس لیے دور چلی آئی۔" اس نے کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"میں تمہیں یقین دلانے کے لیے قسمیں نہیں کھاؤں گی۔" اس نے کہہ کر دودھ کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں جا رہا ہوں، دوپہر تک واپس آؤں گا اور اس وقت تم مجھے یہاں نظر نہ آؤ۔" وہ اپنی بات ختم کر کے کمرے سے نکل گیا تو ایک پل کو اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی لیکن اگلے پل سر جھٹک کر گھونٹ گھونٹ دودھ حلق سے اتارنے کے ساتھ وہ یہاں سے جانے کا سوچنے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکی اور اماں کمرے میں آئیں تو وہ یوں دونوں کو دیکھنے لگی جیسے وہ خود کو مجبور ظاہر کر کے اسے یہاں سے جانے کو کہہ دیں گی لیکن اس کے برعکس اماں دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"تم راحل کی باتوں کا برا مت ماننا، اس کی عادت ہے کڑوا بولنے کی دل کا برا نہیں ہے۔"

"ہاں بھائی ہر ایک سے ایسے ہی بولتا ہے۔" لڑکی نے ماں کی تائید کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھ کر قصداً ذرا مسکرائی پھر پوچھنے لگی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"الیشبہ۔"

"الیشبہ! ماشاء اللہ نام تو بہت پیارا ہے پڑھی ہو۔" اس نے سراہ کر پوچھا۔ ساتھ اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا۔

"ہاں، ابھی میں نے دسویں کا امتحان دیا ہے۔" اس نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

"واقعی۔"

"اماں سے پوچھ لیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ یہ کون سا شہر ہے؟" اس نے اپنے اگلے اقدام سے پہلے معلومات کی خاطر پوچھا۔

"مظفر گڑھ۔"

"مظفر گڑھ۔" وہ زیر لب دہرا کر سوچنے لگی کہ بیگم آفندی کے ذہن میں یہ نام شاید کبھی نہیں آئے گا۔

"تمہیں کہاں جانا تھا؟" الیشبہ پوچھ رہی تھی۔

"ہیں۔" وہ چونک کر بولی۔ "کہیں نہیں مجھے یہیں آنا تھا۔"

"یہاں تمہارا کون ہے؟" اس بار اماں نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"کوئی نہیں۔"

"پھر ادھر کیوں آئی؟"

"بس میں نے سوچا شوہر تو رہا نہیں، اب اپنے بچے کے ساتھ کسی ایسی جگہ جارہی ہوں گی جہاں ای ہمیں تنگ کرنے نہ آئے۔ ویسے میں آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔ مجھے افسوس ہے میری وجہ ے آپ کو پریشانی ہو۔ میں اپنی رہائش اور نوکری بھی ڈھونڈ لوں گی۔" وہ جلدی جلدی بولنے لگی ی جیسے ابھی اٹھ کر چل دے گی۔

"نہ بیٹی! ابھی تیری حالت نوکری کرنے کی نہیں ہے اور بچہ ہو جائے تب بھی تو اسے بھالے گی یا نوکری کرے گی۔" اماں نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔" وہ چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ کا بیٹا کہہ گیا ہے کہ دوپہر ں جب وہ آئے تو میں یہاں نظر نہ آؤں۔"

"اس کا دماغ خراب ہے۔ تو نہیں جائے گی تو کیا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دے گا تجھے۔ نکال ر تو دیکھے میں بھی تیرے ساتھ نکل چلوں گی، چل بیٹھ آرام سے۔" اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ارہ بٹھا دیا تو وہ عاجزی سے بولی۔

"نہیں اماں! آپ میری وجہ سے اپنے بیٹے کو ناراض نہیں کریں۔"

"نہیں ناراض ہوتا۔ وہ بس ایسے ہی بک بک کرتا ہے۔"

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہے۔" الیشبہ نے پھر ماں کی تائید کی تو وہ باری باری دونوں کو دیکھنے ی۔

"ابھی تو نے کیا کہا تھا، اللہ جس کے دل میں چاہے گا تیرے لیے رحم ڈال دے گا تو سمجھ ے اللہ نے تیرا یہیں انتظام کر رکھا تھا۔" اماں نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ ممنونیت سے ان ، ہاتھ تھام کر بولی۔

"میں زیادہ دن آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔"

"چلو، کچھ دن تو رہو گی۔" الیشبہ اس کے رکنے پر خوش ہو گئی۔

"تمہارا بھائی رہنے دے گا تب ناں۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"اسے اماں سمجھا دے گی۔ وہ اماں سے لڑتا ضرور ہے، پر مانتا بھی اسی کی ہے۔" الیشبہ نے ہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی، جبکہ اس کا بولنے کا انداز عجیب سا لگ رہا تھا۔ ماں اور بڑے بھائی کو ی ..... اس ...... اس کر رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں بھائی اماں کی ہر بات مانتا ہے۔ پوچھ لو اماں سے۔" الیشبہ اس کے لہجے سے جانے کیا سمجھی تھی۔

"نہیں، میں نے تمہارا یقین کر لیا ہے۔" اس نے کہا تو الیشبہ ہنس کر بولی۔

"تم بہت اچھی ہو تمہارا نام کیا ہے۔"

"تم کیا مجھے میرے نام سے پکارو گی۔" اس نے نرمی سے ٹوکا الیشبہ ٹپٹا گئی۔

"پھر؟"

"باجی کہہ دینا۔"

"ہائے سچ، مجھے بڑا شوق ہے میری کوئی بہن ہوتی۔ تمہاری بہن ہے؟" الیشبہ نے اپنے شوق میں پوچھا۔

"ہاں۔" وہ بے اختیار اس کی ٹھوڑی چھو کر بولی۔ "بالکل تمہاری طرح پیاری سی معصوم سی۔"

"کیا نام ہے اس کا؟"

"سوہنی!" اس کی آنکھیں یک لخت نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"ہائے تم تو رونے لگیں۔ اماں دیکھو اسے۔" الیشبہ اس کے رونے سے روہانسی ہو کر اماں سے بولی تو وہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

"تو کیوں رلا رہی ہے اسے چل جا ہنڈی روٹی کر راحل آ کر پہلے روٹی مانگے گا۔"

"کیا پکاؤں؟" الیشبہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جو رکھا ہو پکا لے پھر شام میں کچھ اور لا دوں گی۔" اماں نے کہا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

"چل بیٹی! تو بھی لیٹ جا۔ پتہ نہیں کب سے گاڑی میں بیٹھی تھی۔ میں ذرا دائی کا پتہ کر آؤں اور دیکھ کوئی بھی پوچھے تو بتانا تو میری....." اماں یہاں آ کر اٹک گئیں کہ کیا رشتہ جوڑیں تو وہ آہستہ سے بولی۔

"بھانجی ہوں۔"

"ہاں یہی بتانا۔" اماں اٹھ کر چادر اوڑھنے لگیں۔

"کہاں جا رہی ہیں؟" اس نے بے دھیانی میں پوچھا۔

"دائی کے پاس پہلے سے بتا آؤں نا اسے کیا پتہ کب ضرورت پڑ جائے۔ چل تو آرام کر۔" اماں بولتے ہوئے۔ کمرے سے نکل گئیں تو وہ اپنے وجود پر نظر ڈال کر سوچنے لگی کہ کل وہ گھر سے ہاسپٹل جانے کے لیے نکلی تھی اس کے بعد پتہ نہیں میڈم آفندی کب وہاں پہنچی ہوں گی اور اسے نہ پا کر نہ جانے انہوں نے کیا سمجھا ہو گا۔

وہ پہلے میڈم آفندی اور پھر اپنے گھر والوں کو سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆

انسٹرکٹر کے بار بار ٹوکنے کے باوجود رابعہ ڈرائیونگ پر دھیان نہیں دے پا رہی تھی کیونکہ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا اور نظریں صرف ایک ہی چہرہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر تنگ آ کر انسٹرکٹر نے گاڑی روک دی اور اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"آخر تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟"

رابعہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر کچھ مایوسی سے بولی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"تو پھر نہ آتیں۔ خوامخواہ میرا وقت ضائع کیا۔ اب بتاؤ میں تمہیں کہاں اتاروں۔" لڑکی نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تو وہ اپنے آفس کا بتا کر پھر شیشے سے باہر دیکھنے لگی کہ شاید لوگوں کی بھیڑ میں یا کسی اسٹاپ پر فائقہ کھڑی نظر آ جائے لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی اور ایسی ہی مایوس شکل کے ساتھ وہ توصیف عالم کے آفس میں داخل ہوئی تو وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

"خیریت موڈ کیوں آف ہے؟"

"کچھ نہیں بس ذرا سر میں درد ہے۔" وہ بیٹھتے ہی انگلیوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔ حقیقتاً فائقہ کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا ذہن چٹخنے لگا تھا۔ رات ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی تھی اور ابھی اس خیال سے گھر سے نکلی تھی کہ وہ اسے ڈھونڈ نکالے گی۔

"چائے منگواؤں؟" توصیف عالم نے کہنے کے ساتھ ہی پیون کو بلا کر چائے کا کہا پھر اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

"پریشان بھی لگ رہی ہو، گھر میں کوئی بات ہوئی ہے۔"

"نہیں۔" وہ نظریں چرا گئی۔

"اچھا دیکھو، کل رات میں نے یہ دو نئے پروجیکٹ سائن کیے ہیں اور یہ تم کرو گی۔" توصیف عالم نے ایک فائل کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو وہ بے دلی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے؟"

"وہی جو تم نے کہا اور پلیز ابھی مجھ سے کام کی بات مت کرو، میں سر درد سے پریشان ہوں۔" اس نے فائل پرے دھکیل دی۔

"سوری یار! میں تمہارا دھیان بٹانا چاہ رہا تھا۔" توصیف عالم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اس کی دلجوئی کرے کہ وہ پل میں کھلکھلانے لگے۔

"اگر ایسی بات ہے تو باہر چلو، میں کھلی ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو۔"

اور پھر اس نے پھر توصیف عالم کے ساتھ سارا شہر دیکھ ڈالا۔ آخر میں آفندی ہاؤس کے سامنے گاڑی رکوائی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگا۔

"یہاں کیا کام ہے؟"

"کام نہیں، یہ میری بہن کا گھر ہے۔ میں اس سے مل کر ابھی آتی ہوں۔"

وہ کہہ کر فوراً گاڑی سے اتر آئی اور پہلے چوکیدار کو اپنا نام بتا کر اندر بھیجا پھر اس کی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے خود ہی اندر چلی آئی تو لاؤنج میں بیگم آفندی غالباً چوکیدار کو اسے ٹالنے کو کہہ رہی تھیں۔ جب ہی اسے دیکھ کر ناگواری سے بولیں۔

"کیا بات ہے؟"

"میں فائقہ کا معلوم کرنے آئی ہوں۔ کہاں چھپایا ہے آپ نے اسے؟" وہ خائف تھی نہ مرعوب ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"واٹ!" بیگم آفندی تلملا کر چیخیں۔ "کیا سمجھا ہے تم نے مجھے۔"

"مجھے کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مجھے بس فائقہ کا بتائیں۔" بہت ضبط کے باعث اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔

بیگم آفندی ایک دم آپے سے باہر ہوگئیں۔

"میں بتاؤں، سچ سنو گی؟ تمہاری بہن بھاگ گئی ہے۔ نچلے درجے کی لڑکی تھی ناں۔ یہ شان شوکت اسے راس نہیں آئی اور یہاں سے بھاگنا بھی اسے راس نہیں آئے گا۔ میں اسے پاتال ں سے بھی ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"آپ کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں میڈم! فائقہ صرف میری بہن ہی نہیں آپ کی بہو بھی ہے۔" اس نے احساس دلانا چاہا لیکن وہ نخوت سے بولیں۔

"بہو تھی اور گھر سے بھاگ کر اس نے تمہاری بہن ہونے کا ثبوت دیا ہے۔"

"مجھ پر اٹیک کرنے سے گریز کریں میڈم! ورنہ میری بدلحاظی آپ سے برداشت نہیں ہو ۔" اس نے وارننگ دی۔

"شٹ اپ! اینڈ گیٹ لاسٹ!" بیگم آفندی اب یہی کہہ سکتی تھیں۔

"مجھے تو جانا ہی ہے اور جانے سے پہلے میں آپ کو بتا دوں کہ میں فائقہ نہیں ہوں جسے ڈرا

ا گر آپ خاموش کروا دیں گی۔ میں آپ کی اپر کلاس میں آپ کا اشتہار لگوا دوں گی۔"

وہ اپنی بات ختم کرتے ہی تنفر سے سر جھٹکتی تیز قدموں سے باہر نکل آئی۔ غصے کے باعث ا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور سانسیں غیر ہموار۔

توصیف عالم نے بغور اسے دیکھا پھر خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی اور جب مین روڈ پر ب پوچھنے لگا۔

"اب کہاں جاؤ گی؟"

"گھر۔ مجھے میرے گھر ڈراپ کر دو اور پلیز ابھی کوئی سوال نہیں کرنا۔"

اس نے کہہ کر سیٹ کی بیک پر سر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر کے خود پر قابو پانے کی کوشش نے لگی۔

توصیف عالم نے کوئی سوال نہیں اٹھایا لیکن بار بار ویو مرر میں اسے دیکھ رہا تھا اس کی صراحی ردن پر ایک نس بہت واضح ہو کر تھرتھرا رہی تھی جس سے اس کے اندرونی انتشار کا اندازہ کر ی وہ خاموش تھا۔ البتہ جب اس کے علاقے میں پہنچا تب راستہ پوچھنے کے لیے اسے طب کرنا پڑا۔

"سنو! یہاں سے کس طرف جانا ہے۔"

اس نے پہلے آنکھیں کھولیں پھر ایک طرف اشارہ کر کے سیدھی ہو بیٹھی تو معذرت کے ساتھ ا۔

"آئی ایم سوری توصیف! میں نے آج تمہارا وقت ضائع کیا۔"

"میرا سارا وقت تمہارے لیے ہے۔" وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"تھینک یو! بس یہیں روک دو۔" اس نے گھر کے سامنے گاڑی رکوائی پھر اسے دیکھ کر بولی۔

ں ان شاء اللہ کل سے کام کروں گی۔"

"نہیں، ابھی تم کچھ دن آرام کرو میں تمہیں فریش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"او کے......" وہ اتر کر کھڑی ہو گئی۔ جب وہ گاڑی بڑھا لے گیا، تب اندر آئی تو امی اسے جلدی آتے دیکھ کر کچھ پوچھنا چاہتی تھیں کہ پہلے وہ بول پڑی۔

"ابو آفس گئے ہیں؟"

"نہیں تم کیوں جلدی آگئیں؟" امی نے جواب کے ساتھ پوچھا لیکن وہ ان سنی کرتے ے ابو کے کمرے میں آگئی اور انہیں لیٹے دیکھ کر ایک دم چیخ پڑی۔

"کیا ہو گیا ہے ابو! آپ ایسے منہ چھپائے کیوں پڑے ہیں۔ اٹھیں کچھ کریں۔"

"کیا کروں، میں کیا کر سکتا ہوں۔" ابو اس کے پیچھے امی کو دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئے لیکن وہ خاموش نہیں رہی۔

"کچھ نہیں کر سکتے تو آنگن میں دریاں بچھوا دیں۔"

"کک......کیا کہہ رہی ہو...... کیا ہوا ہے؟" امی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ جیسے پاگل ہو گئی۔

"فائقہ مر گئی ہے ناں، اسے مار ڈالا اس عورت نے جسے آپ بھر بھر جھولیاں دعائیں دیتی ہیں۔"

"کیا کون......؟" امی کے حلق میں الفاظ اٹک گئے۔ بے حد وحشت زدہ ہو کر ابو کو دیکھا اور ان کا سر جھکانا غضب ہو گیا گویا رابعہ کی بات کی تصدیق ہو گئی جس سے امی اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھیں، رابعہ کو جھنجھوڑتے جھنجھوڑتے اس کے بازوؤں میں جھول گئیں۔

"ابو! امی!" رابعہ چیخی تو ابو جو بالکل ہمت ہارے بیٹھے تھے۔ اٹھنے تک کی سکت نہیں تھی، انہوں نے ایک ہی جست میں بڑھ کر امی کو تھام لیا پھر بیڈ پر لٹا کر ڈاکٹر کو لینے بھاگے تھے۔

رابعہ اپنی جگہ سن کھڑی تھی۔ کتنی دیر بعد اس کا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا کہ کہاں تو وہ امی سے چھپا رہی تھی اور کہاں ایک دم سے ایسی بات کہہ دی جو خدانخواستہ جان لیوا بھی ہو سکتی تھی۔

"امی!......" اس نے امی کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیک دیئے پھر آہستہ آہستہ ان کے پیر سہلانے لگی۔ ساتھ ساتھ پکارتی بھی جا رہی تھی اور اسی حساب سے اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جب ابو ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آئے تو وہ امی کے پیروں پر سر رکھے بری طرح سسک رہی تھی۔

"رابعہ......!" ابو نے پہلے اسے پکارا پھر زبردستی اٹھایا اور کمرے سے باہر دھکیل کر قدرے غصے سے بولے۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"ابو! امی ٹھیک ہیں ناں؟" اس نے ہچکیوں کے ساتھ پوچھا تو ابو کو اس کا اس طرح رونا تڑپا گیا جب ہی ایک دم نرم پڑ گئے۔

"انشاءاللہ! ٹھیک ہو جائیں گی۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ شاباش۔"

اس نے آنکھیں رگڑ کر پہلے کمرے میں جھانک کر ڈاکٹر کو انجکشن تیار کرتے دیکھا پھر اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔

☆☆☆

وہ آنکھوں پر بازو رکھے بظاہر سو رہی تھی لیکن اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ یکسوئی سے کوئی ایک بات بھی نہیں سوچ پا رہی تھی۔ کبھی بیگم آفندی ذہن پر سوار ہو جاتیں۔ کبھی گھر والوں کا خیال آتا اور زیادہ یہ خوف کہ وہ جو اسے گھر جانے کو کہہ گیا تھا وہ جب آ کر اسے دیکھے گا جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ گو کہ اس کی اماں اور بہن نے بھی اطمینان دلایا تھا۔ پھر بھی وہ اس سے کوئی اچھی امید نہیں باندھ رہی تھی۔ اس کے برعکس یہ سوچ کر پریشان تھی کہ یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی گو کہ یہاں بھی وہ باقاعدہ پلاننگ کے تحت نہیں آئی تھی نا ہی اس کا اس اسٹیشن پر اترنے کا کوئی ارادہ تھا۔ بس اچانک طبیعت گھبرائی تھی تو اسے ایک ہی خیال آیا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ...... اور بس اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں گیا زرا اپنا بیگ گھسیٹتی ہوئی ٹرین سے اتری تھی کہ اسے بہت زور کا چکر آیا تھا کیونکہ کل گھر سے نکلنے کے بعد اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا اور تمام رات روتی رہی تھی۔ شاید اسی لیے نڈھال ہو کر گری تھی اور گرتے ہوئے ہی اس نے اس عورت کی آواز سنی تھی جس نے اپنے بیٹے کو پکار کر کہا تھا۔

"راحل! اسے دیکھو۔" اس کے بعد اسے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیسے اسے گھر تک لایا تھا اور اب گھر سے نکالنے والا بھی تھا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبے جا رہا تھا کہ اس چھوٹے سے شہر میں پتہ نہیں زرا اس کی رہائش کا انتظام ہو سکے گا یا نہیں۔ وہ اب اسی نہج پر سوچنے لگی تھی کہ اماں کی آواز پر اس کا ذہن منتشر ہو گیا۔ وہ دروازے ہی سے جانے کیا بولتی ہوئی آ رہی تھیں۔ پھر غالباً اسے سوتا سمجھ کر خاموش ہو گئیں وہ ان کی موجودگی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے باوجود اس نے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹایا کہ اس جنگلی کے آنے تک آرام کرے اس کے بعد جانے نصیب میں آرام تھا بھی یا نہیں۔

"اے اللہ میری مدد فرما۔ میں تیرے بھروسے پر نکلی ہوں مجھے کہیں بھی رسوا نہ کرنا۔ میں نہیں جانتی میرے نصیب میں تو نے کیا لکھا ہے؟ اگر آزمائشیں ہیں تو آسانیاں بھی رکھ۔ تو جانتا ہے میں بہت کمزور ہوں۔"

دل ہی دل میں بہت عاجزی سے گڑگڑاتے ہوئے اس پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی اور سو ہی جاتی اگر جو وہ دروازے پر آ کر نہ چلاتا۔

"اماں! یہ ابھی تک یہیں ہے۔"

اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ لیکن اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے اس نے اپنے تنمیں کوئی حرکت نہیں ہونے دی اور یوں بنی رہی جیسے گہری نیند میں ہو۔

"ابھی یہیں رہے گی یہ۔" اماں نے اس کے چلانے کا نوٹس لیے بغیر بڑے آرام سے کہا

"کیوں؟" وہ جارحانہ انداز میں دھاڑا۔

"بس۔ میں نے کہہ دیا ہے اور میں آپ ہی اس کا کوئی انتظام کروں گی؟" اماں کا انداز ویسا ہی تھا۔ جس پر وہ سلگ گیا۔

"آپ نے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور آپ کہاں انتظام کرو گی۔ یہاں کوئی اکیلی عورت کو جگہ دے گا۔ اتنا بڑا شہر نہیں ہے یہ جہاں سارے گناہ ثواب چھپ جاتے ہیں۔ ابھی سارے میں ہو جائے گی۔ ایک ایک پوچھنے چلا آئے گا۔ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کس کس کو جواب دو گی؟"

"سب کو...... سب کو جواب دوں گی۔"

اماں یقیناً اس کے اس لہجے کی عادی تھیں جب ہی ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا جبکہ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اچانک اسے بازو سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا دروازے سے باہر نکال دے گا۔

"بہت غلط کر رہی ہو آپ بہت پچھتاؤ گی۔" وہ جیسے زچ ہو کر بولا تھا۔

"تیرا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ چل ادھر، اس کی نیند نہ خراب کر۔"

اماں اسے ساتھ لے کر چلی گئیں تو اس نے ڈرتے ڈرتے پلکوں کی جھریوں میں سے دیکھا پھر کروٹ بدلتے ہوئے اسے الیشبہ کی بات یاد آئی۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کہ بھائی اماں سے لڑتا ضرور ہے پر مانتا بھی اسی کی ہے۔

'جب مانتا ہے تو پھر لڑتا کیوں ہے۔ عادت سے مجبور ہے شاید اب پتہ نہیں ادھر کیا بک رہا ہوگا۔ اف کتنا بدتمیز ہے اور بیہودہ بھی۔ میں اگر اتنی مجبور نہ ہوتی تو اسے بتاتی گناہ ثواب کا مطلب۔'

وہ اپنی اصل سوچوں سے ہٹ کر بلا ارادہ اس پر کڑھتی ہوئی سو گئی تھی۔

❁❁❁

بیگم آفندی نے فائقہ کا سارا کمرہ حتیٰ کہ ڈریسنگ روم بھی چھان مارا تھا لیکن انہیں فائقہ کی طرف سے کوئی ایسی تحریر نہیں ملی جس میں اس نے اپنے جانے کی طلاع دی ہو۔ جیسے زینب جاتے جاتے جیلان آفندی کے نام خط چھوڑ گئی تھی اور اسی خیال سے ہی انہوں نے سارا دن تلاش میں گزارا تھا لیکن جب کچھ ہاتھ نہیں آیا تو پھر وہ غصے سے پاگل ہونے لگی تھیں۔ رابعہ سے تو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ تمہاری بہن بھاگ گئی لیکن اس بات سے زیادہ متاثر وہ خود ہو رہی تھیں۔ یہ ان کے لیے شدید شاک تھا۔ کیونکہ عین اس وقت جب سارا کھیل ختم ہونے والا تھا وہ انہیں مات دے گئی تھی جسے وہ کسی صورت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھیں۔

سارا دن پاگلوں کی طرح فائقہ کا کمرہ چھاننے کے بعد اب وہ لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں، لیکن ابھی بھی ان کا ذہن کمرے میں بھٹک رہا تھا کہ کہیں کوئی کونہ ان کی نظروں سے پوشیدہ تو نہیں رہ گیا۔

کتنی دیر بعد خود احساس ہوا کہ وہ وقت ضائع کر رہی ہیں۔ فائقہ اگر اپنے جانے کی کوئی تحریر چھوڑ بھی گئی ہوگی تو اس سے انہیں کون سا اسے ڈھونڈنے میں مدد مل جائے گی۔ اس لیے اس طرف سے دھیان ہٹا کر وہ خود سوچنے لگیں۔

"کہاں جا سکتی ہے۔ ہاسپٹل سے ڈرائیور کو چکر دے کر نکل جانے کا مطلب ہے کہ اس نے پہلے سے پلاننگ کر رکھی تھی۔ ورنہ سیدھی اپنے ماں باپ کے گھر جاتی، اتنی دیدہ دلیر تھی تو نہیں۔ ذرا سا ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے پر ہی سہم جاتی تھی۔ پھر اتنی جرات کیسے کر لی اس نے۔"

"نہیں، وہ اکیلی اور وہ بھی ایسی حالت میں کہیں دور جانے کی ہمت نہیں کر سکتی ضرور اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔"

وہ جیسے جیسے سوچتی جا رہی تھیں ان کا یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر اپنے اگلے اقدام کو ہر پہلو سے سوچنے کے بعد انہوں نے ریسیور اٹھا لیا اور قریبی پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

دوسری طرف خاصی تاخیر سے ریسیور اٹھنے کے ساتھ قدرے بھاری آواز ابھری تھی۔

"لیس...... ایس پی جنید خان۔"

"میں جیلان ماربل انڈسٹریز کی اونر بیگم جیلان آفندی بات کر رہی ہوں۔"

انہوں نے قصداً اپنی حیثیت جتا کر کہا۔ دراصل انہیں مقابل کو مرعوب کرنا تھا وہ مرعوب ہوا نہیں البتہ اس کا لہجہ ضرور بدل گیا تھا۔

"جی فرمایئے۔"

"سوری! میں فون پر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ میرے گھر تشریف لے آئیں۔" انہوں نے کہا تو وہ پیشہ ورانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"کوئی واردات ہوئی ہے؟"

"یہ ہی سمجھ لیں۔ کتنی دیر میں پہنچ رہے ہیں آپ؟" انہوں نے گول مول جواب دے کر پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

"بس ابھی، آپ ایڈریس لکھوائیں۔"

بیگم آفندی ایڈریس لکھوا کر بولیں۔ "آپ اکیلے ہی آیئے گا، کسی اور کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی بہتر......" ادھر سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

بیگم آفندی نے فوراً ملازمہ اور ڈرائیور کو بلا کر انہیں سمجھا دیا کہ اگر ایس پی ان سے پوچھ گچھ کرے تو انہیں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور وہ اسی بات پر قائم رہیں کہ فائقہ یہاں سے اپنے گھر گئی تھی۔ اس کے بعد ایس پی جنید خان کی آمد تک انہوں نے خود کو اس کے ہر سوال کے لیے تیار کرلیا۔

"جی بیگم صاحبہ!" جنید خان آتے ہی سوالیہ نشان بن گیا تو انہوں نے پہلے ایک نظر میں اس کا جائزہ لیا۔ چہرے پر کرختگی اس کی عمر سے زیادہ تھی لیکن وہ خائف ہونے والی نہیں تھیں۔ بڑے اطمینان سے بولیں۔

"دیکھیں خاں صاحب! یہ میرا گھریلو مسئلہ ہے۔ اسے زبان زد عام نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ معاشرے میں میرا ایک مقام ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔ میں کوئی عام شخصیت نہیں ہوں۔"

"جی......" جنید خان اگر نہیں جانتا تھا تب بھی ان کے انداز اور لہجے سے جان کر بولا۔ "آپ بے فکر ہو کر بتائیں بیگم صاحبہ کیا مسئلہ ہے؟"

بیگم آفندی قصداً کچھ دیر خاموش رہیں پھر پہلے رشید کو بلا کر چائے کا کہا اس کے بعد جنید خان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"بات یہ ہے خاں صاب! کہ میری بہو اچانک غائب ہوگئی ہے۔ میرا مطلب ہے یا تو اسے کسی نے اغوا کرلیا ہے یا وہ کسی کے بہکاوے میں آکر خود ہی اس کے ساتھ......"

وہ ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگیں۔ جیسے دوسری بات ان کے لیے قابل قبول نہ ہو۔

"آپ کا بیٹا کہاں ہے؟" جنید خان نے پوچھا تو وہ دکھ سے بولیں۔

"میرا ایک ہی بیٹا تھا۔ ابھی کچھ ماہ پہلے اس کا انتقال ہوگیا، لیکن اس کی بیوی میرے ہی پاس تھی اور ابھی چار روز پہلے اپنے والدین سے ملنے ان کے گھر گئی تھی۔"

"پھر...... میرا مطلب ہے وہیں سے غائب ہوئیں؟"

"پتہ نہیں، میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ اس کے والد کا کہنا ہے کہ وہ ان کے گھر پہنچی ہی نہیں، بلکہ ڈرائیور اسے وہیں چھوڑ آیا تھا۔" بیگم آفندی ہر بات کے حساب سے اپنا تاثر بدل رہی تھیں۔

"ڈرائیور! کیا پہلے بھی کبھی وہ ڈرائیور کے ساتھ گئی تھیں؟" جنید خان نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

"ہاں! وہ ہر جگہ ڈرائیور ہی کے ساتھ آتی جاتی تھی۔ البتہ پہلے مجھے بتا ضرور دیتی تھی کہ وہ میکے جارہی ہے یا شاپنگ وغیرہ کیلئے لیکن اس روز اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔ جب میں آفس سے لوٹی تو ملازمہ نے بتایا کہ وہ اپنے میکے چلی گئی ہے۔"

"پھر آپ کو کب پتہ چلا کہ وہ میکے میں نہیں ہیں۔" وہ سانس لینے کو رکی تھیں کہ جنید خان نے سوال کردیا۔

"اسی وقت......" بیگم آفندی کہہ کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئیں۔ پھر دھیرے دھیرے بتانے لگیں۔

"اسی وقت میں نے اس کی طبیعت معلوم کرنے کے لیے اس کے میکے فون کیا تھا۔ اصل میں وہ ماں بننے والی ہے۔ اس لیے میرا سارا دھیان اسی کی طرف رہتا ہے۔ تو اس کی بہن نے بتایا کہ وہ وہاں نہیں گئی۔ تب میں نے ڈرائیور سے پوچھا اور اس کا کہنا ہے کہ اس نے ہمیشہ کی طرح اسے اس کے باپ کے گھر اتارا تھا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ باپ کے دروازے پر اتر کر پھر کہاں چلی گئی۔"

جنید خان فوراً کچھ کہنے کے بجائے گردن گھما کر سارے گھر کا جائزہ لینے لگا۔ تب ہی رشید چائے لے کر آگیا۔ تو بیگم آفندی اسے جانے کا اشارہ کر کے جنید خان کو مخاطب کر کے بولیں۔

"خان صاحب! چائے لیجئے۔"

"جی......" جنید خان سیدھا ہو بیٹھا پھر چائے کا کپ اٹھا کر پوچھنے لگا۔

"وہ اپنے ساتھ بھی کچھ لے گئی ہیں۔"

"بس دو سوٹ وہ ہمیشہ میکے جاتے ہوئے دو سوٹ بیگ میں رکھ لیتی تھی۔ اسی طرح گئی ہے۔"

انہوں نے مبالغہ آرائی سے کام لے کر جنید خان کو سوچ میں ڈال دیا پھر کتنی دیر بعد وہ گویا ہوا۔

"اس کا مطلب ہے وہ میکے جانے کے لیے ہی نکلی تھیں۔ اور ڈرائیور نے انہیں وہیں اتارا تھا۔"

"ہاں۔"

"اور ان کے میکے والوں کا کہنا ہے کہ وہ وہاں نہیں پہنچیں۔"

بیگم آفندی خاموش رہیں تو وہ انہیں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"آپ کے ان لوگوں کے ساتھ تعلقات کیسے ہیں؟"

"بہت اچھے۔ اس کے والد بہت شریف آدمی ہیں۔ ماں سیدھی سادی گھریلو عورت ہے۔ اور وہ لوگ بھی اس کے لیے پریشان ہیں۔ ظاہر ہے، ان کی بیٹی ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ پھر سوچ کر پوچھنے لگا۔

"وہ اپنی مرضی سے یہاں رہ رہی تھیں آئی مین شوہر کے بعد۔"

"ہاں! میں نے بتایا نا کہ میرے بیٹے کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور اتنی جلدی وہ اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے۔ پھر یہاں اسے ہر طرح کا آرام تھا۔ جب کہ اس کا میکہ اتنا خوشحال نہیں ہے۔ اس لیے وہ اپنی خوشی سے میرے پاس تھی اور ہر وقت یہی کہتی تھی کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔"

انہوں نے بتایا تو وہ قیاس کرتے ہوئے بولا۔

"پھر تو یہی کہا جائے گا کہ وہ خود سے نہیں گئیں۔ خیر یہ بتائیں۔ آپ کی کسی کے ساتھ دشمنی یا رنجش وغیرہ......"

"نہیں، میں بہت مصروف عورت ہوں، اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔"

انہوں نے کہا تو وہ قدرے رک کر پوچھنے لگا۔

"اگر یہ اغوا کا کیس ہو تو آپ کو کس پر شبہ ہو گا؟"

وہ سوچتے ہوئے انداز میں نفی میں سر ہلانے لگیں۔

"چلیں! آپ رپورٹ لکھوائیں باقی میں......"

"نہیں۔" وہ فوراً بول پڑیں۔ "مجھے اگر رپورٹ درج کرانی ہوتی تو میں آپ کو یہاں آنے کی زحمت نہ دیتی۔ یہ میرا گھریلو معاملہ ہے اور مجھے اس کا اشتہار نہیں لگوانا۔ آپ راز داری سے اپنے طور پر کچھ کر سکیں تو ٹھیک، ورنہ اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔"

"لیکن بیگم صاحبہ! آپ کو کچھ تعاون تو کرنا پڑے گا۔" جنید خان نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

"میں آپ کو منہ مانگا انعام دوں گی۔"

"میں انعام کی بات نہیں کر رہا۔" وہ جز بز ہو کر بولا۔

"پھر......؟"

"پھر یہ کہ آپ مجھے کچھ تفصیل سے بتائیں۔ خاص طور سے اپنی بہو کی سرگرمیاں...... وہ کہاں کہاں جاتی تھیں، کن لوگوں سے ملنا تھا اور ان کا میکہ کہاں ہے؟"

"نہیں، آپ اس کے میکے والوں کو تنگ نہیں کریں گے کیونکہ وہ پہلے ہی پریشان ہیں۔"

"میں انہیں مزید پریشان نہیں کروں گا۔ آپ پلیز مجھ پر اعتماد کریں، تب ہی میں کچھ کر سکوں گا۔"

جنید خان نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر یوں بولیں جیسے اس کے مجبور کرنے پر بول رہی ہوں۔

"میری بہو! زیادہ کہیں آتی جاتی نہیں تھی، سوائے اپنے میکے کے اور اس تمام عرصے میں میں نے اس کی کسی دوست کو بھی نہیں دیکھا، نہ کسی سے فون پر بات کرتے سنا، البتہ جس روز وہ گئی ہے، اس روز اس نے اپنے ایک کزن سے فون پر بات کی تھی جس کا نمبر میرے سی ایل آئی پر موجود تھا۔"

وہ بہت طریقے سے اس کے میکے والوں سے ہمدردی جتا کر اس بات پر زور دے رہی تھیں کہ وہ میکے کے علاوہ اور کہیں نہیں گئی۔

"آپ نے ان سے پوچھا، آئی مین...... ان کے کزن سے؟"

"ہاں اور اس نے اعتراف کیا ہے کہ اس روز فائقہ نے اسے فون کیا تھا اور اپنے جانے کا بھی بتایا لیکن کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ اب پتہ نہیں وہ سچ کہہ رہا ہے کہ نہیں۔"

وہ بہت خوبصورتی سے اس شخص کی طرف آئی تھیں جس پر انہیں صرف شبہ نہیں بلکہ یقین تھا کہ فائقہ کو بہکانے والا وہی ہے۔

"کیا نام ہے اس کا؟" جنید خان نے پوچھا تو چھپاتے چھپاتے بھی ان کے لہجے میں تنفر سمٹ آیا تھا۔

"عظام......"

"کیا کرتا ہے۔"

"میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔"

"ٹھیک ہے، میں جان لوں گا اور ہاں اپنے ڈرائیور کو کل تھانے بھیج دیجئے گا۔" کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو وہ اندر ہی اندر شپٹا کر بولیں۔

"میرا ڈرائیور برسوں سے میرے پاس ملازم ہے، وہ غلط بیانی نہیں کر سکتا۔"

"پھر بھی بیگم صاحبہ! آپ اسے بھیج دیجئے گا اور آپ بالکل بے فکر رہیں میں بہت راز داری سے کام کروں گا۔"

جنید خان انہیں تسلی دے کر چلا گیا تو انہوں نے ڈرائیور کو مضبوط کرنے کے لیے پھر اسے بلا لیا تھا۔

☆☆☆

اس کے وجود میں درد کی ایسی لہر اٹھی تھی کہ وہ نیند سے تڑپ کر اٹھ بیٹھی لیکن فوراً سمجھ نہیں پائی کہ اچانک کیا ہوا ہے۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا جب ہی اس نے گھبرا کر اماں کو پکار لیا۔

"اماں۔"

"ہاں۔" اماں نیند میں بولی تھیں۔

"اماں؟" اس بار اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کا بازو ہلایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"ہاں کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں اماں! میرا سانس سینے میں رک رہا ہے۔"

اس نے کہا تو اماں نے فوراً اٹھ کر لائٹ جلائی پھر اس کا چہرہ دیکھتے ہی سمجھ کر جلدی جلدی بولنے لگیں۔

"پریشان نہ ہو لیٹ جا آرام سے میں تیرے لیے دودھ لاتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل کر پکارنے لگیں تو اس نے فوراً لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں کہ کہیں وہ اس پر نہ چلاتا ہوا آ جائے اور وہ کمرے میں تو نہیں آیا لیکن برآمدے میں چلانے لگا تھا۔ زیادہ غصہ اسے اپنی نیند خراب ہونے کا تھا، وہ کچھ دیر اماں کے ساتھ اس کی تکرار سنتی رہی پھر اسے اپنا ہوش نہیں رہا۔ تڑپ تڑپ کر کبھی ای کو پکارتی، کبھی اس کی نظروں میں شہریار کا چہرہ آن سماتا جس کی محبت اسے اس موڑ پر لے آئی تھی جہاں کوئی اس کا اپنا نہیں تھا اور غیروں نے انسانیت کے ناطے اگر اپنائیت دی تھی، تب بھی اس وقت وہ خود کو بہت تنہا اور اجنبی محسوس کر رہی تھی۔

جب اماں دائی کے ساتھ اندر آئیں تو وہ اپنی زندگی سے ہی مایوس نظر آ رہی تھی۔ پسینے میں شرابور نڈھال...... انتہائی بے بسی سے اماں کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"اماں! اگر میں مر جاؤں تو۔"

"اے اللہ نہ کرے۔ اچھی بات منہ سے نکال۔" اماں نے فوراً ٹوک دیا۔

"اماں! سنیں تو۔" وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے اس کے گھر پہنچا دیا جائے لیکن اماں کچھ سننے کو تیار

نہیں ہوئیں پھر ڈانٹ کر خاموش کرا دیا تو وہ بے بسی سے تکیے پر سر پٹخنے لگی۔

پھر ادھر موذن نے فجر کی اذان شروع کی تھی، ادھر اس کی بے قراریوں کو قرار آ گیا۔ ایک پل کو جیسے کائنات تھم گئی تھی اور بس دو آوازیں تھیں۔ ادھر اللہ اکبر، ادھر اس کی گواہی دیتی معصوم آواز، رونے میں بھی ایک لے تھی، اللہ......

اس نے طویل سانس سینے کے اندر اتار کر آنکھیں بند کیں تو کناروں سے آنسو چھلک گئے۔

"ارے پگلی! روتی کیوں ہے، دیکھ تو اللہ نے چاند سا بیٹا دیا ہے۔"

اماں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کے چہرے کا پسینہ اور آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو اس کے آنسو اور شدت سے بہہ نکلے، حلق سے سسکی کی آواز بھی نکلی تھی۔

"نہ بیٹی نہ، اللہ کو ناراض نہ کر۔ کتنے لوگ ترستے ہیں اولاد کو تو تو خوش قسمت ہے۔"

'ہائے رے خوش قسمتی۔' اس نے آنکھیں کھول کر پہلے اماں کو دیکھا پھر اس کی نظریں دائی کے ہاتھوں میں بچے پر ٹھہر گئیں جو مسلسل رو کر اس کی ماتا کو للکار رہا تھا اور اسے کتنی دیر خود کو یقین دلانے میں لگی کہ یہ اس کا بچہ ہے، اس کا اپنا...... جس کے لیے وہ گھر بار اور سارے رشتوں کو چھوڑ آئی ہے۔

"اللہ بڑا بے نیاز ہے۔" اماں دھیرے دھیرے اس کا سر سہلاتے ہوئے بولنے لگیں۔ "باپ کے نصیب میں نہیں تھا اپنے بچے کو دیکھنا، اسے کھلانا۔ اب تو ہی اس کی ماں بھی ہے باپ بھی۔ اللہ تجھے اس کی خوشیاں دکھلائے۔ دل چھوٹا نہ کر بڑی نعمت دی ہے اللہ نے تجھے۔"

اس کی آنکھیں پھر نمکین پانیوں سے بھر گئیں تو اس نے پلکیں موند لیں۔

کچھ دیر بعد دائی نے بچے کو اس کے پہلو میں لٹایا، تب اچانک اس کے وجود میں جیسے نئی زندگی دوڑ گئی تھی۔ بے اختیار اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بہت قریب سے اسے دیکھنے لگی۔

وہی آنکھیں، وہی ناک اور ہونٹوں کی تراش بھی ویسی ہی تھی۔ ذرہ برابر فرق نہیں تھا۔

"شیری!" اس نے بہت نرمی سے اس کی پیشانی کو ہونٹوں سے چھوا پھر اماں کو دیکھ کر بولی۔

"بالکل اپنے باپ کی طرح ہے۔"

"اللہ اس کی عمر دراز کرے۔" اماں نے کہا تب ہی دروازے پر دستک کے ساتھ علیشہ نے پکار کر پوچھا۔

"اماں! کیا ہوا ہے، میں اندر آ جاؤں؟"

"ہاں ہاں آ جاؤ۔" اماں کی اجازت ملتے ہی وہ فوراً دروازہ دھکیل کر اندر آ گئی اور اس کے پہلو میں بچے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ہائے کتنا پیارا ہے۔"

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔" الیشبہ نے کھلکھلاتے ہوئے بچے کو اٹھا لیا اور اس کے گال چوم کر بولی۔

"بھائی کو دکھاتی ہوں، جلا ہوا بیٹھا ہے، اسے دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔"

"اس سے کہو پہلے اس کے کان میں اذان دے۔" اماں نے کہا تو الیشبہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"بھائی، اذان دے گا؟"

"کیوں، وہ مسلمان نہیں ہے کیا؟"

"نماز تو پڑھتا نہیں ہے۔" الیشبہ کہتے ہوئے چلی گئی تو وہ یونہی اماں کو دیکھنے لگی جو بڑبڑانے کے ساتھ تکیے کے غلاف میں ہاتھ ڈال کر جانے کیا نکالنے لگی تھیں اور جب انہوں نے پیسے نکال کر دائی کو دیئے تو وہ شرمندہ ہو کر خود کو ملامت بھی کرنے لگی کہ اس نے پہلے سے کیوں نہیں اماں کو پیسے دے دیئے تھے۔ ایک تو زبردستی ان کے سر پر آن پڑی ہے، اوپر سے یہ خرچے۔

اماں دائی کو بھیج کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں تو وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

"اماں! پیسے ہیں میرے پاس۔ میرا مطلب ہے دائی کو آپ نے کیوں دیئے۔"

"چل چپ کر میں تیرے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" اماں اٹھ کر چلی گئیں تو اس نے برآمدے میں اترتے اجالے کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

"تو صبح ہو گئی، پتہ نہیں میرے آنے کے بعد بیگم آفندی کی صبح کیسے ہوئی ہو گی۔ شاید وہ اب تک شاک میں ہوں گی۔ انہیں یقین ہی نہیں آتا ہو گا کہ میں انہیں چھوڑ کر جا سکتی ہوں اور یقین تو مجھے بھی نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں، آنکھ کھلے گی تو میں وہیں اپنے گھر میں ہوں گی اور بیگم آفندی بچے کے ساتھ مجھ سے دور لندن جا چکی ہوں گی۔"

"نہیں۔" اسے جھرجھری آ گئی۔

"بچہ میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ گھبرا کر اماں کو پکارنے لگی تھی کہ دروازے کے پاس الیشبہ کی آواز سن کر وہ ادھر متوجہ ہو گئی۔

"اس کا نام میں رکھوں گی۔"

"کیوں تو کیا اس کی پھوپھی لگتی ہے؟" وہ اکھڑ جانے ہر بات پر کیوں بگڑتا تھا۔

"چل جا اس کا بچہ اس کو دے۔"

"آہستہ بول بھائی! باجی بھی کیا سوچتی ہو گی، پتہ نہیں کہاں آ گئی۔"

"اب کیا سوچے گی جب گھر سے نکلتے وقت نہیں سوچا۔"

"اچھا بس۔" الیشبہ اندر آ گئی تو وہ بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگی۔

"اب تم ایسے مت دیکھو، پتہ تو ہے بھائی ایسے ہی بولتا ہے۔" الیشبہ بھائی سے روٹھی ہوئی اس سے بھی روٹھ کر بولنے لگی تو اس نے اپنی بے دھیانی سے چونک کر پوچھا۔

"ک ک...... کیا ہوا ہے؟"

الیشبہ نے جواب نہیں دیا اور بچے کو اس کے قریب لٹایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"سنو، میں تمہارے بھائی کی باتوں کا برا نہیں مانتی لیکن اگر تم روٹھو گی تو مجھے بہت دکھ ہو گا اور میں فوراً یہاں سے جانے کا سوچنے لگوں گی۔"

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔" الیشبہ کا لہجہ ہنوز روٹھا ہوا تھا۔

"ہنس کر کہو گی تو مانوں گی۔" وہ اس کی ٹھوڑی ہلا کر بولی تو الیشبہ ہنس پڑی۔

"شاباش! یونہی ہنستی رہا کرو۔"

"تمہاری بہن بھی ہنستی رہتی ہے۔" الیشبہ نے سوہنی کا پوچھا تو وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی۔

"تمہاری طرح کبھی ہنستی ہے، کبھی روٹھ جاتی ہے۔"

"باجی! تمہارا بچہ بہت پیارا ہے۔ کیا نام رکھو گی اس کا؟" الیشبہ بچے کو دیکھ کر شوق سے پوچھنے لگی۔

"تم بتاؤ۔" اس نے کہا تو وہ پھر روٹھے لہجے میں بولی۔

"نہیں بھائی کہہ رہا تھا۔"

"بھائی کو چھوڑو وہ تو ایسے ہی الٹا سیدھا بولتا ہے۔" وہ اس کی بات دہرا کر بولی۔ "اس کا نام تم ہی رکھو گی۔"

"پتہ نہیں تمہیں اچھا لگے گا کہ نہیں۔" الیشبہ اب کنفیوز ہو گئی تھی۔

"مجھے بہت اچھا لگے گا۔" اس نے فوراً کہا تو الیشبہ کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

"تم نے کیا سوچا تھا؟"

"کچھ نہیں۔ ہاں اگر اس کا باپ ہوتا تو ہم دونوں مل کر سوچتے۔ اس کے بعد تو میں کچھ اچھا سوچ ہی نہیں سکی۔" وہ آزردہ ہو گئی تو الیشبہ نے بے چین ہو کر اس کا بازو ہلا ڈالا۔

"باجی! تم رونا نہیں۔"

"نہیں...... میں رو نہیں رہی۔ چلو تم اس کا نام بتاؤ۔" وہ فوراً سنبھل گئی۔ تب ہی اماں اس کے لیے سوجی کا حلوہ اور گرم دودھ لے آئیں۔

"اٹھ بیٹی! یہ گرم گرم حلوہ کھا کر دودھ پی لے پھر آرام سے سو جانا۔"

"اماں! آپ کیوں اتنی تکلیف کر رہی ہیں۔" وہ شرمندہ ہونے لگی، لیکن اماں نے کوئی توجہ نہیں دی اور اسے تکیے کے سہارے بٹھا کر ٹرے اس کے آگے رکھ دی پھر الیشبہ سے بولیں۔ "چل تو بھی ناشتہ کر لے۔"

"اچھا باجی! میں سوچ کر اس کا نام بتاؤں گی۔"

الیشبہ کہتے ہوئے اماں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تو اس نے ایک نظر ٹرے پر ڈالی پھر بچے کو دیکھنے لگی جو آنکھیں گھما گھما کر سارے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اے۔" وہ بچے کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر بے ساختہ مسکرائی پھر اس سے بولنے لگی۔

"کیا دیکھ رہے ہو، یہ مظفر گڑھ ہے مظفر گڑھ۔ تمہاری دادی تمہیں لندن لے جانے کے خواب دیکھ رہی تھیں اور اب وہ خواب میں بھی تم تک نہیں پہنچ سکتیں کیونکہ تم میرے ہو...... صرف میرے۔"

☆☆☆

"ابو! میں نے سوچا ہے کہ اخبار میں فائقہ کی گمشدگی کا اشتہار دے دوں۔"

رابعہ نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا تو ابو سختی سے بولے۔

"نہیں، میری عزت کا جنازہ نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں، لوگ ہمیشہ بے خبر رہیں گے، آج نہیں تو کل سب کو خبر ہو جائے گی کہ فائقہ یہاں ہے نہ اپنے سسرال۔"

رابعہ نے چیخ کر کہا تو ابو ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"کہیں بھی ہو، میرا بلکہ ہم سب کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مر گئی وہ ہمارے لیے۔"

"کیوں مر گئی کوئی غلط کام نہیں کیا اس نے۔"

"اور کیا ہوتا ہے غلط کام؟ ساس سے اگر اسے کوئی شکایت تھی تو وہ یہاں آتی جیسے تم...... کیا میں نے تم پر گھر کے دروازے بند کر دیئے تھے جو اس پر بند کرتا۔" ابو فائقہ سے حد درجہ شاکی اور ناراض لگ رہے تھے۔

"وہ یہاں ضرور آتی ابو! اگر اسے آنے دیا جاتا اس کی ساس نے......"

"بس۔" ابو فوراً ٹوک کر کہنے لگے۔ "اس کی ساس کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ میرے دروازے پر وہ صرف ڈرائیور کو دھوکا دینے کے لیے اتری تھی۔ اس کے بعد میں نہیں جانتا اس نے پہلے سے کیا سوچ رکھا تھا۔ بہر حال اس کا مقصد جو بھی ہو، میں اب اس گھر میں اس کا نام نہیں سننا

چاہتا۔"

"اور میں جب تک اسے زندہ نہیں دیکھ لوں گی چین سے نہیں بیٹھوں گی۔"

رابعہ نے سوچا پھر امی کو دیکھا تو وہ ابو کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں، اس نے جب ہمیں کسی لائق نہیں جانا تو پھر اب وہ جو مرضی کرتی پھرے۔"

"آپ لوگ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں۔ اس کے حالات جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ آخر کس بات نے اسے ایسا قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔" رابعہ نے زچ ہو کر کہا۔

"میں پھر وہی کہوں گا کہ جو بھی بات تھی، اسے یہاں آ کر بتانی چاہیے تھی۔ مجھ سے نہ کہتی، اپنی امی سے یا تم سے کہہ سکتی تھی۔"

"ہو سکتا ہے اسے موقع نہ ملا ہو۔"

"بس کرو رابعہ! اسی روز تو میری اس سے فون پر بات ہوئی تھی۔ بتانا چاہتی تو بتا سکتی تھی۔ آخر عظام کو بھی تو اس نے فون کر کے کہا تھا کہ وہ جا رہی ہے، وہ تو عظام ہی نہ سمجھا۔"

امی بھی کچھ سننے، ماننے کو تیار نہیں تھیں، تب وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اٹھ کھڑی ہوئی

"مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔"

"تم بھی کچھ اچھا نہیں کر رہیں۔" امی نے ناگواری سے کہا تو وہ رک کر پوچھنے لگی۔

"کیا اچھا نہیں کر رہی۔"

"رات، ٹی وی پر اشتہار چل رہا تھا تمہارا۔" امی نے کہا تو وہ تنک کر بولی۔

"تو اس میں کیا برائی ہے۔"

"نا، کوئی برائی نہیں۔ کرو جو جی چاہے۔" امی جل کر بولیں تو اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا لیکن پھر ابو کے سر جھکانے پر ہونٹ بھینچ کر باہر نکلی تھی کہ ڈاکٹر عفان کو آتا دیکھ کر مزید تلملا گئی۔

"آپ یہاں آنا نہیں چھوڑیں گے۔"

"نہیں، اندر چلو، باہر تماشہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ڈاکٹر عفان اسے واپس دھکیلتے ہوئے ابو کے سامنے لے آئے تو وہ ان سے پہلے بول پڑی۔

"ابو! میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی، جب میں ان کا گھر چھوڑ آئی ہوں تو پھر یہ یہاں کیوں آتے ہیں۔"

ابو نے ایک نظر دونوں کو دیکھا پھر ناگواری سے بولے۔

"بیٹھ جاؤ دونوں اور جو فیصلہ کرنا ہے، ابھی کرلو۔"
ڈاکٹر عفان نے قدرے بوکھلا کر امی کو دیکھا تو وہ بھی جیسے عاجز تھیں یا آج کی تاریخ میں ابو کی ہر بات کی تائید کرنے کی قسم کھا کر اٹھی تھیں۔
"ہاں فیصلہ کرلو تا کہ روز روز کے جھگڑوں سے جان چھوٹے ہماری اور تمہاری بھی۔"
"میں کوئی فیصلہ کرنے کروانے نہیں آیا، اسے لینے آیا ہوں۔" ڈاکٹر عفان نے فوراً سنبھل کر کہا تو وہ نخوت سے بولی۔
"مجھے نہیں جانا، ابھی نہ کبھی یہ میرا فیصلہ ہے اور اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"
ڈاکٹر عفان نے پھر امی اور ابو کو دیکھا کہ وہ اسے ٹوکیں گے۔ لیکن ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ صرف ان دونوں کی سنیں گے، تب وہ اس سے کہنے لگے۔
"تم نے کس بنا پر یہ فیصلہ کیا ہے، کس چیز کی کمی کی ہے میں نے۔ پُر آسائش بنگلہ، گاڑی اور تمہاری ہر ضرورت کے علاوہ فضول خواہشات بھی پوری کرتا رہا ہوں اور ابھی جو تم کر رہی ہو، میں اس پر بھی پابندی نہیں لگاؤں گا۔ اگر ماڈلنگ تمہارا شوق ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"
"کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دوں گی۔" وہ استہزائیہ لہجے میں جتا کر بولی۔
"تم حد سے زیادہ بڑھ رہی ہو۔" ڈاکٹر عفان بری طرح ہرٹ ہوئے تھے۔
"آپ کیا جانیں میری حد کیا ہے، آپ تصور بھی نہیں کر سکتے ڈاکٹر عفان! آپ کے لیے بہتر یہ ہوگا کہ خاموشی سے قطع تعلق کر کے الگ ہو جائیں۔" وہ واقعی حد سے بڑھ گئی تھی۔
ڈاکٹر عفان نے ہونٹ بھینچ کر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا پھر ابو سے مخاطب ہوئے۔
"آپ کیا کہتے ہیں؟"
"میں۔" ابو رابعہ کی بدزبانی سے انتہائی صدمے میں تھے۔ "میں کیا کہوں، میری مجبوری یہ ہے کہ میں اس پر سختی نہیں کر سکتا۔"
"تو مجھے اجازت دیں۔" ڈاکٹر عفان نے کہا تو وہ چیخ کر بولی۔
"آپ...... آپ مجھ پر سختی کریں گے؟"
ڈاکٹر عفان نے اس کو جواب نہیں دیا اور ابو سے کہنے لگے۔
"آپ کی اولاد آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھا سکتی ہے لیکن میں آپ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"
ابو نے ممنون نظروں سے دیکھا تو وہ ان کا ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے

رابعہ سے بولے۔
"میں تم سے تعلق توڑنے کو تیار ہوں لیکن پہلے تمہیں امی ابو کو آمادہ کرنا ہوگا اور جس روز یہ کہیں گے میں اسی روز تمہیں طلاق لکھ دوں گا۔"
"ہونہہ!" اس نے تنفر سے سر جھٹکا اور ان کے پیچھے باہر نکلتے ہی تیز قدموں سے اپنے راستے پر چل پڑی تھی اور جیسے ہی اسٹاپ پر رکی ڈاکٹر عفان اسپیڈ سے گاڑی اس کے قریب سے لے گئے جس پر وہ مزید تلملا گئی۔
"کیا سمجھتے ہیں ایک صرف ان ہی کے پاس گاڑی ہے۔ میں اس سے اچھی گاڑی میں بیٹھتی ہوں اور اپنی بھی خرید لوں گی۔"
تمام راستہ وہ انہیں نیچا دکھانے کا سوچتی آئی تھی، جب ہی توصیف عالم کے سامنے جاتے ہی بولی۔
"سنو! میں بہت جلدی امیر بننا چاہتی ہوں۔"
"تم ابھی بھی بہت امیر ہو۔" وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر دلکشی سے مسکرایا تو وہ الجھ کر بولی۔
"مذاق نہیں کرو۔"
"کون کافر مذاق کر رہا ہے۔ ہیرے، موتی، سونا، چاندی کیا نہیں ہے تمہارے پاس تم کیش تو کراؤ نوٹوں کے انبار لگ جائیں گے۔"
وہ اس کی طرف جھک کر بولا تو وہ سمجھ کر بھی انجان بن گئی۔
"پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو تم۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ شوٹنگ کے لیے کہاں جانا ہے۔"
"نیلم پوائنٹ۔"
"چلو پھر۔"
"چلو۔" توصیف عالم اٹھ کھڑا ہوا پھر ایک دم یاد آنے پر کہنے لگا۔ "او ہاں تمہارے لیے ایک پروڈیوسر کا فون آیا تھا۔ تمہیں اپنی سیریل میں کاسٹ کرنا چاہتا ہے اور ایک پاپ سنگر نے بھی ذاتی طور پر مجھ سے کہا ہے کہ......"
"پیسے کتنے ملیں گے؟" اس نے فوراً پوچھا تو توصیف عالم مسکرا کر بولا۔
"لکھ پتی بن جاؤ گی۔"
"اوں۔" اس نے برا سا منہ بنایا تو وہ اپنی حیرت چھپا کر مسکرایا۔
"پھر؟"

"کروڑوں کی بات کرو۔" وہ اٹھلا کر بولی پھر خود ہی ہنس پڑی۔

"کیا کرو گی اتنے پیسوں کا؟" توصیف عالم نے محظوظ ہو کر پوچھا۔

"کیا کروں گی؟" اس نے قصداً چند لمحے سوچنے میں گزارے پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔ "ایک محل بنواؤں گی اپنے لیے پھر اس میں شہزادیوں جیسی آن بان سے رہوں گی اور ایک شہزادے انتظار کروں گی۔"

"حیرت ہے۔" توصیف عالم نے برملا حیرت کا اظہار کیا تو وہ بھی فوراً پوچھنے لگی۔

"کس بات پر؟"

"تم ایسے خواب دیکھتی ہو، میں تو سمجھتا تھا تم خاصی پریکٹیکل لڑکی ہو۔"

"اتنی جلدی تم مجھے نہیں سمجھ سکتے توصیف عالم! دھیرے دھیرے سمجھو گے۔" وہ بظاہر مذاق میں اور کھلکھلا کر بولی تھی۔

"اچھا چلو، دیر ہو رہی ہے پھر تم کہو گی شام سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔" توصیف عالم نے کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ بہت خاموشی سے اماں کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کے بچے کی تیل سے مالش کرنے کے بعد اب گیلے تولیے سے صاف کر رہی تھیں پھر اپنے آپ سے بولیں۔

"پاؤڈر تو ہے نہیں۔ شام کو راحل سے کہوں گی لے آئے گا۔"

"میرے پاس ہے۔" اس نے چارپائی کے نیچے سے بچے کا بیگ گھسیٹ لیا، پھر اماں کے سامنے رکھ کر کھولتے ہوئے بولی۔ "اس میں سب اسی کے کپڑے ہیں پاؤڈر اور صابن بھی ہے۔"

"اس کے باپ نے خریدے تھے؟" اماں خوبصورت ریڈی میڈ سوٹ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"جی۔" اس نے اختصار سے کام لیا اور بیگ کے اندرونی خانے میں سے کچھ نوٹ نکال کر اماں کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ آپ رکھ لیں۔"

"ہائیں۔" اماں نے تعجب سے ہزار ہزار کے نوٹوں کو، پھر اسے دیکھا تو وہ سر جھکا کر بولی۔

"میں کیا کروں گی۔ سب کچھ تو آپ ہی کر رہی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں کر رہی، دو وقت تو اپنے نصیب کا کھاتی ہے، کوئی کسی کو نہیں کھلاتا، سب کو اللہ دیتا ہے۔ رکھ یہ اپنے پاس، آگے بچے کے کام آئیں گے۔" اماں نے روپوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تو وہ عاجزی سے بولی۔

"میں کھانے پینے کا خرچہ نہیں دے رہی اماں! بس آپ رکھ لیں۔"

"نہ بیٹی! مجھے مجبور نہ کر اگر راحل کو پتہ چلا تو وہ......" اماں بات ادھوری چھوڑ کر بچے کو کپڑے پہنانے میں لگ گئیں تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر کسی خیال کے تحت پوچھنے لگی۔

"کیا کرتا ہے آپ کا بیٹا؟"

"ڈاکٹر ہے۔" اماں بچے کو پاؤڈر لگاتے ہوئے سادگی سے بولیں اور وہ اچھل پڑی۔

"ڈاکٹر؟"

"دیکھ کیسا سوہنا ہو گیا ہے شہری بابو! پڑھ لکھ کر یہ بھی ڈاکٹر بنے گا ہاں بچہ ڈاکٹر بنے گا نا۔"

اماں کے ہاتھ ایک کھلونا آ گیا تھا، سارا وقت وہ اور الیشبہ بھی اس میں لگی رہتی تھی۔

"ڈاکٹر۔" اس کا ذہن وہیں اٹک گیا تھا۔ "ڈاکٹر ایسے ہوتے ہیں، خونخوار، جنگلی، بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ ہو گا کسی سرکاری اسپتال میں کمپاؤنڈر اور یہ بے چاری سیدھی سادی ڈاکٹر سمجھتی ہوں گی۔"

"لے دودھ پلا کر سلا دے اسے۔" اماں نے بچہ اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا تو وہ اپنے خیال سے بری طرح چونکی پھر اٹھ کر اپنی چارپائی پر جا بیٹھی۔

"اب یہ آرام سے سوئے گا۔ راحل کہہ رہا تھا اسے ٹیکہ بھی لگے گا۔ میں لے جاؤں گی اسے ان کے اسپتال، ٹیکہ لگوا لاؤں گی۔" اماں اپنی چارپائی سے چیزیں سمیٹتے ہوئے بولے جا رہی تھیں، تب ہی الیشبہ آ گئی۔

"روٹی پک گئی ہے اماں اور بھائی بھی آ گیا ہے، خود ہی اسے نکال دو۔"

"ایں راحل آ گیا۔ پتہ ہی نہیں چلا۔" اماں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔"

'جب ہی اتنی خاموشی سے آیا ہے۔' اس نے سوچا اور الیشبہ کو دیکھ کر مسکرائی تو وہ پوچھنے لگی۔

"تمہارے لیے کھانا لے آؤں؟"

"ابھی بھوک نہیں ہے۔" اس نے کہا تو الیشبہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے بھی نہیں ہے۔ جب لگے گی تب ساتھ کھا لیں گے۔" پھر بچے کا ہاتھ ہلا کر بولی۔ "یہ سو رہا ہے؟"

"ہاں ابھی اماں نے مالش کی ہے نا اور سنو، تم نے ابھی تک اس کا نام نہیں سوچا۔"

"لو اتنے بہت سارے نام لکھے تھے۔" الیشبہ نے بتایا تو وہ اس کے انداز پر مسکرا کر پوچھنے لگی۔

"پھر؟"

"بھائی نے وہ پرچہ ہی پھاڑ دیا۔ کہہ رہا تھا یہ بھی کوئی نام ہیں۔" الیشبہ نے بتایا تو وہ بہلانے

والے انداز میں بولی۔

"چلو پھر سوچ لینا۔"

"اس کے ابو کا کیا نام تھا، اب میں ان کے نام سے ملا کر سوچوں گی۔" الیشبہ نے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔

وہ فوری جواب سے بچنے کی خاطر بچے کا بستر ٹھیک کرنے میں لگ گئی پھر اسے تکیے پر لٹاتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں، اس کے ابو کے نام کے ساتھ ملا کر نہیں سوچنا۔"

"کیوں باجی؟"

"بس یونہی وہم سا ہوتا ہے۔" وہ بات بنا گئی۔

"چلو تمہارے نام کے ساتھ ملا دوں گی تمہارا نام کیا ہے؟"

"ثناء۔" وہ پہلے سے سوچ چکی تھی کہ جب اس کا نام جاننے پر اصرار ہوگا تو وہ یہی بتائے گی۔

"ثناء، کتنا پیارا نام ہے۔" الیشبہ نے سراہا تو اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا تب ہی راحل نے برآمدے سے الیشبہ کو پکار لیا۔ جب سے اس کا بیٹا ہوا تھا وہ کمرے میں نہیں آتا تھا جس پر وہ شکر کرتی تھی۔

الیشبہ اس کے پکارنے پر اٹھ کر بھاگی تھی اور کچھ ہی دیر میں واپس آئی تو اسے ایک فارم تھماتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھائی کہہ رہا ہے، جلدی سے بچے کا نام رکھ کر اسے پر کردو، وہ جمع کرا دے گا۔"

وہ برتھ سرٹیفکیٹ دیکھ کر کچھ پریشان ہوگئی کہ اس میں تو وہ ناموں میں ہیر پھیر نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہارا بھائی ڈاکٹر ہے؟" اس نے فارم تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے الیشبہ سے پوچھا۔

"ہاں۔" الیشبہ کے جواب سے بھی اسے یقین نہیں آیا۔

"وہ کسی اسپتال میں ہوتا ہے؟"

"نہیں اپنا کلینک ہے، زیادہ دور نہیں ہے۔" الیشبہ نے یوں بتایا جیسے اگر وہ جانا چاہے تو آرام سے جا سکتی ہے۔

"اچھا یہاں قریب کوئی اسکول بھی ہے؟" اس نے جاب کے خیال سے پوچھا اور الیشبہ اپنی سمجھ کے مطابق ہنس کر بچے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"ابھی تو یہ اتنا سا ہے، پانچ سال میں داخل ہوگا۔"

"ہاں ابھی تو پانچ سال ہیں۔" وہ وضاحت کا ارادہ ترک کر کے قصداً ہنسی تھی۔

☆☆☆

"ایک بات بتائیں عظام بھائی! اگر میں کہیں کھو جاؤں تو آپ مجھے ڈھونڈیں گے۔" اس نے باتوں کے دوران اچانک پوچھا تھا اور انہوں نے جواباً کہا۔

"میں تمہاری طرح کسی پری کا انتظار نہیں کروں گا، خود ہی نکل کھڑا ہوں گا۔"

اور آج بیس دن ہو گئے تھے اسے کھوئے ہوئے۔ انہوں نے شہر کی بہت ساری جگہیں محض دل کی تسلی کے لیے دیکھ ڈالی تھیں ورنہ انہیں یقین تھا کہ وہ یہاں کہیں نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے جانے سے پہلے جس طرح انہیں فون کر کے کہا تھا کہ میں جا رہی ہوں، جہاں اللہ لے جائے گا اور یہ بھی کہ میرے لیے دعا کیجئے گا میں جس راستے پر قدم رکھوں۔ اس میں میرے لیے آسانیاں ہوں تو اس کے جانے کے بعد ہی وہ سمجھے تھے کہ وہ باقاعدہ پلاننگ کے تحت گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی کیوں کا سوال اٹھتا تھا۔

اپنے طور پر وہ کتنی باتیں قیاس کر چکے تھے لیکن کسی ایک پر گرفت نہیں کر سکے کیونکہ آخر میں یہی خیال آتا تھا کہ اس کے ساتھ جو بھی مسئلہ تھا وہ اپنے ماں باپ کے گھر جا سکتی تھی اور وہاں نہ جانے کا مطلب یہی سمجھ میں آتا تھا کہ وہ کسی ایسی مشکل میں گھری تھی جو اس کے خیال میں سب کو مشکل میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے وہ خاموشی سے کہیں دور نکل گئی۔

"بیوقوف، احمق، یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کے اس اقدام سے سب کتنے پریشان ہوں گے۔ بے چاری پھوپھو، پھوپھا جان، میں تو اب انہیں تسلی دیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔ ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ میں خود کو مجرم سمجھنے لگتا ہوں۔" وہ بہت دل گرفتہ سے ہو کر سوچ رہے تھے۔

اور جب گھر کے سامنے گاڑی روکی تو ادھ کھلا دروازہ دیکھ کر ان کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔ ایسے وقت ہمیشہ وہی آیا کرتی تھی، کبھی کچھ کہنے، کبھی کچھ سننے اور اکثر ان کی محبت میں...... جب ہی تو کہتی تھی۔

"میں آپ کے پاس آتے ہوئے بہت خوش ہوتی ہوں عظام بھائی! لیکن جاتے ہوئے اس قدر آزردہ، کبھی تو اے کاش، ایسا بھی ہو کہ یہاں سے جاتے ہوئے میرے دامن میں خوشیوں کے گلاب کھلتے ہوں۔"

وہ بہت عجلت میں گاڑی بند کر کے اندر آئے تو سامنے رابعہ کو دیکھ کر انہیں اس کا گمان ہوا تھا جب ہی بے اختیار پکار لیا۔

"فائقہ!"

"رابعہ۔" رابعہ نے اٹھ کر کہا تو ان کے سینے سے گہری سانس خارج ہو گئی۔

"خیریت سے ہو۔"

"اب کہاں خیریت۔" رابعہ نے کہا تو مامی جی ان سے پوچھنے لگیں۔

"کچھ پتہ چلا؟"

وہ نفی میں سر ہلا کر اپنے کمرے میں آگئے تو رابعہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔

"سوری عظام بھائی! آپ تھکے ہوئے آئے ہیں لیکن میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"ہاں بیٹھو۔" ان کے لیے رابعہ کی آمد حیران کن تھی، بمشکل حیرت چھپا کر پوچھنے لگے۔ "کیا بات ہے؟"

"میں فائقہ کے لیے بہت پریشان ہوں۔" رابعہ نے بیٹھتے ہی کہا تو وہ بھی فکرمندی سے بولے۔

"پریشانی کی بات تو ہے۔"

"اور اس سے زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ امی! ابو! اس سے بہت بدگمان ہو گئے ہیں اور اسے ڈھونڈنا تو دور کی بات اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔" رابعہ نے بتایا تو وہ الجھ کر دیکھنے لگے۔

"کیوں؟"

"بس وہ اس بات سے شاکی ہیں کہ وہ ان کے پاس کیوں نہیں آئی۔" رابعہ اس بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتی تھی، جب ہی جواب دے کر فوراً اپنی بات پر آگئی۔

"میں اس لیے آپ کے پاس آئی ہوں کہ آپ بتائیں میں کیا کروں۔ میرا مطلب ہے ہمیں اپنی سی کوشش کر کے تو نہیں بیٹھ رہنا چاہیے۔"

"ہاں! لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" انہوں نے مایوسی سے کہا تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"کیوں نہیں، کرنا چاہیں تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروا سکتے ہیں۔ اخباروں میں اشتہار لگوا سکتے ہیں۔"

"نہیں، اس سے بدنامی بھی ہماری ہی ہوگی۔" انہوں نے نفی میں سر ہلا کر ایک طرح سے منع کیا تھا اور وہ فوراً بولی۔

"تو کیا بدنامی کے ڈر سے ہم اسے بھول جائیں۔"

عظام خاموش رہے تو وہ کچھ دیر انتظار کے بعد جھنجھلا کر کہنے لگی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا، ہم پرانے وقتوں کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ اب وہ دور نہیں ہے کہ ایک بات کو لوگ سالوں پیٹتے تھے۔ اب تو صبح کی بات شام تک کسی کو یاد نہیں رہتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔" انہوں نے دھیرج سے ٹوکا تھا۔

"جب ہی تو میں اسٹینڈ لینا چاہتی ہوں۔" وہ زور دے کر بولی تو انہوں نے قدرے ٹھٹک کر پوچھا۔

"کس کے خلاف؟"

"اس کی ساس، بیگم آفندی کے خلاف کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان کی طرف سے ہی کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا ہے یا پھر بیگم آفندی نے خود اسے کہیں چھپایا ہے۔" رابعہ نے یقین سے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

"نہیں دوسری بات ٹھیک نہیں ہے۔"

"تو پہلی بات آپ مانتے ہیں۔" رابعہ نے فوراً پوچھا۔

"اب پتہ نہیں سچ کیا ہے، ہمیں شک نہیں کرنا چاہیے۔"

"شک نہیں عظام بھائی! میں یقین سے کہہ رہی ہوں۔ آپ خود سوچیں فائقہ انہی کے پاس تھی ضرور انہوں نے ہی کچھ کہا ہوگا اور یہ بات امی ابو بھی سمجھ رہے ہیں لیکن یوں ناراض ہو بیٹھے ہیں کہ فائقہ نے انہیں کیوں نہیں بتایا۔" رابعہ جذباتی ہو کر بول رہی تھی۔

"اس سے پہلے امی، ابو بہت خوش ہوتے تھے کہ فائقہ ان کے سامنے اپنے گھریلو مسائل کا رونا نہیں روتی، بہت تعریف ہوتی تھی اس کی کہ وہ بہت سمجھدار ہے بہت بہادر ہے اب جو اس نے کارنامہ انجام دیا ہے تو کیوں ناراض ہو رہے ہیں۔ ابھی بھی خوش ہوں۔"

عظام سر جھکائے خاموشی سے سن رہے تھے، جب وہ خاموش ہوئی تو ذرا سا سر اونچا کر کے بس ایک نظر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔

"دیکھو یہ مت سمجھو کہ پھوپھو اور پھوپھا جان کو اس کی پرواہ نہیں، وہ بے چارے مجبور ہیں، ہر شریف آدمی مجبور ہوتا ہے۔ تم جس طرح تھانے میں رپورٹ اور اخباروں میں اشتہار کی باتیں کرتی ہو تو اس سے پریشان ہو کر ہی وہ اس سے لاتعلقی کا اظہار کر رہے ہیں ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کے لیے فکرمند نہ ہوں۔"

"تو میں غلط نہیں کہتی۔ آپ بتائیں اسے ڈھونڈنے کا اور کون سا طریقہ ہو سکتا ہے۔" وہ اپنی بات پر اڑ کر بولی۔

"کچھ دن صبر کرو، ہو سکتا ہے وہ خود رابطہ کرے بلکہ ضرور کرے گی۔" انہوں نے کہا تو وہ تنک کر پوچھنے لگی۔

"اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہیں آپ۔"

"بات یقین اور بے یقینی کی نہیں بلکہ سمجھنے کی ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی گئی ہے تو ظاہر ہے پہلے اپنے رہنے کھانے کا انتظام کرے گی۔ اس کے بعد ہی اسے یہاں والوں کا خیال آئے گا، اس لیے میرا مشورہ مانو، کچھ دن صبر سے انتظار کرو اور پھوپھو اور پھوپھا جان کو بھی تسلی دو، انشاء اللہ ضرور اس کا فون یا خط آئے گا۔ اللہ کرے وہ جہاں ہو خیریت سے ہو۔" انہوں نے دھیرج سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"چلیں، میں آپ کی بات مان کر ایک آدھ ہفتہ انتظار کر لیتی ہوں اگر اس کا فون آ گیا تو ٹھیک...... ورنہ پھر آپ وہی کریں گے جو میں کہوں گی۔" وہ احسان کرتے ہوئے بولی تھی۔

عظام ہامی بھرنے سے کترا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم آرام سے کھانا وغیرہ کھاؤ میں نماز کے بعد تمہیں چھوڑ آؤں گا۔"

"نہیں کھانے میں دیر ہو جائے گی ادھر امی کو ہول اٹھنے لگتے ہیں میں جا رہی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں چھوڑ آؤں گا۔" انہوں نے کہا لیکن وہ ان سنی کرتی ان کے کمرے سے نکل گئی تو انہوں نے ایک قدم اس کے پیچھے بڑھایا پھر رک گئے کیونکہ جانتے تھے کہ وہ رکے گی نہیں، نہ ان کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگی، اس لیے اصرار فضول تھا۔ یوں بھی مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ انہوں نے کپڑے بدل کر وضو کیا پھر جائے نماز لے کر چھت پر چلے آئے۔

سلونی شام اپنے اندر بے پناہ اداسی لیے ہوئے تھی۔ انہوں نے ایک نظر نیلے آسمان کو دیکھا پھر جائے نماز بچھائی اور ہمیشہ کی طرح خضوع وخشوع سے نماز ادا کی، لیکن جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ان کی ذہنی رو بھٹک گئی۔

"میرے لیے دعا کیجیے گا عظام بھائی! کہ میں جس راستے پر قدم رکھوں، اس میں میرے لیے آسانیاں ہوں۔"

اور اس کے لیے آسانیاں مانگتے مانگتے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چند قطرے ہتھیلیوں پر گرے تو انہیں لگا جیسے وہ ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی ہو۔

"مجھے معاف کر دیجیے عظام بھائی! میں آپ کو بہت تنگ کرتی ہوں۔"

"پگلی۔" وہ اسے سرزنش کرنے جا رہے تھے۔ کہ آخری سیڑھی سے اسماء پکار کر بولی۔

"عظام بھائی! کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔"

"کون ہے؟" انہوں نے چونک کر پوچھا۔ کیونکہ فوراً خیال آیا تھا کہ شاید اس نے کوئی سندیسہ بھیجا ہو۔

"پتہ نہیں۔" اسماء لاعلمی کا اظہار کرتی سیڑھیاں اتر گئی تو انہوں نے اٹھ کر جائے نماز لپیٹی پھر نیچے آتے ہی سیدھے دروازے پر گئے تو ایس پی جنید خان نے انہیں دیکھتے ہی تصدیق کی خاطر پوچھا۔

"عظام۔"

"جی۔" انہوں نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ جنید خان فوراً بولا۔

"یور آر انڈر اریسٹ۔"

عظام ایک لحظہ کو اپنی جگہ سن ہو گئے لیکن پھر فوراً سنبھل کر پوچھنے لگے۔

"کیوں میرا مطلب ہے کس جرم میں؟"

"آپ تھانے چلو، سارے جرم وہیں سامنے آ جائیں گے۔" جنید خان نے بدتمیزی سے کہا۔

"ایک منٹ میں بتا کر آتا ہوں۔" وہ الٹے پیروں واپس اندر آئے اور اسماء کو بلا کر کہنے لگے۔

"سنو میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں شاید فائقہ کی تفتیش کا سلسلہ ہے تم ابا کو بالکل خبر نہیں ہونے دینا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"بھائی!" اسماء رونے لگی۔

"پاگل مت بنو، یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ اماں کو بھی سمجھا دینا لیکن ابا کو بالکل پتہ نہ چلے۔ پوچھیں تو کہہ دینا آفس کے کام سے گیا ہوں، سمجھ رہی ہو نا۔"

وہ اسماء کو ٹوک کر جلدی جلدی سمجھاتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔

☆☆☆

رابعہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو امی اسے دیکھ کر یوں انجان بن گئیں جیسے دیکھا ہی نہیں پھر بھی وہ ان کے پاس رک کر پوچھنے لگی۔

"ابو آفس چلے گئے؟"

"ہوں۔" امی نے اس کی طرف دیکھے بغیر بہت مختصر جواب دیا جس پر وہ چڑ کر بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا، فائقہ کا غصہ آپ مجھ پر کیوں نکالتی ہیں۔ اس گھر میں سوہنی اور عثمان بھی ہیں، انہیں تو آپ کچھ نہیں کہتیں۔"

"تم کام پر جا رہی ہو نا، جاؤ۔" امی پیشانی پر ہاتھ مار کر یوں بولیں جیسے کہہ رہی ہوں، میں تم سے الجھنا نہیں چاہتی۔

"پاگل ہوں میں جو آپ سے بات کرنے کھڑی ہو جاتی ہوں۔" اس نے سلگ کر سر جھٹکا اور جانے کو تھی کہ مامی جی کو آتے دیکھ کر دھیمی آواز میں پھر امی سے بولی۔

"مامی جی آرہی ہیں۔"

امی نے فوراً سر اونچا کیا پھر اٹھ کھڑی ہوئیں تو مامی تیزی سے آکر ان کے گلے لگتے ہی رونا شروع ہوگئیں۔

"ہائیں کیا ہوا؟" امی پریشان ہوگئیں اور اس نے عقب سے آکر مامی جی کو کندھوں سے تھام لیا۔

"کیا ہوا مامی جی! کیوں رو رہی ہیں؟"

"بتائیں نا۔ بھابی!" امی نے انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔

"میرا عظام......" مامی جی روتے ہوئے بس اسی قدر کہہ سکیں۔

"کیا ہوا عظام کو؟" امی مزید پریشان ہوگئیں اور اسے دیکھا تو وہ پنجوں پر بیٹھ کر مامی جی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر قدرے تیز آواز میں بولی۔

"بتائیں نا مامی جی! کیا ہوا عظام بھائی کو؟"

"اسے پولیس لے گئی میں ساری رات اس کی راہ دیکھتی رہی ابھی تک نہیں آیا۔"

مامی جی نے ہچکیوں کے درمیان رک رک کر بتایا تو امی بجائے انہیں تسلی دینے کے خود بھی رونے لگیں۔ جبکہ اس کا ذہن اچانک بالکل خالی ہوگیا تھا، کچھ بولنا چاہا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

"کل تمہارے آنے کے کچھ دیر بعد کی بات ہے، مجھے تو اس نے بتایا بھی نہیں۔ اسماء سے کہہ گیا تھا۔"

مامی جی نے اسے دیکھ کر کہا تو اس نے گہری سانس کھینچ کر پہلے اپنے حواس بحال کیے پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"یہی ہونا تھا اور ابھی تو ابتدا ہے آگے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو۔" امی نے ٹوکا تو وہ تیز ہوکر کہنے لگی۔

"میں بکواس نہیں کر رہی، ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ لیکن آپ لوگ میری سنتے کب ہیں۔ سمجھتے ہیں میں آپ کی دشمن ہوں، آپ کی عزت سے کھیل رہی ہوں۔ آپ بتائیں کیا عزت رہے گی عظام کے بعد ابو پھر عثمان۔"

"رابعہ!" امی نے اب دہل کر اسے دیکھا۔

"رسوائی کے خوف سے خاموشی اختیار کر لینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے امی! لیکن آپ سن لیں میں اب خاموش نہیں رہوں گی اور نہ ہی مجھے آپ سے یا ابو سے اجازت لینے کی ضرورت ہے کیونکہ

فائقہ آپ کی بیٹی نہیں، میری بہن بھی ہے اور میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے ساتھ جو ہوا سو ہوا، فائقہ کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو میں زمین آسمان ایک کردوں گی سن رہی ہیں نا آپ......"

اس نے امی کو کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تو مامی جی اس کا بازو تھام کر بولیں۔

"کیا ہوگیا بیٹی؟"

"کچھ نہیں، آپ اطمینان رکھیں، عظام بھائی آجائیں گے۔" اس نے مامی جی کو تسلی دی تو وہ پھر رونے لگیں۔

"میرے بچے کی تو کسی کے ساتھ دشمنی نہیں۔"

"وہ دشمنی میں نہیں دوستی میں مار کھا گئے ہیں۔ بہرحال آپ روئیں نہیں اور آپ نے ماموں جان کو تو نہیں بتایا، وہ پہلے ہی دل کے مریض ہیں۔"

"نہیں لیکن وہ صبح سے کتنی بار پوچھ چکے ہیں۔" مامی جی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"کہہ دیجیے آفس ٹور پر شہر سے باہر گئے ہیں۔"

"اور آنے کا کیا بتاؤں؟"

"آجائیں گے انشاءاللہ جلدی آجائیں گے۔" اس نے کہا تب ہی ڈور بیل پر وہ چونکی اور امی کو یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو، اس وقت کون آیا ہے؟

امی اپنی جگہ سہم گئی تھیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے تیز قدموں سے گیٹ پر آئی اور توصیف عالم کو دیکھ کر مطمئن سی ہوکر بولی۔

"سوری! میں بس نکلنے ہی والی تھی ایک منٹ رکو میں امی سے کہہ کر آتی ہوں۔" وہ اسی تیزی سے واپس امی کے پاس آکر بولی۔

"میرے آفس سے گاڑی آئی ہے میں جا رہی ہوں۔" پھر مامی جی سے پوچھنے لگی۔ "آپ ابھی بیٹھیں گی مامی جی؟"

"نہیں بیٹی! ادھر اسماء پریشان ہے۔" مامی جی فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چلیں پھر میں آپ کو چھوڑ دوں گی۔" اس نے کہا پھر امی کو تسلی دے کر مامی جی کے ساتھ باہر نکل آئی اور پہلے ان کے لیے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا پھر توصیف عالم کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ میری مامی جی ہیں انہیں گھر چھوڑنا ہے۔"

توصیف عالم نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی پھر اس کے اشاروں پر ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے کتنی بار ویو مرر میں ماہی جی کو دیکھا جو مسلسل چادر کے پلو سے آنسو پونچھ رہی تھیں لیکن ان کی موجودگی کے باعث وہ کچھ بول نہیں سکا۔ البتہ جب انہیں ڈراپ کر کے آگے بڑھا تب اس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"تمہاری ماہی جی! کے ساتھ کیا مسئلہ ہے رو رہی تھیں۔"

"بس بے چاری۔" وہ کشمکش میں پڑ گئی بتائے نہ بتائے پھر کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔ "سنو! تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"میں تمہارا ہر کام کر سکتا ہوں۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تو جواباً وہ بھی مسکرا کر بولی۔

"سوچ لو۔"

"سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کہو۔" توصیف عالم نے کہا تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولی۔

"میرے ماموں کے بیٹے کو رات پولیس لے گئی ہے انہیں چھڑانا ہے۔"

"کس جرم میں؟" توصیف عالم نے پوچھا تو وہ تاسف بھری ہنسی کے ساتھ بولی۔

"ان کا جرم یہ ہے کہ وہ انتہائی شریف آدمی ہیں تم اگر انہیں دیکھو گے تو فوراً ان کے مرید ہو جاؤ گے۔"

"میں تمہارا مرید ہو چکا ہوں۔" وہ اس سے وابستگی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں گنواتا تھا۔

"پھر تو میں تمہیں آرڈر کر سکتی ہوں۔" وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"حکم سرکار!" توصیف عالم نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر اس کو دیکھا۔

"بس فوراً میرے کزن کو باہر لے آؤ۔" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیا نام ہے تمہارے کزن کا؟"

"عظام.....بس میں اور کچھ نہیں جانتی کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔" اس نے نام بتا کر کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"نو پرابلم میں معلوم کر لوں گا۔"

"کب تک؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"آج ہی شوٹنگ کے بعد ساتھ چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ قدرے مطمئن ہو گئی۔

☆☆☆

تقریباً چار بجے شوٹنگ سے فارغ ہوئی تو اسے عظام کا خیال ہی نہیں آیا تھا جب توصیف عالم

نے ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے گاڑی روکی تب وہ نہ صرف چونکی بلکہ حیران ہو کر بولی تھی۔

"ارے میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

"اچھی بات ہے۔" توصیف عالم نے کہا تو اس نے ہنس کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"بس تم صرف مجھے یاد رکھا کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ اسی کے انداز میں کہہ کر پوچھنے لگی۔ "عظام بھائی یہیں ہیں؟"

"ہاں۔"

"کیسے معلوم؟"

"میں نے اسی وقت ایک دوست کو فون کر دیا تھا اور اس نے سارا معلوم کر کے مجھے بتا دیا تھا۔" توصیف عالم نے بتایا تو وہ سراہ کر کہنے لگی۔

"واہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ میرا خیال تھا کچھ دن لگیں گے۔"

"کسی اور کا کام ہوتا تو ضرور دن لگتے۔ خیر تم یہیں بیٹھو میں انہیں لے کر آتا ہوں۔"

وہ کہہ کر اتر گیا تو وہ یونہی اس کے پیچھے دیکھنے لگی، جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تب سیٹ کی بیک پر سر رکھ کر سوچنے لگی۔

"پتہ نہیں توصیف عالم کا مقصد کیا ہے، اتنی مہربانیاں، ہر پل نثار ہونے کو تیار، میں اس کی ایجنسی میں آنے والی پہلی حسین لڑکی تو نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے کتنی آئیں۔ خود بتاتا ہے کس کس کو اس نے سپر اسٹار بنایا، کیا سب پر اسی طرح مہربان تھا۔ کیوں؟ کوئی غرض تو ہوگی بنا کسی غرض کے کوئی کسی سے ملتا نہیں، کہاں اتنی مہربانیاں۔"

وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ توصیف عالم کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ جب اس نے بیٹھ کر دروازہ قدرے زور سے بند کیا تب چونک کر بولی۔

"کیا ہوا؟"

"وہ چلے گئے۔" اس نے کہا تو وہ فوراً سمجھی نہیں۔

"کون؟"

"تمہارے کزن۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا، تب وہ اپنی بے دھیانی سے نکل کر حیرت سے پوچھنے لگی۔

"عظام بھائی چلے گئے.....کیسے؟"

"ایس پی بتا رہا تھا ان کی ضمانت آ گئی تھی۔ شاید انہوں نے خود کسی کو فون کیا تھا۔ کیا کرتے ہیں

وہ۔'' توصیف عالم نے بتا کر پوچھا۔

''ایک ملٹی نیشنل فرم میں جنرل منیجر ہیں۔'' اس نے بتایا تو وہ ہنس کر بولا۔

''پھر تو ان کی اپنی بڑی سورس ہوگی۔''

''ہاں! لیکن وہ بہت سادہ ہیں۔''

''ایس پی بھی یہ کہہ رہا تھا کہ کسی نے ان کے خلاف غلط رپورٹ لکھوا دی، ورنہ وہ تو بہت شریف آدمی ہیں۔ خیر یہ بتاؤ اب کہاں جاؤ گی؟''

توصیف عالم نے آخر میں اسے دیکھ کر پوچھا تو وہ قدرے رک کر بولی۔

''مجھے میرے ماموں کے گھر چھوڑ دو۔''

''کیا چکر ہے؟'' توصیف عالم کے مشکوک انداز پر اس نے فوراً ٹوکا۔

''شٹ اپ! میرا کوئی چکر نہیں ہے۔''

''واقعی۔''

''تمہاری مرضی، مانو نہ مانو۔'' اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارے لیے اب تک کتنے پرپوزلز آچکے ہیں۔'' توصیف عالم نے جانے یہ سوال کیوں کیا تھا۔

وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکی تھی لیکن پھر فوراً سنبھل کر اسی بے نیازی سے بولی۔

''بے شمار۔''

''پھر میرا مطلب ہے تمہیں اب تک کوئی پسند نہیں آیا یا تم شادی ہی نہیں کرنا چاہتیں۔''

''پتہ نہیں میں کیا چاہتی ہوں۔ شاید میں پہلے کچھ بننا چاہتی ہوں۔'' وہ گول مول جواب دے کر فوراً موضوع بدل گئی۔

''سنو، وہ تم نے پروڈیوسر کا بتایا تھا مجھے اس سے ملوا دو۔''

''وہ خود آئے گا اور تمہیں فوراً ہامی بھرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلے اسے چکر دینا۔''

''جیسے تمہیں دیا تھا۔'' وہ بے ساختہ کہہ کر زور سے ہنسی تو وہ اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولا۔

''ہاں ویسے ہی۔'' پھر پوچھنے لگا۔ ''تمہارے گھر والے تو اب اعتراض نہیں کرتے؟''

''کرتے ہیں لیکن میں کسی کی سنتی کب ہوں۔'' اس نے کہا تو توصیف عالم مزید شہہ دے کر کہنے لگا۔

''اچھا کرتی ہو۔ تمہاری زندگی ہے۔ تمہیں اپنی مرضی سے گزارنے کا حق ہے اور تم کوئی غلط کام نہیں کر رہی آج اچھے اچھے گھرانوں کے لڑکے لڑکیاں میڈیا پر آنا فخر سمجھتے ہیں۔''

''ہوں۔'' اس کا دھیان دور اسٹاپ پر کھڑی لڑکی کی طرف منتقل ہو گیا تھا جو کچھ دیکھی بھالی لگ رہی تھی پھر جیسے ہی گاڑی اس کے قریب سے گزری تب اچانک اسے یاد آ گیا۔

''ایک منٹ توصیف! گاڑی روکو۔''

توصیف عالم نے بریک لگا کر اسے دیکھا۔ ''کیا ہوا؟''

''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ فوراً اتر کر تیز قدموں سے اس لڑکی کے پاس جا کر پوچھنے لگی۔

''سنو، تم نادرہ ہو نا۔''

''جی اور آپ فائقہ کی بہن ہیں نا۔ فائقہ کیسی ہے، شادی کے بعد نظر ہی نہیں آئی۔'' نادرہ نے اسے پہچان کر کہا تو وہ جو ایک امید پر اس سے فائقہ کا پوچھنے آئی تھی مایوس ہو کر بس اس قدر کہہ سکی۔

''ہاں بس۔''

''کہاں ہوتی ہے آج کل شادی کے بعد تو لندن چلی گئی تھی نا۔'' نادرہ نے کہا تو وہ ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔

''تم نے وہاں سے جاب چھوڑ دی؟''

''ہاں تب ہی چھوڑ دی تھی۔ میرا مطلب ہے فائقہ کی شادی کے کوئی تین چار مہینے بعد میری بھی شادی ہو گئی۔''

''اچھا تو پھر تمہیں پتہ نہیں ہوگا۔'' وہ بے دھیانی میں کہہ گئی۔

''کس بات کا؟'' نادرہ نے پوچھا۔

''اچھا ٹھیک ہے پھر ملاقات ہوگی۔'' وہ جواب سے کترا کر جلدی سے کہتے ہوئے اسی تیزی سے واپس گاڑی میں آ بیٹھی اور توصیف عالم کی سوالیہ نظروں میں دیکھ کر بولی۔

''پرانی دوست تھی۔''

''اب کیا حکم ہے؟'' توصیف عالم نے گہری سانس کے ساتھ پوچھا۔

''فوراً چلو اور مجھے کل کا شیڈول بھی بتا دو۔''

وہ گاڑی آگے بڑھا کر اسے اگلے دن کا پروگرام بتانے لگا لیکن اس کا ذہن اب کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ جب ہی بس ہوں ہاں کرتی رہی اور جب ماموں جی کے گھر اتری تب بھی سرسری انداز میں اسے خدا حافظ کہہ کر اندر آ گئی۔

''اسلام علیکم ماں جی۔''

''جیتی رہو، آ گیا عظام!'' ماں جی نے دعا کے ساتھ خوش ہو کر بتایا تو وہ فوراً انجان بن گئی۔

''اچھا کب آئے؟''

"دوپہر میں۔"

"چلیں شکر ہے کوئی زیادہ مسئلہ نہیں ہوا۔ میں ان کا ہی معلوم کرنے آئی تھی۔ گھر پر ہی ہیں۔"

"ہاں اور سنو فائقہ کا کچھ پتہ چلا؟" مامی جی نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں مامی جی! دعا کریں۔"

وہ کہہ کر عظام کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور پکارنے کے ساتھ دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہوئی تو پہلی نظر میں وہ کہیں نظر نہیں آئے۔

"عظام بھائی!" اس نے دوبارہ پکارا تو انہوں نے الماری میں سے سر نکال کر اسے دیکھا پھر الماری بند کر کے پوچھنے لگے۔

"خیریت سے ہو۔"

"میں آپ کی خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔" اس نے کہا تو وہ ان سنی کر کے بولے۔

"بیٹھو۔"

"ہو آئے حوالات سے؟" وہ بیٹھتے ہوئے بولی پھر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "یہ کس کی مہربانی تھی؟"

"پتہ نہیں۔" انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ چیخ کر بولی۔

"میں جانتی ہوں اور جانتے تو آپ بھی ہیں پھر کیوں چھپا رہے ہیں۔"

"بس جانے دو۔"

"نہیں اس طرح تو وہ اور شیر ہو جائیں گی۔ اگر آپ لوگ پہلے میری باتوں پر دھیان دیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ بہرحال میں آپ کو یہ بتانے آئی ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ ابو کے خلاف کوئی اقدام کریں میں اسٹینڈ لینے جارہی ہوں۔" اس نے کہا تو عظام پھر ٹھٹک کر پوچھنے لگے۔

"کیا کرو گی تم؟"

"کچھ بھی میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

"نہیں، تم کچھ نہیں کرو گی۔ جب تک فائقہ کا فون نہیں آجاتا۔" انہوں نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ تڑخ کر بولی۔

"آپ کرتے رہیں اس کے فون کا انتظار، مجھے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔"

"بہرحال میں تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔" انہوں نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"میں آپ سے مشورہ لینے نہیں آئی صرف بتانے آئی ہوں کہ میں فائقہ کی گمشدگی کا اشتہار دینے جارہی ہوں، تمام بڑے اخباروں میں۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو عظام پریشان ہو گئے۔

"بدنامی ہو گی۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "حوالات جا کر تو بڑی نیک نامی ہوئی ہے نا۔"

عظام بے بسی سے اسے دیکھنے لگے تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی تھی۔

"اب بدنامی صرف ہماری نہیں ہو گی۔"

❁❁❁

بچہ جس طرح بلبلا کر رو رہا تھا اس سے وہ اور الیشبہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ دونوں باری باری اسے ٹہلا کر تھک گئی تھیں لیکن بچہ کسی طرح چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اماں بھی گھر پر نہیں تھیں۔ محلے میں کسی کے انتقال پر گئی تھیں، ورنہ وہی بتاتیں کہ بچے کو کیا تکلیف ہے۔ پیٹ میں یا کان پھر فوراً نسخہ آزماتیں جبکہ ان دونوں کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"الیشبہ! اماں کو بلا لاؤ۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"اماں تو دور گئی ہیں باجی! چلو اسے بھائی کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ دوا دے دے گا۔" الیشبہ نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"تم لے جاؤ۔"

"میں اکیلی تو نہیں جا سکتی۔"

"کیوں تم نے تو بتایا تھا کہ کلینک قریب ہے۔"

"ہاں قریب ہے پر میں گھر سے اکیلی نہیں نکلتی۔ تم ساتھ چلو۔" الیشبہ نے کہتے ہوئے اپنا چادر اٹھا لی تو وہ پریشانی میں بس اس قدر بولی۔

"تمہارا بھائی۔"

"کیا کہے گا بھائی ہم بچے کی دوا لینے جا رہے ہیں گھومنے تو نہیں جا رہے چلو۔"

الیشبہ نے اسے آگے دھکیلا تو وہ بچے کی وجہ سے چل تو پڑی لیکن اندر سے بہت ڈری ہوئی تھی کہ کہیں سب کے سامنے وہ اسے ذلیل نہ کر دے۔ اس جنگلی سے کچھ بعید نہیں تھا۔ بہر حال کلینک میں پہلے ہی بہت رش تھا، وہ الیشبہ کے ساتھ خواتین کے حصے میں بیٹھی تو گلاس ڈور سے وہ سامنے نظر آنے لگا جو پوری توجہ سے ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکے کو چیک کر رہا تھا، وہ بلا ارادہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر الیشبہ سے بولی۔

"سنو! بچے کو تم اندر لے جانا۔"

"تم اتنا ڈرتی کیوں ہو؟" الیشبہ نے ٹوکا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"پتہ نہیں۔"

"اچھا میں بھائی سے کہتی ہوں پہلے اسے دیکھ لے۔" الیشبہ بچے کو دیکھتے ہوئے بولی جو باہر کی ہوا لگنے سے غنودگی میں چلا گیا تھا۔

"اسے بھی لے جاؤ۔" اس نے پھر منت سے کہا تو الیشبہ کو جیسے رحم آ گیا۔ اس کی گود سے بچہ لے کر چلی گئی تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے اس کی نظر راحل پر پڑی جو بہت غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

"یا اللہ!" وہ بری طرح سہم گئی۔ ٹانگیں بھی کانپنے لگی تھیں۔ بمشکل دوپٹے کو سر سے آگے تک کھینچ کر اس کی طرف سے چہرہ چھپا لیا۔

"باجی!" کچھ دیر بعد الیشبہ نے آ کر اسے پکارا تو اس نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا پھر فوراً کھڑی ہو گئی۔

"بچہ کہاں ہے؟"

"ادھر بھائی کے پاس، جاؤ وہ تمہیں بلا رہا ہے۔" الیشبہ نے کہا تو وہ پھر پریشان ہو گئی۔

"کیوں؟"

"جاؤ گی تو پتہ چلے گا نا۔" الیشبہ شاید اس کی ڈانٹ سن کر آئی تھی، جب ہی جھنجلا کر بولی تو وہ "تم بھی چلو" کہتے کہتے رہ گئی اور ساری ہمتیں یکجا کر کے اس کے کمرے کی طرف بڑھی، تب بھی اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ البتہ آواز کی لرزش پر قابو پا گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ کچھ نہیں بولا۔ بند مٹھی ہونٹوں پر جمائے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھے گیا تو وہ سلگ کر کہنے لگی۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ میں بچے کو دکھانے لائی ہوں اگر تمہیں برا لگا ہے تو میں کسی اور ڈاکٹر کے پاس۔"

"شٹ اپ!" اس نے ہونٹوں سے مٹھی ہٹا کر دانت پیسے۔ "خبردار جو کہیں اور گئیں تو۔ اٹھاؤ بچے کو اور سیدھی گھر جاؤ۔ میں وہیں آ کر تم سے بات کروں گا۔"

"کیا بات؟" اس نے بچے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے رک کر پوچھا پھر اس کے تیور دیکھ کر خاموشی سے بچے کو اٹھا کر باہر نکل آئی تھی۔

"بس الیشبہ! اب میں زیادہ دن یہاں نہیں رہوں گی کل سے ہی گھر کی تلاش شروع کر دوں گی، گھر کیا، ہمارے لیے ایک کمرہ کافی ہو گا۔" اس نے گھر آتے ہی الیشبہ سے کہا پھر پوچھنے لگی۔

"کرائے پر ایک کمرہ تو مل جاتا ہو گا ناں۔"

"مجھے نہیں پتہ۔ لو یہ بچے کو دوا پلاؤ میں جب تک ہانڈی روٹی کر لوں۔ اماں بھی جا کر بیٹھ گئی ہے۔"

الیشبہ روٹھے لہجے میں بولتی اس کے سامنے بچے کی دوا ڈال کر جانے لگی تو اس نے روک کر پوچھا۔

"سنو! تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

"کون؟"

"تمہارا بھائی! کیا تم پہلے کبھی اس کے کلینک نہیں گئیں جو وہ ناراض ہو رہا تھا۔"

"میرے جانے پر نہیں وہ تمہیں دیکھ کر ناراض ہو رہا تھا۔ تم نے چادر بھی تو نہیں لی تھی۔ کہہ رہا تھا یہ کوئی شہر نہیں ہے جہاں لڑکیاں دوپٹے میں پھرتی ہیں۔" الیشبہ بھائی کی ناراضی کا سبب بتا کر پوچھنے لگی۔

"باجی! تم لاہور سے آئی ہو یا کراچی سے؟"

"میں پریشانی میں چادر لینا بھول گئی۔" وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔ "یہ بھی ایسے رو رہا تھا جیسے پتہ نہیں۔"

"ہاں بھائی کہہ رہا تھا اس کے پیٹ میں مروڑ ہے، دوا پلا دو اور دوسری وہ لیتا آئے گا۔"

الیشبہ کہہ کر چلی گئی تو اس نے چمچ میں دوا نکال کر سوئے ہوئے بچے کے منہ میں ڈال دی جس سے وہ پھر رونے لگا۔ وہ اسے سینے سے لگا کر ٹہلنے لگی۔

کچھ دیر میں بچہ سکون سے ہو گیا تو اس کے اندر بے سکونی سما گئی۔ راحل کی باتوں سے زیادہ اس کا لہجہ سوچتے ہوئے وہ بری طرح سلگ کر بڑبڑانے لگی تھی۔

"میں بہت جلدی اپنا کہیں انتظام کر لوں گی پھر دیکھوں گی وہ کیسے اس طرح بات کرتا۔ سیدھی گھر جاؤ۔ میں وہیں آ کر تم سے بات کروں گا۔"

"کیا بات کرے گا۔ یہی کہ میں صرف دوپٹے میں کیوں باہر نکلی۔ میری مرضی وہ کون ہوتا ہے مجھے ٹوکنے والا۔ اس کے گھر میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اس کی پابند ہو گئی۔"

"کیا ہوا بچے کو؟" اماں کی اچانک آمد سے وہ اچھل پڑی پھر انہیں دیکھ کر سنبھلتے ہوئے بولی۔

"پیٹ میں مروڑ تھا، ہم اس کی دوا لے آئے ہیں۔"

"ہاں بتایا ہے الیشبہ نے۔ اب تو سو رہا ہے۔" اماں نے اس کی گود سے بچہ لیتے ہوئے کہا اور بیٹھ کر اسے ہر طرف سے چھو کر دیکھنے لگیں تو وہ بچے کا بستر ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"بہت رویا ہے، پریشان کر کے رکھ دیا۔"

"ہاں تو بچے ایسے آرام سے تو نہیں پل جاتے بہت تنگ کرتے ہیں۔"

"اماں!" وہ بستر ٹھیک کر کے سیدھی ہوئی تو کہنے لگی۔ "آپ نے کہا تھا کہ آپ خود میرا کہیں انتظام کر دیں گی، مجھے کسی اچھی جگہ ایک کمرہ کرائے پر دلا دیں۔"

اماں بہت سادگی سے اسے دیکھنے لگیں بولیں کچھ نہیں تو اس نے قریب بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اماں! میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ ایک احسان اور کر دیں۔"

"چل ہٹ میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔" اماں نے ناراضی سے ٹوکا۔

"یہ آپ کی بڑائی ہے لیکن میں مزید آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ آپ پلیز منع نہیں کریں مجھے جلدی۔"

وہ منت سے بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو کر نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔ کیونکہ وہ جانے کب دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دیکھنے پر اندر آ کر بولا۔

"اماں! آپ بچے کو لے کر اس کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں؟" اماں نے کچھ نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"مجھے اس سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو اماں ناگواری سے بولیں۔

"کیا بات کرنی ہے میرے سامنے کر......"

"آپ کے سامنے بات نہیں ہو سکتی۔ بس آپ جاؤ۔" وہ تیز ہو کر بولا تو اس نے فوراً اماں کے پاس بیٹھ کر ان کا بازو تھام لیا۔

"نہیں اماں! آپ نہیں جانا مجھے اس کی کوئی بات نہیں سننی۔"

"اماں اٹھو ناں۔" وہ زور سے دھاڑا تو اماں نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھپک کر بولیں۔

"تو کیوں ڈرتی ہے، کھا نہیں جائے گا یہ تجھے۔ سن لے کیا کہتا ہے۔" پھر اس سے بولیں۔

"آرام سے بات کرنا۔"

"آپ جاؤ تو۔"

اماں اسے تسلی دیتے ہوئے بچے کو لیے ہوئے جیسے ہی کمرے سے نکلیں اس نے دروازہ بند کر دیا پھر اس کی طرف پلٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگا۔

"اب بتاؤ کون ہو تم اور کہاں سے آئی ہو؟"

"اور اگر نہ بتاؤں تو۔" وہ جی کڑا کر کے بولی تھی۔

"تو میں تمہیں سیدھا بیگم جیلان آفندی کے پاس لے جاؤں گا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تو وہ چکرا گئی۔

"کک...... کیا...... کون...... میں نہیں جانتی۔"

"تم نہیں جانتیں۔" اس نے شرٹ کا بٹن کھولا اور اندر سے اخبار کھینچ کر اس کے ہاتھ میں دیا۔ "دیکھو اس میں تمہارا اشتہار لگا ہے۔"

"اشتہار۔" اس کے ہاتھوں میں اخبار لرزنے لگا تھا۔ بہت ڈرتے ڈرتے سر جھکایا تو نظر اپنی تصویر پر پڑی جس کے نیچے لکھا تھا۔

"بیگم آفندی کی بہو لاپتہ۔"

"میرے خدا!" وہ اس سے آگے دیکھ ہی نہیں سکی اور اخبار ایک طرف رکھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"منہ چھپانے سے کچھ نہیں ہوگا تمہاری اصلیت پتہ چل گئی ہے۔" وہ پہلے طنز سے بولا پھر ایک دم لہجہ بدل کر کہنے لگا۔

"میں نے تم سے پہلے روز بھی کہا تھا کہ اگر تم سچ بتا دو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور اب پھر کہہ رہا ہوں۔ سچ بتا دو میں ہر ممکن تمہاری مدد کروں گا۔"

وہ دھیرے دھیرے ہاتھ آنکھوں سے نیچے کھسکا کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں ابھی وعدہ نہیں کر رہا، سچائی جاننے کے بعد فیصلہ کروں گا۔ اگر تم حق پر ہوئیں تب میں اپنی جان سے بڑھ کر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری قبول کروں گا لیکن اگر تم نے مجھے چکر دینے کی کوشش کی تو۔" وہ وارننگ کے انداز میں شہادت کی انگلی اٹھا کر خاموش ہو گیا تو وہ بے بسی سے بولی۔

"تمہیں اگر میری مدد کرنی ہے تو یوں بھی کر سکتے ہو سچائی جاننے پر زور کیوں دے رہے ہو۔"

"کیونکہ میں آنکھ بند کر کے تم پر بلکہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا تو وہ چیخ کر بولی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوگا کہ میں سچ کہہ رہی ہوں یا جھوٹ۔"

"سچ اور جھوٹ کی پہچان ہے مجھے۔" وہ کہہ کر سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا تو وہ سر جھکا کر کتنی دیر اپنے ناخنوں کو دیکھتی رہی، اندر ہی اندر الجھ رہی تھی۔

"دیکھو یہاں سے نکل کر تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ واپس وہیں پہنچا دی جاؤ گی جہاں سے

بھاگی ہو اور آگے تم سوچ سکتی ہو تمہاری ساس تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گی۔"

"وہ میرا بچہ لینا چاہتی ہیں۔" وہ بے اختیار کہہ کر ہونٹ بھینچ گئی تو اس نے کیوں کا سوال نہیں اٹھایا، خاموشی سے انتظار کرنے لگا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ یوں گویا ہوئی جیسے اپنے آپ سے بول رہی ہو۔

جیلان ماربل انڈسٹریز میں جاب سے شروع ہوئی تھی اور پھر سارے حالات و واقعات پوری سچائی سے بیان کرتی چلی گئی۔ صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ اسے بیگم آفندی کے پاس نہ لے جائے۔

وہ بہت خاموشی سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا جس کے ہونٹوں سے الفاظ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔ جبکہ آنسو تسلسل سے بہہ رہے تھے۔

وہ بار بار ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھی اور جب خاموش ہوئی تو اسے یوں دیکھنے لگی جیسے وہ اس کا مذاق اڑائے گا لیکن وہ تو جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

وہ کچھ دیر پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"میں نے ساری حقیقت تمہیں بتا دی ہے، اب تمہاری مرضی یقین کرو نہ کرو لیکن اتنا ضرور کرنا کہ یہ ساری باتیں صرف اپنے تک رکھنا۔"

"ہوں۔" اس کے سینے میں رکی سانس بند ہونٹوں سے ٹکرائی تو وہ اپنے آپ چونکا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر کچھ دیر اسی طرح بیٹھا رہا پھر ہاتھ نیچے گرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تو وہ آنسوؤں بھری آنکھوں سے اس کے پیچھے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔

اس نے گلاس تھام لیا لیکن ہونٹوں تک لے جانے سے قاصر رہی۔

"آئی ایم سوری! میں نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اگر تم پہلے دن بتا دیتیں تو...... خیر اب فکر نہیں کرو جس خدا کے بھروسے پر نکلی تھیں سمجھ لو اسی نے مجھے تمہارا محافظ بنایا ہے۔" راحل نے معذرت کے ساتھ کہا تو وہ ممنونیت سے بولی۔

"میں تمہارا احسان......"

"نہیں کوئی احسان نہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگا۔ "بس اتنی احتیاط کرنا کہ گھر میں اماں کی ملنے جلنے والی خواتین آئیں تو ان کے سامنے مت جانا۔"

تب ہی دروازہ کھلا دیکھ کر اماں اندر آ گئیں اور پہلے راحل سے بولیں۔

"کر لی بات۔" پھر اسے دیکھتے ہوئے پریشان ہو کر بگڑنے لگیں۔ "کیا کہہ دیا تو نے اسے

"میں نے کہا بھی تھا آرام سے بات کرنا۔"

"مجھ سے نہیں ہوتی آرام سے بات۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تو اماں اس کے پاس بیٹھ کر پچکارنے لگیں۔

☆☆☆

بیگم آفندی ہر قسم کے حالات سے نمٹنا جانتی تھیں۔ کبھی کوئی بات ان کی توقع کے خلاف ہو بھی گئی تو بس تھوڑی دیر کو پریشان ہوئیں، اس کے بعد اپنی حکمت عملی سے صورتحال اپنے حق میں لے آتی تھیں لیکن فائقہ کی گمشدگی کے اشتہار نے انہیں بری طرح چکرا دیا تھا کیونکہ بات سارے میں پھیل گئی تھی اور کل سے ان کے سب جاننے والے انہیں مسلسل فون کر کے فائقہ کا معلوم کر رہے تھے جس سے وہ اور پریشان ہو گئی تھیں۔ جبھی یہ سوچ نہیں پائیں کہ انہیں اس صورتحال سے کیسے نمٹنا چاہیے۔ یہ تو وہ سمجھ گئی تھیں کہ یہ جرأت رابعہ نے کی ہے جو ان کے گھر آ کر کہہ گئی تھی کہ وہ ان کی اپر کلاس میں ان کا اشتہار لگوا دے گی اور اس پر عمل کر کے اس نے ان کے اندر ایسی آگ لگا دی تھی جس کے شعلوں میں وہ رات بھر جلتی رہی تھیں لیکن فوری طور پر انہوں نے رابعہ کے خلاف اقدام کا سوچا بھی نہیں کیونکہ پہلے انہیں اپنی ساکھ کی فکر تھی۔

اس وقت ناشتے کی ٹیبل پر وہ گرم چائے گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے اسی فکر میں تھیں کہ فون کی بیل پر انہوں نے بغیر چونکے ریسیور اٹھا لیا اور بقیہ چائے حلق سے اتار کر بولیں۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم۔" دوسری طرف اسفندیار تھے۔

انہوں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"میں کل سے ٹرائی کر رہا ہوں لیکن ہر بار آپ کا نمبر بزی تھا۔" اسفندیار نے جتا کر کہا۔ وہ ابھی بھی خاموش رہیں۔

"میرا خیال ہے لوگ آپ سے ہمدردی جتانے کا موقع گنوانا نہیں چاہتے ہوں گے۔"

"شٹ اپ! مطلب کی بات کرو۔" غصے سے ان کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ مطلب نہیں ہے، صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی بہو بیگم کی گمشدگی کا اشتہار لگوا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں۔" اسفندیار نے پوچھا تو وہ دانت پیس کر بولیں۔

"تمہیں اس سے بھی کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیوں نہیں؟ اشتہار میں میرے باپ کا نام لکھا ہے اور میں اپنے باپ کی نیک نامی پر دھبہ برداشت نہیں کر سکتا۔" اسفندیار کا اشارہ ان کی طرف تھا اور وہ سمجھ کر ہی تلملائی تھیں لیکن فوراً کچھ

کہہ نہیں سکیں تو وہ پوچھنے لگا۔

"ویسے آپ کی بہو کہاں سے غائب ہوئی ہے، آئی مین گھر سے یا......"

"سنو یہ میرا گھریلو معاملہ ہے، تمہیں اس میں دلچسپی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"اور جو سینکڑوں لوگ دلچسپی لے رہے ہیں وہ۔"

"شٹ اپ۔" انہوں نے فون پٹخ دیا اور بالکل غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگیں۔ جب کسی حد تک غصے کو دبانے میں کامیاب ہو گئیں تب انہوں نے فائقہ کے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو۔" ادھر سے عثمان نے فون اٹھایا تھا۔

"اعزاز صاحب سے بات کراؤ۔" انہوں نے کہا تو عثمان نے بے دھیانی میں پوچھا تھا۔

"جی آپ کون؟"

"میں فائقہ کی ساس ہوں۔" انہوں نے پہلی بار وہ بھی طنزیہ انداز میں فائقہ سے اپنا رشتہ بتایا تھا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

پھر کچھ دیر بعد ابو کی آواز آئی۔

"جی بیگم صاحبہ!"

"اعزاز صاحب! فائقہ سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔" انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" ابو سمجھے نہیں کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔

"دیکھیں اعزاز صاحب! فائقہ آپ کی بیٹی ہے اور ہمیشہ رہے گی، جبکہ مجھ سے اس کا رشتہ شہر یار کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا پھر آپ نے اشتہار میں میرا حوالہ کیوں دیا۔" وہ بہت ضبط سے اور ٹھہر ٹھہر کر بولی تھیں۔

"میں معافی چاہتا ہوں بیگم صاحبہ! یہ غلطی میری بیٹی رابعہ سے سرزد ہوئی ہے۔" ابو نے عاجزی سے کہا۔

"یہ محض غلطی نہیں ہے اعزاز صاحب! رابعہ نے جان بوجھ کر میری عزت سے کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ آخر اس نے ایسا کیوں کیا۔ میری تو اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں کیوں اس سے دشمنی رکھوں گی میرے برابر کی تو نہیں ہے وہ۔ نہ عمر میں نہ حیثیت میں۔"

ابو کی عاجزی اور معافی مانگنے سے وہ اس انداز سے بات کرنے لگی تھیں جیسے انہیں رابعہ کی اس حرکت سے بہت دکھ ہوا ہو پھر بھی اپنی بڑائی جتانے سے باز نہیں آئیں۔

"جی آپ بجا فرما رہی ہیں۔ یقین کریں، میں خود بہت پریشان ہوں۔" ابو نے کہا تو وہ گہری سانس کے ساتھ کہنے لگیں۔

"پریشانی کی بات تو ہے۔ پتہ نہیں وہ لڑکی کہاں چلی گئی۔ مجھے تو زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ وہ ماں بننے والی تھی۔ پتہ نہیں کہاں کس حال میں ہو گی۔ اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔ کیا کیا سوچا تھا میں نے شیری کا بچہ ہو گا تو ہم سب مل کر بڑی خوشی منائیں گے۔" دوسری طرف ابو خاموش رہ گئے تھے۔

"او کے اعزاز صاحب! میں اپنی طرف سے کوشش کر رہی ہوں باقی آپ دعا کریں۔" انہوں نے الوداعی انداز میں کہہ کر فون رکھ دیا پھر چیئر دھکیل کر اٹھتے ہوئے دانت پیسنے لگی تھیں۔

"ابھی ایک بیٹی کو رو رہے ہیں۔ سب کے لیے رلا دوں گی۔" پھر لاؤنج میں آ کر وہیں سے چیخیں۔ "رشید۔"

"جی بیگم صاحبہ!" رشید بھاگا آیا تھا۔

"ڈرائیور کو بلاؤ۔" وہ کہہ کر صوفے میں دھنس گئیں اور بیک پر سر رکھ کر خود کو ریلیکس کرنے لگیں۔

کچھ دیر بعد رشید ڈرائیور کو ساتھ لے کر آیا تو انہوں نے رشید کو جانے کا اشارہ کیا اور نظریں ڈرائیور پر جما دیں۔

"کوئی غلطی ہو گئی بیگم صاحبہ؟" ڈرائیور ان کی تیز نظروں سے پریشان ہو گیا تھا۔

"نہیں ابھی تک تو ٹھیک جا رہے ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی جی۔"

"مجھے تم پر بھروسہ ہے اور اسی لیے میں تم سے بات کر رہی ہوں۔" وہ کہہ کر قصداً سوچنے لگیں پھر کچھ دیر بعد اسے دیکھ کر بولیں۔

"مجھے کسی ایسے آدمی کا پتہ بتاؤ جو میرا ہر کام کر سکے راز داری سے اور اس کے لیے میں اسے منہ مانگی رقم دوں گی۔"

ڈرائیور ان کی بات سمجھ کر سوچنے لگا تو قدرے رک کر انہوں نے پوچھا۔

"جانتے ہو کسی ایسے آدمی کو؟"

"جی۔" ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے جی کہا تھا۔

"کون ہے؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"آپ ہی کی فیکٹری میں ملازم ہے شہباز۔" ڈرائیور نے بتایا تو انہوں نے ایک پل میں اپنی

فیکٹری کے تمام ملازمین کو سوچ ڈالا پھر اگلے پل ان کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

"شہباز۔"

"جی بیگم صاحبہ! کیا حکم ہے۔" ڈرائیور نے ان کے ہونٹوں کی جنبش سے سمجھ کر پوچھا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولیں۔

"کچھ نہیں تم جاؤ۔"

ڈرائیور چلا گیا تو کچھ دیر یکسوئی سے سوچنے کے بعد وہ فیکٹری کے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ جب تک اس خوف میں تھی کہ جانے کب اس گھر سے جانے کو کہہ دیا جائے تو آگے وہ کہاں جائے گی۔ تب تک وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکی تھی۔ ہر رات نیند آنے تک وہ اپنے اگلے ٹھکانے کی فکر میں مبتلا رہتی تھی لیکن اب جبکہ راحیل نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر لی تھی تو جہاں اسے اطمینان ہوا تھا وہاں سب گھر والے یاد آنے لگے تھے اور وہ ایک ایک کا ردعمل بھی سوچنے لگی تھی کہ اس کے گھر چھوڑنے کا کس کس پر کیا اثر ہوا ہو گا اور اس کی تلاش میں کون کون سرگرداں ہو گا۔ یہ ساری باتیں سوچتے ہوئے اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا اور اس رات نیند آنے تک وہ تکیے میں منہ چھپا کر روتی رہی تھی۔

صبح اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ اس نے منہ دھوتے ہوئے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تھا، اس کے بعد وہ اماں کا سامنا کرنے سے کترانے لگی۔ گو کہ صبح آنکھ کھلتے ہی اس نے سوچا تھا کہ بہت دن مہمانوں کی طرح رہ چکی، اب اسے گھر کے کام کاج میں اماں اور الیشبہ کا ہاتھ بٹانا چاہیے لیکن اب اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کیونکہ اماں بہت جلد پریشان ہو جاتی تھیں۔ یوں بھی وہ ہر وقت اس کا چہرہ دیکھتی رہتی تھیں۔ پتہ نہیں انہیں اس کے چہرے میں کیا نظر آتا تھا۔ کتنی بار وہ پوچھتے پوچھتے رہ گئی۔ بہر حال اس وقت وہ کچن میں تو نہیں تھی لیکن بچے کو صاف ستھرا کرنے کے بعد کمرے کی صفائی میں لگ گئی تھی۔

راحیل گو کہ دس بجے کلینک جاتا تھا لیکن اٹھتا صبح سویرے تھا اور اس وقت سے الیشبہ کو پکارنے لگتا تھا۔ جب تک وہ اٹھ نہیں جاتی تھی، وہ پکارے جاتا پھر دونوں میں تکرار شروع ہو جاتی۔ الیشبہ کا کہنا تھا کہ رزلٹ آنے تک وہ عیش کر لے پھر جب کالج جانے لگے گی تو وہی روٹین شروع ہو جائے گی لیکن وہ نہیں مانتا تھا اور اماں ان دونوں کی تکرار میں بالکل خاموش رہتی تھیں۔ شاید عادی ہو چکی تھیں اور اگرچہ وہ عادی نہیں ہوئی تھی تب بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، اس لیے دھیان ہی نہیں دیتی تھی۔ ابھی بھی وہ صفائی کرنے میں لگی ہوئی تھی، جب الیشبہ آ کر بولی۔

"باجی! چلو ناشتہ کرلو۔"

"ہیں۔" وہ حیران ہوگئی کیونکہ اب تک راحل کی وجہ سے اسے کمرے ہی میں ناشتہ ملتا تھا۔

"میں بچے کو لے جارہی ہوں تم آجاؤ۔" الیشبہ بچے کو اٹھا کر جانے لگی تو وہ پکار کر بولی۔

"سنو میں بعد میں کرلوں گی۔"

"نہیں بھائی کہہ رہا ہے۔ ناشتے کھانے میں سب کے ساتھ بیٹھا کرو۔ چلو نہیں تو وہ ناراض ہ گا۔" الیشبہ نے بھائی کا کہہ کر اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ ناچار دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھتے ہوئے الیشبہ کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آئی اور پہلے واش بیسن پر جا کر ہاتھ دھوئے پھر آکر اماں کے ساتھ لگ کر یوں بیٹھی کہ براہ راست اس کی نظروں کا سامنا نہ ہو۔

اور وہ جیسے انتظار میں تھا، اس کے بیٹھتے ہی کہنے لگا۔

"اماں! اس سے بھی کچھ کام وام کروایا کرو بیٹھ بیٹھ کر موٹی ہوگئی تو پھر اس کے اپنے گھر والے اسے نہیں پہچانیں گے۔"

"چپ کر کے ناشتہ کر۔" اماں نے ٹوک دیا تو وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"سنو تمہارا نام کیا ہے؟"

"نشاء۔" اس سے پہلے الیشبہ بول پڑی تو وہ ڈانٹنے لگا۔

"میں نے تجھ سے پوچھا ہے بڑی دادی بنتی ہے۔" پھر اس سے بولا۔ "تم بتاؤ۔"

"فائقہ۔" وہ جب سب بتا چکی تھی تو نام کیوں چھپاتی۔

"ہائیں۔" الیشبہ اچھل پڑی۔ "باجی! تم نے مجھے تو نشاء بتایا تھا۔"

"ہاں نشاء بھی لیکن اصل نام فائقہ ہے۔" اس کے سٹپٹانے پر اماں پھر ڈانٹنے لگیں۔

"تم لوگ ناشتہ کروگے کہ نہیں خالی باتیں کیے جاتے ہو۔"

"میں فائقہ سے ناشتے ہی کا پوچھنا چاہتا ہوں اماں! کہ وہ کیا پسند کرتی ہے۔ آپ زبردستی اسے پراٹھا کھلا دیتی ہو۔" اس نے اماں سے کہتے ہوئے آخر میں اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

"میں سب کھالیتی ہوں۔ میرا مطلب ہے پراٹھا بھی۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ کہہ کر کھانے میں یوں مصروف ہوا کہ پھر ادھر ادھر دیکھا ہی نہیں جس سے اسے بھی کھانے میں آسانی ہوگئی تھی۔

پھر ناشتہ کرتے ہی اس نے الیشبہ کے ساتھ مل کر دسترخوان سمیٹا، اس کے بعد سیدھی کمرے ں آبیٹھی اور اپنے لیے کوئی مصروفیت سوچتے ہوئے کڑھنے لگی کہ اب وہ گھر سے نکل بھی نہیں سکتی۔ لم آفندی نے اشتہار لگوا کر اس کے لیے راستے بند کردیئے تھے۔

"لیکن ماما!" وہ اچانک ٹھٹکی تھی۔ "ماما! اشتہار کیسے لگوا سکتی ہیں اس سے تو خود ان کی بدنامی ہوئی ہوگی تو کیا ابو نے۔" وہ الجھنے لگی لیکن بیگم آفندی اور ابو کے علاوہ کسی اور کا سوچ ہی نہیں سکی۔ بس ان ہی دونوں میں ذہن الجھ رہا تھا۔

"باجی! اماں کہہ رہی ہیں، اس کے کپڑے نکال رکھو وہ آکر اسے نہلا دے گی۔" الیشبہ نے آکر بچہ اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"کہاں گئی ہیں اماں؟"

"سبزی گوشت لینے۔" الیشبہ نے بتایا پھر اس کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔ "ایک بات بتاؤ باجی! کل بھائی نے کمرہ بند کر کے تم سے کیا باتیں کی تھیں۔"

"کیوں؟" اس نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر الیشبہ کو دیکھا تو وہ اصرار سے بولی۔

"بتاؤ ناں۔"

"کیا بتاؤں۔" وہ محض اسے چھیڑ رہی تھی۔

"وہی جو تم نے بھائی سے کہا ہے اور ایک دم بدل گیا ہے۔" الیشبہ نے کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کیوں وہ تم سے خار نہیں کھاتا تھا اور ابھی پتہ ہے اماں سے کہہ رہا تھا کہ تمہارا خیال رکھے اور مجھے بھی ڈانٹا کہ میں تمہیں تنگ نہ کروں۔ میں کب تنگ کرتی ہوں تمہیں۔" آخر میں الیشبہ نے یوں منہ پھلایا جیسے اس نے شکایت کی ہو۔

"ارے نہیں، تم تو بہت اچھی، بہت پیاری ہو۔ تنگ تو میں نے تم سب کو کیا ہے۔" اس نے الیشبہ کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ پھر اسی بات پر آگئی۔

"اچھا بتاؤ بھائی سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ اس نے وہی پوچھا تھا کہ میں کون ہوں، کہاں سے آئی ہوں اور میں نے سچ بتا دیا۔ شاید میرے سچ بولنے پر ہی اسے رحم آگیا جو کہنے لگا۔ اب تم یہیں رہنا اور ظاہر ہے جب اس نے خود رہنے کو کہا ہے تو پھر اپنا رویہ بھی بدلے گا۔" اس نے سہولت سے بتا کر کہا تو الیشبہ بہت سادگی سے پوچھنے لگی۔

"کہاں سے آئی ہو تم؟"

"کراچی سے۔"

"ہائے کراچی؟" الیشبہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر انتہائی شوق سے کہا۔

"تم گئی ہو کبھی؟"

"نہیں لیکن مجھے بہت شوق ہے۔ وہاں سمندر بھی ہے ناں۔"

"ہاں۔"

"بھائی ہمیشہ کہتا تھا کہ جب میں میٹرک کرلوں گی تب مجھے کراچی لے جائے گا اور وہ تو تیار ہے، پر اماں نہیں مانتی۔"

"اماں کیوں نہیں مانتیں۔" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کہتی ہیں بہت دور ہے اور وہاں کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔ جس کے پاس جا کر ہم رہیں۔" الیشبہ نے کہا تب ہی اماں آگئیں۔ دونوں ہاتھوں میں تھیلے اٹھائے پسینے میں شرابور۔

"ہائے اماں! کیا کیا لے آئی۔" الیشبہ نے فوراً اٹھ کر ان کے ہاتھوں سے تھیلے لے لیے۔

"پنکھا تیز کر بہت گرمی ہے۔" اماں نے چادر اتارتے ہوئے کہا پھر خود ہی پنکھا تیز کر کے لیٹ گئیں۔

الیشبہ تھیلوں کا جائزہ لینے لگی تھی۔

اس نے جلدی سے بچے کو بستر پر لٹایا اور الیشبہ کے ہاتھ سے برف کا شاپر لے کر کچن میں چلی گئی اور کولر میں ٹھنڈا پانی بنا کر اماں کے لیے گلاس بھر کر لے آئی۔

"ہیں الیشبہ کو خیال نہیں آیا۔" اماں اٹھ کر اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے بولیں۔

"میں سوٹ دیکھ رہی ہوں اماں! یہ کس کے ہیں۔" الیشبہ نے تھیلے میں سے سارے سوٹ نکال کر چارپائی پر ڈال دیئے۔

"دو تیرے ہیں دو فائقہ کے اور ایک میرا۔" اماں نے بتایا تو جہاں الیشبہ خوش ہوئی وہاں وہ پریشان ہوگئی۔

"اماں! میرے پاس کپڑے ہیں۔"

"ہاں اتنے سے بیگ میں کتنے کپڑے ہیں۔ گرمی میں موٹے کپڑے پہنے پھرتی ہو، ابھی یہ سی کر پہن لو۔ الیشبہ تو سی دے باجی کو۔"

اماں نے اسے ٹوکتے ہوئے الیشبہ سے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"سی دوں گی، سب کے سی دوں گی کاکے کے بھی فراک بنا دوں گی۔"

"فراک کیوں یہ کوئی لڑکی ہے۔"

"اماں اچھا لگے گا ناں گول گپا۔" الیشبہ نرمی سے بچے کے گال چھونے لگی تو جواب میں وہ غوں غاں کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

بچہ بھوک سے رو رہا تھا اور ادھر وہ دودھ ٹھنڈا کرنے میں لگی ہوئی تھی پھر جلدی سے فیڈر میں ڈال کر اس کمرے میں آگئی جہاں الیشبہ بچے کو بہلا رہی تھی اور پہلے اس نے دھیان نہیں دیا۔ جب بچے کو گود میں لے کر بیٹھی اور اس کے منہ سے فیڈر لگا دی تب کمرہ دیکھ کر ٹھٹکی کیونکہ یہ راحل کا کمرہ تھا۔ اس سے پہلے وہ اس کمرے میں نہیں آئی تھی اور ابھی بھی بے دھیانی میں آگئی تھی۔ تو بچے کا دودھ پینے تک بیٹھنا پڑا۔

الیشبہ بڑے انہماک سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

وہ سرسری انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

کمرہ بہت کشادہ نہیں تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا۔ ایک طرف سنگل بیڈ اس کے ساتھ صوفہ سیٹ، سامنے ٹی وی، دوسری طرف کمپیوٹر اور دیوار گیر ریک میں موٹی موٹی کتابیں۔ وہ ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ الیشبہ پکار کر بولی۔

"باجی! دیکھو کتنی پیاری لڑکی ہے۔"

وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی اور اسکرین پر رابعہ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں یکلخت دھندلا گئیں۔ لگا تھا جیسے مدتوں بعد کسی اپنے کی شکل دیکھی ہو اور بس ایک جھلک ہی دیکھ پائی تھی اس کے بعد تو پلکیں جھپکتی رہ گئی اور جب دھند چھٹی اشتہار بدل چکا تھا پھر وہ دوبارہ اس انتظار میں وہیں بیٹھی رہ گئی۔

ڈرامہ شروع ہو چکا تھا۔ الیشبہ ڈرامہ دیکھنے کے ساتھ وقفے وقفے سے اس سے بھی کچھ کہہ لیتی تھی لیکن وہ اب کچھ نہیں سن رہی تھی۔ ٹی وی پر نظریں جمائے وقفے کے انتظار میں تھی تاکہ اشتہار میں رابعہ کو دیکھ سکے اور جب وقفہ آیا تو اسی وقت راحل بھی آگیا جسے دیکھ کر پہلے اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر انجان سی بن کر بیٹھی رہی۔

"کوئی خاص پروگرام آ رہا ہے۔" راحل نے ٹی وی پر نظر ڈالتے ہوئے کسی ایک کو مخاطب کیے بغیر پوچھا۔

"ڈرامہ بس ختم ہونے والا ہے۔" الیشبہ نے جلدی سے کہا کہ کہیں وہ اسے کسی کام سے نہ اٹھا دے۔

"اور اماں کہاں ہیں۔" راحل نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نماز پڑھ رہی ہیں۔"

"کبھی تو بھی نماز پڑھ لیا کر ہر وقت ڈرامے دیکھتی رہتی ہے۔" وہ عادت کے مطابق الیشبہ کو ٹوکنے لگا۔

"بھائی بس چپ کرو ناں۔" الیشبہ نے جھنجھلا کر کہا تو وہ اٹھ کر ٹی وی کے پاس چلا گیا۔

"میں اسے بند کر رہا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔" وہ بے اختیار بولی تھی۔

"ہیں۔ تم بھی ڈرامہ دیکھ رہی ہو۔" راحل نے اسے دیکھ کر تعجب سے کہا تو وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

"کیوں میرے دیکھنے پر پابندی ہے کیا؟"

وہ کندھے اچکا کر واپس اسی جگہ جا بیٹھا تو وہ جو رابعہ کو دیکھنے کو بے چین ہو رہی تھی اس خیال سے ٹی وی کی طرف سے دھیان ہٹا دیا کہ کہیں پھر نہ اس کی آنکھیں بھیگ جائیں اور کمپیوٹر کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھنے لگی۔

"یہ کون سا ماڈل ہے؟"

"پینٹیم تھری، تم اگر اسے استعمال کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔" اس نے جتا کر کہا تو وہ قصداً ذرا سا ہنس کر بولی۔

"نہیں میں نے تو یونہی پوچھ لیا۔"

"تم نے اس میں کوئی کورس وغیرہ کیے ہیں۔"

"ہاں اس کے بعد ہی جاب ملی تھی۔"

وہ دونوں بہت نارمل انداز میں باتیں کرنے لگے تھے، جبکہ الیشبہ ڈرامہ دیکھنے میں مصروف تھی۔

"اور اب تو میں جاب بھی نہیں کر سکتی۔" اس نے جس قدر مایوسی سے کہا وہ اسی قدر بے نیازی سے بولا۔

"کیا ضرورت ہے؟"

"کیوں، آخر میں کب تک ایسے بیٹھی رہوں گی۔ شاید ماما نے ایڈ لگوایا ہی اس لیے ہے کہ جب میں تنگ آ جاؤں تو واپس ان کے پاس چلی جاؤں۔" اس نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"فکر نہیں کرو تم کبھی تنگ نہیں آؤ گی۔ تمہیں جب جس چیز کی ضرورت پڑے بلا جھجک کہہ دینا۔" وہ اپنی بات ختم کر کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ وہ پکار کر کہنے لگی۔

"سنو میں تم سے یہی کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے میرے پاس اتنا کچھ ہے جس سے میری اور بچے کی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔"

"خواہ ساری دنیا تمہاری ہو لیکن جب تک تم میرے گھر میں ہو، میری ذمہ داری ہو۔ کیا

تم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ اگر تم حق پر ہوئیں تو میں اپنی جان سے بڑھ کر تمہاری حفاظت کروں گا۔ یقین کرو، اگر مجھے تمہاری سچائی پر ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو میں اسی وقت تمہیں نکال باہر کرتا لیکن میں اپنے وعدے کا پابند ہوں۔" اس کے ٹھوس لہجے پر وہ سر جھکا کر بولی۔

"لیکن میں کیا کروں، مجھے بہت عجیب سا لگتا ہے۔ آج اماں میرے لیے کپڑے بھی لے آئی ہیں۔"

"سب کچھ لائیں گی جیسے الیشبہ کی ضروریات کے علاوہ خواہشات بھی پوری کی جاتی ہیں بلکہ شاید تمہارا زیادہ خیال کرنا پڑے گا۔ تمہاری حیثیت کے مطابق۔"

اس نے کہا تو وہ بے اختیار سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا تم جس شخص کی بیوہ ہو۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو نہیں تھا مل اونر تھا اور اس مل اونر کے بچے نے اگر اس جھونپڑے میں جنم لیا ہے تو اس سے اس کی حیثیت کم نہیں ہو گی۔ یہ بڑا ہو کر اپنے باپ کی جگہ لے گا تم نے اسے یہی سمجھانا یہی سکھانا ہے، انڈر اسٹینڈ۔"

وہ اسے باور کرا کے کمرے سے نکل گیا تو وہ ششدر سی اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی۔

اور اس رات اس نے اپنے دل کی ہر گلی سے پہرے ہٹا دیئے تھے اور تمام رات ان گلیوں میں ملتی رہی تھی، جہاں محبتیں یوں ٹوٹ کے برسی تھیں کہ ان کی سوندھی سوندھی مہک کا سرور ابھی بھی اس کی رگ و پے میں اتر رہا تھا۔

اس قدر پیار سے اے جان جہاں رکھا ہے
دل کے رخسار پہ اس وقت تری یاد نے ہات
یوں گماں ہوتا ہے گرچہ ہے ابھی صبح فراق
ڈھل گیا ہجر کا دن، آ بھی گئی وصل کی رات

☆☆☆

ڈاکٹر عفان نے اس روز رابعہ کی بدتمیزی سے ضد میں آ کر سوچا تھا کہ وہ آئندہ اس کے گھر نہیں جائیں گے لیکن اخبار میں فائقہ کی گمشدگی کا اشتہار دیکھ کر وہ حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے۔ اخبار بھی کچھ دن پہلے کا تھا۔ انہوں نے تاریخ دیکھ کر دنوں کو شمار کیا تو انہیں تعجب ہوا کہ اس روز ابو اور امی میں سے کسی نے بھی انہیں نہیں بتایا تھا اور اسی لیے وہ اس وقت ان کے پاس جانے کے بجائے سلمان کے گھر آ گئے تھے۔

"اوہو عفان بھائی! کیسے راستہ بھول گئے؟" راحیلہ نے انہیں دیکھتے ہی تعجب کا اظہار کیا تو وہ قصداً انجان بن کر بولے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" راحیلہ جواب کے ساتھ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سلمان بول پڑے۔ "تم پہلے چائے وائے لے آؤ۔" ڈاکٹر عفان نے قصداً چائے کو منع نہیں کیا کیونکہ وہ اکیلے میں سلمان سے بات کرنا چاہتے تھے اور جیسے ہی راحیلہ کچن میں گئی، کہنے لگے۔

"میں نے ابھی کچھ دیر پہلے اخبار میں بیگم جیلان آفندی کی بہو کا اشتہار دیکھا ہے، فائقہ ہی ہے یا کوئی اور۔"

"فائقہ۔" سلمان سر جھکا کر بس اسی قدر بولے تھے۔

ڈاکٹر عفان کتنی دیر تک انہیں دیکھتے رہے جیسے ان کی سمجھ میں نہ آرہا ہو۔

"لیکن کیسے؟"

"پتہ نہیں عفان بھائی! ہم خود نہیں سمجھ پا رہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ ایک مہینہ ہو گیا ہے اسے لاپتہ ہوئے اور ابھی تک اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس اشتہار کو بھی کتنے دن ہو گئے ہیں۔" سلمان بے بسی سے بول رہے تھے۔

"حیرت ہے، مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔"

ڈاکٹر عفان نے کہا تب ہی راحیلہ چائے لے کر آگئی اور ان کی بات سن کر پوچھنے لگی۔

"کیا نہیں بتایا؟"

ڈاکٹر عفان جواب دینے کے بجائے سلمان کو دیکھنے لگے تو وہ بھی انجان بن کر بات بدل گئے۔

"کرن کیا کر رہی ہے؟"

"وہ آرام سے بیٹھی کھیل رہی ہے۔" راحیلہ نے بتایا پھر چائے کا کپ ڈاکٹر عفان کو تھماتے ہوئے بظاہر چھیڑنے کے انداز میں بولی۔

"آپ کی بیوی تو آج کل ٹی وی پر نظر آتی ہے، آپ نے دیکھے ہیں اس کے اشتہار۔"

"ہوں۔" ڈاکٹر عفان نے جزبز ہو کر فوراً چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا تو سلمان نے اشارے سے راحیلہ کو منع کیا کہ وہ اس موضوع کو نہ چھیڑے لیکن وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ اسے تو یوں بھی رابعہ کے خلاف بولنے کا موقع چاہیے ہوتا تھا۔

"میرا خیال ہے، وہ آپ سے الگ ہی اس لیے ہوئی تھی تاکہ جو مرضی کرتی پھرے۔ کوئی اچھا شوق تو نہیں ہے جس کے لیے اس نے بسا بسایا گھر چھوڑ دیا اور اب تو اس کے مزاج ہی نہیں ملتے ہواؤں میں اڑنے لگی ہے۔ آپ بھول جائیں کہ وہ کبھی آپ کے پاس واپس آئے گی، اس فیلڈ میں

آدمی آگے ہی آگے نکلتا چلا جاتا ہے پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ شہرت اور دولت کا نشہ ہوتا ہی ایسا ہے۔"

"جی۔ لیکن مجھے زیادہ فکر فائقہ کی ہے۔" ڈاکٹر عفان نے مجبوراً فائقہ کا ذکر چھیڑا اور راحیلہ اس پر بھی شروع ہو گئی۔

"ہاں آپ نے سنا اس بیچاری کے ساتھ کتنا برا ہوا۔ بڑے لوگوں میں شادی کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ رشتے ہمیشہ اپنے جیسے لوگوں میں کرنے چاہئیں۔ میں نے تو بھئی سبق سیکھ لیا، میں اپنی بیٹی کو کبھی اتنے بڑے گھر میں نہیں بیاہوں گی بلکہ میں تو اس کی شادی ہی نہیں کروں گی۔"

"آپ لوگوں نے اس سلسلے میں آئی مین فائقہ کی تلاش کے سلسلے میں اور کیا اقدام کیا ہے۔"

ڈاکٹر عفان نے سلمان کو دیکھ کر پوچھا لیکن ان سے پہلے راحیلہ بول پڑی۔

"یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ بیگم آفندی! بہت پاورفل عورت ہیں اور وہ تو الٹا ان لوگوں کو الزام دے رہی ہیں کہ انہوں نے فائقہ کو کہیں چھپایا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سلمان نے راحیلہ کو گھورتے ہوئے کہا لیکن وہ یکسر نظر انداز کر کے مزید ڈرامائی انداز میں کہنے لگی۔

"میں آپ کو بتاؤں عفان بھائی! یہ لوگ تو مانتے نہیں ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ فائقہ کی ساس نے اسے مروا دیا ہے۔"

"جی۔" ڈاکٹر عفان نے پریشان ہو کر سلمان کو دیکھا تو وہ بمشکل غصہ دبا کر بولے۔

"یہ بکواس کر رہی ہے۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں عفان بھائی! یہ پیسے والے لوگ ایسے ہی کرتے ہیں۔ بیگم آفندی نے اس ڈر سے کہ کہیں فائقہ یا اس کا بچہ ان کی جائیداد کے دعوے دار نہ ہو جائیں، ان کا پتہ ہی صاف کر دیا۔ آپ دیکھیے گا، کچھ دنوں میں یہ حقیقت سامنے آجائے گی۔" راحیلہ اپنی بات پر اڑا کر یقین سے بول رہی تھی۔ "ورنہ آپ بتائیں وہ کہاں جا سکتی ہے۔ رابعہ کی طرح تو وہ تھی نہیں، وہ تو بیچاری بھی سادی اگر ساس کے گھر سے نکلتی بھی تو ابو کے پاس آجاتی۔ سوچنے کی بات ہے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے اگر وہ زندہ ہوتی تو......"

"بس خاموش ہو جاؤ۔" اس بار سلمان غصے سے دھاڑے تھے۔

راحیلہ بڑبڑاتے ہوئے چائے کی ٹرے اٹھا کر چلی گئی تو ڈاکٹر عفان نے یوں گہری سانس کھینچی جیسے اس کے جانے پر شکر کر رہے ہوں پھر اٹھتے ہوئے بولے۔

"چلیں سلمان بھائی! باہر چلتے ہیں۔"

"ہاں یہاں تو بات کرنا عذاب ہے۔" سلمان فوراً اٹھ گئے اور دونوں گھر سے باہر آ کر کھڑے

ہوئے، تب ڈاکٹر عفان کہنے لگے۔

"راحیلہ بھابھی بہت بولتی ہیں اس لیے شاید ان کی باتوں کو اہمیت نہیں دی جاتی لیکن اُ سنجیدگی سے سوچیں سلمان بھائی! تو وہ کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔ آئی مین یہ جائیداد وغیرہ کا چکر بہت برا ہوتا ہے، آپ کو اسٹینڈ لینا چاہیے۔"

"کیا کریں عفان بھائی! ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ امی ابو اتنے پریشان ہیں میں تو انہیں تسلی بھی نہیں دے سکتا۔" سلمان نے بے بسی سے کہا۔

"جی ابھی کچھ دن پہلے میں ابو کے پاس گیا تھا۔ شاید اسی پریشانی میں وہ....." ڈاکٹر عفان کچھ کہتے کہتے خاموش ہو کر جانے کیا سوچنے لگے تھے۔

"کچھ کہا ابو نے آپ سے.....؟" سلمان نے ٹوکا تو وہ چونک کر بولے۔

"نہیں مجھے تو نہیں لیکن رابعہ کو ڈانٹ رہے تھے۔"

"رابعہ نے اور پریشان کر رکھا ہے آپ اس پر سختی کیوں نہیں کرتے، بیوی ہے آپ کی۔" سلمان نے کہا تو وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اسی لیے تو خاموش ہوں کہ میں اس سے تعلق نہیں توڑنا چاہتا۔ اگر میں نے سختی کی تو وہ غصے میں جانے کیا کر بیٹھے۔"

"ہاں ضدی بھی تو بہت ہے۔"

"ٹھیک ہو جائے گی، آپ اس کی فکر نہ کریں۔" ڈاکٹر عفان نے گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے کہا تو سلمان پوچھنے لگے۔

"آپ جا رہے ہیں۔"

"جی میں فائقہ کا معلوم کرنے آیا تھا، اللہ کرے وہ جہاں ہو خیریت سے ہو۔"

"ہم بھی یہی دعا کرتے ہیں۔"

"مجھے اجازت دیجیے اور ہاں فائقہ کے بارے میں کچھ پتہ چلے تو پلیز مجھے ضرور بتائیے گا۔" ڈاکٹر عفان نے کچھ شاکی ہو کر کہا پھر فوراً گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

"بیگم صاحبہ!" اخباروں میں اشتہار تو آپ لگوا ہی چکی ہیں اب اگر باقاعدہ رپورٹ درج کرا دیں تو مجھے کارروائی میں آسانی ہو گی۔" ایس پی جنید خان نے کہا تو بیگم آفندی قصداً عاجز سی ہو کر بولیں۔

"نہیں، نہیں خان صاحب! مجھے کورٹ کچہری کے چکروں میں نہیں پڑنا۔"

"پھر آپ بتائیں۔ میں کیا کروں، بغیر کورٹ سے ریمانڈ حاصل کیے میں کسی پر زیادہ سختی نہیں کر ا اور ہاں میں نے ایک اور کیس بنا کر آپ کی بہو بیگم کے کزن عظام کو اریسٹ کیا تھا۔" جنید ان کی بات ابھی جاری تھی کہ بیگم آفندی نے بے صبری سے بات کاٹ دی۔

"پھر۔"

"پھر کیا بیگم صاحبہ! وہ تو بہت شریف آدمی ہیں، آپ کو ان پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔" جنید خان کہا تو وہ ناگواری سے بولیں۔

"میں نے اس پر شبہ تو نہیں ظاہر کیا تھا بلکہ جو حقیقت تھی وہی بتائی تھی کہ میری بہو نے جانے سے پہلے اسے فون کیا تھا۔ بہر حال کیا وہ ابھی بھی آپ کی حراست میں ہے۔"

"جی نہیں ان کے لیے اگلے دن ہی ڈی سی صاحب کا فون آ گیا تھا۔" جنید خان نے بتایا تو وہ ب سے بولیں۔

"اچھا اتنی سورس ہے اس کی کیا کرتا ہے۔"

"پتہ نہیں جی میں نے زیادہ انکوائری نہیں کی تھی۔ اگر آپ باقاعدہ رپورٹ....."

"نہیں نہیں خان صاحب! ابھی آپ اس معاملے کو یہیں روک دیں۔ میں اس ہفتے لندن جا ہی ہوں، جب واپس آؤں گی تب دیکھیں گے۔" بیگم آفندی نے منع کرتے ہوئے کہا تو وہ ندھے اچکا کر بولا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"میرا بیٹا وہیں مدفون ہے۔" بیگم آفندی خود ہی بتانے لگیں۔ "جب اس کی یاد بہت ستاتی ہے تو ں وہیں چلی جاتی ہوں۔ ادھر جب سے اس کی بیوی لاپتہ ہوئی ہے، وہ ہر روز میرے خواب میں تا ہے۔ بہت محبت کرتا تھا وہ اس سے پتہ نہیں کہاں چلی گئی۔ میں شیری سے کیا کہوں گی۔" ان کی واز بھرا گئی تھی۔

"حوصلہ رکھیں بیگم صاحبہ! آپ تو ماشاءاللہ بہت باہمت خاتون ہیں۔" جنید خان یہی کہہ سکا۔

بیگم آفندی کچھ دیر خاموش رہیں، یوں جیسے خود پر قابو پا رہی ہوں پھر اسے دیکھ کر بولیں۔

"ٹھیک ہے خان صاحب! میں پھر لندن سے واپسی پر آپ سے رابطہ کروں گی۔"

"جی بہتر۔" جنید خان اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔ "آپ کو اندازاً کتنے دن یں گے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔ جب شیری آنے دے گا تب ہی آؤں گی۔" انہوں نے کہا تو جنید خان کو ن کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔ کچھ بولا نہیں، البتہ ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل

گیا تھا۔

بیگم آفندی اس کے جاتے ہی سر جھٹک کر مسکرائیں پھر پہلے منیجر طاہر صاحب کو فون کر کے لندن کے لیے سیٹ کنفرم کروانے کو کہا، اس کے بعد شہباز کا موبائل نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

چند لمحوں بعد شہباز اپنے موبائل پر جیسے ان کا نمبر دیکھ کر بولا تھا۔

"یس میڈم!"

"کیا معلوم کیا تم نے اب تک؟" انہوں نے پوچھا تو شہباز ٹیپ کی طرح شروع ہو گیا تھا۔

"میں نے دونوں کے بارے میں معلوم کر لیا ہے میڈم! بڑی کا نام رابعہ ہے، بہت خوبصورت ہے وہ ایک اشتہاری کمپنی کے مالک توصیف عالم کے ساتھ زیادہ نظر آتی ہے اور اس کے اشتہارات میں کام بھی کرتی ہے۔ دوسری کا نام سوہنی ہے، کالج میں پڑھتی ہے۔ صبح آٹھ بجے اپنے محلے کی ایک لڑکی کے ساتھ کالج جاتی ہے اور دوپہر دو بجے اسی کے ساتھ واپس آتی ہے۔"

"ہوں۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں "ہوں" کی آواز نکالی پھر اسی انداز میں بولیں۔ "لیکن رابعہ کی تو شادی ہو گئی تھی اور اس کا شوہر غالباً ڈاکٹر تھا۔"

"میں نے اس کی پچھلی زندگی کا معلوم نہیں کیا میڈم! آپ کہیں تو......"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے فوراً ٹوک کر کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"رابعہ کو بھول جاؤ وہ بہت تیز لڑکی ہے۔ اس نے کہیں تمہیں دیکھا تو نہیں۔" انہوں نے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

"نہیں میڈم۔"

"ٹھیک ہے بہت محتاط رہنا۔ میں اسی ہفتے لندن جا رہی ہوں پھر وہاں سے تمہیں فون کروں گی، تب تم سوہنی کو لے جانا اور جتنے دن چاہے اپنے پاس رکھنا لیکن ایک بات یاد رکھو اس دوران ایک دن بھی ڈیوٹی سے غیر حاضر مت ہونا، سمجھے۔"

"جی۔"

"اب میں تمہیں لندن سے فون کروں گی۔" انہوں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور جو کچھ شہباز سے کہہ چکی تھیں، اسے سوچتے ہوئے دل ہی دل میں رابعہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

"مجھ سے دشمنی مول لینے کا نتیجہ اب تم بھگتو گی۔ بہت شوق ہے ناں تمہیں اخباروں میں اشتہار لگوانے کا تو اب اپنی بہن کا اشتہار لگوانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہونہہ نان سینس۔" وہ تنفر سے سر جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے کمرے میں آ کر ابھی انہوں نے لباس تبدیل کرنے کا ارادہ کیا تھا

کہ ملازمہ آ کر بولی۔

"بیگم صاحبہ! وہ رامش صاحب آئے ہیں۔"

"کیوں؟" ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے کیونکہ انہیں رامش کا فائقہ کے حق میں بولنا سخت ناگوار گزرتا تھا۔ شہریار کے بعد بس کچھ دن ہی انہوں نے اسے برداشت کیا تھا پھر یوں رویہ بدلا کہ اس نے خود ہی آنا چھوڑ دیا اور اب بھی وہ جانتی تھیں کہ وہ فائقہ ہی کا معلوم کرنے آیا ہو گا۔ اس لیے پہلے اسے ٹالنا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر ملازمہ سے اسے بٹھانے کا کہہ کر خود ڈریسنگ روم کا رخ کیا اور قصداً لباس تبدیل کرنے میں دیر لگائی پھر جب لاؤنج میں آئیں تو اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"کہاں چلے گئے ہو تم کبھی فون بھی نہیں کرتے۔"

رامش اٹھ کھڑا ہوا تھا بس انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"بیٹھو۔" انہوں نے بیٹھنے کے بعد اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کیسی ہیں ماما!" رامش نے قدرے رک کر پوچھا تو وہ گہری سانس کے ساتھ بولیں۔

"بس زندہ ہوں، زندگی تو شیری کے ساتھ تھی اب تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔"

"فائقہ کہاں چلی گئی؟" رامش نے اب بھی رک کر پوچھا۔

"کیا بتاؤں بیٹا! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لڑکی اچانک کہاں غائب ہو گئی۔ سارا شہر ڈھونڈ لیا، کہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔ اخباروں میں اشتہار بھی تم نے دیکھا ہو گا۔"

"جی۔"

"اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی۔" انہوں نے مایوسی سے کہا تو وہ تعجب سے بولا۔

"عجیب بات ہے وہ تو اچھی خاصی سمجھدار لڑکی تھی۔"

"ہاں اور میں نے اسے پابند بھی نہیں کیا تھا۔ آئی مین شیری کے بعد میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ جہاں اس کا دل چاہے رہے، یہاں یا اپنے ماں باپ کے پاس اور وہ اپنی مرضی سے میرے پاس رہ رہی تھی۔ اس پر اس کے ماں باپ کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا پھر اچانک پتہ نہیں اس نے کیا سوچ لیا تھا جو کسی کو کچھ بتائے بغیر چلی گئی۔ بیوقوف نے یہ بھی نہیں سوچا کہ شیری کے بعد میری زندگی میں ایک بس وہی ہے۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئیں پھر آزردگی میں گھر کر بولنے لگی تھیں۔

"شیری کا تو ہمیں پتہ تھا کہ وہ جانے والا ہے اور اس کی شادی میں نے کی ہی اس لیے تھی کہ اس کے بعد میں بالکل تنہا نہ رہ جاؤں لیکن شاید میرے مقدر میں تنہائی ہی لکھی تھی۔ کاش میں نے

شیری کو شادی کرنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو اس تنہائی کے لیے بھی پہلے سے تیار ہوتی اب تو وقت کا... نہیں، میں جا رہی ہوں شیری کے پاس۔"

"جی۔" رامش چونکا تھا۔

"ہاں میں اسی ہفتے لندن جا رہی ہوں۔" وہ یوں بولیں جیسے ان کا ہر شے سے جی اچاٹ ہو گیا ہو۔

"آپ مایوس نہ ہوں ماما! وہ آجائے گی۔" رامش نے تسلی دی تو وہ مایوسی سے بولیں۔

"کہاں سے آجائے گی؟"

"آپ دیکھیے گا جس طرح وہ اچانک گئی ہے اسی طرح کسی دن اچانک آجائے گی۔"

"اللہ کرے۔" انہوں نے گہری سانس کھینچی تھی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ "تم چائے پیو گے؟"

"ایک بات پوچھوں ماما! آپ برا تو نہیں مانیں گی۔" رامش نے چائے کا سنا ہی نہیں تھا۔

بیگم آفندی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"کیا فائقہ نے پیسے کی خاطر شیری سے شادی کی تھی۔" اس نے پوچھا تو وہ ایک لحظہ کو خاموش ہو گئی تھیں۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

"شیری نے۔ ایک بار اس نے کچھ سرسری ذکر کیا تھا اس وقت وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ شاید اسے بھی اسی روز معلوم ہوا تھا۔" رامش یاد کرتے ہوئے بول رہا تھا۔

"ہاں۔" بیگم آفندی نے ہاں کی صورت پھر گہری سانس کھینچی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"کچھ ایسا ہی معاملہ تھا، تم تو جانتے ہو شیری شادی پر آمادہ ہی نہیں تھا اور جب میرے بہت اصرار پر آمادہ ہوا تو اس شرط پر کہ پہلے سے اس کی بیماری کا بتا دیا جائے تو ایسی صورت میں کوئی بھی تیار نہیں ہوا پھر میں نے آخری کوشش کے طور پر فائقہ سے بات کی تھی کیونکہ شیری اسے پسند کرتا تھا اور میرا خیال تھا کہ فائقہ کے دل میں بھی اس کے لیے جگہ ہوگی اور ایسا تھا تو لیکن شیری کی بیماری کا سن کر اس نے بھی شادی سے صاف انکار کر دیا تھا پھر میری بہت منتوں کے بعد وہ بھاری رقم کے عوض آمادہ ہوئی تھی۔"

"حیرت ہے۔" رامش واقعی حیرت زدہ تھا۔

"یہ دنیا ہے بیٹا! یہاں لوگ مجبوریوں سے صرف فائدہ اٹھانا جانتے ہیں۔" وہ دکھ سے بولیں۔

"پھر ماما! آپ اس کے لیے پریشان کیوں ہیں؟"

"کیا کروں بیٹا! وہ شیری کی محبت ہے اور شیری کے بچے کی ماں! میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہو۔ اس لیے وہ جب تک اپنے گھر نہیں پہنچ جاتی۔ مجھے چین نہیں آئے گا۔" آخر میں ان کے دل کی بات کسی بھی صورت زبان پر آ گئی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے وہ خود سے کہیں گئی ہے یا...... میرا مطلب ہے یہ اغوا کا کیس بھی تو ہو سکتا ہے۔" رامش نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولیں۔

"نہیں اگر ایسا ہوتا تو کوئی فون وغیرہ آتا دو مہینے ہو گئے ہیں۔"

"دو مہینے۔"

"ہاں اس کے گھر والے الگ پریشان ہیں اور میں تو اب یہی دعا کرتی ہوں کہ وہ جہاں ہو خیریت سے ہو۔"

"اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" رامش کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا ماما! میں چلتا ہوں۔"

"اچھا۔ کبھی فون ہی کر لیا کرو۔" انہوں نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔

پھر جیسا کہ انہوں نے اسی ہفتے لندن جانے کا طے کر لیا تھا تو سیٹ کنفرم ہونے تک فیکٹری اور ماربل انڈسٹریز کے تمام ضروری کام جلدی جلدی نمٹانے لگیں۔ بقیہ معاملات اپنے منیجر طاہر صاحب کو سمجھا دیے اور پھر اپنے جانے سے کچھ دیر پہلے انہوں نے فائقہ کے ابو کو فون کیا تھا۔

"اعزاز صاحب! میں لندن جا رہی ہوں۔" انہوں نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"خیریت۔" ابو نے پوچھا تو وہ آزردگی سے بولیں۔

"بس شیری بہت یاد آتا ہے کچھ عرصہ اس کے قریب رہوں گی تو شاید صبر آجائے۔" ابو خاموش رہے تھے۔

"میں نے آپ کو اس لیے فون کیا ہے کہ اگر اس دوران فائقہ کی کوئی اطلاع ملے تو پلیز مجھے......"

"سوری بیگم صاحبہ! مجھے فائقہ کی طرف سے کسی اطلاع کی آرزو نہیں ہے۔" ابو نے ان کی بات پوری ہونے سے پہلے کہہ کر فون بند کر دیا تو انہوں نے تلملا کر ریسیور پٹخا تھا۔

☆☆☆

اماں پڑوس میں قرآن خوانی میں گئی ہوئی تھیں اور الیشہ کھانا پکانے میں مصروف تھی۔

اس نے تھپک تھپک کر زبردستی بچے کو سلا دیا پھر نہانے کے ارادے سے جلدی سے چارپائی کے نیچے سے اپنا بیگ کھینچ کر کپڑے نکالے تھے کہ ساتھ ایک تصویر ہاتھ میں آ گئی جسے دیکھتے ہوئے پھر اسے گرد و پیش کا ہوش نہیں رہا تھا۔ یہ اس کی اور شہریار کی تصویر تھی جس میں دونوں آنے والے وقت

سے بے نیاز ایک دوسرے کی قربت میں بے پناہ خوش تھے اور ان خوشیوں کو سوچتے ہوئے اس ک
آنکھیں دھندلا گئی تھیں پھر بھی اس نے پلکیں نہیں جھپکیں اور انگلی کی نرم پوروں سے اس کے ا
ایک نقش کو چھونے لگی۔

''شیری! کہاں چلے گئے تم اور دیکھو میں کہاں آ گئی۔ یہ سب تو نہیں سوچا تھا میں نے۔'' وہ
زبانِ خاموشی اس سے بولنے لگی تھی اور اسے احساس تک نہیں تھا کہ اس کی آنکھوں میں دھند کی جگہ
سیلاب اتر آیا تھا جس نے سارے بند توڑ ڈالے تھے۔

''اتنی دور کیوں بس گئے تم، کہیں آس پاس ہوتے تو میں ہر روز تمہاری تربت پر اپنی محبتوں کے
دیپ جلاتی۔ لوگ مجھے دیوانی کہتے، پتھر مارتے اور میں......'' اس کا دل درد سے پھٹنے لگا تھا اور حلق
سے گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز بھی نکلنے لگی تھی پھر بھی اسے احساس نہیں ہوا۔ چونکی اس وقت جب
عقب سے راحل نے جھک کر اس کے ہاتھوں پر سے تصویر اٹھالی تھی۔

''تم......'' وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔ ''تم کب آئے۔''

''ابھی۔'' راحل کی نظریں تصویر پر تھیں۔ ''یہ تمہارا شوہر ہے۔''

''ہاں۔'' وہ تصویر پر جھپٹنا چاہتی تھی لیکن راحل بالکل غیر محسوس طریقے سے ذرا سا رخ موڑ کر
دو قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''ویری ہینڈسم کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟''

''شیری۔ شہریار آفندی۔''

''شہریار آفندی۔'' اس نے دہرایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ ''روتی کیوں ہو، تمہارے آنسو
اسے واپس تو نہیں لے آئیں گے۔''

''اگر ایسا ممکن ہوتا تو میری آنکھیں سمندروں کو مات دے جاتیں۔'' اس نے کہہ کر پھر تصویر
لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس بار وہ تصویر اسے تھما کر بولا۔

''اسے چھپا رکھو۔ میرا مطلب ہے اماں کو مت دکھانا۔ ہر وقت یہ کہہ کر روتی رہیں گی کہ کیسا
سوہنا جوان مٹی میں جا سویا اور تم...... تم بھی مت روؤ۔''

وہ خاموشی سے نیچے بیٹھ گئی اور تصویر بیگ میں رکھ کر بیگ بند کیا لیکن پھر اسے بیٹھتے دیکھ کر
دوبارہ زپ کھول کر ایک چھوٹا البم نکال لیا اور اسے تھما کر بولی۔

''یہ دیکھو۔''

راحل البم کھولنے لگا تھا کہ الیشبہ کی آواز سن کر فوراً البم جیب میں رکھ لی اور اسے دیکھا تو وہ بھی
بیگ چارپائی کے نیچے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف پشت کر کے دوپٹے سے اپنا

اصاف کرنے لگی۔

''توبہ توبہ! کیسی گرمی ہے۔'' الیشبہ بولتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی پھر راحل کو دیکھ کر
ب سے پوچھنے لگی۔ ''بھائی آپ کب آئے ہو؟''

''ابھی اماں کہاں ہیں؟'' راحل نے مختصر جواب کے ساتھ پوچھا۔

''قرآن خوانی میں گئی ہیں۔''

''تو نہیں گئی؟''

''نہیں باجی اکیلی ہوتی ہے ناں اماں آ جائیں گی تو پھر میں مہندی میں جاؤں گی۔'' الیشبہ نے
باتو وہ پوچھنے لگا۔

''کس کی مہندی میں؟''

''شہناز کی باجی کو بھی لے جاؤں گی۔ چلو گی ناں باجی!'' الیشبہ نے اس سے پوچھا لیکن وہ فوراً
ل پڑا۔

''کوئی ضرورت نہیں اسے لے جانے کی۔''

''کیوں سارا وقت بیچاری گھر میں بیٹھی رہتی ہے اور کوئی اتنی دور تھوڑی جانا ہے۔'' الیشبہ نے
تجاج کرتے ہوئے کہا۔

''بات دور نزدیک کی نہیں ہے۔ تمہاری سہیلی ہے تم جاؤ تمہیں تو میں منع نہیں کر رہا۔'' اس نے
مجھاتے ہوئے کہا تو الیشبہ منہ پھلا کر بولی۔

''تو اسے کیوں منع کرتے ہو؟''

''بحث مت کیا کرو، پوچھ لو اس سے جانا ہے تو لے جانا۔'' وہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا تو الیشبہ خوش
گئی۔

''چلو گی ناں باجی۔''

''میں......نہیں۔'' وہ اس کی طرف پلٹ کر بولی۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہائے باجی! تمہاری تو آنکھیں لال سرخ ہو رہی ہیں۔'' الیشبہ اس کا چہرہ دیکھتے ہی تشویش
سے بولی۔

''کہا نا طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو بھائی سے دوا لے لو نا۔''

''لے لوں گی، تم ناراض نہیں ہونا میں پھر کسی دن تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''شادی میں چلنا، میں تمہیں اپنی بہت ساری سہیلیوں سے ملواؤں گی۔'' الیشبہ نے کہا تو وہ

محض اس کا دل رکھنے کی خاطر بولی۔

"اچھی بات ہے، اب تم بچے کے پاس بیٹھو، میں نہانے جا رہی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ اپنے کپڑے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

پھر اماں کے آتے ہی الیشبہ تیار ہو کر اپنی سہیلی کی مہندی میں چلی گئی تو وہ بچے کو لے کر اماں کے پاس آنگن میں آ بیٹھی۔ جہاں راحل پانی کا پائپ لیے آنگن میں چھڑکاؤ کرنے کے ساتھ ایک پرانا گیت بڑے بھونڈے انداز میں گا رہا تھا۔

آگ لگی تن من میں دل کو پڑا تھامنا
رام جانے کب ہو گا سیاں جی کا سامنا

وہ اس کے گانے پر بے ساختہ ذرا سا ہنسی تھی پھر اماں سے بولی۔

"اماں! اب اس کی شادی کر دیں۔"

"یہ مانے تب ناں میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی اس کے ساتھ کے چار چار بچوں کے باپ بن گئے ہیں اور یہ ابھی تک ایسے ہی پھر رہا ہے۔" اماں نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا کہتا ہے۔"

"کہتا ہے، پہلے الیشبہ کی کروں گا، نہیں تو میری بیوی سے ہر روز لڑے گی۔"

"کوئی نہیں وہ تو اتنی اچھی ہے۔ ادھر روٹھتی ہے ادھر مان جاتی ہے۔" اس نے بہت محبت سے الیشبہ کی تعریف کی۔

"ہاں بس، اس کی اپنی مرضی نہیں ہے۔ ایسے ہی بہانے کرتا ہے۔" اماں نے کہا پھر اس کی تھوڑی چھو کر بولیں۔ "تو بھی الیشبہ کے ساتھ چلی جاتی دل بہل جاتا۔"

"یہ کہاں بیٹھنے دیتا اماں!" اس نے بچے کا بہانہ کیا

"لو یہ میرے پاس رہ جاتا۔" اماں نے کہا تب ہی راحل پائپ لپیٹتے ہوئے آ گیا اور اماں سے پوچھنے لگا۔

"الیشبہ کب آئے گی؟"

"ابھی تو گئی ہے اور اتنی جلدی نہیں آئے گی۔ شہناز کی اماں کہہ رہی تھیں وہ خود ہی چھوڑ جائیں گی۔"

"چلو میری چھٹی ہوئی۔" وہ کہہ کر واپس پلٹ گیا تو اماں بھی نماز کے لیے اٹھ گئیں۔

اس نے بچے کو بستر پر لٹا دیا اور گہری سانس کھینچ کر مٹی کی سوندھی مہک اپنے اندر اتارنے لگی۔

تب ہی ہوائی جہاز کی آواز پر اس نے فوراً بچے کے سینے پر ہاتھ رکھا کہ کہیں وہ ڈر نہ جائے پھر جہاز

دیکھتے ہوئے کھو سی گئی۔

"پتہ ہے۔ رات میں نے خواب میں کیا دیکھا۔"

"کیا؟"

"تمہارا جہاز۔"

"میرا جہاز؟"

"ہاں جیسے تم بہت اونچا اڑانا چاہتی ہو، ستاروں کی کہکشاؤں میں سفر کرتا ہوا وہ جانے کس منزل کی جانب رواں تھا۔"

"پھر؟"

"پھر تم نے مجھے پکارا تھا۔"

"پھر؟"

"پھر میں کہاں تھا، شاید آسمان پر۔"

"پھر؟"

"میں نے تمہاری آواز سنی تھی اور تمہاری طرف دوڑا بھی تھا۔"

"پھر؟"

"پھر پتہ نہیں۔ شاید میری آنکھ کھل گئی تھی۔" وہ اس تک نہ پہنچ سکنے پر کس قدر دل گرفتہ لگ رہا تھا۔

اس کی نظریں آسمان پر بھٹکنے لگیں جو دھیرے دھیرے اپنا رنگ کھو رہا تھا۔ اس کا دل چاہا اتنی زور سے شیری کو پکارے کہ اس کی آواز آسمانوں پر گونجنے لگے اور وہ جہاں کہیں ہو ساری حدیں پھلانگتا ہوا چلا آئے۔

❁❁❁

"ایسے کیا سوچ رہی ہو؟" راحل نے اچانک اسے مخاطب کیا تو وہ اچھل پڑی پھر ایک نظر اسے دیکھ کر بچے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"سوری۔" وہ اس کے سامنے چارپائی پر آبیٹھا۔ "میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔"

"تم کلینک نہیں گئے؟" وہ اس کی بات ان سنی کرگئی۔

"آج اتوار ہے جمعہ کی دوپہر اور اتوار کی شام میری چھٹی ہوتی ہے۔" وہ بتا کر چارپائی پر قدرے نیم دراز ہوگیا اور کچھ دیر بچے کو دیکھنے کے بعد بولا۔

"یہ بالکل اپنے باپ کی طرح ہے۔"

"تم نے البم دیکھ لیا؟" وہ سمجھ گئی کہ شہریار کی تصویریں دیکھ کر ہی وہ بچے کو اس سے ملا رہا ہے۔

"ہاں، وہ بہت خوبصورت تھا جب ہی اتنی جلدی چلا گیا۔" اس نے کہا پھر سیدھا ہو کر پوچھنے لگا۔

"اس کے اور بہن بھائی بھی ہیں؟"

"نہیں وہ ایک ہی تھا، بلکہ نہیں اور بہن بھائی بھی ہیں۔ جنہیں میں نے کیا اس نے بھی نہیں دیکھا تھا۔" اس نے کہا تو وہ تعجب سے بولا۔

"کیا مطلب، اس نے اپنے بہن بھائیوں کو نہیں دیکھا؟"

"وہ اصل میں اس کے سوتیلے بہن بھائی ہیں۔"

"اوہ! تو اس کے باپ نے دو شادیاں کی تھیں۔"

"ہاں مجھے بہت بعد ہی پتہ چلا اس وقت شیری اپنے بہن بھائی کے لیے بہت پریشان تھا اور [illegible]ہتا تھا کسی طرح انہیں گھر لے آئے لیکن وہ لوگ پتہ نہیں کہاں ہیں اور اچھا ہوا شیری ان سے نہیں [illegible]۔ بہت دکھ ہوتا اسے۔" وہ حیرت انگیز طور پر ایک اجنبی سے وہ ساری باتیں کر رہی تھی جو اپنوں [illegible]سے نہیں کرسکتی تھی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بہن بھائی اس سے نفرت کرتے ہیں۔" اس نے کہا تو وہ [illegible]پوچھنے لگا۔

"تمہیں کیسے پتہ، جب تم ان سے ملی ہی نہیں۔"

"میں نے کئی بار اسفندیار کا فون اٹینڈ کیا تھا اور ان کا زہریلا لہجہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔" اس [illegible]نے بتایا تو وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

"اسفندیار۔"

"وہی شیری کے سوتیلے بھائی! ان کا نام اسفندیار ہے۔ میں نے جب گھر چھوڑنے کا سوچا تو مجھے انہی کا خیال آیا تھا اور میں بڑی شدت سے ان کے فون کا انتظار کر رہی تھی کہ شاید وہ میری مدد [illegible]کریں لیکن وہ تو اس قدر متنفر تھے کہ میں بتا نہیں سکتی اور شیری ان کے لیے رو رہا تھا۔ اف مجھے شیری کا رونا ابھی بھی بہت رلاتا ہے۔" وہ ان لمحوں میں کھو کر بہت دکھ سے بول رہی تھی۔

"میں دعا کرتی ہوں کہ میرا کبھی اسفندیار سے سامنا نہ ہو۔ میں نے انہیں دیکھا نہیں، انہیں جانتی نہیں پھر بھی میں ان سے شدید نفرت کرتی ہوں اچھا ہوا اس روز ان کا تنفر فوراً ظاہر ہوگیا تھا ورنہ ان سے مدد مانگنے پر میں کبھی خود کو معاف نہیں کرتی۔" وہ سر جھٹک کر انگلیوں سے پلکوں پر اتری نمی صاف کرنے لگی۔

"تم روتی بہت ہو۔" اس نے ٹوکا تو وہ دکھ سے بولی۔

"کیا کروں اب آنسوؤں پر میرا اختیار نہیں رہا۔ ایک صرف شیری کا دکھ نہیں ہے میں سارے اپنوں کو چھوڑ کر آئی ہوں اور پتہ نہیں کبھی......" وہ اچانک ایک خیال کے تحت خاموش ہوگئی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"سنو میں اپنے گھر فون تو کرسکتی ہوں ناں۔"

"کیوں نہیں جب چاہو۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"ابھی...... مجھے ابھی فون کروادو۔"

"ابھی۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"میں چادر اوڑھ لوں گی، چہرہ بھی چھپا لوں گی کوئی نہیں دیکھ سکے گا مجھے۔" وہ جو سمجھی، اسی حساب سے اس کی منت کرنے لگی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔" وہ کچھ شش و پنج میں تھا۔

"لیکن۔" اس کی سوالیہ نظروں میں بڑی آس تھی۔ وہ دیکھ کر نظریں چرا گیا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"اماں نماز پڑھ لیں پھر چلتے ہیں۔"

"تھینک یو۔" وہ ممنون ہو کر پوچھنے لگی۔ "کہاں؟ پی سی او چلیں گے۔"

"نہیں میرے کلینک میں فون ہے اور سنو اماں سے کچھ اور کہنا۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"ہاں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں دوا لوں گی۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو وہ بچے کو اٹھا کر اندر اماں کے پاس آ گئی۔

اماں نماز کے بعد تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔

"اماں۔" وہ بچے کو چارپائی پر لٹا کر پوچھنے لگی۔ "میں راحل کے ساتھ دوا لینے چلی جاؤں۔"

اماں کچھ بولیں نہیں لیکن یوں دیکھنے لگیں جیسے پوچھ رہی ہوں، کیا ہوا ہے تمہیں؟

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بخار بھی ہو رہا ہے۔" اس نے سمجھ کر بتایا اور ان کے اثبات میں سر ہلانے پر جلدی سے چادر اٹھا کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

اور جب راحل کے ساتھ اس کے کلینک میں داخل ہوئی تو متضاد کیفیات میں گھری ہوئی تھی کچھ خوشی، کچھ خوف اور بے تابی بھی تھی۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔" وہ غالباً اس کی کیفیات بھانپ گیا تھا۔

وہ بیٹھ گئی تب اس سے نمبر پوچھ کر ڈائل کرنے لگا پھر ریسیور اسے تھما کر بولا۔

"لو بیل جا رہی ہے۔"

اس نے ریسیور کان سے لگایا تو اس کا سارا دھیان اپنے گھر کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ یوں جیسے ایک ایک کو دیکھ رہی ہو۔ برآمدے میں امی بیٹھی ہیں، ابھی کمرے سے نکل کر رابعہ یا سوہنی آئے گی اور ریسیور اٹھا کر ہیلو کہے گی، اس خیال سے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"ہیلو۔" ادھر سے عثمان کی آواز آئی تھی اور وہ بے قابو ہو گئی۔

"عثمان...... عثمان! یہ میں ہوں، تمہاری آپی کیسے ہو امی، ابو۔"

اور ادھر عثمان چلانے لگا تھا۔

"امی...... امی...... آپی کا فون ہے۔ امی، ابو جلدی آئیں آپی کا فون ہے۔" اسے لگا جیسے سب بھاگے آ رہے ہوں۔ بھگدڑ اس کے اپنے اندر تھی اور اسے ادھر محسوس ہو رہی تھی۔ جب ہی بے تابی بڑھ گئی کہ پہلے ریسیور کون چھینتا ہے۔ امی رابعہ یا...... اور اچانک ابو کی ٹھہری ہوئی آواز آئی تھی۔

"کون؟"

"ابو۔" اس کے آنسو بے اختیار چھلک گئے۔ "ابو میں ہوں فائقہ!"

"کون فائقہ؟" کوئی غصہ نہیں کوئی ناراضی نہیں اجنبی سا انداز تھا۔

"ابو! میں میں آپ کی بیٹی فائقہ۔"

"فائقہ ہمارے لیے مر گئی۔" ابو نے کہہ کر کھٹاک سے فون بند کر دیا تو ایک لمحہ کو جیسے اس کا دل بند ہو گیا تھا لیکن دوسرے پل کریڈل پر ہاتھ مار کر تڑپ تڑپ کر پکارنے لگی۔

"ابو ابو! میری بات سنیں ابو پلیز۔"

راحل جو بہت خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے آہستگی سے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگایا پھر کریڈل پر رکھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اوہو۔" وہ اس کے رونے سے کچھ جھنجلا گیا۔ "رو مت مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔"

اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ مزید ٹیبل پر سر رکھ کر سسکنے لگی تو وہ کچھ دیر اپنے آپ جھنجلاتا رہا پھر زور سے ٹیبل پر ہاتھ مار کر غصے سے بولا۔

"بس چپ ہو جاؤ۔"

اس کی سسکیاں یکدم تھم گئیں پھر ڈرتے ڈرتے سر اونچا کر کے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

"آئندہ اگر رونے دھونے والا کام ہو تو مجھ سے مت کہنا، بہت برا لگتا ہے مجھے اور یہ تم عورتوں کی کیا عادت ہوتی ہے، ذرا ذرا سی بات پر آنسو بہانا۔" وہ ڈانٹ کر بول رہا تھا۔

"مجھ سے ایسے بات نہیں کرو۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں ایسے ہی بولتا ہوں۔ خیر تم بتاؤ کیا کہا تمہارے گھر والوں نے؟"

"کچھ نہیں۔" اس کی آنکھیں پھر لبریز ہو گئیں تو جلدی سے سر جھکا لیا۔

"کچھ نہیں پھر تم رو کیوں رہی ہو۔" اس نے تعجب سے پوچھا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا لیکن پھر خود ہی سمجھ کر کہنے لگا۔ "اچھا تم انہیں بتائے بغیر جو چلی آئیں ناراض ہوں گے وہ۔ تم سے ہونا بھی چاہیے ان کی جگہ اگر میں ہوتا تو......"

"بس خاموش ہو جاؤ۔" اس نے ٹوکا تو کندھے اچکا کر چند لمحہ کو خاموش ہوا پھر پوچھنے لگا۔

"اب کیا پروگرام ہے آئی مین کسی اور کو فون کرنا ہے۔ چاچے مامے وغیرہ کو۔"

"نہیں۔" اس نے منع کیا تھا کہ عظام کا خیال آنے پر فوراً بولی۔ "ہاں ایک اور نمبر ملا دو۔"

"بتاؤ۔" وہ ریسیور اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تو وہ خود ہی نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولی۔

"تم ہی بات کرو۔ میرا مطلب ہے جو کوئی بھی ہو اس سے کہنا عظام کو بلا دیں پھر میں ان سے بات کروں گی۔"

"اب رونا مت۔" اس نے پہلے ہی وارننگ دی پھر دوسری طرف کی آواز سن کر بولا۔

"السلام علیکم۔"

"جی عظام۔" رک کر اسے دیکھا اور اس کے اثبات میں سر ہلانے پر بولا۔ "عظام صاحب ہیں۔"

"ہیں۔" اس نے بے تابی سے پوچھا تو ریسیور اسے تھما کر بولا۔

"آرہے ہیں اور دیکھو اب، خود پر قابو رکھنا رو دو گی تو یہیں بند کر کے چلا جاؤں گا۔"

"ایک تو تم مجھے کنفیوز کر رہے ہو۔" اس نے چڑ کر کہا۔ تب ہی ساعتوں سے عظام کی آواز ٹکرائی تو فوراً سنبھل کر بولی۔

"السلام علیکم۔"

"کون فائقہ۔" اب ادھر بے تابی تھی۔

"جی۔" اس کا دل ڈوبنے لگا تھا کہ کہیں اب بھی فون بند نہ ہو جائے۔

"بیوقوف لڑکی! کہاں ہو تم جہاں بھی ہو فوراً واپس آؤ تم سوچ نہیں سکتیں یہاں سب کتنے پریشان ہیں۔ ہیلو فائقہ! سن رہی ہو نا۔" عظام کا جیسے بس نہیں چل رہا تھا سامنے آ کر اسے جھنجھوڑ ڈالیں۔

"جی عظام بھائی! آپ کیسے ہیں؟" وہ ان کی باقی باتیں یکسر ان سنی کر گئی۔

"بس ایک مر جانا اختیار میں نہیں ہے۔ بتاؤ کہاں ہو تم، میں خود تمہیں لینے آ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ عاجزی سے بولی۔

"نہیں عظام بھائی! میں نہیں آ سکتی۔"

"کیوں کیوں؟" خاصا جارحانہ انداز تھا۔

"بس اس بات کو جانے دیں اور اطمینان رکھیں۔ میں جہاں بھی ہوں ٹھیک ہوں اپنے بچے کے ساتھ محفوظ ہوں۔" اس نے طریقے سے بچے کا بتایا۔

"بچہ......"

"جی میں اپنے بیٹے کے ساتھ گر خوش نہیں تو ناخوش بھی نہیں ہوں۔" اس نے کہا تو وہ افسوس سے بولے۔

"تم واقعی بہت ظالم ہو۔"

"میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔"

"اپنے ساتھ تو کر رہی ہو۔"

"بس جانے دیں، یہ بتائیں گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟" اس نے بات بدلی تو ادھر وہ گہری

سانس کھینچ کر بولے۔

"ٹھیک ہیں۔"

"میں نے ابھی گھر فون کیا تھا لیکن۔" وہ خاموش ہو گئی پھر احساس کر کے بولی۔ "اچھا عظام بھائی! میں پھر فون کروں گی۔"

"سنو اپنا پتہ نہیں بتاؤ گی۔" انہوں نے فوراً پکار کر پوچھا۔

"نہیں خدا حافظ۔" اس نے فون رکھ کر راحل کو دیکھا تو وہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اپنی ساس کو بھی کر لو، پوتے کی خوشخبری سنا دو۔"

وہ کچھ نہیں بولی، منہ پھیر کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"کیا ضرورت تھی تمہیں زور زور سے چلانے کی۔ آپی کا فون ہے، آرام سے نہیں سن سکتے تھے، دیکھ بھی رہے تھے۔ امی ابو کی ناراضی پھر بھی انہیں پکارنے کھڑے ہو گئے، انتہائی احمق ہو تم۔" رابعہ اس وقت سے عثمان کو ڈانٹے جا رہی تھی۔

"میں کیا کرتا میں تو خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔" عثمان نے کہا تو وہ اور چڑ کر بولی۔

"تو چلانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ بھی اسی طرح چلاتیں۔"

"میں تمہاری طرح احمق نہیں ہوں، بالکل ہی عقل سے پیدل ہو تم۔ اب بتاؤ کہاں رابطہ کریں اس سے۔" وہ عثمان کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"کہیں نہیں، وہ پھر فون کریں گی۔" عثمان کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

"ہونہہ پھر فون کرے گی۔" اس نے سر جھٹک کر سوہنی کو دیکھا تو مزید تپ گئی۔ "تم کیوں رو رہی ہو۔"

"مجھے آپی بہت یاد آتی ہیں۔" سوہنی منمنائی تھی۔

"امی ابو کی طرح تم بھی اس پر فاتحہ پڑھ لو، صبر آ جائے گا۔"

"باجی! خدا کے لیے ایسی بات مت کیا کریں۔" سوہنی نے احتجاج کیا تو وہ سر جھٹک کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔

سوہنی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پکار کر پوچھنے لگی۔

"باجی! آپ کیا سوچ رہی ہیں۔"

وہ رک کر سوہنی کو دیکھنے لگی بولی یوں نہیں کہ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔

"باجی!" سوہنی نے پھر پکارا تب وہ چونکی پھر اس کے قریب بیٹھ کر دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

"سنو فائقہ نے عظام بھائی کو بھی ضرور فون کیا ہوگا۔ جاؤ ٹیلی فون سیٹ اٹھا لاؤ، ابھی عظام بھائی کو فون کر لیتے ہیں۔ شاید انہیں اپنا اتا پتہ بتایا ہو اس نے۔"

"ہاں۔" سوہنی پہلے خوش ہوئی پھر بسور کر بولی۔ "میں نہیں جا رہی، امی ابو جاگ رہے ہیں، معلوم کر لیں گے عظام بھائی سے۔"

"میں صبح تک انتظار نہیں کر سکتی۔" رابعہ خود ہی اٹھ کر چلی گئی اور فوراً ٹیلی فون سیٹ لے کر واپس آئی تو سوہنی نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"باجی! عظام بھائی سو گئے ہوں گے۔"

"کوئی اتنی رات نہیں ہوئی۔" رابعہ بے نیازی سے کہہ کر نمبر ڈائل کرنے لگی پھر انتظار کرتے ہوئے اس کی نظریں سوہنی پر جا ٹھہریں جس کا دل اس کے چہرے پر دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"ہیلو۔" عظام نے ہی فون اٹھایا تھا۔

"سوری عظام بھائی! میں نے اس وقت آپ کو ڈسٹرب کیا۔" رابعہ نے ان کی آواز سنتے ہی کہا تو وہ پوچھنے لگے۔

"خیریت ہے۔"

"جی مجھے فائقہ کا معلوم کرنا تھا۔ اس کا فون آیا تھا آپ کے پاس؟" اس نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

"ہاں شکر ہے خیریت سے ہے۔" عظام نے کہا تو وہ بے صبری سے پوچھنے لگی۔

"کہاں...... کہاں ہے وہ کچھ بتایا اس نے؟"

"نہیں کہہ رہی تھی۔ آپ اطمینان رکھیں میں اپنے بیٹے کے ساتھ خیریت سے ہوں۔" عظام نے بتایا تو وہ بے اختیار چیخی۔

"بیٹا۔"

"ہاں، تمہاری اس سے بات نہیں ہوئی۔ میرا مطلب ہے اس نے وہاں بھی تو فون کیا تھا۔" عظام نے کہا تو وہ سلگ کر بولی۔

"جی کیا تھا لیکن ابو نے غصے سے بند کر دیا تھا۔ خیر چھوڑیں آپ بتائیں اس نے اور کیا کہا۔"

"زیادہ بات نہیں کی، البتہ پھر فون کرنے کو کہا ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ مایوسی سے کہنے لگی۔

"یہاں تو نہیں کرے گی۔ ایسا کریں عظام بھائی! آپ میرا موبائل نمبر لکھ لیں اور جب بھی اس کا فون آئے تو اس سے کہیے گا مجھ سے اس نمبر پر بات کرلے۔"

"اچھی بات ہے اور سب خیریت ہے؟" عظام نے نمبر لکھنے کے بعد پوچھا۔

"جی۔ آپ فرصت ملے تو امی کے پاس آئیے گا اور انہیں سمجھائیے گا بھی کہ اس طرح ناراض ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ آ جائے تب بے شک اسے سخت سست کہہ لیں۔" اس نے کہا اور ان کے خاموش رہنے پر الوداعی کلمات کہہ رہی تھی کہ امی آ گئیں جنہیں دیکھتے ہی اس نے فون رکھ دیا اور قصداً انجان سی بن کر ٹیلی فون سیٹ سوہنی کو تھما کر بولی۔

"جاؤ یہ رکھ آؤ۔"

"اس وقت کسے فون کیا جا رہا تھا؟" امی نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو اس نے پہلے خاموش رہنے کا سوچا۔ پھر اچانک خیال آنے پر بولی۔

"مبارک ہو، آپ کا نواسہ ہوا ہے۔"

"نواسہ!" امی فوراً سمجھیں نہیں جبکہ سوہنی اچھل پڑی۔

"آپی کا بیٹا ہوا ہے؟"

"ہاں۔" اس نے کھلتی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"کک...... کیسے معلوم ہوا تمہیں؟" امی بے اختیار ہو کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔ "تمہاری بات ہوئی ہے فائقہ سے۔"

"نہیں میں نے ابھی عظام بھائی کو فون کیا تھا، انہوں نے بتایا ہے اور انہیں فائقہ نے۔" اس نے بتایا تو امی بڑی آس سے پوچھنے لگیں۔

"اپنا ٹھکانا بھی بتایا ہے؟"

"نہیں۔ چلیں یہ اطمینان تو ہوا کہ وہ جہاں ہے خیریت سے ہے۔"

"کیسا اطمینان، پتہ نہیں کس حال میں ہے اور ایسے وقت میں کون اس کے پاس ہوگا، اکیلی سارے دکھ جھیل گئی۔" امی رونے لگی تھیں۔

"اوہو، روئیں تو نہیں۔" وہ امی کے گلے میں بازو ڈال کر انہیں تسلی دینے لگی۔ "اس نے اپنی خیریت کی اطلاع خود دی ہے۔ آپ اگر فون سن لیتیں تو آپ کو بھی اطمینان ہو جاتا۔"

"کیا کروں تمہارے ابو اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔" امی نے جس قدر بے بسی سے کہا وہ اسی قدر ہلکی ہو گئی کہ کم از کم امی فائقہ سے ناراض نہیں ہیں۔

"ابو کا غصہ بھی وقتی ہے۔"

"اس وقت اسے ہماری ضرورت تھی، پہلا بچہ ہے کیسے سنبھالے گی۔" امی کو نئی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

"سنبھال لے گی۔ آپ اب خوامخواہ کی فکر نہ پالیں۔ اور آہستہ آہستہ ابو کو بھی اس کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گی۔" رابعہ بہت طریقے سے ان کی ممتا کو جھنجھوڑنے لگی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔ اللہ اسے ہمیشہ اپنی امان میں رکھے۔" امی نے دہل کر کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

"اور اس کے بچے کو بھی۔"

☆☆☆

وہ اسے انجکشن لگا کر سیدھا ہوا تو اماں سے کہنے لگا۔

"اماں! اسے کھانے میں دلیہ دو اور بچے کو اس کے پاس سے اٹھاؤ۔ نہیں تو اسے بھی بخار چڑھ جائے گا۔"

اماں نے پہلے بچے کو اٹھایا پھر پوچھنے لگیں۔

"اس کا بخار کب اترے گا؟"

"اتر جائے گا۔ انجکشن لگا دیا ہے اور یہ دوا بھی رکھی ہے۔ دلیہ کھلانے کے بعد دینا۔ الیشبہ کہاں ہے۔ اس سے کہو دلیہ بنا دے۔" اس نے کہہ کر خود ہی اونچی آواز میں الیشبہ کو پکارا تو اس کا جواب برآمدے سے آیا تھا۔

"کیا ہے؟"

"ادھر آ۔" اس نے غصے سے کہا، تب وہ بھاگی آئی۔

"ہاں۔"

"کیا کر رہی ہو؟"

"کپڑے استری کر رہی ہوں۔ شہناز کی شادی میں جانا ہے۔" الیشبہ نے بتایا تو وہ ڈانٹ کر بولا۔

"ضروری نہیں شادی میں جانا۔ اس کا خیال نہیں ہے تجھے۔"

"کیوں نہیں؟" فائقہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "سارا دن تو بے چاری میری تیمارداری میں لگی رہی ہے۔ تم خوامخواہ اسے ڈانٹ رہے ہو۔"

"میں ڈانٹ نہیں رہا۔ دلیہ بنانے کو کہہ رہا ہوں۔ چل جا پہلے دلیہ بنا۔" وہ بیک وقت دونوں سے مخاطب تھا۔

"میں بنا لوں گی۔ الیشبہ! تم اپنی تیاری کرو۔" وہ کہتے ہوئے اٹھنے لگی کہ اماں نے روک دیا۔

"نہ بیٹی! تو لیٹ آرام سے دلیے میں کتنی دیر لگے گی۔"

"اماں آپ کو شادی میں جانا ہے؟"

"ہاں ہاں چلے جائیں گے۔ جا الیشبہ! پہلے دلیہ بنا دے پھر استری کر لینا۔ ابھی بہت وقت ہے۔ آرام سے چلیں گے۔" اماں نے الیشبہ کو پکار کر کہا پھر راحل سے بولیں۔ "تھوڑی دیر کو چلانا۔ محلے کی بات ہے۔"

"میری جگہ اسے لے جانا۔" راحل بچے کا کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو اماں کچھ دیر اپنے آپ بڑبڑاتی رہیں پھر بچے سے بولنے لگیں۔

"تو چلے گا۔ ہاں شادی میں چلے گا۔ دلہن دیکھے گا۔ تیری بھی دلہن آئے گی۔"

بچہ بھی غوں غاں کرنے لگا تو وہ بے ساختہ مسکرائی پھر اماں کو پکار کر پوچھنے لگی۔

"اماں! آپ بھی جائیں گی؟"

"ہاں بیٹی! پڑوس کی بات ہے۔ جلدی آ جاؤں گی۔" اماں نے اپنے تئیں اسے تسلی دی تو وہ فوراً سمجھ کر بولی۔

"میں نے اس لیے نہیں پوچھا۔ آپ آرام سے جایئے آیئے گا۔ میری فکر نہیں کریں۔"

"تیری طبیعت اچھی ہوتی تو تو بھی چلتی۔ چل اس کے کپڑے نکال دے اسے لے جاؤں گی اپنے ساتھ؟"

"لیکن اماں! یہ آپ کو تنگ کرے گا۔ بیٹھنے نہیں دے گا۔" اس نے کہا تو اماں بچے کو گدگداتے ہوئے بولیں۔

"نہیں! یہ بڑا نیک بچہ ہے۔ تنگ نہیں کرتا۔"

"باجی! دلیہ لے آؤں۔" الیشبہ نے پوچھا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"سوری! میری وجہ سے تمہیں۔"

"یہ باتیں مت کیا کرو۔"

الیشبہ فوراً ٹوک کر واپس چلی گئی اور کچھ ہی دیر میں دلیہ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ تو اس نے پہلے بیگ میں سے بچے کا سوٹ نکال کر اماں کو دیا پھر بیٹھ کر دلیہ کھانے لگی۔ گو کہ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا کچھ کھانے کو لیکن وہ مزید ان سب کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے جلدی جلدی دلیہ حلق سے اتار کر پھر ٹیبلٹس بھی اس کے ساتھ نگل کر لیٹ گئی کچھ دیر بعد اس پر غنودگی طاری ہونے لگی۔

اماں بچے کو تیار کر رہی تھیں۔ انہیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ شاید دوا کا اثر تھا جو وہ سوئی تو پھر کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ اور یہ اس کے لیے بہتر اور ضروری تھا کیونکہ کل سے ابو کی

ناراضی کو سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں اور کئی بار اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ واپس چلی جائے لیکن بچے کو دیکھ کر ہر بار دل کر اس نے اپنی سوچ کی نفی کی تھی۔

بہر حال اس وقت جب وہ گہری نیند لے کر اٹھی تو اس کا وجود یوں پسینے میں بھیگا ہوا تھا جیسے کسی نے پوری پانی کی بالٹی اس پر انڈیل دی ہو۔ کمرے میں حد درجہ گھٹن اور حبس تھا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح لیٹی کسی آواز کی منتظر رہی۔ لیکن ہر سو خاموشی تھی، تب اس نے اٹھ کر پہلے کپڑے بدلے پھر کمرے سے نکل کر آنگن میں آئی تو کچھ سکون ملا اور اس نے محسوس کیا کہ اس کا ذہن بھی کافی ہلکا ہو گیا ہے۔ یہ یقیناً دوا کا اثر تھا۔ وہ کتنی دیر بالکل سیدھی لیٹی آسمان پر جگمگاتے ستاروں کو دیکھتی رہی پھر اچانک خیال آیا کہ اماں اور الیشبہ تو شادی میں گئی ہوئی ہیں اور راحل کے کھانے کو پتہ نہیں کچھ ہے کہ نہیں۔ اس کے کلینک سے آنے کا وقت بھی ہو رہا تھا اور اس کے کھانے کا سوچ کر وہ اٹھی تھی کہ دروازے پر آواز سن کر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر دروازہ کھلنے پر راحل اندر آیا تب بھی وہ کچھ بے دھیانی میں اسی طرح کھڑی رہ گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" راحل نے قریب آ کر پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

"ہاں کافی بہتر ہے۔"

"اماں اور الیشبہ نہیں آئیں ابھی؟" اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔ ڈر لگ رہا تھا کیا؟"

"نہیں اندر بہت گھٹن ہے جب ہی میں یہاں چلی آئی۔ تمہارے لیے کھانا لاؤں۔" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں۔ تم بیٹھو مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔ شام میں جاتے ہوئے کھا کر گیا تھا۔" وہ دوسری چارپائی پر بیٹھ کر شوز اتارنے لگا تو وہ بھی بیٹھ گئی۔

"ابھی تم نے کچھ کھایا؟" وہ سیدھا ہو کر پوچھنے لگا۔

"نہیں اور نہ کھاؤں گی۔"

"لیکن دوا ضرور لے لینا۔" وہ کہہ کر سیدھا لیٹ گیا اور دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھتے ہوئے بولا۔

"بہت گرمی ہے۔ تم نے کہاں دیکھی ہو گی ایسی گرمی۔ کراچی میں تو سنا ہے بہت ہوائیں چلتی ہیں۔"

"ہاں لیکن گرمی بھی ہوتی ہے۔"

"اتنی شدید تو نہیں ہوتی ہو گی۔"

وہ خاموش رہی تو قدرے توقف سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سنو میں کل ملتان جاؤں گا۔ یہاں سے قریب ہی ہے۔ تمہیں کچھ منگوانا ہو تو بتاؤ۔"

"ایک شرط پر۔" اس نے کہا تو وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا؟"

"پیسے میں دوں گی۔"

"اچھا۔" وہ ذرا سا ہنس کر پوچھنے لگا۔ "کیا منگوانا ہے؟"

"بچے کے کچھ سوٹ اور کھلونے وغیرہ۔"

"لے آؤں گا۔" اس نے کہا تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"تم ملتان کس سلسلے میں جا رہے ہو؟"

"مجھے ایک تو کچھ میڈیسن لینی ہیں دوسرے اسفند یار سے بھی ملوں گا۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا لیکن وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔

"کون اسفند یار؟"

"میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ نشتر میڈیکل کالج میں، ابھی بھی وہیں ہوتا ہے، میرا مطلب نشتر ہاسپٹل میں اور جب سے تم نے شہریار کے بھائی کا بتایا ہے تو مجھے شبہ سا ہو رہا ہے کہ شاید وہی۔"

"تو کیا تم تصدیق کے لیے جا رہے ہو؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے اعتراف کیا تو وہ بول پڑی۔

"نہیں۔ تم اس سے نہیں ملو گے کوئی ضرورت نہیں اس سے ملنے کی۔"

"ضرورت ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "آخر پتہ تو چلے کہ وہ شہریار سے کیوں متنفر ہے۔ اور تم پریشان مت ہو۔ میں اسے تمہارے بارے میں نہیں بتاؤں گا پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ وہی ہو۔"

وہ اپنے آپ سے الجھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے توقف سے وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"دیکھو۔ تمہارا شوہر بھی اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب ہے جو بھی ان کے درمیان غلط فہمی ہو گی۔ اسے دور کرنا چاہتا ہو گا۔ اب وہ نہیں رہا تو اس کی یہ خواہش تمہیں پوری کرنی چاہیے۔ میں اس کے سامنے تمہارا ذکر نہیں کروں گا۔ اور اپنے طور پر اس کی ناراضی معلوم کر کے تمہیں بتاؤں گا۔ اس کے بعد جیسا تمہیں مناسب لگے۔ ویسا کرنا۔ ٹھیک؟"

وہ ابھی بھی خاموش رہی البتہ اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں اتر آئی تھیں۔

"کیا کہتی ہو تم جاؤں؟" راحل نے پوچھا۔

"ہاں لیکن۔" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"میں نے کہا ناں تمہارا ذکر نہیں ہوگا اور نہ ہی تمہاری مرضی کے بغیر۔" دروازے پر دستک سے وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے اگر تمہاری مرضی کے بغیر جانا ہوتا تو تمہیں بتاتا کیوں۔"

"اچھا جاؤ۔ دروازہ کھولو اماں آئی ہیں۔"

وہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو اس نے تیز قدموں سے جا کر جیسے ہی دروازہ کھولا۔ بچے کے رونے کی آواز پر وہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے ہی اماں قریب آئیں ان کی گود سے بچے کو لے کر سیدھی کمرے میں آ گئی۔

"یہ بھوکا نہیں ہے باجی۔" الیشبہ اس کے پیچھے آ گئی تھی۔ "میں نے اسے فیڈر پلایا تھا۔"

"پھر رو کیوں رہا ہے؟"

"گرمی لگ رہی ہو گی اسے اور نظر بھی لگی ہے۔ سب اسے دیکھ رہے تھے۔" الیشبہ نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"تمہیں نہیں دیکھا کسی نے؟"

"نہیں یہ جو ساتھ تھا۔" الیشبہ کہہ کر واپس پلٹ گئی تو اس نے جلدی سے بچے کے کپڑے اتار کر اسے ہلکا سا جھبلا پہنایا پھر آنگن میں لائی تب اس کا رونا بند ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ بڑی شدت سے راحل کی منتظر تھی جو صبح ناشتے کے بعد ملتان کے لیے نکلا تھا اور کہہ بھی گیا تھا بلکہ ملتان سے واپسی پر وہ سیدھا اپنے کلینک جائے گا، اس کے باوجود گیارہ بجے سے ہی گھڑی دیکھنے لگی تھی اور ذرا ذرا سی آہٹ پر چونک کر الیشبہ سے کہتی۔ "دیکھو شاید دروازے پر کوئی ہے۔"

"تمہارے کان بج رہے ہیں باجی۔" آخر الیشبہ نے ٹوک دیا تو وہ اپنی خجالت مٹانے کو اسے سمجھانے لگی۔

"سنو تم پڑھنے والی لڑکی ہو۔ اسکول بلکہ اب تو کالج جاؤ گی۔ اس لیے اپنی زبان ٹھیک کرو۔ بڑوں سے "تم تو" کر کے بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"اب تو عادت ہو گئی ہے باجی!" الیشبہ نے بے نیازی سے کہا۔

"عادت بدلی بھی جا سکتی ہے۔ کوشش کرو ورنہ مجھے ہر بات میں تمہیں ٹوکنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے تم ٹوک دینا۔"

"تم نہیں آپ۔" اس نے فوراً ٹوکا تو الیشبہ ہنس کر بولی۔

"آپ ٹوک دینا۔"

"اوہوں آپ ٹوک دیجیے گا۔" اس نے پھر تصحیح کی۔

"آپ ٹوک دیجیے گا۔" الیشبہ نے دہرایا پھر اماں کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "اماں! آپ کھانا کھائیے گا۔ لے آؤں؟"

"نہیں راحل کو آنے دے۔" اماں نے کہا تو الیشبہ پھر اسی طرح بولی۔

"بھائی پتہ نہیں کب آئے گا۔" پھر اسے دیکھ کر فوراً احساس کر کے تصحیح کی۔ "سوری! بھائی پتہ نہیں کب آئیں گے؟"

"دو بج رہے ہیں۔" وہ بے دھیانی میں بولی تو الیشبہ ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں شاید بھوک لگی ہے۔ اماں! میں کھانا لا رہی ہوں مجھ سے نہیں ہوتا بھائی کا انتظار۔"

"چل تو باجی کے ساتھ کھا لے۔" اماں نے کہا تو اس کے منع کرنے کے باوجود الیشبہ فوراً جا کر کھانا لے آئی اور ٹرے اس کے سامنے رکھ کر خود بھی بیٹھی تھی کہ راحل آ گیا۔

"میں دیر سے آیا ہوں یا تجھے جلدی بھوک لگ گئی ہے؟"

"آپ دیر سے آئے ہو۔ نہیں آپ دیر سے آئے ہیں۔" الیشبہ خود ہی تصحیح کر کے ہنسنے لگی تو وہ آگے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا چل اٹھ کھانا لے کر آ۔"

"یہ ہے ناں۔ آپ بیٹھو میں اور سالن لاتی ہوں۔ اماں! آپ بھی چارپائی آگے کھینچ لو۔" الیشبہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی تو وہ بیٹھ گیا اور اس کی سوالیہ نظروں میں دیکھ کر قصداً ذرا سا مسکرایا پھر فوراً کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ملتان سے ہو آئے؟" اماں نے پوچھا۔

"ہاں۔" پھر اسے دیکھ کر بولا۔ "تمہاری چیزیں لے آیا ہوں، میرے کمرے میں رکھی ہیں لے لینا۔"

"اور میرے لیے کیا لائے ہو؟" الیشبہ ہنستے ہوئے آئی تھی جب ہی فوراً پوچھا۔

"اس نے تو پیسے دیئے تھے۔" اس نے کہا تو الیشبہ چیخ کر بولی۔

"مجھ سے بھی لے لیتے۔"

"تیرے پاس کہاں سے آئے۔" وہ رعب سے پوچھنے لگا۔

"میں اپنے جمع کرتی ہوں۔"

"کتنے ہیں؟"

"کیوں بتاؤں؟"

کھانے کے ساتھ ساتھ دونوں بہن بھائی مسلسل بولے جا رہے تھے۔ جبکہ اس کا ذہن اسفند یار میں الجھا ہوا تھا اور وہ یہ جاننے کو بے چین تھی کہ وہ جس اسفند یار سے مل کر آیا ہے شہر یار کا بھائی ہے یا کوئی اور۔ اس بے چینی میں اس نے کھانا بھی جلدی ختم کر لیا اور اپنی چیزیں لینے کے بہانے اس کے کمرے میں آ گئی اور وہیں بیٹھ کر دونوں شاپرز میں سے سارا سامان نکال لیا۔ بچے کے سوٹوں اور کھلونوں کے علاوہ لیڈیز سوٹ بھی تھے۔ جنہیں اس نے بس سرسری دیکھا تھا اور اس کے آنے تک خود کو مصروف ظاہر کرنے کی خاطر بہت آہستہ آہستہ ایک ایک چیز اٹھا کر واپس شاپر میں ڈالنے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد راحل نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر پوچھا۔

"پسند آئیں چیزیں؟"

"ہاں سب اچھی ہیں۔" اس کے ہاتھوں میں تیزی آ گئی اور سب کچھ لپیٹ کر اسے دیکھا تو وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا ہوں تم بہت بے چین ہو رہی ہو۔"

"جب جانتے ہو تو پلیز جلدی بتا دو۔ وہ اسفند یار۔"

"شہر یار کا بھائی ہے۔" راحل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہ گئی پھر پوچھنے لگی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"جھوٹ بولنے سے مجھے کیا ملے گا۔" اس نے کہا تو وہ قصداً ان سنی کر گئی۔

"اور......اور کیا معلوم کیا تم نے؟"

"پوری داستان سنو گی تو دنگ رہ جاؤ گی۔ میرا خیال ہے، شہر یار سچائی جان گیا ہو گا جب ہی اسفند یار سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے کس نے بتایا ہو گا، میرا مطلب اس کی ماں خود سے تو اپنے کرتوت بتانے سے رہی۔"

وہ اس سے کہہ کر پھر جیسے اپنے آپ سے پوچھنے لگا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

"تم ماما کی بات کر رہے ہو۔ کیا کیا ہے انہوں نے؟"

"وہ بہت خطرناک عورت ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کسی کی جان بھی لے سکتی

ہے۔"

وہ کہہ کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا پھر مختصراً جیلان آفندی کی پہلی بیوی زینب اور اس کے بچوں کے ساتھ جو سلوک بیگم آفندی نے کیا تھا، کہہ سنایا جسے سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ جھرجھری سی لے کر بولی۔

"اُف ماما، ایسا بھی کر سکتی ہیں۔ اسی لیے شیری نے مجھ سے کہا تھا، ماما سے دور چلی جاؤ۔ ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ شیری یہ ساری باتیں جان گیا تھا۔"

"کیسے؟"

"پتہ نہیں ہو سکتا ہے اسفند یار نے......" وہ سوچتے ہوئے انداز میں بس اسی قدر کہہ سکی۔

"لیکن اسفند یار تو کہہ رہا تھا وہ کبھی اپنے بھائی سے نہیں ملا جس کا اسے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ اور ہاں وہ شہر یار سے متنفر نہیں ہے، اسے غصہ اس کی ماں پر ہے اور وہ اس سے اپنا حق بھی لینا چاہتا ہے۔ بتا رہا تھا کہ وہ بہت جلد اپنی والدہ اور بہن کو لے کر کراچی چلا جائے گا۔ اپنے گھر یعنی آفندی ہاؤس۔"

"آفندی ہاؤس۔" وہ بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں اور میں تو کہوں گا تم بھی اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اپنے حقوق کا دعویٰ کر دو۔" اس نے کہا تو وہ سختی سے بولی۔

"نہیں میرا کوئی حق نہیں۔"

"کیوں، تم شہر یار کی بیوی نہیں ہو۔ جو کچھ شہر یار کے حصے میں آئے گا۔ اس کے حقدار تم اور تمہارا بچہ ہے۔" اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے شہر یار کی باتیں دہرانے لگی۔

"نہیں میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گی۔ سب کچھ انہی کا ہے جو محرومیوں میں پروان چڑھے۔ مجھے جو کچھ شہر یار نے دیا تھا۔ وہ میرے اور میرے بچے کے لیے بہت ہے اور زیادہ کی مجھے ہوس نہیں۔"

"تمہاری مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے پھر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔ "کیا دیا شہر یار نے تمہیں۔"

"اس نے میرے مہر میں ایک بنگلہ اور پچاس لاکھ لکھے تھے جو اس نے اول روز ہی مجھے ادا کر دیئے تھے۔" وہ بتا کر کہنے لگی۔

"میں جب یہاں سے جاؤں گی تو بچے کے ساتھ اپنے گھر میں رہوں گی اور رقم بچے کی تعلیم اور

دوسری ضروریات کے لیے محفوظ رکھوں گی۔"

"تم تو اچھی خاصی امیر آدمی ہو۔" اس نے محظوظ انداز میں کہا۔

"ہاں اور جب ماما غریب ہو جائیں گی تو میں انہیں بھی اپنے پاس لے آؤں گی۔"

اس نے کہا تو وہ بے ساختہ زور سے ہنس کر بولا۔

"ارے تم تو بڑی فراخدل ہو۔ تھوڑی جگہ ہمیں بھی دے دینا۔"

"تھوڑی کیوں تم سارا بنگلہ لے لو۔" وہ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔ "تم نے اپنے گھر میں مجھے جگہ دے کر جو احسان کیا ہے۔ اس کے عوض۔"

"بس بس۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔ "زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھاؤ اپنی چیزیں اور نکلو یہاں سے میں اب سوؤں گا۔"

"اچھا سر۔" وہ شاپرز لے کر اٹھتی ہوئی بولی۔ "مجھے بچے کے لیے جھولا بھی چاہیے۔"

"لا دوں گا۔"

"لا دوں گا نہیں میں خود لاؤں گی۔" اس نے کہا اور اس کے تیور بگڑتے دیکھ کر فوراً اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

امی ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر سوہنی کا انتظار کر رہی تھیں کہ وہ آئے تو کھانا نکالیں لیکن اس سے پہلے عثمان نے آ کر کھانا کھانا چلانا شروع کر دیا۔

"صبر کرو۔ بہن کو بھی آنے دو۔" امی نے ٹوکا تو وہ بے صبری سے بولا۔

"آپ کے کھانا نکالنے تک آ جائے گی وہ۔"

"اچھا جاؤ کپڑے بدلو۔ میں کھانا نکالتی ہوں۔" امی یہ کہہ کر کچن میں جانے لگی تھیں کہ سوہنی کی دوست ثمینہ کو آتے دیکھ کر وہیں رک گئیں۔ وہ بری طرح حواس باختہ تھی۔

"سوہنی کہاں ہے؟"

"آنٹی وہ۔" ثمینہ اس قدر سے کہہ کر رونے لگی تو امی نے پریشان ہو کر پیچھے دیکھا جہاں عثمان کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟" عثمان فوراً امی کے پاس آ گیا۔

"پتہ نہیں یہ کیا کہہ رہی ہے۔ بتاؤ بیٹی؟" امی نے ثمینہ کا کندھا ہلایا تو وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"آنٹی وہ سوہنی کو ایک آدمی گاڑی میں ڈال کر لے گیا۔"

"کیا؟" امی گرنے لگی تھیں۔

"کک...کون آدمی؟" عثمان نے امی کو سہارا دیتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں ہم دونوں اسٹاپ پر کھڑی تھیں۔ ایک گاڑی اچانک آ کر رکی اور اس میں سے ایک آدمی نے نکل کر سوہنی کے منہ پر رومال رکھا اور اسے گاڑی میں ڈال کر تیزی سے چلا گیا۔" ثمینہ بہت ڈری ہوئی تھی رک رک کر بتا رہی تھی۔

"ہائے میری بچی!" امی عثمان کے بازوؤں میں جھول گئی تھیں۔

"امی! امی!" عثمان ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا تھا کہ اتنے بڑے بڑے صدمے تنہا سہار سکتا۔ چیخ چیخ کر امی کو پکارنے لگا تو ثمینہ رونا بھول گئی۔

"انہیں اندر لے چلو۔"

دونوں بمشکل امی کو برآمدے میں تخت پر لٹا سکے۔ پھر عثمان ڈاکٹر کو لینے بھاگا اور ثمینہ نے امی کے ہاتھ سہلانے کے ساتھ پھر رونا شروع کر دیا تھا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد عثمان ڈاکٹر کے ساتھ آیا اور اسے اصل صورتحال تو نہیں بتائی بس یہی کہا کہ کھڑے کھڑے گر گئی تھیں۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد انجکشن لگایا اور دوائیں بھی لکھ کر دیں اور اپنے پیشہ ورانہ انداز میں تسلی دیتا ہوا چلا گیا تب عثمان، ثمینہ کو یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو، اب کیا کریں؟

"انکل کو فون کرو اور رابعہ باجی کہاں ہیں؟" ثمینہ نے کہا تو وہ عاجزی سے بولا۔

"مجھے پہلے سوہنی کا بتاؤ۔ وہ آدمی کون تھا۔ کیا کبھی پہلے بھی کالج آتے جاتے تم نے اسے دیکھا تھا۔"

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا تو وہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر ٹیلی فون کے پاس جا کے ابو کے آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"سنو۔ انکل کو ابھی سوہنی کا نہیں بتانا۔" ثمینہ نے اسے پکار کر کہا تو وہ کریڈل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"انگیج ہے۔" پھر رابعہ کے موبائل نمبر پر ڈائل کرتے ہوئے اس کا ذہن سوہنی میں الجھا ہوا تھا جب ہی ادھر سے جیسے ہی رابعہ نے ہیلو کیا وہ بے اختیار بولا تھا۔

"باجی! وہ سوہنی۔"

"کون عثمان؟" رابعہ نے غالباً دھیان نہیں دیا تھا۔

"جی۔"

"ہاں کیا بات ہے؟" رابعہ نے پوچھا تو وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑا۔

"باجی! آپ جلدی گھر آجائیں۔"

"عثمان۔" رابعہ ٹھٹکی تھی۔ "کیا ہوا ہے عثمان۔ سب خیریت تو ہے ناں؟"

"بس آپ آجائیں۔"

"پہلے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" رابعہ چیخی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ میں اکیلا ہوں کچھ نہیں کر سکتا۔" عثمان نے کہہ کر فون بند کر دیا اور وہیں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپالیا تو ثمینہ اس کے پاس آکر رندھی آواز میں بولی۔

"عثمان بھائی! آپ روئیں نہیں۔" پھر رک کر پوچھنے لگی۔ "میں اپنی امی کو لے آؤں۔"

"نہیں۔" عثمان فوراً ہاتھ نیچے گرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "ابھی کسی کو سوہنی کا نہیں بتانا۔ اپنی امی کو بھی نہیں اور تم جاؤ اپنے گھر، تمہاری امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"ہاں لیکن۔ آپ اکیلے، آپ روئیں گے تو نہیں۔" ثمینہ جانا بھی چاہتی تھی اور اس کا خیال بھی تھا۔

"نہیں تم جاؤ۔ پھر اپنی امی سے کوئی بہانہ کر کے آجانا۔ جب تک باجی بھی آجائیں گی۔" عثمان نے کہا تو وہ جانے کیا سوچتے ہوئے اپنا بیگ اور کتابیں اٹھا کر چلی گئی۔

عثمان نے ایک بار پھر ابو کا نمبر ٹرائی کیا پھر آکر امی کے پاس بیٹھ گیا اور ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پکارنے لگا۔

"امی...... امی۔"

"امی اٹھیں امی۔"

امی نے ایک بار تکیے پر سر پٹخا پھر اسی بے ہوشی کے عالم میں پوچھنے لگی تھیں۔

"سوہنی! سوہنی آگئی سوہنی میری بچی۔"

عثمان مزید خائف ہو کر امی کے پاس سے اٹھ گیا۔ کہ اگر انہوں نے آنکھیں کھول کر سوہنی کا پوچھ لیا تو وہ کیا جواب دے گا۔ پھر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے بار بار گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا اور جیسے ہی رابعہ اندر داخل ہوئی وہ بھاگ کر اس سے لپٹ گیا۔

"باجی...... باجی! ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"کک...... کیا ہو رہا ہے؟" رابعہ نے اسے خود سے الگ کرنا چاہا لیکن وہ کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح اس میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"عثمان۔ عثمان!" رابعہ زبردستی اسے دھکیل کر چیخی۔ "پاگل ہو گئے ہو اندر چلو اور امی کہاں

ہیں۔"

"وہ......" عثمان نے برآمدے میں تخت کی طرف اشارہ کیا تو رابعہ نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا لیکن پھر ٹھٹک کر اس سے پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے امی کو؟"

"بے ہوش ہیں۔" عثمان نے اپنی آستین سے آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا تو وہ کیوں کا سوال روک کر بولی۔

"جاؤ پہلے ڈاکٹر کو لے آؤ۔"

"ڈاکٹر آیا تھا۔" عثمان نے کہا تو وہ خود پر قابو رکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"ڈاکٹر کو چھوڑیں۔ سوہنی کا پوچھیں اسے کوئی زبردستی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔" عثمان اچانک پھٹ پڑا تھا۔

"کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟" اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں۔ ثمینہ نے آکر بتایا ہے کہ وہ دونوں کالج سے نکل کر اسٹاپ پر کھڑی تھیں کہ ایک آدمی سوہنی کے منہ پر رومال رکھ کر اسے اپنے ساتھ لے گیا اور یہی سن کر امی بے ہوش ہوئی ہیں۔ اب نائیں میں اسے کہاں ڈھونڈنے جاؤں۔"

عثمان نے سوہنی کا بتا کر پوچھا اور وہ کیا کہتی۔ اس کا اپنا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"باجی! خدا کے لیے آپ تو اپنے آپ کو سنبھالیں۔" عثمان نے آگے آکر اس کے کندھے تھام کر جھنجھوڑا۔

تب وہ جیسے ہوش میں آگئی اور پہلے امی کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر ان کی سانسوں کی آمد و رفت دیکھتی رہی پھر ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے عثمان سے بولی۔

"جاؤ، ثمینہ کو بلا لاؤ۔"

"وہ آئے گی ابھی۔" عثمان نے کہا۔

"تم نے ابو کو فون کیا ہے؟"

"جی۔ دو تین بار ٹرائی کر چکا ہوں لیکن ان کا نمبر انگیج تھا۔"

"اچھا ہوا۔ انہیں ابھی مت بتانا۔ شام میں آئیں گے تو......" وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ

''باجی! ہم سوہنی کو کہاں ڈھونڈیں گے۔'' عثمان نے پوچھا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی، تب ثمینہ آگئی تو وہ عثمان کو امی کے پاس رکنے کا کہہ کر ثمینہ کو اپنے کمرے میں لے آئی اور اس پر سوالا کی بوچھاڑ کردی۔

''کون تھا؟ اس کا حلیہ؟ اس کی گاڑی؟''

''میں کچھ نہیں بتا سکتی باجی! یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ میں کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں سکی۔ اہا اس کی گاڑی سرخ رنگ کی تھی۔'' ثمینہ نے بتایا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

''لڑکا سا تھا یا بڑی عمر کا آدمی؟''

''لڑکا تو نہیں تھا۔ کافی لمبا چوڑا سیاہ چشمہ بھی لگایا ہوا تھا۔''

''ہوں۔'' وہ اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔

''باجی! میں جاؤں؟'' ثمینہ نے پوچھا تو وہ رک کر بولی۔

''ہاں لیکن دیکھو کسی کو بتانا مت۔''

''نہیں میں نے اپنی امی کو بھی نہیں بتایا۔''

''اچھا کیا ہے۔'' وہ ثمینہ کے ساتھ کمرے سے نکل کر آئی تو عثمان اسے دیکھتے ہی بولا۔

''باجی! میں جا رہا ہوں۔''

''کہاں؟''

''سوہنی کو ڈھونڈنے۔''

''کہاں ڈھونڈو گے اسے؟''

''ہر جگہ۔'' عثمان کہہ کر تیزی سے باہر بھاگا تھا۔ وہ پیچھے پکارتی رہ گئی پھر ثمینہ کو رخصت کر کے امی کے پاس بیٹھ گئی اور ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر پکارنے لگی۔

''امی......امی اٹھیں ناں۔''

''سوہنی آگئی؟'' امی غفلت میں بھی نہیں بھول رہی تھیں۔

''آ جائے گی۔ عثمان گیا ہے اسے لینے۔ آپ اٹھیں تو۔'' وہ خود بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا۔ امی کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے کیونکہ سمجھ رہی تھی کہ اس مقام پر وہ کتنی بے بس ہے۔

امی نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو وہ عاجزی سے بولی۔

''آپ ہمت سے کام لیں اور میری ہمت بندھائیں تب تو میں کچھ کر سکوں گی۔''

امی کی آنکھیں یک لخت آنسوؤں سے بھر گئیں تو وہ بھی ضبط نہیں کر سکی اور ان کے سینے پر سر رکھ

کر رو پڑی۔

''سوہنی!'' امی کو بس ایک ہی نام یاد رہ گیا تھا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ اپنے آپ کو سنبھالیں تب میں کچھ سوچ سکوں گی۔'' وہ ان کے سینے سے سر اٹھا کر بولی۔

''کیا سنبھالوں اللہ مجھے موت دیدے۔ ہائے پتہ نہیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ میری معصوم بچی! اللہ اس پر کوئی آنچ آنے سے پہلے مجھے اٹھا لے۔'' امی رو رو کر فریادیں کرنے لگی تھیں۔

''بس کریں امی! بس کریں۔'' اس نے روتے ہوئے التجا کی۔

''میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے۔ پتہ نہیں کون نامراد لے گیا اسے خدا کا قہر ٹوٹے اس پر ہائے میں تمہارے باپ کو کیا جواب دوں گی۔ وہ تو میری سات پشتیں نہیں بخشے گا۔ تم نے فون کیا باپ کو۔''

''نہیں۔'' وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔ ''ابو کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔''

''کیسے معلوم نہیں ہوگا وہ تو آتے ہی اس کا پوچھتے ہیں۔'' امی نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کہہ دیجئے گا۔ ماموں جی کے ہاں گئی ہے۔ عظام بھائی آئے تھے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔''

امی کچھ کہنے کے لیے منہ کھول کر رہ گئیں بولیں کچھ نہیں۔

''میں عظام بھائی کو فون کر رہی ہوں۔ انہیں بتا دیتی ہوں۔'' اس نے امی کو دیکھ کر کہا پھر فون کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

سوہنی ہوش میں آتے ہی چیخنے چلانے لگی تھی یہاں تک کہ اس کا حلق خشک ہو گیا اور بدن نڈھال پھر آنکھیں بند کر کے وہ نئے سرے سے اپنی توانائیاں مجتمع کر رہی تھی کہ دروازہ زوردار ٹھوکر سے کھول کر شہباز اندر آ گیا تو سوہنی نے فوراً آنکھیں کھول دیں لیکن اس لمبے چوڑے آدمی کو دیکھ کر مزید سہم گئی۔

''بس اتنی طاقت تھی۔'' شہباز خباثت سے مسکرایا۔ ''اور چیخو اور چلاؤ۔''

''مم......میں گھر جاؤں گی۔'' وہ بمشکل بول پائی۔

''گھر لے چلوں گا۔ گھر بھی لے چلوں گا پہلے اٹھو کچھ کھا پی لو۔''

وہ چلتا ہوا میز پر جا بیٹھا اور ٹیبل پر رکھے پیکٹ کھول کر کھانا نکالنے لگا تو وہ اٹھنے کی سعی کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ پلیز مجھے گھر چھوڑ آئیں۔''

''آپ۔'' وہ ہنسا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ''چلو اٹھو......کھانا گرم ہے۔''

"میں۔"

"نہ مت کرنا میں نہ سننے کا عادی نہیں ہوں۔" شہباز نے فوراً وارننگ کے انداز میں ٹوکا تو وہ رونے لگی۔

"ارے......" وہ دھاڑا تھا۔ "بس بہت ہو گیا رونا دھونا چلو ادھر آ کر بیٹھو۔"

وہ سہم کر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ پھر سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گئی۔

"شاباش اگر جلدی گھر جانا ہے تو میری کسی بات سے انکار مت کرنا کھالو۔"

شہباز نے کہہ کر پلیٹ اس کے سامنے رکھی تو وہ گھر جانے کے خیال سے جلدی جلدی کھانے لگی۔ بار بار نوالہ حلق میں اٹک رہا تھا جسے وہ پانی کا گھونٹ لے کر اندر اتارتی پھر کھانے لگتی۔ جبکہ وہ یوں کھانے میں مصروف تھی جیسے ایک بس یہی کام ہو۔

سوہنی نے اپنی پلیٹ صاف کر لی تب اسے دیکھ کر بولی۔

"چلیں؟"

"کہاں؟" وہ اپنے کسی خیال میں تھا جب ہی سمجھا نہیں۔

"گھر۔" سوہنی نے کہا تو وہ بے نیازی سے بولا۔

"جلدی کیا ہے؟"

"میری امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ معصومیت سے بولی تو وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا کچھ نہیں۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"بس زیادہ سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ٹوک کر کمرے سے نکل گیا۔ اور کچھ ہی دیر میں واپس آ کر بولا۔

"میں ابھی کام سے جا رہا ہوں شام تک آؤں گا۔"

"میں...... میں بھی چلوں گی۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"تم اب کہیں نہیں جاؤ گی۔ یہیں رہو گی میرے پاس میری گڑیا۔" وہ انتہائی چھچھورے انداز میں آگے آ کر اس کی ٹھوڑی چھونا چاہتا تھا کہ وہ پیچھے ہٹ گئی جس پر وہ قہقہہ لگا کر بولا تھا۔

"کہاں تک جاؤ گی؟"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

"سنو میں بہت ڈھیٹ اور بے غیرت ہوں۔ مجھ پر آنسو اثر نہیں کرتے اور نہ ہی گڑگڑا کر تم

مجھے رام کر سکتی ہو اس لیے یہ سب فضول ہے۔"

وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"میں جا رہا ہوں۔" وہ اونچی آواز میں بولا۔ "میرے آنے تک جتنا رو سکتی ہو رو لو۔"

"نہیں مجھے یہاں چھوڑ کر مت جاؤ خدا کے لیے۔"

اس نے فوراً ہاتھ جوڑے لیکن وہ یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کمرے سے نکل گیا اور اپنے پیچھے دروازہ کھینچ کر لاک لگایا تو وہ بھاگ کر دروازہ پیٹنے لگی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز کانوں میں پڑتے ہی اس کے ہاتھ جیسے بے جان ہو گئے تھے اور پیشانی دروازے سے جا لگی تھی۔

"اللہ میاں جی! میں کیا کروں۔ ابو تو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ تو آپی سے بھی ناراض ہیں۔ میری بھی اب شکل نہیں دیکھیں گے۔ میں کہاں جاؤں گی۔"

"اللہ کرے یہ آدمی مر جائے۔ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جائے اور وہ کبھی واپس یہاں نہ آ سکے۔ ہائے نہیں اگر وہ نہیں آیا تو میں یہاں سے نکلوں گی کیسے؟"

وہ رونے کے ساتھ مسلسل سوچے جا رہی تھی اور جب نکلنے کا خیال آیا تب آنسو پونچھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی کہ کوئی اور راستہ کوئی دروازہ کھڑکی لیکن کچھ بھی نہیں تھا بس چھت کے قریب ایک روشن دان تھا جسے دیکھتے ہوئے وہ بیڈ پر آ بیٹھی اور پھر اس تک پہنچنے کا سوچتے سوچتے اسے چکر آنے لگے تھے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تو اس نے تکیے پر سر رکھ لیا لیکن نظریں ابھی بھی روشندان پر تھیں جہاں سے تھوڑا سا آسمان نظر آ رہا تھا۔

"اللہ میاں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ کسی کو بھیج دیں۔ امی، ابو، باجی...... ہاں باجی آ سکتی ہیں۔ بہت بہادر ہیں کاش انہیں پتہ چل جائے کہ میں یہاں ہوں۔ باجی...... باجی آ جائیں۔" وہ پھر ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی اور یونہی سسکتے سسکتے سو گئی۔

پھر وہ خود سے نہیں اٹھی تھی۔ اس کے پیر کا انگوٹھا ہلایا گیا تھا۔ جس سے وہ ہڑبڑا کر اٹھی لیکن سامنے شہباز کو دیکھ کر دوبارہ تکیے میں منہ چھپا لیا تو وہ پھر اس کے پیر کا انگوٹھا زور سے دبا کر بولا۔

"اٹھ جاؤ گڑیا۔ رات ہو گئی۔"

"رات......!" اس نے بے حد پریشان ہو کر تکیہ ہٹا کر روشندان سے دیکھا جہاں آسمان کا رنگ بدل گیا تھا۔

"بہت سو لیا تم نے اب ہم رت جگا منائیں گے۔" وہ اسے دیکھتے ہی زرد پڑ گئی جو مکروہ ہنسی کے ساتھ اس کی معصومیت سے کھیلنے آ رہا تھا۔

☆☆☆

رابعہ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔

عظام اپنی جگہ خاموش اور جانے کن سوچوں میں گم تھے۔ ان کی پیشانی پر ابھری لکیر ان کے ذہنی انتشار کی علامت تھی۔

کتنی دیر بعد رابعہ نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر ڈرتے ڈرتے پکارا تھا۔

"عظام بھائی!"

"ہوں۔" ان کی آواز بند ہونٹوں کے اندر ہی ابھری تھی۔

"کچھ کہیں ناں؟" وہ جو ہر معاملے میں بہت تیز ہو کر بولتی تھی کہ میں یہ کر دوں گی وہ کر دوں گی اس مقام پر بالکل ہی ہمت ہارے بیٹھی تھی۔

عظام بس اسے دیکھ کر رہ گئے تو وہ عاجزی سے کہنے لگی۔

"خدا کے لیے عظام بھائی! بتائیں میں کیا کروں۔ کہاں ڈھونڈوں اسے وہ تو اتنی ڈرپوک ہے کہ ذرا سی اونچی آواز میں بولنے پر لرزنے لگتی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں اسے۔ وہ مر جائے گی۔"

"یہ سب تمہاری حماقتیں ہیں۔ منع کیا تھا، مت بیگم آفندی سے دشمنی مول لو لیکن تم بڑی طرم خان بنتی ہو۔ اب جاؤ لگواؤ اس کا بھی اشتہار۔ تھانے میں رپورٹ درج کراؤ۔" عظام ضبط کرتے کرتے بھی پھٹ پڑے تھے۔

"ضرور کراتی۔ اگر جو بیگم آفندی یہاں ہوتیں۔ خود تو وہ لندن جا بیٹھی ہیں۔" اس نے کہا تو عظام پوچھنے لگے۔

"تمہیں یقین ہے اس میں انہی کا ہاتھ ہے۔"

"کیوں آپ کو یقین نہیں ہے؟" اس نے الٹا تڑخ کر پوچھا اور ان کے سر جھٹکنے پر کہنے لگی۔

"ابھی آپ نے خود ہی تو کہا ہے کہ یہ ان سے دشمنی مول لینے کا نتیجہ ہے۔"

"چھوڑو یہ فضول بحث، مجھے تم نے دوہرے عذاب میں ڈال دیا ہے۔ اگر پھوپھا جان اسے لینے یہاں آ گئے تو میں کیا کہوں گا؟"

"کہہ دیجئے گا مر گئی۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"مر ہی جاتی تو اچھا تھا۔" وہ دکھ سے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ تم کہاں جاؤ گی؟"

"آفس۔ چلیں مجھے راستے میں اتار دیجئے گا۔" وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکلی اور عجلت میں مامی جی سے الوداعی کلمات کہہ کر باہر آ گئی اور جب عظام کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تب پوچھنے لگی۔

"آپ نے مامی جی کو بتا دیا ہے؟"

"نہیں۔ وہ پہلے ہی فائقہ کا صبح شام پوچھتی ہیں۔" انہوں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ خود تو جانے کہاں جا مری ہے۔ ساری مصیبتیں ہمارے لیے چھوڑ گئی ہے۔" وہ فائقہ کو برا بھلا کہنے لگی۔

"پھوپھو تو بہت پریشان ہوں گی؟" عظام نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"ظاہر ہے۔ کتنے گھنٹے تو بے ہوش رہی تھیں۔ پھر شام میں ابو کے سامنے خود کو نارمل پوز کرنا۔ آپ سوچ نہیں سکتے، اس وقت ان کی کیا حالت تھی۔ ادھر رات میں تو جانے کتنی مرتبہ مجھے آ کر اٹھایا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی ہے۔ دیکھو سوہنی آ گئی ہو گی۔ ابھی میں انہیں بہت تسلی دے کر آئی ہوں کہ۔"

وہ بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئی تو عظام نے گردن موڑ کر اسے دیکھا لیکن وہ دوسری سمت جانے کسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" عظام نے پوچھا تو وہ اچھل کر چیخی۔

"عظام بھائی وہ......وہ سرخ گاڑی......اس کے پیچھے چلیں۔"

"کون ہے اس میں؟" عظام نے سرخ گاڑی پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن شاید میں نے سے دیکھا ہے۔ ہاں ہاں دیکھا ہے۔" وہ بہت بے قراری سے اور جلدی جلدی بتانے لگی تھی۔

"ایک بار سی ویو پر میری شوٹنگ تھی، وہ وہاں نظر آیا تھا پھر ایک دن میں توصیف کے ساتھ گاڑی میں تھی تب وہ مجھے کچھ مشکوک لگا تھا اور میں نے توصیف سے کہا بھی تھا لیکن ہنس کر ٹال گیا۔ تمہارا فین ہو گا۔ وہ میرا فین نہیں ہے ضرور......"

"ریلیکس، ریلیکس ابھی معلوم ہو جاتا ہے تم گاڑی کا نمبر نوٹ کرو۔" عظام نے اپنے بازو پر جمے اس کے ہاتھ کو تھپک کر کہا۔

"ہاں......" اس نے فوراً عظام کی جیب سے پین کھینچ کر نمبر نوٹ کیا پھر سامنے دیکھ کر بولی۔ "ثمینہ نے بھی سرخ رنگ کی گاڑی بتائی تھی۔"

"کیا تم صرف سرخ رنگ کی گاڑی دیکھ کر......"

"نہیں مجھے اس آدمی پر شبہ ہے۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"اچھا اب تم خاموش رہو اور اپنے آپ پر قابو رکھو فوراً اس سے سوہنی کا مت پوچھنا بلکہ یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارا سوہنی سے کوئی تعلق ہے۔ ابھی ہم صرف معلوم کرنے کی کوشش کریں

گے کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ پھر بہت محتاط ہو کر میں اس کی سرگرمیاں معلوم کروں گا۔ سمجھیں، جلد بازی میں کام خراب ہو سکتا ہے۔"

عظام نے دھیرج سے اسے سمجھایا۔ پھر اس سرخ گاڑی سے کافی فاصلے پر اپنی گاڑی روکتے ہی وہ چونک کر بولے۔

"یہ تو بیگم آفندی کی فیکٹری ہے۔"

"پھر یقیناً سوہنی یہیں ہوگی۔" وہ کہہ کر اترنے لگی تھی کہ عظام نے روک دیا۔

"تم سارا کام خراب کرو گی۔ تمہیں اندر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" وہ ضدی انداز میں بولی تو عظام خاموش ہو رہے پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے اس شرط پر لے جانے کو تیار ہوئے کہ وہ بالکل خاموش رہے گی اور اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا۔

عظام سیدھے فیکٹری منیجر کے پاس گئے تھے اور اپنا تعارف کرانے کے ساتھ اپنی فرم کا حوالہ دے کر فیکٹری دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو منیجر خود ان کے ساتھ چل پڑا اور مختلف شعبوں سے گزرتے ہوئے جب وہ پیکنگ ہال میں داخل ہوئے تو وہاں شہباز کو دیکھتے ہی رابعہ نے اشارے سے عظام کو اس کی طرف متوجہ کیا تو جواباً انہوں نے بھی اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور منیجر سے ایک ایک چیز کے بارے میں نہ صرف پوچھتے رہے بلکہ دلچسپی بھی ظاہر کرتے ہوئے جب شہباز کے قریب پہنچے تو قصداً رک کر منیجر سے تعریفی کلمات کہنے لگے۔

"آپ کے ہر شعبے کی کارکردگی متاثر کن ہے اور اس کا کریڈٹ یقیناً آپ کو جاتا ہے۔" پھر اچانک شہباز کو مخاطب کر گئے۔ "آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟"

"میں یہاں......" شہباز کی نظر اچانک رابعہ پر پڑی تھی اور اس کی بات ہونٹوں میں رہ گئی تو عظام جو اسے ہی دیکھ رہے تھے اس کے چونکنے اور ٹھٹکنے سے بہت محتاط ہو کر فوراً رابعہ سے بولے۔

"چلیں مس رابعہ......"

رابعہ شاکی نظروں سے دیکھنے لگی۔ لیکن انہیں خدشہ تھا کہ کہیں وہ یہیں شہباز کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈال دے، جب ہی پھر اس سے چلنے کو صرف کہا ہی نہیں بلکہ اس کا بازو تھام کر منیجر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چل پڑے تھے۔

"آپ بہت غلط کر رہے ہیں عظام بھائی۔" باہر آتے ہی وہ ان پر بگڑنے لگی۔

"آپ نے دیکھا نہیں تھا وہ مجھے دیکھ کر کیسے چونکا تھا اور کچھ گھبرا بھی گیا تھا۔"

"ہاں میں نے سب دیکھا تھا۔" انہوں نے کہا تو وہ اور تیز ہو کر بولی۔

"پھر آپ ایسے کیوں جا رہے ہیں؟"

"کیا کروں۔ سب لوگوں کے سامنے اس سے پوچھوں کہ سوہنی کہاں ہے اور تمہارا کیا خیال ہے وہ بتا دے گا۔" انہیں بھی غصہ آ گیا تھا۔ "تم زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو، بیٹھو گاڑی میں میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔ اور خبردار جو تم گھر سے نکلیں تو...... اب تم بھی سدھر جاؤ، ورنہ کسی دن مجھے تمہاری تلاش میں نکلنا پڑے گا۔"

"پہلے کس کس کو تلاش کر لیا آپ نے؟" وہ طنز سے بولی تھی۔

"کر لوں گا۔" انہوں نے کہا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"بس کر چکے۔"

عظام ہونٹ بھینچ گئے پھر گاڑی اس کے گھر کے سامنے روک کر بولے۔

"پھوپھو کا خیال رکھنا اور دعا کرنا میں سوہنی تک پہنچ جاؤں۔"

"مجھے فون ضرور کیجئے گا۔" وہ کہہ کر اتر گئی تو انہوں نے پھر گاڑی اسپیڈ سے بھگائی تھی۔

❁ ❁ ❁

گرمی اور حبس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ سرہانے سے رسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ پانچ بج رہے تھے۔ مزید سونے کا وقت نہیں تھا۔ اس لیے وہ اٹھ گیا اور معمول کے مطابق آنگن میں چھڑکاؤ کرنے کے ارادے سے کمرے سے نکل آیا لیکن برآمدے ہی میں رک گیا کیونکہ ادھر ہینڈ پمپ پر فائقہ کپڑے کھنگال رہی تھی۔ وہ اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں وہیں برآمدے میں بیٹھ گیا اور یونہی بلا ارادہ اسے دیکھتے ہوئے اچانک اس کا روم روم اس طرف یوں متوجہ ہوا تھا کہ اس کی ایک ایک حرکت محسوس کرنے لگا تھا۔

"تم نہاؤ گے؟" وہ کپڑے تار پر پھیلانے آئی تو اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ جانتی تھی کہ وہ اس وقت کپڑے سمیت ہینڈ پمپ کے نیچے بیٹھتا ہے۔

"ہاں......" وہ چونکا تھا۔ "نہیں تم اپنا کام کرلو۔"

"بس دو تین کپڑے رہ گئے ہیں۔" وہ کہہ کر پھر ہینڈ پمپ چلانے لگی تو وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

"ٹونٹی میں پانی نہیں ہے۔"

"بہت گرم ہے۔"

"اچھا ہٹو میں چلاتا ہوں تم کپڑے کھنگالو۔" وہ جلدی جلدی ہینڈ پمپ چلانے لگا جس کی موٹی دھار کے نیچے کپڑا نچوڑتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔

"گرمی کب تک رہے گی؟"

"ابھی تو پورا ایک مہینہ باقی ہے۔ کیوں تم تنگ آگئیں؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"میں کیا سب ہی تنگ آئے ہوئے ہیں۔"

وہ کہہ کر تار کی طرف بڑھ گئی اور کپڑے پھیلا کر وہیں سے اندر چلی گئی تو اس نے بالٹی بھر کر پہلے آنگن میں چھڑکاؤ کیا پھر ہینڈ پمپ کے نیچے بیٹھ گیا۔ لیکن جانے کیوں اب اسے خود بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ اور بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ کہیں وہ آکر اسے اس حالت میں دیکھ نہ لے۔ جب ہی بہت جلدی اٹھ کر باتھ روم میں جا کر کپڑے بدلے پھر آنگن میں چارپائی بچھا کر وہیں لیٹ گیا اور

الیشبہ کو پکارنے لگا۔

"الیشبہ چائے ملے گی کہ نہیں۔"

"کبھی خود بھی بنا لیا کرو۔" الیشبہ کمرے سے نکل کر بولی تھی۔

"یہ میرا کام نہیں ہے اور اماں سے کہو باہر آجائے۔"

"آرہی ہیں۔" الیشبہ کہہ کر کچن میں چلی گئی تو وہ آنکھیں بند کرکے بڑی ترنگ میں گنگنانے لگا۔

اس عمر میں بن جائے گی کوئی تو کہانی
تنہا نہیں کٹتی ہے یہ مدہوش جوانی
چپکے سے کوئی دھڑکن سنو، کہہ دو جو دل میں بات ہے
ملتے ہیں نصیبوں سے یہ بانہوں کے سہارے

"اچھا گا لیتے ہو۔" وہ اماں کے ساتھ بچے کو لیے ہوئے باہر آئی تھی اور دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی تو وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر گانے لگا تھا۔

بن جاؤ کسی کے کے، کسی کو اپنا بنا لو
پلکوں کے جھروکوں میں کوئی سپنا سجا لو
یادوں میں تم کھوئے رہو، بھیگے لبوں کو چوم کے
نظروں میں بسا لو سب ہی رنگین نظارے

اچانک بچے کے رونے سے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اسے کیا میرا گانا پسند نہیں آیا؟"

"نہیں......" وہ ہنس پڑی۔

"بہت ہی بدذوق ہے۔ لگتا ہے باپ پر گیا ہے۔" وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ کر بولا۔

"جی نہیں۔ اس کے باپ جیسا باذوق کوئی تھا نہ ہوگا۔" اس نے فوراً کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"ہاں وہ تو تمہیں دیکھ کر ہی پتہ چلتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کے تیز ہونے پر وہ اور زور زور سے ہنسنے لگا تو اماں حیران ہوکر پوچھنے لگیں۔

"کیا ہوگیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ اماں سے کہہ کر پھر اس سے مخاطب ہوا۔ "ایک بات بتاؤ۔ شہریار کو تمہاری کون سی ادا پسند آئی تھی؟"

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"بتا بھی نہیں سکتیں، کیونکہ تمہیں خود پتہ نہیں ہے۔" وہ اس کے چڑنے، روٹھنے سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے۔" وہ واقعی چڑ گئی تھی۔

"ہاں۔" وہ اب دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" وہ نظریں چرا گئی۔

"اچھا جی......" وہ بڑے آرام سے مان کر الیشبہ کو پکارنے لگا۔ "الیشبہ چائے لا مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"لا رہی ہوں۔" الیشبہ وہیں سے بولی تھی۔

"پتہ نہیں۔ کب لائے گی۔ اماں! میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا تھا کہ ماں نے روک دیا۔

"آ رہی ہے، آ رہی ہے۔"

وہ پہلے بڑبڑایا پھر چٹکی بجا کر بچے کو متوجہ کرنے لگا تو وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"سنو مجھے فون کرنا ہے۔"

"کسے؟"

"گھر......"

"نہیں۔ تم روتی ہو۔"

"اب نہیں روؤں گی۔" وہ منت سے بولی۔

"اونہہ! تمہارا کوئی بھروسہ نہیں، ادھر فون بند ہوگا ادھر تم......"

"میں عظام بھائی کو کروں گی۔" وہ فوراً بولی تھی۔ "ان سے سب کی خیر خیریت معلوم ہو جائے گی۔"

"آج نہیں چھٹی کے دن......" اس نے کہا۔ تب ہی الیشبہ چائے لے کر آ گئی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ایک گھنٹے میں چائے بناتی ہے۔"

"بناتی ہے نہیں بناتی ہو۔ باجی انہیں بھی ٹوکیں ناں۔" الیشبہ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے فائقہ سے کہا تو وہ ذرا سا ہنس کر رہ گئی۔

"کیا ٹوکیں ہاں مجھے بتا......" اس نے الیشبہ سے پوچھا تو وہ بے اختیار بولی۔

"بتا نہیں بتاؤ۔"

"کیا بتاؤ۔" وہ باری باری دونوں کو دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں چائے پیو، آپ کو دیر ہو رہی ہے۔" الیشبہ جھنجھلا کر اماں کے پاس جا بیٹھی تو وہ اسے دیکھنے لگا لیکن وہ بھی بچے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"سنو!" وہ چائے کا سپ لے کر اس سے بولا۔ "چھٹی کے دن فون کر لینا۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر پھر بچے کو گدگدانے لگی۔ تو وہ پھر اس کی ہر ہر حرکت کو محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

سوہنی انتہائی صدمے کی حالت میں گنگ اور ساکت تھی۔ ذہن تو بالکل ہی سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ البتہ نظروں کے سامنے اپنا گھر اور ایک ایک کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ جیسے اب وہ کبھی اپنے پیاروں کو نہیں دیکھ سکے گی۔ اور یہیں مر جائے گی۔ اس کے اندر اب مرنے کا خوف نہیں آرزو تھی۔ اور اس کا دل بڑی شدت سے مرنے کی دعا مانگ رہا تھا۔ تب ہی شہباز اندر آیا اور کتنی دیر اس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اس کا انگوٹھا ہلا کر بولا۔

"مر گئی کیا؟"

اس کے وجود میں بس اتنی حرکت ہوئی تھی کہ اس نے پلکیں موند لیں اور اسی سے ہی وہ جیسے مطمئن سا ہو کر صوفے پر جا بیٹھا اور جیب سے موبائل نکال کر نمبر پش کرنے لگا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف بیگم آفندی تھیں۔

"میڈم! ادھر بہت گڑبڑ ہو گئی ہے۔" شہباز نے چھوٹتے ہی کہا۔

"کیا ہوا؟" بیگم آفندی نے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"اس کی بہن آج فیکٹری پہنچ گئی تھی۔ مجھے لگتا ہے میڈم! اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔" شہباز نے بتایا تو اب وہ تیز ہو کر پوچھنے لگیں۔

"رابعہ! رابعہ فیکٹری کیا کرنے گئی تھی؟"

"شاید میری تلاش میں......" شہباز نے کہا۔

"نان سینس میں نے کہا بھی تھا، اس سے ہوشیار رہنا، وہ بہت تیز لڑکی ہے۔ کیا کیا پوچھا اس نے تم سے؟" بیگم آفندی کچھ پریشان ہو گئی تھیں۔

"پوچھا تو کچھ نہیں بس دیکھ کر چلی گئی۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا اور دونوں یوں ظاہر کر رہے تھے جیسے فیکٹری دیکھنے آئے ہیں لیکن......" شہباز نے خاموش ہو کر ان کے بولنے کا انتظار کیا پھر پکار کر پوچھنے لگا۔

"ہیلو میڈم! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"فوراً جان چھڑاؤ اس لڑکی سے لیکن احتیاط سے رابعہ اگر فیکٹری پہنچ سکتی ہے تو یہاں تک بھی تمہارا پیچھا کرسکتی ہے۔ سمجھے۔" بیگم آفندی تلملا کر بول رہی تھیں۔

"جی مجھے بھی خدشہ تھا جب ہی میں اندھیرا پھیلنے کے بعد یہاں آیا ہوں۔"

"بہت کمال کیا جاؤ اسی وقت اسے کہیں پھینک آؤ۔" بیگم آفندی نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"پھینکنے کی چیز تو نہیں ہے۔" وہ سوہنی کو دیکھ کر بڑبڑایا پھر اٹھ کر بیڈ کے قریب آ گیا اور اونچی آواز میں اس سے بولا۔

"ارے اٹھ جاؤ۔"

وہ ایسے ہی بے حس و حرکت پڑی رہی۔ تب وہ اسے بازو سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا باہر گاڑی تک لایا اور اندر دھکیل دیا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کہنے لگا۔

"بڑی جلدی تمہیں چھٹی ہو گئی۔ میں تو ہفتہ دس دن تمہیں مہمان بنانا چاہتا تھا لیکن افسوس تمہاری رہائی کا آرڈر آ گیا۔"

وہ سن ہی نہیں رہی تھی تو سمجھتی کیا۔ اسے تو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ وہ گاڑی میں بیٹھی ہے جو اندھیرے میں سنسان راستوں پر دوڑتی جا رہی تھی، پھر ایسی ہی اندھیری سنسان سڑک پر اس نے گاڑی روکی تھی۔ اور اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے باہر دھکیلتے ہوئے اسپیڈ سے گاڑی بھگا لے گیا تھا۔

اور وہ جسے اپنے وجود تک کا احساس نہیں تھا، مزید تاریکیوں میں ڈوب گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہاں دوسری گاڑی رکی تھی۔ جس میں عظام صبح سے اس آدمی کی تاک میں تھے کہ وہ کب کہاں جاتا ہے۔ رابعہ کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ سارا دن بیگم آفندی کی فیکٹری کے قریب موجود رہے تھے۔ جہاں سے رات آٹھ بجے شہباز نکلا تھا تو انہوں نے بہت فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کیا تھا۔

شہری آبادی سے دور جب شہباز نے کچی سڑک پر گاڑی موڑ لی تھی تب وہ وہیں رک گیا تھا۔ اور انہیں یہ یقین نہیں تھا کہ ایک آدھ گھنٹے کے بعد وہ کچی سڑک پر جا کر اس کا ٹھکانا دیکھ آئیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہی اسی راستے سے جب گاڑی آتی نظر آئی تب وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ اور پھر سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس جگہ آ رکے۔ جہاں سڑک کے بیچوں بیچ وہ معصوم لڑکی بے خبری میں بھی خود پر بیتے سانحے کی داستان سناتی لگ رہی تھی۔

گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس میں عظام کتنی دیر اس پر نظریں جمائے سن بیٹھے رہے پھر بمشکل خود کو

گھسیٹتے ہوئے اس کے قریب گھٹنے ٹیک کر اسے اپنے بازوؤں میں سیدھا کیا اور اس کی پیشانی سے بہتا خون انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے ان کے دل کے کسی نہاں خانے میں چھپا درد اچانک زبان پر آ گیا تھا۔

"سبرینہ...... سبرینہ...... دیکھو میں آ گیا ہوں۔"

"سبرینہ! سبرینہ......" سرسراتی ہوائیں جو کبھی انہیں شوخی سے چھیڑتی تھیں اب سسک رہی تھیں۔

"سبرینہ......" فضائیں نوحہ کناں تھیں۔

"نہیں، میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔" انہوں نے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور سیدھا ایک پرائیویٹ کلینک لے آئے۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے اور وہ خود دن بھر کے بھوکے پیاسے اتنے نڈھال ہو رہے تھے کہ سوہنی کو ڈاکٹر کے حوالے کرتے ہی بینچ پر ڈھے گئے تھے۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے آ کر خاصے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"یہ آپ کی کون ہیں؟"

'میں تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔' وہ ایک پل میں سوچ کر بولے۔ "مسز! ثمی ازمائی الف۔"

"او......" ڈاکٹر نے ذرا سے ہونٹ سکیڑے پھر ایک پرچہ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یہ میڈیسن لے آئیں۔"

"ہوش آ گیا انہیں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......" ڈاکٹر واپس پلٹ گئی تو وہ جلدی سے جا کر میڈیسن لے آئے اور نرس کے ذریعے اندر بھجوا کر دوبارہ وہیں بیٹھے تھے کہ ڈاکٹر ایمرجنسی سے نکل کر بہت تیزی سے ان کے پاس آئی تھی اور ایک فارم انہیں تھما کر کہنے لگی۔

"آپریشن ناگزیر ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ آپ کی مسز اب کبھی ماں نہیں بن سکیں گی۔ آپ یہاں سائن کر دیں۔"

ایک اور دھچکا عظام کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ بمشکل انہوں نے فارم سائن کر کے ڈاکٹر کو لوٹا دیا اور اس کے جاتے ہی روشنیوں سے بھاگ کر تاریک راہداری میں آ کھڑے ہوئے کیونکہ ان میں حوصلہ نہیں تھا دوبارہ وہی چیخیں سننے کا۔

"مجھے مر جانے دو...... نہیں میں زندہ نہیں رہوں گی۔ مجھے مر جانے دو۔"

"سبرینہ! میں...... میں ہوں ناں۔ کیا تم میرے لیے۔"

"نہیں نہیں عظام! میں تمہارے قابل نہیں رہی۔"

"ایسا مت کہو اور دیکھو ڈاکٹر آ رہی ہیں۔"

"اس سے کہو مجھے زہر دے دے پلیز پلیز عظام!" وہ تڑپ تڑپ کر منتیں کرتی ہوئی نڈھال ہو گئی تھی۔ تب ڈاکٹر نے انہیں کمرے سے نکال کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ لیکن اس کی چیخیں بند نہیں ہوئی تھیں۔

"مجھے مر جانے دو، مجھے مر جانے دو۔" اس نے مرنے کی ٹھان لی تھی اور وہ مر گئی۔ عظام کا خیال بھی نہیں کیا جو صرف، اسے اس کی محبت کو ہی زندگی سمجھتے تھے۔

وہ ان کی زندگی میں اس روز آئی تھی جب انہوں نے یونیورسٹی میں قدم رکھا تھا اور اس کا بھی پہلا ہی دن تھا، جو وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے بارے میں ان سے پوچھ رہی تھی۔ اور گو کہ انہیں معلوم نہیں تھا پھر بھی انہوں نے ادھر ادھر سے پوچھ کر پہلے اسے اس کی کلاس تک پہنچایا تھا۔ اس کے بعد اپنی کلاس تلاش کی تھی۔ پھر اتفاقاً سامنا ہونے پر دونوں کے مابین رسمی بات چیت ہوتے ہوئے وہ دن بھی آ گیا جب باتوں کے دوران پیریڈ نکل جانے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ اور اس کے بعد تو اکثر پیریڈ مس ہونے لگے تھے۔

"کیا ہے عظام! میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ میں کبھی کسی لڑکے سے دوستی نہیں کروں گی۔" وہ ان کے سامنے اپنی بے بسی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"پھر......؟" عظام قصداً انجان بن گئے تھے۔

"پھر پتہ نہیں کیسے میری تم سے دوستی ہو گئی۔"

"اور میں نے پتہ ہے کیا عہد کیا تھا؟" عظام نے کہا تو اس نے شوق سے پوچھا۔

"کیا؟"

"کہ میں صرف اس لڑکی سے دوستی کروں گا جو چپکے سے میری خلوتوں میں آن بسے گی؟" انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تو وہ کچھ نروس ہو گئی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب میں تمہیں اپنی تنہائی میں سوچنے لگا تھا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ اترا کر بولی تھی۔

"لیکن میں تمہیں تنہائیوں میں نہیں سوچتی۔"

"پھر کیسے سوچتی ہو؟" وہ اس کا جواب سننے سے پہلے ہی خائف ہو گئے تھے۔

"میں کبھی تنہا ہوتی ہی نہیں۔" وہ کہہ کر ہنسی تھی۔

"کبھی تو......"

"کبھی نہیں۔"

"کیوں؟ میرا مطلب ہے کون کون ہے تمہارے گھر میں؟"

"امی، ابو، میں اور......" وہ قصداً رکی تھی اور انہوں نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"اور......"

"تم......" اس کے ہونٹوں میں تم کے ساتھ جو مسکراہٹ دبی تھی اس سے عظام جیسے مر کے جیے

"او گاڈ...... تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔"

اور یہ صرف دوستی نہیں تھی، اس سے آگے محبتوں کی رہ گزر نے انہیں اپنی پناہوں میں لے لیا تھا درمیان میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی نہ کوئی پیچیدگی، ادھر عظام گھر میں بڑے تھے اور ادھر وہ اکلوتی اس لیے دونوں بہت بے پروائی سے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اس رہ گزر پر بہت دور نکل گئے تھے۔ اور انہیں اپنی منزل بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس منزل تک پہنچنا شاید ان کے نصیب میں ہی نہیں تھا۔ جو درمیان میں فراز آ گیا تھا۔

فراز سبرینہ کے ڈیپارٹمنٹ میں تھا اور اس کا شمار ان لڑکوں میں ہوتا تھا جو یونیورسٹی صرف تفریح کے لیے آتے ہیں اور اس نے پہلے سبرینہ کو اپنی طرف مائل کرنے کی بہت کوشش کی جب کامیابی نہیں ہوئی تو اس نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اور اپنے ہی جیسے دوسرے لڑکوں کو ساتھ ملا کر ان کے خلاف محاذ بنا لیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ایک سے ایک خوبرو لڑکی موجود ہے تو پھر وہ ادھر کیوں جاتی ہے۔ ہر موڑ پر اسے روک کر کہتا تھا۔

"باز آ جاؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔"

"ہونہہ......" وہ ہر بار سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتی تھی لیکن اس نے عظام سے کبھی ذکر نہیں کیا

اور پھر ایک روز جب فراز نے اس کی کلائی کھینچ کر اسے آگے بڑھنے سے روکا تب وہ بہت غصے میں عظام کے پاس آئی تھی اور انہیں فراز کی حرکتوں سے آگاہ کیا تو ان کا خون کھول اٹھا تھا لیکن وہ جذباتی نوجوان نہیں تھے جو فوراً جا کر فراز سے الجھ پڑتے۔ اس کے برعکس انہوں نے کسی تدبیر سے فراز کو اس کی حرکتوں سے باز رکھنے کا سوچا تھا اور انہوں نے سبرینہ سے بھی یہی کہا کہ وہ اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرے۔ خاموشی سے نظر انداز کرتی رہے۔ وہ خود ہی طریقے سے اسے سمجھائیں گے لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ یعنی عظام ابھی تدبیر ہی سوچ رہے تھے اور فراز اپنا کام دکھا گیا

اس روز عظام جب یونیورسٹی پہنچے تو سبرینہ کی دوست رخسانہ بہت پریشان سی ان کے ا
میں کھڑی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی بھاگ کر ان کے پاس آئی تھی۔

"عظام! عظام! غضب ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟" ان کی نظریں سبرینہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

"وہ فراز ہے نا۔ وہ سبرینہ کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔" رخسانہ نے بتایا تو ان کے پیر
تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔

"کک...... کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں عظام! ابھی جب ہم دونوں آرہے تھے تو گھر کے قریب اسٹاپ پر ہی فراز پہنچ گیا اور
مسلسل سبرینہ سے اصرار کرنے لگا کہ وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے جب سبرینہ کسی طرح نہیں
مانی تو وہ زبردستی......"

رخسانہ کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ عظام وہیں سے واپس بھاگے تھے اور پھر انہیں یاد نہیں ک
وہ کب تک بھاگتے رہے تھے۔ کھانے، پینے، سونے، جاگنے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ یہی نہیں
انہیں تو اپنا گھر بھی یاد نہیں رہا تھا۔ جب تک انہوں نے سبرینہ کو ڈھونڈ نہیں لیا تھا۔
اگر انہیں معلوم ہوتا کہ وہ انہیں ایسے حالوں میں ملے گی تو وہ اس تک پہنچنے کی سعی بھی نہ کر
اور ساری زندگی ڈھونڈتے رہتے۔ بہر حال اس کے بعد بھی وہ اسے اپنانے کو تیار تھے۔ لیکن وہ ہی
نہیں مانی اور جو مرنے کی ٹھان لی تو سچ مچ مر گئی تھی۔ پھر عظام کے لیے خود کو سنبھالنا ممکن نہیں ر
تھا۔ دل کہیں کسی طور بہلتا ہی نہیں تھا۔ صبح یونیورسٹی جانے کے لیے نکلتے اور اس کی قبر پر جا بیٹھتے
پھر خواہ تپتی دھوپ ہو، انہیں کچھ احساس نہیں ہوتا تھا نہ دن گزرنے کا پتہ چلتا تھا۔ اس کی قبر کی گی
مٹی پر انگلیوں سے جانے کیا لکھتے، مٹاتے، پھر لکھتے، لیکن دل کو یہاں بھی قرار نہیں تھا۔
اس روز بھی انہیں صبح سے رات ہو گئی تھی۔ ان کی روح میں اترا سناٹا قبرستان کے ہولناک
سناٹے سے سوا تھا۔ جب ہی کوئی خوف، کوئی ڈر نہیں تھا۔ یوں بیٹھے تھے جیسے دنیا بس اتنی سی ہے اس
سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں، جب اچانک عقب سے کسی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تب ایک
پل کو ان کے بدن میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ پھر گردن موڑ کر دیکھا تو ہاتھ میں لالٹین لیے سفید بر
جیسا آدمی پوچھ رہا تھا۔

"کیوں میاں! تمہارا گھر بار نہیں ہے؟"

وہ کچھ نہیں بولے تھے، بس نظریں اس نورانی چہرے کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"یہاں کون ہے تمہارا؟" اس شخص نے پوچھا تو انہوں نے قبر کے سرہانے یوں ہاتھ رکھا تھا

کہہ رہے ہوں "اسے مت چھیڑو۔"

"بتاؤ کون ہے؟" بہت شفقت سے پوچھا گیا تب وہ شکستگی سے بولے تھے۔

"محبت میری محبت۔"

"نادان! مٹی سے محبت کرتے ہو۔"

"یہ مٹی نہیں ہے۔"

"مٹی ہی ہے، ہم سب مٹی ہیں۔ میں، تم سب، ہم سب کو مٹی ہو جانا ہے۔ یہ بات اچھی طرح
لو کہ فانی چیزوں سے لگاؤ کے عوض ہمیں صرف دکھ درد ہی مل سکتا ہے۔ اٹھو اور کسی ایسے کو دوست
ے کبھی موت نہ آئے۔ تب تمہارے غم کا مداوا کم ہو جائے گا۔"

"کون...... ایسا کون ہے؟" عظام کے چہرے پر معصوم حیرانی اتر آئی تھی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" اس شخص نے ہاتھ بڑھایا جسے بے خودی کے عالم میں تھام کر عظام اس
ساتھ چل پڑے تھے اور جب اس کے حجرے میں داخل ہوئے تو حیرت سے چاروں جانب
ے ہوئے ان کی نظریں دیوار پر لکھی تحریر پر جم گئیں۔

"اے میرے دل اگر تو قرب الٰہی کا متمنی ہے تو ذرا سنبھل کر چل، حق تعالیٰ تک رسائی کے لیے
ات کا ہر ذرہ ایک دروازہ ہے۔ اور ہر دروازے کا ایک الگ راستہ ہے جو تیرے پر اسرار وجود
جاتا ہے۔ خود شناسی کے لیے ہر کسی کو سو سو زندگیاں گزارنی ہوں گی، لیکن خدا شناسی اپنی کوشش
ہیں بلکہ صرف اسی کے فضل و کرم سے نصیب ہوتی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے کہا تو عظام نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اس کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ

"کھانا کھاؤ گے؟"

"دل نہیں چاہتا۔" عظام بے بسی سے بولے۔

"دل کیا چاہتا ہے؟"

"پتہ نہیں میرے اختیار میں نہیں۔ تڑپتا ہے، مچلتا ہے، کہیں ٹھہرتا نہیں۔"

"ٹھہر جائے گا۔ جاؤ دروازے کے پاس نل ہے وضو کر کے آؤ۔"

اس نے کہا تو کتنی دیر بعد بھی عظام بادل نخواستہ اٹھے تھے لیکن جب وضو کر کے آئے تو سیدھے
میں بچھی جائے نماز پر کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی تو پھر ہر سجدہ ان پر ایک نئی دنیا کے
ا ہوا تھا۔ جانے کیسی روشنی تھی جو غفلت کے اندھیروں پر حاوی ہو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔
ال رنگ بدلا تھا کہ فنا کا تصور باقی نہیں رہا تھا۔ اور وہ جسے فنا نہیں اس کی لگن اور جستجو نے دل

میں آگ لگا دی تھی۔

"میرے اللہ میرے رب مجھے تھام لے۔" وہ آخر میں سجدے میں گڑگڑا رہے تھے۔

"الٰہی! اس کے دل کو دنیاوی غموں سے بے نیاز کر کے اپنے نور سے منور کر دے۔"

ادھر چٹائی پر بیٹھے اس شخص نے ان کے لیے دعا کی تھی جو بارگاہ ایزدی میں یوں مقبول ہوئی پھر عظام کو کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ گھربار، رشتے، ناطے سب بھول گئے بس صرف ایک راستہ رہ گیا تھا۔ وہ جس کے بارے میں کسی نے کہا ہے کہ۔

"راہِ حق ہر کس و ناکس کے لیے کھلی نہیں ہوتی۔ صرف نیک لوگ ہی اس کو پا سکتے ہیں۔ اس پر اطمینان سکون اور صدق دل سے جدوجہد کرنی چاہیے۔ تم اپنا مال و متاع جلا کر اس کی راکھ پر جاؤ۔ جب تک تم دنیا کی ایک ایک چیز کو جلا نہیں دو گے، تمہیں اس سے نجات حاصل نہیں ہو گی جب دنیا کے قید خانے میں تمہیں زیادہ دن قیام نہیں کرنا تو پھر ابھی سے دنیا کی ہر چیز سے بے ہو جاؤ۔ کیونکہ بہ وقت نزع دنیا کی کوئی چیز تمہیں موت کے چنگل سے بچا نہیں سکے گی۔ اس راہ سفر کرنے کے لیے خود سے مخلص ہونا پڑتا ہے اور خود سے سچا ہونا اس سے کہیں زیادہ دشوار کام ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔"

اور پورے دو سال عظام اس حجرے میں آتے رہے تھے۔ جب اس راہ پر ان کے قدم مضبوطی جم گئے تب اس شخص نے ان سے کہا تھا۔

"اب تم گھر جاؤ اور اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور دیگر عزیز رشتہ داروں کے حقوق اس طرح ادا کرو جس طرح حضرت محمد ﷺ نے تعلیم فرمائی ہے۔ اور ایک بات یاد رکھو کبھی اپنی کسی بات، کسی عمل پر گھمنڈ نہیں کرنا۔ کیونکہ اللہ کو گھمنڈ پسند نہیں ہے۔ وہ عاجزی و انکساری کو پسند کرتا ہے اسے شعار بنا لو، یہ دنیا بہت بری ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے جب تک تمہاری زندگی لکھی ہے، تمہیں یہاں رہنا ہے۔ کمال یہ نہیں کہ اس دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے تم تا حیات اس حجرے میں بیٹھے رہو۔ بلکہ اس غلاظت بھری دنیا میں رہ کر تمہیں اپنا دامن بچائے رکھنا ہے۔ تب تو تم درجہ کمال کو پہنچو گے۔

بے شک یہ اللہ ہی کے کام ہیں، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو ساری زندگی اس کے سامنے پیشانی رگڑتے ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ کیوں...؟ کیونکہ وہ اپنے اندر کی "میں" سے نجات حاصل نہیں کرتے۔ کبھی "میں" نہ کہنا۔ اسی "میں" میں ابلیسیت کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ جب بندہ سچی نیت سے فرمانبرداری کرتا ہے تو اس کا ہر عمل حکم الٰہی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ وہ بندہ خدا کا غلام نہیں ہو سکتا جو اپنے کاموں کے بارے میں ڈگمگائے

ارنا پھرے۔ سچا غلام مشکل وقت ہی میں پرکھا جاتا ہے۔ لہٰذا امتحان میں پورے اترو۔

تمہاری ہر بات، ہر عمل خدا کی خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے۔ اپنے دل اور ذہن کو ہمیشہ پاک صاف رکھنا۔ خدا تم پر مہربان ہے، تم اس کی مخلوق پر مہربانی اور احسان کرو لیکن کبھی جتایا نہ کرنا۔ جاؤ خدا حافظ۔"

اور یوں عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی کٹھن ترین مسافتیں طے کر کے عظام گھر لوٹے تو سبرینہ کا خیال دل کے کسی نہاں خانے میں جا چھپا تھا۔ اور یہ نہیں تھا کہ اس تمام عرصے میں وہ انہیں کبھی یاد ہی نہ آئی ہو۔ کبھی کبھی اس کا خیال آتا تھا تو وہ اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر بے چین ہو جاتے تھے۔

اور آج جب سوہنی کو اسی حال میں دیکھا تو ان کا صرف دل ہی نہیں روح بھی تڑپ رہی تھی۔ پھر بھی وہ اسے اپنے لیے خدا کی طرف سے کسی امتحان پر محمول کرتے ہوئے اس میں پورا اترنے کی دعا کر رہے تھے۔ فجر کی نماز انہوں نے اسی راہداری میں پڑھی تھی۔ اس کے بعد بھی وہیں بیٹھے تھے۔ جب نرس ان کے پاس آ کر بولی تھی۔

"آپ کی مسز کو ہوش آ گیا ہے۔"

وہ بہت خاموشی سے سر جھکائے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑے اور جب سوہنی پر نظر پڑی تو ان کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ جو اذیتوں کے پل صراط سے گزر کر چھت کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس پار دور آسمانوں میں کسی سے سوال کر رہی ہو۔ پھر مایوس ہو کر انہیں دیکھنے لگی تو انہوں نے فوراً بڑھ کر اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے لیا اور دھیرے دھیرے کہنے لگے۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تمہیں پتہ ہے جب تم بولتی ہو تو چڑیاں چہچہانا بھول جاتی ہیں۔ تمہاری سادگی، تمہاری معصومیت، یقیناً اللہ کو بہت پسند ہے اور پتہ ہے اللہ جب کسی پر مہربان ہونا چاہتا ہے تو پہلے اسے کڑی آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ جو ان آزمائشوں پر صبر کرتا ہے اسے پھر وہ اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ تم اس کی دوست بنو گی ناں؟"

سوہنی کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو کر کناروں سے چھلک گئیں تو وہ مزید ضبط نہیں کر سکے اور اس کا ہاتھ تھپک کر باہر نکل آئے تھے۔

☆☆☆

وہ جب گھر میں داخل ہوئے تو ماں جی ان کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

"بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے۔ رات بھر پریشان رہی۔ اتنے غیر ذمہ دار کیسے ہو گئے ہو؟"

"سوری اماں! بس اچانک آفس کے کام سے حیدر آباد جانا پڑا۔" انہوں نے مصلحتاً جھوٹ

بولا۔

"فون نہیں کر سکتے تھے۔" مامی جی بہت ناراض لگ رہی تھیں۔

"کیا تھا رات میں لیکن درمیان میں لائنیں ڈسٹرب تھیں۔" وہ کہہ کر فوراً بات بدل گئے۔ "اماں سے کہئے جلدی ناشتہ بنائے۔ مجھے ابھی پھر جانا ہے۔"

"اتنے تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ سوئے نہیں رات میں۔"

"سفر کی تھکان ہے، نہانے سے دور ہو جائے گی۔" وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اور تقریباً پندرہ منٹ بعد جب وہ کمرے سے نکلے تو اسماء برآمدے ہی میں تخت پر ناشتہ رکھ چکی تھی۔ وہ فوراً بیٹھ کر ناشتے میں مصروف ہو گئے۔

"کیا پھر حیدرآباد جاؤ گے؟" مامی جی ان کی عجلت دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"ہیں۔" وہ چونک کر بولے۔ "نہیں ابھی تو یہیں آفس جاؤں گا۔"

"بھائی! کل سے رابعہ کتنے فون کر چکی ہے۔ کہہ رہی تھی آپ جیسے ہی آئیں اسے فون کر لیں۔" اسماء نے کہا تو انہوں نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"بہت پریشان لگ رہی تھی۔ فائقہ کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔" مامی جی نے پوچھا تو وہ گرم چائے حلق سے اتار کر بولے۔

"فائقہ خیریت سے ہے؟"

"تمہیں کیسے پتہ؟" مامی جی اور اسماء بھی پوری جان سے متوجہ ہو گئی تھی۔

"وہ اس کا فون آیا تھا ادھر پھوپھو کے ہاں لیکن پھوپھا جان نے زیادہ بات نہیں کی نہ کسی کو کرنے دی۔" وہ اپنا گول کر گئے۔

"کیوں؟"

"بس ناراض ہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟" اسماء نے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا۔

"نہیں اچھا اماں! میں چلتا ہوں۔ ہوسکتا ہے آج بھی دیر ہو جائے۔ آپ پریشان نہیں ہوئیے گا۔"

وہ کہہ رہے تھے تب ہی رابعہ آ گئی تو اسے دیکھ کر وہ جز بز ہونے لگے۔

"السلام علیکم۔" رابعہ سلام کے ساتھ ہی انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ کچھ جھنجھلا کر بولے۔

"تم آرام سے گھر نہیں بیٹھ سکتیں۔ خوامخواہ پریشان کرنے آ جاتی ہو۔"

"ہیں، ہیں یہ کیا کہہ رہے ہو؟" مامی جی نے انہیں ٹوکا پھر رابعہ سے بولیں۔ "آؤ بیٹھو بیٹی!"

"بس مامی جی میں آفس جا رہی ہوں، چلیں عظام بھائی! مجھے راستے میں اتار دیجئے گا۔" رابعہ مامی جی سے کہہ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اچھا اماں! میں چلتا ہوں۔" وہ بادل نخواستہ رابعہ کو چلنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گئے۔

"میں کل سے فون کر کر کے تھک گئی ہوں۔" رابعہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا۔

"ہاں، ابھی اسماء بتا رہی تھی۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"کچھ پتہ چلا؟"

"ہاں میں اسے لے آیا ہوں۔" انہوں نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

"کہاں...... کہاں ہے وہ؟" رابعہ نے بے تابی سے ان کا بازو ہلایا۔ تو وہ ناگواری سے بولے۔

"اس طرح کرو گی تو نہیں بتاؤں گا۔"

"زیادہ اکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتائیں کہاں ہے وہ ٹھیک تو ہے نا۔" رابعہ اب کہاں صبر کر سکتی تھی۔

"نہیں۔" وہ ہونٹ بھینچ گئے اور رابعہ مزید پریشان ہو گئی۔

"کک...... کیا ہوا ہے۔ کیا ہوا ہے اسے۔ بتائیں ناں عظام بھائی۔"

"بس خاموش رہو اور اس کے سامنے بھی تحمل سے کام لینا۔" انہوں نے اسے ٹوکا تو رابعہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اپنے آپ کہنے لگی۔

"ابھی آفس جاتے ہوئے ابو کہہ رہے تھے کہ آج سوہنی کو بلا لو۔ اس کے بغیر گھر سونا لگتا ہے اس پر امی جتنی پریشان ہوئیں۔ میں بتا نہیں سکتی۔"

عظام سن رہے تھے لیکن کچھ بولے نہیں اور جب کلینک کے سامنے گاڑی روکی تب بھی اسی خاموشی سے اتر کر آگے بڑھ گئے۔

"عظام بھائی!" رابعہ تیز تیز قدموں سے ان کے قریب آ کر پوچھنے لگی۔ "کوئی سیریس بات تو نہیں ہے؟"

"ابھی خود دیکھ لینا اور خدا کے لیے اس سے کوئی سوال نہ کرنا۔"

انہوں نے عاجز آ کر کہا تو رابعہ کچھ ٹھٹک کر اپنے آپ قیاس کرنے لگی۔ اور جب دونوں راہداری سے آگے کوریڈور میں داخل ہوئے تو سامنے سے آتی نرس عظام کو دیکھتے ہی کہنے لگی۔

"آپ کی مسز مسلسل روئے جا رہی ہیں۔ کہیں آپ نے انہیں بتا تو نہیں دیا کہ وہ......؟"

"نہیں۔" انہیں نے نرس کی بات پوری نہیں ہونے دی اور پوچھنے لگے۔

"کہاں شفٹ کیا ہے انہیں؟"

"ادھر سپیشل وارڈ میں۔" نرس نے اشارے سے بتایا تو وہ فوراً اسی طرف بڑھ گئے۔ لیکن پھر دروازے کے پاس رک کر رابعہ کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

"آپ بھی آئیے، آپ کی مسز انتظار کر رہی ہوگی۔" رابعہ چبھتے ہوئے لہجے میں کہہ کر اندر چلی گئی۔ تو وہ کچھ دیر دروازے کے پاس ہی کھڑے رہے۔ لیکن جب سوہنی کی سسکیاں باہر تک سنائی دینے لگیں تب کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے رابعہ کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے، بجائے اسے تسلی دینے کے خود بھی ساتھ شروع ہو گئیں۔ بند کرو یہ رونا دھونا۔"

"آپ اس کی حالت دیکھ رہے ہیں؟" رابعہ نے شاکی ہو کر کہا۔

"شکر کرو۔ زندہ بچ گئی ورنہ تم نے......" وہ اسے الزام دیتے دیتے رہ گئے پھر پلٹ کر بہت نرمی سے سوہنی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اب اگر تم روئیں تو میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گا۔"

سوہنی نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ دیا۔

"کچھ کھاؤ گی؟" انہوں نے پوچھا پھر خود ہی رابعہ سے کہنے لگے۔ "میں اس کے لیے کچھ کھانے کو لا دیتا ہوں۔ تمہیں شام تک یہیں رہنا پڑے گا۔ میں آفس جاؤں گا پھر شام میں پھوپھا جان کے پاس سے ہوتا ہوا یہاں آؤں گا تب تم گھر جانا۔"

"ہاں ابو کو آپ ہی سمجھا دیجئے گا۔ ورنہ وہ آپ کے گھر پہنچ جائیں گے۔" رابعہ نے ان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"میں اسی لیے جاؤں گا۔ اور دیکھو اب تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے، الٹے سیدھے سوال کر کے اسے پریشان نہیں کرنا۔"

وہ اپنی بات ختم کرتے ہی کمرے سے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

رابعہ اتنی نادان نہیں تھی کہ اسی وقت سوہنی سے اس واقعے کی پوری تفصیل پوچھنے بیٹھ جاتی۔ اس کی حالت کے پیش نظر وہ اسے ادھر ادھر کی باتوں میں بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔

"باجی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" سوہنی نے اپنی ازلی معصومیت سے کہا تو وہ قصداً انجان بن گئی۔

"کس سے؟"

"گھر جانے سے۔ ابو تو مجھے مار ڈالیں گے۔" سوہنی گھر جانے کے خیال سے ہی خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"کیوں مار ڈالیں گے۔ تم سے تو وہ سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔" رابعہ نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

"لیکن اب۔"

"اب کیا ہوا ہے؟ کچھ نہیں ہوا۔ تم اپنے دل اور ذہن پر بوجھ مت ڈالو اور ابو کو کچھ پتہ نہیں ہے۔ انہیں ہم نے یہی بتایا ہے کہ تم ماموں جی کے گھر ہو۔ اور تم نے بھی یہی ظاہر کرنا ہے۔ سمجھیں۔" اس نے نرمی سے کہا تو سوہنی پوچھنے لگی۔

"اور امی......"

"امی بھی تم سے کچھ نہیں پوچھیں گی۔ تم اطمینان سے ہو جاؤ بلکہ اب سو جاؤ۔ نیند تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔" رابعہ نے اس کا گال تھپک کر کہا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر ایک دم گھبرا کر پوچھنے لگی۔

"باجی! آپ کہیں جائیں گی تو نہیں۔"

"نہیں...... میں تمہارے پاس ہی ہوں۔" رابعہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا اور جب تک وہ سو نہیں گئی اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تکیے پر رکھ کر احتیاط سے کمرے سے نکل آئی اور کاؤنٹر پر کھڑی نرس کے پاس جا کر پوچھنے لگی۔

"سنو میری بہن کو چھٹی کب ملے گی؟"

"کہاں ہے تمہاری بہن؟"

"وہ ادھر اسپیشل روم میں۔" اس نے بتایا تو نرس لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"پتہ نہیں ڈاکٹر صاحبہ آئیں گی تو آپ ان سے پوچھ لیجئے گا۔"

"اچھا کوئی سیریس بات تو نہیں ہے۔؟" اس نے پوچھا تو نرس چند ثانیے اسے دیکھنے کے بعد پوچھنے لگی۔

"وہ تمہاری بہن ہے۔"

"ہاں۔"

"کتنا عرصہ ہوا اس کی شادی کو؟"

"شادی۔" اس نے پہلے ناگواری سے اسے دیکھا پھر فوراً سنبھل کر بولی تھی۔ "زیادہ عرصہ نہیں

ہوا۔ ابھی کوئی چار پانچ مہینے ہوئے ہیں۔"

"اوہ...... پھر تو بے چاری کے ساتھ بڑا ظلم ہے۔" نرس نے افسوس سے کہا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"کک...... کیا ہوا ہے؟"

"وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔"

"میرے اللہ......" اسے شدید دھچکا لگا تھا۔

"تم اسے ابھی بتانا نہیں، اس کی حالت نازک ہے، کوئی صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔" نرس نے کہا تو اس نے دکھ سے سوچا۔

'اس معصوم کو تو ابھی ممتا کا ادراک نہیں ہے، کہاں اس سے محرومی......'

"ڈاکٹر صاحبہ دو بجے آئیں گی۔" نرس نے اس کی خاموشی سے جانے کیا سمجھ کر بتایا تو وہ ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر واپس پلٹ آئی اور پہلے کمرے میں جھانک کر سوہنی کو دیکھا پھر بیرونی کوریڈور میں آ گئی۔ اور موبائل پر گھر کا نمبر پش کرنے لگی۔

"کچھ دیر بعد امی کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز آئی تھی۔

"ہیلو۔"

"امی! آپ رو رہی ہیں۔" اس نے ٹوکا تو اس کی آواز سن کر امی مزید رونے لگیں۔

"روئیں نہیں۔ سوہنی مل گئی ہے۔" اس نے بتایا تو امی بے تابو ہو گئیں۔

"سوہنی مل گئی کہاں ہے؟"

"میرے ساتھ ہے؟"

"میری بات کراؤ۔ میری بچی خیریت سے ہے نا۔"

"جی لیکن ابھی بات نہیں کر سکتی۔ بہت ڈری ہوئی ہے۔ آپ کو تو پتہ ہے وہ کتنی ڈرپوک ہے بس آپ اطمینان سے ہو جائیں اور ہاں عظام بھائی کہہ رہے تھے، ابھی وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ میرا مطلب ہے دو چار دن انہی کے گھر رہے گی۔" وہ سوچ کر جلدی جلدی بول رہی تھی۔

"اور تمہارے ابو! وہ تو کہہ رہے تھے آج اگر سوہنی نہیں آئی تو وہ خود ہی جا کر اسے لے آئیں گے۔" امی نے عظام کا سن کر کیوں کا سوال اٹھانے کے بجائے ابو کی طرف سے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"فکر نہیں کریں، عظام بھائی شام میں آئیں گے تو وہ خود ہی ابو سے بات کر لیں گے۔ میرا خیال ہے ابو انہیں منع نہیں کریں گے۔"

"سوہنی ٹھیک ہے ناں۔" امی نے پھر تشویش سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں، بس دعا کریں۔ میرا مطلب ہے شکر کریں۔"

"شکر ہے اللہ کا میری بچی خیریت سے گھر آ جائے بہت شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔" امی نے کہا تو اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر کچھ سوچ کر توصیف عالم کے نمبر ڈائل کیے تو وہ پہلے موبائل پر اس کا نمبر دیکھ کر بولا تھا۔

"کہاں ہو یار! بس جہاں بھی ہو فوراً آ جاؤ۔"

"سوری توصیف! ابھی نہیں آ سکتی۔" اس نے معذرت کی تو وہ پوچھنے لگا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"زیادہ اچھی نہیں ہے۔"

"اچھا کل تم ضرور آنا۔ بے شک شوٹنگ نہ کرنا لیکن آنا ضرور ورنہ میں خود تمہیں لینے پہنچ جاؤں گا۔" توصیف نے کہا تو وہ بے دلی سے بولی۔

"نہیں، میں آ جاؤں گی۔"

"اور میرے لائق کوئی خدمت۔"

"تھینک یو اینڈ گڈ بائے۔" اس نے موبائل بند کر دیا، پھر سست قدموں سے واپس کمرے میں آ گئی جہاں سوہنی بے خبر سو رہی تھی۔

☆☆☆

"اماں میرے پاس بیٹھو۔" راحل نے اماں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا پھر کہنے لگا۔

"آپ کو پتہ ہے الیشبہ کا رزلٹ آنے والا ہے۔"

"ہاں بتا تو رہی تھی۔" اماں نے کہا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

"آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے۔"

"کون سا وعدہ؟" اماں نے پوچھا لیکن پھر اس کا چہرہ دیکھتے ہی ٹھٹک کر بولیں۔

"نہیں مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔"

"اماں! خدا کے واسطے ایسا مت کرو۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

"دیکھو راحل! ہم یہاں خوش ہیں ناں۔" اماں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"نہیں، میں خوش نہیں ہوں۔"

"کیوں [illegible] خوش نہیں ہے۔ کیا کمی ہے؟ اللہ نے سب کچھ دیا ہوا ہے اور بڑی بات کہ ہم

ان کی نیند سوتے ہیں

"آپ سوتی ہوں گی چین کی نیند میں کبھی نہیں سویا۔ میں چین کی نیند اس روز سوؤں گا جب......"

الیشبہ کے چیخنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر جاتا الیشبہ بھاگتی ہوئی دروازے میں آ کر بولی۔

"اماں بارش بہت تیز ہو رہی ہے۔ میں باجی کے ساتھ چھت پر چلی جاؤں۔"

"ہاں جا دفع ہو۔" وہ اس کی مداخلت سے چڑ کر دھاڑا تو الیشبہ بسور کر بولی۔

"ڈانٹتے کیوں ہو؟"

"اچھا جا۔"

"بچے کو نہ لے جانا۔ اسے ادھر میرے پاس لے آ۔" اماں نے کہا تو الیشبہ بھاگ کر بچے کو اٹھا لائی اور اماں کی گود میں ڈال کر اسی تیزی سے بھاگ گئی تو اماں جان بوجھ کر بچے سے باتیں کرنے میں لگ گئیں۔

وہ کچھ دیر خود پر ضبط کیے انہیں دیکھتا رہا پھر آخر جھنجلا کر بولا۔

"اماں! بس کرو یہ آپ کی کوئی بات نہیں سمجھتا۔"

"کیوں نہیں سمجھتا دیکھ کیسے ہنس رہا ہے۔" اماں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو وہ ان کا بازو ہلا کر بولا۔

"اچھا بس......اب آپ میری بات سنو۔"

"ہاں کیا بات ہے؟" اماں نے اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا تو وہ مزید عاجز آ کر کہنے لگا۔

"آپ کیوں ایسے کرتی ہو۔ مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا۔ میں اب بچہ نہیں ہوں، اپنے حق کے لیے لڑ سکتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دو۔"

"نہیں مجھے تیرا بڑا سہارا ہے۔ اللہ نہ کرے، تجھے کچھ ہو گیا تو میں......"

"کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ میں کوئی بندوق، تلوار سے جنگ لڑنے کی بات نہیں کر رہا۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولا۔

"کیوں ضد کرتا ہے؟"

"یہ ضد نہیں ہے اماں برسوں سے میرے اندر الاؤ دہک رہا ہے۔ یہ ایسے سرد نہیں ہوگا، آپ مان لو ورنہ اس الاؤ میں، میں خود جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کرتا ہے بس چپ ہو جا۔"

"چپ ہو گیا ناں تو پھر کبھی نہیں بولوں گا۔ ہمیشہ کے لیے چپ ہو جاؤں گا۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کر تیز قدموں سے باہر نکل آیا۔

"راحل! راحل......!" اماں پکار رہی تھیں۔ لیکن وہ رکا نہیں۔ چھاجوں برستے مینہ میں گھر سے ہی نکل آیا تھا۔

گرمیوں کی بارش تھی اور بچے تو بچے بڑے بھی سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ گزشتہ ایک ہفتے سے گرمی بھی تو بلا کی پڑ رہی تھی۔ اور گرمی سے اکتائے ہوئے لوگوں کی جیسے عید ہو گئی تھی۔ وہ اگر اماں سے الجھ کر نہ آتا تو اس وقت وہ بھی بہت انجوائے کرتا، لیکن اب اپنے آپ سے لڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ راستے میں کتنے لوگوں نے اسے پکارا لیکن وہ سن کر بھی نہیں رکا اور اپنے کلینک سے باہر رکھے بینچ پر جا بیٹھا تھا۔

اور ادھر گھر میں اماں جلے پیر کی بلی کی مانند چکراتی پھر رہی تھیں کیونکہ اس سے پہلے اس نے کبھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔ ہمیشہ نرمی اور لجاجت سے کہا تھا۔ اماں مان جاؤ، اماں مان جاؤ، اور جو اماں ڈانٹ دیتیں تو خاموش ہو جاتا تھا۔ لیکن آج پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا تھا۔ اماں اس کی باتیں سوچ سوچ کر ہول رہی تھیں۔ پھر گھبرا کر الیشبہ کو پکارنے لگیں تو وہ زینے میں آ کر بولی۔

"کیا ہے اماں؟"

"تیرا دل نہیں بھرا ابھی، چل نیچے آ۔" اماں نے ڈانٹ کر کہا۔

"اماں! بارش۔"

"رک گئی بارش چل آ کر کچھ کھانے کو بنا۔"

"ابھی تو کھانا کھایا تھا۔" الیشبہ نے احتجاج کیا۔

"پکوڑے بنا دے اور راحل میٹھی پکوڑی شوق سے کھاتا ہے۔" اماں کو روٹھے بیٹے کا خیال تھا۔

الیشبہ نے گردن موڑ کر فائقہ کی بات سنی پھر اماں سے بولی۔

"اماں! باجی پوچھ رہی ہیں کاکا سو گیا؟"

"ہاں سو گیا۔"

"سو گیا باجی۔" وہ فائقہ کو بتا کر نیچے آ گئی اور جلدی سے کپڑے بدل کر کچن میں جا گھسی۔

کوئی گھنٹہ بھر برسنے کے بعد بارش تھم گئی، تب وہ گھر لوٹا تو اماں جو اس وقت سے اس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے بظاہر انجان سی بن گئیں۔

وہ کچھ دیر اماں کے متوجہ ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ وہ اس سے پوچھیں گی۔

"کہاں چلا گیا تھا۔" پھر مایوس ہو کر خود ہی پوچھنے لگا۔

"الیشبہ کہاں ہے؟"

"باورچی خانے میں۔" اماں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تو وہ جھنجلاتا ہوا کچن میں آ گیا۔

"پکوڑے اور میٹھی کچوری۔" الیشبہ نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر بتایا۔

"اور وہ دونوں کہاں ہیں؟" اس نے فائقہ اور بچے کا پوچھا۔

"چھوٹا سو رہا ہے اور باجی اوپر چھت پر بیٹھی ہے۔"

"اکیلی؟"

"ہاں کہہ رہی تھی کہ کچھ دیر یہیں بیٹھوں گی۔ بہت خوش ہو رہی تھی بارش میں کراچی میں بارش نہیں ہوتی؟" الیشبہ نے فائقہ کا بتا کر پوچھا۔

"کیوں نہیں ہوتی؟ چلے گی کراچی؟"

"ایسے ہی کہتے رہتے ہو لے تو جاتے نہیں۔"

"میں ابھی لے جانے کو تیار ہوں تو اماں سے پوچھ لے، وہی نہیں مانتیں۔" اس نے کہا پھر خود ہی سر جھٹک کر بولا۔ "خیر چھوڑو یہ بتاؤ پکوڑے کب بنیں گے؟"

"بس ابھی۔"

"اچھا میں چھت پر جا رہا ہوں۔ وہیں لے آنا۔" اس نے کہا پھر کن انکھیوں سے اماں کو دیکھتا ہوا زینہ چڑھ آیا۔ اور چھت پر پہلے قدم پر ہی وہ رک گیا تھا۔

سامنے چھجے کے نیچے بیٹھی وہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ یقیناً کوئی دلکش خیال تھا جس نے اس کے چہرے کی دلکشی میں اضافہ کر دیا تھا۔ یا شاید جیسے بارش نے ساری فضا کو نکھار دیا تھا۔ وہ بھی نکھر گئی تھی۔

❀❀❀

راحل نے پہلے دبے پاؤں جا کر اسے چونکانے کا سوچا، لیکن پھر ذرا سا کھانسا تو وہ بغیر چونکے اس انداز سے اسے دیکھنے لگی اس سے وہ سمجھ گیا کہ اس کا ذہن ابھی بھی کہیں اور ہے۔

"السلام علیکم۔" وہ اس کے قریب جا کر بولا تب وہ چونک کر ذرا سا مسکرائی۔

"کیا سوچ رہی تھیں؟" وہ بڑے آرام سے اس کے سامنے گیلے فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"شکر ہے، موسم خوشگوار ہوا۔" وہ اس کی بات ان سنی کر گئی پھر پوچھنے لگی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"کہیں نہیں یہیں تھا۔"

"الیشبہ بتا رہی تھی تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہیں کیا لگ رہا ہے؟" وہ الٹا اس سے پوچھ کر مسکرایا بھی پھر بھی اس نے ٹوک دیا۔

"روٹھے روٹھے لگ رہے ہو۔"

"مجھے کس سے روٹھنا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ پیچھے فرش پر جما دیئے اور گردن اٹھا کر آسمان تکنے لگا تھا۔

"کوئی تو ہوگی۔" وہ معنی خیز انداز میں پوچھ کر بغور اسے دیکھنے لگی تھی۔

"نہیں......" بڑا سادہ سا انداز تھا۔

"میں نہیں مانتی۔" اس نے کہا تو وہ گردن نیچے گرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ یہ فطری جذبہ ہے، ہر شخص پر ایک ایسی عمر آتی ہے جب......"

"میں اس عمر سے آگے نکل آیا ہوں۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ تو وہ بھی گی۔

"چلو تو جب اس عمر میں تھے تب......؟"

"تب کی بات چھوڑو، ابھی کی بات کرو۔ تم بتاؤ ابھی میرے آنے سے پہلے کیا سوچ رہی

تھیں؟"

"میں شیری کو سوچ رہی تھی۔" اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"کب تک کب تک تم اسے سوچتی رہو گی؟"

"جب تک سانس ہے۔" وہ کہہ کر کچھ انجان سی بن گئی۔

"اور تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟" وہ پوچھنے سے باز نہیں رہ سکا۔

"اپنے بارے میں کیا سوچوں؟" وہ اس کا مطلب سمجھ کر بے دلی سے بولی تھی۔

"یہی کہ اتنی لمبی عمر تنہا نہیں کٹ سکتی۔"

"میں تم سے اختلاف نہیں کروں گی۔ لیکن جس کے نصیب میں لمبی عمر تنہا کاٹنا لکھا ہو وہ کیا کرے؟"

"نصیب میں وہی لکھا جاتا ہے جو انسان خلوص اور نیک نیتی سے سوچتا اور چاہتا ہے۔"

"اور اگر میں سوچوں اور چاہوں کہ مجھے شیری دوبارہ مل جائے تو کیا مل جائے گا۔"

"وہ نہیں اس جیسا تو مل سکتا ہے۔"

"نہیں اس جیسا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ اپنی طرف سے بات ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بے اختیار اس کی کلائی تھام کر بولا۔

"مانتا ہوں اس جیسا کوئی نہیں لیکن دنیا میں ابھی اچھے لوگ موجود ہیں جب ہی تو دنیا قائم ہے۔"

وہ جو اس کی ہر بات کا جواب دیئے جا رہی تھی تو ابھی بھی لاجواب تو نہیں ہوئی تھی بس اس کی بے اختیار حرکت سے گنگ ہو گئی تھی۔

"غلط کہہ رہا ہوں کیا؟" راحل نے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔

بارش سے گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا یا شاید چھتوں پر ٹھہرے پانی کی وجہ سے پنکھے کی ہوا ٹھنڈی لگ رہی تھی۔ اور اس کا دل چاہ رہا تھا سکون سے سو جائے۔ لیکن نیند آ کے نہیں دے رہی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر بدن بھی دکھنے لگا تھا۔ آخر تھک کر اس نے بستر چھوڑ دیا اور کچھ دیر مدھم روشنی میں اماں کو دیکھتی رہی پھر بچے کی طرف سے اطمینان کر کے بہت احتیاط سے کمرے سے نکل آئی۔

ابھی بھی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اس نے برآمدے سے باہر بازو پھیلا کر چند قطرے ہتھیلی پر محسوس کیے پھر بے آواز قدموں سے چلتی چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں جا کر ایلبم کو دیکھنے لگی کہ

ایدوہ جاگ رہی ہو لیکن وہ صوفے پر بے خبر پڑی تھی۔ وہ انہی قدموں پلٹ کر برآمدے میں آ ٹھی۔ کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت تھی۔ دل اور ذہن پر کوئی بوجھ بھی نہیں تھا۔ نہ کوئی سوچ، بس در خالی خالی سا لگ رہا تھا۔

'میں ایسی کیوں ہو گئی ہوں،' وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر اپنا تجزیہ کرنے لگی تھی، سارے حساسات جیسے مردہ ہو گئے ہیں۔ کسی بات کی خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے نہ سنگینی کا اور کبھی کبھی تو یں لگتا ہے جیسے میں ہمیشہ سے یہیں اسی گھر میں ہوں۔ گزرے ماہ و سال سب خواب تھے اور کبھی یہ سب خواب لگتا ہے۔ آگے کا سوچنا چاہوں تو ذہن بالکل خالی ہو جاتا ہے اور دل کا تو کچھ پتہ ی نہیں۔ جس کا تھا وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ یہی سچ ہے۔ ورنہ کہیں تو کوئی احساس ملتا۔ کوئی امنگ جاگتی، کچھ بھی نہیں، کتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ راحل کے انداز بدل رہے ہیں، اس کی آنکھیں بھی بولنے لگی ہیں اور میں کسی ڈر، کسی خوف سے نظرانداز نہیں کر رہی، بلکہ مجھے سب بے معنی سا لگتا ہے۔ جیسے شام میں اس نے بے اختیار میری کلائی تھامی تو میں اس کی جسارت پر بس حیران ہوئی تھی۔ اور کوئی احساس نہیں جاگا۔ اچھا برا کچھ بھی نہیں اور یہ میں اسے کیسے سمجھاؤں۔'

وہ ایک تسلسل سے سوچتے ہوئے گردوپیش کا ہوش بھلائے بیٹھی تھی۔ ادھر بارش نے پھر زور پکڑ لیا تھا اور اندر شاید اس کا بچہ بھی رو دیا تھا۔ لیکن اسے کچھ پتہ نہیں چلا، جب اماں نے آ کر اس کا کندھا ہلایا تب وہ چونکنے کے ساتھ اپنی بے خبری پر شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی جب ہی یہاں آ بیٹھی۔"

"بیٹھنے کو منع نہیں ہے بیٹی! جہاں دل چاہے بیٹھ تیرا اپنا گھر ہے پر۔" اماں جانے کیا کہتے کہتے خاموش ہو گئیں۔

"سوری اماں! مجھے شاید اس وقت......" وہ کہہ کر اٹھنے لگی کہ اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اندھیرے میں اس کا چہرہ چھو کر پوچھنے لگی۔

"تو رو تو نہیں رہی؟"

"نہیں اماں!"

"پریشان ہے۔ گھر والے یاد آتے ہیں؟" اماں نے جس محبت سے پوچھا۔ اس سے وہ نہ روتی بھی رو پڑی اور خود کو روکتے روکتے بھی ان کے سینے سے لگ گئی۔

"پگلی......" اماں اس کی پیٹھ سہلانے لگیں تو وہ شدت سے رونے لگی۔

"اچانک بانہوں کا سہارا جو میسر آ گیا تھا۔ جب کہ اماں پریشان ہو گئی تھیں اور اسے چپ کرانے کے ساتھ ساتھ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں۔

اس کے رونے اور اماں کے بولنے کی آواز سے ہی راحل کی آنکھ کھلی تھی اور کچھ دیر وہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا پھر اٹھ کر برآمدے میں آتے ہی لائٹ آن کردی تو اماں اسے دیکھ کر بگڑنے لگیں۔

"پہلے پکار نہیں سکتا تھا۔ ایسے چپ چپاتے چلا آیا۔"

"یہ کیوں رو رہی ہے؟"

"پتہ نہیں شاید اس کو اپنا گھر یاد آرہا ہے۔" اماں نے خود سے سمجھ کر کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"کون سا گھر؟"

"کوئی گھر نہیں۔" وہ بول پڑی۔ "مجھے کوئی گھر یاد نہیں آرہا۔"

"پھر رو کیوں رہی ہو۔"

"نیند نہیں آرہی اس لیے۔" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

"کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو؟" وہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں سب سو گئے اور میں اکیلی پڑی جاگ رہی تھی آخر تھک کر یہاں آ بیٹھی تو اماں بھی اٹھ کر چلی آئیں۔"

"یہ اچھا طریقہ ہے، خود کو نیند نہیں آرہی تو سب کو اٹھا دیا۔ اماں آئندہ اس کے سونے کے بعد سونا اور تم رونا بند کرو، میں ٹیبلٹ دیتا ہوں، دو منٹ میں سلا دے گی۔" وہ کہہ کر جانے لگا تو وہ فوراً بولی

"نہیں میں کوئی ٹیبلٹ نہیں لوں گی۔"

"کیوں؟"

"بس نہیں۔ چلیں اماں! ہم سوتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گولی لے لے بیٹی! نہیں تو پھر جاگتی رہے گی۔" اماں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو اماں! آپ جاؤ سو خوامخواہ اس کے لیے پریشان ہوتی ہیں۔"

وہ سر جھٹک کر چلا گیا تو وہ بھی اماں کے ساتھ کمرے میں آگئی اور اپنی جگہ پر لیٹ کر انہیں دیکھنے لگی۔ جن کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں پھر بھی سو نہیں رہی تھیں۔

"سو جاؤ اماں!" اس نے کہا تو وہ زبردستی آنکھیں کھول کر بولیں۔

"تجھے نیند آئے گی تب سوؤں گی۔"

"اور اگر مجھے ساری رات نیند نہ آئی تو آپ ایسے ہی بیٹھی رہیں گی۔"

اس نے کہا تو اماں جانے کیا بڑبڑاتے ہوئے لیٹ گئیں۔ اور کچھ ہی دیر میں ان کے خراٹے بھی گونجنے لگے تھے۔

☆☆☆

تیسرے دن جب عظام، سوہنی کو اپنے گھر لے گئے تب رابعہ امی کو ماموں جی کے گھر لے آئی تھی۔ گو کہ اس نے امی کو سوہنی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس یہی کہتی رہی تھی کہ وہ ڈری سہمی ہوئی ہے۔ باقی سب ٹھیک ہے اور امی نے اس کا یقین بھی کر لیا تھا لیکن سوہنی کو دیکھتے ہی سمجھ گئیں کہ ان کی اس بیٹی کے نصیب پر بھی سیاہی پھر گئی ہے اور خود پر بہت ضبط کرتے ہوئے اس کا زرد چہرہ ہاتھوں میں لے کر وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر دکھ سے بولیں۔

"تو مر جاتی تو میں سب کے سامنے رہ سکتی تھی، اب تو چھپ کر بھی......"

ان کی آواز حلق ہی میں اٹک گئی اور اگلے پل وہ اسے سینے میں بھینچ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

"امی......؟" رابعہ نے انہیں کندھوں سے تھام کر الگ کرنا چاہا لیکن عظام نے اشارے سے اسے روک دیا۔

تب ہی مامی جی اور اسماء بھی بھاگی آئی تھیں۔

"ارے رونے کی کیا بات ہے۔ شکر کرو جان بچ گئی۔"

مامی جی، امی کو تسلی دینے لگیں کیونکہ عظام نے انہیں یہ ہی بتایا تھا کہ وہ سوہنی کو لا رہے تھے تو راستے میں ایکسیڈنٹ ہو گیا جس سے سوہنی سہمی ہوئی ہے جب ہی وہ اسی حساب سے بول رہی تھیں۔

"بس کریں امی! مت اسے پریشان کریں۔ عظام بھائی آپ ہی انہیں سمجھائیں۔" عظام نے مامی جی اور اسماء کے ساتھ رابعہ کو بھی کمرے سے نکال دیا پھر امی کو سوہنی سے الگ تو کر دیا لیکن انہیں چپ کرانے میں ناکام ہو گئے تو عاجز آ کر بولے۔

"خدا کے لئے پھوپھو! اس معصوم پر رحم کریں۔ آپ کے آنسو اسے مجرم بنا رہے ہیں۔"

"تمہارے پھوپھا تو مجھے۔" امی روتے ہوئے اسی قدر کہہ سکیں۔

"پھوپھا جان کو میں سمجھا دوں گا۔"

"نہیں سمجھا سکتے۔ مار ڈالیں گے وہ اسے۔"

"کیوں مار ڈالیں گے کیا کیا ہے اس نے۔" وہ اچانک تیز ہوئے تھے لیکن پھر سوہنی کو دیکھ کر دانت بھینچ گئے جو امی کی بات پر مزید زرد پڑ گئی تھی۔

"چلیں اٹھیں میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔" قدرے توقف سے عظام نے امی سے کہا تو وہ اسی سے بولیں۔

''چلو تم بھی اٹھو اور خبردار جو باپ کے سامنے اس طرح مسکین بن کر بیٹھیں۔''

''پھوپھو، آپ......'' عظام کچھ کہتے کہتے رہ گئے پھر دروازے تک جا کر رابعہ کو پکار لیا۔ اور ا
کے آنے پر بولے۔

''پھوپھو جا رہی ہیں اور سوہنی بھی۔''

''سوہنی......'' رابعہ نے ایک نظر سوہنی پھر امی کو دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

''اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ گھر لے چلو اور اس سے کہو اس طرح چپ نہ بیٹھے ورنہ مجھے
تمہارے باپ کو ساری حقیقت بتانی پڑے گی۔''

''چلیں پھر......لیکن اسماء کھانا بنا رہی ہے۔'' رابعہ نے اس وقت کوئی بحث نہیں کی۔

''منع کرو۔'' امی اٹھ کھڑی ہوئیں اور سوہنی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ نظریں چرا کر خود
کھڑی ہو گئی تھی۔

پھر مامی جی نے بہت کہا کہ کھانا کھا کر جائیں، لیکن امی نہیں رکیں اور خود ہی سوہنی کا ہاتھ پکڑ
باہر نکل گئیں تو رابعہ، اسماء اور مامی جی سے معذرت کر کے عظام کے ساتھ باہر آ گئی۔

عظام کو سوہنی کے ساتھ امی کا رویہ بری طرح کھل رہا تھا۔ لیکن اس وقت انہیں خاموش رہنا
بہتر لگا اور اسی خاموشی سے وہ انہیں گھر چھوڑ کر چلے گئے تب امی نے رابعہ کو پکڑ لیا۔

''تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا، اسی وقت سچ کیوں نہیں بتا دیا تھا۔ اب بتاؤ میں تمہارے
باپ سے کیا کہوں گی۔ وہ تو سارا الزام عظام کے سر رکھیں گے کہ وہی اسے لے گیا تھا۔''

''تو آپ کو زیادہ فکر عظام بھائی کی ہے کہ کہیں ان پر نہ الزام آ جائے۔'' رابعہ بری طرح جل
گئی تھی۔

''کیوں نہ کروں میں اس کی فکر ہر اچھے برے وقت میں کام آتا ہے۔ اپنی اولاد سے تو
امید نہیں، بیٹا گھر بسا کر الگ ہو گیا اور بیٹیاں۔''

''بیٹیوں کے نصیب میں بسنا نہیں لکھا۔'' رابعہ نے ان کی بات پوری کی تھی۔

''ٹھیک کہتی ہو۔ بیٹیوں کے نصیب ہی برے ہیں۔ پتہ نہیں کیا گناہ ہوا تھا مجھ سے جو ساری
جلی میرے ہی گھر پیدا ہوئیں۔''

امی کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا تھا جب ہی رابعہ نے خاموشی اختیار کر لی اور کچھ دیر رک کر ا
کے پاس آ بیٹھی۔

''آپ ابو سے کیوں ڈر رہی ہیں۔ جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کیا قصور میں خود ابو کو ساری تفا
بتا دوں گی۔ بس آپ سوہنی کو کچھ نہ کہیں۔''

''کیا ہو گا اس لڑکی کا؟'' امی کی آنکھوں سے پھر جھڑی لگ گئی۔

''جو اللہ کو منظور، سب اسی پر چھوڑ دیں۔ وہ بہتر انصاف کرنے والا ہے۔'' اس نے اپنے
ں سے امی کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اللہ سمجھے اس نامراد سے، میری معصوم بچی کے ساتھ جو زیادتی کی اللہ اس کے آگے لائے۔''
ب اسے کوسنے لگی تھیں۔

☆☆☆

بیگم آفندی اپنے نام کا اشتہار لگوانے کا بدلہ لینے کے بعد بھی سکون سے نہیں تھیں۔ بلکہ مزید
ائی ہوئی تھیں کہ رابعہ کی ان فضول حرکتوں کے باعث ان کا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ جب کہ وہ
از جلد فائقہ تک پہنچنا چاہتی تھیں۔ لندن میں پندرہ دن قیام کے بعد جب وہ واپس آئیں تو
، سے پہلے ایس پی جنید خان کو فون کر کے اپنی آمد کا بتاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''خان صاحب! میری بہو کا کچھ پتہ چلا؟''

''نہیں بیگم صاحبہ! آپ نے کارروائی ہی نہیں کرنے دی۔'' جنید خان نے کہا تو وہ چیخ کر
ے لگیں۔

''کیا کارروائی کرنا چاہتے ہیں آپ؟''

''معاف کیجئے گا بیگم صاحبہ! مجھے بار بار ہی کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی پر ہاتھ نہیں
ا سکتے، جب تک آپ رپورٹ درج نہیں کرائیں گی، آخر آپ اس سے کیوں گریز کر رہی
ا۔''

''چونکہ میں تھانے کچہریوں میں اپنی بہو کا اشتہار نہیں لگوانا چاہتی۔'' انہوں نے کہا تو وہ فوراً

''اخبار میں تو لگوا چکی ہیں۔''

''اخبار کی بات اور ہے وہ پڑھے لکھے ہاتھوں میں جاتا ہے۔'' وہ اندر ہی اندر تلملا کر بولی
ما۔

''تو ایسا کریں ایک اشتہار اور لگوا دیں۔ میرا مطلب ہے کوئی انعام وغیرہ رکھیں شاید انعام کے
لیں......'' جنید خان نے ان کی خاموشی محسوس کر کے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہوں۔'' بیگم آفندی سوچتے ہوئے بولیں۔ ''کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں۔''

''جی اس طرح جو بھی شخص آپ کے پاس آئے آپ فوراً مجھے کال کر لیجئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور خود پر بہت جبر کر کے فائقہ کے گھر کا نمبر

ڈائل کرنے لگیں۔ جبکہ دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا اس گھر کے کسی بھی فرد سے بات کرنے کو، مگر انہیں
یہ جاننے سے دلچسپی تھی کہ سوہنی والے سانحے کے بعد اس گھر کے افراد پر کیا بیت رہی ہے۔ لیکن
کیونکہ دل میں چور تھا اس لیے خود کو انجان ظاہر کرنے کی لاشعوری کوشش تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف رابعہ تھی

"میں فائقہ کی ساس بات کر رہی ہوں۔" انہوں نے کہا تو ادھر رابعہ جانے کیا سوچ چکی تھی خلاف عادت بڑے آرام سے پوچھنے لگی۔

"جی آنٹی! کیسی ہیں آپ؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل اپنی حیرت چھپا سکی تھیں۔

"لندن سے کب آئیں؟" رابعہ نے پوچھا۔

"ابھی یہ بتاؤ فائقہ کا کچھ پتہ چلا۔" انہوں نے اختصار سے کام لے کر پوچھا۔

"بس اتنا کہ وہ جہاں بھی ہے اپنے بچے کے ساتھ خیریت سے ہے۔" رابعہ نے ان کے اندر
بے چینی سی پھیلا دی تھی۔

"کک...... کیا مطلب کیسے پتہ چلا؟"

"اس کا فون آیا تھا۔" رابعہ یقیناً ان کی کیفیت سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"کب...... کہاں سے؟"

"پتہ نہیں میرا مطلب ہے اس نے بتایا ہی نہیں۔ میں نے بہت پوچھا لیکن......"

"عجیب پاگل لڑکی ہے۔" وہ اندر ہی اندر تلملا رہی تھیں۔

"بس آنٹی! کیا کہوں؟"

"پھر فون کرنے کو کہا تھا اس نے؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا کہ کہیں رابعہ فون بند نہ کر
دے۔

"جی لیکن ابو نے منع کر دیا۔" رابعہ نے بتایا تو وہ چیخ کر پوچھنے لگیں۔

"کیوں۔ کیوں منع کر دیا؟"

"کیونکہ ابو اس سے بہت ناراض ہیں کہتے ہیں اب کبھی اس کی شکل نہیں دیکھیں گے۔ اور اس
سے بھی یہی کہا ہے کہ پھر کبھی یہاں فون نہ کرے۔"

"یہ بہت غلط کیا اعزاز صاحب نے میں مانتی ہوں فائقہ نے غلط قدم اٹھایا ہے۔ پھر بھی اسے
اس کے حال پر تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کیونکہ وہ نادان ہے، بے وقوف ہے۔ اسے سمجھایا جا سکتا
ہے۔"

"جی! لیکن ابو کو کون سمجھائے۔"

"میں...... میں بات کرتی ہوں ان سے۔ کہاں ہیں اس وقت؟" وہ جو اس گھر کے کسی فرد سے
بات نہیں کرنا چاہتی تھیں اب بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک سے فائقہ کے بارے میں پوچھیں۔

"ابو تو ابھی آفس سے نہیں آئے۔" رابعہ نے بتایا تو وہ پھر بے صبری کا مظاہرہ کر گئیں۔

"کب تک آئیں گے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"اچھا میں پھر فون کروں گی۔ اور ہاں تم نے بچے کا بتایا تھا؟" انہوں نے ایک دم خیال آنے پر
پوچھا تو ادھر وہ انجان بن گئی۔

"کون سا بچہ؟"

"فائقہ کا کیا ہے۔ بیٹا یا بیٹی۔" ان کی جھنجھلاہٹ عیاں ہونے پر رابعہ کھلکھلائی تھی۔

"بیٹا۔"

"بیٹا! میرے شیری کا بیٹا ہوا ہے؟"

وہ اچانک ہر بات بھلا کر صرف اس ایک بات سے خوش ہو گئیں یوں جیسے اپنے اصل مقصد
میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ فوراً ادھر سے رابطہ منقطع کر کے اپنے لیگل ایڈوائزر ابرار قریشی کے نمبر ملا
لیے اور ان کی آواز سنتے ہی کہنے لگیں۔

"ابرار صاحب! میں ابھی لندن سے لوٹی ہوں اور یہاں مجھے زبردست خوشخبری سننے کو ملی
ہے۔"

"ماشاء اللہ۔" ابرار قریشی مشتاق ہو گئے تھے۔

"شیری میرے شیری کا بیٹا ہوا ہے۔" انہوں نے خوشی سے بتایا۔

"ماشاء اللہ بہت بہت مبارک ہو۔ فائقہ آ گئی کیا؟" ابرار قریشی نے مبارکباد کے ساتھ ہی
پوچھا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئیں۔

"نہیں اس کا فون آیا تھا۔ اسی نے بتایا ہے کہ اس نے شیری کے وارث کو جنم دیا ہے۔" انہوں
نے بہت سنبھل کر وراثت کا حق جتایا تھا۔

"اچھا ایک خبر میرے پاس بھی ہے۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

"اچھی خبر سنائیے گا۔"

"اتنی اچھی تو نہیں ہو سکتی جتنی آپ نے سنائی ہے۔ بہرحال اسفند یار اپنی والدہ اور بہن کے
ساتھ آ رہے ہیں۔" ابرار قریشی نے گویا ان کی ساری خوشی پر پانی پھیر دیا تھا۔ پھر بھی وہ بظاہر خوش

ہو کر پوچھنے لگیں۔

"اچھا کب؟"

"کوئی دن تاریخ تو انہوں نے نہیں بتائی۔ بس یہی کہا کہ جلدی آئیں گے۔"

"دعا کریں ابرار صاحب! فائقہ بھی آجائے۔ میں اس کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

وہ اسفندیار کے بارے میں مزید بات نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لیے فوراً فائقہ کا ذکر آئیں۔

"آجائے گی، جب فون کیا ہے تو خود بھی آجائے گی۔" ابرار قریشی کا انداز تسلی دینے والا تھا۔

"خدا کرے اور ہاں میں پھر اخباروں میں اشتہار لگوا رہی ہوں۔ سوچ رہی ہوں انعام ... لیے بھاری رقم کا اعلان کر دوں۔"

"ہاں اس طرح ممکن ہے اس کا اتہ پتہ مل جائے۔" ابرار قریشی نے ایک طرح سے تائید کی تھی۔

"ضرور مل جائے گا۔" انہوں نے یقین سے کہہ کر فون رکھ دیا اور اسفندیار کے بارے میں سوچنے لگیں۔

☆☆☆

وہ بچے کو تھپکنے کے ساتھ بہت دھیمی آواز میں کوئی لوری بھی گنگنا رہی تھی کہ اچانک شور کی آواز سے چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو جلدی سے اٹھ کر کمرے سے نکل آئی، لیکن جب راحل کے ہاتھ میں اخبار دیکھا تو سمجھ گئی کہ الیشبہ کا رزلٹ آگیا ہے۔ جب ہی وہ شور مچا رہی تھی۔

"رول نمبر بتاؤ۔" راحل اخبار والا ہاتھ اوپر اٹھائے اصرار کر رہا تھا۔

"نہیں میں خود دیکھوں گی۔" الیشبہ بضد تھی۔ ساتھ ہی اچھل اچھل کر اخبار جھپٹنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

وہ کچھ دیر دلچسپی سے دونوں کو دیکھتی رہی پھر قریب جا کر راحل سے بولی۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اسے دے دو۔ وہ خود ہی دیکھے گی۔"

"میں اگر دیکھ کر بتاؤں گا تو کوئی گناہ ہو جائے گا۔"

راحل اس کی طرف متوجہ ہوا تھا تو بے دھیانی میں اوپر اٹھا ہاتھ بھی نیچے کرلیا اور اسی پل الیشبہ اخبار جھپٹ کر بھاگ گئی۔

"ارے......" وہ اس کے پیچھے جانے لگا لیکن پھر رک کر اسے گھورنے لگا تو وہ ہنس پڑی۔

"اب تم مجھے الزام دو گے۔"

"کس کس بات کا الزام دوں تمہیں، تم نے تو......"

وہ جانے کیا کہتے کہتے ایک دم خاموش ہوا پھر فوراً پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تو اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پہلے پلٹ کر الیشبہ کو دیکھا پھر اس کے پیچھے چلی آئی اور دروازے میں رک کر اسے پکارا۔

"راحل۔" وہ کسی روٹھے بچے کی طرح اس کونے میں چلا گیا جہاں کمپیوٹر رکھا تھا۔

"راحل! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" وہ اندر چلی آئی۔ اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

"میں سن رہا ہوں۔" وہ بے نیازی برتنے لگا۔ تو وہ اپنے آپ میں جھنجھلانے لگی۔

"تم ایسے کیوں کر رہے ہو۔ میری بات سنو۔"

"کہو گی تو سنوں گا۔" وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ فوراً بولی تھی۔

"میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔"

"کہاں؟" وہ کیوں کا سوال اٹھانا چاہتا تھا لیکن جانے کیسے ہونٹ سکڑنے کے بجائے پورے کھل گئے تھے۔

"کہیں بھی۔"

"کہیں بھی۔" اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں دہرایا تو وہ اپنے آپ میں الجھ کر بولی۔

"ہاں کہیں بھی بس مجھے یہاں نہیں رہنا۔"

"کیوں؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔" اس نے کہا تو وہ یقین سے بولا۔

"میں بتا سکتا ہوں مجھ سے بھاگنا چاہتی ہو نا۔"

"ہاں لیکن تم غلط سمجھ رہے ہو۔" اس نے اعتراف کے ساتھ کہا تو وہ رخ موڑ کر کمپیوٹر آن کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیا غلط سمجھ رہا ہوں۔"

"پہلے تم بتاؤ تم نے کیسے کہا کہ میں تم سے بھاگنا چاہتی ہوں۔"

وہ خاموش رہا تو کچھ انتظار کے بعد وہ خود ہی کہنے لگی۔

"سنو راحل! میں کوئی نو عمر نادان لڑکی نہیں ہوں جو بدلتے رویوں کو سمجھ نہ سکوں اور نہ ہی میں اتنی چالاک اور خود غرض ہوں کہ اپنے مفاد کی خاطر دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھالوں بلکہ مجھے ہمیشہ دوسروں کا خیال رہا ہے اور ابھی بھی اگر میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں تو میرے پیش نظر

تمہاری بھلائی ہے۔"

وہ فوراً ریوالونگ چیئر اس کی طرف گھما کر اسے دیکھنے لگا۔ لیکن بولا کچھ نہیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تم جس راہ پر چلنا چاہتے ہو اس پر میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی۔ یہ میں تمہارے اور اپنے درمیان کسی فرق کے باعث نہیں کہہ رہی بلکہ میں اپنی راہوں سے پلٹنا نہیں چاہتی۔ یا اگر چاہوں بھی تو نہیں پلٹ سکتی۔ کیونکہ میرا دل میرے ساتھ نہیں ہے۔ اور سارے معاملے تو دل کے ساتھ چلتے ہیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

اس نے ذرا دیر کو سر جھکایا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"میں نے تم سے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں لیکن میں خود سمجھ سکتی ہوں۔" اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو، یہ سب نہیں ہونا چاہئے۔

"تو یہ بھی سمجھ لو کہ میں تمہیں کبھی کسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن اپنے دل پر مجھے اختیار نہیں ہے اور نہ میں اسے اختیار میں کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے دل کی بے اختیاری بہت مزہ دیتی ہیں۔ اس کا پاگل پن بڑے حسین خواب دکھاتا ہے۔"

وہ ایک نادیدہ نقطے پر نظریں مرکوز کیے جانے کس احساس میں گھر کر بول رہا تھا، جس کا عکس اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ سہم گئی۔

"یہ حسین خواب بہت رلاتے ہیں راحل۔"

"اگر انہیں پانے کی تمنا کی جائے اور وہ پوری نہ ہو تب؟" اس نے کہہ کر اسے دیکھا تو سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوگئی۔

"تم......" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"پاگل کہہ لو۔" وہ ہنسا۔

وہ ذرا سا نفی میں سر ہلا کر جانے لگی تو اس نے پکار لیا۔

"سنو، پریشان مت ہو اور ہاں اگر تم کہیں بھی جانے کے بجائے اپنے گھر جانے کی بات کرو تو میں سنجیدگی سے سوچ سکتا ہوں۔"

"پہلے فون تو کراؤ۔ کتنے دنوں سے کہہ رہی ہوں۔" اسے گھر کے ساتھ ہی فون کا خیال بھی آ گیا۔

"کل...... ہاں کل اتوار ہے نا کل لے چلوں گا لیکن......"

"رہو گی نہیں میں۔" وہ جلدی سے کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی تو آگے الیشبہ کو روتے

دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

"ہائیں کیا ہوا اماں اسے کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں مجھے تو بتا نہیں رہی۔" اماں جیسے اس سے پوچھ پوچھ کر تھک چکی تھیں۔

"الیشبہ!" اس نے بیٹھ کر الیشبہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟" راحل رونے کی آواز سن کر فوراً آ گیا اور الیشبہ کے ہاتھ میں اخبار دیکھتے ہی سمجھ کر پوچھنے لگا۔ "فیل ہوگئی کیا؟"

"جی نہیں۔" وہ اچھل کر بولی۔ "الیشبہ فیل نہیں ہو سکتی۔"

"اسی لیے تو رو رہی ہے۔" راحل نے الیشبہ کے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے کہا۔

"ہیں الیشبہ...... بتاؤ نا؟" اس نے الیشبہ کا کندھا ہلایا تو وہ اس کے گلے لگ کر اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"میں فیل ہوگئی۔"

"رول نمبر بتاؤ۔" راحل نے اخبار پھیلا کر پوچھا۔

"میں نے دیکھ لیا ہے نہیں ہے۔"

"تم بتاؤ تو......" اس نے تیزی سے کہا تو الیشبہ نے نمبر بتا کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

وہ کبھی الیشبہ کو چپ کرانے کی کوشش کرتی کبھی اسے دیکھنے لگتی۔

"بڑا شوق تھا میں خود دیکھوں گی اور یہ بھی اس کی طرف داری کرنے آ گئیں۔ جبکہ مجھے پتہ تھا کہ اسے بوکھلاہٹ میں کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔"

وہ اخبار پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولے جا رہا تھا۔ پھر ایک جگہ انگلی رکھ کر اسے دیکھنے لگا تو اس نے فوراً پوچھا۔

"مل گیا۔" اور اس کا جواب سنے بغیر الیشبہ کو جھنجھوڑنے لگی۔ "الیشبہ مل گیا نمبر تم پاس ہوگئیں۔"

"ہیں۔" الیشبہ نے فوراً ہاتھ نیچے گرا دیئے اور راحل کی مسکراہٹ دیکھ کر کھلکھلانے لگی۔

"لاؤ میں دیکھوں۔"

"ایسے نہیں پہلے مٹھائی کے پیسے نکالو۔" وہ اخبار لپیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"چہ چہ...... بہن سے پیسے لو گے۔ وہ بھی چھوٹی بہن۔" اس نے کہا تو وہ ڈانٹ کر بولا۔

"تم چپ رہو؟"

"میں غلط بات پر چپ نہیں رہ سکتی۔"

"ٹھیک ہے میں ہی چلا جاتا ہوں۔" وہ جانے لگا تو الیشبہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

"دے رہی ہوں بھائی! دے رہی ہوں کتنے دوں؟"

"دوسو......" وہ اسے دیکھ کر بولا تو وہ پھر چیخی۔

"دوسو کیا سارے محلے کو کھلاؤ گے۔"

"کسی کو بھی کھلاؤں تمہیں کیا؟"

"ہاں مجھے کیا۔" وہ مزید بحث سے بچنے کی خاطر دوسرا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی۔ پہلے فرنٹ پیج پھر الٹ کر آخری صفحے پر بھی سرسری نظر ڈال رہی تھی کہ بیگم جیلان آفندی کے نام پر پہلے چونکی پھر ٹھٹکی اور بے اختیار اپنا پیر راحل کے پیر پر مارا تو وہ جو الیشبہ سے پیسے لے کر پلٹ رہا تھا رک کر پوچھنے لگا۔

"کیا ہے؟"

اس نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔ لیکن اماں اور الیشبہ کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکی تو آنکھوں سے جانے کا اشارہ کر کے اخبار لیے ہوئے اس کے پیچھے چلی آئی۔

"ہاں کیا بات ہے؟" راحل نے برآمدے میں رک کر پوچھا تو وہ اشتہار اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"دیکھو ماما نے پھر ایڈ لگوایا ہے۔"

راحل نے پہلے تو اشتہار پڑھا پھر اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"پچاس لاکھ۔"

"تمہیں چاہئیں تو چلو ابھی لے چلو مجھے۔" اس نے تپ کر کہا تو وہ دھیرے دھیرے نفی میں سر ہلا کر بولا۔

"اب نہیں؟"

"کیا مطلب۔"

"تم جان تو گئی ہو اب میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اور پچاس لاکھ کیا ساری دنیا کی دولت کے عوض بھی میں اپنی محبت کا سودا نہیں کر سکتا۔"

وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ٹھوس لہجے میں بولا تو وہ اندر ہی اندر مطمئن ہو کر بظاہر جھنجلا گئی۔

"عجیب فضول آدمی ہو تم۔" پھر واپس پلٹ کر جاتے جاتے رک کر کہنے لگی۔ "سنو اگر ایسا کوئی خیال آئے تو پہلے مجھ سے کہنا۔ اتنی رقم میں تمہیں دے دوں گی۔"

"تم......" وہ اچانک بپھر گیا۔ اور اس کی کلائی جھپٹ کر مروڑتے ہوئے بولا۔ "کیا سمجھتی ہو تم

اپنے آپ کو؟"

"اف میرا ہاتھ چھوڑو۔" وہ تکلیف سے بلبلا گئی۔

"نان سینس۔" وہ خاصے جارحانہ انداز میں اسے دھکا دے کر تیز قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

"جنگلی وحشی۔" وہ اپنا بازو دبانے کے ساتھ روانی سے اسے ایسے ہی خطابات سے نوازنے لگی۔ اور جب کچھ غصہ کم ہوا تو فوراً اخبار لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں چلی گئی تھی؟" الیشبہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"دیکھ لیا تم نے اپنا رزلٹ؟" وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔

"ہاں فرسٹ آئی ہوں۔ یہ دیکھو۔" الیشبہ نے اپنے رول نمبر پر انگلی رکھ کر اخبار اس کے سامنے کیا تو وہ ہنس کر بولی۔

"بہت بہت مبارک ہو۔"

"خیر مبارک خیر مبارک۔" الیشبہ جتنا روئی تھی اب اس سے زیادہ کھلکھلا رہی تھی۔

"اب کالج جاؤ گی؟" اس نے اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے الیشبہ سے پوچھا تو وہ مزید خوش ہو کر بولی

"ہاں اور پتہ ہے بھائی کہہ رہا تھا وہ مجھے یہاں نہیں کراچی میں داخل کرائے گا۔"

"کیا؟" اماں ایک دم چونک کر کہنے لگی۔ "کیا کہا تو نے؟ خبردار جو بھائی کی باتوں میں آئی تو۔ پڑھنا ہے تو یہیں پڑھے گی ورنہ کہیں نہیں سمجھیں۔"

"تو آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔" الیشبہ منہ پھلا کر بولی۔

"کوئی ناراض نہیں ہو رہیں۔ تم جاؤ کچھ کھانے کا انتظام کرو۔ فرسٹ ڈویژن لائی ہو۔ کوئی اچھی سی ڈش ہونی چاہئے۔"

اس نے الیشبہ کا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے کہا اور اماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

☆☆☆

سوہنی کے البیلے نے رابعہ کو خاصا متاثر کیا تھا۔ یعنی جتنی اونچی اڑان وہ اڑنا چاہتی تھی تو اب اسے اس میں کوئی کشش نظر نہیں آتی تھی۔ نہ ہی وہ اپنے کام میں دلچسپی لے رہی تھی۔ پہلے ریکارڈنگ کے دوران جتنی ایکٹو ہوتی تھی۔ اب اسی قدر ڈل اور اس کی ہنسی میں بھی جان نہیں رہی تھی۔ اس وقت توصیف عالم اسے ٹوکتے ٹوکتے آخر جھنجلا گیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں تمہارے ساتھ کوئی پرابلم ہے یا مجھے تنگ کرنا چاہ رہی ہو۔"

"تمہیں تنگ کرنا چاہ رہی ہوں۔" اس نے اپنی پوزیشن صاف رکھنی چاہی۔

"تو بابا! باقی سب لوگوں کا کیا قصور ہے۔ ایک ذرا سے شارٹ کے لیے صبح سے دھوپ میں جل رہے ہیں۔"

"میں بھی تو جل رہی ہوں۔" وہ قصداً مسکرائی تھی۔

"ڈونٹ بی سلی یار چلو بال ٹھیک کرواور اس بار او کے ہو جانا چاہیے۔"

توصیف عالم اسے تنبیہہ کے ساتھ تاکید کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ تو وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر اسی وقت کام ختم کرنے کا سوچ کر کیمرے کے سامنے آ گئی تو واقعی توصیف عالم اسے سراہ رہا تھا۔

"بہت خوب! تم نے تو کمال کر دیا۔"

"تھینک یو! باقی لوگوں پر رحم آ گیا تھا۔" اس نے شکریہ کے ساتھ کہا تو وہ آہ بھر کر بولا۔

"ایک میرے حال پر تمہیں رحم نہیں آتا۔"

"کیا چاہتے ہو تم؟" اس نے میک اپ صاف کرنے کے لیے ٹشو پیپر اٹھاتے ہوئے بے دھیانی میں پوچھ لیا۔

"تمہاری قربت۔" توصیف عالم کے مخمور لہجے پر اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر فوراً اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر بہت سنبھل کر اس کی بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔

"لگتا ہے تمہیں بھوک لگ رہی ہے۔ چلو پہلے مجھے گھر چھوڑ دو۔ پھر کھانے کے لیے جہاں جانا ہو جا سکتے ہو۔"

"گھر جا کر کیا کرو گی؟ میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"یہ مت پوچھو۔" توصیف عالم نے کہا تو وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"نہیں پوچھتی۔"

"چلو پھر؟" وہ فوراً جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر کھڑا ہو گیا تو وہ قصداً ذرا سا ہنس کر بولی۔

"میں نے چلنے کی ہامی نہیں بھری۔"

"تو اب بھر لو۔"

"سوری، اس وقت میں تمہارے ساتھ صرف اپنے گھر جا سکتی ہوں، اور کہیں نہیں۔" اس نے سہولت سے منع کیا اور اپنا بیگ اٹھا کر یوں اسے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو اگر وہ نہیں جانا چاہتا تو وہ خود چلی جائے گی۔

"تم بہت فضول لڑکی ہو۔" وہ بظاہر مسکرا کر بولا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ ہنستے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی۔

"کل کا کیا پروگرام ہے؟" توصیف عالم نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"صرف کل ہی نہیں بلکہ اگلے کئی دن تک میرا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" اس نے یوں پشت پر سر ٹکایا جیسے کہہ رہی ہو کہ اب بس آرام کرے گی۔

"کیوں وہ جو شیمپو کا ایڈ ہے وہ کون کرے گا؟" اس نے پوچھا تو وہ لاپرواہی سے بولی۔

"کوئی بھی کرے۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی میں نے تو اسی دن منع کر دیا تھا تمہارے سامنے بات نہیں ہوئی تھی۔"

"اچھا ہاں اس کا مطلب ہے ابھی تمہارے پاس کوئی کام نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"تو پھر میں پروڈیوسر سے بات کروں۔ ڈرامے کیلئے۔"

"ابھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس ابھی میرا موڈ نہیں ہے۔ ڈرامہ ورامہ کرنے کا۔" اس نے کہا تو وہ مڑ کر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"تم بہت بدل رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں، عشق وشق تو نہیں ہو گیا؟"

وہ ہنس پڑی بولی کچھ نہیں۔

"سنو! کون ہے؟" توصیف عالم نے اس کی ہنسی کو اعتراف سمجھ کر پوچھا۔ تو وہ اسے دیکھ کر مذاق میں بولی۔

"تم......"

"واقعی......"

"کیوں؟ تم نہیں ہو سکتے؟"

"اپنے ایسے نصیب کہاں۔" وہ ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا۔

"نصیب ہی کا تو سارا چکر ہے توصیف عالم! سوچتے کچھ ہیں ہوتا کچھ اور ہے۔ مزید ستم کہ شکوہ بھی نہیں کرنا، جو مل گیا ہے تو اسی پر راضی ہو جاؤ۔"

وہ اچانک جانے کس سوچ میں گھر کر بولنے لگی تھی۔

"میں نہیں ہوتی راضی، مجھ سے نہیں ہوا جاتا۔ اپنے لیے میں کوئی ساری دنیا تو نہیں مانگتی ہو مجھے ملامت کے ساتھ کہا جائے کہ اس میں اوروں کا بھی حصہ ہے۔"

توصیف عالم حیران ہو کر بار بار مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ جو خاموش ہو کر بھی اس سوچ کی گرفت میں تھی۔ اور جب اس نے گاڑی روکی تب چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارا گھر آ گیا۔" وہ بس یہی کہہ سکا۔

"او ہاں تھینک یو۔" وہ کہہ کر فوراً اتر آئی اور اس کی طرف دیکھے بغیر گیٹ دھکیلتے ہوئے اندر آ گئی۔

"السلام علیکم!" وہ برآمدے میں امی کی موجودگی کا احساس کر کے سلام کرتے ہوئے سیدھی اپنے کمرے میں جانے لگی تھی کہ عظام کی آواز سن کر رک گئی۔

"وعلیکم السلام۔" عظام نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"آپ اس وقت......" وہ قدرے متعجب سی ہو کر عظام کی طرف پلٹی تو امی کو روتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"خیریت سے ہو؟" عظام نے پوچھا تو وہ ذرہ سا سر ہلا کر امی کے پاس آ بیٹھی اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے عظام سے بولی۔

"انہیں دیکھ رہے ہیں آپ ہر وقت اسی طرح روتی رہتی ہیں۔ اور سوہنی کو دیکھ کر تو ایسے آہیں بھرتی ہیں کہ وہ بے چاری مجھے تو لگتا ہے مر جائے گی۔"

"نہیں ایسا مت کہو۔" عظام نے ٹوکا لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آئی۔

"آپ دیکھیے گا۔ بہت جلد آپ کو خبر ملے گی۔ سوہنی مر گئی۔"

"خدا کے لیے اچھی بات منہ سے نکالو۔" عظام نے قدرے غصے سے کہا۔

"کیا اچھی بات اس گھر کے لیے اب کوئی اچھی بات نہیں رہ گئی۔ پتہ نہیں ہم تینوں بہنوں کی پیدائش پر امی نے خدا سے ہمارے لیے کیا مانگا تھا۔ مجھے لگتا ہے......"

"بس خاموش ہو جاؤ۔" عظام نے پھر ٹوک دیا اور امی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر عاجزی سے کہنے لگے۔

"پھوپھو! مت روئیں آپ سوہنی کی بربادی پر روتی ہیں نا...... تو میں...... میں ہوں نا، میں اسے آباد کروں گا۔"

"عظام بھائی آپ!" رابعہ دنگ رہ گئی۔

"ہاں میں...... میں شادی کروں گا اس سے۔ میں اسے مرنے نہیں دوں گا۔" عظام بڑی محبت

ہا مان دے کر امی کے آنسو سمیٹ رہے تھے۔

"میں کل ہی اماں ابا کو آپ کے پاس بھیجوں گا۔ آپ منع نہیں کیجیے گا۔ سوہنی میری ہے۔ آپ ں پتہ...... ازل سے وہ میرے نصیب میں لکھی گئی تھی۔ اور میں اپنے نصیب کا گلہ نہیں کرتا۔ یرے رب نے ہمیشہ میری بساط سے بڑھ کر نوازا ہے۔ یہ بھی اس کا انعام ہے۔"

"لیکن بیٹا!" امی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہیں۔

"وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے یہی نا۔" عظام نے کہا، تو امی سے پہلے رابعہ بول پڑی۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"اور بھی کوئی بات نہیں ہے۔" عظام زور دے کر بولے پھر امی کے ہاتھ تھام کر کہنے لگے۔

"بس اب آپ سوہنی کے لیے نہیں روئیں گی اور بڑی دونوں بھی اپنے ہر اچھے برے عمل کی مہ دار ہیں۔ آپ کو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں! ہم اپنی فکر خود کر سکتے ہیں۔" رابعہ نے ماحول کی سوگواری دور کرنے کی خاطر ہلکے پھلکے از میں کہا پھر امی کے گلے میں بازو ڈال کر ان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"مبارک ہو۔"

☆☆☆

وہ بہت سکون سے راحل کو عظام کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اور جب اس نے ور واپس کریڈل پر رکھا تو اس کی بے چینی عیاں ہو گئی۔

"کیا ہوا؟"

"انگیج ہے۔" اس نے کہا تو وہ اپنے آپ سے بولی۔

"کس سے بات کر رہے ہیں عظام بھائی؟"

"اپنی گرل فرینڈ سے۔" راحل نے کہا تو وہ چیخ کر بولی۔

"جی نہیں وہ ایسے نہیں ہیں۔"

"پھر کیسے ہیں؟" وہ ایک تو اسے ریلیکس کرنا چاہ رہا تھا۔ دوسرے کچھ تنگ کرنا بھی مقصود تھا۔

"بہت اچھے، بہت پیارے۔"

"تو کیا اچھے پیارے لوگوں کی گرل فرینڈ نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی تو ایک نہیں کئی ایک......"

"بس تم نے انہیں دیکھا نہیں نا جب ہی ایسی باتیں کر رہے ہو۔" اس نے چڑ کر کہا تو وہ پوچھنے

"اور جب دیکھ لوں گا تب کیسی باتیں کروں گا۔"

"پتہ نہیں۔تم نمبر ملاؤ۔" وہ اکتا کر بولی تو اس نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا

"تمہاری ساس کا نمبر نہ ملاؤں۔"

"کیوں ان کا کیوں؟"

"ان کی خیریت بھی معلوم کرلو۔ بلکہ ایسا کرتا ہوں میں میرا مطلب ہے میں ان سے کروں گا کہ میں نے ان کی بہو کو کہیں دیکھا ہے۔ پھر دیکھنا کیسے وہ......"

وہ اشتیاق سے بولتے ہوئے اس کی تیز نظروں پر برا سامنہ بنا کر پھر عظام کے نمبر ڈائل کر۔ لگا اور پہلے کی طرح اس نے خود عظام کا پوچھا تو اتفاق سے دوسری طرف وہی تھے۔

"لو......وہی ہیں۔" اس نے فوراً ریسیور اسے تھما دیا۔

"عظام بھائی! السلام علیکم۔" اس پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی۔

"وعلیکم السلام خیریت سے ہو؟" عظام پہلے کی طرح بے قرار ہوئے تھے نہ بے اختیار۔ اس کے برعکس سیدھا سپاٹ انداز تھا جس سے وہ بجھ سی گئی تھی۔

"جی! آپ کیسے ہیں؟"

"تم ایسا کرو، رابعہ کا موبائل نمبر لکھواور اس سے بات کرلو۔" انہوں نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر کہا۔

"جی۔" اس نے راحل کو پین کا اشارہ کیا تو اس نے فوراً جیب سے پین نکال کر اسے تھما دیا۔

وہ جلدی جلدی نمبر لکھ کر پوچھنے لگی۔

"آپ ناراض ہیں عظام بھائی!"

دوسری طرف انہوں نے فون رکھ دیا تھا۔

"ہیلو۔" وہ حیران ہوئی اور راحل کو دیکھا تو اس نے ریسیور لے کر کان سے لگایا پھر اس م بولا۔

"وہ شاید ناراض ہوگئے ہیں؟"

وہ خاموش رہی تو پوچھنے لگا۔

"اور کہاں کرنا ہے۔"

"یہ......" اس نے رابعہ کا نمبر اس کے سامنے رکھ دیا اور خود کو اس سے بات کرنے کے لئے تیار کرنے لگی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اب وہ کچھ نہیں بول سکے گی۔ کیونکہ عظام کی ناراضی کے خیال نے اسے آزردگیوں میں دھکیل دیا تھا۔ اور اس کا دل چاہ رہا تھا کسی تنہا گوشے میں منہ چھپا کر بہت روئے۔

☆☆☆

راحل مسلسل نمبر ٹرائی کر رہا تھا لیکن نظریں اسی پر تھیں پھر ریسیور نیچے رکھ کر اس سے بولا۔

"بیل تو جا رہی ہے لیکن کوئی ریسیو نہیں کر رہا۔"

وہ خاموش رہی۔

"سنو تم کہیں رونے کا پروگرام تو نہیں بنا رہیں؟"

وہ ابھی بھی کچھ نہیں بولی۔

"دیکھو اگر ایسا کوئی پروگرام ہے تو پہلے سے بتا دو تاکہ میں......"

"تم خاموش نہیں رہ سکتے۔" اس نے چڑ کر کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"رہ سکتا ہوں لیکن پھر مجھے الزام نہ دینا۔"

"کیا مطلب؟"

"خاموشی میں میرا دل مچلنے لگتا ہے، اور آنکھیں وہ فسانے سنانے لگتی ہیں۔" جواب میں وہ ات سے مسکرایا۔

وہ سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو کچھ دیر کے لیے بالکل خاموشی چھا گئی جس سے وہ گھبرا کر بولی۔

"نمبر ملاؤ نا۔"

"ادھر کوئی ہے ہی نہیں، لگتا ہے سب تم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ سوائے ایک میڈم آفندی کے تمہاری تلاش میں پاگل ہو رہی ہیں۔ ویسے انہوں نے پچاس لاکھ کا اعلان کرکے اچھا نہیں کیا۔ ساری رات نیند نہیں آئی۔ وہ نمبر ڈائل کرنے کے ساتھ ساتھ بولے جا رہا تھا۔ پھر ریسیور رکھ کر دیکھنے لگا، تو وہ گہری سانس کے ساتھ بولی۔

"مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے۔"

"اور میڈم آفندی سے؟"

"ان پر مجھے رحم آتا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں یا شاید اس لیے کہ میں نے انہیں زندگی کے ہر معاملے میں بہت کامیاب دیکھا ہے وہاں بھی وہ کامیاب ہوسکتی ہیں۔ اگر جو اپنی سوچ میں تھوڑی لچک پیدا کرتیں۔ بچے کے ساتھ مجھی اپنے گھر میں رہنے دیتیں تو پھر میں وہاں سے نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ہے ناں؟" نے آخر میں اس سے تائید چاہی تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر کہنے لگا۔

"ہوں اس طرح وہ بہت آسانی سے تم سے چھٹکارا حاصل کر سکتی تھیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"دو چار سال بعد تمہاری شادی کر دیتیں تو تم بھی خوش وہ بھی خوش، لیکن یہ بات ان کے ... میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ تمہیں مجھ سے ملنا تھا۔" وہ ذرا بھی سنجیدہ نہیں ہو رہا تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ کہہ کر خود ہی رابعہ کے نمبر ڈائل کرنے لگی اور چند لمحوں بعد رابعہ کی آواز آئی تھی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو رابعہ! میں...... میں فائقہ...... تم کیسی ہو؟" اس پر پھر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔

"تمہاری حماقتوں نے ہمیں جینے کے قابل نہیں چھوڑا۔" رابعہ جیسے بھری بیٹھی تھی۔ "... دفعان ہو گئیں۔ پیچھے ساری مصیبتیں ہمارے لئے چھوڑ گئیں۔ تمہاری ساس نے پہلے عظام بھا... گرفتار کرایا پھر سوہنی کو اغوا کرا لیا۔"

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ساری توانائیاں صرف کرتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی تھی۔ "... بھی سب ہو رہا ہے یہاں۔ تم آرام سے جہاں بیٹھی ہو وہاں بیٹھی رہو۔"

"نہیں، نہیں رابعہ میں آ رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ سوہنی کہاں ہے؟"

"جہنم میں......" رابعہ نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

"رابعہ...... رابعہ! میری بات سنو۔" وہ کریڈل پر ہاتھ مار کر چیخنے لگی تھی۔

راحل نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر رکھ دیا۔ اور آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ دباؤ ڈال کر بٹھایا۔ ٹیبل پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بس وہ یہی کہے جا رہی تھی۔

"سوہنی میری بہن......"

❁❁❁

راحل سے اس کا بلک بلک کر رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا جب ہی اٹھ کر اس کمرے سے نکل آیا کیونکہ اسے چپ کرانا اور بھی مشکل تھا۔ اور یہ نہیں تھا کہ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ آیا تھا بلکہ چاہتا تھا کہ اس کے دل کا غبار ڈھل جائے۔ تب وہ اس کی دلجوئی کر سکتا تھا۔ ابھی اس حالت میں تو وہ کچھ بھی نہیں سن سکتی تھی۔

"پتہ نہیں کیا بات ہوئی ہے جو وہ اس بری طرح رو رہی ہے۔"

وہ لابی میں ٹہلتے ہوئے مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا اور بار بار دروازے پر رک کر اسے دیکھ بھی لیتا۔ جب اس کی سسکیاں دم توڑنے لگیں تب پانی کا گلاس لے کر اس کے پاس آ بیٹھا اور نرمی سے پکار کر بولا۔

"فائقہ...... لو پانی پیو۔"

وہ بغیر کسی پس و پیش کے ٹیبل سے سر اٹھا کر سیدھی ہو بیٹھی اور اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ پھر خائف نظروں سے اسے یوں دیکھنے لگی جیسے وہ اس کے رونے پر سخت سست کہے گا۔ لیکن اس کے برعکس وہ اس کی سرخ آنکھوں سے نظریں چرا کر بس اس قدر بولا تھا۔

"تم بڑی وعدہ خلاف ہو۔"

"میں کمزور اور بے بس عورت، رونے کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتی ہوں۔" اس نے چادر کے پلو سے آنکھیں اور چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے خود اپنے آپ کو کمزور اور بے بس سمجھ لیا ہے، حالانکہ ایسا ہے نہیں، سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔ چاہو تو بیگم آفندی کو بلیک میل کرنے کا مزہ چکھا سکتی ہو۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں وہ بہت خطرناک عورت ہے۔ میں اس کے خلاف کچھ نہیں سوچوں گی۔ اور بس اب مجھے واپس جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"گھر......" وہ ٹیبل کی شفاف سطح پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے نظریں بھی اسی پر

جمائے بیٹھی تھی۔

"آفندی ہاؤس؟" راحل نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں وہ کبھی بھی میرا گھر نہیں تھا۔ میں بھول گئی تھی کہ میں نے بیگم آفندی کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے میں نے بڑی غلطی کی، جس کا خمیازہ میرے گھر والے بھگت رہے ہیں۔" وہ دکھ سے بولتے ہوئے پھر رو پڑی۔

"کیا..... کیا کیا ہے بیگم آفندی نے؟" وہ پوری جان سے متوجہ ہوا تھا۔

"جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اتنا گر سکتی ہیں تو میں کبھی....." اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تو وہ مضطرب ہو گیا۔

"روؤ مت پلیز مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"مجھے واپس جانا ہے۔ آگے جو بھی ہو۔ میں بس فوراً جاؤں گی۔" وہ یوں کھڑی ہو گئی جیسے اب کہیں نہیں رکے گی اور ساری مسافتیں طے کرتی ہوئی فوراً گھر پہنچ جائے گی۔

"آرام سے، آرام سے۔ یوں جذباتی مت بنو۔" راحل نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا دیا پھر نرمی سے پوچھنے لگا۔

"مجھے بتاؤ اب کیا ہوا ہے۔ کیا گیم کھیلا ہے بیگم آفندی نے؟"

"بہت گھناؤنی حرکت کی ہے انہوں نے۔ میری بہن چھوٹی بہن، انہوں نے اسے کڈنیپ کروا لیا ہے۔" اس نے سسکیوں کے درمیان رک رک کر بتایا تو راحل سچ مچ چکرا گیا تھا۔

"مائی گاڈ یہ تو بہت برا ہوا۔"

"میری بہن بہت معصوم ہے۔ وہ مر جائے گی۔ تم خدا کے لیے کچھ کرو، مجھے ٹرین پر بٹھا دو، میں خود چلی جاؤں گی۔" اس کی منت پر وہ بھی عاجزی سے بولا تھا۔

"ہاں لیکن تم اس طرح مت کرو ہمت سے کام لو۔ میں خود تمہیں لے جاؤں گا۔"

"ابھی..... میں ابھی جاؤں گی۔ دیر ہو گئی تو جانے میری بہن۔"

"کچھ نہیں ہو گا اسے۔" وہ فوراً بول پڑا۔

"کیسے نہیں ہو گا۔ تم نہیں جانتے میڈم آفندی کو۔"

"تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اسفندیار سے میں نے ان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ اور میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا۔ میرا مطلب ہے پہلے تم اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔ یہ نہیں کہ بچہ ان کے حوالے کر کے منتیں کرنے کھڑی ہو جاؤ کہ اس کے بدلے میری بہن واپس کرو۔ بچہ تمہارے پاس رہے گا۔ یہاں کوئی سودے بازی نہیں ہو گی سمجھیں۔"

وہ بہت مضبوط لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوا، بے بسی سے بولی۔

"نہیں، میں ان کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی۔"

"پھر تم یہیں بیٹھی رہو۔ کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی۔" اس نے چڑ کر کہا تو وہ تیز ہو کر بولی۔

"میں اپنے گھر جاؤں گی۔ اپنے امی ابو کے پاس، میڈم آفندی سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"واقعی؟" اس نے حیرت کا اظہار کیا تو وہ جز بز ہو کر کہنے لگی۔

"دیکھو راحل! میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ تمہاری کوئی بات نہیں سمجھ سکوں گی۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ منتشر ذہن کے ساتھ کچھ مت سوچو۔ پہلے ریلیکس ہو جاؤ پھر آرام سے بیٹھ کر کوئی ایسی تدبیر سوچیں گے کہ بچہ بھی تمہارے پاس رہے اور تمہاری بہن بھی مل جائے۔" اس نے زور دے کر کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

"تب تک جانے کیا ہو جائے۔"

"اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو گھر چلتے ہیں۔"

"نہیں میں پہلے میڈم آفندی سے بات کروں گی۔" اس نے کہہ کر ریسیور اٹھا لیا تو وہ فوراً کریڈل پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا..... کیا بات کرو گی ان سے۔"

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ جاہل، گنوار! اب تک تو جیسے میں ہر بات ہر کام تم سے پوچھ کر کرتی رہی ہوں۔ میڈم آفندی سے معاہدہ شیری سے شادی اور گھر بھی میں نے تمہارے مشورے سے ہی چھوڑا تھا۔" وہ سلگ گئی تھی۔

"یہی تو تم نے غلطی کی اگر اس وقت مجھ سے مشورہ کر لیتیں تو۔" وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"اچھا ہاتھ ہٹاؤ۔" وہ خود ہی اس کا ہاتھ جھٹک کر نمبر ڈائل کرنے لگی اور جب دوسری طرف بیل جانے لگی تب اس نے گہری سانس کھینچ کر گویا خود کو بات کرنے کے لیے تیار کرنے کی سعی کی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف ملازمہ تھی جس کی آواز پہچانتے ہی اس نے فوراً پوچھا۔

"ماما کہاں ہیں؟"

"کون چھوٹی بی بی؟" ملازمہ کی حیرت بھری آواز میں کچھ خوشی کا عنصر بھی شامل تھا۔

"ہاں ماما گھر پر ہیں تو ان سے بات کراؤ۔"

"ہیں جی، گھر پر ہیں۔ میں بلاتی ہوں۔" ملازمہ غالباً فون رکھ کر بھاگی تھی۔

اور چند لمحوں بعد بیگم آفندی نے اسے دشت حسرت میں دھکیل دیا تھا۔

"فائقہ! میری بچی! میری جان! کہاں ہو تم؟ اپنی ماما کو چھوڑ کر کہاں چلی گئیں؟"

"جی۔" وہ بالکل بھول گئی کہ اسے کیا کہنا تھا۔

"بیٹا! میں تمہارے لیے بہت پریشان ہوں۔ کیونکہ تم بہت سادہ بہت معصوم ہو۔ دنیا کی چالبازیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ خدا نہ کرے جو تم پر کوئی آنچ آئے۔ کہاں ہو تم مجھے بتاؤ۔ میں تمہارے پاس آجاتی ہوں۔" بیگم آفندی کے لہجے میں حد درجہ حلاوت تھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ الجھ گئی تھی۔ "آپ کیسی ہیں؟"

"میرا کیا پوچھتی ہو بیٹا! بس زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ تم بتاؤ بچہ کیسا ہے۔ شیری کا بیٹا! بالکل میرے شیری جیسا ہوگا ہے نا۔"

"جی۔" وہ اسی قدر کہہ سکی۔ حالانکہ پوچھنا چاہتی تھی کہ انہیں کس نے بتایا لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی تمام حسیات بیگم آفندی کے کنٹرول میں چلی گئی ہوں اور اسے اس قدر مرعوب دیکھ کر ہی راحل نے جھنجھلا کر اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ کر پٹخ دیا۔

"کیا جی جی لگا رکھی ہے۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" وہ اس پر بگڑ گئی۔

"ہاں تم صرف مجھ سے لڑ سکتی ہو۔ جہاں غصہ دکھانا چاہیے وہاں مسکین بنی ہوئی ہو۔ کیوں فون کیا تھا تم نے انہیں؟ صرف ان کی خیر خیریت معلوم کرنے کے لیے، آپ کیسی ہیں؟ میں ٹھیک ہوں۔"

وہ چڑ کر اس کی نقل اتار رہا تھا۔ پھر قدرے رک کر کہنے لگا۔

"تم بہت بزدل ہو اور بزدل صرف اسی سے لڑتا ہے جو اس کا بہت اپنا ہو۔ ہے ناں؟"

"چلو مجھے تیاری بھی کرنی ہے۔" وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیسی تیاری؟"

"کیوں مجھے جانا نہیں ہے کیا؟ بس کل تم مجھے کسی بھی ٹرین میں بٹھا دینا۔" اس نے تیز ہو کر کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"تو تم نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاں۔"

"اچھی بات ہے لیکن کل نہیں۔"

"میں کل ہی جاؤں گی۔ اور تم مجھے روکنے کی کوشش مت کرنا۔" وہ حتمی انداز میں کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

وہ بمشکل خود پر ضبط کیے اسے دیکھے جا رہا تھا جو اماں کی گود میں سر رکھے شدت سے روتے ہوئے بس یہی کہے جا رہی تھی۔

"اماں! میں گھر جاؤں گی بس مجھے ابھی جانا ہے۔"

"کیا کہہ دیا ہے تم نے اسے؟" اماں نے عاجز ہو کر راحل کو ٹوکا تو وہ چونکتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن بولا کچھ نہیں۔

"بتاؤ نا بھائی! باجی کیوں رو رہی ہیں؟" الیشبہ اس کے رونے سے خود بھی رونے والی ہو گئی تھی۔

"سن نہیں رہی گھر جانے کو کہہ رہی ہے۔" اس نے کہا تو اماں فوراً بولیں۔

"تو نے کچھ کہا ہوگا نا کہاں لے گیا تھا اسے۔"

"اس سے پوچھو۔"

وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ لاک کر کے کتنی دیر ادھر سے اُدھر ٹہلتا رہا۔ اور جب تھک کر بیٹھا تب بھی اس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنپٹیاں دبا کر اس نے خود کو پرسکون رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تب صوفے کی بیک پر سر رکھ کر وہ خود سے بولنے لگا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے سامنے کوئی بہت ہمدرد، مہربان دوست موجود ہو۔ جس کے اصرار پر وہ اپنی بپتا سنانے پر مجبور ہوا ہو۔

"میں اس وقت چھوٹا تھا پھر بھی مجھے سب یاد ہے۔ اماں گھر چھوڑنے کے ساتھ ایک طرح سے میری پہچان بھی وہیں چھوڑ آئی تھیں کیونکہ وہ بہت خوف زدہ تھیں۔ اور ڈرا ہوا تو میں بھی تھا۔ لیکن پھر وقت نے میرے اندر سے سارے ڈر خوف دھو ڈالے۔ اور ان کی جگہ نفرت اور غصہ نے لے لی۔ جب کہ اماں آج بھی اسی مقام پر کھڑی ہیں جب ہی مجھے روکتی ہیں۔ لیکن اب میں نہیں رکوں گا۔

میرا خیال تھا، شیری کی جواں مرگی سے اس کی ماں کو یہ احساس ضرور ہوا ہوگا کہ قدرت نے اسے اس کے کیے کی سزا دی ہے۔ اور وہ آئندہ کے لیے تائب ہو گئی ہو گی۔ لیکن نہیں وہ فرعون صفت عورت ہے۔ بجائے تائب ہونے کے اس نے پھر وہی کہانی دہرا ڈالی۔ کسی بھی طرح سہی اس گھر کی عزت کو گھر سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اور اسی پر بس نہیں۔ وہ تلملائی ہوئی عورت اگر اسے روکا نہ گیا تو وہ جانے کتنی زندگیاں تباہ کر ڈالے گی۔ خدا نے مجھے اس قابل بنا دیا ہے کہ میں اسے مزید مظالم سے روک سکوں۔ اگر میں نے کوتاہی کی تو سزاوار ٹھہروں گا۔"

"راحل!" اماں نے اسے پکارنے کے ساتھ دروازہ بھی پیٹا۔ جس سے اس کا ذہن جھنجھنا گیا۔

"راحل سو گیا کیا؟" اماں نے پھر چلا کر پوچھا تو اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"کیا ہے؟"

"ہائیں تجھے کیا ہوا؟" اماں اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"فائقہ چپ ہوئی کہ نہیں؟" اس نے ان سنی کر کے پوچھا۔

"ہو گئی چپ، پر جانے کی رٹ لگا رکھی ہے۔" اماں نے بتایا تو وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

"ہاں چلیں گے سب چلیں گے۔"

"سب کون؟" اماں نے فوراً پوچھا تو وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا۔

"آپ، الیشبہ اور میں، ہم سب اسے چھوڑنے جائیں گے۔"

"میرا اور الیشبہ کا نام مت لو۔ تو اکیلے ہی چھوڑ آنا۔" اماں کہہ کر جانے لگیں کہ اس نے فوراً سامنے آ کر ان کا راستہ روک لیا۔

"اگر تم نہیں جاؤ گی تو پھر میں بھی واپس نہیں آؤں گا۔"

"راحل!" اماں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ "ایسی باتیں مت کیا کرو۔ کلیجہ ہل جاتا ہے میرا۔"

"بہادر بنو اماں بہادر! اب چلنا تو اپنی سوکن سے تھوڑا جگرا مستعار لے لینا۔ وہ جوان بیٹا گنوا کے بھی اسی شان سے جی رہی ہیں۔"

اس نے اماں کو کندھوں سے تھام کر کہا تو وہ مزید دہل گئیں۔

"ہائے؟ یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ شہریار مر گیا۔ اپنی بیماری کاٹ کر اور اس کی ماں کا غرور پھر بھی نہیں ٹوٹا۔" اس نے بتایا تو اماں بے اختیار رو پڑیں۔

"تجھے کس نے بتایا؟"

"سب خبر رکھتا ہوں میں اور شہریار آج نہیں مرا۔ ایک سال ہو گیا ہے یاد نہیں میں پچھلے سال کراچی گیا تھا تو وکیل سے پتہ چلا تھا۔ اس نے مصلحتاً اپنا بیگم آفندی سے رابطہ ظاہر نہیں کیا۔

"اور...... اور کیا بتایا تھا وکیل نے؟" اماں جانے کیا جاننا چاہتی تھیں۔

"اور کیا بتاتا بس یہی کہا کہ مجھے واپس آ جانا چاہیے۔" اس نے بتایا تو اماں نفی میں سر ہلانے لگیں۔

"اماں! وہ میرے باپ کا گھر ہے اور اب میں اپنے باپ کے نام کے ساتھ جینا چاہتا ہوں، تم

کو میرا اور الیشبہ کا گھر بسانا ہے کہ نہیں۔ ایسے ہی نہیں کوئی اپنی لڑکی دے دے گا اور نہ الیشبہ کی ڈولی اٹھ سکتی ہے جب تک ہماری اپنی پہچان نہیں ہو گی۔ کیا لکھواؤ گی۔ نکاح نامے میں۔ کس کی اولاد ہیں ہم؟"

اس نے عاجز آ کر کہا تو اماں چیخ کر بولیں۔

"کسی ایرے غیرے کی اولاد نہیں ہو۔"

"تو بتاؤ دنیا کو کیوں چھپاتی پھر رہی ہو۔"

"نہیں چھپاؤں گی وقت آنے پر سب کو بتا دوں گی۔"

"کون سے وقت کا انتظار ہے تم کو۔ یہی وقت ہے اماں یہی وقت۔" وہ اماں کے کندھے جھنجھوڑ رہا تھا تب ہی فائقہ آ گئی جسے دیکھ کر اس نے اماں کے کندھے چھوڑ دیئے اور اس سے کہنے لگا۔

"تم تھوڑے دن صبر کرو میں کچھ ضروری کام نمٹا لوں۔ پھر ہم سب تمہارے ساتھ چلیں گے۔"

"میں اکیلی جا سکتی ہوں۔"

اس نے کہا تو وہ تیز ہو کر بولا۔

"جانتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں گا۔"

"ناراض کیوں ہوتے ہو۔ میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ خوامخواہ زحمت ہو گی تمہیں اور اماں کو بھی۔"

وہ خائف ہو کر بولی۔

"کوئی زحمت نہیں ہو گی۔ اور اماں آپ ابھی سے تیاری شروع کر دو۔" وہ اس سے کہہ کر اماں سے مخاطب ہوا تو انہوں نے بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھا لیکن بولیں کچھ نہیں اور اسی خاموشی سے چلی گئیں۔

"کیا ہوا؟" فائقہ کو اماں کی خاموشی بری طرح محسوس ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ پلٹ کر واپس کمرے میں آ گیا تو وہ بھی پیچھے چلی آئی۔

"سنو! تم اماں کے ساتھ زبردستی کیوں کر رہے ہو؟"

"کیسی زبردستی؟" اس نے چونک کر دیکھا۔

"وہ اگر کراچی نہیں جانا چاہتیں تو۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ کراچی نہیں جانا چاہتیں۔" اس نے فوراً پوچھا۔

"ابھی ان کی خاموشی سے مجھے ایسا ہی لگا اور ہاں ایک روز الیشبہ کہہ رہی تھی کہ وہ اب کراچی جا

کر کالج میں ایڈمیشن لے گی۔ تب بھی اماں بگڑ گئی تھیں۔" اس نے بتایا تو وہ سر جھٹک کر بولا۔

"وہ صرف کراچی ہی نہیں بلکہ کہیں بھی نہیں جانا چاہتیں۔"

"اور یہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ جب وہ جانا نہیں چاہتیں تو تم کیوں ان کے ساتھ زبردستی کر رہے ہو۔" وہ پھر اسی بات پر آ گئی۔

"کیونکہ میں تمہیں اکیلے نہیں بھیجنا چاہتا اور کر تو میں یہ بھی سکتا ہوں کہ صرف میں جا کر تمہیں چھوڑ آؤں۔ لیکن یہ مناسب نہیں لگتا۔ اماں ساتھ جائیں گی تو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ سمجھیں تم۔" وہ سہولت سے بات بنا گیا تھا۔

"پھر کب چلنا ہے؟" وہ اس کی آخری بات سے نظریں چرا کر پوچھنے لگی۔

"جلدی چلیں گے انشاء اللہ!" اس نے نرمی سے اسے اطمینان دلایا تھا۔

☆☆☆

عظام، سوہنی کو اپنانے کا فیصلہ کر کے گو کہ مطمئن تھے، لیکن جانے کیوں انہیں وہ لڑکی شدت سے یاد آ رہی تھی جو شروع سے ان کی دیوانی تھی اور اکثر برملا اعتراف کرتی تھی کہ وہ ان سے بہت محبت کرتی ہے۔ لیکن انہوں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ ہمیشہ انجان بنے رہے تھے، کیونکہ وہ جس راہ کے مسافر تھے اس میں بڑی آزمائشیں تھیں اور وہ اسے بلکہ کسی کو بھی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی زندگی یونہی گزر جائے گی۔ حقیقتاً ان کے اندر کوئی خواہش نہیں تھی۔ اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ عشقِ حقیقی کے بعد پھر کیا رہ جاتا ہے جس کی آرزو کی جائے۔ بس زندگی کا جو حق تھا وہ ایمانداری سے ادا کر رہے تھے۔ اور اپنی ذات کی نفی کر کے وہ شاید یہ بھول گئے تھے کہ محبت وہ سچائی ہے جس کا بیج خدا خود دلوں میں بوتا ہے۔ جس کی آبیاری میں آپ کچھ کوتاہی کریں پھر بھی اس بیج کو ضرور پھیلنا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ خدا کی دین ہے اور انہیں اپنے اندر اس بیج کی جڑیں اس وقت محسوس ہوئی تھیں جب وہ دیوانی اپنے دکھ سمیٹ کر جانے کس دیس جا بسی تھی۔

کل رات جب اس کا فون آیا تھا تو اس سے اجنبی لہجے میں بات کرنے کے بعد سے وہ یوں بے چین تھے جیسے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔ گو کہ اس سے پہلے بھی وہ اس کے ساتھ گہری وابستگی محسوس کرتے تھے۔ یوں کہ اس کی خوشی میں خوش اور اس کے دکھوں پر بے حد آزردہ اور جب وہ کھو گئی تھی تو کتنے دن اسے ڈھونڈتے پھرے تھے۔ لیکن اس طرح نہیں جیسے سبرینہ کے بعد انہوں نے دنیا ہی تیاگ دی تھی۔ بس چاہتے تھے کہ وہ کہیں رسوا نہ ہو اور اسے زندگی کی تمام خوشیاں مل جائیں۔ اور اب اچانک انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی ساری خوشیاں ان سے وابستہ ہیں اور خود ان کے

لیے بھی اگر دنیا میں کوئی کشش ہے تو اسی کی وجہ سے۔ لیکن اب دیر ہو چکی تھی اور اس پر وہ پشیمان یوں نہیں تھے کہ ہر کام میں خدا کی مصلحت سوچتے تھے۔ اس لیے وہ سوہنی کو اپنانے کا فیصلہ کر کے مطمئن تھے۔ لیکن اب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک انہیں کیا ہو رہا ہے۔ ان کا دل اختیار سے باہر کیوں ہو رہا ہے۔ وہ نہ تو پہلی بار فائقہ کو یاد کر رہے تھے اور نہ ہی بے چینی نئی تھی۔ البتہ دل کے تقاضے رنگ بدل رہے تھے، وہ اچانک کہیں سے آ جائے اور پہلے کی طرح ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اسی عاجزی سے کہے۔

"پتہ نہیں عظام بھائی! وہ کون سی منزل ہے جہاں میں صرف آپ کا ہاتھ تھام کر جانا چاہتی ہوں۔ آپ ہی کیوں عظام بھائی! مجھے کسی اور کا خیال کیوں نہیں آتا؟"

"کیونکہ اس منزل تک تمہیں صرف میں ہی لے جا سکتا ہوں۔" وہ اب جواب دے رہے تھے۔

"بہت کٹھور ہیں آپ، میں آپ کے پاس آتے ہوئے جتنی خوش ہوتی ہوں جاتے ہوئے اسی قدر آزردہ اور یہ آزردگی بہت دنوں تک رہے گی۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا۔" وہ یقین سے کہہ کر چونکے تو پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کہیں کوئی دیکھ اور سن تو نہیں رہا، پھر خود کو سرزنش کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئے۔

برآمدے میں مامی جی اور اسماء جانے کیا باتیں کر رہی تھیں کہ انہیں دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئیں۔

"کیا بات ہے اماں؟" انہوں نے بیٹھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"کچھ نہیں اسماء جاؤ چائے بناؤ۔" مامی جی نے اسماء کو بھیج دیا پھر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"پھر کیا سوچا تم نے؟"

"کس بارے میں؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"وہی جو تم سوہنی کے لیے کہہ رہے ہو۔" مامی جی نے کہا۔

"اب کیا سوچوں۔ میرا مطلب ہے میں نے سوچنے کے بعد ہی آپ سے کہا ہے کیوں آپ کو سوہنی پسند نہیں ہے؟" انہوں نے جواب کے ساتھ پوچھا تو مامی جی فوراً بولیں۔

"کیوں نہیں ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔"

"پھر کیا اعتراض ہے آپ کو؟"

"اعتراض مجھے نہیں اس کے ماں باپ کر سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے ناراض بھی ہوں کہ بڑی دونوں کے وقت ہمیں خیال نہیں آیا اور وہ جو تم سے اتنی چھوٹی ہے۔"

"اب کیا کریں، جب بچی ہی وہی ہے۔" انہوں نے قصداً بات کو مذاق میں ٹالا تھا لیکن مامی جی سنجیدہ تھیں۔

"کیوں؟ رابعہ کے لیے خود تمہاری پھوپھو نے کہلوایا تھا۔"

"اُفوہ اماں! چھوڑیں پرانی باتیں اور اطمینان رکھیں۔ وہاں سے بھی کوئی اعتراض نہیں اٹھے گا۔ ہاں اگر آپ نہیں چاہتیں تو صاف کہہ دیں۔" انہوں نے کہا تو مامی جی تیز ہو کر بولیں۔

"میں کیوں نہیں چاہوں گی۔"

"تو پھر الجھ کیوں رہی ہیں۔ سیدھے سیدھے پیغام لے جائیں۔ انہوں نے ہامی بھری تو ٹھیک ورنہ کوئی زبردستی نہیں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو مامی جی پوچھنے لگیں۔

"پھر کب جاؤں؟"

"کل چلی جایئے گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔"

"ابا کے ساتھ جایئے گا۔" انہوں نے کہا تب ہی اسماء چائے لے کر آ گئی اور ان کی بات سن کر پوچھنے لگی۔

"کہاں جانا ہے؟"

"تمہاری پھوپھو کے ہاں۔" مامی جی نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میں بھی چلوں گی۔"

"ہاں پھوپھو کو فون کر کے بتا دو۔" عظام نے کہا تو مامی جی چونک کر پوچھنے لگیں۔

"کیا بتا دوں؟"

"یہی کہ کل آپ لوگ......" وہ بے دھیانی میں بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئے اور مامی جی کی طرف دیکھے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

بیگم آفندی فائقہ کے فون سے بے چین تو ہوئی تھیں لیکن ساتھ یہ اطمینان بھی ہوا تھا کہ وہ ابھی بھی ان سے خائف ہے۔ یعنی اس کے اندر بغاوت کی جرات نہیں تھی۔ یہ انہوں نے اس کی آواز اور لہجے سے پہچانا تھا کہ دور ہو کر بھی وہ پہلے کی طرح سہمی ہوئی صرف جی، جی ہی کر رہی تھی اور انہوں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ فون اس نے خود سے بند نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی موجود تھا اور وہ کون تھا۔ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے ان کا ذہن عظام کی طرف جا رہا تھا، لیکن سی ایل آئی کی اسکرین پر ابھرنے والا نمبر دیکھ کر وہ نہ صرف چونکیں بلکہ فوراً نمبر بھی نوٹ کر لیا

اور پھر کوڈ نمبر سے انہوں نے پہلے ڈائریکٹری میں شہر کا نام دیکھا، اس کے بعد وہ نمبر ڈائل کیا تو دوسری طرف بیل تو جا رہی تھی لیکن کسی نے ریسیو نہیں کیا جس سے وہ مایوس تو نہیں ہوئیں لیکن جھنجھلا ضرور گئی تھیں اور اس وقت تو انہوں نے غصے میں ریسیور پٹخ دیا تھا، لیکن پھر وقتاً فوقتاً نمبر ڈائل کرتی رہی تھیں۔

ابھی بھی آفس میں کام کے دوران اچانک انہیں خیال آیا تو وہ ضروری کام چھوڑ کر وہی نمبر ڈائل کرنے لگیں اور اس بار انہیں مایوسی نہیں ہوئی دوسری بیل پر جیسے ہی ریسیور اٹھا۔ وہ بے صبری کا مظاہرہ کر گئیں۔

"ہیلو۔"

دوسری طرف راحل ان کی آواز پہچان کر ٹھٹکا تھا پھر فوراً آواز بدل کر بولا۔

"یس ڈاکٹر راحل اسپیکنگ۔"

"یہ کلینک ہے؟" بیگم آفندی نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"یس آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔" راحل نے پوچھا تو وہ ایک لمحے میں بہت کچھ سوچ کر بولیں۔

"یہاں مسز فائقہ ہوتی ہیں ان سے۔"

"سوری میڈم! یہاں تو کوئی مس اور مسز نہیں ہوتیں۔ یہ میرا ذاتی کلینک ہے اور یہاں کوئی لمبا چوڑا اسٹاف نہیں ہے بس ایک کمپاؤنڈر ہے۔"

راحل نے تفصیل سے بتایا تو وہ اس خیال سے کہ کہیں وہ فون بند نہ کر دے فوراً کہنے لگیں۔

"دیکھیں ڈاکٹر صاحب! آپ پلیز فون بند نہیں کیجیے گا مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی فرمایئے۔" راحل نے کہا تو وہ بہت سنبھل کر کہنے لگیں۔

"میں کراچی سے بات کر رہی ہوں۔ ابھی دو تین روز پہلے شام میں آپ کے نمبر سے میرے پاس مسز فائقہ کا فون آیا تھا۔ وہ اگر آپ کے کلینک میں کام نہیں کرتیں تو پھر یقیناً آپ کی پیشنٹ ہوں گی اور آپ کی اجازت سے ہی انہوں نے آپ کا فون استعمال کیا ہو گا۔"

"نو میڈم! یہ کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ میں چوبیس گھنٹے کلینک میں نہیں ہوتا پھر آپ دو تین روز پہلے کی بات کر رہی ہیں تو میں پچھلے ہفتے یہاں تھا ہی نہیں آج ہی آیا ہوں۔" راحل نے کہا تو وہ زچ ہو کر بولیں۔

"تو آپ اپنے کمپاؤنڈر سے معلوم کریں۔"

"کیا معلوم کروں؟"

"یہی کہ مسز فائقہ کہاں ہوتی ہیں۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

"آپ ہولڈ کریں گی؟"

"ہاں۔" وہ انتظار کرنے لگیں۔

بڑے صبر آزما لمحات تھے۔ وہ انتہائی اضطراری حالت میں پہلو بدل رہی تھیں، لیکن ایک پل کو بھی ریسیور کان سے نہیں ہٹایا اور سارا دھیان بھی اسی طرف تھا پھر جیسے ہی ادھر سے اس نے ہیلو کہا، وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکیں۔

"پتہ چلا کہاں ہے فائقہ؟"

"سوری میڈم! کمپاؤنڈر نہیں جانتا۔" راحل نے معذرت کی تو وہ یکدم تیز ہو گئیں۔

"کیا کہتا ہے؟"

"اس کا کہنا ہے کہ اتوار کی شام میں ایک خاتون اپنے بچے کی دوا لینے آئی تھی تو انہوں نے یہاں سے فون کیا تھا جنہیں وہ بالکل نہیں جانتا اور نہ پہچان سکتا ہے کیونکہ وہ برقعے میں تھیں۔ اب بتائیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

راحل نے تفصیل سے بتا کر پوچھا تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

"فائقہ میری بیٹی ہے، مجھ سے ناراض ہو کر چلی گئی ہے اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس روز جب اس کا فون آیا تو سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر پتہ چلا کہ وہ مظفر گڑھ میں ہے۔ مظفر گڑھ کوئی اتنا بڑا شہر تو نہیں ہے۔ اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ آپ ٹرائی کریں یا کہیں تو میں خود آ جاؤں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے پہلے مجھے کوشش کرنے دیں۔" راحل نے فوراً کہا۔

"تھینک یو، اگر میری بیٹی مل گئی تو......"

"دعا کریں انشاء اللہ ضرور مل جائے گی۔" وہ پھر بول پڑا تھا۔

"پھر آپ مجھ سے رابطہ کریں گے؟"

"جی! بالکل جیسے ہی ان کا پتہ چلا میں آپ کو فون کر دوں گا۔"

"میں شدت سے منتظر رہوں گی۔ او کے تھینک یو۔"

وہ فون رکھ کر کتنی دیر اس نہج پر سوچتی رہیں اور یوں جیسے اگلے پل فائقہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ان کے سامنے کھڑی ہو گی۔ اس خیال سے ان کے ہونٹوں پر شاطرانہ مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی اور آنکھوں میں ایسی چمک جیسے شکاری اپنے شکار کو بے بس دیکھ رہا ہو اور وہ ابھی اس تصور سے نکلنا نہیں چاہتی تھیں لیکن فون کی بیل نے ان کی سوچیں منتشر کر دیں۔

"ہیلو۔" خاصے جارحانہ انداز میں انہوں نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"السلام علیکم۔" دوسری طرف اسفندیار تھے۔

وہ مزید تپ گئیں۔

"تم بہت بزدل ہو اسفندیار! تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو اب تک جانے کیا کر چکی ہوتی۔ تم تو میرا سامنا کرنے کا حوصلہ بھی نہیں ہے۔ چوروں کی طرح جانے کہاں چھپے ہو۔"

"اب آپ چھپنے کے لیے تیار ہو جائیں۔" اسفندیار نے جواب میں دھیرج سے کہا تھا۔

"کیوں میں کیوں چھپوں گی۔"

"کیونکہ حاکمیت کے بعد محکومیت بڑی تکلیف دیتی ہے۔" اسفندیار کا انداز چڑانے والا تھا۔

"شٹ اپ اسفندیار! تم کیا سمجھتے ہو مجھے زیر کر لو گے۔ ہونہہ! تمہارا باپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا، تم کیا چیز ہو۔" وہ بالکل آپے سے باہر ہو گئی تھیں۔

"میرا باپ شریف آدمی تھا۔"

"صرف شریف نہیں بے وقوف بھی۔" انہوں نے کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔

☆☆☆

رابعہ صبح سے گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی تھی دوپہر تک اس نے سارا گھر چمکا دیا تھا۔ اس کے بعد کچن میں گھسی تو دو گھنٹے وہاں مصروف رہی پھر بھی اس کے چہرے پر تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا۔ حالانکہ ہمیشہ وہ ہر کام جتا کر کرتی تھی لیکن اب ایک تو سوہنی کا معاملہ تھا، دوسرے فائقہ بھی سامنے تھی جس کے ساتھ وہ ضد باندھا کرتی تھی پھر امی سے بھی اب اس کا الجھنے کو دل نہیں چاہتا تھا ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتی تھیں۔ بہرحال جب سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ کمرے میں آئی سوہنی سادگی سے پوچھنے لگی۔

"باجی! کوئی آ رہا ہے کیا؟"

"ہاں۔" رابعہ نے وارڈ روب کھولتے ہوئے بے دھیانی میں جواب دیا لیکن پھر فوراً پلٹ کر اسی کو دیکھنے لگیں۔ جو اسی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"کون؟"

"کون؟" وہ مسکراتے ہوئے سوہنی کے قریب آ گئی اور اس کی ٹھوڑی چھو کر بولی۔ "تمہارے سسرال والے۔"

"میرے۔" سوہنی حیران اور خائف بھی ہو گئی تھی۔

"ظاہر ہے اب تم ہی رہ گئی ہو۔ میں اور فائقہ تو کیا کہوں، سدھار چکیں یا؟ ہنہ..." رابعہ

نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''اجڑ تو میں بھی گئی۔'' سوہنی دکھ سے بولی تو رابعہ نے فوراً اسے گلے لگا لیا۔

''نہیں تم کبھی نہیں اجڑو گی کیونکہ تمہارا ہاتھ جس شخص نے مانگا ہے وہ اپنے ہر عمل اور وعد... میں بہت سچا ہے۔''

''کون۔ کس کی بات کر رہی ہیں؟'' سوہنی الگ ہو کر اسے دیکھنے لگی تو وہ پھر مسکرا کر بولی۔

''عظام بھائی!''

''نہیں۔'' سوہنی نے بے اختیار دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے اور رو پڑی۔

''ارے!'' رابعہ نے اس کی کلائیاں تھام لیں۔ ''یہ کیا بے وقوفی ہے۔ خبردار جو روئیں تو۔''

''آپ مذاق کر رہی ہیں ناں۔'' سوہنی نے روتی آواز میں پوچھا تو رابعہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

''نہیں میں مذاق نہیں کر رہی۔ عظام بھائی نے خود امی سے کہا تھا۔''

''لیکن باجی!''

''کوئی لیکن ویکن نہیں۔ چلو جلدی سے نہا کر کوئی ڈھنگ کے کپڑے پہن لو۔ ایک تو امی ... سلمان بھائی اور بھابی کو بھی بلا لیا ہے۔ تم بھابی کے سامنے کوئی بات مت کرنا۔ انہیں عادت ... کرید کرید کر پوچھنے کی۔ سمجھیں چلو جاؤ۔''

رابعہ نے اسے وارڈروب کی طرف دھکیل دیا تو وہ جانے کیا کہنے کے لیے پلٹ کر بولی تھی۔

''باجی! عظام بھائی۔''

''خدا کے لیے اب تم تو بھائی مت کہو۔'' رابعہ نے فوراً ٹوکا پھر پوچھنے لگی۔ ''ہاں کیا ہوا عظام بھائی کو۔''

''کچھ نہیں۔'' سوہنی نے بڑھ کر وارڈروب کھولی اور فوراً اپنا سوٹ لے کر واش روم میں چلی گ... تو رابعہ نے جلدی سے بیڈ کی چادر ٹھیک کی پھر اپنا سوٹ نکال کر استری کا پلگ لگایا تھا کہ راحیل... گئی۔

''اوہو، بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کہیں جا رہی ہو؟''

''نہیں مہمان آ رہے ہیں۔ امی نے تمہیں بتایا نہیں۔'' رابعہ نے قصداً خود کو استری میں مصرو... رکھ کر پوچھا۔

''امی ہیں کہاں؟ باہر نظر ہی نہیں آئیں۔''

''ابو کے کمرے میں ہوں گی۔''

''اچھا وہاں میں نہیں گئی۔ کون سے مہمان آ رہے ہیں؟'' راحیلہ کو مہمانوں کے بارے میں ...

...انے کی جلدی تھی۔

''سوہنی کے لیے ماموں جی اور مامی جی آ رہی ہیں۔'' رابعہ نے بتایا تو راحیلہ اچھل پڑی۔

''ہائیں عظام بھائی کا رشتہ لے کر؟''

''ہاں۔''

''کیا کہہ رہی ہو، سوہنی اور عظام بھائی، اپنی سوہنی تو اتنی چھوٹی ہے۔'' راحیلہ تعجب کے اظہار ...ے ساتھ ابھی مزید کچھ کہتی کہ وہ بول پڑی۔

''کوئی اتنی چھوٹی نہیں ہے بلکہ مجھے تو رشک آ رہا ہے سوہنی پر۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ سوہنی اور عظام بھائی میں تمہیں فرق ہی نظر نہیں آ رہا۔ وہ سلمان سے ...ے ہیں اور ادھر سوہنی سب سے چھوٹی ہے۔'' راحیلہ نے زور دے کر واضح فرق جتایا پھر بھی وہ ...پرواہی سے بولی۔

''تو کیا ہوا؟''

''تمہاری بات نہیں ہے نا جب ہی تم کوئی اہمیت نہیں دے رہیں۔'' راحیلہ اپنی ہر بات رائیگاں ...انے پر تپ گئی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم لیکن سوہنی کے سامنے کچھ مت کہنا۔'' رابعہ نے بہت ضبط سے کہا تو ...احیلہ فوراً پوچھنے لگی۔

''سوہنی راضی ہے اس رشتے پر؟''

رابعہ ان سنی کر کے اپنا سوٹ ہینگ کرنے میں لگ گئی۔

''یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ وہ بے چاری چھوٹی ہے اس لیے کچھ بول نہیں پا رہی ہو گی۔'' راحیلہ ...ی بھی باز نہیں آئی۔

''یہ بات نہیں ہے راحیلہ! اصل میں وہ غیروں میں شادیوں کا انجام دیکھ چکی ہے۔ میں فائقہ ...ر سلمان بھائی تینوں میں سے کوئی بھی خوش نہیں ہے اس لیے اس نے اپنوں کو ترجیح دی ہے ورنہ ...شتے تو اور بھی بہت ہیں۔''

رابعہ نے بہت آرام سے اپنے اور فائقہ کے ساتھ سلمان کا نام لے کر راحیلہ کو سلگا دیا تھا۔

''سلمان تو خیر بہت خوش ہیں اور اتنا چاہتے ہیں مجھے۔ ایک پل میرے بغیر نہیں رہتے۔''

''اچھا کرن کہاں ہے؟'' رابعہ نے اندر ہی اندر محظوظ ہوتے ہوئے بات بدلنے کی غرض سے ...ں کا پوچھا۔

''سلمان کے پاس تھی میں دیکھتی ہوں۔'' راحیلہ کو بھاگنے کا موقع مل گیا تھا۔

رابعہ کسی طرح اپنی ہنسی نہیں روک سکی اور اسی طرح ہنستے ہوئے واش روم کے دروازے دستک دے کر بولی۔

''سوہنی! نکلو بھئی۔''

کچھ دیر بعد سوہنی واش روم سے نکلی تو اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

''سوہنی!'' رابعہ نے بے اختیار اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھر لیا اور نرمی سے ٹوکنے لگی۔ ''پاگل ہو بالکل، خبردار جو اب ایک آنسو بھی بہایا تو۔''

''باجی! میں عظام بھائی کے قابل نہیں ہوں۔'' سوہنی پھر رونے کو ہو گئی۔

''ایسی باتیں مت کرو اور دیکھو سلمان بھائی آچکے ہیں۔ ابھی راحیلہ یہاں اتنی بکواس کر کے گئی ہے۔ تم سے بھی ضرور الٹ سوال کرے گی اور تم نے یہی کہنا ہے کہ تم اس رشتے پر بہت خوش ہو سمجھیں۔''

رابعہ نے نرمی سے ٹوکتے ہوئے کہا تو سوہنی بے بسی سے بولی۔

''نہیں کہہ سکتی۔''

''کیوں؟''

''باجی! مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' سوہنی منمنائی تو رابعہ مطمئن سی ہو کر بولی۔

''اچھا میں کہہ دوں گی اور تم اب رونا نہیں۔''

''آپ بھائی کو ادھر مت آنے دیجئے گا۔'' سوہنی نے کہا لیکن رابعہ باہر سے آتی آوازیں سننے لگی تھی پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''میرا خیال ہے ماموں جی آگئے۔''

''میں باہر نہیں جاؤں گی۔''

''نہیں تم یہیں بیٹھو۔'' رابعہ اس کا گال تھپک کر کمرے سے نکل آئی۔

اور یہ رشتہ تو عظام ایک طرح سے طے کر ہی چکے تھے۔ اب بس رسم نبھانی تھی پھر رابعہ نے کھانے کا اہتمام کیا تھا۔ یوں رات تک گھر میں خاصی گہما گہمی رہی تھی۔

☆☆☆

راحل نے سوچا تھا کہ وہ یہاں سے سب کچھ سمیٹنے کے بعد کراچی جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ گھر بھی بیچ دینا چاہتا تھا کیونکہ اس کا دوبارہ یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن بیگم آفندی کے فون نے اس کا سارا پروگرام خراب کر دیا تھا۔ انہوں نے جو فائقہ کی تلاش کے سلسلے میں کہا تھا کہ وہ لوگ مظفر گڑھ آنا چاہتی ہیں تو ان سے کچھ بعید بھی نہیں تھا اور وہ اس بات سے خائف تو نہیں تھا لیکن وہ

بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہاں آکر کوئی ہنگامہ کھڑا کریں جس سے اماں ڈر کر کراچی جانے سے انکار کر دیں۔ اتنی مشکل سے تو وہ انہیں آمادہ کر پایا تھا جب ہی اس نے دیر نہیں کی اور فوراً رختِ سفر باندھ لیا تھا۔

اس وقت ٹرین کی چھکا چھک میں اس کا ذہن گزرے ماہ و سال میں بھٹک رہا تھا۔ وہ شہر جہاں اس نے اتنے برس گزارے۔ وہ لاکھ چاہے تب بھی اس شہر سے اپنا تعلق بالکل ختم نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اسے اب احساس ہو رہا تھا اچھا ہوا کہ اس نے مکان نہیں بیچا اور نہ اب بیچنے کا سوچے گا۔ اکثر نہیں تو کبھی کبھار وہ وہاں ضرور جائے گا۔ وہاں اس کا بچپن تھا تو جوانی بھی اور کچھ بننے کی طویل جدوجہد جسے وہ ہمیشہ کے لیے دفن نہیں کر سکتا تھا۔

ٹرین کسی چھوٹے اسٹیشن پر رکی تھی۔ جہاں ابھی بھی پیلے بلب جل رہے تھے اور دوسری طرف گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اماں پوری سیٹ پر پھیل کر سو رہی تھیں۔ اس کے سامنے برتھ پر الیشبہ بھی نیند میں تھی اور فائقہ اپنے بچے کے ساتھ کیونکہ اس کے سر کے اوپر برتھ پر تھی، اس لیے اسے وہ دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اس کی طرح وہ بھی جاگ رہی ہو گی۔ البتہ وہ اس کے احساسات سمجھنے سے قاصر تھا۔ گھر سے چلتے ہوئے وہ خاصی پرجوش تھی پھر جب ٹرین میں سوار ہوئی تو بالکل خاموش ہو گئی تھی اور اب جانے کیا محسوس کر رہی تھی۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ وہ اب گزرے ماہ و سال سے نکل کر آنے والے وقت کے بارے میں سوچنے لگا تھا کہ فائقہ کے پکارنے پر کھڑا ہو کر پوچھنے لگا۔

''کچھ چاہیے۔''

''نہیں میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم سو کیوں نہیں جاتے۔''

''مجھے سفر میں نیند نہیں آتی۔'' اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''میں نیچے آجاؤں؟''

''آجاؤ۔'' وہ خود بھی یہی چاہ رہا تھا۔ اس کے اترنے تک بچے کو اٹھا کر نیچے لٹا دیا پھر تھرماس سے چائے نکالنے لگا۔

''الیشبہ بے خبر سو رہی ہے۔'' فائقہ نے اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بے فکرے لوگ، بے فکری کی نیند سوتے ہیں۔'' اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی تھی۔

"تمہاری جان کو کون سی فکریں لگی ہیں؟" وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"تم کیا جانو۔" وہ کہہ کر چائے پینے لگا۔

"ہم کس وقت پہنچیں گے؟" فائقہ نے چائے کے ایک دو گھونٹ لینے کے بعد پوچھا۔

"رائٹ ٹائم تو آٹھ بجے ہے۔ ٹرین لیٹ ہوئی تو نو دس بج جائیں گے۔" اس نے بتایا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"لیٹ ہو جائے تو اچھا ہے ابو آفس جا چکے ہوں گے۔"

"فکر مت کرو میں تمہیں پہلے اپنے گھر لے جاؤں گا۔" اس نے کہا تو وہ حیرت سے بولی۔

"تمہارا گھر؟"

"کیوں میرا گھر نہیں ہو سکتا؟"

"کیوں نہیں لیکن کراچی میں میرا مطلب ہے تم نے پہلے نہیں بتایا۔"

"اب جو بتا رہا ہوں۔" وہ قصداً مسکرایا پھر پوچھنے لگا۔ "میرے گھر چلو گی نا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں پہلے وہاں سے گھر فون کر کے رابعہ کو بتاؤں گی کہ میں کراچی آ گئی ہوں۔" وہ اپنے حساب سے سوچ رہی تھی۔

"اگر اس نے تمہیں گھر آنے سے منع کر دیا تو کیا کرو گی؟" وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں، وہ منع نہیں کرے گی۔" وہ فوراً بولی۔

"فرض کرو۔" وہ جانے کیا سننا چاہتا تھا۔

فائقہ نے کچھ دیر سوچا پھر محض اس کا ردعمل دیکھنے کی غرض سے بولی۔

"ماما کے پاس چلی جاؤں گی۔"

"تو پہلے ہی ان کے پاس چلی جاؤ۔" راحل نے اس کے جواب سے مایوس ہو کر کہا۔

"نہیں پہلے تو میں اپنے بچاؤ کی کوشش کروں گی اور جب کوئی صورت نہیں ہو گی، تب مجبوراً ہتھیار ڈالنے پڑیں گے۔"

"ہتھیار ڈالنے سے پہلے میرے بارے میں ضرور سوچ لینا۔" وہ کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تو وہ اس کا بازو ہلا کر بولی۔

"سنو میری ایک بات مانو گے؟"

"نہیں۔" صاف انکار۔

"پہلے بات تو سن لو پھر ہاں یا نہیں کہنا۔"

"نہیں مجھے تمہاری فضول بات نہیں سننی۔"

"تمہاری مرضی۔"

اور یونہی کبھی دھیرج سے باتیں کرتے اور کبھی الجھتے انہوں نے بقیہ رات بھی آنکھوں میں کاٹ دی تھی، پھر اجالا پھیلتے ہی اماں اور الیشبہ بھی اٹھ کر نیچے آ گئی تھیں۔ اماں کا اصرار تھا کہ ناشتہ یہیں کر لیا جائے لیکن وہ نہیں مانا۔

"اپنے گھر جا کر کریں گے، آج ہر کام کا آغاز اپنے گھر سے ہونا چاہیے۔"

"کیوں، اسے کیا گھر کے باہر ہی چھوڑ کر چل دے گا۔" اماں نے فائقہ کی طرف اشارہ کر کے کہا تو اس سے پہلے وہ بول پڑی۔

"نہیں اماں! میں پہلے آپ کے گھر جاؤں گی۔"

"ہمارے گھر۔" الیشبہ ایک ایک کی شکل دیکھنے لگی۔

"ہمارا کون سا گھر ہے وہاں تیرے باپ نے بنوایا تھا۔" اماں نے تپ کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے الیشبہ سے کہنے لگا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمارے باپ نے ہمارے لیے بڑی جائیدادیں چھوڑی ہیں۔"

"ہیں اماں۔" الیشبہ نے اماں سے تصدیق چاہی۔

"بس سنتی رہ اس کی باتیں۔" اماں سر جھٹک کر بڑبڑانے لگیں۔

"بھائی! اماں کو ناراض تو نہ کرو۔" الیشبہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"اچھا چلو چادریں لپیٹو، کراچی آ رہا ہے۔" اس نے کہا تو اب فائقہ ہنس پڑی۔

"کراچی چل کر نہیں آ رہا، ہم پہنچنے والے ہیں۔"

"تمہیں تو کہیں استانی ہونا چاہیے تھا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور سیٹوں کے نیچے سے سوٹ کیس گھسیٹنے لگا۔

کچھ دیر ٹرین کراچی چھاؤنی میں رینگتے ہوئے رک گئی تو اس نے پہلے اماں کو اتارا پھر قلی سے سامان اٹھوا کر سب کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آ گیا۔

"تمہارا گھر کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے کس علاقے میں ہے؟" فائقہ نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی پوچھا تو وہ جانے کیوں تیز ہو کر بولا۔

"کیوں تم سارے علاقے جانتی ہو؟"

"ظاہر ہے میں یہیں کی پیداوار ہوں۔"

"اچھا بتاؤ ڈیفنس کہاں ہے؟" اس نے پوچھا تو وہ بے اختیار بولی۔

"جہاں میری ساس رہتی ہیں۔"

''تو میں تمہاری ساس کے گھر جا رہا ہوں۔'' وہ گردن پیچھے موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے جس انداز سے بولا اس سے وہ یہی سمجھی کہ اسے چڑا رہا ہے۔ جب ہی جواباً اسے چڑانے کو خوشی کا اظہار کیا۔

''واقعی؟''

''دیکھ لینا۔'' وہ کہہ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ تو وہ ہنسنے لگی پھر جیسے ہی راستوں پر نظر پڑی تو ٹھٹک لیکن اسے ٹوکا یوں نہیں کہ وہ مذاق اڑائے گا اور اندر ہی اندر خود کو تسلی دینے لگی کہ ڈیفنس میں صرف اس کی ساس کا گھر تو نہیں ہے جبکہ خائف اتنی تھی کہ سر سے چادر آگے تک کھینچ کر چہرہ چھپانے لگی اور اس کے برابر بیٹھی اماں جانے کہاں گم تھیں، ان کے برعکس الیشبہ چہک رہی تھی۔

پھر جیسے ہی راحل نے ٹیکسی آفندی ہاؤس کے گیٹ پر رکوائی وہ چیخ پڑی۔

''یہ تم کہاں آ گئے؟''

''اپنے گھر۔'' وہ آرام سے کہہ کر اتر گیا اور پچھلا دروازہ کھول کر الیشبہ اور اماں کو اترنے کا اشارہ کیا۔

الیشبہ فوراً اتر گئی جبکہ اماں کو اسے سہارا دینا پڑا پھر اس کی طرف دیکھا تو وہ انتہائی دکھ سے بولی۔

''تو تم نے پچاس لاکھ کی خاطر۔''

''شٹ اپ۔'' وہ پلٹ کر چوکیدار کے پاس چلا گیا۔

''اماں!'' فائقہ نے اترتے ہی اماں کا دامن تھام لیا۔ ''اماں! میں اندر نہیں جاؤں گی۔ چلیں واپس چلیں۔''

اماں کی اپنی حالت غیر تھی اس کی کیا سنتیں۔

''باجی! باجی! تمہیں کیا ہوا ہے؟'' الیشبہ پریشان ہو کر اسے جھنجھوڑنے لگی جبکہ راحل بالکل انجان بن گیا تھا۔

خاموشی سے ٹیکسی فارغ کی پھر الیشبہ سے بولا۔

''الیشبہ! اماں کو لے کر اندر چلو۔''

''تم انتہائی۔'' وہ اس قدر کہہ سکی کیونکہ اگلے پل وہ خاصے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی تھام کر تقریباً کھینچتے ہوئے اندر آ گیا۔ اس کھینچا تانی میں فائقہ کے کندھے سے لگا بچہ مچل کر رونے لگا تھا۔

''راحل...... راحل خدا کے لیے۔'' وہ اب منت کرنے لگی تھی لیکن وہ تو جیسے بہرا ہو گیا تھا۔ اماں اور الیشبہ کو آنے کا اشارہ کر کے گلاس ڈور دھکیلتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا تو سامنے بیگم آفندی گردن

اکڑائے کھڑی تھیں لیکن جیسے ہی فائقہ پر نظر پڑی، چونک کر بولیں۔

''فائقہ!''

راحل نے فوراً اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر اسے اپنے پیچھے کر لیا اور ان سے بولا۔

''پہلے مجھ سے ملیں اسفندیار آفندی۔''

فائقہ اس کے جھٹکے سے ابھی پوری طرح سنبھلی نہیں تھی کہ اس نئے انکشاف پر مزید چکرا گئی تھی۔

''خوشی ہوئی تم سے مل کر۔'' بیگم آفندی کو فوراً لہجہ بدلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ''اور زیادہ اس بات سے کہ شیری کی بیوہ کو تم نے اپنا لیا اور میرے لیے یہ کوئی انکشاف نہیں ہے۔ مجھے اول روز سے معلوم تھا کہ فائقہ تمہارے ساتھ گئی ہے۔''

''نہیں۔'' فائقہ ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی لیکن اس میں بولنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ اپنے پیروں پر کھڑا رہنا مشکل لگ رہا تھا اور قریب کوئی سہارا بھی نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے شیری کی زندگی ہی میں تم دونوں نے پلان کر لیا تھا۔''

بیگم آفندی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے فائقہ کے قریب آ گئیں اور گو کہ اس وقت ان کا بچہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، نہ ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں لیکن فائقہ کے اندر چونکہ یہی خوف تھا اس لیے ان کے قریب آنے پر وہ بچہ بازوؤں میں بھینچ کر جیسے پاگل سی ہو گئی تھی۔

''نہیں میں بچہ نہیں دوں گی۔ یہ بچہ میرا ہے، یہ بچہ میرا ہے۔''

''فائقہ!'' راحل فوراً اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑنے لگا۔ ''فائقہ! ہوش میں آؤ۔''

''میرا بچہ...... میرا بچہ......'' وہ چلاتے ہوئے اس کے بازوؤں میں جھول گئی تو بیگم آفندی نے فوراً بچہ جھپٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

جبکہ اماں اور الیشبہ اپنی جگہ حیران اور سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔

❁❁❁

راحل نے پہلے فائقہ کو صوفے پر لٹایا پھر قصداً بیگم آفندی کو نظر انداز کر کے اماں سے مخاطب ہوا۔

"اماں! ایسے اجنبیوں کی طرح کیوں کھڑی ہو، آپ اپنے گھر میں آئی ہو، جہاں چاہے بیٹھو اور الیشبہ تو جا کچن میں کچھ ناشتے واشتے کا انتظام کر۔"

"اماں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" الیشبہ ماں کے ساتھ لگ کر منمنائی۔

"کیا کہہ رہی ہے؟" راحل نے پوچھا پھر خود ہی سمجھ کر بولا۔ "اماں! بتاؤ اسے کچن کہاں ہے۔"

"ادھر۔" اماں نے بے اختیار کچن کی طرف اشارہ کیا تو بیگم آفندی طنزیہ بولیں۔

"واہ تمہیں اب تک یاد ہے۔"

"ہاں چاہا تو بہت کہ سب بھول جاؤں پر کچھ بھی نہیں بھولی۔"

اماں نے ایک نظر اپنے توانا بیٹے کو دیکھ کر بیگم آفندی کی طرف رخ موڑا تو ایک پل کو وہ نظریں چرا گئیں لیکن پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگیں۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم! آفندی نے تمہیں بہت ڈھونڈا تھا۔ انہیں زیادہ فکر اپنے بچوں کی تھی۔"

"میں جانتی ہوں اور میں نے انہیں سارے حالات اور بچوں کی خیریت کا خط لکھ دیا تھا۔"

اماں نے سیدھے سادے انداز میں کہا تو بیگم آفندی اندر سے خواہ کتنی پریشان ہوئی ہوں لیکن بظاہر بڑے آرام سے بولیں۔

"ہاں مجھے آفندی نے تمہارا خط دکھایا تھا اور پھر تمہاری عقل پر ماتم بھی کیا تھا۔"

"ضرور کیا ہوگا۔"

اماں نے کہہ کر راحل کو دیکھا جو بہت خاموشی سے دونوں کی باتیں سننے کھڑا ہو گیا تھا اور ان کے دیکھنے پر ہی بولا تھا۔

"اماں! بہت بھوک لگی ہے۔"

"ہاں دیتی ہوں، تو اسے دیکھ۔" اماں نے فائقہ کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ٹھیک ہے۔ میرا مطلب ہے تھوڑی دیر میں ہوش میں آجائے گی۔ آپ جلدی ناشتہ بناؤ۔"

وہ کہہ کر بیٹھ گیا اور الیشبہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو وہ نہ سمجھنے والی کیفیت میں کھڑی اس کے پاس بیٹھتے ہی اس کے بازو میں منہ چھپانے لگی تھی۔

اماں نے چند لمحے دونوں بہن بھائی کو دیکھا پھر کچن کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک رک کر بیگم آفندی سے بولیں۔

"مجھے تمہارے بیٹے کا بہت افسوس ہوا۔"

"اللہ کی مرضی اور دیکھو اس نے مجھے شیری کے بدلے شیری دے دیا۔ تمہارے سامنے ہی تو ہوا تھا شیری۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے ناں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔"

بیگم آفندی بچے کا چہرہ اماں کے سامنے کر کے بولے جا رہی تھیں۔

"وہی آنکھیں، وہی ناک، بڑا ہو کر بالکل شیری بن جائے گا۔"

"شیری!" اماں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔

"شیری واپس آ گیا ہے۔ میرا شیری واپس آ گیا ہے۔" بیگم آفندی بچے کو بے تحاشہ چومنے لگیں تو وہ گھبرا کر رونے لگا۔

"لاؤ مجھے دو۔" اماں نے بچے کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹ گئیں۔

"نہیں اب میں اپنا بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔"

"رو رہا ہے۔" اماں نے کہا۔

"چپ ہو جائے گا ابھی چپ ہو جائے گا۔" بیگم آفندی بچے کو بہلانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اماں راحل کے پاس آ کر پوچھنے لگیں۔

"یہ پاگل ہو گئی ہے کیا؟"

"ابھی تو نہیں ہوئی لیکن ہو جائے گی۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"کیا بک رہا ہے، جا بچے کو لے آ پتہ نہیں وہ اس کے ساتھ......"

"کچھ نہیں کرے گی۔ اس کا اپنا پوتا ہے۔ اسے زہر نہیں دے سکتی۔" راحل نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

"اس کا پوتا۔" اماں حیرت میں گھر کر بے خبر پڑی فائقہ کو دیکھنے لگیں تو وہ اس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ہاں یہ شیری کی بیوی ہے۔"

"شیری کی بیوی! تجھے پتہ تھا؟" اماں نے اسی حیرت سے پوچھا۔

"جب آئی تھی، تب تو نہیں پتہ تھا لیکن بعد میں پتہ چل گیا تھا۔ جبھی تو میں نے اسے اپنے گھر

میں رہنے دیا تھا۔'' وہ قصداً سرسری انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔

''تو، تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟'' اماں نے تیز ہو کر کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

''بتا دیتا تو پھر آپ اسے رہنے نہ دیتیں۔''

''اماں! مجھے بھی تو بتاؤ ہم کہاں آ گئے ہیں۔'' الیشبہ اس صورتحال سے صرف پریشان تھی۔

''اپنے گھر۔'' اماں اسے عجلت میں جواب دے کر پھر اس سے فائقہ کا پوچھنے لگیں۔ ''من اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''پتہ نہیں جب ہوش میں آئے گی تو خود ہی پوچھ لینا۔ پہلے مجھے کچھ کھانے کو دو، چل الیشبہ! تو بھی اماں کے ساتھ کچن میں جا، وہیں ساری کہانی پوچھ لینا ان سے۔'' اس نے الیشبہ کا ہاتھ کھینچ کر اسے زبردستی اٹھایا۔

''میں نے گاڑی میں کہا تھا ناشتہ کر لو پر تجھے شوق تھا اپنے گھر......''

''ہاں تو اپنے گھر کی بات ہی اور ہوتی ہے۔'' وہ اماں کی بات کاٹ کر سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' اماں کچن میں جاتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔

''مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے مزید صوفے پر دائیں بائیں اپنے دونوں بازو بھی پھیلا دیئے تو الیشبہ پھر الجھ کر پوچھنے لگی۔

''بھائی! یہ سچ مچ ہمارا گھر ہے؟''

''ہاں کتنی بار پوچھے گی۔'' وہ اب دھاڑا تھا۔

''اور یہ باجی۔'' الیشبہ خائف ہو کر بھی پوچھنے سے باز نہیں آئی۔

''باجی نہیں یہ تیری بھابی ہے۔'' اب وہ اپنے آپ مسکرایا تھا۔

''بھابی!'' الیشبہ مزید حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی تو وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''جاؤ اماں سے پوچھو چلو۔''

الیشبہ اماں کے ساتھ کچن میں چلی گئی تو اس نے پہلے فائقہ کی کلائی تھام کر اس کی نبض چیک کی پھر اسے پکارتے پکارتے رہ گیا کیونکہ جانتا تھا کہ وہ ہوش میں آتے ہی بچہ بچہ چلانے لگے گی۔ اس لیے اس کی طرف سے اطمینان کر کے وہ بیگم آفندی کے کمرے کی طرف آ گیا۔ اندر سے بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی اور بیگم آفندی بہلانے کے لیے جانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر دونوں کی آوازیں سنتا رہا پھر قدرے زور سے دستک دی تو بیگم آفندی اپنی بولی کے درمیان بولی تھیں۔

''ہاں آ جاؤ۔''

اس نے ہینڈل گھما کر پورا دروازہ کھول دیا پھر اندر داخل ہوا تو بیگم آفندی ناگواری سے پوچھنے لگیں۔

''کیا بات ہے؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔ میں بس یونہی کچھ دیر آپ کے ساتھ بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے بیٹھ بھی گیا تو بیگم آفندی اسے نظر انداز کرنے کی خاطر بچے کو سینے سے لگا کر تھپکنے لگیں۔

''یہ آپ سے چپ نہیں ہوگا۔'' وہ ان کی ناکام کوشش سے اکتا کر بولا تھا۔

''کیوں؟'' بیگم آفندی بوکھلاہٹ، جھنجلاہٹ اور تلملاہٹ میں بچکانہ حرکتیں کرنے لگی تھیں۔

''کیونکہ یہ آپ کو نہیں پہچانتا۔ آئی مین کچھ وقت لگے گا اسے آپ سے مانوس ہونے میں۔'' اس نے دھیرج سے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''لائیے مجھے دیں۔'' اس نے اٹھ کر بچے کو لے لیا تو روتے روتے ہلکان بچہ اس کے سینے سے اپنا منہ رگڑنے لگا تھا۔

بیگم آفندی نے دروازے تک جا کر ملازمہ کو پکارا پھر پلٹ کر اس سے پوچھنے لگیں۔

''تمہاری بیوی کو ہوش آ گیا؟''

''نہیں لیکن وہ ٹھیک ہے۔'' اس نے مصلحتاً ان کی غلط فہمی دور نہیں کی۔ ''کچھ دیر میں ہوش آ جائے گا اسے۔''

''تم نے یہاں لانے سے پہلے اسے بتایا نہیں تھا۔'' بیگم آفندی نے پوچھا تب ہی ملازمہ آ گئی۔

''جی بیگم صاحبہ!''

''بچہ فیڈر پیتا ہے؟'' بیگم آفندی نے اس سے پوچھا۔

''فیڈر بھی۔'' وہ انہیں جواب دے کر ملازمہ سے کہنے لگا۔ ''وہاں باسکٹ میں اس کی فیڈر اور دودھ ہوگا اور یہ بچہ الیشبہ کو دے دو۔ وہ کچن میں ہے۔''

ملازمہ بچہ لے کر بیگم آفندی کو دیکھنے لگی تو وہ فوراً بولیں۔

''ٹھیک ہے اٹھاؤ یہ شیری کا بیٹا ہے۔''

''چھوٹے صاحب کا۔'' ملازمہ نے حیرت اور خوشی کے ساتھ بچے کو دیکھا۔

''ہاں اور اب یہ بڑے صاحب آ گئے ہیں۔ شیری کے بڑے بھائی ہیں۔'' بیگم آفندی نے

جانے کس دل سے اسے بڑے صاحب کہا تھا۔

"سلام بڑے صاحب!" ملازمہ نے فوراً اسے سلام کیا تو وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر بولا۔

"جاؤ پہلے بچے کی فیڈر بناؤ۔"

ملازمہ چلی گئی تب بیگم آفندی اس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگیں۔

"ہاں کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ میں آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کروں۔" اس نے دوبارہ اسی جگہ بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ گردن اکڑا کر بولیں۔

"جو رشتہ ہے اسی سے مخاطب کرو گے۔"

"ہوں۔" وہ جو اتنا پرسکون نظر آ رہا تھا تو ایسا تھا نہیں بلکہ اس کے اندر بڑا محشر برپا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ مقابل ایک عورت تھی اور وہ عورت سے الجھنا بزدلی تصور کرتا تھا۔

"یا تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض ہے؟" بیگم آفندی نے اسے سوچتے دیکھ کر ٹوکا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر سنبھل کر کہنے لگا۔

"میں یہاں کسی بات پر اعتراض کرنے نہیں آیا اور نہ ہی میرا مقصد آپ کو تنگ کرنا یا ستانا ہے اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا کیونکہ ڈیڈی کی نسبت سے جو تعلق بنا وہ آپ نے ان کے بعد بھی قائم رکھا۔ یعنی آج بھی آپ ڈیڈی کے نام سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔"

"تم اصل بات کہو۔" وہ اس کے ٹھوس لہجے سے گھبرا کر بولی تھیں۔

"آپ کے خیال میں اصل بات کیا ہو سکتی ہے؟" وہ الٹا ان سے پوچھ کر بغور انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے کیا معلوم تمہارے دل میں کیا ہے؟" وہ تڑخ کر بولی تھیں۔

"کچھ نہیں، میرا مقصد اول روز سے اپنی ماں کو اس کے اصل گھر میں، اس کا اصل مقام دلانا تھا اور یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں تھا۔ چاہتا تو دس سال پہلے ماں کو لے کر آ جاتا لیکن ماں نہیں چاہتی تھیں۔" اس نے کہا تو وہ طنزیہ انداز میں فوراً پوچھنے لگیں۔

"اب کیسے چاہا اس نے؟"

"جیسے بھی۔ بہر حال میں انہیں لے آیا ہوں اور مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس گھر پر ان کا بھی اتنا ہی حق ہے، جتنا آپ کا آپ شہریار کی ماں ہیں تو وہ اسفند یار کی اور آپ اچھی طرح

جانتی ہیں کہ ڈیڈی کی تمام منقولہ وغیر منقولہ پراپرٹی کے بھی دونوں وارث ہیں۔ میں اسے بے دخل کر سکتا ہوں، نہ وہ مجھے۔ ایسی فضول کوشش کر کے آپ نے برسوں حکمرانی ضرور کر لی لیکن مالک پھر بھی نہیں بن سکیں۔" اس نے بڑی خوبصورتی سے آخر میں جتایا تو وہ بری طرح سلگ گئیں۔

"اپنی حد میں رہو اسفند یار! میں ایسی بکواس نہیں سننا چاہتی۔"

"میں اپنی حد پہچانتا ہوں مادام!"

"مادام نہیں ماما۔ حد پہچانتے ہو تو رشتہ بھی پہچانو۔" انہوں نے فوراً ٹوک کر کہا۔ تب ہی الیشبہ دروازے میں آ کر بولی۔

"بھائی ناشتہ لگا دیا ہے۔"

"ادھر آؤ۔" وہ الیشبہ کو اندر بلا کر بولا۔ "انہیں سلام کرو یہ ہماری دوسری ماں ہیں۔"

"السلام علیکم۔" الیشبہ اماں سے سارے حالات سن کر خوف سے نکل آئی تھی۔ جب ہی جس طرح بے دھڑک ادھر آئی تھی اسی طرح سلام کیا تو بیگم آفندی اسے دیکھتے ہی اچانک کھو گئیں۔

"تم شیری کو کبھی نہیں بھولیں۔ وہ جہاں کسی چھوٹی بچی کو دیکھتا اسے تم یاد آ جاتیں۔"

الیشبہ اسے دیکھ کر اشارے سے پوچھنے لگی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں تو جواباً وہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو پہلے ناشتہ کر لیں۔" پھر جاتے جاتے رک کر ان سے بولا۔ "آپ بھی چلیں۔"

"میں کر چکی ہوں۔" بیگم آفندی چونک کر بولی تھیں۔

"چلو الیشبہ!" الیشبہ کے ساتھ ان کے کمرے سے نکلا تھا کہ پیچھے دروازہ بند ہونے پر ایک لحظہ کو ٹھٹکا پھر سر جھٹک کر ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر فائقہ پر پڑی جس کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ جنہیں وہ قصداً نظر انداز کر گیا اور کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہوش آ گیا تمہیں؟"

"مجھے ہمیشہ بہت دیر میں ہوش آتا ہے۔" وہ چیخ کر بولی تھی۔

"اچھا پہلے کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، البتہ ابھی تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔" اس نے کہا تو وہ ہنوز اسی انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"تمہاری ساس جو سمجھ رہی ہیں ابھی اس کی تردید کرنے کی غلطی مت کرنا، ورنہ وہ اسی وقت بچہ لے کر تمہیں نکال باہر کریں گی اور میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔" وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا اور

وہ اسے دیکھے گئی جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"سمجھ گئیں۔" راحل نے اچانک نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ سر جھکا گئی۔

"اماں اور الیشبہ! تم بھی سن لو، شیری کی ماما یہ سمجھ رہی ہیں کہ فائقہ نے مجھ سے شادی کر لی ہے تو انہیں یہی سمجھتے رہنا چاہیے۔"

اس نے اماں اور الیشبہ کو مخاطب کر کے کہا اور پھر ناشتے کے دوران وہ مختصراً اس کے حالات بتا کر اماں اور الیشبہ کے ساتھ اسے بھی سمجھا رہا تھا۔

☆☆☆

رابعہ اپنے سامنے رکھے ایک اشتہار کے اگریمنٹ پیپرز دیکھتے ہوئے شش و پنج میں تھی کہ آیا اسے سائن کرنے چاہئیں یا نہیں۔ گو کہ اب وہ ڈیمانڈ میں تھی۔ چاہتی تو معاوضہ بھی بڑھا سکتی تھی لیکن اس کا دل جو اچاٹ ہو گیا تھا تو وہ ضرورتاً بھی کام کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" توصیف عالم نے کچھ دیر اسے نوٹ کرنے کے بعد ٹوکا تو وہ ایسے ہی سوچتے ہوئے انداز میں اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"کچھ نہیں۔ میں اب یہ کام نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے انگلیوں میں دبا پین چھوڑ کر کرسی کی پشت سے کمر نکالی۔

"پھر آئی مین اور کیا کرنا چاہتی ہو؟" توصیف عالم نے بغور اسے دیکھا وہ بہت اکتائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"سوچوں گی۔"

"اور یہ ایڈ؟"

"منع کر دیں۔"

"تمہاری مرضی۔" توصیف عالم اس کے سامنے سے پیپرز اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ویسے میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم یہ سب کام نہ کرو بلکہ کچھ بھی نہ کرو۔"

"کیوں؟" وہ صرف نظروں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"کیونکہ میں تمہیں گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں، اپنے گھر میں۔" وہ معنی خیزی سے کہتے ہوئے اچانک اس کی طرف جھکا تھا۔ "مجھ سے شادی کرو گی؟"

"شادی؟" وہ چونکی تھی۔

"شادی۔" توصیف عالم مسکرایا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے مردوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ بہت جھوٹے اور مکار ہوتے ہیں۔" اس نے کہا تو توصیف عالم بہت زور سے ہنسا تھا۔

"میں نے تمہاری تعریف تو نہیں کی۔" اس نے اندر ہی اندر جز بز ہو کر ٹوکا لیکن وہ اسی طرح ہنستے ہوئے بولا۔

"اور کیسی ہوتی ہے تعریف؟"

"اچھا بس خاموش ہو جاؤ۔" وہ بگڑ گئی۔

"اوکے بابا اوکے، ناراض مت ہو۔" توصیف عالم نے ہاتھ اٹھا کر اسے ریلیکس کرنے کی سعی کی پھر مسکین شکل بنا کر پوچھنے لگا۔

"تم مجھے بھی جھوٹا اور مکار سمجھتی ہو؟"

وہ خاموش رہی تھی۔

"میں نے سیدھے سادے لفظوں میں تمہیں پرپوز کیا ہے، کیا یہی مکاری ہے بتاؤ۔"

"اُفوہ! تم تو پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ بس ختم کرو یہ موضوع۔" وہ جھنجھلا گئی تھی۔

"اچھا تم غصہ ختم کرو پھر ہم آرام سے اس موضوع پر بات کریں گے۔"

توصیف عالم نے کہتے ہوئے بیل کا بٹن پش کیا اور چپڑاسی کے آنے پر اسے کولڈ ڈرنکس لانے کا کہہ کر پھر اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ مزید تیز ہو کر پوچھنے لگی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟"

"پہلے تم بتاؤ تمہیں غصہ کس بات پر ہے؟ میرے پرپوز کرنے پر؟" توصیف عالم نے ایک دم سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"نہیں مجھے کوئی غصہ نہیں ہے۔ تم بس فضول باتیں مت کرو۔"

"اتنی اہم بات کو فضول بات کہہ رہی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟" توصیف عالم نے ٹوک کر پوچھا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے قصداً مسکرا کر بولی۔

"اچھے لگتے ہو۔"

"پھر شادی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ دیکھو مذاق میں بات مت اڑانا، میں بہت سنجیدہ ہوں اور یونہی پرپوز نہیں کر رہا، بلکہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ دل سے اپنانا چاہتا ہوں تمہیں اور بہت بڑے دعوے تو نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ایک بار تم نے کہا تھا کہ تم محل میں شہزادیوں جیسی آن بان سے رہنا چاہتی ہو۔ تو میں محل تو نہیں بنوا سکتا لیکن محل جیسی آسائشات دے سکتا ہوں۔ رہی

شہزادیوں جیسی آن بان تو وہ تو تم میں ہے ہی۔"

وہ آخر میں دلکشی سے مسکرایا تو وہ جو پورے دھیان سے اس کی بات سننے لگی تھی، اس کے مسکرانے پر نظروں کا زاویہ بدل کر دوسرے طرف دیکھنے لگی۔

تب ہی چپڑاسی کولڈ ڈرنکس لے کر آ گیا اور توصیف عالم سے بولا۔

"سر! کوئی بی بی ملنے آئی ہیں۔"

"کون ہے؟"

"پتہ نہیں کہہ رہی ہیں آپ سے ملنا ہے۔"

"پھر...... پھر کسی وقت ابھی میں فارغ نہیں ہوں۔ کہہ دو صاحب میٹنگ میں ہیں۔"

توصیف عالم اس وقت جو موضوع چھیڑے بیٹھا تھا اس سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ جب ہی منع کیا اور رابعہ اس موضوع سے بچنے کی خاطر فوراً بولی تھی۔

"بلا لو، پتہ نہیں بے چاری کہاں سے آئی ہے۔"

"اچھا بھیج دو۔" توصیف عالم نے اس کی بات رکھنے کی خاطر چپڑاسی سے کہا پھر کولڈ ڈرنک اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی۔

چند لمحوں بعد جو لڑکی اندر آئی اسے دیکھتے ہی توصیف عالم بلا ارادہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"جی۔"

"میرا نام افرا ہے اور میں ماڈلنگ کے لیے آئی ہوں۔" لڑکی نے بہت اعتماد سے اپنا نام اور آمد کا مقصد بتایا تو اب رابعہ بھی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"پلیز۔" توصیف عالم نے اپنے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ اسی اعتماد سے آ کر بیٹھ گئی۔

"تھینک یو۔"

"کیا لیں گی آپ چائے یا......؟" توصیف عالم اس کے حسن سے مرعوب ہو گیا تھا۔

"نو تھینکس۔" اس نے منع کیا پھر بھی توصیف عالم نے اپنے سامنے سے اٹھا کر پیپسی اس کے سامنے رکھ دی پھر پوچھنے لگا۔

"اب تک کہاں تھیں آپ! آئی مین پہلے کہیں ماڈلنگ کی۔"

"ایک میگزین کے لیے کی ہے۔"

"کون سا میگزین میری نظر سے نہیں گزرا۔ رابعہ! رابعہ تم نے دیکھا؟"

توصیف عالم نے اس سے پوچھا تو اس نے بظاہر لاپرواہی سے کندھے اچکا کر نفی میں سر ہلایا، ورنہ اس کی وارفتگی کے ساتھ بوکھلاہٹ شدت سے محسوس کرتے ہوئے اندر ہی اندر ہرٹ بھی ہو رہی تھی کہ یہ شخص ابھی کچھ دیر پہلے اسے پروپوز کر رہا تھا۔

"اپنی فوٹو گراف لائی ہیں آپ؟" توصیف عالم نے اصرار سے پوچھا۔

"جی۔" افرا نے اپنے بیگ سے ایک لفافہ نکال کر توصیف عالم کی طرف بڑھایا تو وہ بہت بے صبری سے فوٹو گرافس نکال کر دیکھنے لگا اور ہر تصویر دیکھ کر رابعہ کے سامنے ڈال رہا تھا۔

رابعہ نے کسی تصویر کو ہاتھ نہیں لگایا لیکن نظریں بھی نہیں ہٹا سکی کیونکہ وہ ہر انداز میں بہت نمایاں لگ رہی تھی اور اس میں زیادہ کمال اس کے ڈریسز کا تھا جن میں اس کا بدن ہر زاویے سے چھلک رہا تھا۔

"ونڈرفل! آپ یقیناً بہت کامیاب ہوں گی۔ کل آپ فوٹو سیشن کے لیے گیارہ بجے آ جائیے گا، مجھے آپ جیسی ماڈل کی ہی تلاش تھی۔" توصیف عالم اب بے باکی سے اس کی تعریف کرنے لگا تھا۔

"اچھا توصیف! میں چلوں۔" رابعہ نے صرف اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے کہا تھا اور اس نے مروتاً بھی رکنے کو نہیں کہا۔

"جا رہی ہو، اچھا ٹھیک ہے۔"

اور رابعہ ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اپنا بیگ اٹھا کر اس کے آفس سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

بیگم آفندی آفس چلی گئیں تو فائقہ جیسے اسی انتظار میں تھی فوراً اپنے کمرے میں آ گئی۔ جہاں ہر شے اسی قرینے سے موجود تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ یہاں سے گئی ہی نہیں تھی اور شیری وہ بھی جیسے یہیں کہیں موجود تھا۔ ابھی وہ پکارے گی اور وہ عقب سے آ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دے گا۔ کتنی ہی دیر وہ ایک ہی جگہ سن کھڑی رہی پھر کبھی صوفے پر بیٹھی، کبھی بیڈ پر، کبھی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہوئی اور وہاں سے پلٹی تو نظروں کے عین سامنے شہریار کی فریم شدہ تصویر تھی جس کے ہونٹوں میں دبی مسکراہٹ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

"شیری! تمہارے بہن بھائی آ گئے۔ تم انہیں یہاں لانا چاہتے تھے ناں۔ تو وہ آ گئے لیکن ماما! ماما شاید خوش نہیں ہیں اور مجھے دیکھو میں بھاگتے بھاگتے پھر یہیں آ گئی ہوں لیکن شاید زیادہ دن یہاں نہیں رہ سکوں گی اور جانے اب کہاں جانا ہوگا۔ ابو تو میرا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔ اپنے گھر

میں کہاں گھسنے دیں گے۔ٹھیک تو ہے میری وجہ سے سوہنی۔"
وہ دھیرے دھیرے بولتے ہوئے سوہنی پر آ کر چونکی تھی۔
"سوہنی! سوہنی! پتہ نہیں کہاں ہے؟" وہ سوچتے ہوئے ٹیلی فون کے پاس آ کر گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ جب دوسری طرف بیل جانے لگی، تب اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ دن کے بارہ بج رہے تھے اور اس کا خیال تھا اس وقت گھر پر صرف امی ہوں گی اس لیے وہ ان ہی کا ردعمل قیاس کرنے لگی تھی کہ امی ہی کی آواز آئی تھی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو امی!" وہ اچانک بے قابو ہو کر بس اسی قدر کہہ سکی۔

"کون رابعہ!" امی نے پوچھا تو وہ بکھر گئی۔

"نہیں امی! میں ہوں فائقہ۔"

"فائقہ میری بیٹی! کہاں ہو؟ ٹھیک تو ہو؟" امی کی بے تابی نے اس کی ڈھارس بندھائی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں امی! آپ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں، سب ٹھیک ہیں۔تم بس اپنی سناؤ کہاں چلی گئیں؟ کتنی پریشان ہوں میں تمہارے لیے تم ٹھیک ہو نا؟"

امی کا بس نہیں چل رہا تھا، اسے ریسیور سے کھینچ لیں۔

"جی آپ پریشان نہ ہوں میں اپنے گھر میں ہوں۔ میرا مطلب ہے ماما کے پاس۔" اس نے امی کو اطمینان دلانے کی خاطر کہا لیکن وہ مزید پریشان ہو گئیں۔

"وہاں وہاں کہاں پہنچ گئیں؟ تمہاری ساس لائی ہیں تمہیں؟"

"نہیں میں خود آئی ہوں اور کہاں جاتی۔ ابو تو...... خیر چھوڑیں یہ بتائیں سوہنی کہاں ہے؟"

"کچن میں بلاتی ہوں۔" امی نے کہہ کر سوہنی کو پکارا تھا اور وہ جو کچھ اور سوچے کھڑی تھی حیران ہو گئی۔

"سوہنی امی! سوہنی گھر میں ہے۔"

"ہاں لو آ گئی۔" امی نے ریسیور سوہنی کو تھما دیا تھا۔

"سوہنی!" اس نے پکارا تب ادھر سوہنی بھی حیرت کے ساتھ بے تاب بھی ہو گئی۔

"آپی...... آپی! آپ کہاں ہیں؟"

"میرے خدا مجھے رابعہ نے تمہارے بارے میں پتہ نہیں کیا بتایا تھا۔" وہ سوہنی کی بات ان سنی کر کے بولی تو سوہنی بالکل خاموش ہو گئی۔

"پتہ ہے میں کتنی پریشان ہوئی اور صرف تمہارا سوچ کر چلی آئی۔" اس نے پھر کہا تو سوہنی پوچھنے لگی۔

"کہاں ہیں آپ؟"

"اپنے گھر۔"

"یہاں کب آئیں گی۔؟" سوہنی کے لہجے میں ہمیشہ والا اشتیاق نہیں تھا، جب ہی وہ بجھ سی گئی۔

"دیکھو کب آنا ہوتا ہے۔" پھر پوچھنے لگی۔ "ابو کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

"میرا ذکر کرتے ہیں؟" اس نے بڑی آس میں گھر کر پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں، شاید امی سے کرتے ہوں۔اصل میں وہ زیادہ اپنے کمرے میں ہی رہتے ہیں۔ مجھ سے، باجی سے اور عثمان سے بھی بات نہیں کرتے۔ آپ آئیں گی تو شاید وہ پہلے جیسے ہو جائیں۔" سوہنی نے کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

"مجھ سے ہی تو ناراض ہیں۔"

"تو آپ ہم سب سے ملنے بھی نہیں آئیں گی؟" سوہنی نے مایوسی سے پوچھا۔

"آؤں گی تم سے اور امی سے ملنے ضرور آؤں گی۔" اس نے فوراً تسلی دی۔

"آپی! آپ کا بیٹا بھی ہے نا؟" سوہنی نے اب کچھ اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"ہاں ماشاءاللہ بہت پیارا ہے۔"

"شیری بھائی جیسا؟"

"بالکل ویسا۔"

"اسے بھی لے آئیے گا۔"

"اچھی بات ہے میں پھر فون کروں گی۔" اس نے الیشبہ کو آتے دیکھ کر فون بند کر دیا پھر اس سے بولی

"آؤ اندر آ جاؤ الیشبہ! اماں کیا کر رہی ہیں؟"

"اماں بھی اپنے پرانے رشتہ داروں کو فون کر رہی ہیں۔" الیشبہ نے اکتائے ہوئے انداز میں بتایا تو وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی۔

"ان کے اصل رشتہ دار تو یہی ہیں۔"

"ہاں لیکن مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ اماں اور بھائی نے مجھے پہلے سے کچھ بتایا ہی نہیں،

ایک دم یہاں لے کر آ گئے۔" الیشبہ کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا۔

"شاید راحل تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔" اس نے کہا تو الیشبہ مزید بری شکل بنا کر بولی۔

"کوئی نہیں مجھے تو نہیں اچھا لگ رہا۔"

"اچھا یہ بتاؤ، راحل کہاں ہے؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں بہت تیار شیار ہو کر نکلے ہیں۔ میں نے کہا مجھے بھی لے چلو تو ڈانٹ دیا۔"

"تو تم اس وجہ سے روٹھی ہوئی ہو۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ کہاں جا رہی ہو؟" الیشبہ نے پلٹ کر اس سے پوچھا تو اس نے پہلے ملازمہ کو پکارا پھر واپس آ کر اسی جگہ بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"ذرا ملازمہ سے پوچھوں میرے بعد یہاں کیا ہوا تھا۔"

☆☆☆

راحل پہلے ابرار قریشی کے پاس گیا تھا اور ان سے جیلان آفندی کی وصیت کے کاغذات لے کر سیدھا بیگم آفندی کے پاس ان کے آفس آ گیا۔

بیگم آفندی اس وقت تمام اکاؤنٹس چیک کرنے میں مصروف تھیں، جب ہی انہیں راحل کی آمد سخت ناگوار گزری لیکن کمال ہوشیاری سے مسکرا کر بولیں۔

"بہت جلدی آ گئے میرا خیال تھا دو چار دن آرام کرو گے۔"

"بہت آرام کر لیا، اب کام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ان کے سامنے آرام سے بیٹھ کر بولا تو بیگم آفندی بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھنے لگیں۔

"کیا کام؟ آئی مین کیا کوالیفکیشن ہے تمہاری؟"

"ایم بی بی ایس۔" اس نے بتایا تو بیگم آفندی کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا پھر ذرا سا ہنس کر کہنے لگیں۔

"تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر کا یہاں کیا کام۔ کوئی ہاسپٹل جوائن کرو اور اس دوران اپنا کلینک یا چاہو تو چھوٹا موٹا ہاسپٹل۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولا۔ "ابھی تو میں آپ کو ڈیڈی کی وصیت دکھانے آیا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں وصیت میں کیا ہے۔ جیلان نے مجھ سے پوچھ کر ہی لکھی تھی۔" بیگم آفندی نے محض اپنی اہمیت جتانے کی خاطر کہا۔

"اچھا؟" وہ تعجب کے ساتھ ذرا سا ہنسا تھا۔ "پھر تو آپ کو خوشی سے سب کچھ میرے حوالے کر دینا چاہئے۔"

"واہ اپنی اتنے برسوں کی جان توڑ محنت تمہارے حوالے کر دوں۔" بیگم آفندی نے اپنی تلملاہٹ طنز میں لپیٹی تھی۔

"ڈیڈی کی وصیت میں تو......"

"ڈیڈی کی وصیت، ڈیڈی کی وصیت۔ بس کرو اسفندیار! جانتے ہو جب تمہارے ڈیڈی نے یہ وصیت لکھی تھی، اس وقت ماربل انڈسٹری کی کیا حالت تھی۔ مقروض تھے تمہارے ڈیڈی، اگر میں اسے سہارا نہ دیتی تو آج اس کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔" وہ یکدم تیز ہو گئی تھیں۔

"مجھے اس سے انکار نہیں ہے لیکن......"

"بس۔" وہ ٹیبل پر ہاتھ مار کر بولیں۔ "جب مانتے ہو تو لیکن اور کیونکہ کا کوئی سوال نہیں ہے اور صبح تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا مقصد صرف اپنی ماں کو اس کے اصل گھر لانا تھا پھر ابرار قریشی کے پاس کیوں جا پہنچے؟"

"ان کے پاس میں آج پہلی بار نہیں گیا۔ گزشتہ کئی برسوں سے میرا ان سے رابطہ ہے۔ میری ماں کے انتقال پر میں ان کے پاس آیا تھا اور اسی وقت انہوں نے مجھے ڈیڈی کی وصیت دکھائی تھی۔ خیر جانے دیں بہرحال آپ نے جو کمایا تو اسی حساب سے خرچ بھی کیا ہوگا، اس لیے مجھے اتنے برسوں کی آمدنی اور خرچ سے کوئی سروکار نہیں لیکن اب یعنی آج کی تاریخ سے ماربل انڈسٹری اور فیکٹری کے معاملات اور حساب کتاب میری مرضی سے طے ہوں گے کیونکہ اس کا اصل مالک میں ہوں۔"

اس کے مضبوط انداز پر بیگم آفندی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر نخوت سے سر جھٹک کر بولیں۔

"ہونہہ! اصل مالک۔ کون جانتا یا کون پہچانتا ہے تمہیں؟"

"مجھے اپنی پہچان کرانے کے لیے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا لیکن میں چاہتا ہوں ابھی آپ اپنے تمام اسٹاف سے میرا تعارف کرائیں۔ انہیں بتائیں کہ میں جیلان آفندی کا اصل وارث اسفندیار آفندی ہوں۔" اس نے کہا تو وہ تضحیک آمیز ہنسی کے ساتھ کہنے لگیں۔

"میں یہاں کے اسٹاف کی بات نہیں کر رہی۔ انہیں تو میں پہلے ہی تمہارے بارے میں بتا چکی ہوں اور انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ اس کرسی پر میں بیٹھوں یا تم۔ اصل بزنس ان غیر ممالک کے ساتھ ہے جہاں ہم ماربل اور گارمنٹس ایکسپورٹ کرتے ہیں اور وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں نہیں ہو سکتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں بزنس کے اسرار و رموز سے واقف نہیں ہوں لیکن جاہل بھی نہیں ہوں اور پھر آپ کو اس سے بحث نہیں ہونی چاہئے کہ میں بزنس مزید آگے بڑھاتا

ہوں یا بالکل تباہ کر دیتا ہوں۔ یہ سراسر میرا مسئلہ ہے۔"

"اچھا تو اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" بیگم آفندی نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر دونوں بازو سینے پر یوں باندھے جیسے اس کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔

"میرے باپ سے جو آپ کا رشتہ ہے، اسے ملحوظ رکھتے ہوئے میں گزارش کروں گا کہ اب آپ کو کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ آرام سے گھر بیٹھیں آپ کی تمام ضروریات و خواہشات بھی اسی طرح پوری ہوتی رہیں گی جیسے آپ چاہیں گی۔" اس نے کہا تو وہ تنک کر پوچھنے لگیں۔

"کون پوری کرے گا تم؟"

"ظاہر ہے اور کون ہے آپ کا؟" اس کا مقصد جتانا نہیں تھا بلکہ بہت دھیرے سے اس نے حقیقت بتائی تھی پھر بھی وہ آپے سے باہر ہوگئیں۔

"شٹ اپ اسفندیار! شٹ اپ! مجھے اکیلی عورت سمجھ کر تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میں دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔"

"ریلیکس مادام! ریلیکس! میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔" اس نے بہت ضبط سے انہیں پرسکون کرنا چاہا لیکن وہ مزید چلانے لگی تھیں۔

"ہو" "کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو؟ میرے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے مجھے تم......"

"بہو ہونٹ بھینچ کر کنپٹی میں سرہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے رک کر کہنے لگا۔

آفندی ہاؤس میں آپ سے اونچی آواز میں چلا سکتا ہوں اور کسی میں اتنی جرات نہیں جو مجھے خاموش کر

"کیا کم میں اپنے گھر کا معاملہ گھر سے باہر ڈسکس نہیں ہونے دینا چاہتا۔"

"ایم بی! اتنے ہی باغیرت ہو تو......" بیگم آفندی نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

لگیں۔ باغیرت ہوں، جب ہی تو آپ کو گھر میں بٹھانا چاہتا ہوں۔ اپنی ماں کی طرح۔"

"میں تمہاری ماں کی طرح نہیں ہو سکتی۔ وہ ہانڈی چولہا کرنے والی عام عورت ہے۔ تم میرے لیے ایسا سوچنا بھی مت۔ اب تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے اپنی بات ختم کرتے ہی اسے جانے کا کہہ دیا۔

'یہ گھی سیدھی انگلیوں سے نکلنے والا نہیں ہے۔' وہ سوچتے ہوئے باہر نکلا تو دوپہر ڈھل رہی تھی اور اس کا ارادہ تو آج ہی فیکٹری جانے کا بھی تھا لیکن ٹائم دیکھتے ہوئے وہ کل پر ٹال کر سیدھا گھر آ گیا۔

اماں اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی تھیں۔ یقیناً سفر کی تھکان تھی اور الیشبہ پتہ نہیں کہاں تھی۔ وہ

اسے پکارتے ہوئے لاؤنج میں آیا تو سامنے زینہ اترتی فائقہ نے ٹوک دیا۔

"چلا کیوں رہے ہو؟"

"عادت ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر صوفے پر ڈھے گیا۔

"اب اپنی عادتیں بدل ڈالو کیونکہ اب تم راحل نہیں اسفندیار ہو۔" اس نے کہا تو وہ اسی بے نیازی سے بولا۔

"نام بدلنے سے عادتیں نہیں بدل جاتیں۔"

"صرف نام نہیں بدلا اسفندیار! سب کچھ بدل گیا ہے۔ اس چھوٹے سے گھر میں تمہارا چلانا معیوب نہیں تھا لیکن یہاں معیوب سمجھا جائے گا۔ ملازم بھی مذاق اڑائیں گے کہ پتہ نہیں کہاں سے......؟"

"جنگلی آ گیا ہے۔" وہ اس کی بات اچک کر ہنسنے لگا پھر اسے خفا دیکھ کر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا یہاں آ کر بیٹھو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"کیا بات؟"

"تم بیٹھو تو۔" وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر بٹھانا چاہتا تھا لیکن وہ فوراً بڑھ کر دوسرے صوفے پر جا بیٹھی۔

"اتنی دور بیٹھو گی تو......"

"تم اپنی بات کہو۔" اس نے پھر ٹوک دیا۔

"ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں ابرار قریشی صاحب سے ڈیڈی کی وصیت کے کاغذات لے کر آفس گیا تھا، ماما کے پاس۔" اس نے بتایا تو وہ پوری طرح متوجہ ہو کر پوچھنے لگی۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ ماما آرام سے اس وصیت پر عمل کرنے والی نہیں ہیں اور میں دنیا کو تماشا نہیں دکھانا چاہتا اس لیے میں نے حتی الامکان اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھا جو کہ تم جانتی ہو میرے لیے مشکل ہے۔ جبکہ وہ آپے سے باہر ہوگئی تھیں۔ مجھے آفس سے نکل جانے کو کہا اور یہ بھی کہ دھکے دے کر نکلوا دوں گی وغیرہ وغیرہ۔ اب تم بتاؤ میں کیا کروں؟"

اس نے بیگم آفندی کے رویے کا بتا کر پوچھا تو وہ ایک دم لاتعلق بن گئی۔

"مجھے کیا پتہ؟"

"کیوں تم ان کے ساتھ اتنا عرصہ رہی ہو، تمہیں پتہ ہو گا کہ انہیں کس طرح رام کیا جا سکتا ہے۔" اس نے اچھل کر سیدھا بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ مایوسی سے بولی۔

"نہیں وہ رام نہیں ہوتیں صرف اپنی منوانا چاہتی ہیں۔"

"لیکن میں تمہاری طرح مجبور نہیں ہوں جو ان کی مان لوں گا۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ مجھے اس میں مت گھسیٹو۔" اس نے دامن بچانا چاہا۔

"واہ کیا بات ہے تمہاری۔ مجھے مت گھسیٹو اور جو میں نے تمہارا مسئلہ اپنے سر لیا ہوا ہے، وہ کچھ نہیں۔ اگر ابھی میں کہہ دوں کہ تم میری کچھ نہیں لگتیں تو جانتی ہو کیا ہوگا؟"

وہ محض اس کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا اور وہ ملازمہ کی زبانی جانے کیا کیا سن کر کیا کیا سوچتی رہی تھی جو یکدم بپھر گئی تھی۔

"جانتی ہوں، بہت اچھی طرح جانتی ہوں اور تم اللہ کے لیے مجھ پر احسان مت کرو میں تمہاری کچھ نہیں ہوں۔ یہاں کسی سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ جس سے تھا، وہ چلا گیا میں بھی چلی جاؤں گی۔"

"میں جانے دوں گا تب ناں۔" وہ اس کے غصے پر بند باندھنے کی خاطر مسکرا کر بولا اور اس کے سر جھٹکنے پر پوچھنے لگا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے کسی نے کچھ کہا ہے۔ میرا مطلب ہے ماما ان کا فون آیا تھا؟"

"نہیں۔" اس نے ناراضی سے جواب دیا۔

"پھر کیوں ناراض ہو رہی ہو؟ یا اپنے گھر میں آ کر رعب جھاڑنا چاہتی ہو مجھ پر۔" اس نے پھر ہلکے پھلکے انداز میں چھیڑا تھا اور وہ بدک گئی۔

"یہ میرا نہیں تمہارا گھر ہے اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اگر پہلے بتا دیتے کہ تم اسفندیار ہو تو میں کبھی تمہارے ساتھ نہ آتی۔"

"پھر کس کے ساتھ آتیں؟"

"مجھے یہاں آنا ہی نہیں تھا۔"

"خیر اس بحث کو چھوڑو اور یہ بتاؤ تم نے اپنے گھر فون کیا کہ نہیں؟" اس نے اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"کر چکی ہوں۔"

"کسی نے بات کی یا وہی ناراضی تھی؟"

"امی اور سوہنی سے بات ہوئی تھی۔" اس نے بتایا تو وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

"سوہنی! وہی جسے۔"

"ہاں۔"

"چلو شکر کرو گھر پہنچ گئی۔" اس نے مطمئن ہو کر کہا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"وہ کہیں نہیں گئی تھی۔ میرا مطلب ہے رابعہ نے غلط کہا تھا۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے رابعہ کا مقصد تمہیں واپس بلانا تھا اور اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم آرام سے گھر جا سکتی ہو۔ ہے ناں؟" وہ اس کی ڈھارس بندھا کر بولا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اور بتاؤ اور کیا بات پریشان کر رہی ہے تمہیں؟" وہ اس کے چہرے سے بھانپ کر پوچھنے لگا تو وہ بے اختیار رو پڑی۔

"میں...... میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی ہوں۔"

"بے وقوف! تم کہیں بھی اکیلی نہیں تھیں۔ یہاں سے نکل کر بھی تم اپنوں ہی میں گئیں اور واپس بھی اپنے گھر آئی ہو۔ تمہیں اس گھر سے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا کیونکہ تم جس بچے کی ماں ہو وہ وراثت میں میرا شریک ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے بولتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا۔

"اور یہ آفندی ہاؤس! اسے شہریار تمہارے نام کرنا چاہتا تھا۔ شاید بلکہ یقیناً اس نے جان لیا تھا کہ اس کے بعد ماما تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گی۔ بہر حال میری مرضی کے بغیر اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہو سکا تھا لیکن اب میں اس کی یہ خواہش پوری کر رہا ہوں۔"

"نہیں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔"

"کیسا سودا؟" وہ بالکل نہیں سمجھا۔

"تم اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ میں بچے کے عوض آفندی ہاؤس لے کر خوش ہو جاؤں گی تو یہ تمہاری بھول ہے اسفندیار!" اس نے کہا تو وہ چکرا کر بولا۔

"میں نے بچے کا نام کب لیا، جو مرضی سمجھ لیتی ہو پاگل ہو گئی ہو کیا؟"

"ہاں پاگل ہو گئی ہوں۔" وہ کہہ کر بھاگتی ہوئی جا کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

"عجیب لڑکی ہے۔" وہ اس کی سوچ پر جھنجھلاتا ہوا پھر صوفے پر ڈھے گیا تھا۔

☆☆☆

رابعہ کتنی دیر سے آئینے کے سامنے کھڑی تھی اور ہر زاویے سے خود کو دیکھتے ہوئے لاشعوری طور پر اپنا موازنہ اس لڑکی افرا سے کر رہی تھی جسے دیکھتے ہی توصیف عالم اسے یکسر نظر انداز کر گیا تھا اور کہیں بھی نظر انداز ہونے پر تو وہ ہمیشہ سے بہت تلملاتی تھی۔ ابھی بھی اس کے اندر توہین کے احساس کے ساتھ بہت غصہ بھرا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ توصیف عالم کو فون کر کے خوب گالیاں دے لیکن اس میں بھی اسے اپنی ہتک ہونے کا خدشہ تھا۔ جب ہی ضبط کیے کھڑی تھی لیکن افرا سے اپنا

موازنہ کرنے سے باز نہیں رہ سکی اور آئینہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ وہ ابھی بھی بہت حسین تھی پھر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ توصیف عالم نے اسے نظر انداز کیوں کیا اور رکنے کو بھی نہیں کہا جبکہ پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ وہ اسے پروپوز بھی کر چکا تھا اور اس کے سامنے تو اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ حقیقتاً اس تمام عرصے میں اس نے اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا لیکن اب اچانک سوچنے پر آمادہ ہو رہی تھی کہ موبائل کی بزر نے اس کی توجہ کھینچ لی اور موبائل کی اسکرین پر توصیف عالم کا نمبر دیکھ کر اس نے پہلے خود پر قابو پایا پھر یوں جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی قصداً کھلکھلا کر بولی۔

"ابھی تو میں گھر پہنچی ہوں۔"

"ابھی لیکن یہاں سے نکلے ہوئے تو تمہیں دو گھنٹے ہو گئے ہیں۔" توصیف عالم نے تعجب کے اظہار کے ساتھ کہا۔

"راستے میں ٹریفک جام تھی۔" اس نے مبالغہ آرائی کی پھر فوراً پوچھنے لگی۔ "ویسے تم نے کس سلسلے میں یاد کیا ہے؟"

"میں تمہیں بھولتا کب ہوں۔" وہ پھر اپنے اسی موڈ میں آ گیا تھا۔

"میں بھولنے والی چیز ہوں بھی نہیں۔" وہ غالباً فخر سے بولی۔

"جانتا ہوں اور تم بھی مان لو کہ مجھ جیسا چاہنے والا نہیں ملے گا۔" توصیف عالم نے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"یہ نہ کہو توصیف عالم! چاہنے والے بہت ہیں۔"

"ہوں گے لیکن میں نے تمہیں دل سے پروپوز کیا ہے اور تم میرے پروپوزل کو یوں ہنسی میں نہیں اڑانا۔ آئی مین سنجیدگی سے سوچ کر مجھے جواب دو۔" توصیف عالم بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا جب ہی وہ رک کر پوچھنے لگی۔

"ابھی۔"

"چاہو تو ابھی نہیں تو پھر کل اسی وقت میں تمہیں گھر سے پک کروں گا۔ ہم لنچ ساتھ کریں گے، او کے۔" توصیف عالم نے کہا تو وہ سوچ کر کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن تم یہ مت سوچ لینا کہ میں ہامی ہی بھر دوں گی۔"

"میں کچھ نہیں سوچوں گا۔"

"او کے اللہ حافظ۔" وہ موبائل آف کر کے پلٹی تو سوہنی کو کھڑے دیکھ کر یونہی ہنس پڑی۔

"کس سے بات کر رہی تھیں؟" سوہنی نے بھی یونہی پوچھ لیا تھا۔

"توصیف عالم تھا۔" وہ سرسری بتا کر پوچھنے لگی۔ "تم کہاں تھیں؟"

"امی کے کمرے میں۔ پتہ ہے باجی! آج آپی کا فون آیا تھا وہ اپنے گھر آ گئی ہیں۔" سوہنی ہے بتانے کو بے چین تھی۔

"اپنے گھر...... کہاں آفندی ہاؤس۔"

"جی وہیں سے فون کیا تھا۔ باجی! آپ انہیں یہاں لے آئیں نا۔" سوہنی نے بتا کر منت سے لہا تو وہ تنک کر بولی۔

"کیوں وہ خود نہیں آ سکتی؟"

"وہ شاید ابو سے ڈر رہی ہیں۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔ میڈم آفندی سے تو ڈری نہیں، ابو سے ڈرے گی۔" رابعہ نے سر جھٹک رکہا پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

"اور کیا بتایا اس نے کہاں چلی گئی تھی۔"

"پتہ نہیں یہ سب نہیں بتایا۔" سوہنی اس کے ردعمل سے مایوس ہو کر بولی تھی۔

"چلو تو تم بھی اس کی فکر مت کرو۔ اب وہ جانے اور اس کی ساس۔" رابعہ محض سوہنی کو الجھنے ے باز رکھنے کی خاطر فائقہ کی آمد کو اہمیت نہیں دے رہی تھی پھر اسے تسلی بھی دینے لگی۔

"ابو کی ناراضی زیادہ دن نہیں رہے گی اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ یہاں آئے اور ابو اسے نکل نے کو کہہ دیں۔ تم بتاؤ کیا ابو ایسا کہہ سکتے ہیں؟"

سوہنی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ ابو اس سے بات نہیں کریں گے۔ اس سے زیادہ تو کچھ نہیں ہو سکتا یعنی اسے مارا پیٹا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ اب وہ بچی نہیں، خیر سے بچے کی ماں ہے۔ ہاں بچے کا بھا تھا تم نے؟"

"جی بتا رہی تھیں بہت پیارا ہے۔" سوہنی نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"باپ پر گیا ہو گا۔"

"وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ بالکل شیری بھائی جیسا ہے۔ باجی! شیری بھائی ہوتے تو کتنے خوش تے نا۔"

"ہاں اب ان کی اماں خوش ہوں گی۔" رابعہ کہہ کر موبائل پر نمبر پوش کرنے لگی۔

"اب کسے فون کر رہی ہیں؟" سوہنی اس کے ساتھ فائقہ کی باتیں کرنا چاہتی تھی جب ہی ٹوکا۔

"ذرا فائقہ کی خیریت معلوم کر لوں اور اس کی ساس کی بھی۔" وہ اپنے آپ کچھ سوچ کر مسکرائی

تھی پھر دوسری طرف کی ٹیون سنتے ہی سوہنی کو دیکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ہیلو۔" کچھ دیر بعد ادھر سے اسفندیار نے فون اٹھایا تھا جس کی آواز پر الجھ کر رابعہ نے پہلے نمبر چیک کیا پھر اسی انداز میں پوچھنے لگی۔

"یہ آفندی ہاؤس ہے۔"

"جی۔" مختصر جواب آیا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" رابعہ نے پھر پوچھا تو اس بار وہ جھنجلا کر بولا۔

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"

"فائقہ سے۔" اس نے کہا تو وہ بڑے آرام سے پوچھنے لگا۔

"آپ ان کی کون ہیں؟"

"میں کوئی بھی ہوں۔ آپ کون ہیں؟" وہ چڑ کر بولی پھر بھی ادھر وہی انداز تھا۔

"میں کچھ بھی نہیں اور بہت کچھ ہوں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"سوری میں مطلب سمجھانے میں بہت اناڑی ہوں۔"

"اچھا آپ فائقہ کو بلائیں میں اس کی بہن رابعہ ہوں۔" اس نے زچ ہو کر ہتھیار ڈالے تھے۔

"اچھا اچھا السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" وہ جانے کس موڈ میں تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" رابعہ کو خود پر بہت ضبط کرنا پڑا تھا۔

"فائقہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔"

"آپ میری اس سے بات کرائیں گے یا نہیں؟"

"نہیں میرا مطلب ہے وہ سو رہی ہے۔"

"ابدی نیند تو نہیں سو رہی نا۔" وہ بری طرح جھنجلائی تھی۔

"اللہ نہ کرے ابدی نیند سوئیں اس کے دشمن۔ آپ کیسی بہن ہیں جو......"

"شٹ اپ!" اس نے غصے سے موبائل آف کر دیا اور بیڈ پر پٹخ کر بولی۔ "پتہ نہیں کون بدتمیز ہے۔"

"آپی کے گھر میں کون ہو سکتا ہے۔" سوہنی اس کی گفتگو سنتے ہوئے مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔

"ہوگا کوئی میڈم آفندی کا رشتہ دار۔" اس نے سر جھٹکا پھر تکیہ کھینچ کر لیٹنا چاہتی تھی کہ برآمدے سے عظام کی آواز آئی۔ انہوں نے عثمان کو پکارا تھا۔

"عظام بھائی۔" وہ سوہنی کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔ "تم سے پردہ کرنے لگے ہیں کیا؟"

"کوئی نہیں۔" سوہنی خود میں سمٹ کر منمنائی۔

"پھر یہاں کیوں نہیں آ رہے؟"

"آپ جائیں نا۔" سوہنی عظام کے اندر آنے کے خیال سے پریشان ہو گئی تھی۔

"جا رہی ہوں۔ وہ سوہنی کے بازو میں چٹکی لے کر ہنستے ہوئے کمرے سے نکلی تو ادھر سے امی بھی آ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"عظام آیا ہے؟"

"جی آواز تو انہی کی ہے۔" وہ امی کے ساتھ برآمدے میں آ گئی۔

"السلام علیکم۔" عظام نے سلام میں پہل کی تو اس نے سلام کا جواب دیا اور امی دعائیں دے کر پوچھنے لگیں۔

"آفس سے آ رہے ہو گے کھانا کھاؤ گے؟"

"نہیں پھوپھو! یہ کھانے کا وقت نہیں ہے۔ البتہ چائے پیوں گا۔" انہوں نے چائے کے ساتھ رابعہ کو دیکھا تو خلاف عادت وہ فوراً بولی تھی۔

"میں آپ کو صرف چائے ہی نہیں اور بھی بہت کچھ کھلاؤں گی۔"

"کس خوشی میں؟" انہوں نے رابعہ کے انداز سے سمجھ کر پوچھا۔

"اب پتہ نہیں یہ خوشی کی بات ہے یا افسوس کی۔ مجھے بہرحال خوشی ہو رہی ہے کہ فائقہ اپنے گھر آ گئی ہے۔"

رابعہ نے ایک نظر امی کو دیکھ کر کہا تو عظام کو اپنے اندر دور تک گہری خاموشی کا احساس ہوا اور بس ایک پل جبکہ اگلے لمحے ایسی ہوا چلی تھی جو دل کی گلیوں میں سبز پتوں کے ساتھ سرخ پھول اڑائے لیے جا رہی تھی۔

"ہیں پھوپھو؟" کتنی دیر بعد انہوں نے تصدیق کے لیے امی سے پوچھا تو وہ کہنے لگیں۔

"ہاں میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم اپنے پھوپھا کو سمجھاؤ۔"

"کک...... کیا کہتے ہیں پھوپھا جان؟" انہوں نے رک کر پوچھا۔

"ابھی انہیں پتہ نہیں ہے۔ دوپہر میں تو اس کا فون آیا تھا یہیں آفندی ہاؤس سے اور ظاہر ہے وہ یہاں آنا چاہتی ہو گی لیکن باپ کی ناراضی کے ڈر سے کچھ نہیں بولی۔ تم...... تم اسے جا کر لے آؤ۔"

امی نے کہا تو انہوں نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا جبکہ رابعہ بول پڑی۔

"نہیں امی! عظام بھائی وہاں نہیں جائیں گے۔"

"تم جاؤ چائے بناؤ۔" امی رابعہ کو گھور کر بولیں۔

"چائے بن جائے گی، آپ عظام بھائی کو کسی مشکل میں نہ ڈالیں۔ یہ ابو کو فائقہ کے حق میں ہموار کرلیں گے لیکن انہیں وہاں جانے کو مت کہیں۔ کیوں عظام بھائی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"نہیں اگر پھوپھو چاہتی ہیں تو۔" عظام اپنی فطرت سے مجبور تھے کہ کسی بات، کسی کام کو "نہ" نہیں کہہ سکتے تھے۔

"امی کی بات چھوڑیں۔ انہیں اس وقت صرف فائقہ کا خیال ہے۔ میڈم آفندی کے سارے ستم بھول گئیں۔ یہ بھی کہ انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ اس کے بعد بھی کیا آپ وہاں جانا چاہیں گے؟ نہیں عظام بھائی! محض امی کی بات ماننے کی خاطر اپنی عزت نفس کو مت کچلیں۔ فائقہ کو آنا ہو گا تو خود ہی آجائے گی۔ یہاں سے کوئی اسے لینے نہیں جائے گا۔"

رابعہ تیز ہو کر بول رہی تھی اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی، اس لیے امی خاموش ہو رہیں۔

"چلو میں نے تمہاری بات مان لی، اب چائے بھی پلا دو۔" عظام نے اس کے خاموش ہونے پر کہا تو وہ جاتے جاتے پھر رک گئی۔

"عظام بھائی! فائقہ آپ کو فون ضرور کرے گی۔ تب آپ اسے اپنے ہاں بلا کر پھر اپنے ساتھ یہاں لے آیئے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ کیوں پھوپھو؟" عظام نے اس کی تائید کرتے ہوئے امی کو دیکھا تو وہ پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگی تھیں۔

☆☆☆

"فائقہ! تم کھانے کے بعد میرے کمرے میں آجانا۔" بیگم آفندی نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے فائقہ کو مخاطب کر کے کہا تو وہ کچھ خائف سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں نہ ہی کسی اور طرف دیکھا اور یونہی اٹھ کر چلی گئیں۔

فائقہ کی نظریں ان کے تعاقب میں دروازے تک جا کر پلٹیں تو اسفندیار پر جا ٹھہریں جو کھانے سے ہاتھ روک کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

'کیا کروں؟' وہ بولی نہیں تھی۔ نظروں میں سوال ابھرا تھا۔

"چلی جانا لیکن ڈرنا مت اور خبردار ان کے سامنے سچ بولنے مت کھڑی ہو جانا بلکہ یہیں سے سوچ کر جاؤ کہ تم اسفندیار کی منکوحہ ہو اور کسی بھی مشکل میں تم بلا جھجک اسفندیار کو پکار سکتی ہو سمجھیں۔"

راحل نے اس کی نظروں کا سوال سمجھ کر حوصلہ دینے کے ساتھ تنبیہہ بھی کی تو اس نے پہلے سینے کی سانس بحال کی پھر پوچھنے لگی۔

"اگر انہوں نے اس معاہدے کی بات کی تو کیا کہوں؟"

"کہہ دینا اس وقت میں مجبور تھی لیکن اب مجبور نہیں ہوں۔" راحل نے بڑے آرام سے کہہ دیا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"تم نہیں سمجھ سکتے۔"

"کیا نہیں سمجھ سکتا۔ میں چلوں تمہارے ساتھ؟"

"نہیں میں خود فیس کرلوں گی۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اماں نے ٹوک دیا۔

"پہلے کھانا تو کھا لو۔"

"بس کھا لیا، آپ منے کو اپنے پاس سلا لیجئے گا، میں آکر اٹھا لوں گی۔" وہ کہتی ہوئی ڈائننگ روم سے نکل آئی اور بیگم آفندی کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے اس کی پہلی سوچ یہ تھی کہ اپنے بچے کو لے کر باہر نکل جائے اور پھر دنیا کی بھیڑ میں کہیں کھو جائے۔

اور دوسری سوچ مایوسی لیے ہوئے تھی۔

"لیکن دنیا گول ہے۔ میں بھاگتے بھاگتے پھر یہیں آن پہنچوں گی تب اور اکیلی ہو جاؤں گی، ...ائی تو ہے۔" اور اس آخری بات نے اسے تھوڑا حوصلہ دیا تھا تو پلٹ کر ڈائننگ روم کی طرف ...تے ہوئے سوچا کہ اس کے پکارنے پر اسفندیار کو آنے میں کتنا وقت لگے گا۔

چند سیکنڈ اور پھر اگلے چند سیکنڈ میں اس نے درمیانی فاصلہ سمیٹ کر بیگم آفندی کے بند ...ے پر دستک دے ڈالی تھی۔

❁❁❁

"آ جاؤ......" بیگم آفندی نے "کون ہے" کا سوال نہیں اٹھایا تھا جیسے یقین ہو کہ وہی ہو گی۔
پورا دروازہ کھول کر جس اعتماد سے اندر داخل ہوئی۔ اس سے بیگم آفندی کی پیشانی شکن آلود ہو گ
اور بس ایک پل کو ہونٹ بھینچ کر انہوں نے خود کو فوراً کچھ کہنے سے باز رکھنے کی سعی کی لیکن پھر غا
سعی ترک کر کے چبھتے ہوئے انداز میں کہنے لگیں۔

"تمہاری دیدہ دلیری ظاہر کر رہی ہے کہ تمہاری پشت پر اسفندیار کا ہاتھ ہے۔ اتنا زعم ہ
تمہیں اس پر، کیوں؟"

اسے اپنے بدن پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہونے لگیں اور سینے میں سانس بھی رکنے ل
تھا۔

"شہر یار بھی تم پر جان دیتا تھا لیکن اس پر تو تمہیں اتنا مان نہیں تھا۔ جبکہ اس کی محبت میں کو
کھوٹ نہیں تھی۔ نہ کوئی لالچ۔ وہ صرف تمہیں چاہتا تھا۔"

"میں نے بھی صرف اسے چاہا۔" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"جھوٹ مت بولو!" بیگم آفندی نے یکدم تیز ہو کر ٹوکا پھر کہنے لگیں۔ "صرف اسے چاہا ہوتا ت
اسی کے نام پر بیٹھی رہتیں۔ اب تو میں تمہیں شیری کی بیوہ بھی نہیں کہہ سکتی۔"

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔

"اور میں اسفندیار کی بیوی سے کیا بات کروں۔ نہیں، مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ جا
جاؤ۔ چلی جاؤ۔" بیگم آفندی نے خود سے الجھتے ہوئے کہا تو پہلے اس نے سوچا۔ چپ چاپ چلا
جائے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اس طرح تو وہ مسلسل ٹینشن میں اور سہمی ہوئی رہے گی۔

'جو ہونا ہے ابھی ہو جائے۔' وہ ایک دم فیصلہ کر کے ان کی طرف پلٹی تھی۔

"آپ کیا چاہتی ہیں۔ میرا مطلب ہے میں شیری کی بیوہ۔"

"نہیں۔" بیگم آفندی فوراً ٹوک کر کہنے لگیں۔ "مجھے فائقہ اعزاز احمد سے بات کرنی ہے، فائقہ
اعزاز احمد جو میرے آفس میں کام کرتی تھی اور جس نے میرے ساتھ ایگریمنٹ کیا تھا۔"

"جی میں وہی فائقہ اعزاز احمد ہوں اور مجھے سب یاد ہے۔" وہ بظاہر ان کے مقابل تن کر کھڑی

ئی تھی جبکہ اندر دل کا عالم یہ تھا کہ ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

"ہوں۔" بیگم آفندی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر سیف کھول کر اس میں سے ایک
ل نکالتے ہوئے کہنے لگیں۔ "اس ایگریمنٹ کی رو سے تمہیں بچہ مجھے دے کر یہاں سے چلے
ا تھا۔ یہی طے ہوا تھا ناں ہمارے درمیان۔"

"جی۔" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

"پھر تم نے......"

"میں نے شیری کی خواہش پر عمل کیا تھا۔" وہ ان کی بات سنے بغیر بول پڑی۔ "مجھے...... مجھے
ی نے کہا تھا کہ میں آپ سے دور چلی جاؤں۔"

"جھوٹ مت بولو۔" وہ چیخی تھیں۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ اس روز کی بات ہے جب آپ نے شیری سے کہا تھا کہ میں
نے پیسے کی خاطر اس سے شادی کی ہے۔ اس روز میں نے اسے ساری حقیقت بتا دی تھی اور اس
لیے آپ مجھے الزام نہیں دے سکتیں کیونکہ پہل آپ نے کی تھی اور مجھے اپنی صفائی پیش کرنی
تھی۔"

اس کی دھڑکنیں دھیرے دھیرے معمول پر آ رہی تھیں جس سے اب اسے بولنے میں آسانی ہو
رہی تھی۔

"اور پھر شیری ہی نے تمہیں اسفندیار کا پتہ دیا ہو گا کہ جا کر اس سے شادی کر لینا۔" انہوں نے
یہ چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں اسفندیار کی تلاش ضرور تھی لیکن اسے آخر تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کہاں ہے۔"
نے کہا تو وہ ہنوز اسی انداز میں پوچھنے لگیں۔

"تو تم کیسے اس کے پاس پہنچ گئیں؟"

"میں اسفندیار کے پاس نہیں گئی تھی۔ میری ملاقات ڈاکٹر راحل سے ہوئی تھی اور یہاں آنے
وہ ڈاکٹر راحل ہی تھا۔" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"ڈاکٹر راحل!" بیگم آفندی نے کچھ دیر سوچا اور جیسے سمجھ کر سر جھٹکا تھا پھر اسے دیکھ کر کہنے
یں۔ "بہر حال مجھے راحل یا اسفندیار سے کوئی غرض نہیں۔ میرا معاملہ تمہارے ساتھ ہے۔"

"جی اور میں سننا چاہتی ہوں کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"تم جانتی ہو۔ لیکن اب تم کہو گی کہ یہی تمہارا گھر ہے اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ میں تمہیں یہاں
بے دخل نہیں کر سکتی، اس لیے میں نے سوچا ہے کہ میں ہی یہاں سے چلی جاؤں۔" بیگم آفندی

نے ٹھہر ٹھہر کر کہا تو اس نے بے اختیار پوچھا۔

''کہاں؟''

''لندن شیری کے پاس ٹھیک ہے ناں؟''

انہوں نے اس سے تائید چاہی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔ بس انہیں دیکھے گئی۔ وہ ہاتھ میں پکڑی فائل واپس سیف میں رکھتے ہوئے اپنے آپ بولنے لگیں۔

''کچھ دن پہلے میں لندن گئی تھی تو مجھے وہاں شیری بہت اکیلا لگا تھا اور اسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ میں شیری کے بچے کے ساتھ وہیں جا رہوں گی۔''

''نہیں یہ ناممکن ہے۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کیا کیا ناممکن ہے؟'' بیگم آفندی انجان بن کر اسے دیکھنے لگیں۔

''میں بچے کو خود سے الگ نہیں کر سکتی۔''

''یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اس وقت جب تم نے میرے ساتھ اگریمنٹ کیا تھا۔'' بیگم آفندی کا انداز ایسا تھا جیسے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

''اس وقت میں مجبور تھی۔ شیری کی محبت میں۔'' اس نے کہا تو وہ طنزاً بولیں۔

''شیری کی محبت میں۔''

''ہاں اور آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ ممتا ماں بن کر ہی جاگتی ہے۔ اس سے پہلے احساس نہیں ہوتا۔ جب میں نے آپ کے ساتھ اگریمنٹ کیا تھا اس وقت مجھے صرف شیری کا خیال تھا اتنے آگے کا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔'' وہ پہلی بار ان کے ساتھ آرام سے اور طویل گفتگو کر رہی تھی۔

''میں یہ سب نہیں سننا چاہتی۔'' بیگم آفندی نے ٹوکا تو وہ قدرے رک کر کہنے لگی۔

''آپ لندن جانا ملتوی کر دیں تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ بچہ آپ کے پاس رہے گا اور مجھ سے دور بھی نہیں ہوگا۔''

''ایسا ہو سکتا تھا اگر جو......'' بیگم آفندی کچھ کہتے کہتے رہ گئیں اور چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔ ''میں ایک شرط پر بچہ تمہارے پاس چھوڑ سکتی ہوں۔''

'یا اللہ۔' وہ اندر ہی اندر خائف ہو گئی کہ جانے اب کیا شرط ہو۔

بیگم آفندی قصداً خاموش رہ کر انتظار کرنے لگیں کہ وہ پوچھے گی تب ہی بتائیں گی اور اس سے زیادہ صبر نہیں ہو سکا۔

''آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔ شرط......کیسی شرط؟''

''اگر اسفندیار ہر شے سے دستبردار ہو جائے تو میں وہ اگریمنٹ پھاڑ دوں گی۔ تم بچہ اپنے ساتھ لے جانا۔'' بیگم آفندی نے شرط بتا کر پھر اسے چکرا دیا تھا۔

''میراان......'' اس نے ایک دم ہونٹ بھینچ لیے ورنہ کہنے جا رہی تھی کہ میراان سے کیا تعلق پھر سنبھل کر بولی۔ ''اسفندیار شاید نہیں مانیں گے۔''

''تمہاری خاطر بھی نہیں؟'' انہوں نے جتانے والے انداز میں پوچھا۔

وہ خاموش رہی تھی۔

''سوچ لو، یہی ایک راستہ ہے اور میں تمہیں زیادہ وقت بھی نہیں دوں گی، جتنی جلدی ہو سکے اسفندیار سے منوا کر ان سب کے ساتھ یہاں سے چلی جاؤ ورنہ مجھے جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' ان کے حتمی انداز پر وہ اندر ہی اندر سہم گئی تھی پھر بہت ہمت کر کے بولی۔ تب بھی لہجے میں حد درجہ عاجزی تھی۔

''اسفندیار میری نہیں مانیں گے۔''

''کیوں؟ تم بیوی ہو اس کی کئی حربے استعمال کر سکتی ہو۔ وہ اگر تم سے محبت کرتا ہے تو ضرور تمہاری بات مان لے گا اور ہاں یہ سب تمہیں اپنے طور پر کرنا ہے۔ کہیں غلطی سے بھی میرا نام لیا تو پھر......''

انہوں نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن ان کی آنکھوں سے جو مکاری جھلک رہی تھی اس سے وہ سر تا پا کانپ گئی تھی۔

''اب تم جا سکتی ہو۔'' بیگم آفندی یکدم انجان بن گئیں۔

وہ بمشکل تمام خود کو گھسیٹتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی اور لاؤنج میں رک کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی کیونکہ جانتی تھی کہ راحل ساری باتیں جاننے کے لیے اس کے انتظار میں بیٹھا ہو گا اور ابھی وہ اسے کچھ نہیں بتا سکتی تھی اور ابھی تو وہ اس کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن بچہ اماں کے پاس تھا جسے لینے کے لیے اسے ان کے کمرے میں جانا ہی تھا۔ اس لیے خود پر قابو پانے کے بعد وہ بہت عجلت ظاہر کرتے ہوئے اماں کے کمرے میں داخل ہوئی تھی جیسے بہت نیند آ رہی ہو۔

اماں اور الیشبہ کے درمیان بچہ سو رہا تھا اور وہ بڑے آرام سے صوفے پر بیٹھا تھا۔

''سوری، میری وجہ سے تم۔'' وہ کہتے ہوئے بچے کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھنے لگی تھی کہ اس نے مسہری پر پاؤں رکھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''کیا ہے؟'' اس نے قصداً جھنجلاہٹ ظاہر کی جسے وہ یکسر نظر انداز کر کے پوچھنے لگا۔

''کیا کہہ رہی تھیں مادام؟''

''کچھ نہیں میرا مطلب ہے، کوئی خاص بات نہیں کی بس حال احوال پوچھتی رہیں۔''

''اتنی دیر تک صرف حال احوال۔'' اس نے پہلے پاؤں نیچے گرایا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''سنو مجھے بہت نیند آرہی ہے اور تم بھی اب سو جاؤ۔'' اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

''کہاں سوؤ گی۔''

''اپنے کمرے میں۔'' اس نے کہہ کر احتیاط سے بچے کو اٹھالیا۔

''تم بھول رہی ہو کہ۔''

''میں کچھ نہیں بھول رہی۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ ''اور ماما کو بھی میں ہی جواب دوں گی۔''

''کیا کیا کہو گی؟''

''ابھی تو میں صرف تم سے کہوں گی۔ شب بخیر۔''

وہ تیزی سے اس کے قریب سے نکل آئی اور اپنے کمرے میں آکر ہی سانس لی تھی۔ پھر پہلے بچے کو لٹایا۔ اس کے بعد دروازہ اندر سے لاک کر کے لائٹ بھی آف کر دی تو کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوب گیا پھر بھی اس نے نائٹ بلب آن نہیں کیا اور یونہی اندھیرے میں چلتے ہوئے کھڑکی کے قریب آگئی اور دھیرے دھیرے پردے کھینچ کر کھڑکی کھولی تو باہر آسمان بھی گھرے سیاہ بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ گویا کہیں روشنی نہیں تھی۔ جو اس کے اندر نئی امید جگاتی۔ گھور اندھیاروں نے اسے مایوسیوں میں دھکیل دیا تھا اور اندر گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔

''یا اللہ میں کیا کروں؟'' کتنی دیر بعد اس کا ذہن سوچنے پر آمادہ ہوا تھا۔

''میں ماما کی طرح خود غرض نہیں بن سکتی۔ مجھے بھی ان جیسا بنا دے۔ اپنے مفاد کے لیے میں ہر ایک کی خوشی داؤ پر لگا دوں۔ اسفندیار جو طویل بن باس کاٹ کر اپنے گھر لوٹا ہے۔ اسے اپنی محبت میں الجھا کر ہر شے سے دستبرداری کا وعدہ لے لوں، یہ کوئی اتنا مشکل تو نہیں ہے۔ وہ یوں بھی میری محبت میں گرفتار ہے۔ مان جائے گا، مجھے یہی کرنا چاہیے۔ ماما کو اپنے پوتے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ انہیں صرف دھن دولت سے پیار ہے اور صرف اس کی خاطر وہ پوتے پر قبضہ جمانا چاہتی ہیں۔ ہونہہ پتہ نہیں کیا کریں گی اتنی دولت کچھ بھی کریں مجھے کیا۔ البتہ میں ان کی طرح پلاننگ کر سکتی ہوں۔ جب اسفندیار مجھ سے کہے گا۔

''سنو مجھ سے شادی کرو گی؟''

اور میں کہوں گی۔

''ایک شرط پر۔'' وہ اپنی بات پر ایک لحظہ کو ٹھٹکی پھر جیسے محظوظ ہو کر مسکرانے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ رات کے آخری پہر کہیں جا کر سوئی تھی۔ جب ہی معمول کے مطابق اٹھ نہیں سکی اور پتہ نہیں کسی نے اٹھایا بھی تھا کہ نہیں۔ جب خود سے اس کی آنکھ کھلی، اس وقت گھڑی کی دونوں سوئیاں بارہ کا ہندسہ کراس کر چکی تھیں پھر بھی وہ اٹھنے میں سستی کر رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی بچے کا خیال آیا فوراً بستر چھوڑا تیزی سے کمرے سے نکلتے ہی وہیں رک گئی۔ کیونکہ سامنے لاؤنج میں کافی لوگ تھے۔ جن کے ساتھ اماں بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ اس نے ایک نظر ان سب پر ڈالی پھر الیشبہ کی گود میں بچے کو دیکھا تو مطمئن ہو کر الٹے پیروں واپس کمرے میں آگئی اور پہلے ہاتھ منہ دھویا پھر ملازمہ کو بلانے کا سوچ رہی تھی کہ الیشبہ اور اس کے پیچھے راحل بھی آگیا اور بڑے آرام سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''خیر سے اٹھ گئیں۔''

''کون آیا ہے؟'' اس نے یکسر نظر انداز کر کے الیشبہ سے پوچھا۔

''اماں کی بہنیں ہیں اور ان کی بیٹیاں اور بیٹے۔'' الیشبہ نے بتایا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''اماں کی بہنیں تمہاری کچھ نہیں لگتیں؟''

''خالہ ہیں؟'' الیشبہ کو نئے گھر کی طرح نئے رشتے بھی اجنبی لگ رہے تھے۔

''تو خالائیں کہو ناں؟''

''اچھا تم اپنے بچے کو پکڑو۔ بہت دیر سے تنگ کر رہا ہے۔'' الیشبہ بچہ اس کی گود میں ڈال کر پوچھنے لگی۔ ''ناشتہ کرو گی؟''

''نہیں لیکن اگر چائے مل جائے۔''

''تو کیا بات ہے۔'' راحل نے فوراً اس کی بات اچک لی۔ ''الیشبہ! اچھی سی چائے بلکہ وہ جو ملازمہ ہے ناں کیا نام ہے اس کا وہ بہت اچھی چائے بناتی ہے۔ اس سے کہو۔''

''میں نہیں کہتی اس سے۔''

''کیوں؟''

''بس میں اسے ادھر بھیج دیتی ہوں۔ باجی! تم خود کہہ دینا۔'' الیشبہ کہتے ہوئے چلی گئی تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

''الیشبہ! یہاں آکر بور ہو گئی ہے اور پریشان بھی۔''

''آہستہ آہستہ سیٹ ہو جائے گی۔'' راحل نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم اگر پہلے سے اسے بتا دیتے تو اس کے اندر شوق اور تجسس ہوتا پھر وہ یہاں آ کر خوش بھی ہوتی۔"

وہ دوسرے کسی موضوع سے بچنے کی خاطر اسی بات کو بڑھانے کی غرض سے بولی۔ لیکن راحل نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا پھر اچانک یاد آنے پر بولا۔

"ارے ہاں کل تمہاری بہن کا فون آیا تھا۔"

"کب؟"

"جب تم مجھ سے لڑ کر کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔" اس نے کہا تو وہ ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔

"کون سوہنی تھی۔"

"نہیں رابعہ!"

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"کچھ نہیں میرا مطلب ہے کوئی خاص بات نہیں کی بس حال احوال پوچھا۔" وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں اس کی بات دہرا گیا تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہونے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

"سنو تم اپنے میکے کب جاؤ گی؟" قدرے توقف سے راحل نے اسے متوجہ کر کے پوچھا۔

"کیوں؟"

"کیوں کا کیا مطلب؟ اپنے گھر والوں سے نہیں ملو گی۔"

"ملنا تو چاہتی ہوں لیکن۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"لیکن کیا؟ ساس سے ڈرتی ہو۔" اس نے ٹوکا تو وہ نفی میں سر ہلا کر کہنے لگی۔

"نہیں ابو سے، جب تک ان کی ناراضی دور نہیں ہو گی میں نہیں جاؤں گی۔"

"ان کی ناراضی اپنے آپ تو دور نہیں ہو گی تم سامنے جا کر کچھ حالات بتاؤ گی تب ناں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مجھ میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔" اس نے کہا تب ہی ملازمہ چائے لے کر آ گئی تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ماما گھر پر ہیں؟"

"نہیں جی۔"

"وہ صبح نو بجے چلی گئی تھیں۔" راحل نے مزید بتایا تو وہ ملازمہ کو جانے کا اشارہ کر کے پوچھنے لگی۔

"تم نہیں گئے؟"

"میرا پروگرام تو تھا لیکن پھر خالہ وغیرہ آ گئیں۔ اب دیکھو دوپہر کا کھانا کھا کر نکلوں گا۔"

راحل نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بتایا تو اس کی تقلید میں اس نے بھی اپنا کپ اٹھا لیا اور دو تین گھونٹ لینے کے بعد بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھنے لگی۔

"تم بزنس وغیرہ کیسے دیکھو گے، آئی مین تم ڈاکٹر ہو اور میرا خیال ہے بزنس کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہو گے۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔"

"پھر؟"

"پھر دیکھو کیا کرتا ہوں؟" راحل کا انداز بھی سرسری تھا۔

"میرا مشورہ مانو تو اپنا کلینک سیٹ کر لو۔"

"وہ بھی کروں گا۔"

"وہ بھی کروں گا سے کیا مطلب؟ دونوں کام ایک ساتھ کیسے کرو گے؟"

"کیوں تم میرا ساتھ نہیں دو گی۔" وہ کپ ٹرے میں رکھ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں...... میں تو بس تھوڑے دن ہی یہاں ہوں۔" اس نے کچھ اور سوچ کر کہا تھا اور وہ اصل بات پر آ گیا۔

"اس کا مطلب ہے رات میڈم کے ساتھ تمہارا معاملہ طے ہو گیا۔"

"کیسا معاملہ؟" اس کا دل یکبارگی بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

"انجان مت بنو اور جب سارے حالات مجھے بتا چکی ہو تو اب کیوں چھپا رہی ہو۔ بتاؤ رات میڈم نے کیا کہا۔" اس نے دھیرج سے ٹوک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ جب کچھ کہیں گی تو بتا دوں گی۔" وہ نظریں چرا گئی۔

"وعدہ۔"

"کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلو تمہاری خالاؤں سے مل لوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ یہیں بیٹھی رہو۔" اس نے قدرے سختی سے روکا تو وہ تعجب سے پوچھنے لگی۔

"کیوں؟"

"خوامخواہ الٹے سیدھے سوالات کریں گی۔ تم پریشان ہو جاؤ گی، جب تک وہ موجود ہیں۔ تم کمرے سے مت نکلنا میں کھانا بھی یہیں بھجوا دوں گا۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر دروازے تک جا کر پلٹا تھا۔

"سنو اب میڈم کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔"

وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

توصیف عالم نے طے شدہ پروگرام کے مطابق رابعہ کو گھر سے پک کیا تھا اور اس وقت سے کھانے کے اختتام تک ادھر اُدھر کی ہانکتا رہا تھا۔ جب ویٹر کھانے کے برتن سمیٹ کر چائے کی ٹرے رکھ گیا تب وہ اصل موضوع کی طرف آیا۔

"ہاں تو کیا سوچا تم نے؟"

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے میں سوچتی نہیں ہوں بس اچانک فیصلہ کرتی ہوں۔" رابعہ نے قصداً لاپرواہی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"تو وہ اچانک فیصلہ کب ہوگا؟"

"کبھی بھی یا ہو سکتا ہے ابھی۔" اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"خود بخود یا مجھے اصرار کرنا ہوگا۔"

"اصرار نہیں بس تم ایمانداری سے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ اور یہ کہ میرے لیے کیا کر سکتے ہو۔"

"اپنے بارے میں یعنی فیملی بیک گراؤنڈ؟"

"ہاں اور تم اس مقام تک کیسے پہنچے۔ اپنی محنت سے یا کسی کا سہارا لے کر اور تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ فرصت نہیں ملی یا آئیڈیل کی تلاش میں تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔" رابعہ کے اتنے سوالوں پر اس نے پہلے گہری سانس کھینچی پھر پوچھنے لگا۔

"تم یہ سب جان کر کیا کرو گی؟"

"کچھ نہیں میں صرف تمہیں سننا چاہتی ہوں۔ ہو سکتا ہے تمہاری داستان سنتے سنتے کہیں اچانک میرا دل تمہارے حق میں فیصلہ سنا دے۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

"ہوں۔" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے مسکرایا۔ پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "تمہیں کیا بات متاثر کرتی ہے۔ آئی مین کامیڈی یا ٹریجڈی تاکہ میں اپنی داستان حیات اسی رنگ میں بیان کروں۔"

"کامیڈی نہ ٹریجڈی سیدھے سادے انداز میں اور صاف گوئی سے بیان کرو۔"

"لگتا ہے تم نے پہلے کہیں دھوکا کھایا ہے۔" توصیف عالم بھی ایک کائیاں تھا۔

وہ ایک لحظہ کو واقعی چکرا گئی تھی لیکن پھر فوراً سنبھل بھی گئی۔

"مجھے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا توصیف عالم۔"

"یہ نہ کہو عورت کتنی بھی چالاک کیوں نہ ہو۔ مرد کے ہاتھوں بیوقوف بن ہی جاتی ہے اور اکثر تو خود پر زعم کی بنا پر ہی دھوکا کھاتی ہے۔ بہر حال میرا ایسا کوئی مقصد نہیں ہے۔ مجھے اگر فریب دینا ہوتا

تو تمہیں پرپوز ہی کیوں کرتا۔"

توصیف عالم نے جتا کر کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا واقعی تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب تم میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"سب جانتا ہوں۔" اس نے کہا تو وہ پھر ٹھٹکی تھی۔

"مثلاً"

"مثلاً یہ کہ تم کچھ ضدی اور خودسر بھی ہو۔ جو کرنا چاہتی ہو کر گزرتی ہو۔ خواہ سارا زمانہ مخالفت کرے، تم پرواہ نہیں کرتیں۔ تمہارے اندر جیلسی بھی ہے۔ اپنے سے بہتر کسی کو نہیں دیکھنا چاہتیں اور بہت اونچے خواب دیکھتی ہو اور ان ساری باتوں کے ساتھ تم بے حد حسین ہو۔"

وہ اس کی خامیوں کو بھی خوبیوں کے انداز میں بیان کرتے ہوئے آخر میں اس کی تعریف کر کے مسکرایا تو وہ مطمئن ہو کر بولی۔

"تم بہت عجیب ہو۔"

"غریب نہیں ہوں۔" وہ ہنسا تھا۔

"جھوٹے تو ہو۔"

"کبھی کبھی جھوٹ بول لیتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ....." معاً موبائل کی بزر سے توصیف عالم نے بات ادھوری چھوڑ کر موبائل کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔"

"ہاں کیا ہوا؟"

"اچھا تو تم ابھی جاؤ گی؟"

"بچے اسکول سے آ گئے؟"

"ٹھیک ہے میں شام میں وہیں آ جاؤں گا۔"

"او کے۔" وہ موبائل رکھ کر سگریٹ سلگانے لگا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تو اسے بہت خاموشی سے دیکھتے پا کر بہت سرسری انداز میں بولا۔

"میری وائف کا فون تھا۔"

رابعہ کے لیے یہ انکشاف تھا جس سے اسے واقعی دھچکا لگا تھا لیکن یوں بن گئی جیسے پہلے سے جانتی ہو۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

"میری سالی کے ہاں شام میں کوئی فنکشن ہے۔ اسی کا بتا رہی تھی۔ خیر چھوڑو...... ہم کیا باتیں کر رہے تھے؟"

"جھوٹ...... تم کبھی کبھی جھوٹ بول لیتے ہو۔" اس نے یاد دلایا۔

"ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"اور......؟"

"اور تمہاری ہر خوشی پوری کروں گا۔"

"اور......؟"

"ساری دنیا کی سیر کراؤں گا۔"

"اور......؟"

"اور...... اور اب تم بتاؤ۔ تمہارا دل میرے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔"

"میرا دل۔" اس نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا پھر ہنس پڑی۔ "میرا دل ہنس رہا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے میرے حق میں فیصلہ ہو گیا۔" توصیف عالم نے خوش ہو کر کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں فیصلہ یوں نہیں ہوتا۔"

"پھر؟"

"جب ہو گا بتا دوں گی اب چلو۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ...... یہ کیا مذاق ہے۔ بیٹھو آرام سے مجھے ابھی تمہارا جواب چاہئے۔" توصیف عالم اس کے اٹھنے پر ناراض ہوا لیکن وہ کب پرواہ کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے، تم بیٹھے رہو۔ میں جا رہی ہوں۔"

وہ اسے ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل آئی اور گو کہ اسے یقین تھا کہ وہ فوراً بل پے کر کے اس کے پیچھے آئے گا پھر بھی انتظار نہیں کیا اور خالی رکشہ دیکھ کر اس میں بیٹھتے ہی اسے لگا کہ وہ توصیف عالم سے نہیں بلکہ خود اپنے آپ سے بھاگ رہی ہے اور جانے کب تک بھاگتی رہے گی۔

رکشہ شفاف سڑک پر اسپیڈ سے بھاگ رہا تھا۔ جس کا شور اسے یوں غنیمت لگ رہا تھا کہ وہ اپنے اندر کے شور سے نظریں چرانا چاہتی تھی۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہو رہا تھا اور اسے اپنی ہی بات یاد آ رہی تھی۔

"میں کوئی ساری دنیا تو نہیں مانگتی جو ملامت کے ساتھ کہا جائے کہ اس میں اوروں کا بھی حق

ہے۔ بس جو میرا ہو وہ صرف میرا ہو۔"

"صرف میرا۔" اس کے ہونٹوں پر تلخ ہنسی ابھری تھی۔

"وہ بھی صرف میرا نہیں تھا اور یہاں بھی وہی معاملہ ہے۔"

"کیوں، کیا کمی ہے مجھ میں؟ ہر لحاظ سے مکمل ہوں۔ پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ کیا میں اسے اپنا نصیب سمجھ لوں۔"

"نصیب۔" اس کی آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔ راستے کے خیال سے ضبط کرتی رہی لیکن گھر آتے ہی رو پڑی۔

"ہیں تمہیں کیا ہوا؟" امی فوراً اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔ "بتاؤ ناں کیوں رو رہی ہو؟" اور جانے کیا ہوا وہ روتے روتے ہنس پڑی اور ہنستی چلی گئی۔

"ہائیں۔" امی حیران پریشان ہو گئیں۔ "پاگل ہو گئی ہو کیا؟"

"کیوں پاگل ہی ہنستے ہیں کیا؟" وہ ہنسی کے درمیان بولی تو امی سر جھٹک کر بڑبڑانے لگیں۔

"میں...... میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔"

اس نے امی کے گرد دونوں بازوؤں کا حلقہ بنا لیا اور انہیں دائیں بائیں جھلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ بہت جلد پریشان ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ اب تو آپ کو عادی ہو جانا چاہئے۔ اتنے دکھ جھیل چکی ہیں۔"

"بس اب اور ہمت نہیں ہے۔ اللہ رحم کرے۔" امی نے کہا تو وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر ولی۔

"سنا ہے اللہ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا۔"

امی خاموش رہیں تو وہ ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"سوہنی کہاں ہے؟"

"کچن میں۔"

"پھر تو چائے بھی مل جائے گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر رک کر پوچھنے لگی۔ "فائقہ کا فون آیا تھا۔"

"نہیں آج تو نہیں آیا۔ میں نے عظام کو بلایا ہے تمہارے ابو سے بات کرنے کے لیے۔" امی نے جواب کے ساتھ کہا۔

"ہاں ایک انہی کی بات سنی جاتی ہے۔ چلو کوئی تو ہے جس کی ذات ہمارے لیے کچھ نہیں بہت غنیمت ہے۔" وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

عظام امی کے بلانے پر آ تو گئے تھے لیکن ابو کے سامنے فائقہ کا ذکر کرنے کی ان کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کتنی دیر سے بس ادھر ادھر کی باتیں کیے جا رہے تھے۔ درمیان میں کہیں امی پر نظر پڑتی تو وہ فوراً اصل بات کی طرف اشارہ کرتیں۔ جس سے وہ اب ان کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کرنے لگے تھے۔ اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگے کہ ابو خود ہی کوئی ایسی بات چھیڑ دیں جس میں فائقہ کا ذکر نکل آئے۔ لیکن ابو اس وقت اپنے باپ دادا کے قصے چھیڑے بیٹھے تھے اور ان سے آگے بڑھ ہی نہیں رہے تھے۔ آخر امی کو یہ موضوع ختم کرانے کے لیے درمیان میں بولنا پڑا۔

"عظام تم نے کھانا بھی کھایا کہ نہیں؟"

"جی پھوپھو! میں گھر سے کھا کر آیا تھا۔"

"اور چائے پیو گے؟" امی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بس ابھی تو پی ہے۔" انہوں نے کہا تب ہی عثمان آ کر ابو سے مخاطب ہوا۔

"ابو شہریار بھائی کے بھائی آئے ہیں۔"

ابو اور عظام بھی نہ سمجھنے والے انداز میں عثمان کو دیکھنے لگے جبکہ امی بھی جاتے جاتے رک کر تعجب سے بولیں۔

"شہریار کے بھائی۔"

"جی وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ شہریار کے بھائی ہیں۔" عثمان خود حیران تھا۔

ابو اور عظام نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر عظام پوچھنے لگے۔

"کیا نام ہے؟"

"اسفندیار۔"

"شہریار نے تو کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔" ابو نے حیرت کا اظہار کیا پھر امی کو یوں دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں "تم جانتی ہو؟" تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"میں نے کبھی اس کے منہ سے نہیں سنا۔"

"کیا کہوں ان سے؟" عثمان نے سب کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو عظام فوراً بول پڑے۔

"انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

عثمان چلا گیا تو عظام اٹھتے ہوئے ابو سے بولے۔

"چلیں پھوپھا جان! دیکھتے ہیں کون ہے۔"

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔" ابو ابھی تک حیرت میں تھے۔

"اس سے مل کر ہی کچھ سمجھ سکیں گے۔ آئیے چلیں۔ پھوپھو! آپ چائے وغیرہ بھجوا دیجئے گا۔"

عظام نے حیران کھڑی امی کو بھی مخاطب کیا پھر ابو کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئے تو دوسرے دروازے سے اسفندیار بھی داخل ہو رہا تھا جو گو کہ شہریار سے بہت مشابہ نہیں تھا لیکن ایک باپ کی اولاد میں کوئی بات ایسی ضرور ہوتی ہے جو ایک باپ کی اولاد ہونے کا احساس دلاتی ہے۔

"السلام علیکم۔" اسفندیار نے سلام میں پہل کی تو ابو اور عظام دونوں ہی چونکے تھے۔

"وعلیکم السلام پلیز۔" عظام نے جواب کے ساتھ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ابو کے ساتھ خود بھی بیٹھ گئے۔

"میں شیری کا بڑا بھائی اسفندیار آفندی ہوں۔" وہ ایک ساتھ دونوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"تعارف کے لیے گو کہ اتنا ہی کافی ہے لیکن آپ کو شاید پہلے میرے بارے میں بتایا ہی نہیں گیا۔ خیر یہ کوئی اتنا ضروری بھی نہیں تھا کیونکہ شیری اور میں اگرچہ ایک باپ کی اولاد ہیں لیکن ہماری مائیں الگ ہیں اور پھر میں یہاں تھا ہی نہیں۔"

"کہاں...... آپ کہاں ہوتے ہیں؟" عظام نے پوچھا۔

"میں مظفر گڑھ میں تھا۔ اپنی والدہ اور سسٹر کے ساتھ اور اب سے نہیں جب میرے فادر نے شیری کی ماما سے شادی کی تھی، ہم اسی وقت مظفر گڑھ چلے گئے تھے اور درمیان میں میرا آنا جانا تو رہا لیکن میری والدہ اور سسٹر اب آئی ہیں۔ وہ بھی میں انہیں زبردستی لے کر آیا ہوں ورنہ وہ آمادہ نہیں تھیں۔"

وہ بہت سلیقے سے بات کر رہا تھا اور چند لمحوں کو یوں خاموش ہوا جیسے ادھر سے کیوں کا سوال اٹھے گا لیکن ابو اور عظام بس اسے ہی سننا چاہتے تھے کیونکہ انہیں لگ رہا تھا جیسے کسی اسرار سے پردہ اٹھنے والا ہے اور وہ اسی کے منتظر تھے۔

"بہر حال مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کے پاس آنے میں دیر کی اور میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف بھی ہوئی۔ لیکن میرا مقصد آپ کو تکلیف دینا یا پریشان کرنا نہیں تھا۔ بس میری اپنی کچھ مجبوریاں تھیں۔ جب ہی میں آپ سے فوراً رابطہ نہیں کر سکا۔ اس کے لیے آپ مجھے معاف کر دیں۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔

ابو نے کچھ الجھ کر عظام کو دیکھا تو وہ ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اس سے بولے۔

"میں سمجھ نہیں رہا۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں فائقہ کی بات کرنے جا رہا ہوں۔ وہ یہاں، آئی مین، ماما کے پاس بہت پریشان تھیں۔ شیری کے بعد ماما کا رویہ ان کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا اور فائقہ چاہتی تھیں کہ وہ آپ کے پاس آ جائیں

لیکن ماما نے نہیں آنے دیا اور یہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ یہاں آئیں تو وہ اس کا بچہ چھین لے جائیں گی۔ اس خوف سے وہ بیچاری وہیں پابند ہوگئی تھیں۔" وہ چند لمحے رک کر پھر گویا ہوا۔

"اتفاق سے انہی دنوں میرا یہاں آنا ہوا اور فائقہ کو پریشان اور لاچار دیکھ کر میں انہیں اپنے ساتھ لے گیا اپنی والدہ کے پاس۔ لیکن وہ وہاں بھی خوف زدہ رہیں کہ کہیں ماما آ کر ان کا بچہ نہ چھین لے جائیں۔ اسی لیے یہاں سے جاتے ہوئے انہوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہیں۔ ماما کو بھی معلوم نہیں تھا۔ بہر حال وہاں سے انہوں نے آپ کو فون کیا تھا لیکن......" اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

عظام نے ایک نظر ابو کو دیکھا جو بالکل گم صم بیٹھے تھے۔ پھر اسے دیکھا تو وہ پھر معذرت کرنے لگا۔

"آئی ایم سوری، میری وجہ سے۔"

"نہیں آپ کی وجہ سے نہیں۔" عظام کو کہنا پڑا۔ "غلطی ہماری ہے ہم نے فائقہ کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"جی اگر آپ ان کی بات سن لیتے تو اتنے پریشان نہ ہوتے۔"

"اب کیسی ہے وہ اور بچہ؟"

"ٹھیک ہیں۔ دونوں ٹھیک ہیں۔ البتہ خائف ابھی بھی ہیں۔ حالانکہ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اب ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی لیکن ان کے اندر جو ماما کا خوف بیٹھ گیا ہے وہ نکل نہیں رہا۔ پھر آپ سب کی ناراضی سے بھی بہت دلبرداشتہ ہیں۔" اس نے بہت طریقے سے احساس دلایا تھا۔

عظام نے پھر ابو کو دیکھا اور آہستہ سے ان کا بازو دبا کر کچھ بولنے کا اشارہ کیا تو وہ غالباً کہنا کچھ اور چاہتے تھے اور کہہ کچھ گئے۔

"آپ اسے اپنے ساتھ لے آتے۔"

"میں نے کہا تھا ان سے لیکن وہ کہنے لگیں کہ ابو ناراض ہیں۔ میں ان کے سامنے نہیں جا سکتی۔" وہ پوری تیاری سے آیا تھا جب ہی بہت اعتماد سے بول رہا تھا۔

"میں میں خود آؤں گا اسے لینے۔" ابو نے کہا تب ہی عثمان چائے لے کر آ گیا اور ٹرے رکھ کر باقاعدہ اسفندیار کو دیکھنے کھڑا ہو گیا تو عظام اس کی کیفیت سمجھ کر بولے۔

"عثمان! یہ شہریار کے بڑے بھائی ہیں۔"

"جی بتایا تھا انہوں نے۔" عثمان سٹپٹا کر بولا تھا۔

"لیکن آپ نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔" اسفندیار نے عثمان سے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"میں عثمان ہوں اور مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوں۔"

"تھینک یو۔" وہ ذرا سا مسکرایا پھر عظام کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "اور آپ؟"

"مجھے عظام کہتے ہیں۔"

"عظام...... آپ عظام ہیں۔" وہ یکدم مشتاق ہو گیا تھا۔

"آپ جانتے ہیں عظام بھائی کو؟" عثمان نے حیرت سے پوچھا تو وہ فوراً سنبھل کر بولا۔

"غائبانہ تعارف ہے۔"

"آپ چائے پیجیے۔" عظام نے اس کی توجہ چائے کی طرف دلائی اور ایک کپ اٹھا کر ابو کے سامنے رکھ دیا۔ پھر اس سے پوچھنے لگے۔

"آپ مظفر گڑھ میں کیا کرتے تھے؟"

"میں ڈاکٹر ہوں اپنا کلینک تھا۔"

"ماشاءاللہ اب کیا ارادہ ہے۔ یہیں رہیں گے یا واپس جائیں گے۔"

"میں مستقل یہیں آ گیا ہوں گو کہ ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت لگے گا لیکن میرا خیال ہے مشکل نہیں ہوگی۔" اس نے کہا تو عظام تائید کرتے ہوئے بولے۔

"مشکل وہاں ہوتی ہے جہاں انسان بالکل انجان اور اجنبی ہو، آپ کے لیے تو ماشاءاللہ سب موجود ہے۔"

"سب کچھ موجود تو بے شک ہے لیکن میں بھی تو اناڑی ہوں۔ خیر اللہ مالک ہے۔" وہ چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے اجازت دیجیے اور ہاں ایک بار پھر میں آپ سے معذرت......"

"نہیں پلیز آپ ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ ہم آپ کے احسان مند ہیں۔" عظام نے فوراً ٹوک کر کہا۔

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ شہریار میرا بھائی تھا اور اس کے بال بچے اب میری ذمہ داری ہیں۔"

اس نے کہہ کر ابو سے ہاتھ ملایا پھر عظام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جسے تھام کر وہ اس کے ساتھ باہر تک آ گئے۔

"فائقہ سے کہیے گا پریشان نہ ہو۔ پھوپھا جان جلدی اس کے پاس آئیں گے۔"

"آپ بھی آئیے گا۔" اس نے کہا تو عظام نے بس سر ہلا دیا۔

پھر اسے رخصت کر کے اندر آئے تو ابو کے پاس امی کے ساتھ رابعہ بھی آ گئی تھی اور سوالوں پہ سوال کیے جا رہی تھی۔

"لو عظام آ گیا۔ اس سے پوچھو، میرا ذہن تو بالکل کام نہیں کر رہا۔"

ابو نے عظام کو دیکھتے ہی کہا تو وہ رابعہ کو صبر صبر کا اشارہ کرتے ہوئے امی کو ساتھ لے کر بیٹھ گئے اور اسفندیار کے بارے میں بتلانے لگے، پھر جب فائقہ کا بتایا کہ وہ کن حالات میں اسفندیار کے ساتھ چلی گئی تھی تو رابعہ اچھل پڑی۔

"دیکھا ابو! میں نے کہا تھا ناں کہ وہ کسی مشکل میں ہے اور مجھے یقین تھا کہ اس کی ساس......"

"اچھا بس، اب تم کوئی نیا شوشہ مت چھوڑنا۔" امی نے رابعہ کو ڈانٹ دیا پھر ابو سے بولیں۔

"آپ ابھی جا کر اسے لے آئیں۔"

"ابھی؟" ابو نے ٹائم دیکھا پھر کہنے لگے۔ "ابھی نہیں کل۔ عظام! تم کل شام میں آ جانا تو جا کر اسے لے آئیں گے۔"

"جی بہتر۔" عظام نے ہامی بھری پھر امی کے پوچھنے پر نئے سرے سے اسفندیار کے بارے میں بتانے لگے۔

☆☆☆

وہ فائقہ کے لیے واپسی کے راستے تو کھول آیا تھا لیکن اب خود اس کے اندر عجیب سی بے چینی پھیل گئی تھی کہ وہ اگر چلی گئی تو پھر اس کے لیے یہاں کیا رہ جائے گا۔ حالانکہ یہاں آنے کے لیے وہ دنوں مہینوں نہیں بلکہ سالوں بے قرار رہا تھا۔ لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے ساری تگ و دو بس اسی کے لیے تھی۔ وہ نہیں تو کچھ نہیں۔

"اماں! مجھے گھر یاد آ رہا ہے۔" الیشبہ اماں سے کہہ رہی تھی۔

"ہائیں کون سا گھر؟" اماں چار دن میں گزرے ماہ و سال بھول گئی تھیں۔

وہ بے دھیانی میں بھی ان کی باتیں سننے لگا تھا۔

"اپنا گھر مظفر گڑھ والا۔ میری سہیلیاں۔"

"بس اب بھول جا ان سب کو یہاں نئی سہیلیاں بن جائیں گی۔" اماں نے اسے کوئی تسلی نہیں دی۔ بلکہ روکھے انداز میں ٹوک دیا۔

"مجھے نہیں بنانی نئی سہیلیاں، بس آپ مجھے واپس لے چلو۔" الیشبہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا۔ ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے۔ اپنے بھائی سے پوچھ سالوں سے یہاں آنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔"

'ہاں میں سالوں سے تڑپ رہا تھا۔ یہی میری منزل تھی۔ بلکہ میں نے اسے منزل سمجھ لیا تھا اور اس منزل پر آ کر پتہ چلا کہ منزل تو کوئی اور ہے۔ جو بہت دور بھی نہیں اور قریب بھی نہیں۔' وہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکل آیا۔

لاؤنج میں بیگم آفندی فائقہ کی گود میں بیٹھے بچے کا گال چھو کر کچھ کہہ رہی تھیں۔ پھر سیدھی کھڑی ہوئیں تو پوچھنے لگیں۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"احمد یار آفندی۔" وہ سامنے آ کر کہنے لگا۔ "اس کے برتھ سرٹیفکیٹ میں میں نے یہی نام لکھا ہے۔ اب اگر آپ کوئی اور نام رکھنا چاہیں تو؟"

"نہیں یہی نام اچھا ہے۔" بیگم آفندی اس کی طرف دیکھے بغیر بولیں پھر بچے کو پیار کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں تو وہ اس سے بولا۔

"چلو اپنے کمرے میں۔"

"کیوں؟" وہ صوفے پر آلتی پالتی مار کر بہت آرام سے بیٹھی تھی جب ہی فوراً اٹھنا محال لگ رہا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے کہا تو وہ کچھ ناگواری سے بولی۔

"جو کہنا ہے یہیں کہو۔"

"سیدھی طرح اٹھ جاؤ ورنہ اٹھا کر لے جاؤں گا۔" وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا تو فوراً اٹھ کر بولی۔

"اپنی حد میں رہا کرو۔"

"میری کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ لاؤ اسے مجھے دو۔" وہ بچہ اس کی گود سے لے کر بولا۔ "میں یہ اماں کو دے کر آتا ہوں۔"

"یہ اب سوئے گا۔"

"اماں سلا دیں گی۔" وہ تیزی سے اماں کے پاس گیا اور بچہ ان کی گود میں ڈال کر اسی تیزی سے اس کے پیچھے آ گیا تو وہ سلگ کر بولی۔

"میں کہیں بھاگ تو نہیں رہی تھی۔"

"تمہارا کچھ پتہ نہیں ہے۔" وہ اسے مزید سلگا گیا تھا۔

"تم، تم میری مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو اسفندیار! اور دیکھنا میں تم سے ایسا بدلہ لوں کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔"

"ہاہاہا......!" وہ ہنسنے لگا تو دانت پیس کر بولی۔

"سنو تمہیں جو کہنا ہے جلدی کہو اور نکل جاؤ میرے کمرے سے۔"

وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا تو وہ سر جھٹک کر اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔

"ہا آہ!" وہ گہری سانس کھینچتا صوفے پر بیٹھ گیا۔ مقصد اسے متوجہ کرنا تھا اور واقعی وہ بلا... دیکھنے لگی تھی۔

"میں کیا کہہ رہا تھا نہیں بلکہ میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ...... بیٹھ جاؤ تاکہ میں برابر سے تمہیں دیکھ کر بات کر سکوں۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر بولا تو وہ بادل نخواستہ بیٹھ گئی۔

"ہاں تو میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اگر تمہارے گھر والے تمہیں لینے آ جائیں تو کیا تم ان کے ساتھ چلی جاؤ گی؟" اس نے پوچھا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"پتہ نہیں ماما جانے دیں گی کہ نہیں۔"

"ماما کو چھوڑو۔ تم اپنی بات کرو تم کیا چاہتی ہو؟"

اس نے کہا تو وہ ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔ جبکہ ذہن کہیں پیچھے بھٹک گیا تھا۔ اس وقت ... جب شہریار نے پوچھا تھا۔

"میرے بعد کیا کرو گی بچہ ماما کو دے کر یہاں سے چلی جاؤ گی؟"

"ماما یہی چاہتی ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی تھی اور اس نے کہا تھا۔

"ماما کو چھوڑو۔ تم اپنی بات کرو تم کیا چاہتی ہو۔"

"میں صرف تمہیں چاہتی ہوں صرف تمہارا ساتھ اور بس۔" وہ ایسے ہی کھوئے کھوئے اند... میں شہریار سے مخاطب تھی لیکن سامنے وہ تھا۔ پہلے حیران ہوا پھر بے تاب۔

"کک...... کیا کہا تم نے پھر...... پھر سے کہنا؟"

"کیا؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔

"وہی جو تم ابھی کہہ رہی تھیں۔"

"میں میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" وہ الجھ کر اٹھنے لگی کہ وہ روک کر بولا۔

"ایسے مت کرو۔ پلیز مجھے بتاؤ کیا تم اپنے گھر والوں کے ساتھ چلی جاؤ گی، بلکہ جانا چا... ہو؟"

"کیوں نہیں لیکن ماما۔"

"میں نے کہا ناں ماما کو چھوڑو۔ تم صرف اپنی بات کرو۔" اس نے پھر ٹوکا اور وہ پھر الجھ گئی۔

"آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"میں تمہارا خیال جاننا چاہتا ہوں۔ تمہاری خواہش۔" وہ زور دے کر بولا تو اس نے پہلے سمجھنے کی کوشش کی پھر بولی۔

"میں اپنے امی ابو کے پاس جانا چاہتی ہوں اپنے بچے کے ساتھ۔"

"کیوں میرا مطلب ہے یہاں کیوں نہیں رہنا چاہتیں؟" وہ اس کے جواب سے مایوس تو ہوا پھر بھی پوچھنے سے باز نہیں آیا۔

"یہاں میرا کچھ نہیں ہے۔ سب کچھ اور سارے رشتے ناطے بھی شہریار کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد تو میں یہاں اجنبی ہو گئی ہوں اور ساری زندگی تو میں اجنبیوں کی طرح نہیں گزار سکتی۔" وہ آزردگی میں گھر کر بول رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اجنبیت ٹوٹ بھی تو سکتی ہے اور جو رشتے ناطے شہریار کے ساتھ تھے، وہ دوبارہ استوار ہو سکتے ہیں۔" اس نے کہا تو وہ نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگی لیکن کیسے کا سوال نہیں اٹھایا تو قدرے رک کر وہ خود ہی بولا۔

"میں میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پلیز میری بات کو اس طرح رد مت کرو۔ میں تمہیں ایمانداری سے اور محبت کے ساتھ اپنانا چاہتا ہوں۔" وہ ہر بات دھڑلے سے منوانے والا...... اس کے لہجے میں عاجزی در آئی تھی۔

"یہ میرا اچانک اور جذباتی فیصلہ نہیں ہے فائقہ! اور نہ ہی میرے کسی جذبے میں کوئی ایسی غرض پوشیدہ ہے جو تمہارے لیے آزمائش بن جائے۔ اتنا تو تم جان گئی ہو گی کہ میں صاف گو اور کھرا انسان ہوں۔ مجھے تم سے محبت ہے اور اس محبت......"

"بس کرو اسفندیار! بس کرو اور پلیز چلے جاؤ۔ میں مزید کچھ نہیں سننا چاہتی۔" اس کے ہر انداز سے پریشانی عیاں تھی۔

"میں تمہیں فورس نہیں کروں گا لیکن تم سوچنا ضرور اور میرے بارے میں نہیں تو اپنے اور بچے کے بارے میں لیکن حقائق سے نظریں مت چرانا سمجھیں۔" وہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا لیکن پھر کسی خیال سے واپس پلٹ آیا۔

"سنو تمہارے دل میں میرے لیے تھوڑی سی جگہ تو ہو گی میں اسی تھوڑی سی جگہ میں گزارہ کر لوں گا، البتہ تم میرے دل کی ساری راہداریوں میں......" اس کے دیکھنے پر وہ کندھے اچکا کر مسکرایا۔

"الیشبہ سے کہو، احمد کو میرے پاس لے آئے۔" وہ کہہ کر بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

"میں لے آتا ہوں۔"

"نہیں اب تم مت آنا۔" اس نے سختی سے منع کیا تو وہ ہنستے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آ اور پہلے اماں کے کمرے میں جھانک کر الیشبہ سے احمد کو لے جانے کا کہا پھر اپنے کمرے میں آ گ اور بیٹھتے ہی ٹی وی آن کر دیا۔

کوئی انگریزی فلم تھی۔ جسے بس کچھ دیر ہی اس نے توجہ سے دیکھا پھر نظریں تو اسکرین پر تھیں لیکن ذہن اس لڑکی میں الجھ گیا تھا۔

"کیوں، کیوں منع کر رہی ہے وہ؟ کسی خوف کے باعث یا سرے سے مجھے پسند ہی نہیں کرتی اپنے ماں باپ کے پاس جائے گی تو وہ بھی اسے ہمیشہ اپنے پاس بٹھائے تو نہیں رکھیں گے۔ آج نہیں تو کل کہیں نہ کہیں اسے بیاہ ہی دیں گے اور کہیں کیوں، یہاں کیوں نہیں وہ پھر سے اس گھر میں آباد ہو سکتی ہے اپنے بچے کے ساتھ۔ اسے سوچنا چاہئے۔ دوسرا کوئی کیسے اس کے بچے کو قبول کرے گا جبکہ میرا خون ہے۔ میں پھر اسے سمجھاؤں گا۔ بلکہ وہ سوچے گی تو اسے خود احساس ہوگا اور بچے کی خاطر ہی سہی وہ ضرور آمادہ ہو جائے گی مجھے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔"

"میں مایوس نہیں ہوں۔" اس نے اب قدرے اونچی آواز میں خود کو باور کرایا تھا۔ پھر اٹھ کر ٹی وی آف کر کے لائٹ بھی آف کر دی۔

☆☆☆

"باجی! کل آپی آ جائیں گی ناں؟"

سوہنی نے تکیے سے سر اونچا کر کے رابعہ سے کہا تو وہ جو اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھی اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی پھر سوہنی کی طرف کروٹ لے کر پوچھنے لگی۔

"کیا کہا تم نے؟"

"میں آپی کا پوچھ رہی ہوں۔ کل آ جائیں گی ناں؟"

"ہاں ابو کہہ تو رہے تھے۔ کل لے آئیں گے اسے۔"

"صبح؟"

"نہیں شام کو عظام بھائی کے ساتھ جائیں گے ابو۔ اور پھر اسے آتے آتے رات تو ہو ہی جائے گی اس لیے آج کی رات تم آرام سے سو جاؤ۔" رابعہ نے اس کا گال تھپکا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میرا دل چاہ رہا ہے آپی ابھی آ جائیں۔"

"کیوں تمہیں اپنی منگنی کا بتانے کی بے چینی ہو رہی ہے۔" رابعہ نے اس کے گال میں چٹکی کاٹ کر چھیڑا۔

"کوئی نہیں...... آپ ایسی باتیں تو نہیں کیا کریں۔" سوہنی سرخ پڑ گئی تھی۔

"ویسے اس کے لیے زبردست سرپرائز ہوگا۔" رابعہ نے محظوظ ہو کر کہا۔

"ایک بات کہوں باجی!" سوہنی اس کا ہاتھ ہلا کر بولی۔ "آپ بھی عفان بھائی سے صلح کر لیں۔"

"عفان سے صلح کر لوں۔ لیکن میں تو ان سے علیحدگی کا سوچ رہی ہوں۔" اس نے کہا تو سوہنی ذرا بولی۔

"ہائے نہیں باجی! ایسا نہیں سوچیں۔"

"کیوں؟"

"وہ بہت اچھے ہیں۔ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ پتہ ہے کل کہہ رہے تھے کہ تمہاری باجی جب بوڑھی ہو کر میرے پاس آئے گی تو میں اسے کیسے پہچانوں گا؟ پھر خود ہی ہنس کر بولے کہ وہ بوڑھی ہو کر بھی اچھی لگے گی۔" سوہنی نے بتایا تو وہ تعجب سے پوچھنے لگی۔

"عفان کل آئے تھے؟"

"نہیں آتے تو نہیں ہیں۔ فون کرتے ہیں اور مجھ سے تو بس آپ ہی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔" سوہنی سادگی سے بتا رہی تھی۔

"اچھا۔" وہ ذرا سا ہنسی تھی۔

"ہاں مجھے ان پر بہت ترس آتا ہے بیچارے اکیلے رہتے ہیں۔"

"تو اپنی بیوی کو لے آئیں جو گاؤں میں بیٹھی ہے۔" رابعہ فوراً تلخی سے بولی تھی۔

"میں نے ایک بار کہا تھا ان سے لیکن وہ کہنے لگے کہ یہ گھر رابعہ کا ہے اور یہاں صرف وہی آئے گی۔" سوہنی نے کچھ خائف ہو کر بتایا۔

"بیٹھے رہیں انتظار میں۔" رابعہ سیدھی ہو کر پرے کھسک گئی۔ "چلو لائٹ آف کرو نیند آ رہی ہے۔"

سوہنی نے مزید اس کا موڈ خراب ہونے کے ڈر سے اٹھ کر لائٹ آف کر دی۔ تو رابعہ آنکھیں بند کر کے ڈاکٹر عفان کے خیال کو جھٹکنے کی کوشش کرنے لگی۔ سوہنی کے پکارنے سے پہلے وہ توصیف عالم کے پرپوزل کو سوچ رہی تھی اور اب پھر وہ اسے ہی سوچنا چاہتی تھی لیکن ذہن بٹ گیا تھا اور پھر بالکل غیر ارادی طور پر وہ دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے اپنے دل کو ٹٹولنے لگی تھی اور دل شاید

توصیف عالم کی طرف مائل تھا جب ہی فوراً اس کے حق میں بولنے لگا تھا۔ لیکن ذہن اس کی ہر بات رد کرنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے توصیف عالم نے جھوٹ نہیں بولا لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ تمہارے بعد کسی اور کی طرف مائل نہیں ہوگا اور تمہارے بعد کیا وہ تو تمہارے سامنے بھی۔"

"اس کا کام ہی ایسا ہے۔" دل نے فوراً جواز پیش کیا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب کے سامنے بھی ہر روز نیا چہرہ آتا ہے۔ لیکن وہ ہر کسی کے سامنے بچھ نہیں جاتے۔ صرف تمہارے سامنے ہی نہیں تمہارے بعد بھی انہیں صرف تمہارا خیال ہے۔ وہ اپنی نظروں میں اپنے دل میں صرف تمہیں بسائے بیٹھے ہیں۔"

"اور وہ خود جو پہلی والی ہے، وہ کون سے خانے میں فٹ آتی ہے؟"

"کسی خانے میں نہیں، وہ صرف مجبوری کا بندھن ہے۔ جبکہ توصیف عالم پہلے اپنی محبتیں ایک پر لٹا چکا ہے۔ اور آگے بھی اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

"کیوں بھروسہ نہیں میں اسے آزماؤں گی اور...... اور ڈاکٹر عفان کو بھی۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اگر میرے نصیب میں دوسری بیوی بننا ہی لکھا ہے تو پھر مجھے ان دونوں کی آزمائش کر لینی چاہئے کہ میری محبت میں کون سچا ہے؟"

"اور اگر انہیں تمہاری آزمائش مطلوب ہو؟"

"نہیں انتخاب کا اختیار میرے پاس ہے۔ ان کے پاس نہیں۔" اس نے تفاخر سے سوچتے ہوئے کروٹ بدلی تھی۔

☆☆☆

وہ ناشتے کے بعد بچے کو لے کر لان میں آبیٹھی۔ اوائل جنوری کی ہلکی ہلکی دھوپ جسم کو اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے جو ہلکا سا سوئیٹر پہن رکھا تھا وہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور احمد کو واکر میں کھیلتے ہوئے دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد بیگم آفندی آفس جانے کے لیے نکلیں تو گاڑی کی طرف جاتے جاتے شاید انہیں اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ ایک دم رک کر اسے دیکھا پھر اس کے پاس چلی آئیں اور چھوٹتے ہی بولیں۔

"تم نے اسفندیار سے بات کی؟"

اس نے انہیں دیکھ کر آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"موقع نہیں ملا۔"

"موقع نہیں ملا ہونہہ! تم موقع ڈھونڈتی رہنا اور میں......" وہ احمد کو دیکھتے ہوئے چلی گئیں تو اس نے واکر کھینچ کر اپنے قریب کر لیا اور احمد کا ہاتھ ہلا کر بولی۔

"تم اتنے چھوٹے کیوں ہو۔ ایک دم سے بڑے کیوں نہیں ہو جاتے۔"

احمد دونوں ہاتھ چلا کر کھلکھلانے لگا تھا۔

"بس تم یہی کر سکتے ہو۔ جب دادی تمہیں مجھ سے چھین لے جائیں گی تب پتہ چلے گا تمہیں۔" اس نے واکر پرے دھکیل دیا تو احمد پہلے حیران ہوا پھر اس کی طرف بازو پھیلا کر مچلنے لگا۔

"میری جان!" اس نے بھاگ کر اسے بازوؤں میں لے لیا۔ "میں تمہیں جانے دوں گی بھلا تمہارے لیے تو میں۔"

"بس بس زیادہ پیار مت جتاؤ بگڑ جائے گا۔" اسفندیار نے آکر ٹوک دیا تو وہ اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے دوسری سمت آگے بڑھ گئی۔

"لگتا ہے رات تم نے میرے بارے میں بہت سوچا ہے۔" وہ لمبے ڈگ بھر کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہاں اور تمہیں یہ جان کر شاید مایوسی ہو کہ میرا دل تمہارے ساتھ پر آمادہ نہیں ہوا۔" اس نے کہا تو ایک دم اس کے سامنے آکر بولا۔

"کیوں؟"

"کیوں کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" وہ واپس پلٹ کر چلنے لگی تو وہ پھر اس کے ساتھ ہو لیا۔

"تم نے یقیناً مثبت پہلوؤں کو نہیں سوچا ہوگا۔"

"مثبت نہ منفی میں تمہیں جانتی ہی کتنا ہوں۔"

"کیوں چھ آٹھ مہینے تم نے مجھے قریب سے دیکھا ہے۔" اس نے تیز ہو کر ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"تمہیں نہیں راحل کو اور تم راحل نہیں ہو۔"

"پھر؟"

"میں اگر راحل کو سوچوں تو شاید میرے دل میں اس کے لیے کوئی گوشہ موجود ہو۔" وہ اس کا سوال پھر نظر انداز کر گئی۔

"سنو یہاں بیٹھو۔" اس نے اس کا بازو کھینچ کر لان چیئر پر بٹھا دیا پھر اس کے سامنے بیٹھ کر

کہنے لگا۔ "میں اپنے دیہاتی انداز میں بولتا اٹھتا بیٹھتا ہوں تو کہتی ہو اپنے انداز بدلو اور بدلتا ہوں تو......"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں تمہیں سچ بتاؤں اسفندیار! میں اس گھر میں رہنا نہیں چاہتی کیونکہ یہاں ہر قدم پر میری تلخ و شیریں یادیں بکھری پڑی ہیں۔ جن سے میں کبھی بھی نظریں نہیں چرا سکتی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اس وقت جہاں تم بیٹھے ہو یہاں بیٹھ کر شری نے مجھ سے کیا کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا؟" اس نے بلا ارادہ پوچھا تو وہ چڑ کر بولی۔

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟"

"اچھا مت بتاؤ اور......اور کہو کیا کہنا ہے تمہیں؟"

"اور بس یہی کہ میں شہریار کو کبھی نہیں بھول سکتی۔" اس نے اپنے تئیں بات ختم کر دی لیکن وہ تو اب شروع ہوا تھا۔

"میں نے کب کہا کہ تم اسے بھول جاؤ بے شک میرے سامنے اس کے نام کی تسبیح پڑھتی رہنا اور رہی یہ بات کہ تم اس گھر میں نہیں رہنا چاہتیں تو یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں کہیں اور گھر بنا لیتا ہوں بلکہ جہاں تم کہو گی وہیں ہم ایک اچھا سا گھر بنالیں گے۔"

"تم۔" وہ ٹھٹکی تھی۔ "تم یہ آفندی ہاؤس چھوڑ دو گے؟"

"تمہاری خاطر۔" وہ بہت سنجیدہ تھا جب ہی وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر نظریں چرا کر پوچھنے لگی۔

"اور، اور کیا کر سکتے ہو۔"

"تم کہو، کیا چاہتی ہو تم؟"

وہ جیسے اس کے لیے جان دینے کو تیار تھا اور اس پل وہ اس سے اپنی ہر بات منوا سکتی تھی۔ وہ بھی جو بیگم آفندی چاہتی تھیں اور اس نہج پر سوچتے ہوئے وہ اسے دیکھے گئی۔

"بولو ناں کیا چاہتی ہو؟" اس نے پھر پوچھا تو وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں اسفندیار! میں تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈال سکتی اور تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ تمہارے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہے۔"

"میں بھی یہی سوچتا ہوں، لیکن یہ جو دل ہے ناں، اس پر میرا اختیار نہیں ہے۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میں بھی مجبور ہوں۔"

"تمہارے ساتھ کوئی مجبوری نہیں ہے بلکہ تمہارے اور احمد کے حق میں یہی بہتر ہے اور یہ تم بھی جانتی ہو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم نے کون سی مجبوریاں پال رکھی ہیں۔ خیر میں خود جان لوں گا۔"

اس کی آخری بات پر وہ پریشان ہوئی تھی۔

"کیا......کیا جان لو گے؟"

"وہی جو تم چھپا رہی ہو۔"

"میں کچھ نہیں چھپا رہی اور اگر چھپاؤں بھی تو تم کون ہوتے ہو میرے معاملات میں دخل دینے والے۔" وہ غصے میں بے سوچے سمجھے بول گئی۔

"میں کون ہوتا ہوں؟" وہ شاکڈ ہوا تھا۔

"ہاں تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے، میرے کسی معاملے کو کریدنے کی۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ میں یہاں رہوں یا اپنے ماں باپ کے پاس چلی جاؤں اس سے بھی تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ مسلسل بولے جا رہی تھی کہ الیشبہ نے آکر پکارا تھا۔

"باجی! تمہارے گھر سے فون آیا تھا۔"

"اچھا۔" اس نے آیا تھا پر غور نہیں کیا تھا جب ہی فوراً جانے لگی کہ الیشبہ نے روک لیا۔

"بند ہو گیا باجی! میں نے کہا کہ بلاتی ہوں پر وہ بولی پھر کر لوں گی۔"

"اچھا چلو اندر چلتے ہیں۔" وہ کہہ کر احمد کو واکر سے نکالنے لگی۔

"پہلے بھائی سے کہو ہمیں گھمانے لے چلیں۔ میں سمندر دیکھوں گی۔" الیشبہ نے کہا۔ لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی اور احمد کو اٹھا کر اندر چلی آئی۔

لاؤنج میں اماں پتہ نہیں کس سے بات کر رہی تھیں۔ اس نے رک کر ادھر اُدھر دیکھا پھر ان سے پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا اماں؟"

"اے وہ جو تمہاری نوکرانی ہے، وہ گونگی بہری ہے کیا؟" اماں نے اس کی طرف رخ موڑ کے پوچھا۔

"نہیں تو۔" "پھر میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتی۔ ابھی بھی میں نے پوچھا کہ کھانے میں کیا پکاؤ گی۔ تو وہ منہ موڑ کر چلی گئی۔" اماں نے بتایا تو اس نے وہیں سے ملازمہ کو پکارا۔

"جنداں۔"

"جی بی بی۔" ملازمہ بھاگی آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی بگڑ گئی۔

"تمہیں پتہ ہے کہ یہ اس گھر کی بڑی مالکن ہیں۔ چاہیں تو کھڑے کھڑے تمہیں نکال باہر کریں۔"

"کوئی غلطی ہو گئی بی بی۔" جنداں منمنائی۔

"غلطی ان سے معافی مانگو اور آئندہ ہر کام بڑی بیگم صاحبہ سے پوچھ کر کرنا۔"

وہ اسے تنبیہ کر کے اپنے کمرے میں جانے لگی تھی کہ اماں اس کا بازو کھینچ کر بولیں۔

"اسے تو مجھے دے دو۔ دل ہی نہیں لگتا اس کے بغیر۔"

"اور جب چلا جائے گا تب کیا کریں گی؟"

اس نے احمد کو ان کے بازوؤں میں ڈالتے ہوئے کہا۔ تو اماں تعجب سے پوچھنے لگی۔

"یہ کہاں جائے گا؟"

"میرے ساتھ میرے گھر۔" اس نے کہا تو اماں اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"تو اپنے گھر چلی جائے گی؟"

"ظاہر ہے اماں! جانا تو ہے۔ اس لیے آپ اس کے ساتھ نہ زیادہ دل لگائیں۔ اور جلدی اسفند یار کی شادی کر دیں پھر اس کے بچوں سے یہاں رونق ہو جائے گی۔" اس نے کہا تو اماں احمد کو گدگداتے ہوئے بولیں۔

"اس کی اپنی رونق ہے۔"

تب ہی الیشبہ بھاگتی ہوئی آئی اور پھولی سانسوں کے ساتھ اس سے بولی۔

"باجی! باجی! بھائی نے وعدہ کیا ہے کہ شام میں ہمیں سمندر لے جائیں گے۔ چلو گی ناں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"راحل خود کہاں ہے؟" اماں نے الیشبہ سے پوچھا۔

"وہ دفتر گئے ہیں، کہہ رہے تھے جلدی آؤں گا۔" الیشبہ اماں کو جواب دے کر پھر اس سے بولی۔ "باجی! چلو گی ناں؟"

"تم چلی جانا۔" اس نے کہا تو وہ روٹھے انداز میں بولی۔

"میں اکیلی نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ مزہ آئے گا۔"

"اچھا دیکھو۔" اس نے ٹالا الیشبہ کو صاف انکار کرنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"دیکھو نہیں باجی! اتنی مشکل سے تو بھائی مانے ہیں بس ہم جائیں گے۔"

"اچھا اور سنو! میں اوپر جا رہی ہوں۔ میرا فون آئے تو مجھے بلا لینا۔" وہ الیشبہ کا گال تھپک کر

اوپر شہر یار کی لائبریری میں آ گئی۔ جہاں سے اس نے کتابوں کے بہانے اس کی طرف پیش رفت کی تھی۔

"سب کچھ ویسا ہی ہے...... کیوں؟" وہ ایک ایک ریک کے پاس رکنے لگی۔

"صرف انسان ہی فانی ہے۔ یعنی جو اصل ہے وہ تو مٹی میں مل جاتا ہے اور یہ سب......"

اس نے ریک کا شیشہ کھسکا کر ایک کتاب کھینچ لی اور اس کا ٹائٹل دیکھتے ہوئے ٹیبل پر آ بیٹھی۔ وہ کتاب سامنے رکھ کر اس کے صفحے الٹنے لگی۔ اصل میں اس کا مقصد اسفند یار کی باتوں کو ذہن سے جھٹکنا تھا اور وہ اس سے بھاگ کر ہی یہاں آئی تھی اور یہاں جیسے شہر یار منتظر تھا۔

اس کی نظریں کتاب سے ہٹ کر سامنے خالی کرسی پر جم گئیں اور یک لخت ذہن کا ہر دریچہ اس سمت کھل گیا۔ جہاں زندگی تھی، گلاب لمحوں کی آہٹیں تھیں اور ہواؤں کی سرگوشیاں، جنہیں سنتے سنتے وہ گرد و پیش سے بالکل ہی بیگانہ ہو گئی تھی۔

❁❁❁

وہ کہیں رکے بغیر سیدھا بیگم آفندی کے کمرے میں داخل ہوا تھا اور سلام کر کے ان کے سامنے چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"سوری میں کچھ لیٹ آیا ہوں۔ کل سے جلدی آؤں گا۔ بلکہ آپ کے ساتھ ہی آ جایا کروں گا۔"

"کیوں؟" بیگم آفندی نے بغیر کسی تاثر کے اسے دیکھا۔

"کیونکہ اب مجھے ہی سب دیکھنا ہے اور میں چاہتا ہوں جلد تمام معاملات اور حساب کتاب سمجھ لوں، تاکہ آپ کو بھی آرام مل جائے۔" اس نے ذرا کندھے اچکا کر کہا۔

"میرا آرام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" بیگم آفندی نے کہہ کر پہلے اپنے سامنے فائل کھولی پھر دراز کھینچ کر اس میں ہاتھ مارنے لگیں۔ غالباً اس کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہتی تھیں۔

"پھر کیا کریں گی؟" اسفندیار نے بھی انجان بن کر پوچھا۔

"میرے پاس تمہاری فضول باتوں کا جواب نہیں ہے۔" انہوں نے زور سے دراز بند کی اور

"تم کام کے وقت میں کیوں آ جاتے ہو؟"

"کیونکہ میں کام جاننا چاہتا ہوں۔"

"یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے اسفندیار! تم اپنا کلینک کر لو۔ تمہارے لیے وہی بہتر ہے۔"

انہوں نے تیز ہو کر کہا تو وہ بھی زور دے کر بولا۔

"میرے لیے کیا بہتر ہے کیا نہیں۔ یہ فیصلہ میں خود کروں گا۔"

"تو میرا وقت کیوں خراب کر رہے ہو؟"

"میں آپ کا نہیں اپنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ہر کام طریقے اور صفائی سے ہو۔ لیکن آپ شاید ایسا نہیں چاہتیں۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم آرام سے سمجھ جاؤ لیکن......" وہ سر جھٹک کر فائل کے صفحے الٹنے لگیں۔ تو وہ ان کے سامنے فائل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"دیکھیں میڈم! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں دنیا کو تماشہ نہیں دکھانا چاہتا لیکن

آپ مجھے مجبور کر رہی ہیں۔"

"کیا..... کیا کر سکتے ہو تم؟" بیگم آفندی کا تنفر یک لخت عود کر آیا تھا۔

"میں ابھی اسی وقت آپ کو یہاں سے ڈس مس کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے جانتی نہیں، میں بہت بد دماغ آدمی ہوں۔ اور مجھے اپنے غصے پر بھی کنٹرول نہیں ہے۔"

"تو کیا میں تمہارے غصے سے ڈر جاؤں گی۔" انہوں نے کہا تب ہی طاہر صاحب ایک فائل لے کر آ گئے اور بیگم آفندی کے سامنے رکھ کر بولے۔

"میڈم! یہ سائن کر دیں۔ ابھی فیکس ہو جائیں گے۔"

بیگم آفندی نے فائل میں لگے تمام کاغذات چیک کیے اور سائن کرنے کے لیے پین اٹھایا تھا کہ اسفندیار نے ان کے سامنے سے فائل کھینچ لی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" بیگم آفندی نے طاہر صاحب کی موجودگی کے باعث بہت ضبط سے ٹوکا۔

لیکن وہ انہیں نظر انداز کر کے طاہر صاحب سے مخاطب ہوا۔

"اب کوئی پیپر سائن نہیں ہوگا طاہر صاحب!"

"جی!" طاہر صاحب نے قدرے حیرت سے دیکھا۔

"جی! ورنہ کوئی کانٹریکٹ ... تک میں آرڈر نہ کروں۔"

اس نے فائل ... طاہر صاحب کو تھما دی تو وہ بیگم آفندی کو دیکھنے لگا۔

"ماما ... گئی ہیں طاہر صاحب اور ابھی تو ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ آپ پلیز جائیں۔" اسفندیار نے طاہر صاحب کو بھیج دیا۔ پھر انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"... نے ٹھیک کیا نا؟"

بیگم آفندی ہونٹ بھینچے، شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی رہیں۔

"آپ ... لیے جوس منگواؤں، اورنج جوس؟" اس نے ان کے غصے کا نوٹس لیے بغیر پوچھا تو وہ ...

"شٹ اپ اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ۔"

"... بھول رہی ہیں میڈم! آپ کے سامنے فائقہ نہیں اسفندیار ہے اور فائقہ بھی تب آپ کے سا... ور تھی۔ جب وہ شہریار کی بیوی تھی۔ اب آپ اس سے بھی اس لہجے میں بات نہیں کر سکتیں۔ بہر حال میں آپ کو ایک ہفتے کا ٹائم دے رہا ہوں۔ صرف ایک ہفتہ۔ اس کے بعد میں آپ کو یہاں نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ مضبوط لہجے میں وارننگ دیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی تحکمانہ انداز میں بولی۔

"بیٹھ جاؤ اسفندیار! ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔"

وہ بغیر کسی پس و پیش کے بیٹھ گیا۔ لیکن کوئی سوال نہیں اٹھایا تو وہ چیئر کی پشت سے کمر ٹیک کر کہنے لگیں۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ اتنے برسوں میں، میں نے اپنے لیے کوئی پلاننگ نہیں کی ہو گی۔ اور یہاں سے نکل کر میں بالکل دیوالیہ ہو جاؤں گی۔ اتنی بے وقوف نظر آتی ہوں کیا میں تمہیں؟ تو...... تو مائی سن...... تم میری حیثیت کا اندازہ لگا نہیں سکتے۔ چاہوں تو ایسی دس انڈسٹریاں خرید سکتی ہوں۔"

"ضرور خریدیں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" وہ اس عورت کے پینترا بدلنے پر اندر ہی اندر حیران ہوا تھا۔

"تو سب سے پہلے میں اس کو خریدوں گی۔ بتاؤ کیا قیمت لگاتے ہو؟" انہوں نے تفاخر سے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"جی نہیں مجھے اپنے باپ کی کوئی چیز نہیں بیچنی۔"

"اور مجھے اپنے شوہر کی ہر چیز ہر قیمت پر چاہیے۔" وہ بھی فوراً بولی تھیں۔

"یہ شاید آپ کی ضد ہے۔" وہ ذرا سا ہنسا۔

"ہاں اور تم میری ضد سے واقف نہیں ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"نہیں اور نہ ہی میں آپ کو چیلنج کروں گا۔ ہاں اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں ضرور اس سے لڑتا۔ عورت سے لڑائی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں اور وہ بھی تنہا عورت......"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ لڑنا نہیں جانتے۔" انہوں نے تمسخر سے کہا۔

"سوری میڈم! آپ مجھے اکسا نہیں سکتیں اور مزید بحث بے کار ہے۔ میں جو کہہ چکا ہوں ایک ہفتہ تو بس ایک ہفتہ......"

وہ حتمی انداز میں کہہ کر پھر اٹھ کھڑا ہوا تو وہ پوچھنے لگیں۔

"اس کے بعد کیا کرو گے؟"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔" وہ کہہ کر جانے لگا پھر اچانک کچھ سوچ کر دروازے سے پلٹ آیا۔ تو وہ جو آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے اسے دیکھ رہی تھیں اس کے پلٹنے پر تیز ہو کر بولیں۔

"میں تمہاری مزید کوئی بکواس نہیں سننا چاہتی۔"

"لیکن میں آپ کو ایک آخری بات ضرور باور کرانا چاہتا ہوں کہ فائقہ کو دھمکانا چھوڑ دیں ورنہ اگر کسی دن اس نے آپ کے خلاف اسٹینڈ لے لیا تو پھر آپ کو کہیں جائے پناہ نہیں ملے گی۔" اس نے کہا تو وہ بری طرح تلملا گئیں۔

"فائقہ میرے خلاف اسٹینڈ لے گی۔ لے سکتی ہے؟"

"بالکل لے سکتی ہے کیونکہ اب وہ اکیلی نہیں ہے۔ اور آپ یہ مت سمجھیں کہ وہ پہلے آپ سے ڈر کر بھاگی تھی بلکہ اس نے شہریار کے کہنے پر عمل کیا تھا۔ ورنہ وہ اس وقت بھی آپ کو بے نقاب کر دیتی۔"

اس نے زور دے کر کہا تو وہ مزید چیخ کر بولیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں اور مزید کچھ سمجھنا چاہتی ہیں تو یہ لیجیے ڈیڈی کا خط جو انہوں نے شہریار کے نام لکھا تھا اور اسے پڑھ کر ہی اس جوان نے زندگی پر موت کو ترجیح دی ہو گی۔ شریف باپ کی اولاد تھا ناں، جو آپ جیسی عورت کا بیٹا کہلانے سے مر جانا پسند کیا۔"

اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ کھینچ کر ان کی ٹیبل پر اچھال دیا اور نفرت سے سر جھٹک کر باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆

"اس روز تم اچانک اٹھ کر کیوں چلی گئی تھیں؟" توصیف عالم نے پوچھا تو وہ سرسری انداز میں بولی۔

"پتہ نہیں بس اچانک میرا دل گھبرانے لگا تھا۔"

"میرا انتظار بھی نہیں کیا۔ جبکہ میں فوراً بل پے کر کے نکلا تھا۔ اور تم کہیں نہیں تھیں۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اتنی جلدی تم کہاں غائب ہو گئیں۔" اس نے کہا تو وہ اکتا کر بولی۔

"اوہو، چھوڑو اس دن کی باتیں۔ آج کی بات کرو۔"

"آج کی بات......" توصیف عالم نے چیئر کی بیک سے کمر نکالی اور دونوں بازو سینے پر باندھ کر اسے نظروں کی گرفت میں لے کر بولا۔ "آج تم ہمیشہ سے زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔"

"اچھا۔" وہ ہنس پڑی۔

"بڑی ظالم ہو، تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا۔"

"آتا ہے جب ہی تو تمہارے بلانے پر آ جاتی ہوں۔ ورنہ صاف انکار کر دیتی۔" اس نے کہا تو توصیف عالم کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر سیدھا ہو کر دونوں بازو ٹیبل پر رکھ کر پوچھنے لگا۔

"ایک بات بتاؤ، میرے علاوہ اور کون ہے جو تمہیں پرپوز کر رہا ہے۔"

"کوئی نہیں۔" اس کے منہ سے فوراً نکل گیا تھا۔

"پھر تمہیں فیصلہ کرنے میں دشواری کیوں ہو رہی ہے۔ آئی مین دشواری تو وہاں ہو

جہاں ایک سے زائد پروپوزلز ہوں اور انتخاب مشکل ہو۔" توصیف عالم کی وضاحت پر وہ اپنی جلد بازی پر اندر ہی اندر جزبز ہو کر کہنے لگی۔

"یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں میں سوچتی ہوں کہ تم پہلے سے شادی شدہ بلکہ بچوں والے ہو۔ پتہ نہیں مجھ سے نباہ کر سکو گے کہ نہیں؟"

"کیوں نہیں شادی کوئی کھیل تو نہیں ہے۔"

"دوسری شادی عموماً کھیل ہی ہوتی ہے۔ جب تک پہلی والی کو خبر نہیں ہوتی یہ کھیل چلتا ہے پھر اسے خبر ہوتے ہی سب ختم۔" وہ اب پوری طرح ہوشیار ہو کر اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن یہاں ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں اپنی بیوی کو تمہارے بارے میں بتا چکا ہوں، اور یہ بھی کہ میں تم سے شادی کر رہا ہوں۔" توصیف عالم نے کہا تو وہ بے یقینی سے بولی۔

"واقعی۔"

"ہاں۔"

"پھر...... آئی مین اس نے احتجاج نہیں کیا۔" اس نے پوچھا تو وہ اکتا کر بولا۔

"ان سب باتوں کو چھوڑو تم صرف اپنی بات کرو۔"

"میں اپنی بات ہی تو کر رہی ہوں۔ میں پرسکون زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور اسی لیے پہلے یہ اطمینان کرنا چاہتی ہوں کہ تمہاری بیوی ہماری زندگی میں مداخلت تو نہیں کرے گی۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"بالکل نہیں۔"

"کیا گارنٹی ہے؟"

"او گاڈ! یہ تم کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر، میری محبت پر بھروسہ نہیں ہے۔" وہ جھنجلا گیا۔ پھر بھی وہ اسی سکون سے بولی۔

"خدشات بھی محبت کے ساتھ ہی جنم لیتے ہیں۔"

"اب میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟ کیا لکھ کر دوں یا بیوی سے لکھوا کر دوں کہ وہ تمہاری زندگی میں مداخلت نہیں کرے گی؟" توصیف عالم نے عاجز ہو کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر کیا چاہتی ہو تم؟"

"میں...... سچ بتاؤں توصیف عالم! میں چاہتی ہوں جو میرا ہو، وہ صرف میرا ہو۔ اس پر کوئی اور حق نہ جتائے، لیکن تمہارے ساتھ یہ ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر تم اسے طلاق دے دو تو یہ ممکن ہو سکتا ہے۔" اس نے بھی طریقے سے اسے گھیرا تھا کہ وہ بوکھلا گیا۔

"یہ...... یہ شرط مت لگاؤ۔"

"کیوں؟"

"وہ صرف میری بیوی نہیں میرے بچوں کی ماں بھی ہے اور جب میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو پھر تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔" وہ آخر میں زچ ہوا تھا۔

"خیر چھوڑو یہ بتاؤ، بچے کتنے ہیں؟" وہ موضوع بدل کر بھی وہی موضوع لے آئی تھی۔

"دو...... ایک بیٹا ایک بیٹی اور دونوں سکول جاتے ہیں۔" اس نے بتایا تو وہ نظروں کا زاویہ بدل کر پوچھنے لگی۔

"مزید کتنے بچے چاہتے ہو؟"

"بس دو کافی ہیں۔" وہ فوراً بول کر غالباً پچھتایا تھا لیکن وہ انجان بن گئی۔

"ہاں دو کافی ہیں۔ بیٹا بھی ہے، بیٹی بھی۔ ماشاء اللہ کمپلیٹ فیملی ہے۔"

"دوسری فیملی بھی ماشاء اللہ کمپلیٹ ہو گی۔" وہ اب سنبھل کر بولا تھا اور اس کے خاموش رہنے پر بظاہر ہنس کر پوچھنے لگا۔

"بس مکمل ہو گیا تمہارا انٹرویو یا ابھی کچھ اور پوچھنا ہے؟"

"پوچھنا نہیں اب بتانا ہے سنو گے؟" اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"ضرور، ضرور سنوں گا۔"

"تو دل تھام کر سنو توصیف عالم! کہ میں بھی شادی شدہ ہوں۔" وہ ڈرامائی انداز میں بولی تو وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکا تھا۔ پھر فوراً بولا۔

"مذاق مت کرو۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بھی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"طلاق یافتہ ہو یا بیوہ؟"

"تم یہی سوچ سکتے ہو۔" وہ تاسف سے ہنسی تھی۔

"ہاں...... کیونکہ کوئی شوہر والی عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ اتنی دور تک نہیں جا سکتی۔" صیف عالم نے کچھ ناگواری سے کہا تو وہ چیخ کر بولی۔

"کیوں جب بیوی والا مرد کسی دوسری عورت کے ساتھ اتنی دور تک جا سکتا ہے تو عورت کیوں

نہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو اور مجھے بتاؤ کہ سچ کیا ہے۔" اس نے ٹوک کر پوچھا۔

"سچ یہی ہے کہ میں شادی شدہ ہوں۔ میرا شوہر ڈاکٹر ہے اور مجھ سے بے حد محبت کرتا ہے۔ میری ہر جائز بات تو مانتا ہی ہے۔ اکثر میں ناجائز بھی منوالیتی ہوں۔ جیسے ماڈلنگ میرا شوق تھا۔ جس پر اس نے کچھ احتجاج ضرور کیا۔ لیکن پھر خاموش ہوگیا۔ حالانکہ چاہتا تو اسے بنیاد بنا کر مجھے چھوڑ بھی سکتا تھا۔ لیکن نہیں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اسے میری خوشی بھی عزیز ہے۔ جب کہ تم صرف اپنی خوشی چاہتے ہو اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ میں بھی تو اپنی خوشی عزیز رکھتی ہوں۔ اور رہا تمہارے ساتھ معاملہ تو معاف کرنا، توصیف عالم! مجھے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے دل لگی تو کرنی ہی تھی۔ اس کے بغیر یہاں کس کی دال گلتی ہے۔ ہے ناں؟"

وہ آخر میں براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی تو وہ جو اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا بظاہر مسکرا کر بولا۔

"تم تو بہت چالاک نکلیں۔"

"جب ہی تو نوبت شادی تک آ گئی ورنہ اگر بے وقوف ہوتی تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ لیکن وہ سمجھ گیا تھا جب ہی فوراً صفائی پیش کرنے لگا۔

"مجھے غلط مت سمجھو میں واقعی سنجیدہ تھا۔"

"ہوگے۔" وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولی۔ "بہر حال میرا شوق تو پورا ہوا، ساتھ میں میں نے سیکھا بھی بہت کچھ جو آئندہ زندگی میں یقیناً میرے کام آئے گا۔ اور اب میں تم سے اجازت چاہوں گی جو کہ تم فوراً دے دو گے۔"

"ہاں لیکن پھر آؤ گی ناں۔" توصیف عالم نے محض اپنی خجالت چھپانے کو اس سے دوبارہ آنے کو کہا تھا۔

"نہیں البتہ سر راہ کبھی سامنا ہوگیا تو پہچاننے سے انکار نہیں کروں گی۔ او کے۔"

وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو توصیف عالم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ جسے اس نے رک کر دیکھا۔ پھر مسکرا کر ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل آئی۔ اور گو کہ اسے یقین تھا کہ اب وہ اس کے پیچھے نہیں آئے گا، پھر بھی جانے کیوں اس کے قدموں کی رفتار سست ہوگئی تھی۔

☆☆☆

وہ آفس سے سیدھا گھر آ گیا تھا اور کسی سے بات کیے بغیر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ پہلے فائقہ نے اسے مایوس کیا تھا، پھر بیگم آفندی سے الجھ کر اس کا ذہن مزید منتشر ہوگیا تھا۔ اور اس کا دل

تو چاہتا تھا بیگم آفندی کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتے۔ لیکن شہر یار کی وجہ سے مجبور ہو رہا تھا۔ جس کے بارے میں صرف فائقہ ہی نے نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کا حق تسلیم کرتا اور اس سے ملنا چاہتا، ابرار قریشی نے بھی بہت کچھ بتایا تھا۔ پھر جیلان آفندی کے خط سے یہ حقیقت بھی سامنے آ گئی تھی کہ وہ ماں کی اصلیت جان کر اتنا دل برداشتہ ہوا کہ یہاں سے اور پھر اس دنیا سے ہی رخصت ہو گیا تھا۔ گویا اس کے اندر انسانیت تھی اور باپ کی دوسری اولاد کے لیے محبت بھی، اور اسی ناطے وہ اس کی ماں سے رعایت برتنے پر مجبور تھا۔ ورنہ برسوں وہ انتقامی آگ میں جلا تھا۔ اور اس نے سوچا تھا کہ اچانک جا کر بیگم آفندی کو ہر شے سے بے دخل کر کے کوڑی کوڑی کا محتاج کر دے گا۔ اتنی مہلت ہی نہیں دے گا کہ وہ اپنے لیے کچھ سمیٹ سکیں۔ اور یہ اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ لیکن شہر یار نے جان دے کر اس کے انتقامی جذبے پر جیسے بندھ باندھ دیا تھا۔ کہ اب وہ جب بھی کسی انتہائی اقدام کو سوچتا تو یوں لگتا جیسے شہر یار سامنے آن کھڑا ہوا ہو۔

"بھائی! ماما کو معاف کر دو۔"

"میں تو معاف کر دوں۔ کیا اللہ بھی معاف کر دے گا۔ نہیں وہ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ یہاں یا وہاں اس عورت کو سزا ضرور ملے گی۔"

وہ اس وقت یہی سوچ رہا تھا کہ اماں اس کے کمرے میں جھانک کر بولیں۔

"ہیں تو کب آیا؟" پھر اندر چلی آئیں۔ "الیشہ تو کہہ رہی تھی تو دفتر گیا ہے۔"

"وہیں سے آ رہا ہوں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں جاتا ہے وہاں۔ مت جایا کر مجھے اس عورت کی نیت اچھی نہیں لگتی۔" اماں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کی نیت کبھی بھی اچھی نہیں تھی، نہ ہو سکتی ہے اور اس سے مجھے کیا...... میں اپنا حق تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور آپ فکر نہیں کریں وہ اب یہاں رکنے والی نہیں ہے۔"

"پھر کہاں جائے گی۔ میکہ تو پہلے ہی چھوڑ آئی تھی۔ اور پتہ نہیں اب اس کے میکے میں کوئی ہے بھی کہ نہیں۔" اماں نے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

"ارے اماں! وہ کوئی کم عمر لڑکی نہیں ہے۔ جسے سسرال کے بعد پھر میکے میں پناہ نظر آتی ہے۔ وہ دنیا دیکھ چکی ہے اور دنیا میں کہیں بھی اکیلی رہ سکتی ہے۔"

"اچھا تو نہ زیادہ اس کے منہ لگا کر۔"

"نہیں لگوں گا اور کوئی حکم۔"

"اور ہاں رات میں تجھے بتانا چاہتی تھی پر تو سو گیا۔ وہ تیری خالہ آئی تھی ناں، چھوٹی خالہ، وہ

اپنی بیٹی زر... کے لیے کہہ رہی تھی۔" اماں نے کہا تو وہ سمجھا نہیں۔

"...کہہ رہی تھیں؟"

"شادی کے لیے۔"

"اچھا کروادیں گے۔ بس ذرا مجھے کاروبار سنبھالنے دو۔ پھر پیسہ ہی پیسہ...... سب کی شادیاں کروادوں گا۔" وہ شاہانہ انداز میں بولا تو اماں بگڑ گئیں۔

"ارے پاگل ہوگیا ہے کیا؟ وہ کوئی ایسے گئے گزرے ہیں جو بیٹی کی شادی نہ کرسکیں۔"

"پھر؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"وہ تیرے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔" اماں نے بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

"کیا میرے ساتھ؟ نہیں اماں! مجھے معاف کردیں۔"

"کیوں؟ تو شادی نہیں کرے گا؟"

"...ں گا۔ ضرور کروں گا۔ اور اگر آپ کو بھی میرے سر پر سہرا سجانے کا ارمان ہے تو اسے ...ن کریں۔" اس نے کہتے ہوئے اشارہ بھی کیا تھا۔ لیکن اماں سمجھیں نہیں۔

"کسے؟"

"...س کے بچے کو ہر وقت چمٹائے رکھتی ہو۔" اس نے کہا تو اماں تعجب سے بولیں۔

"کون فائقہ! تو فائقہ کی بات کررہا ہے؟"

"ہاں۔" اس نے مسکرا کر اعتراف کیا۔

اماں خاموش ہوگئیں تو وہ ان کی ... افسوس کرکے کہنے لگا۔

"اماں کوئی اعتراض مت ... مجھے وہ اچھی لگتی ہے اور میں شادی کروں گا تو اسی سے ورنہ نہیں۔"

اماں کچھ ... سوچنے کے بعد پوچھنے لگیں۔

"وہ کیا کہتی ہے؟"

"وہ...... اس کا دماغ خراب ہے۔ کہتی ہے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ بتاؤ بھلا یہ ہوسکتا ہے؟ اگر میکے میں ہوتی تو اب تک اس کی شادی ہو بھی چکی ہوتی۔ اور پتہ ہے کیوں نہیں ہوئی؟"

اماں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو بڑے آرام سے بولا۔

"کیونکہ اب اس کا جوڑ میرے ساتھ لکھا ہوا ہے۔"

"تو نے دیکھا ہے لکھا ہوا؟" اماں نے ٹوکا تو وہ اپنا ہاتھ ان کے سامنے رکھ کر بولا۔

"آپ بھی دیکھ سکتی ہو۔ دیکھو ان لکیروں میں اس کا نام صاف لکھا ہوا ہے۔"

"پاگل مت بنا مجھے۔" اماں نے اس کا ہاتھ پرے دھکیلا تو اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"کیوں اماں! تمہیں وہ اچھی نہیں لگتی؟"

"اچھی نہ لگتی تو ایسے کلیجے سے لگا کر رکھتی۔" اماں نے کہا تو وہ فوراً ان کے کندھے پر سر رکھ کر بولا۔

"بس ہمیشہ کلیجے سے لگا کر رکھنا۔"

"چل ہٹ۔" اماں کے لہجے میں پیار تھا جس سے وہ مطمئن ہوگیا۔ پھر لاڈ سے بولا۔

"اماں! اسے بھی سمجھاؤ ناں۔"

"سمجھ جائے گی۔ تو اس کے ساتھ لڑتا بھی تو ہے۔"

"اب نہیں لڑوں گا۔" اس نے کہا تب ہی الیشبہ دروازے میں آکر بولی۔

"اماں! خالہ کا فون آیا ہے۔"

"کون سی خالہ؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"چھوٹی خالہ!" الیشبہ نے بتایا تو وہ اماں کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"کہہ دے اماں نہیں ہیں۔"

"کیوں نہیں ہیں۔ چھوڑ میرا ہاتھ۔"

اماں اس سے ہاتھ چھڑا کر چلی گئیں تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور الیشبہ سے فائقہ کا پوچھ کر سیدھا اوپر لائبریری میں چلا آیا۔

وہ چیئر کی بیک سے کمر ٹکائے گم صم بیٹھی تھی۔

وہ خاموشی سے آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرانے لگا تو وہ چونک کر بولی۔ "تم کیوں آئے؟"

"چلا جاتا ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگا تو اس نے پکار لیا۔

"سنو! میں نے جانے کو تو نہیں کہا۔"

"اچھا۔" وہ پھر آکر بیٹھ گیا تو وہ جزبز ہوکر بولی۔

"اتنے سعادت مند کب سے ہوگئے ہو؟"

"ہمیشہ سے ہوں، اماں سے پوچھ لو۔"

☆☆☆

بیگم آفندی نے اس کے جاتے ہی لفافہ اٹھا لیا تھا۔ یہ وہی خط تھا جو ابرار قریشی نے شہریار کو دیا

تھا، جس سے اسے اپنی ماں کی حقیقت معلوم ہوئی تھی۔ وہی تحریر اب بیگم آفندی کو آئینہ دکھا رہی تھی۔
لیکن یہ وہ عورت تھی جو آئینہ دیکھ کر ٹوٹتی بکھرتی نہیں، نہ ہی اپنے کیے پر نادم ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے اندر مزید زہر بھر جاتا ہے۔ وہ بھی زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھیں۔

''جیلان آفندی! تم نے میرے بچے کو مجھ سے متنفر کرنے کی کوشش کی اب جو تمہارے بیٹے کا حشر ہوگا وہ تمہیں قبر میں بھی تڑپا دے گا۔ ہونہہ......
تم نے ٹھیک لکھا۔ میں واقعی خطرناک عورت ہوں۔ اور اس خطرناک عورت سے اب کوئی بچ نہیں سکتا۔''

انہوں نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیئے پھر انٹرکام پر طاہر صاحب کو بلایا۔

''یس میڈم!'' طاہر صاحب نے پہلے کن انکھیوں سے اس کرسی کو دیکھا تھا جہاں اسفندیار بیٹھا تھا۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''تمام اسٹاف کا حساب بے باق کر دیں۔'' بیگم آفندی نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

''جی میڈم!'' طاہر صاحب پتہ نہیں حیران ہوئے تھے یا سمجھے نہیں تھے۔

''میں یہ انڈسٹری بند کر رہی ہوں۔ سب کے واجبات اسی وقت ادا کر کے فارغ کر دیں۔'' انہوں نے خود کو نارمل رکھنے کی سعی کرتے ہوئے کہا۔ لیکن ان کا تنفر تیز تنفس سے ظاہر ہو رہا تھا۔

''لیکن میڈم!'' طاہر صاحب نے کچھ کہنا چاہا۔

''آپ سے جو کہا ہے وہ کریں۔'' انہوں نے ٹوک دیا۔

''جی۔'' طاہر صاحب بہت ست قدموں سے گئے تھے اور ان کے جاتے ہی بیگم آفندی کا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اسی تیزی سے ان کے ہاتھ بھی چلنے لگے تھے۔ یہ دراز، وہ دراز کتنے کاغذات پھاڑ ڈالے۔ کچھ اپنے بیگ میں ٹھونسے، جب اس طرف سے فارغ ہوئیں تو پہلے اپنے پاسپورٹ میں لندن کا ویزا چیک کیا۔ پھر آئندہ کی پلاننگ کرتے ہوئے ان کا ذہن اچانک پیچھے بھٹک گیا تھا۔ جب وہ آخری ایام میں شہریار کے پاس لندن گئی تھی۔

''ابھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے ماما! مان لیں کہ آپ نے غلطی کی اور اسفندیار! اور ان کی ممی سے معافی مانگ لیں۔ پھر ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ کتنی عاجزی سے گڑگڑایا تھا اور اس وقت ان پر اثر نہیں ہوا تھا، تو اب کیا ہوتا۔ اس کے برعکس وہ اسفندیار سے مزید متنفر ہو گئی تھیں کہ اس نے شہریار کو بہکایا ہے اور اب اس خط نے انہیں جیلان آفندی یعنی اپنے مرحوم شوہر سے بھی متنفر کر دیا تھا۔

''جیلان اگر حقیقت جان ہی گئے تھے تو مجھ سے پوچھتے مجھ سے بدلہ لیتے شیری کو کیوں مارا۔''
اب ان کے نزدیک شہریار کی موت کے ذمہ دار جیلان آفندی تھے۔

''وہ ٹھیک ہو رہا تھا۔ اس کے اندر نیا خون بننے لگا تھا۔ لیکن تمہارے اس خط نے اس کے اندر ایسا زہر بھر دیا۔ جیلان آفندی! کہ اسے زندگی سے نفرت ہو گئی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا، میرے بیٹے کو مار ڈالا۔ اور اب یہ جنگلی سور مجھے مارنے آیا ہے۔ نہیں اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر وار کرے میں اسے مار ڈالوں گی۔''

وہ غم و غصے میں انتہائی جنونی ہو کر سوچ رہی تھیں۔ کہ لابی میں کچھ شور کی آواز سن کر چیخ پڑیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔ چوکیدار...... چوکیدار......''

''یس میڈم!'' چوکیدار نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

''یہ شور کیسا ہے؟ طاہر صاحب کو بھیجو۔'' انہوں نے اسی غصے سے کہا تو چوکیدار نے دروازہ دوبارہ کھینچ دیا۔

کچھ دیر بعد طاہر صاحب آتے ہی کہنے لگے۔

''میڈم! سب لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ یہ انڈسٹری کیوں بند کر رہی ہیں۔''

''میری مرضی۔'' انہوں نے نخوت سے گردن اکڑائی پھر کہنے لگیں۔ ''کیا میں نے ان سب سے پوچھ کر یہ انڈسٹری لگائی تھی۔ جواب بند کرنے کی توجیہہ بھی پیش کروں۔''

''اور میڈم! فی الوقت اتنا کیش موجود نہیں ہے، جو سب کو فارغ کیا جا سکے۔'' طاہر صاحب نے دوسرا مسئلہ بتایا۔

''چیک بنا دیں یا کہہ دیں کل آ کر لے جائیں اور ہاں فیکٹری کے منیجر کو فون کر دیں کہ وہ بھی سب کو فارغ کر دے۔''

انہوں نے دوسرا آرڈر بھی ساتھ جاری کر دیا۔ تو طاہر صاحب کو ان کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی آرڈر جاری کرتیں وہ کمرے سے نکل گئے۔

''کچھ نہیں رہنے دوں گی۔ سب کچھ مٹا دوں گی۔ جیلان آفندی کا نام لینے والا بھی نہیں رہے گا۔ جب شیری نہیں رہا تو وہ بھی نہیں۔ اس کی ماں پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچے گی اور فائقہ! وہ دوسری بار بیوگی کا غم یقیناً نہیں سہہ سکے گی۔ مر جائے گی، مر ہی جانا چاہیے اسے...... پھر میں اور شیری......''

وہ اس سوچ پر گرفت مضبوط کر کے بقیہ سارا وقت اسی کے مطابق پلان کرتی رہیں۔ جب طاہر صاحب نے آ کر اطلاع دی کہ تمام اسٹاف جا چکا ہے تب وہ اپنی سوچوں سے نکل کر انہیں دیکھنے

لگیں۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" طاہر صاحب نے پوچھا۔ تو انہوں نے پہلے گہری سانس کھینچ کر خود کو پرسکون کیا پھر کہنے لگیں۔

"اس خالی آفس میں آپ کیا کریں گے۔ فی الحال آرام کریں یا کہیں اور جاب کرنا چاہیں تو آپ کی مرضی میں پھر جب نئے سرے سے کام شروع کروں گی تو آپ کو بلا لوں گی۔"

"اور میڈم! وہ جو کسٹمرز اور دوسری پارٹیوں کے ساتھ معاملات ہیں، ان کا کیا ہوگا؟" طاہر صاحب نے یاد دلایا کہ صرف اسٹاف فارغ کر دینے سے کام ختم نہیں ہوگیا۔

"وہ سب میں دیکھ لوں گی ابھی ایک ہفتہ ہے میرے پاس۔" وہ گویا ذہنی طور پر تسلیم کر چکی تھیں کہ وہ جو ایک ہفتے کا کہہ گیا ہے تو اس کے بعد واقعی، وہ انہیں یہاں داخل نہیں ہونے دے گا۔

"ایک ہفتہ! آپ کہیں جا رہی ہیں؟" طاہر صاحب نے پوچھا۔

"ہاں میں طویل عرصے کے لیے باہر جا رہی ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں پھر سرسری انداز میں وضاحت کے طور پر کہنے لگیں۔

"اصل میں اسفندیار کو بزنس سے واقفیت نہیں ہے اور نہ ہی دلچسپی۔ اس لیے ہو سکتا ہے وہ یہاں ہاسپٹل بنا لے یا ہو سکتا ہے نئے سرے سے اس کام کو شروع کرے۔ بہر حال اس کی مرضی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

طاہر صاحب کے ذہن میں بہت سے سوال اٹھ رہے تھے لیکن انہیں جانے کے لئے تیار دیکھ کر خاموش رہے تھے۔

"چلیں اور ہاں آفس لاک کر کے چابی مجھے دے دیں۔ کیونکہ میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ تو ان کے پیچھے طاہر صاحب سب لاک کرتے ہوئے آئے اور چابیاں ان کے حوالے کر کے بولے۔

"آپ جب بھی آئیں میڈم! مجھے ضرور یاد رکھیے گا۔"

"شیور! یہ بھی ممکن ہے کہ میں جلدی آ جاؤں۔" انہوں نے قصداً مسکرا کر کہا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" طاہر صاحب نے ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

"او کے۔ پھر ملاقات ہوگی۔" انہوں نے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

اور ابھی شام پوری طرح نہیں اتری تھی جب انہوں نے گاڑی آفندی ہاؤس کی سمت موڑتے ہوئے دوسری گاڑی میں اسفندیار کو دیکھا۔ اس کے ساتھ فائقہ اور پچھلی سیٹ پر الیشبہ بھی تھی۔ ا[illegible] قریب سے گزرتے ہوئے اسفندیار نے زور سے ہارن بجا کر گویا انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تھ[illegible]

جس پر وہ تلملا گئیں اور اسپیڈ سے گاڑی بھگا کر آفندی ہاؤس کے گیٹ پر دے ماری۔ پھر ایسے ہی [د]ندناتے ہوئے اندر آئی تھیں۔ اور لاؤنج میں رک کر چلانے لگیں۔

"زینب! زینب!"

"کیا بات ہے؟" اماں ان کے چلانے پر ہولتے ہوئے آئی تھیں۔

"کیا سمجھتا ہے تمہارا بیٹا! اپنے آپ کو؟ باپ کی جائیداد پر قابض ہو کر مجھ سے لڑے گا؟ نہیں اس شہر میں وہ نو وارد ہے۔ جب کہ میں سارے شہر سے واقف ہوں اپنی توہین کے الزام میں اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیل سکتی ہوں۔ جہاں وہ ساری زندگی سڑتا رہے گا۔ سمجھیں۔"

ان کا سارا غصہ زینب پر نکلنے لگا۔

"اور اسے سمجھا کے رکھو یہاں رہنا ہے تو شرافت سے رہے ورنہ......"

"کک...... کیا، کیا ہے اس نے؟" اماں سیدھی سادی عورت خائف ہو گئی تھیں۔

"کیا، کیا ہے...... تم نہیں جانتیں۔ تمہارا ہی سکھایا ہوا ہے۔ اور اب معصوم بن رہی ہو۔ ایک بات کان کھول کر سن لو زینب! میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ اور نہ ہی ڈر کر بھاگنے والی۔" انہوں نے زینب کا بھاگنا جتایا تھا۔

"میں جانتی ہوں تو تو اللہ سے بھی نہیں ڈرتی۔ اگر دل میں اس کا خوف ہوتا تو آج ایسے اکیلی نہ کھڑی ہوتی۔" اماں نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

"میں اکیلی بھی سب پر بھاری ہوں۔" وہ پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھیں۔

☆☆☆

وہ الیشبہ کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ ساحل پر آئی تھی اور اب احمد کو گود میں لیے الگ تھلگ بیٹھی تھی۔ جب کہ وہ الیشبہ کے ساتھ لہروں کے تعاقب میں جا رہا تھا اور بار بار پلٹ کر اسے بھی دیکھ رہا تھا۔ اس لیے وہ انجان سی بن کر احمد کے ساتھ لگی رہی۔ پھر غبارے والے کو پکار کر اس سے ایک غبارہ لیا اور اس کا دھاگا احمد کی کلائی سے باندھ دیا۔ جس سے بچہ خوش ہو کر ہوا میں لہراتا غبارہ پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ تو وہ بس اس میں مگن ہو گئی۔ کبھی دھاگا کھینچ کر غبارہ اس کے قریب کرتی۔ پھر ہوا میں چھوڑ دیتی۔ اس کھیل سے وہ خود بھی محظوظ ہو رہی تھی کہ قریب سے سلام کی آواز پر چونک کر ادھر متوجہ ہوتے ہوئے حیرت سے بولی۔

"رامش! آپ رامش ہیں ناں۔"

"جی۔ کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں بیٹھیں۔" اس نے کہا تو رامش بیٹھ کر احمد کو دیکھنے لگا۔

"یہ ہمارا بیٹا ہے۔" اس کے ہمارا کہنے پر رامش اسے دیکھنے لگا۔

"ہمارا؟"

"میرا اور شیری کا۔" اس کی وضاحت پر رامش ذرہ سا ہنس کر کہنے لگا۔

"آپ اگر صرف میرا کہتیں تب بھی اس کا یہی مطلب ہوتا۔ بہر حال یہ بتائیں آپ کہاں چلی گئی تھیں؟"

"پتہ نہیں مجھے خود نہیں معلوم۔ بس شیری کے بعد دل چاہتا تھا کہیں دور نکل جاؤں۔ اور ایک روز اسی ارادے سے نکل کھڑی ہوئی۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ دنیا گول ہے تو واقعی میں چلتے چلتے پھر وہیں آ گئی۔ جہاں سے چلی تھی۔" اس نے خوبصورتی سے بات بنائی تھی۔

"آپ کے ساتھ کون ہے؟" میں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تھا۔" رامش نے دور سمندر کی لہروں میں اسفندیار اور الیشبہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ......" اس کی نظریں بھی ادھر بھٹک گئیں۔ "وہ شیری کے بہن بھائی ہیں۔"

"شیری کے بہن بھائی؟" رامش نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں شیری کے ڈیڈی نے دو شادیاں کی تھیں۔ یہ پہلی بیوی کی اولاد ہیں۔" اس نے سرسری انداز میں بتایا۔

"اچھا۔ شیری نے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔" رامش کو تعجب ہوا پھر پوچھنے لگا۔ "کیسے ہیں یہ لوگ؟"

"اچھے ہیں بلکہ بہت اچھے۔"

"کہاں رہتے ہیں؟"

"اب تو یہیں آ گئے ہیں پہلے کا پتہ نہیں۔"

"اور آپ کہاں ہوتی ہیں؟"

"ماما کے پاس۔" وہ شاید اس کے ساتھ گھریلو معاملات شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب ہی بہت آرام سے اور مختصر جواب دے رہی تھی۔

"ماما کیسی ہیں؟ میں بہت عرصے سے ان کے پاس نہیں گیا۔ اور فون بھی نہیں کر سکا۔"

"کیوں؟"

"بس شیری کے بعد دل اچاٹ ہو گیا۔ اس گھر سے، ان راستوں سے، پھر ماما کا رویہ بھی چینج ہو گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ میں آپ سے ملوں۔ اس لیے میں نے جانا ہی چھوڑ دیا۔ آخری بار اخبار میں آپ کی گمشدگی کا اشتہار دیکھ کر گیا تھا۔ کیا آپ نے جاتے ہوئے ماما کو بھی نہیں بتایا تھا۔"

وہ پھر اسی بات پر آ گیا تھا۔

"بتاتی تو کیا وہ جانے دیتیں؟" اس نے قصداً ذرا سا ہنس کر کہا۔ پھر فوراً بات بدل گئی۔ "آپ نے شادی کر لی؟"

"نہیں اور کروں گا بھی نہیں۔" اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"کیوں؟"

"بس کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔" اس نے غالباً ٹالا تھا۔ پھر سامنے دیکھ کر بولا۔

"وہ لوگ آ رہے ہیں مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر کچھ کہیں گے تو نہیں۔"

"نہیں آپ بیٹھے رہیں۔ میں آپ کو اسفندیار سے ملواتی ہوں۔ گو کہ شیری سے مختلف ہیں پھر بھی آپ کو ان میں شیری نظر آئے گا۔"

وہ کہہ کر الیشبہ کو دیکھنے لگی۔ اسفندیار کی طرف جان بوجھ کر متوجہ نہیں ہوئی اور جب وہ قریب آ گیا تب بھی الیشبہ سے پوچھنے لگی۔

"کیسا لگا تمہیں سمندر؟"

"بہت اچھا۔" الیشبہ خوش تھی۔

پھر اس نے اسفندیار کو دیکھا۔ لیکن وہ رامش کو گھور رہا تھا۔ جس سے گھبرا کر وہ فوراً تعارف کروانے لگی۔

"اسفندیار! ان سے ملو یہ رامش ہیں۔ شیری کے عزیز دوست اور رامش! یہ شیری کے بڑے بھائی ہیں۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" رامش نے اٹھ کر اسفندیار کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے تھام کر وہ اسی قدر بولا۔

"مجھے بھی۔" پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ "میں نے وہاں سے انہیں تمہارے پاس بیٹھتے دیکھا تو میں سمجھا شاید تمہارا کوئی بھائی......"

"تم ٹھیک سمجھے۔ یہ میرے بھائیوں کی طرح ہی ہیں۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"اچھا! پھر تو واقعی آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اسفندیار نے اب واقعی خوشی کا اظہار کیا تو رامش بے ساختہ ہنسا تھا۔ جب کہ وہ سٹپٹا گئی۔

"چلو اسفندیار! سردی بڑھ گئی ہے اور اماں بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"تم جاؤ گاڑی میں بیٹھو۔" اسفندیار نے کہا ساتھ الیشبہ کو بھی جانے کا اشارہ کیا۔

"اچھا رامش! پھر انشاء اللہ ملاقات ہو گی۔" وہ رامش کو خدا حافظ کہہ کر الیشبہ کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ تو اسفندیار بھی فوراً چلا آیا تھا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی گردن پیچھے موڑ کر اس

سے بولا۔

"یہ تم پیچھے کیوں بیٹھ گئیں؟"

"بس اب چلو بہت دیر ہو گئی۔"

"کوئی دیر نہیں ہوئی۔ اور بھی ہم گھر نہیں جائیں گے۔ کیوں الیشبہ؟" اس نے الیشبہ کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن اس نے فائقہ پر چھوڑ دیا۔

"جیسے باجی کہیں گی؟"

"تمہاری باجی کو تو ہر بات میں ناں کہنے کی عادت ہے۔"

"اور تمہیں فضول بولنے کی۔ اماں کا بھی احساس نہیں ہے۔ بے چاری گھر میں اکیلی ہیں۔ احمد کو ہی ان کے پاس چھوڑ آتی۔" وہ بڑبڑانے کے انداز میں بول رہی تھی۔

اسفندیار نے سر جھٹک کر گاڑی اسپیڈ سے بھگا دی۔ پھر وہ بھی بڑبڑانے کے انداز میں اپنے آپ بولنے لگا تھا۔

"اسے بڑا دوسروں کا احساس ہے۔ پل میں سارا موڈ خراب کر دیتی ہے اور اس کے ساتھ کیسے مزے سے بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ شیری کا دوست اور شیری کے بھائی کی کوئی اہمیت نہیں۔"

اسے ہنسی آنے لگی جسے بمشکل روک کر بولی۔

"شیری کا دوست بے ایمان نہیں ہے۔"

"تو کیا میں......" وہ اچھل کر اسی قدر کہہ سکا کیونکہ آئینہ میں اس کے ہونٹوں میں چھپی مسکراہٹ دیکھ لی تھی اور اس مسکراہٹ سے اسے جیسے زندگی مل گئی تھی۔ جو بقیہ تمام راستہ وہ بس ہنستا گنگناتا رہا تھا۔

"میں کوئی ایسا گیت گاؤں کہ آرزو جگاؤں۔"

"اگر تم کہو......"

اور جب گھر کے سامنے گاڑی روکی تب گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"لو بھئی میں نے تمہاری بات رکھ لی گھر آ گیا۔"

"ارے۔" وہ گاڑی سے اترتے ہی چونک گئی۔ "یہ تو عظام بھائی کی گاڑی ہے۔ عظام بھائی آئے ہیں شاید۔"

"شاید کیوں جب ان کی گاڑی ہے تو یقیناً وہی آئے ہوں گے۔" اسفندیار اس کی گود سے احمد کو لیتے ہوئے بولا۔

"چلو اور ذرا سنبھل کر میرا مطلب ہے رونا دھونا مت مچا دینا۔ اور الیشبہ تو احمد کو اپنے کمرے میں لے جانا نہیں تو اس کے رونے سے پریشان ہو جائے گا۔"

"میں کوئی نہیں رو رہی۔" وہ اسے دھکیل کر تیز قدموں سے اندر داخل ہوئی تو اسفندیار نے احمد کو الیشبہ کی گود میں دے کر پہلے اسے دوسرے دروازے سے اندر بھیجا پھر بھاگ کر اسے کوریڈور میں ہی روک لیا۔

"سنو عظام کے ساتھ تمہارے ابو بھی آئے ہوں گے۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟" اس نے فوراً ٹوکا لیکن وہ ان سنی کر کے بولا۔

"اور تم نے بھی کہنا ہے کہ تم یہاں سے میرے ساتھ گئی تھیں۔ یعنی میں تمہیں لے گیا تھا۔ ماما کے ناروا سلوک سے بچانے کی خاطر۔ سمجھیں؟"

وہ اپنی بات کہہ کر تیزی سے پلٹا اور لاؤنج میں داخل ہو گیا۔ جب کہ وہ وہیں کھڑی تھی۔ اس کی بات سمجھنے میں اسے زیادہ دیر تو نہیں لگی لیکن سمجھ کر جو سناٹے کی کیفیت تھی اسے ٹوٹنے میں کچھ دیر لگی۔ اس کے بعد اندر داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی عظام کا دل جیسے چہرے پر دھڑکا تھا۔ بس ایک پل اور اس ایک پل میں اس کے سارے مردہ احساسات کو یوں زندگی ملی تھی کہ بیک وقت وہ ہنسنا بھی چاہتی تھی اور رونا بھی۔

"فائقہ!" ابو نے پکارا تو وہ بھاگ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

"ابو مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کو بہت دکھ دیئے ہیں۔" اس کے آنسو روانی سے چھلک رہے تھے۔

"نہیں نہیں بیٹا!" ابو اسے ساتھ لے کر بیٹھ گئے۔ "تم روؤ مت! تمہارے رونے سے مجھے ضرور دکھ ہوتا ہے۔"

"میں بہت بری ہوں۔ میں بہت بری ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔" وہ روتے ہوئے بھی کہے جا رہی تھی۔ آخر اسفندیار نے اس کا بازو کھینچ کر الگ کیا۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے انہیں بھی پریشان کر رہی ہو۔"

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی اور ابو اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرنے میں لگ گئے۔

"آپ کب آئے؟" اسفندیار نے بیٹھتے ہوئے عظام سے پوچھا۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" عظام نے چونک کر جواب دیا۔

"ماما سے ملاقات ہوئی۔ آئی مین شیری کی ماما سے؟"

"نہیں آپ کی والدہ نے آ کر بتایا کہ آپ لوگ کہیں باہر گئے ہیں اور ہمارا خیال تھا شاید آپ کو

آنے میں دیر لگے۔" عظام نے کہا تو وہ ذرا سا ہنس کر بولا۔

"دیر ہو سکتی تھی۔ لیکن فائقہ نے گھر گھر کی رٹ لگا دی۔ اسے آپ کے آنے کا الہام ہو گیا تھا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں احمد کو لے کر آتا ہوں اور ہاں آپ کیا پئیں گے چائے یا کافی؟"

"کچھ نہیں بیٹا۔" ابو بول پڑے۔ "کوئی تکلیف نہیں کرو بس اب ہم چلیں گے ادھر فائقہ کی امی اس کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"پھر بھی انکل! چائے تو پی ہی لیں۔" وہ کہتے ہوئے چلا گیا تو ابو، فائقہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے۔

"چلو گی ناں بیٹا؟"

"جی ابو! میں تو خود آنا چاہتی تھی۔"

"بتایا ہے اسفندیار نے۔ جاؤ اپنی ساس سے کہہ آؤ کہ تم ہمارے ساتھ جا رہی ہو۔"

ابو نے کہا تو اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنے اندر اٹھتے اچانک تنفر کو دبانے کی سعی کی پھر اٹھ کر پہلے کمرے میں آئی اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد بیگم آفندی کے کمرے میں جاتے ہی بولی تھی۔

"ماما! میں ابو کے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

بیگم آفندی نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ لیکن اب اس کے احساسات جاگ گئے تھے اور اسے اپنی اہمیت کا اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ جب ہی انہی کے انداز میں کہنے لگی۔

"نہیں اب کوئی بات نہیں ہو گی۔ یوں بھی میں جانتی ہوں آپ کیا کہیں گی۔ مجھے میرا ایگریمنٹ یاد دلائیں گی اور یہ بھی کہ میں نے اسفندیار سے دستبرداری کا وعدہ لیا یا نہیں۔ تو ماما! یہ تو سب بے کار باتیں ہیں۔ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس کاغذ کے ٹکڑے کی کوئی اہمیت نہیں۔ اصل اہمیت ان کاغذات کی ہے جو اسفندیار کے پاس ہیں۔ ان کے باپ کی وصیت جسے آپ کسی قیمت پر ...ں سکتی ہیں نہ جھٹلا سکتی ہیں۔ آپ کو اگر اپنی صلاحیتیں آزمانی ہیں تو ان کاغذات کو جھٹلانے پر آزمائیں۔ میرے ساتھ آپ کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔"

"تم دو ٹکے کی عورت مجھے چیلنج کر رہی ہو۔" بیگم آفندی غصے سے کانپتے ہوئے اس پر جھپٹ پڑنے کو تیار تھیں۔

"میں نہ تو دو ٹکے کی عورت ہوں اور نہ ہی آپ کو چیلنج کر رہی ہوں۔ صرف حقیقت بتا رہی

ہوں۔ جو مجھ پر بھی ابھی کچھ دیر پہلے واضح ہوئی ہے کہ میں کبھی بھی اتنی کمزور نہیں تھی۔ مجھے تو اول روز ہی شہریار کی محبتوں نے بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ لیکن پھر اس کے غم نے اسی قدر مجھے توڑ بھی دیا۔ اور اس ٹوٹی ہوئی عورت کو آپ مزید توڑنے میں لگی رہیں۔

جوان بیٹے کی موت کا غم تو آپ کو تھا ہی نہیں۔ آپ کو صرف دھن دولت کی فکر رہی اور اسی پر قابض رہنے کے لیے مجھ سے بچہ چھیننے کی فکر، پلاننگ...... اگر میرے حواس ساتھ نہ چھوڑتے تو میں شیری کے بعد ایک پل یہاں نہ رکتی۔ اسی وقت آپ کی ساری پلاننگ پر لعنت بھیج کر چلی جاتی۔ اور دیکھتی کہ آپ میرا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔"

بیگم آفندی کو اس کی جرات نے ششدر اور گنگ کر دیا تھا جب کہ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

اس نے چند لمحے رک کر ان کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھا پھر سر جھٹک کر کہنے لگی۔

"لیکن شاید اللہ کو مجھے ان لوگوں سے ملانا تھا جن سے ملنے کی حسرت لیے شیری چلا گیا۔ جب ہی میں بے سوچے سمجھے گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ بہر حال ان ساری باتوں کے باوجود میرا دل آپ کی طرح پتھر نہیں ہوا۔ جو دل محبتوں سے آباد ہو اس میں نفرت اور انتقام جگہ نہیں بنا پاتے۔ میں اگر چاہوں تب بھی آپ سے نفرت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ آپ شیری کی ماں ہیں۔ اور وہ آپ سے بے حد محبت کرتا تھا جب ہی میرے سامنے گڑگڑایا تھا کہ ماما کو معاف کر دو اور ان سے دور چلی جاؤ۔ مجھے اس کا گڑگڑانا اب بھی بہت تڑپاتا ہے ماما!" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ چند لمحے رک کر پھر کہنے لگی۔

"میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ بھی مجھے معاف کر دیں اور ماما! یہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ اماں، الیشبہ اور اسفندیار، ان کے دل میں آپ کے خلاف انتقامی جذبہ ہوتا تو کیا شہریار کی بیوی اور بچہ زندہ سلامت آپ کے پاس آ سکتے تھے۔ نہیں اسفندیار نے مجھے امان بھی تب دی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ میں اس کے بھائی کی بیوی ہوں۔ اس سے پہلے وہ مجھے اپنے گھر رکھنے پر تیار ہی نہیں تھا۔ آپ بھی انہیں شیری کے بہن بھائی سمجھ کر دل سے ساری نفرتیں مٹا ڈالیں۔ پھر دیکھیں یہ آپ کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔"

"تم......" بیگم آفندی پھنکار رہی تھیں۔ "دور ہو جاؤ میری نظروں سے ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

اس نے تاسف سے سر ہلایا جیسے یہ عورت نہیں سدھر سکتی۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔

"آپ بہت پچھتائیں گی۔"

"شٹ اپ!" بیگم آفندی غصے سے پاگل ہو کر چیخیں اور تیزی سے الماری کی طرف بڑھی تھیں اور وہ یہ سمجھیں اس کا ایگریمنٹ نکال کر پھر بلیک میل کرنے کی کوشش کریں گی۔ جب ہی سر جھٹک کر ان کے کمرے سے نکل آئی۔

ابو اس کے بیٹے کو گود میں لیے اماں کی بات سن رہے تھے۔ جب کہ اسفندیار، عظام کو اپنے [illegible] رہا تھا اسے دیکھا تو فوراً پوچھا۔

"مل گئی اجازت؟"

"میں اجازت لینے نہیں بتانے گئی تھی۔" وہ اسے گھور کر بولی۔

"اچھا" وہ بے یقینی سے ہنسا تو وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر ابو سے بولی۔

"ابو! میں احمد کا بیگ تیار کر کے آتی ہوں۔"

"ہاں بیٹا! جلدی کرو تمہاری امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"بس پانچ منٹ۔" وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ اسی تیزی سے بیگم آفندی کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر رکتے ہی اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ جس پر سب اس کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے۔ لیکن درمیان میں بیگم آفندی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر سب اپنی جگہ جیسے جم گئے تھے۔

بیگم آفندی کی نظریں سب پر سے ہوتی ہوئی اسفندیار پر ٹھہر گئیں تو اماں نے دہل کر اس کا بازو تھام لیا۔

"راحل! تو چپ رہنا۔"

وہ بس اپنا ہاتھ اماں کے ہاتھ پر رکھ سکا۔

"بچ گئے تھے تم۔ اب نہیں بچو گے۔" بیگم آفندی ریوالور اسفندیار پر تانے چند قدم آگے آ کر رک گئیں۔

"میڈم! آپ ہوش میں نہیں ہیں۔" عظام نے کہا تو وہ ان کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگیں۔

"ہاں میں ہوش میں نہیں ہوں۔ اسے مار کر ہی ہوش آئے گا مجھے۔ بہت زعم ہے اسے خود پر اور اس کی شہ پر ہی یہ معمولی لڑکی۔" انہوں نے اپنا رخ فائقہ کی طرف موڑا تو اس نے چیخ کر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

"بس، اتنی ہمت ہے۔ ابھی تو اکڑ رہی تھیں۔ کہاں گئی تمہاری اکڑ؟ مجھ پر لعنت بھیج کر جا رہی تھیں۔ جاؤ جاؤ ہمت ہے تو......"

"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔" وہ اسی طرح چہرہ چھپائے رندھی آواز میں

بولی۔

"روتی کیوں ہو؟ تم تو بہت بہادر ہو۔" بیگم آفندی طنزیہ کہہ کر چیخیں۔ "ہاتھ نیچے کرو۔"

اس نے ہاتھ نیچے کر کے ان کے سامنے جوڑ دیے۔

"ماما! خدا کے لیے یہ سب نہیں کریں۔ جو آپ چاہیں گی وہی ہوگا۔"

"وہی ہوتا ہے۔ وہی ہونا ہے۔ ہمیشہ سے وہی ہوتا رہا ہے جو میں نے چاہا ابھی بھی۔"

اسفندیار اور عظام نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا اور اگلے پل اسفندیار اٹھ کر ان کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹنا چاہتا تھا۔ لیکن ادھر سہمی ہوئی اماں بے اختیار اس کا بازو کھینچ کر چیخی تھیں۔

"نہیں راحل۔"

اور چوکنا کھڑی بیگم آفندی نے فوراً پلٹ کر گولی داغ دی تو یکدم محشر برپا ہو گیا۔

"راحل......راحل......" اماں کی چیخیں آسمان چھونے لگی تھیں۔

عظام نے چھلانگ لگا کر بیگم آفندی کی کلائی تھام لی لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اسفندیار کی پسلیوں سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ اور وہ توانا مرد اماں کے کمزور بازوؤں میں جھول رہا تھا۔

"راحل، اسفندیار، راحل!" فائقہ حواس کھو رہی تھی۔

اس چیخ و پکار سے الیشبہ بھاگی آئی اور پھر وہ بھی چیخنے لگی تھی۔

"شیری کا جانا طے تھا، اسفندیار! تمہیں میں نہیں جانے دوں گی۔"

وہ اس کا گریبان جھنجھوڑنے لگی۔ تو وہ بند ہوتی آنکھوں کو زبردستی کھول کر اسے دیکھنے لگا۔ لیکن درمیان میں دھند کی چادر تن گئی تھی۔

❀❀❀

"پھوپھا جان!" عظام نے گم صم بیٹھے ابو کو پکارا۔ تب چونکنے کے ساتھ ہی وہ حرکت میں آ گئے تھے۔ پہلے ایمبولینس، پھر ون فائیو ڈائل کیا اور ان دونوں کے آنے تک ایک ایک کو تسلی دینے کی سعی کرتے رہے تھے۔

بیگم آفندی، عظام کی مضبوط گرفت میں بے بس ہو کر فحش گالیاں بکنے لگی تھیں، لیکن پولیس کو دیکھتے ہی انہوں نے یوں رنگ بدلا کہ عظام بھی ششدر رہ گئے۔

"شیری چلا گیا نا، بہت تکلیف میں تھا۔ میں نے مار ڈالا اسے۔ مجھ سے اس کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اچھا ہوا نا وہ مر گیا۔"

ایس پی سلطان احمد اس پاگل عورت کو اپنے ساتھ لے گیا اور عظام، اسفندیار کے ساتھ ہاسپٹل چلے گئے تو یک دم جیسے ساری کائنات ساکن ہو گئی تھی۔ جو جہاں تھا، وہیں سانس روکے کھڑا تھا جبکہ اماں کارپٹ پر پھیلے خون پر ہتھیلیاں رکھ کر وہیں سجدے میں گر گئی تھیں۔

معاً فون کی گھنٹی نے ساکت وجودوں کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"باجی!" الیشبہ چونک کر چلائی اور پھر بھاگ کر اس سے لپٹ گئی تو اس کے کانپتے وجود کو سنبھالتے سنبھالتے وہ خود گرنے لگی۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ تب ابو نے احمد کو صوفے پر لٹا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"ابو! آپ کہاں ہیں؟" دوسری طرف رابعہ تھی۔ ابو کی آواز پہچانتے ہی بولی۔

"میں یہاں فائقہ کے پاس ہوں بیٹا! خیریت؟" ابو نے بہت سنبھل کر کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"آپ اسے لے کر نہیں آ رہے؟ امی انتظار کر رہی ہیں۔"

"ہاں نہیں ابھی نہیں آ سکتی وہ۔"

"کیوں؟"

"بس وہ کچھ۔" ابو کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں۔

"ابو کوئی مسئلہ ہے کیا؟" رابعہ ٹھٹکی تھی۔

"نہیں نہیں بیٹا! کوئی مسئلہ نہیں اور ہاں مجھے آنے میں دیر ہو گی۔ فکر نہیں کرنا، اپنی امی کو بھی اطمینان دلا دو کہ فائقہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایک دو روز میں آئے گی ان کے پاس۔"

ابو نے اپنی بات کہہ کر فون رکھ دیا اور پہلے اماں کو دیکھا جو ابھی تک سجدے میں تھیں پھر فائقہ اور الیشبہ کے قریب جا کر دونوں سے کہنے لگے۔

"بیٹا! اپنے آپ کو سنبھالو اور اپنی ماں کو دیکھو۔ فائقہ! جاؤ اٹھاؤ انہیں اور تم بیٹا! اماں کے لیے گلوکوز بنا لاؤ۔ ابھی ایس پی پھر آنے والا ہے تفتیش کے لئے۔"

فائقہ نے بمشکل الیشبہ کو خود سے الگ کیا اور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اماں کے قریب آ کر گھٹنے ٹیک دیئے۔

"اماں! اماں اٹھیں...... اماں! راحل کو کچھ نہیں ہو گا۔" وہ اماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر رو پڑی تو عقب سے ابو نے سرزنش کی۔

"فائقہ......!"

"اماں! اٹھیں نا۔" اس نے اب اماں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا پھر زبردستی انہیں کھینچ کر صوفے پر بٹھایا تو اس غم زدہ عورت کو ابو بھی بس ایک نظر ہی دیکھ سکے۔ اس کے بعد ان کی ہمت ہی نہیں ہوئی ان کی طرف دیکھنے کی۔

"خود کو سنبھالیں اماں! پھر ہم راحل کے پاس جائیں گے۔" اس نے کہا تو اماں گم صم انداز میں اسے دیکھ کر بولیں۔

"راحل کے پاس۔"

"ہاں اماں! ہاسپٹل چلیں گے پہلے منہ ہاتھ دھو لیں اور یہ کپڑے، اس طرح کیسے جائیں گی۔" اس نے ان کے خون آلود ہاتھوں اور کپڑوں کی طرف اشارہ کیا تو اماں اپنے ہاتھ دیکھتے ہوئے رو پڑیں۔

"ڈائن...... ڈائن نے میرے بچے کا خون کر دیا۔"

"نہیں، نہیں اماں! راحل کو کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے اماں سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"فائقہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ کا بیٹا انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ جاؤ بیٹا! ان کے ہاتھ منہ دھلوا کر کپڑے بھی بدلواؤ۔"

ابو نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اس سے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"پھر ہم ہاسپٹل جائیں گے ابو!"

"ہاں عظام کا فون آ جائے۔ پتہ نہیں کہاں لے گیا ہے۔" ابو نے کہتے ہوئے اسے اماں کو لے

جانے کا اشارہ بھی کیا۔

"چلیں اماں! جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیں۔"

"میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے گا نا؟" اماں اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوئیں تو ابو سے پوچھنے لگیں۔

"انشاءاللہ!"

"مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اب اسے یہاں نہیں آنے دوں گی۔ پہلے ہی منع کرتی تھی، وہ......"

"اماں!" وہ انہیں کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی تو وہاں الیشبہ گھٹنوں میں منہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"یا اللہ!" اس نے پہلے اماں کو واش روم میں بند کیا پھر بھاگ کر الیشبہ کے پاس آئی۔

"الیشبہ! خدا کے لیے ہمت سے کام لو۔ میں اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ اماں کو دیکھوں یا تمہیں اور مجھ سے تو اپنا آپ بھی نہیں سنبھالا جا رہا۔ بتاؤ میں کیا کروں۔"

"مجھے بھائی کے پاس لے چلو۔" الیشبہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"چلیں گے سب چلیں گے لیکن اس طرح روتے ہوئے نہیں۔ چلو اٹھو، تم بھی منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لو، ورنہ ابو لے کر نہیں جائیں گے۔" اس نے کہا تو الیشبہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جاؤں گی، میں جاؤں گی، اپنے بھائی کے پاس اور باجی تم کپڑے نہیں بدلو گی۔ یہ خون۔"

"ہاں، میں ابھی۔" اس نے اسی قدر کہا تھا کہ ابو کی آواز آئی۔

"فائقہ بیٹا! جلدی آؤ ایس پی صاحب آئے ہیں۔"

"الیشبہ! اماں جیسے ہی نکلیں انہیں ادھر بھیج دینا۔"

وہ کہتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی اور ایس پی کو دیکھ کر سر کے اشارے سے سلام کرنے کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تو اس نے بیٹھنے سے پہلے پوچھا۔

"آپ!"

"بیگم شہریار آفندی۔" اس نے خود کو پراعتماد ظاہر کرنے کی سعی کی تھی۔

"بیگم جیلان آفندی سے آپ کا رشتہ؟" ایس پی نے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

"وہ میری ساس ہیں۔"

"یعنی جنہیں گولی لگی ہے وہ آپ کے شوہر......"

"جی نہیں، وہ میرے جیٹھ ہیں۔ اسفندیار۔" وہ فوراً بولی۔

"اور آپ کے شوہر؟"

"ان کی وفات ہو چکی ہے ایک سال پہلے......"

"اوہ......" ایس پی کچھ دیر خاموش رہا پھر پوچھنے لگا۔

"آپ بتا سکتی ہیں یہ حادثہ کیوں ہوا؟ آئی مین، ان ماں بیٹے کے درمیان کیا جھگڑا تھا۔"

"پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اسفندیار ان کی سگی اولاد نہیں ہیں۔ یعنی ان کے سوتیلے بیٹے ہیں اور جھگڑا جائیداد وغیرہ کا ہو گا یا ہو سکتا ہے کوئی اور بات ہو جو بہر حال میرے علم میں نہیں ہے۔" اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"ابھی کیا بات ہوئی تھی جس پر ریوالور نکالنے کی نوبت آئی؟"

"کوئی بات نہیں ہوئی، سب یہیں موجود تھے۔ میرے والد، اسفندیار اور ان کی والدہ البتہ ماما یعنی میری ساس اپنے کمرے میں تھیں۔ میرے والد مجھے لینے آئے تھے اور میں ان کے ساتھ جانے والی تھی کہ اچانک ماما ریوالور لے کر آ گئیں۔"

وہ بہت سوچ کر بول رہی تھی، جب ہی اپنی بیگم آفندی کے ساتھ باتیں گول کر گئی۔ صرف اس لیے کہ وہ اپنا باب نہیں کھولنا چاہتی تھی۔

"آتے ہی انہوں نے گولی چلا دی تھی؟" ایس پی نے پوچھا تب ہی اماں بھی آ گئیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔

"یہ اسفندیار کی والدہ ہیں۔"

"اسلام علیکم!" ایس پی نے اٹھ کر سلام کیا اور جب اس نے اماں کو بٹھا دیا، تب وہ بھی بیٹھ گیا اور کچھ پوچھنے سے پہلے تسلی دینے لگا۔

"اماں جی! آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کا بیٹا انشاءاللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ بڑے اسپتال میں لے گئے ہیں۔ فوراً سارے انتظام ہو گئے تھے، خون بھی مل گیا۔"

"اللہ اسے لمبی زندگی بخشے۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ یہ ڈائن شروع سے ہی اس کی دشمن تھی۔ پہلے بھی کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔"

اماں خود ہی شروع ہو گئی تھیں کہ پھر ایس پی کے پوچھنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

☆☆☆

عظام پچھلے ایک گھنٹے سے آپریشن تھیٹر کے بند دروازے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ جس کے اس طرف زندگی اور موت کے درمیان اس لاچار شخص سے کل تک ان کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ بس تھوڑی سی شناسائی ہوئی تھی لیکن ابھی یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے وہ اچانک بہت اہم ہو گیا تھا اور

اسے اہم کرنے والی وہ تھی جو ساری مصلحتوں کا دامن چھوڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے اس کی چھاتی سے جا لگی تھی۔

"شیری کا جانا طے تھا۔ اسفندیار! تمہیں میں نہیں جانے دوں گی۔"

ان کی ساعتوں پر مسلسل اس کی فریاد دستک دے رہی تھی اور اس بار وہ شدت سے اس کے شہزادے کی لمبی عمر کی دعائیں مانگنے لگے تھے۔ ایک بار پہلے اس نے کہا تھا۔

"میرے لیے دعا کیجیے گا عظام بھائی!"

"کیا...... کیا دعا کروں؟" انہوں نے یونہی پوچھا تھا اور وہ بولی تھی۔

"اللہ میرے شہزادے کو لمبی عمر دے۔"

اور اس وقت شاید انہیں یاد نہیں رہا تھا اور اب اس نے کہا نہیں تھا، پھر بھی ان کی ہر دھڑکن اس شخص کی سلامتی مانگ رہی تھی۔ ایک پل کے لیے بھی وہ غافل نہیں ہوئے تھے۔

پورے دو گھنٹے کے بعد جب آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تو ان میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ فوراً اٹھ کر ڈاکٹر سے کچھ پوچھتے کیونکہ ایک ہی زاویے سے بیٹھے بیٹھے بدن سن ہو گیا تھا جبکہ ان کے ساتھ آئے کانسٹیبل نے ڈاکٹر کو روک لیا۔

"بچ گیا؟" کانسٹیبل نے اپنے جاہلانہ انداز میں ڈاکٹر سے پوچھا۔ تب وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر ڈاکٹر کے قریب آ گئے۔

"ڈاکٹر صاحب! وہ ٹھیک تو ہے نا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اصل میں خون زیادہ بہہ گیا ہے۔ مزید خون کی ضرورت پڑے گی۔ آپ انتظام کر رکھیں۔" ڈاکٹر نے کہا تو وہ پوچھنے لگے۔

"اور گولی۔"

"گولی نکال دی ہے۔"

"مجھے اس کا بیان لینا ہے۔" کانسٹیبل کو اپنی پڑی تھی۔

"سوری، ابھی وہ ہوش میں نہیں ہے۔" ڈاکٹر کہہ کر جانے لگا کہ انہوں نے فوراً پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔"

"دیکھنے میں حرج نہیں ہے لیکن پلیز......"

"بس ایک نظر پھر مجھے گھر فون کر کے اس کے بارے میں بتانا ہے۔" انہوں نے کہا تو ڈاکٹر اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

"آپ پلیز اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کریں۔" عظام نے کانسٹیبل کی بے چینی محسوس کر

کے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"آپ کا کون ہے؟"

"بھائی...... بھائی سمجھ لیں۔" وہ کہہ کر آپریشن تھیٹر میں آ گئے جہاں اسفندیار کو آئی سی یو میں شفٹ کرنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ وہ دروازے ہی میں رک کر اسے دیکھنے لگے جس کا دراز سراپا بے حس و حرکت تھا۔ البتہ چہرے پر آکسیجن ماسک کے باعث سانسوں کی آمد و رفت زندگی کا احساس دلا رہی تھی۔

عظام چند لمحے رکے پھر ان ہی پیروں واپس پلٹ آئے اور نیچے استقبالیہ پر آ کر آفندی ہاؤس کے نمبر ڈائل کیے تو ادھر یقیناً سب منتظر تھے، جب ہی فوراً ریسیور اٹھنے کے ساتھ ابو کی آواز آئی تھی۔

"ہیلو۔"

"جی پھوپھا جان! میں عظام۔" انہوں نے کہا تو ابو بے قراری سے پوچھنے لگے۔

"ہاں بیٹا کہو، خیریت ہے نا؟"

"جی آپریشن ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ خیریت ہی ہو گی۔" انہوں نے تسلی دی تھی۔

"کون سے ہاسپٹل میں ہے؟ میں اس کی والدہ کو......" ابو نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑے۔

"نہیں پھوپھا جان! ابھی انہیں یہاں نہ ہی لائیں تو بہتر ہے کیونکہ وہ آئی سی یو میں ہے اور وہ بے چاری بوڑھی خاتون کہاں رات بھر راہداری میں بیٹھی رہیں گی۔"

"یہ تو ہے لیکن یہاں بھی تو وہ چین سے نہیں ہے۔"

"آپ انہیں اطمینان دلائیں۔ انشاء اللہ صبح تک اس کو ہوش آ جائے گا۔"

"اچھا ایک کام کرو، رابعہ کو بھی فون کر دو لیکن اسے یہ سب مت بتانا۔ کچھ اور کہہ کر مطمئن کر دو۔ میں ظاہر ہے اس وقت ان سب کو چھوڑ کر گھر تو نہیں جا سکتا۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ منقطع کیا پھر گھر کے نمبر ملائے تو ادھر رابعہ بھی منتظر تھی۔

"ہیلو کون؟"

"عظام۔"

"ہاں عظام بھائی کیا ہوا ہے؟ آپ لوگ آ کیوں نہیں رہے۔ مجھے بہت فکر ہو رہی ہے۔" رابعہ ان کی آواز سنتے ہی شروع ہو گئی۔

"کوئی تشویش کی بات نہیں ہے، آرام سے سو جاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ چڑ کر بولی۔

"میں نہیں سو سکتی۔ آپ ابو کو بلائیں۔"

"پھوپھا جان یہاں نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے میں ہاسپٹل سے بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے بتایا تو وہ مزید الجھ کر پوچھنے لگی۔

"ہاسپٹل...... کیوں کیا ہوا ہے آپ کو؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ وہ اسفندیار ہیں نا بس اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی میں انہیں لے کر آیا ہوں اور پھوپھا جان وہیں فائقہ کے پاس رہ گئے ہیں۔ صبح آ جائیں۔ گے ہو سکتا ہے فائقہ کو بھی ساتھ لے آئیں۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں؟" رابعہ نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھیں۔" انہوں نے تیز لہجے میں کہہ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

اس نے ابو کو اپنے کمرے میں بھیج دیا تھا اور خود اماں اور الیشبہ کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی تھی۔

اماں کے سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ انہوں نے جائے نماز بچھا لی تھی۔ البتہ الیشبہ کو اس نے زبردستی لٹا دیا تھا اور اس کے ایک طرف احمد کو سلایا، دوسری طرف خود نیم دراز ہو کر آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکنے لگی تو الیشبہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔

"باجی! تمہارے ابو نے بھائی کا کیا بتایا ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے، صبح تک انشاء اللہ ہوش میں بھی آ جائے گا۔"

"ابھی بے ہوش ہے؟" الیشبہ بہت سہمی ہوئی تھی۔

"ہاں، ڈاکٹر خود بے ہوشی کا انجکشن لگا دیتے ہیں۔ یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" اس نے تسلی دی پھر اس کا ہاتھ چوم کر بولی۔

"اب سو جاؤ ورنہ صبح جلدی آنکھ نہیں کھلے گی۔"

"اماں کو بھی بلاؤ نا، اماں!" الیشبہ نے اماں کو پکارا تو وہ فوراً اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"نہیں پریشان مت کرو مانگنے دو انہیں۔ اللہ انہیں مایوس نہیں کرے گا۔"

اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ نظریں اماں پر جا ٹھہریں جو انتہائی عاجزی سے گڑگڑا رہی تھیں پھر اسی طرح سجدے میں چلی گئیں تو اس نے بیڈ کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"کاش، ماما بھی اسی طرح گڑگڑائی ہوتیں تو شاید اللہ کو ان پر رحم آ جاتا لیکن نہیں۔ وہ رحم کے

لائق نہیں ہیں۔ بہت ظالم ہیں وہ، ہمیشہ سے اور اب انہیں۔"

"اف۔" وہ بیگم آفندی کے لیے سزا سوچنے جا رہی تھی کہ جھرجھری کے ساتھ آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

اماں ابھی تک سجدے میں تھیں اور الیشبہ اس کا ہاتھ سینے میں دبا کر سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اماں کے لیے چائے بنانے کے خیال سے کمرے سے نکل آئی کیونکہ جان گئی تھی کہ اماں جب تک راحل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گی۔ سونا تو دور کی بات، تکیے پر سر بھی نہیں رکھیں گی۔ وہ کمرے سے نکل کر سیدھی کچن میں آئی تو وہاں ملازمہ کونے میں دبکی اونگھ رہی تھی۔

"جنداں۔" اس نے کچھ حیرت سے پکارا تو ملازمہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بی بی!"

"یہاں کیوں بیٹھی ہو، اپنے کوارٹر میں جا کر سوؤ۔" اس نے قدرے ناگواری سے کہا تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے بی بی جی!"

"کیوں؟"

"وہ جی بڑی بیگم صاحب نے خون کر دیا اور جی۔"

"بکومت۔ چلو جاؤ یہاں سے۔" وہ غصے سے ٹوک کر کہتی کیتلی میں پانی ڈالنے لگی۔

"بی بی جی! کوئی کام ہے تو مجھے بتائیں۔" ملازمہ کو رکنے کا بہانہ چاہیے تھا۔

"کوئی کام نہیں، تم جاؤ۔"

اس نے زبردستی اسے بھیج دیا پھر جلدی سے چائے بنا کر اماں کے پاس لے آئی اور اپنے ہاتھوں سے بہت اصرار کر کے انہیں پلانے لگی۔

"صبح راحل گیا تھا دفتر۔" اماں اس کا کپ والا ہاتھ پرے دھکیل کر بتانے لگیں۔ "وہیں کوئی جھگڑا ہوا ہوگا۔ جب آیا تو چپ چاپ اپنے کمرے میں لیٹ گیا تھا اور شام میں جب تمہاری ساس آئی تو وہ بھی بہت غصے میں تھی۔ مجھے دھمکا رہی تھی۔ کہہ رہی تھی، سمجھا کے رکھو اپنے بیٹے کو۔ پر سمجھانے کا موقع بھی نہیں دیا۔"

اماں کی آواز بھرا گئی تو اس نے جلدی سے کپ نیچے رکھ کر ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا اور بے اختیار بولی۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے اماں!" پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگی۔ "آپ روئیں نہیں، سب

ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہ بھی یہی کہتا ہے، پر اب میں اس کی ایک نہیں سنوں گی۔ تو بھی سمجھانا اسے۔ ادھر مظفر گڑھ میں اللہ نے بڑی عزت دے رکھی تھی اور کسی شے کی کمی بھی نہیں تھی۔ تجھے پتہ تو ہے۔ دیکھی تھی تو نے کوئی کمی؟"

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

"بس اب ہم وہیں جائیں گے۔ شوق پورا ہو گیا اس کا یہاں آنے کا پھر کبھی نہیں آنے دوں گی ادھر اور تو بھی میرے ساتھ چلنا نہیں تو وہ تیرے بیٹے......"

"اماں!" وہ تڑپ گئی۔

"میرے منہ میں خاک۔ چل جا" اماں نے سر جھٹک کر اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے تسبیح اٹھالی تو وہ منت سے بولی۔

"کچھ دیر سو جائیں اماں!"

اماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب وہ چائے کا کپ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی اور پہلے اپنے کمرے میں جھانک کر ابو کو سوتے دیکھا پھر فالتو لائٹس آف کرتے ہوئے جب بیگم آفندی کے کمرے تک آئی تو فوراً اس کی ہمت نہیں ہوئی اندر جانے کی۔ پہلے بھی ان کی غیر موجودگی میں وہ کبھی ان کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ شاید ان کے اچانک آجانے کا خدشہ تھا اور اب گو کہ یقین تھا کہ وہ اس وقت نہیں آسکتیں پھر بھی وہ ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئی اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ لگ کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کی نظریں کھلی الماری پر جا ٹھہریں۔ اس وقت بیگم آفندی اسی طرف لپکی تھیں، گویا انہوں نے یہیں سے ریوالور نکالا تھا۔

اسے اپنی ہمتیں مجتمع کرنے میں کچھ وقت لگا پھر اس نے بہت احتیاط سے ان کی ہر شے دیکھ ڈالی۔ الماری، لاکر اور سیف، گو کہ اسے کسی خاص چیز کی تلاش نہیں تھی۔ بس ایک فطری تجسس تھا کہ اس عورت کے پاس ایسا کون سا ہتھیار ہے جس نے اسے ناقابل شکست بنا دیا تھا۔

"شاید پیسہ۔" اس نے ان کا بینک بیلنس چیک کرتے ہوئے سوچا جو ان کی بقیہ زندگی کے لیے کافی سے زیادہ تھا کہ وہ دنیا میں کہیں بھی بقیہ زندگی آرام سے گزار سکتی تھیں پھر جانے انہیں مزید کی ہوس کیوں تھی۔ اس نے ہر شے اسی احتیاط سے واپس رکھ دی تھی۔ بس وہ ایک سادہ پیپر جو بیگم آفندی نے اس سے سائن کروایا تھا۔ وہ نکال لیا اور اسے دیکھتے ہوئے اسے کیا کچھ نہ یاد آیا۔ حقیقتاً اس کاغذ نے اس کی زندگی بدل دی تھی جس پر کوئی تحریر نہیں لکھی گئی تھی اور جیسے ہر موڑ رقم تھا۔

وہ کتنی دیر اس سادہ پیپر پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر دراز کھینچ کر پین نکالا اور ہر موڑ کے

حساب سے خود ہی لکھنے لگی۔ اس وقت جب ابو کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، تب اس نے سوچا تھا کہ شاید تنی رقم کے عوض بیگم آفندی تاحیات اسے اپنی فرم میں ملازمت کا پابند کر دیں گی۔

"میں ساری زندگی جیلان ماربل انڈسٹریز میں نوکری کی پابند ہوں۔"

پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ باقاعدہ نمبرز کے ساتھ لکھتی چلی گئی تھی۔

نمبر دو۔ میں شہریار کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی۔

نمبر تین۔ میں نے پیسے کی خاطر شہریار سے شادی کی ہے۔

نمبر چار۔ میں اس شادی کے عوض بیگم آفندی کے دو کروڑ روپے وصول کر چکی ہوں۔

نمبر پانچ۔ میں اپنا بیٹا اپنی مرضی سے بیگم آفندی کو دے کر خود ان سے دور جا رہی ہوں اور کبھی بیٹے سے ملنے کی کوشش نہیں کروں گی۔

اس کے خیال میں ہر موڑ کے حساب سے بیگم آفندی یہی کچھ لکھ سکتی تھیں اور یہ نہیں تھا کہ انہیں موقع نہیں ملا تھا بلکہ وہ اس کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی تھیں جبکہ وہ ہمیشہ خائف رہی تھی جس پر اب اسے افسوس ہو رہا تھا۔

'وقت گزر جاتا ہے، تب ہمیں عقل آتی ہے لیکن میں کرتی بھی کیا۔ کسی کو ہمراز بھی تو نہیں بنایا تھا۔ عظام بھائی کو ہی بتا دیتی تو۔ پھر کیا ہوتا؟ کچھ بھی نہیں۔ یہی سب ہونا تھا۔ زندگی آسانی سے کب گزرتی ہے اور جو آسانی سے گزرے، وہ زندگی ہی کیا۔" سیدھی شفاف سڑک پر چلتے چلتے بالآخر اکتاہٹ ہونے لگتی ہے اور جو کوئی موڑ آجائے تو پھر کچھ خوشی کچھ خوف کے ساتھ نئی جستجو کہ جانے اس موڑ پر کیا ہو۔

"ہاں! ایک نیا موڑ، جانے اس نئے موڑ پر میرے لیے کیا ہے؟" اس نے کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے سوچنا چاہا تو اس کا ذہن پھر بھٹک گیا۔

"شیری کے بعد فائقہ کیا کرے گی۔" اس نے دوستانہ ماحول بنا کر پوچھا تھا اور وہ بے اختیار بولی تھی۔

"فائقہ بھی مر جائے گی۔"

"نہیں اس طرح کوئی نہیں مرتا۔ سب کو اپنی زندگی جینا پڑتی ہے۔ فائقہ بھی لمبی زندگی جیے گی اور بتاؤ شیری کے بعد وہ کیا کرے گی؟" وہ اسے حقائق سمجھانا چاہتا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تم بتاؤ" وہ عاجز اور بے بس ہو گئی تھی۔

"ہوں۔ اس نے سوچتے ہوئے کہا...... شیری کو اپنے دل کے کسی نہاں خانے میں بند کر رکھنا اور بس کبھی کبھار ہی وہاں جھانکنا اور اگر جو کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو پھر کبھی کبھار بھی نہیں۔"

"نہیں شیری!" وہ بے اختیار بول کر چونکی اور ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھ کر سیدھی لیٹ گئی۔

جاتی سردیوں کی شب کے آخری پہر خوشگوار سی ٹھنڈک تھی، لیکن اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اس نے چاہا کہ کمبل کھینچ لے لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں بے خبری کی نیند نہ سو جائے وہ یونہی پڑی کانپتی رہی۔ پھر بھی آنکھوں میں نیند اترنے لگی تھی کہ اذان کی آواز پر وہ فوراً اٹھ گئی اور وضو کر کے وہیں جاء نماز بچھالی۔

اس کے اندر بڑی بے سکونی تھی۔ نماز میں بھی ذہن ادھر اُدھر بھٹک رہا تھا اور جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تب وہ بے اختیار رو پڑی۔

"اے اللہ، مجھے معاف کر دے۔ مجھے ماما سے نہیں الجھنا چاہیے تھا۔ میری ضد میں انہوں نے اسفندیار کو موت کی طرف دھکیل دیا۔ اے اللہ بے چاری اماں پر رحم کر۔ وہ ماما کی طرح مضبوط نہیں ہیں اور ماما پر بھی رحم کرو۔ میں نے ان کے لیے کبھی برا نہیں سوچا۔ میں انہیں اپنے سارے دکھ معاف کر دوں گی، تو ان کا دل اپنی طرف پھیر دے۔"

وہ آنسوؤں کے ساتھ جانے کیا کیا مانگ رہی تھی۔ اسے خود پتہ نہیں تھا۔ پھر جاء نماز لپیٹ کر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے کمرے سے نکلی تو وہاں اماں غالباً اسی کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ چھوٹتے ہی پوچھنے لگیں۔

"تمہارے ابا اٹھ گئے؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو بے صبری سے بولیں۔

"جا اٹھا انہیں۔ مجھے راحل کے پاس لے جائیں۔"

"چلیں گے اماں! اجالا تو ہونے دیں۔ جب تک میں ناشتہ بنا لوں۔"

"میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔" اماں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں تو وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔

"اماں! الیشہ بھی جائے گی؟"

"ہاں، یہاں کس کے پاس چھوڑوں گی اسے۔" اماں نے الیشہ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کس کے پاس کیوں اس کا اپنا گھر ہے۔"

"بس یہ گھر اس کو مبارک ہو۔ الیشہ! اٹھ نماز پڑھ۔" اماں اسے جواب دینے کے ساتھ الیشہ کو جھنجھوڑ کر بولیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا اماں؟"

"جلدی نماز پڑھ لے پھر راحل کے پاس چلیں گے۔"

"اماں! بھائی کو ہوش آ گیا؟" الیشہ نے فوراً اٹھ کر پوچھا تو اماں سے پہلے وہ بول پڑی۔

"ہاں یقیناً آ گیا ہو گا۔"

"باجی! تم اپنے بھائی کو فون کر کے پتہ کرو ناں۔" الیشہ نے واش روم کی طرف جاتے جاتے رک کر کہا تو اس نے یونہی سر ہلا دیا اور احمد کو چیک کر کے کمرے سے نکل آئی۔

پھر اجالا پھیلنے تک اس نے سب کو چائے بنا کر زبردستی پلائی۔ اس کے بعد اماں کی بے قراری دیکھتے ہوئے ابو اسی وقت ہاسپٹل جانے کے لیے تیار تو ہو گئے، لیکن انہوں نے فائقہ اور الیشہ کو لے جانے سے منع کر دیا تو الیشہ رونے لگی۔ "میں بھائی کو دیکھوں گی۔"

"فائقہ! بیٹا سمجھاؤ اسے، سب کا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ پھر تمہارے ساتھ بچہ بھی ہے اسے کہاں چھوڑو گی۔؟" ابو نے اس سے کہا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"ابو! ہم لابی میں بیٹھ جائیں گے۔"

"اور اگر اس نے وہاں ضد کی؟"

"نہیں کرے گی۔ چلو الیشہ۔" وہ فوراً الیشہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر جانے لگی تھی کہ فون کی گھنٹی پر رک کر ابو کو دیکھنے لگی۔

"دیکھو کس کا فون ہے۔" ابو نے کہا تب وہ احمد کو ان کی گود میں دے کر واپس پلٹ آئی اور فون اٹھا کر ہیلو کہا تو ادھر سے رابعہ پوچھنے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے تمہارے گھر میں؟"

"کون؟ رابعہ؟"

"ہاں میری بات کا جواب دو۔" رابعہ نے تیز لہجے میں پوچھا تو وہ ایک نظر سب کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر عجلت میں بولی۔

"کچھ نہیں ہو رہا۔"

"پھر تمہاری ساس حوالات کیسے پہنچ گئیں؟" رابعہ نے کہا تو وہ اچھل کر بولی۔

"تمہیں کیسے پتہ؟"

"سارے زمانے کو پتہ چل گیا ہے۔ ماشاء اللہ فرنٹ پیج پر خبر لگی ہے۔" رابعہ کے لہجے میں طنز و تمسخر تھا۔

"ہائے نہیں۔"

"ہائے نہیں۔" رابعہ اس کی نقل اتار کر مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"سنو، ابھی ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں پھر میں وہاں سے آ کر تمہیں فون کروں گی۔"

"ابو کہاں ہیں؟"

"ہمارے ساتھ۔" اس نے کہہ کر فون رکھ دیا اور تیز قدموں سے ابو کے پاس آ کر بولی۔

"رابعہ کا فون تھا۔"

ابو کچھ نہیں بولے۔ خاموشی سے آگے چل پڑے تو اس نے اماں اور الیشبہ کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

اسے ایک بار رات دو بجے ہوش آیا تھا۔ لیکن اس وقت اس کا ذہن کچھ سوچنے کے قابل نہیں تھا۔ بس اپنے اطراف دوسرے مریضوں کو دیکھتے دیکھتے دوبارہ غافل ہو گیا تھا۔ پھر صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے پسلیوں میں درد کی تیز لہر نے اسے گہری نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ کتنی دیر وہ برداشت کرتا رہا۔ آخر اشارے سے نرس کو بلا لیا اور اسے اپنی تکلیف کا بتایا تو اس نے پہلے اس کے ڈرپ میں انجکشن لگایا پھر کہنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب چھ بجے آئیں گے اور یہ میڈیسن ہے لیکن کچھ کھانے کے بعد۔"

"میرے ساتھ کون ہے؟" اس نے پوچھا تو نرس کچھ سوچنے کے بعد بولی۔

"ایک صاحب ہیں بھیجوں انہیں؟"

"ہاں۔"

"لیکن آپ کو زیادہ باتیں نہیں کرنا ہیں۔" نرس اس کو ہدایت دے کر چلی گئی تو "صاحب" کو سوچتے ہوئے اسے ابو کا خیال آیا کہ وہی اسے یہاں لائے ہوں گے، لیکن جب عظام کو آتے دیکھا تو کچھ بے چین ہو گیا اور ان کے قریب آتے ہی کہنے لگا۔

"آپ کیوں آ گئے؟ گھر میں اماں وغیرہ اکیلی ہوں گی۔"

"نہیں پھوپھا جان وہیں ہیں۔" عظام نے بتایا تو وہ مایوسی سے بولا۔

"وہ بے چارے تو خود اتنے کمزور ہیں۔ اس عورت کا کیا مقابلہ کریں گے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ عورت اب وہاں نہیں ہے۔" عظام تسلی دے کر فوراً بات بدل گئے۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔ کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"ابھی تو صرف درد محسوس کر رہا ہوں۔ درد ٹھہرے گا تو پھر شاید اپنے زندہ ہونے پر حیران ہوں گا۔" وہ کہہ کر بمشکل مسکرایا۔

"زندگی دینے والا بڑا ہے۔ میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں، سسٹر نے سوپ اور

بسکٹ کا کہا ہے۔"

عظام اس کا ہاتھ تھپک کر چلے گئے تو اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ جب ہی رات کا واقعہ سوچتے ہوئے اسے اماں کی پریشانی بے چین کرنے لگی تھی کہ دھیرے سے جیسے کسی نے دل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔"

پھر اس کا جھنجھوڑتے ہوئے اس کی چھاتی پر سر رکھ دینا۔

"شیری کا جانا طے تھا اسفندیار! تمہیں میں نہیں جانے دوں گی۔"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے محسوس کرنا چاہتا تھا کہ عظام بہت جلدی سوپ اور بسکٹ لے آئے اور اپنے ہاتھ سے اسے بسکٹ کھلانے کے ساتھ چمچ سے سوپ بھی پلانے لگے۔

"آپ کو بہت زحمت ہوئی۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر ممنونیت سے بولا۔

"بالکل نہیں، میں تو اس بات پر شکر کرتا ہوں کہ ہم لوگ وہاں موجود تھے۔" عظام نے کہا تو وہ ذرا سا مسکرا کر بولا۔

"ورنہ تو میں اوپر پہنچ چکا ہوتا۔"

"نہیں جب اللہ کو زندگی منظور تھی تو اس کو وسیلہ بھی ضرور بھیجنا تھا۔ ہم نہ ہوتے تو کوئی اور ہوتا۔ چلیں اب آپ آرام کریں۔ ڈاکٹر صاحب بھی آ چکے ہیں، اس طرف آتے ہی ہوں گے۔"

"آپ پلیز گھر فون کر کے میری اماں کو اطمینان دلا دیجیے پتہ نہیں رات بھر ان کا کیا حال ہوا ہو گا۔"

"میں نے رات آپ کے آپریشن کے بعد فون کر دیا تھا۔ ابھی پھر کر دیتا ہوں۔"

عظام چلے گئے تو وہ اماں کو سوچنے لگا جو اسی خوف سے یہاں نہیں آنا چاہتی تھیں اور اسے خود پر بھروسہ تھا لیکن یہ تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیگم آفندی یوں اچانک وار کر دیں گی۔ اس کے خیال میں وہ عورت زیادہ سے زیادہ اسے برا بھلا کہتی، دھمکیاں دیتی اور اگر راستے سے ہٹانے کا سوچتی بھی تو پیسہ خرچ کر کے کسی کی خدمات حاصل کر سکتی تھی، لیکن وہ اس کی توقع سے زیادہ خطرناک نکلی تھی۔ وہ اماں کے خدشات کو اب بے بنیاد نہیں کہہ سکتا تھا۔

"کیا کہہ رہے تھے عظام، کہ میڈم اب وہاں نہیں ہیں۔" اسے اچانک خیال آیا۔

"پھر کہاں ہیں؟" وہ سوچنے لگا تب ہی ابو کے ساتھ اماں آ گئیں اور بہت خاموشی سے اسے دیکھے گئیں تو انہیں اطمینان دلانے کی خاطر وہ زبردستی مسکرا کر بولا۔

"اماں! میں ٹھیک ہوں۔"

اماں نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور پہلے قرآنی آیات پڑھ کر اس کے چہرے پر پھونک ماری پھر اس کی پیشانی چوم کر عاجزی سے بولیں۔

"الیشبہ کا خیال بھی نہیں کیا۔ اس کا تو باپ بھی تو ہے اور بھائی بھی۔"

وہ خاموش رہا تو آہستہ سے اس کا پیٹ چھو کر پوچھنے لگیں۔

"درد ہو رہا ہے۔"

"ہاں، پر اتنا نہیں۔" وہ کہہ کر بات بدل گیا۔ "الیشبہ کہاں ہے؟"

"باہر ہے فائقہ کے ساتھ۔ ڈاکٹر نے اندر نہیں آنے دیا اور ہاں ڈاکٹر کہہ رہا تھا تو زیادہ باتیں نہیں کرنا۔ چل سو جا، پر درد میں نیند کہاں آئے گی۔"

اماں خود ہی بولے جا رہی تھیں اور اسے ان پر ترس آنے لگا جو جانے کس طرح خود پر ضبط کر رہی تھیں کہ بولتے ہوئے ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔

اس نے آہستہ سے ان کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا پھر ابو کی طرف دیکھا تو وہ اماں سے بولے۔

"چلیں بہن! اسے آرام کرنے دیں۔"

"میں یہیں ہوں، گھر نہیں جاؤں گی۔" اماں یوں بولیں جیسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو پکار لینا۔ پھر اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل آئیں اور لابی میں فائقہ اور الیشبہ کے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی دینے لگیں۔

"اماں! مجھے بھی تو بھائی کے پاس لے چلو۔" الیشبہ نے کہا تو وہ اسے پچکار کر بولیں۔

"ابھی اسے سونے دے پھر جب اٹھے گا تو مل لینا۔"

"اماں راحل باتیں کر رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں پر مجھے لگ رہا ہے اسے درد بہت ہے۔ پتہ نہیں کتنے دن میں اچھا ہو گا۔"

"انشاء اللہ جلدی اچھا ہو جائے گا۔ چلیں اب گھر چل کر آپ بھی آرام کریں، ساری رات جاگتی رہی ہیں۔" اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو اماں نفی میں سر ہلا کر بولیں۔

"نہ بیٹی! میں آرام نہیں کر سکتی، نہ ہی مجھے نیند آئے گی جب تک......"

"اس طرح تو آپ بیمار پڑ جائیں گی۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا مجھے۔ تو الیشبہ کو لے جا۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" الیشبہ نے بھی منع کر دیا تو اس نے ان سے اصرار نہیں کیا اور اٹھ کر ابو اور عظام کے پاس چلی آئی۔

"بیٹا! اب کیا پروگرام ہے؟" ابو نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جیسے آپ کہیں۔ اماں اور الیشبہ تو گھر جانے کو تیار نہیں ہیں۔" اس نے بتایا تو ابو، عظام کو دیکھنے لگے۔

"یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اب پانچ بجے سے پہلے کوئی اسفندیار کے پاس نہیں جا سکتا۔" عظام نے کہا تو وہ اماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ بات آپ انہیں سمجھائیں۔"

"ہاں چلو۔ چلیں پھوپھا جان!" عظام چلتے چلتے رک کر اس سے پوچھنے لگے۔ "تم کہاں جاؤ گی؟"

"امی کے پاس، سب وہیں چلیں گے۔" اس نے کہا تو عظام تائید میں سر ہلا کر اماں کے پاس جا بیٹھے اور بمشکل انہیں چلنے پر آمادہ کر سکے تھے۔

☆☆☆

وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن امی کے گلے لگتے ہی آنسو اس روانی سے چھلکے تھے کہ پھر وہ بجائے ضبط کرنے کے پھوٹ پھوٹ کر یوں روئی کہ اوروں کے بھی آنسو بہہ نکلے۔ پھر ابو نے ہی اسے ڈانٹ کر چپ کرایا تھا اور رابعہ سے سب کے لیے ناشتے کا انتظام کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے تو اماں اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے امی سے کہنے لگیں۔

"بہت دکھ اٹھائے تمہاری بیٹی نے اتنی سی عمر میں۔ سر کا سائیں چلا گیا پھر اس ڈائن نے جو سلوک کیا۔"

"اللہ سمجھے گا اس سے، میں تو اس عورت کو بہت رحم دل اور ہمدرد سمجھتی تھی۔ مجھے پتہ ہوتا کہ وہ اتنی ظالم ہے تو ایک دن اسے وہاں نہ رہنے دیتی۔"

"امی! بس چھوڑیں ان کی باتیں اور اماں آپ خدا کے لئے ناشتہ کر کے سو جائیں۔ ورنہ راحل مجھے الزام دے گا کہ میں نے آپ کا خیال نہیں رکھا۔"

وہ دونوں کو ٹوک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے منہ ہاتھ دھویا پھر کچن میں آئی تو رابعہ ناشتے کے لوازمات ٹرے میں رکھ رہی تھی اور سوہنی اس کے بچے کو بوائل انڈا کھلانے میں مصروف تھی۔

"ہیں! یہ اتنی جلدی تم سے مانوس ہو گیا۔"

"مجھ سے سب بچے مانوس ہو جاتے ہیں اور یہ تو میرا اپنا ہے۔" سوہنی، احمد کو چومتے ہوئے کہنے لگی تو رابعہ اسے دیکھ کر نظریں چرا گئی پھر اس سے بولی۔

"یہ ناشتہ لے جاؤ، میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

"تھینک یو۔" وہ ٹرے اٹھا کر اندر آ گئی اور اس سے زیادہ امی نے اصرار کر کے اماں اور الیشہ کو کھانے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس نے زبردستی اماں کو سلا دیا۔ نیند تو اسے بھی آ رہی تھی، دل چاہ رہا تھا لمبی تان کر سو جائے لیکن رابعہ نے اسے گھیر لیا تھا۔

"اب تم کیا سننا چاہتی ہو۔ کہانی تو ختم ہو گئی۔" اس نے رابعہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی کہا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں دانت پیس کر بولی۔

"مجھے کوئی کہانی نہیں سننی۔ میں تو تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آخر تمہیں کس بات نے میڈم کی سختیاں برداشت کرنے پر مجبور کیا تھا اور تم یہاں آنے کے بجائے اسفندیار کے ساتھ کیوں چلی گئیں؟"

"کیونکہ ماما، اسفندیار تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور یہاں تو وہ ہر روز چلی آتیں اور صرف مجھے ہی نہیں تم سب لوگوں کو بھی ریشان کرتیں اس لئے میں نے اسفندیار کے ساتھ جانے میں عافیت سمجھی تھی۔"

اس کے لیے جیسے اب ہر بات بے معنی ہو کر رہ گئی تھی جب ہی سرسری انداز میں بتاتے ہوئے اس نے لمبی جمائی لی تو رابعہ اس کا بازو کھینچ کر بولی۔

"سنو تم مجھے چکر نہیں دے سکتیں۔ سچ بتاؤ اصل چکر کیا تھا۔"

"یا اللہ، کہیں تم بھی ماما کی طرح یہ تو نہیں سمجھ رہیں کہ میرا اسفندیار کے ساتھ پہلے سے چکر ہو گا۔" اس نے عاجز آ کر کہا تو رابعہ ہونٹ بھینچ کر خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"ایسے مت دیکھو، میں تمہیں سچ بتاتی ہوں اور سچ یہ ہے کہ میں شہریار کے ساتھ ہی مر گئی تھی۔ میں اسے مرنا ہی کہوں گی کیونکہ سارے احساسات میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ پھر بتاؤ میں ماما کے ساتھ کیسے جنگ کرتی وہ جو کہتیں، میں سن لیتی، مان لیتی لیکن جب انہوں نے کہا کہ وہ میرا بچہ لے کر ہمیشہ کے لیے لندن چلی جائیں گی تب بھی میں صرف خوفزدہ ہوئی تھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں ان کے مقابل کھڑے ہو کر انہیں چیلنج کر سکتی۔ صرف اس لیے کہ میرا ذہن یکسوئی سے سوچنے سے قاصر تھا۔ ورنہ تم جانتی ہو میں اتنی کمزور کبھی نہیں تھی۔ بس شیری کے سانحے نے مجھے بالکل توڑ دیا تھا۔ ایسے میں اسفندیار کی آمد سمجھو خدا کی طرف سے مدد تھی جو وہ مجھے اس گھر سے نکال کر لے گئے اگر میں کچھ دن اور وہاں رہتی تو سچ مچ مر جاتی۔"

وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔ "جھنجھوڑنے، اکسانے پر بھی مجھے کوئی احساس نہیں ملتا تھا۔ کبھی کبھی میں اپنے دل کو ٹٹولنے لگتی کہ جانے سینے میں یہ گوشت کا لوتھڑا ہے بھی کہ نہیں، نہیں تھا جب ہی تو مجھ پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ نہ خوبصورت رنگ، نہ موسم اور نہ اسفندیار کی والہانہ نظروں نے

کوئی ہلچل مچائی تھی۔"

وہ آخری بات پر خود ہی چونکی اور رابعہ کی معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر جز بز ہو کر بولی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" رابعہ نے فوراً کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"بہر حال میں نہیں چاہتی تھی کہ اسفندیار میری طرف پیش رفت کرے، کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ اسے مایوسی ہو گی لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی ہے۔ میرے حوصلہ شکن رویوں کے باوجود باز نہیں آیا۔ پھر یہاں آ کر تو عجیب بات ہوئی۔ ماما مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر یہ سمجھیں میں نے اسفندیار کے ساتھ شادی کر لی ہے اور ہم نے ان کی غلط فہمی یوں دور نہیں کی کہ وہ مجھ پر مزید جبر نہ کر سکیں ورنہ تو وہ اسی وقت مجھے نکال باہر کرتیں پھر میں کہاں جاتی۔"

"تو اسی لیے میڈم نے اسفندیار کو مارنے کی کوشش کی ہے۔" رابعہ نے کہا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"شاید ہاں، شاید اس لیے کہ میں پھر اکیلی ہو جاؤں گی اور وہ مجھ پر حاوی ہو جائیں گی، لیکن اب میں ان سے لڑ سکتی ہوں بلکہ لڑ رہی ہوں۔"

"اسفندیار کی شہہ پر؟" رابعہ نے جانے کیا سوچ کر پوچھا تھا لیکن وہ نفی میں سر ہلا کر صاف گوئی سے بولی۔

"نہیں عظام بھائی کو دیکھ کر۔"

"کیا؟" رابعہ اچھل پڑی۔

☆☆☆

"ہاں رابعہ! تم جانتی تو ہو کہ میں ہمیشہ سے ان کی دیوانی ہوں۔ رات جب وہ ابو کے ساتھ آئے تھے تو انہیں دیکھتے ہی میں پھر سے زندہ ہو گئی۔ حیرت انگیز طور پر میرے سارے احساسات کو بند کی مل گئی تھی۔ یوں کہ میں ہنسنا بھی چاہتی تھی اور رونا بھی۔ میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں رابعہ کہ اس ایک لمحے نے مجھے کیا دیا۔ میں اب اور کچھ نہیں مانگوں گی، میری بقیہ ساری زندگی کے لیے وہ ایک گلاب لمحہ بہت ہے جب مجھے دیکھ کر عظام کا دل ان کے چہرے پر دھڑکا تھا اور پتہ ہے اس کا کیا رنگ تھا؟"

"بس۔" رابعہ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اور کچھ مت کہو اور بھول جاؤ اس ایک لمحے کو۔"

"بھول جاؤں؟ اپنی ایک عمر کی تپسیا کا حاصل بھول جاؤں؟ اس لمحے کو بھول جاؤں جس نے

مجھے زمین سے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں رابعہ! اس وقت میرے قدم زمین پر نہیں تھے۔ میں آسمان پر چل رہی تھی۔ ستارے میرے پاؤں کے نیچے تھے۔"

"خدا کے لیے پاگل پن کی باتیں مت کرو۔" رابعہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ "سوہنی اور عظام بھائی کی بات طے ہو چکی ہے۔"

"سوہنی، عظام بھائی؟" وہ حیرت میں گھر گئی۔

"ہاں، تم اپنی دیوانگی اپنے تک رکھو۔" رابعہ نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس پڑی۔

"میری دیوانگی میں کبھی کوئی غرض تھی، نہ ہے۔ خیر تم میری بات چھوڑو۔ سوہنی کا بتاؤ۔ کیسے ہو یہ سب؟ کیا عظام بھائی نے خود کہا تھا؟"

"ہاں۔" رابعہ نے پہلے اسی قدر کہا پھر اس کے اصرار پر سارا واقعہ کہہ سنایا تو اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ کتنی دیر تک وہ کچھ بول ہی نہیں سکی بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے رابعہ کو دیکھتی رہی تھی۔

"اب تم سوہنی کے سامنے ذکر مت کرنا۔ بہت مشکل سے سنبھلی ہے وہ۔" رابعہ نے سرزنش کی تو وہ دکھ سے بولی۔

"اتنا ظلم پتہ نہیں اللہ ایسے لوگوں کو اتنی ڈھیل کیوں دیتا ہے؟"

"اب اللہ کرے ساری عمر جیل میں سڑتی رہیں۔ میں ایک بار ان کے پاس جاؤں گی ضرور۔" رابعہ نے کہا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"کیوں، تم کیوں جاؤ گی؟"

"یہ دیکھنے کہ وہ چکی پیستے ہوئے کیسی لگتی ہیں۔" رابعہ کہہ کر ہنسنے لگی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ بہت پیسے والی ہیں وہ۔ دیکھنا رشوت دے کر دو دن میں باہر آجائیں گی۔" اس نے کہا تو رابعہ جوش سے بولی۔

"جی نہیں یہ اقدام قتل کا کیس ہے۔" پھر اچانک مایوس ہو کر کہنے لگی۔ "نہیں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو یہاں پیسے والوں کے لیے کوئی قانون نہیں ہے بلکہ قانون ان کی مٹھی میں ہے اور میرا خیال ہے دو دن بھی بہت ہیں۔ وہ شاید آج ہی گھر پہنچ جائیں گی۔"

"اللہ نہ کرے۔ اسفندیار کے ٹھیک ہونے تک ان کی ضمانت نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔" اس نے کچھ سہم کر کہا تو رابعہ اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

"ابھی تو کہہ رہی تھیں۔ کہ تم ان سے لڑ سکتی ہو؟"

"میں اپنے لیے نہیں کہہ رہی۔ اماں اور الیشبہ کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ وہ دونوں بہت ڈری ہوئی ہیں اور اچھا ہوا یہاں آگئیں۔"

"کب تک یہاں رہیں گی؟" رابعہ نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"جب تک اسفندیار ٹھیک نہیں ہو جاتے اور شاید اب یہ لوگ یہاں نہ رہیں واپس مظفر گڑھ چلے جائیں گے۔"

"یہ تو بزدلی ہے۔" رابعہ فوراً بولی۔ تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی پھر تکیہ کھینچ کر بولی۔

"اب تو مجھے سونے دو۔"

"لو میں نے منع کیا ہے سو جاؤ۔" رابعہ کہتے ہوئے اٹھ گئی تو وہ فوراً لیٹ گئی تھی۔

☆☆☆

بیگم آفندی نے ایس پی کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا بلکہ یوں بنی رہیں جیسے وہ اس کی بات سمجھ ہی نہیں رہیں اور بس یہی کہتی رہیں کہ شیری مر گیا۔ رات بھر انہوں نے ناٹک کیا تھا اور صبح کے قریب تھک کر سو گئیں تو پھر دن کے گیارہ بجے ان کے ذاتی وکیل احسان احمد نے انہیں اٹھایا تھا۔

"کون؟" بیگم آفندی نے فوری طور پر احسان احمد کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا۔

"بیگم صاحبہ! گھر چلیں۔ میں نے ضمانت کے کاغذات جمع کروا دیے ہیں۔"

احسان احمد نے کہا تو ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں لیکن پھر ایس پی کو دیکھ کر اسی انداز میں بولیں۔

"میں شیری کے پاس جاؤں گی۔"

"جی وہیں چلتے ہیں۔" احسان احمد نے انہیں بچے کی طرح بہلاتے ہوئے کہا پھر ایس پی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔

"آپ نے شاید انہیں پہچانا نہیں۔ یہ جیلان ماربل انڈسٹریز کی مینجنگ ڈائریکٹر بیگم جیلان آفندی ہیں۔"

"ان کی دماغی حالت۔" ایس پی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ احسان احمد بول پڑے۔

"میں بھی یہی پوچھنے والا تھا کہ کہیں آپ نے انہیں ٹارچر تو نہیں کیا۔"

"جی نہیں بغیر کورٹ سے اجازت حاصل کیے ہم سختی نہیں کر سکتے اور ابھی تو کسی نے ان کے خلاف پرچہ بھی نہیں کٹوایا تھا۔" ایس پی نے بتایا تو احسان احمد مطمئن ہو کر بولے۔

"اوکے۔ میں انہیں گھر لے جا رہا ہوں۔ پھر آپ سے رابطہ کروں گا۔"

ایس پی نے کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔ تب احسان احمد، بیگم آفندی کے ساتھ باہر نکل آئے اور جیسے ہی گاڑی میں بیٹھے وہ فوراً مصنوعی لبادہ اتار کر پوچھنے لگیں۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟"

"اخبار نے......" احسان احمد نے چونکے ٹھٹکے بغیر جواب دیا تو وہ دانت پیس کر بولیں۔

"اخبار میں بھی خبر لگ گئی۔ کیا کیا لکھا اخبار والوں نے؟"

"آپ خود دیکھ لیں۔" احسان احمد نے سامنے سے اخبار اٹھا کر انہیں تھما دیا۔

"مائی فٹ۔" انہوں نے سرسری نظر ڈال کر اخبار پیچھے اچھال دیا پھر خود ہی کہنے لگیں۔

"وہ جیلان آفندی کا بیٹا ہے۔ بچپن میں اس کی ماں اسے لے کر بھاگ گئی تھی۔ اور اب وہ ہے تو مجھے دھمکیاں دیتا ہے۔ رات بھی پہل اس نے کی تھی اور میں نے اپنے بچاؤ کے لیے ریوالور نکالا تھا جسے چھیننے کے لیے وہ مجھ پر جھپٹا تھا جس کی وجہ سے گولی چل گئی ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بہر حال یہ اچھا ہوا کہ آپ جلدی آ گئے۔"

"جی! میں صبح اخبار دیکھتے ہی کورٹ بھاگا تھا۔ آپ نے ایس پی کو کوئی بیان تو نہیں لکھوایا؟" احسان احمد نے آفندی ہاؤس کے گیٹ پر گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں نے اس کے سامنے خود کو نارمل ظاہر ہی نہیں کیا۔" وہ نیچے اتر آئیں اور احسان احمد کا خیال کیے بغیر بہت تیزی سے اندر آئیں اور لاؤنج میں رک کر یہ جاننے کی کوشش کرنے لگیں کہ گھر میں کوئی ہے بھی کہ نہیں۔

"کیا بات ہے بیگم صاحب؟" احسان احمد نے اندر آ کر پوچھا۔

"وہ اسفندیار کا کیا ہوا؟ آئی مین زندہ ہے یا مر گیا۔" انہوں نے احسان احمد کی طرف متوجہ ہو کر نہایت سفاکی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" احسان احمد نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ تنک کر بولیں۔

"کیوں؟ اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں لگی؟"

احسان احمد خاموش رہے تو وہ انہیں بیٹھنے کا کہہ کر ملازمہ کو پکارتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئیں۔

"جی بیگم صاحب!" ملازمہ گھبرائی اور سہمی ہوئی فوراً ہی ان کے پیچھے آ گئی تھی۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں۔ پہلے وارڈ روب کھول کر اپنا سوٹ نکالا پھر بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگیں۔

"فائقہ کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں جی صبح گئے ہیں سب۔" ملازمہ نے بتایا تو وہ "سب" پر اندر ہی اندر کچھ حیران ہوئیں، لیکن ہنوز اسی انداز میں پوچھنے لگیں۔

"سب کون؟"

"جی بڑی بیگم صاحب، ان کی بیٹی اور فائقہ بی بی اور ان کے ابو بھی ساتھ تھے۔"

"اور اسفندیار؟" انہوں نے اب براہ راست ملازمہ کو دیکھا تو وہ مزید سہم کر بولی۔

"انہیں تو جی رات ہی کو فائقہ بی بی کے بھائی اسپتال لے گئے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے صبح سب ہاسپٹل گئے ہیں۔" انہوں نے سمجھ کر گویا خود سے کہا پھر ملازمہ سے بولیں۔

"ٹھیک ہے تم احسان صاحب کے لیے چائے وغیرہ لے جاؤ میں شاور لے کر آتی ہوں۔"

ملازمہ چلی گئی اور انہوں نے واش روم کا رخ کیا۔

رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں پھر صبح بینچ پر سونے سے ان کی کمر اور گردن بھی اکڑ گئی تھی۔ لیکن ابھی وہ خود پر کوئی بات طاری نہیں کرنا چاہتی تھیں نہ ہی انہوں نے کسی تکلیف کو اہمیت دی۔ کیونکہ سب سے پہلے انہیں اپنا دفاع کرنا تھا اور سوچنے کے لیے تو ان کے پاس رات بھی بہت تھی۔ لیکن وقفے وقفے سے ایس پی کے سوالات ان کا ذہن منتشر کرتے رہے تھے۔ اس لیے وہ یکسوئی سے نہیں سوچ سکی تھیں اور اب وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ شاور لیتے ہوئے بھی انہوں نے بہت کچھ سوچ ڈالا تھا لیکن جب احسان احمد کے پاس آئیں تب پہلے اپنا خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان سے پوچھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے، تو احسان احمد چائے کا کپ رکھ کر پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔

"ابھی رپورٹ درج نہیں ہوئی بیگم صاحب! اور ہونی بھی نہیں چاہیے۔ میرا مطلب ہے، اس ایس پی کو کچھ دے دلا کر اس معاملے کو یہیں ختم کر دیں۔"

"ہوں میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ لیکن اسفندیار۔" انہوں نے سوچتے ہوئے کہا تو احسان احمد پوچھنے لگے۔

"اسفندیار کہاں ہیں اس وقت؟"

"ہاسپٹل میں، مجھے ابھی ملازمہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہاسپٹل میں ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ بچ گیا ہے اور ظاہر ہے ٹھیک ہونے کے بعد چین سے تو نہیں بیٹھے گا۔"

"آپ اس کے ٹھیک ہونے سے پہلے ہی ایس پی سے معاملہ طے کر کے کچھ عرصہ کے لیے باہر چلی جائیں۔"

احسان احمد نے کہا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگیں۔

"ایس پی مان جائے گا؟"

"کیوں نہیں، پیسے میں بڑی طاقت ہے۔ پانچ، دس لاکھ تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں

دیکھے ہوں گے اور آپ کے لیے یہ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔ اپنا صدقہ اتار کر دے دیجئے گا۔"

احسان احمد یقین سے کہہ کر آخر میں مسکرائے تو ان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں چیک لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں اور چیک بک نکالنے کے لیے دراز کھولتے ہی ٹھٹک گئیں گو کہ فائقہ نے ہر شے اسی ترتیب اور احتیاط سے رکھی تھی پھر بھی وہ تاڑ گئیں کہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی اس کمرے میں نہ صرف آیا بلکہ تلاشی بھی لی گئی ہے۔ اگر یہ کام پولیس کرتی تو کمرے کی حالت کچھ اور ہوتی۔

انہوں نے ایک نظر میں سارے کمرے کا جائزہ لیا پھر چیک سائن کر کے واپس لاؤنج میں آ گئیں اور احسان احمد کو چیک تھماتے ہوئے بولیں۔

"بلینک چیک ہے ایس پی جتنی رقم مانگے لکھ دیجئے گا۔"

"بس بیگم صاحبہ! آپ مطمئن ہو جائیں اور فوراً لندن یا امریکہ کے ٹور پر نکلنے کی کوشش کریں۔" احسان احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں یوں بھی لندن جانے والی تھی۔ بس ابھی ٹکٹ کنفرم کروا لیتی ہوں۔ آپ معاملہ طے ہوتے ہی مجھے اطلاع کر دیجئے گا۔"

"جی، میں سیدھا وہیں جا رہا ہوں۔" احسان احمد اجازت لے کر چلے گئے تو وہ تیر کی سی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف لپکی تھیں۔

❁❁❁

صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی الیشبہ نے بھائی کے پاس جانے کی رٹ لگا دی تھی، جبکہ اماں کل شام کو گئی تھیں تو پھر وہیں رہ گئی تھیں۔ بہرحال وہ خود بھی اسفندیار کو دیکھنا چاہتی تھی لیکن ابو آفس جانے کے لئے تیار تھے اور عثمان کے پیپرز ہو رہے تھے، اس لئے وہ جلدی نکل گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر الیشبہ کا دھیان بٹانے کی کوشش کی پھر شام کو چلنے کا وعدہ بھی کیا لیکن وہ بضد تھی۔ تب اس نے رابعہ سے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ سستی سے بولی۔

"کیوں؟ تم نہیں لے جا سکتیں یار! راستے بھول گئی ہو یہاں کے؟"

"میں کچھ نہیں بھولی۔ بس اکیلے چلنا بھول گئی ہوں۔" اس نے کہا۔ رابعہ فوراً بولی۔

"اکیلی کیوں، الیشبہ ہو گی نا تمہارے ساتھ۔"

"اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ بس تم چلو۔" وہ زچ ہو کر بولی اور امداد طلب نظروں سے امی کو دیکھا تو وہ رابعہ کو ڈانٹ کر بولیں۔

"کیوں نخرے کر رہی ہو، جاؤ اس کے ساتھ۔"

"رکشہ پر جاؤں گی اور پیسے تم دو گی۔" رابعہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ الیشبہ کو چلنے کا اشارہ کر کے امی سے بولی۔

"اچھا امی! احمد کا خیال رکھئے گا۔"

"یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" رابعہ نے ٹوکا تو وہ ہنستے ہوئے الیشبہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔

صبح آفس ٹائم کی وجہ سے ہر موڑ پر ٹریفک جام تھا۔ جب ہی پون گھنٹے کا راستہ ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوا تھا اور تقریباً گیارہ بجے جب وہ ہاسپٹل پہنچیں تو پہلے مرحلے پر ڈاکٹر عفان سے سامنا ہو گیا جو رابعہ کو قصداً نظرانداز کر کے اس کی طرف بڑھے تھے۔

"فائقہ! تم خیریت سے تو ہو؟"

"جی عفان بھائی! السلام علیکم۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ رک گئی تو رابعہ اُسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں، تم یہاں کیسے۔ کون ہے یہاں؟" ڈاکٹر عفان نے جواب دینے کے ساتھ پوچھا تو وہ محض ان کے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر بولی۔

"میرے ایک عزیز ہیں، سسرالی عزیز۔ انہیں دیکھنے آئی ہوں۔"

"اچھا اچھا، اور تم ٹھیک ہو؟"

"جی!"

"کہاں چلی گئی تھیں؟"

"بعد میں بتاؤں گی عفان بھائی! ابھی میں......" وہ کچھ جزبز ہو کر بولی۔

"ہاں ہاں، اپنے مریض کو دیکھ آؤ پھر میرے پاس آنا۔ میرا روم وہی ہے۔ یاد ہے نا؟" ڈاکٹر عفان کے چہرے پر گئے دنوں کا عکس لہرایا تھا۔

اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا اور پھر الیشبہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی تو وہ پوچھنے لگی۔

"باجی! کون تھا یہ؟"

"یہ میرے بہنوئی ہیں۔ رابعہ کے شوہر۔" اس نے بتایا تو الیشبہ تعجب سے پوچھنے لگی۔

"تو رابعہ باجی انہیں دیکھ کر چلی کیوں گئیں؟"

"اس کا دماغ خراب ہے۔ خیر چھوڑو، تم راحل کے سامنے رونا مت اور اماں سے بھی کہنا اب گھر چلیں، ورنہ اس طرح تو وہ بیمار پڑ جائیں گی۔" وہ الیشبہ کو سمجھاتے ہوئے اماں کے پاس آئی تو وہ ان دونوں کو دیکھتے ہی بولیں۔

"اب ٹھیک ہے راحل۔"

"اماں! مجھے بھی بھائی کے پاس لے چلو نا۔" الیشبہ نے فوراً کہا تو اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں چل، پر اس سے زیادہ باتیں نہیں کرنا۔"

"نہیں کروں گی۔ باجی! تم بھی چلو۔" الیشبہ نے اس سے کہا تو وہ اماں کی جگہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم دیکھ آؤ پھر میں جاؤں گی۔"

"ہاں۔ ڈاکٹر بھی یہی کہہ رہا تھا، باری باری جانا۔" اماں کہتے ہوئے الیشبہ کو ساتھ لے کر چلی گئیں تو وہ رابعہ کا ہاتھ ہلا کر پوچھنے لگی۔

"اے، تمہاری ابھی عفان بھائی سے ناراضی ختم نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ اور تمہیں بھی ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" رابعہ کے لہجے میں وہ پہلے والی تیزی اور تنفر نہیں تھا جس سے اسے حوصلہ ہوا۔

"کیوں نہیں، میں تو ضرور بات کروں گی۔ پہلے راحل کو دیکھ لوں پھر ان کے پاس جاؤں گی۔"

"کیوں؟" اب رابعہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا تھا لیکن اس پر اثر نہیں ہوا تھا۔ لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہنے لگی۔

"بلایا ہے انہوں نے۔ کہہ رہے تھے اپنے مریض کو دیکھ آؤ پھر میرے پاس آنا۔ یقیناً انہوں نے مجھ سے بہت ساری باتیں کرنی ہوں گی۔"

"ہاں۔ ایک تم ہی فالتو ہو، ہر ایک کے دکھ درد سمیٹنے بیٹھ جاتی ہو۔" رابعہ نے سر جھٹک کر کہا۔

"دکھ درد۔ اس کا مطلب ہے تم مانتی ہو کہ وہ تمہارے بغیر دکھی ہیں۔" اس نے قصداً ذرا سا ہنس کر کہا تو رابعہ چڑ کر بولی۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"تو کام کی بات سن لو۔ مرد کے بغیر عورت کٹی پتنگ کی طرح ڈولتے ہوئے جن ہاتھوں میں گرتی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ پہلے اسے پیار سے سینے لگائے پھر آسمان کی وسعتوں میں کھلا چھوڑ دے۔ مجھے دیکھو، شیری کے بعد کیسے بھٹکتی پھرتی ہوں۔ تم خوش قسمت ہو رابعہ! تمہارا شوہر ہے، گھر ہے۔ ان کی سلامتی کے لئے کسی قربانی سے مت کتراؤ۔ چلو، میں تمہاری عفان بھائی سے صلح کرا دوں۔" اس نے بہت دھیرج سے سمجھاتے ہوئے کہا تو رابعہ جو غیر ارادی طور پر بہت خاموشی سے سننے لگی تھی، اس کی آخری بات پر منہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی، جس سے وہ یہ سمجھی کہ وہ منتیں کرانا چاہ رہی ہے۔ تب ہی اس کا بازو تھام کر بہت منت سے بولی۔

"چلو نا رابعہ! سچ امی ابو خوش ہو جائیں گے۔"

"کیا چاہتی ہو تم! چلی جاؤں؟" رابعہ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"میں بھی تو چلنے کو ہی کہہ رہی ہوں، عفان بھائی کے پاس۔" وہ کہہ کر فوراً پیچھے ہٹ گئی تو رابعہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، جا رہی ہوں۔"

"کہاں...... کہاں جا رہی ہو؟" اس نے پوچھا لیکن رابعہ جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گئی تو وہ اس کے پیچھے جانے کے لئے اٹھی، لیکن پھر اماں اور الیشبہ کو آتے دیکھ کر وہیں رک گئی۔

"راحل کیسا ہے اماں؟"

"شکر ہے اللہ کا، جا دیکھ آ۔" اماں نے کہا تو اس نے پہلے اس طرف دیکھا، جدھر رابعہ گئی تھی پھر دل ہی دل میں اس پر افسوس کرتے ہوئے راحل کے پاس آ گئی۔

"کیسے ہو؟"

''تم کیسا دیکھنا چاہتی ہو؟''

''بہت اچھا۔ بس جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ اماں بہت پریشان ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

''تم اپنی بات کرو۔''

''یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ آئی ایم سوری۔'' وہ بات بدل گئی۔

''اوں ہوں۔ جب تم نہیں تھیں، تب بھی تو انہوں نے ایسی کوشش کی تھی۔ خیر ان سب باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ، گھر والوں سے مل کر خوش ہو؟'' راحل نے پوچھا تو وہ قدرے رک کر بولی۔

''جب تم اپنے گھر پہنچ جاؤ گے تب خوش ہوں گی۔''

''کون سے گھر، مظفر گڑھ والے؟''

''نہیں، آفندی ہاؤس۔''

''اماں تو وہاں جانے کو تیار نہیں ہیں۔ بہر حال جب تک میں یہاں ہوں تم اگر انہیں اپنے ساتھ رکھو تو......''

''غیریت برتنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے زیادہ ممنونیت کا اظہار کر سکتی ہوں۔'' اس نے فوراً ٹوک کر کہا تو وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''دیکھو، میں ابھی ہنس نہیں سکتا۔''

''میں نے کوئی ہنسنے والی بات نہیں کی۔ اور ہاں، تم نے کچھ کھایا بھی ہے اور اماں نے؟ میں الیشبہ کے جلدی کرنے پر کچھ لا ہی نہیں سکی۔'' اس نے اچانک خیال آنے پر پوچھا۔

''تمہارے عظام بھائی لے آئے تھے۔'' اس نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

''عظام بھائی؟''

''ہاں، صبح اماں اور مجھے ناشتہ کرا گئے ہیں اور شام میں آنے کو بھی کہہ گئے ہیں۔''

''اچھا پھر میں شام کو ان کے ساتھ آؤں گی۔ اور ہاں، ابھی میں اماں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔''

''میں نے بھی انہیں جانے کے لئے کہا ہے اور اب تم بھی جاؤ۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔'' اس نے کہہ کر آنکھیں بند کر لیں تو وہ جاتے جاتے پھر رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

''کچھ نہیں۔'' وہ بوکھلا کر جانے لگی کہ اس نے پکار لیا۔

''سنو۔''

وہ رک گئی۔

''یہاں آؤ۔'' وہ اب اُسے دیکھ کر بولا تو وہ خاموشی سے بیڈ کے قریب آ گئی۔

''ایک بات پوچھوں، سچ سچ بتانا۔'' اس نے کہا تو وہ اندر ہی اندر کچھ خائف ہو کر بولی۔

''پوچھو۔''

''اگر میں مر جاتا تو تمہیں کتنا دکھ ہوتا۔ شیری سے زیادہ؟'' اس نے پوچھا تو وہ الجھ کر بولی۔

''تم اپنا موازنہ شیری سے کیوں کرتے ہو؟''

''تم صرف میری بات کا جواب دو۔''

''تمہاری فضول بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''صرف ہاں یا نہیں۔'' اس نے اصرار کیا۔

''ٹھیک ہے۔ جب تم گھر آؤ گے، تب بتاؤں گی۔'' وہ کہہ کر قصداً مسکرائی اور اس کے آنکھیں بند کرنے پر فوراً باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆

رابعہ جس طرح ناراضی سے اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی، اسی انداز میں سیدھی ڈاکٹر عفان کے رُوم میں داخل ہو کر انہیں گھورنے کھڑی ہو گئی تھی۔

''دیکھو، یہاں کوئی ہنگامہ نہیں کرنا۔'' ڈاکٹر عفان اس کے تیکھے تیور دیکھ کر فوراً بولے تھے۔

''اتنی جاہل نہیں ہوں میں۔'' وہ کہہ کر خاصے جارحانہ انداز میں ان کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تو وہ دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''فائقہ کہاں ہے؟''

''کیوں، فائقہ سے کیا کام ہے آپ کو؟''

''اس کا مطلب ہے تم اس سے لڑ کر آ رہی ہو۔ یار! وہ تو بڑی ''بی بی'' لڑکی ہے۔ اس سے کیوں لڑتی ہو؟'' انہوں نے خاصے دوستانہ انداز میں کہا تو وہ جس طرح بیٹھی تھی، اسی طرح کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اس ''بی بی'' کے کہنے پر آپ کے پاس آئی تھی۔''

''پھر؟''

''پھر اب اپنی مرضی سے جا رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر جانے لگی تو وہ فوراً اُسے روکتے ہوئے بولے۔

''سنو، ہمیشہ اپنی مرضی سے مت چلا کرو۔ کبھی کبھی دوسروں کی بھی مان لینی چاہئے۔''

"مجھے عادت نہیں ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"عادت ڈالو بیوی! نہیں تو بہت پچھتاؤ گی۔" انہوں نے زور دے کر کہا تو وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"میں جانتی ہوں پھر بھی اپنی عادت نہیں بدلوں گی، کوشش بھی نہیں کروں گی کیونکہ دوسروں کے اشاروں پر کٹھ پتلی بننے سے بہتر ہے کہ میں پچھتالوں۔"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم......" انٹرکام کی بزر سے انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ریسیور اٹھا لیا تھا پھر اسے دیکھ کر بولے۔

"میرے پیشنٹ آ گئے ہیں۔ تم چاہو تو ادھر بیٹھ سکتی ہو یا پھر میں شام کو گھر آ جاؤں گا تو پھر وہیں بات کریں گے۔"

وہ منع کرتے کرتے رہ گئی۔ اثبات میں سر بھی نہیں ہلایا، یونہی باہر نکل آئی تھی۔ پھر بھی اسے یقین تھا کہ وہ ضرور آئیں گے اور وہ لاشعوری طور پر ان کی منتظر بھی تھی۔ تب ہی سہ پہر میں جب فائقہ نے کہا کہ وہ ماموں جی کی طرف جانا چاہتی ہے تو وہ بے اختیار بولی۔

"نہیں، ابھی ڈاکٹر عفان آئیں گے۔"

"سچ۔" فائقہ نے خوشی کا اظہار کیا تو وہ جزبز ہو کر بولی۔

"تم کیوں خوش ہو رہی ہو؟"

"تمہارے ملن کے خیال سے۔"

"ملن، ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا تو فائقہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"نہیں رابعہ! اب ان سے جھگڑا مت کرنا اور نہ ہی کوئی شرط رکھنا۔"

"نہیں رکھوں گی لیکن اگر تم یہ چاہ رہی ہو کہ وہ آئیں اور میں خوشی خوشی ان کے ساتھ چلی جاؤں تو یہ نہیں ہوگا۔" اس نے گہری سانس کھینچ کر کہا تو فائقہ فوراً پوچھنے لگی۔

"پھر کیا ہوگا؟"

"پتہ نہیں، ابھی میں نے خود کچھ طے نہیں کیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ بہرحال تم امی کو بتا دو اور یہ بھی سمجھا دو کہ ڈاکٹر عفان کے سامنے زیادہ بچھنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور پہلے آئینے میں اپنا جائزہ لیا پھر الماری سے سوٹ نکال کر استری کرنے کھڑی ہو گئی، گو کہ ابھی اس کا کپڑے بدلنے کا ارادہ نہیں تھا۔ محض خود کو مصروف رکھنا چاہ رہی تھی۔ یہ اس کی شعوری کوشش تھی، تب ہی آہٹوں پر چونک رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جب سوہنی نے آ کر ڈاکٹر عفان کے آنے کا بتایا تو وہ پہلے کی طرح یہ نہیں کہہ سکی کہ "میں کیا کروں۔" اس کے برعکس بہت آرام سے بولی تھی۔

"امی کو بتاؤ۔"

"امی وہیں ہیں۔" سوہنی نے کہا تو وہ استری کا پلگ نکال کر پوچھنے لگی۔

"اور مہمان لوگ کہاں ہیں؟"

"مہمان لوگ؟" سوہنی سمجھی نہیں۔

"وہی، الیشبہ اور اس کی اماں۔"

"الیشبہ کچن میں ہے اور اس کی اماں نماز پڑھ رہی ہیں۔ آپ آ رہی ہیں نا عفان بھائی کے پاس؟" سوہنی نے بتا کر بڑی آس سے کہا۔

"ہاں، آ رہی ہوں۔" اس کی آمادگی پر سوہنی خوش ہو کر بولی۔

"باجی! عفان بھائی بہت اچھے ہیں۔"

"اچھا تم جاؤ۔" اس نے سوہنی کو بھیج دیا اور کچھ سوچنے کے بعد کمرے سے نکل کر سیدھی ڈرائنگ روم میں آتے ہی براہِ راست ڈاکٹر عفان کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"جی، کیا بات کرنی تھی آپ کو؟"

"مجھے؟" ڈاکٹر عفان نے کچھ بوکھلا کر پہلے امی کو دیکھا پھر اُسے...... اور دل تو چاہا اس سرپھری لڑکی کو صاف جواب دے دیں کہ انہیں کوئی بات نہیں کرنی اور یہ کہ وہ امی اور خاص طور پر فائقہ سے ملنے آئے ہیں۔ لیکن یہ اس سرپھری لڑکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ابھی بھی اس کے سامنے بے بس ہو جاتے تھے، اور نہ ہی اسے ہمیشہ کے لئے کھونا چاہتے تھے، تب ہی بہت سنبھل کر دھیرج سے بولے۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"ہاں بیٹھو، آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔" امی نے بھی فوراً ان کی تائید کرتے ہوئے کہا تو وہ بظاہر بادل نخواستہ بیٹھ گئی۔

"چلیں، آپ لوگ باتیں کریں۔ آیئے امی! ہم......" فائقہ کہتے ہوئے اٹھنے لگی تو وہ روک کر بولی۔

"نہیں۔ جو بات ہوگی، سب کے سامنے ہوگی۔"

فائقہ نے ڈاکٹر عفان کو دیکھا تو وہ ذرا سا کندھے اچکا کر مسکرائے پھر اسے دیکھ کر بولے۔

"ابھی فائقہ کہہ رہی تھی کہ تم میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو۔"

"ہیں۔" فائقہ ایک پل کو بوکھلائی تھی اور دوسرے پل حیران ہو گئی کیونکہ وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

"ہاں۔"

"گڈ۔" ڈاکٹر عفان خوش ہو گئے تو وہ اندر ہی اندر جیسے خود سے لڑتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں ابھی یہاں نہیں جاؤں گی۔ میرا مطلب ہے، میں پہلے آپ کے گاؤں جاؤں گی، وہاں سب سے ملوں گی، اس کے بعد کا میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

ڈاکٹر عفان کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے جس سے امی نے مایوس ہو کر فائقہ کو دیکھا تو اس نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر عفان جانے کیا سوچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو۔"

"ابھی؟" رابعہ نے یوں کہا جیسے یہ کوئی جانے کا وقت ہے۔

"ہاں، ابھی۔" ڈاکٹر عفان اس سے کہہ کر امی سے پوچھنے لگے۔

"آپ کی اجازت ہے، میں اسے گاؤں لے جاؤں؟"

"میری اجازت کی کیا ضرورت ہے بیٹا! تمہاری بیوی ہے۔" امی نے کہا تو فائقہ ان کی تائید کرنے لگی۔

"بالکل۔ آپ جب چاہیں، جہاں چاہیں اسے لے جا سکتے ہیں۔"

"چلو رابعہ! ابھی نکلیں گے تو پھر رات بارہ بجے تک انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔" ڈاکٹر عفان نے اپنی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھ کر اس سے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی لیکن پھر رک کر بولی۔

"میرا خیال ہے پہلے ابو آ جائیں۔"

"ابو منع نہیں کریں گے۔ تم چلو۔" ڈاکٹر عفان نے کہہ کر امی کو دیکھا تو انہوں نے فوراً تائید کر دی۔

"ہاں جاؤ، لمبا سفر ہے۔"

"یہ تو مجھے نکالنے کو تیار بیٹھی ہیں۔" اس نے سوچا اور فائقہ کو اشارہ کرتے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل کر سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"ہاں، کیا ہے؟" فائقہ فوراً اس کے پیچھے آئی۔

"وہ...... میں ایک دو سوٹ رکھ لوں؟" اس نے پوچھا۔

"بالکل اور کچھ زیادہ رکھ لو۔ پتہ نہیں وہاں کتنے دن رہنا ہو۔" فائقہ نے کہا تو وہ برا سا منہ بنا

کر بولی۔

"جی نہیں، میں گاؤں میں زیادہ دن نہیں رہ سکتی۔ بس ایک آدھ دن ہی رکوں گی۔"

"اور اگر تمہارے ساس سسر نے تمہیں محبت سے روکا تب؟" فائقہ نے چھیڑنے بلکہ گدگدانے کے انداز میں کہا لیکن وہ ہنوز رُوکھی تھی۔

"تب بھی نہیں۔"

"اچھا خیر، جلدی کرو کیونکہ عفان بھائی اب ایک لمحہ کی تاخیر نہیں کرنا چاہتے۔" فائقہ نے الماری کھولتے ہوئے کہا۔

"کیوں، انہیں خدشہ ہے کہ کہیں میں جانے سے انکار نہ کر دوں؟" اس نے کہا تو فائقہ قصداً ان سنی کر کے اس کے سوٹ نکالنے لگی، جنہیں بیگ میں رکھ کر وہ جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔

"چلو، مجھے رخصت کرو لیکن یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ میں واپس یہاں بھی آ سکتی ہوں۔"

"ظاہر ہے، میکہ چھوٹتا تو نہیں ہے۔ آتی جاتی رہنا۔" فائقہ نے اس کی بات کو دوسرا رنگ دے کر اسے گلے لگا لیا پھر اس کے کان میں بولی۔

"سنو، اپنا دل اور ظرف بڑا رکھنا۔" اس نے الگ ہو کر فائقہ کا چہرہ دیکھا پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے راحل سے کہا تھا کہ وہ شام کو عظام بھائی کے ساتھ آئے گی اور اس لئے وہ سہ پہر میں ماموں جی کی طرف جانا چاہتی تھی کہ پھر وہیں سے عظام کے ساتھ ہاسپٹل چلی جائے گی لیکن رابعہ نے روک لیا تھا تو کچھ دیر ہی اُسے یہ خیال رہا کہ راحل انتظار کرے گا پھر ڈاکٹر عفان کی آمد اور رابعہ کی ان کے ساتھ جانے پر آمادگی نے اسے سب بھلا دیا تھا کیونکہ گھر کی فضا ہی بدل گئی تھی۔ امی خوش تھیں اور کچھ دیر بعد ابو آئے تو وہ بھی رابعہ کے جانے کا سن کر جیسے ساری تھکن بھول گئے تھے۔ کتنی دیر امی ابو بس یہی باتیں کرتے رہے، ساتھ دعا بھی کہ اللہ کرے رابعہ کو گاؤں جانا راس آ جائے۔ پھر جب امی عشاء کی نماز کے لئے اٹھ گئیں، تب وہ ابو سے پوچھنے لگی۔

"ابو! میڈم آفندی کا کچھ پتہ چلا۔ میرا مطلب ہے، کیا ان پر اقدام قتل کا کیس بن جائے گا؟"

"نہیں بیٹا! وہ بہت پاور فل عورت ہے۔ کیس نہیں بننے دے گی۔" ابو نے کہا تو وہ الجھ کر بولی۔

"لیکن ابو! پولیس موقع پر پہنچ تو گئی تھی اور ہم سب گواہ ہیں۔"

"تمہاری گواہی کس کام کی جب پولیس ہی اس کے ساتھ مل جائے اور وہ اپنے گھر پہنچ چکی ہے۔" ابو نے بتایا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

''آپ کو کیسے پتہ؟''

''میں نے معلوم کروایا ہے اور تم اب وہاں جانے کا سوچنا بھی مت۔'' ابو نے تنبیہہ بھی کی۔

''لیکن ابو! اتنی جلدی؟'' وہ حیران تھی۔

''ایسے کام جلد ہی ہوتے ہیں۔ کیس بننے کی نوبت نہیں آنے دی جاتی۔ اور دیکھنا اسفند کے ٹھیک ہونے تک وہ لندن وغیرہ نکل جائیں گی۔ اپنی انڈسٹری بھی انہوں نے بند کر دی ہے کا مطلب ہے کہ انہوں نے ہر کام پلاننگ کے تحت کیا ہے۔''

''پلاننگ کرنے میں تو وہ ماسٹر ہیں۔'' وہ بے اختیار کہہ کر بات بدل گئی۔ ''ابو! میڈم کیا ہمیشہ کے لئے چلی جائیں گی؟''

''پتہ نہیں، انہوں نے کیا سوچا ہے۔'' ابو نے کہہ کر گہری سانس کھینچی تو وہ مایوسی سے بولی۔

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس عورت کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔''

''ملے گی بیٹا! یہاں نہیں تو وہاں۔ کہیں تو پکڑ ضرور ہوتی ہے۔ یہاں اس کے پیسے کا زور چل سکتا ہے، لیکن اللہ کے سامنے تو سب بے بس ہیں۔ بھاگ لے وہ جہاں تک بھاگ سکتی ہے اور کہاں تک بھاگے گی۔'' ابو تکیے پر سر رکھتے ہوئے اپنے آپ بولے جا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلیں، آپ آرام کریں۔''

''سوہنی سے کہنا، چائے بنا دے۔''

''میں بنا دیتی ہوں ابو!'' وہ کہتے ہوئے ان کے کمرے سے نکلی تو برآمدے میں امی اور اماں کے ساتھ عظام بھائی کو دیکھتے ہی اسے پھر خیال آیا کہ اس نے راحل سے ان کے ساتھ آنے کا کہا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ راحل کی مایوسی اور خفگی سوچنے لگی تھی۔ تب ہی فوراً سلام نہیں کر سکی تو عظام سلام کے ساتھ پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے؟''

''وہ...... آپ راحل کے پاس گئے تھے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں، وہیں سے آ رہا ہوں۔'' وہ اُسے جواب دے کر اماں سے کہنے لگے۔

''اماں! آپ بالکل فکر نہیں کریں۔ دو چار دن میں آپ کا بیٹا انشاءاللہ گھر آ جائے گا اور وہ کہہ رہا تھا، آپ آرام کریں۔ وہ گھر آ کر آپ کو بیمار اور تھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''بالکل ٹھیک کہا اس نے۔'' وہ تائید کر کے پوچھنے لگی۔

''عظام بھائی! آپ چائے پئیں گے؟ میں ابو کے لئے بنانے جا رہی ہوں۔''

''بنا رہی ہو تو پی لوں گا۔'' انہوں نے کہا تو اس نے امی اور اماں سے بھی پوچھا پھر کچن میں آ گئی اور جلدی سے چائے بنا کر پہلے ابو کو ان کے کمرے میں دے آئی پھر دو مگ لے کر عظام کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی اور بیٹھتے ہی کہنے لگی۔

''میں شام کو آپ کی طرف جانے والی تھی لیکن پھر عفان بھائی آ گئے۔''

''اچھا، عفان ادھر آئے تھے، تب ہی ہاسپٹل میں نظر نہیں آئے۔'' عظام نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اور جناب! رابعہ ان کے ساتھ گئی ہے۔'' اس نے خوش ہو کر اطلاع دی۔

''واقعی...... یہ تو بہت اچھی خبر سنائی تم نے۔'' عظام نے بھی خوشی کا اظہار کیا تو وہ پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔

''دعا کریں عظام بھائی! رابعہ ان کے ساتھ ایڈجسٹ ہو جائے۔''

''انشاءاللہ۔ تم سناؤ، تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' انہوں نے صوفے کی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔

''میرا؟'' اس نے کچھ حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا تو وہ چائے کا سپ لے کر کہنے لگے۔

''میرا خیال ہے، تمہاری اسفندیار کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی ہے اور یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ میں تو کہوں گا تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔'' پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''ویسے تم نے کیا سوچا ہے؟''

وہ مگ سے اُٹھتی بھاپ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، اسی طرح آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کیا مطلب؟'' عظام نے ٹوکا، تب وہ انہیں دیکھ کر بولی۔

''میں نے ابھی کچھ نہیں سوچا۔''

''تھینک گاڈ کہ تم نے یہ نہیں کہا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' عظام نے شکر کے ساتھ کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی پھر چائے کا مگ خالی کر کے کہنے لگی۔

''پتہ نہیں عظام بھائی! اب میرے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ میں بہرحال کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میرے اندر ابھی بھی ایک خوف ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتی۔''

''اس کا ایک ہی علاج ہے۔'' انہوں نے کہا تو اس نے فوراً پوچھا۔

''کیا؟''

''نماز...... نماز کی عادت ڈالو اور اپنا ہر معاملہ پوری ایمانداری کے ساتھ اللہ پر چھوڑ دو۔ پھر دیکھو، وہ کیسے تمہاری مدد کرتا ہے۔ اب تک تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے بارے میں اب تم

بڑے آرام سے کہہ دو گی کہ تمہارے نصیب میں یہی لکھا تھا۔ بے شک اس سے انکار نہیں ہے لیکن یہ بھی تو سوچو کہ لکھنے والے نے ایسا کیوں لکھا تا کہ تم اس کی طرف رجوع کرسکو۔ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لئے پناہ...... اس عارضی دنیا میں ساری پناہ گاہیں عارضی ہیں۔ اصل پناہ اس کی ہے۔ خود کو اس کی پناہ میں دے دو گی تو پھر وہ خود تمہاری حفاظت کرے گا۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

وہ جو ایک بار پھر گم صم ہو کر انہیں دیکھے جا رہی تھی، سر جھکا گئی تو کچھ دیر رک کر عظام پوچھنے لگے۔

"کس بات سے خوفزدہ ہو؟"

"پتہ نہیں۔ خیر، آپ میری بات چھوڑیں، اپنی بات کریں۔" اس نے کچھ عاجز ہو کر کہا تو عظام دھیرے سے مسکرا کر بولے۔

"کوئی نئی بات نہیں۔ سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا تم چھوڑ کر گئی تھیں۔"

"کوئی نہیں۔ مجھے تو بہت کچھ بدلا بدلا لگ رہا ہے، آپ بھی۔" اس نے فوراً کہا تو عظام حیران ہوئے۔

"میں بھی؟ مجھ میں کیا تبدیلی نظر آ رہی ہے تمہیں؟"

"بظاہر تو نہیں لیکن مجھے لگ رہا ہے جیسے آپ کے اندر کا موسم......"

"بس۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولے۔ "میرے اندر جھانکنے کی کوشش مت کرو۔"

"کیوں، ڈرتے ہیں؟" اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"شاید۔" عظام نے سر جھکا لیا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ نے سوہنی پر بڑا احسان کیا ہے بلکہ ہم سب پر۔"

"نہیں، دوبارہ یہ بات کبھی مت کہنا۔" انہوں نے بے چین ہو کر ٹوکا پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں چلتا ہوں۔"

"عظام بھائی!" وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"میرے لئے دعا کیجئے گا۔"

"کک...... کیا دعا کروں؟" انہوں نے بے اختیار پوچھا۔ وہ خاموش رہی تو اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"اللہ تمہارے شہزادے کو لمبی عمر دے۔"

"کک...... کون سے شہزادے کو؟" اب وہ بوکھلا کر پوچھ رہی تھی۔

عظام نے چند لمحے اس گزری بات کو سوچا پھر قصداً مسکرا کر بولے۔

"وہ جو دل کی ساری گلیوں پر حکمرانی کرنے والا ہے۔"

"اور جس کے حصے میں فقط ایک گلی ہے، اسے اللہ میری عمر بھی لگا دے۔" وہ کہہ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تو عظام جو اس کی بات پر سرزنش کرنے جا رہے تھے، اس کے رونے سے کچھ پریشان ہو گئے۔

"فائقہ! یہ کیا بیوقوفی ہے؟"

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے ان کی طرف سے رخ موڑنے لگی تھی کہ انہوں نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھا دیا۔

"کیا سمجھوں میں؟"

وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

کتنے لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے پھر جیسے عظام ٹوٹ کر گرے تھے۔

"سنو! میں نے اپنے دل کی ساری گلیاں اپنی ہونے والی شریک حیات کو سونپ دی ہیں۔ بجز ایک گلی کے، جہاں بارہ مہینے ساون، صرف ساون رنگ بدلتا ہے۔ کبھی رم جھم، کبھی ہلکی ہلکی پھوار، کبھی چھاجوں برستا ہے اور اس برستے موسم میں ایک دیوانی کبھی ہنستی، کبھی روتی ہے، کبھی روٹھتی، کبھی مناتی ہے۔ اس کی چاہت ہمیشہ سے بے طلب رہی ہے۔ جب ہی سرد و گرم اس پر اثر انداز نہیں ہوئے، نہ ہوں گے۔"

"آپ۔" اس کے ہونٹ ذرا سا نیم وا ہو کر پھر ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تھے۔

"ہاں، یہ گلی باقی ساری گلیوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیونکہ یہاں چاہت میں طلب نہیں ہے۔ جہاں طلب تھی، وہاں تم دیکھو گلیاں سنسان ہو گئیں گو کہ دوبارہ آباد ہوں گی اور ہو سکتا ہے اس بار محبتیں پہلی محبتوں سے زیادہ پرکشش ہوں پھر بھی ایک کمی سی تو محسوس ہو گی نا۔ اکثر نہیں تو کبھی کبھار۔ اتنی ڈھیر ساری محبتوں میں بھی تم شہریار کو سوچو گی اور مجھے سبرینہ کا خیال آئے گا۔" وہ جانے کس لمحے کی گرفت میں آ کر اس پر عیاں ہو رہے تھے۔

"لیکن اس ایک گلی میں کوئی کمی نہیں۔ کسی اور کے خیال کی پرچھائیں تک نہیں۔ بس ایک دیوانی ہے جو جب ہنستی ہے تو ساون میں جلترنگ بجنے لگتے ہیں اور جب روتی ہے تو پورا آسمان اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔" وہ ایک لحظہ کو خاموش ہو کر اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں دیکھنے لگے تو وہ بے اختیار روتی آواز میں بولی۔

"اور جب روٹھتی ہے؟"

عقام کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی تو پلکیں جھپکتے ہی جہاں آنکھوں میں ٹھہرے آنسو چھلکے، وہاں سارا طلسم ٹوٹ گیا۔

☆☆☆

بیگم آفندی کو اس روز پہلے مرحلے پر ہی شبہ ہو گیا تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔ اور پھر اپنے وکیل احسان احمد کے جاتے ہی انہوں نے ہر شے چیک کی تھی تو سب کچھ تو جوں کا توں موجود تھا۔ بس وہ ایک کاغذ جس سے پہلے تو فائقہ خائف تھی۔ لیکن آخر میں اس نے اسے غیر اہم قرار دے کر انہیں جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔ وہ کاغذ موجود نہیں تھا اور اس سے وہ سمجھ گئیں کہ وہ فائقہ ہی نے چرایا ہے۔ اور اس کی اس حرکت سے انہوں نے تنفر سے سوچا تھا۔

"جب اس کے نزدیک اس کاغذ کے پرزے کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی تو پھر اسے چرانے کا مطلب، میں جانتی ہوں مطلب۔ وہ ابھی بھی خائف تھی اور ہوگی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ میں ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ میں اس کا جینا دوبھر کر دوں گی۔"

اور اب وہ مستقل تلملاتے ہوئے سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ ان کی لندن کی ٹکٹ کنفرم ہو چکی تھی۔ دو دن بعد ان کی روانگی تھی۔ اور یہ دو دن انہیں کاٹنے بہت مشکل لگ رہے تھے۔ کیونکہ اخبار میں خبر لگنے سے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ نہ ہی کوئی فون اٹینڈ کر رہی تھیں۔ جب کہ سارا دن فون کی بیل بجتی تھی جس سے ان کے اعصاب جھنجھنا اٹھتے تھے۔ کتنی بار انہوں نے چاہا ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر دیوار پر دے ماریں، لیکن اپنی ضرورت سے مجبور تھیں۔ بہر حال وہ فارغ ضرور تھیں لیکن ان کا ذہن مسلسل آئندہ کی پلاننگ کر رہا تھا اور اس وقت انہوں نے بہت سوچ کر شہباز کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ وہی شہباز جس کے ذریعے انہوں نے سوہنی کو اغوا کرایا تھا۔

"یس میڈم!" شہباز ان کی آواز سنتے ہی الرٹ ہو گیا تھا۔

"کیا کر رہے ہو آج کل؟" انہوں نے پوچھا۔

"کام کی تلاش، آپ نے تو فیکٹری بند کر دی میڈم!"

شہباز نے کہا تو وہ اس کی دوسری بات ان سنی کر کے بولیں۔ "میرا ایک کام ہے۔"

"حکم کریں میڈم!"

"میں آج لندن جا رہی ہیں، اور میں اپنے پوتے کو بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن میرے پاسپورٹ پر اس کے نام کا اندراج نہیں ہو سکا۔ میرا مطلب ہے، میرے پاس اس کام کے لئے وقت نہیں ہے۔ لہٰذا میں اپنے پوتے کو تمہارے پاس چھوڑنا چاہتی ہوں۔ تم اسے لے کر اسلام آباد

چلے جانا۔ پھر میں لندن سے انتظام کر کے اسے اپنے پاس بلالوں گی اور اصل بات یہ ہے کہ میرے پوتے کے ننھیال والے اس پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا میڈم! مجھے بچے کو بہت رازداری سے اپنے پاس رکھنا ہے۔" شہباز نے فوراً سارا معاملہ سمجھ کر کہا۔

"ہاں، اور بہت سنبھال کر پیار سے۔ وہ میرا پوتا ہے۔" انہوں نے تنبیہ کی۔

"اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کروں گا میڈم!" شہباز نے کہا تو وہ تفاخر سے بولیں۔

"میں بھی تمہاری سوچ سے بڑھ کر تمہیں رقم دوں گی۔"

"شکریہ میڈم! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" شہباز نے پوچھا تو انہوں نے پہلے اپنی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا، پھر کہنے لگیں۔

"تم ٹھیک پانچ بجے ایئر پورٹ جانے والی روڈ پر پہنچ جانا۔ میں وہیں تمہیں بچہ دے کر آگے بڑھ جاؤں گی۔"

"او کے میڈم!"

انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگیں۔ جبکہ ان کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اب وہ فائقہ کے ساتھ مصنوعی لگاوٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لئے انہوں نے طے کر لیا کہ وہ اس سے بچہ چھین کر لے جائیں گی۔ اور اس کے لئے انہیں اسی وقت نکلنا تھا کیونکہ تین بج چکے تھے اور اس وقت انہیں یقین تھا کہ گھر میں صرف خواتین ہی ہوں گی، جنہیں وہ آسانی سے ڈرا دھمکا سکتی تھیں۔ اور پھر انہوں نے دیر نہیں کی۔ ملازمہ سے اپنا سامان گاڑی میں رکھوانے کو کہا اور خود کپڑے چینج کر کے باہر آئیں تو ڈرائیور گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اس نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا جسے بند کر کے وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ پھر ڈرائیور سے بولیں۔

"تم چھ بجے کے بعد جناح ٹرمینل کے پارکنگ سے گاڑی لے آنا۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اصل میں وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ڈرائیور کے علم میں یہ بات آئے کہ وہ پہلے فائقہ کے گھر گئی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اسے اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ منتشر ذہن کے ساتھ وہ کبھی ڈرائیونگ پر توجہ نہیں دے سکتیں۔ لیکن اس وقت ان کے ذہن پر صرف بچہ سوار تھا، جسے چھین کر وہ فائقہ کو روتے گڑگڑاتے دیکھنا چاہتی تھیں۔

"میرے مقابل کھڑی ہو کر بات کرتی ہے، مجھ سے کہتی ہے کہ میں پچھتاؤں گی۔ ہونہہ اب معلوم ہو گا، کون پچھتاتا ہے۔ ساری زندگی روتی، تڑپتی رہو گی فائقہ بیگم۔ ساری زندگی...... کوئی

ایک لمحہ چین کا نہیں جینے دوں گی تمہیں۔"

چند دن گھر میں بند رہ کر ان کے اندر جتنا لاوا پکتا رہا تھا، وہ اب یوں پھٹ پڑنے کو تیار تھا جیسے ساری دنیا تہس نہس کر دیں گی۔

"مجھے کبھی کہیں شکست نہیں ہوئی۔ میں نے ہمیشہ جو چاہا وہی ہوا، اب بھی وہی ہوگا۔" تنفر کے ساتھ زُعم بھی انتہائی حدوں سے تجاوز کر رہا تھا۔ گردن اکڑائے دانت پیستے ہوئے وہ جیسے رُکاوٹ روندتی چلی جائیں گی، یہی ارادہ تھا ان کا اور وہ یہ بھول گئی تھیں کہ وہ جو رسّی دراز کرتا ہے، وہ جب جہاں چاہے کھینچ بھی لیتا ہے۔ اب پتہ نہیں اسے ان کی فرعونیت پر جلال آیا تھا یا اس لڑکی پر رحم جوان کے مظالم سہنے کے بعد بھی دعا کر رہی تھی کہ اللہ ان کا دل اپنی طرف پھیر دے۔

☆☆☆

رابعہ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر عفان کے گھر والے اس سے مرعوب ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ شہر سے آنے والی پہلی لڑکی نہیں تھی۔ اس سے پہلے ڈاکٹر عفان کے بڑے بھائیوں نے بھی شہر ہی میں شادیاں کی تھیں۔ اس لئے ان کے والدین اس کے آگے بچھے نہیں تھے، بلکہ کچھ لیا دیا سا انداز تھا۔ جس پر وہ خاصی جز بز ہوتی رہی تھی۔ پھر تھکن اور نیند کا بہانہ کر کے اُٹھ گئی تھی۔

ڈاکٹر عفان کے گھر میں زیادہ افراد نہیں تھے۔ ان کے والدین، دادی اور ایک چھوٹا بھائی، جبکہ ان کی بیوی اور بچہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ میکے گئی ہوئی تھی یا یہیں اپنے کمرے میں بند تھی۔ اس نے بہرحال اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ البتہ اس کے اندر فطری تجسّس ضرور تھا جب ہی اس کی نظریں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ رات تو چونکہ وہ دیر سے پہنچے تھے اس لئے ڈاکٹر عفان کے اماں ابا سے ہی تھوڑی بات چیت ہوئی تھی۔ وہ بھی بس وہی بولتے رہے تھے اور وہ کمرے کا جائزہ لیتی رہی جو اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔ یعنی گاؤں کے حساب سے اس کا تصور کچے گھر اور چارپائیوں، چٹائیوں والا تھا۔ لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

اور اب صبح کے اُجالے میں وہ گھر دیکھ رہی تھی۔ خاصا کشادہ آنگن تھا۔ پھر برآمدہ، اس کے بعد رہائشی کمرے، صرف آنگن اور برآمدہ گاؤں کا منظر لگ رہے تھے۔ باقی کمروں کی سجاوٹ اس کے اپنے گھر جیسی تھی۔ پھر ناشتے پر دادی سے ملاقات ہوئی تو اماں، ابا کی نسبت وہ اسے زیادہ اہمیت دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر عفان سے شکوہ بھی کیا کہ انہوں نے شادی میں ان سب کو کیوں نہیں بلایا اور پھر دُلہن کو اتنے عرصے بعد لے کر آئے ہیں۔ شاید انہیں ان کے درمیان اختلافات کا پتہ نہیں تھا۔ جبکہ اماں، ابا جانتے تھے۔ جب ہی ناشتے کے بعد اماں اسے لے کر الگ کمرے میں آ بیٹھیں اور ڈاکٹر عفان کی پہلی شادی کے حالات جو انہوں نے بتائے تھے دہرا کر کہنے لگیں۔

"مجھ سے عفان نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے، اپنی پسند کی شادی ضرور کرے گا اور پہلے تو میں نہیں مانتی تھی پھر جب عفان نے یہاں آنا ہی چھوڑ دیا تب میں نے سوچا کہ ادھر شہر میں اکیلا تنگ پڑتا ہوگا تو میں نے خود اس سے کہا کہ وہ شادی کر لے۔ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا کہ وہ پروین کو نہیں چھوڑے گا۔ تو بھی اسے مجبور مت کرنا۔"

وہ اپنے آپ میں اُلجھنے لگی کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے، اور اتنی خاموشی سے ان کی باتیں کیوں سن رہی ہے۔

"پھر مجھے پتہ چلا کہ تو ناراض ہو کر میکے جا بیٹھی ہے۔ تو بیٹی! یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ تیرے ماں باپ تجھے سمجھاتے نہیں؟ تو ان کی اکیلی اولاد ہے یا اور بہن بھائی بھی ہیں تیرے؟" ماں نے ٹوک کر پوچھا تو وہ بہت ضبط سے بولی۔

"ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔"

"ماشاءاللہ، سب کی شادیاں ہو گئیں؟"

"نہیں...... دو باقی ہیں۔"

"چلو خیر ہے۔ ان کی بھی ہو جائیں گی۔ اللہ تیرے ماں باپ کو سب کی خوشیاں دکھائے۔" انہوں نے کہا تو اس نے اندر ہی اندر تاسف سے ہنس کر سوچا۔

'جن کی ہو گئی ہیں، وہ انہی کے دکھ جھیل رہے ہیں۔'

"تو پروین سے تو نہیں ملی ہو گی۔ جا مل لے۔ وہ سامنے اس کا کمرہ ہے۔" اماں نے کہہ کر اشارے سے کمرہ بتایا تو وہ بلا ارادہ اٹھ کر اسی طرف چل پڑی۔ لیکن پھر دروازے کے پاس رک گئی تو عقب سے اماں نے پوچھا۔

"کیا ہوا......؟"

"جی......!" وہ چونکی اور پلٹ کر اماں کو دیکھا۔ تب ہی عفان آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے یونہی پوچھا تھا۔

"میں اس سے کہہ رہی ہوں، پروین سے مل لے۔" ادھر سے اماں نے بتایا تو انہوں نے ایک نظر اماں کو دیکھا۔ پھر اس سے پوچھنے لگے۔

"ملنا چاہتی ہو؟"

"پتہ نہیں......" اس نے پہلے بے دھیانی میں کہا، پھر فوراً سنبھل کر پوچھنے لگی۔ "کوئی حرج ہے کیا؟"

"نہیں......" وہ کندھے اچکا کر اماں کے پاس جا بیٹھے تو وہ محض انہیں دکھانے کی خاطر پروین

کے کمرے میں چلی آئی۔

پروین اپنے دوسالہ بچے کے ساتھ بیڈ پر بیٹھی اسے کچھ سکھا رہی تھی یا اس کے ساتھ کھیل رہی تھی کہ اسے دیکھتے ہی غالباً بلا ارادہ ہی اس نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔ وہ قصداً اس پر سے نظریں ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر بیڈ کے قریب جا کر اچانک اس سے مخاطب ہوئی۔

''تم پروین ہو؟''

''ہاں جی......!'' پروین نے تکیہ ہٹا کر گویا اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی دیا۔

''مجھے جانتی ہو؟'' اس نے پھر پوچھا۔

پروین نے جواب نہیں دیا تو وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں تمہاری سوکن ہوں۔ لیکن میں جان بوجھ کر تمہاری سوکن نہیں بنی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ عفان شادی شدہ ہیں تو میں کبھی ان سے شادی نہ کرتی۔''

پروین بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں پتہ تھا کہ عفان دوسری شادی کر رہے ہیں؟'' اس نے ایک لحظہ رُک کر پوچھا تو پروین نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر کب پتہ چلا؟''

''جب تمہیں پتہ چلا، میرا بھائی گیا تھا ناں شہر، اِدھر تم تھیں۔ اس نے آ کر بتایا تھا۔ پر تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟'' پروین نے جواب دے کر پوچھا۔ لیکن وہ ان سنی کر کے پھر پوچھنے لگی۔

''پھر تم نے کیا، کیا؟ میرا مطلب ہے، عفان کی دوسری شادی کا سن کر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا؟''

''کیا تھا، بہت روئی دھوئی۔ اپنی ماں کے گھر جا بیٹھی تھی۔'' پروین نے کہہ کر سر جھکا لیا تو ایک احساس نے اس کے اندر ڈنک مارا تھا۔

''تو کیا فرق ہے اس عورت میں اور مجھ میں۔ میں نے بھی تو یہی کیا تھا۔''

''تم خوش قسمت ہو۔'' پروین اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولی۔ ''میاں تمہارے پیچھے بھاگتا ہے۔ تمہیں مناتا ہے، میرے جانے پر تو شاید اس نے شکر کیا تھا۔''

''ہاں۔ میں ابھی بھی عفان کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہوں۔''

''کیوں......؟'' پروین سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی۔

''بس......'' اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تو پروین پوچھنے لگی۔

''پھر یہاں کیوں آئی ہو؟''

''یونہی، خیر تم بتاؤ۔ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' اس نے ٹال کر پوچھا۔

''اپنے لئے کیا سوچوں؟'' پروین نے حیران ہو کر کہا۔

''اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں یا تم اسی انتظار میں بیٹھی رہو گی کہ کبھی عفان لوٹ کر تمہاری طرف آئیں گے؟''

''نہیں جی...... مجھے پتہ ہے کہ وہ میری طرف نہیں آئیں گے۔ چاہے تم ان کے پاس رہو یا نہ رہو۔'' پروین نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی، پھر الجھ کر بولی تھی۔

''کیوں کیا کمی ہے تم میں؟''

''بس نصیب برا ہے۔'' پروین کا چہرہ ایک لحظہ کو تاریک ہوا تھا۔

'ہاں! ساری بات نصیب کی ہے۔' اس نے سوچا۔

''تم تو نصیبوں والی ہو۔'' پروین نے حسرت سے اسے دیکھا تو اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی۔ پھر قصداً مسکرا کر بولی۔

''اس لئے کہ شوہر میرے پیچھے بھاگتا ہے؟''

''تو عورت کا نصیب اور کیا ہوتا ہے۔ سب کچھ ہو، ایک شوہر کی محبت نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ اور کچھ بھی نہ ہو ایک شوہر کی محبت میں ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔'' پروین بچے کے سر پر ٹھوڑی ٹکا کر جیسے اپنے آپ سے بولنے لگی تھی۔

'پتہ نہیں سب عورتیں ایسا کیوں سوچتی ہیں۔' وہ اپنی جگہ خود سے الجھنے لگی۔

'ایک شوہر کی محبت میں ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔'

'کیا سچ مچ......؟'

'پھر میرے اندر سب کچھ ہونے کا احساس کیوں نہیں ہے؟'

'کیونکہ تم صرف لینا اور چھیننا جانتی ہو۔' یہ آواز اس کے اندر کہیں بہت دور سے آئی تھی۔ اور ہمیشہ کی طرح اس نے تکرار نہیں کی۔ خود کو حق بجانب گرداننے کی بجائے کچھ آزردگی میں گھر گئی تو پروین کے پاس سے اٹھ کر پچھلی طرف چھوٹے آنگن میں نکل آئی جہاں آم اور چیکو کے گھنے پیڑ دھوپ کا راستہ روکے کھڑے تھے۔

'میں کیا کروں!' وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے اپنے بارے میں سوچنا چاہتی تھی۔ لیکن ذہن کبھی نقہ کی طرف بھٹک جاتا، کبھی سوہنی اور کبھی پروین۔ بہت سر جھٹکا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو شاید پہلی بار وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی اور بجائے جھنجھلانے اور تنفر سے مائی فٹ کہنے کے وہیں کچی زمین پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر روتے ہوئے خود کو باور کرانے لگی۔

"میں خوش قسمت ہوں۔ میرا شوہر میرے پیچھے بھاگتا ہے۔ مجھے مناتا ہے۔
ہاں، میں خوش قسمت ہوں۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہیے۔"

وہ جس قدر خود کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی، آنسو اسی قدر شدت اختیار کر رہے تھے۔ پھر وہ جیسے یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ایسے ہی انداز میں جھٹکے سے اٹھی تھی کہ بے حد قریب ڈاکٹر عفان کو دیکھ کر اسی جھٹکے سے ان کی طرف سے رخ موڑ گئی۔

"تم رو رہی ہو؟" ڈاکٹر عفان کے لہجے میں حیرت تھی۔

وہ کچھ نہیں بولی اور چند قدم آگے بڑھ گئی۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے سامنے آ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ "کسی نے کچھ کہا ہے؟"

وہ خاموش نہیں رہنا چاہتی تھی، لیکن بولنے کی راہ میں آنسو حائل تھے۔

"دیکھو، میں نے تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی۔ تم اپنی مرضی سے یہاں آئی ہو۔ پھر کیوں رو رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے تو بتاؤ۔"

اس نے پہلے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں پھر اپنے کندھوں سے ان کے ہاتھ ہٹا کر پوچھنے لگی۔

"آپ کب تک یہاں رہیں گے؟"

"جب تک تم چاہو گی۔" انہوں نے کہا تو اب وہ براہ راست انہیں دیکھ کر بولی۔

"اگر میں چاہوں ہمیشہ کے لئے؟"

"تو ہمیشہ کے لئے۔" وہ مسکرائے۔

"اگر میں کہوں، ابھی چلیں؟"

"تو ابھی چلتے ہیں۔" انہوں نے فوراً کہا اور اس کے ہونٹ بھینچنے پر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"کیا چاہتی ہو تم؟"

"میں.... میں خوش ہونا چاہتی ہوں۔ سب کچھ ہے میرے پاس، میں پھر بھی خوش نہیں ہوں۔"

اس نے اپنے آپ میں الجھ کر کہا۔

"اب میں کیا کہوں، میرا خیال ہے تم یہاں گھبرا گئی ہو۔ چلو واپس چلتے ہیں۔ اپنے گھر جا کر آرام سے سوچنا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تم خوش کیوں نہیں ہو؟" انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بہلاتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر تک پُرسوچ نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔ پھر اسی انداز میں اثبات میں سر ہلا کر آمادگی ظاہر کی تھی۔

☆☆☆

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ سوہنی کے پاس آ لیٹی تھی۔ دونوں رابعہ کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ کبھی اس کی طرف سے اطمینان کبھی تشویش۔

"آپ کو پتہ ہے، باجی گاؤں کیوں گئی ہیں۔ میرا مطلب ہے کیا سوچ کر؟" سوہنی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں، ہو سکتا ہے عفان بھائی کی پہلی بیوی کو دیکھنا چاہتی ہو۔ بہرحال کسی بھی ارادے سے گئی ہو۔ اللہ کرے اچھی سوچ لے کر واپس آئے بلکہ سیدھی اپنے گھر جائے۔"

"میں بھی یہی دعا کرتی ہوں۔" سوہنی نے کہا تو وہ اس کا گال چھو کر بولی۔

"تمہاری دعا ضرور قبول ہو گی۔"

"پتہ نہیں آپی! میری دعائیں تو بس......" سوہنی کی آزردگی اسے شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

"کیا بس، تمہیں پتہ نہیں تم کتنی معصوم ہو۔ اور معصوم لوگوں کی بات اللہ کبھی نہیں ٹالتا۔"

"نہیں آپی! میں بہت بری ہوں۔ آپ کو نہیں پتہ میرے ساتھ......"

اس نے سوہنی کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"میں سب جانتی ہوں، لیکن اس سے تمہاری معصومیت مسخ نہیں ہو گئی۔ تم معصوم تھیں، معصوم ہو۔ کبھی خود کو برا مت کہنا۔ برا وہ ہوتا ہے جس کے من میں برائی ہو اور تمہیں میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہیں برائی کا خیال کبھی چھو کر بھی نہیں گزرا۔"

اس نے بہت نرمی، بہت محبت سے سوہنی کی ڈھارس بندھائی تھی۔ پھر بھی وہ رو پڑی۔

"پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا آپی!"

"رو مت میری جان! جس کسی نے بھی تمہارے ساتھ زیادتی کی، اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اور تمہیں تو اس زیادتی کے عوض اللہ نے بہت اچھا انعام دیا ہے۔ عظام بھائی! تم انشاء اللہ ان کے ساتھ بہت سکھی رہو گی۔"

اس نے اپنی انگلیوں پر سوہنی کے آنسو سمیٹ کر اس کی پیشانی چومی۔

"نہیں آپی! میں ان کے قابل نہیں ہوں۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ وہ آپ کی بات مانتے ہیں۔" سوہنی نے عاجزی سے کہا۔

"وہ میری، بلکہ کسی کی بھی فضول بات نہیں مانتے۔ اور خبردار جو تم نے ایسا سوچا تو۔ عظام بھائی خوش قسمت ہیں جنہیں تم جیسی بیوی ملے گی۔"

"کوئی نہیں۔"

"تمہیں کیا پتہ، وہ کتنے خوش ہیں۔"

"اور میں کیا کروں۔ میں نے گناہ نہیں کیا، پھر بھی گناہ کا احساس مارے ڈالتا ہے۔" سوہنی پھر رو پڑی۔

گو کہ اس کے رونے سے فائقہ کو دلی تکلیف ہو رہی تھی، آنکھوں میں آنسو بھی بھر آ رہے تھے لیکن کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سرزنش کرنے لگی۔

"پاگل مت بنو سوہنی! بھول جاؤ سب۔ ورنہ تمہارے ساتھ عظام بھائی کی زندگی بھی اجیرن ہو جائے گی۔ اپنا نہیں تو ان کا خیال کرو، جو تمہیں دل سے اپنا رہے ہیں۔"

"کیوں...... ان کے لئے کمی تو نہیں ہے۔"

"تمہارے لئے بھی کمی نہیں ہے۔ سمجھیں؟ اور تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ جوڑے ازل سے آسمانوں پر لکھے گئے ہیں۔ تمہارے نصیب میں یہی لکھا تھا اور دیکھو، نصیب کا لکھا کیسے پورا ہوتا ہے ورنہ ہم تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بہر حال جو ہوا بہت اچھا ہوا، اور اللہ آگے بھی اچھا کرے گا۔" اس نے سمجھایا، پھر سوہنی کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"مجھ سے ایک وعدہ کرو۔"

سوہنی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اب تم کبھی نہیں روؤ گی۔ نہ کبھی اس واقعے کو سوچو گی۔"

اس نے کہا تو سوہنی نے آنکھیں بند کر لیں جس سے سارے آنسو چھلک گئے جبکہ حلق سے دبی دبی ہچکیوں کی آواز نکلنے لگی تھی۔ تب وہ بھی مزید ضبط نہیں کر سکی اور اس کے گلے میں بازو ڈال کر اس کے ساتھ رونے لگی تھی۔

اور یہ اچھا ہوا تھا کہ اس کے بعد سوہنی کافی ہلکی اور پُرسکون ہو گئی تھی۔ جس سے مطمئن ہو کر وہ اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پھر اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

اور ٹھیک چار بجے الیشبہ آ گئی۔

"چلو باجی! مجھے بھائی کے پاس لے چلو۔"

"ہیں...... کیا ٹائم ہوا ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"چار بج گئے ہیں۔" الیشبہ نے بتایا تو اس نے اٹھتے ہوئے سوہنی سے پوچھا۔

"تم چلو گی؟"

"نہیں آپی! رابعہ باجی بھی نہیں ہیں۔ امی اکیلی ہو جائیں گی۔"

"چلو پھر تم فٹافٹ چائے بنا دو۔ میں اتنے میں کپڑے بدل لوں۔" اس نے کہا تو سوہنی بھی

اٹھ گئی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ الیشبہ کے ساتھ گھر سے نکلی تو فوراً ہی رکشہ بھی مل گیا جب ہی پانچ بجے وہ ہاسپٹل پہنچ گئیں۔

اماں لابی میں بہت گم صم بیٹھی تھیں۔

الیشبہ نے غالباً اماں کو نہیں دیکھا تھا، جب ہی سیدھی راحل کے روم میں چلی گئی۔ جبکہ وہ ٹھٹک کر رُک گئی تھی، پھر اماں کے پاس بیٹھ کر آہستہ سے ان کا کندھا چھو کر پوچھا۔

"کیا بات ہے اماں؟"

اماں ایسے ہی گم صم انداز میں اسے دیکھنے لگیں تو اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"اماں! راحل ٹھیک ہے ناں؟"

"تیری ساس......" اماں اسی قدر کہہ سکیں اور وہ اس پر ہی پریشان ہو گئی تھی۔

"یہاں آئی تھیں، کیا کہہ رہی تھیں؟"

اماں نفی میں سر ہلانے لگیں۔

"اماں! بتائیں ناں، کیا، کیا ہے انہوں نے؟" اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اللہ جو کرتا ہے، اللہ کرتا ہے۔ میں نے ابھی راحل کو بھی نہیں بتایا، تو بھی مت بتانا۔" اماں جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ وہ مزید اُلجھ گئی۔

"کیا نہیں بتاؤں؟"

"تیری ساس...... چل اُدھر چل کے دیکھ۔" اماں اس کی کلائی تھام کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اماں! وہ راحل......؟" اس نے پلٹ کر یوں دیکھا جیسے وہ پکار رہا ہو۔ لیکن اماں نے سنا ہی نہیں اور اسے کھینچتے ہوئے اس لابی سے اس لابی، پھر آئی سی یو کے سامنے رُک کر اُسے جانے کا اشارہ کر دیا تو اس نے بے سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھا، پھر شیشے سے اندر دیکھتے ہوئے وہ چند لمحوں کو بالکل ساکت ہو گئی تھی۔

"ماما!" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی پھر پلٹ کر اماں کو دیکھنے لگی۔

"اندر جا کے دیکھ آ۔" ماں نے کہا تب ہی نرس اندر جانے لگی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی اور بیگم آفندی کے قدموں کے پاس رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

بیگم آفندی چھت پر نظریں جمائے بالکل ساکت لیٹی تھیں۔

"ماما!" ساری ہمتیں یکجا کرنے کے بعد اس کے حلق سے بہت ہلکی آواز نکلی تھی پھر بھی شاید انہوں نے سن لی تھی لیکن کوئی حرکت نہیں کی، ہاں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں تو وہ ان کے

قریب چلی گئی اور ان پر جھک کر پوچھنے لگی۔

"ماما! یہ سب کیسے ہوا؟"

بیگم آفندی پتہ نہیں بولنا نہیں چاہتی تھیں یا بولنے کے قابل نہیں تھیں جبکہ آنسو کناروں سے چھلک کر تکیے میں جذب ہونے لگے تھے۔

"بی بی! آپ ابھی ان سے بات نہیں کریں۔" عقب سے نرس نے اس کا بازو کھینچ کر کہا تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟"

"ایکسیڈنٹ۔ آپ ان کے زخم نہیں دیکھ رہیں؟"

"ہاں لیکن کیسے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ ڈاکٹر ابراہیم سے پوچھیں۔" سسٹر عجلت میں کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ ایک نظر بیگم آفندی پر ڈال کر سسٹر کے پیچھے چلی آئی۔

"سسٹر! ڈاکٹر ابراہیم کہاں ملیں گے؟"

"تھرڈ فلور پر۔"

"تھینک یو۔" وہ وہیں سے باہر نکل آئی تو اماں اس کے انتظار میں کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا ہے؟"

"پتہ نہیں اماں! آپ راحل کے پاس جائیں۔ میں ڈاکٹر سے معلوم کر کے آتی ہوں۔" اس نے کہا تو اماں اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولیں۔

"راحل کو ابھی مت بتانا۔"

"نہیں۔" وہ تیز قدموں سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی اور پھر اسی تیزی سے ڈاکٹر ابراہیم کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"ڈاکٹر صاحب! مجھے میڈم آفندی کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔ آئی مین وہ ایکسیڈنٹ کیس۔"

"پلیز۔" ڈاکٹر ابراہیم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر پوچھنے لگے۔ "وہ آپ کی کون ہیں؟"

"مدر اِن لا۔ کب ہوا ان کا ایکسیڈنٹ؟" وہ جیسے فوراً سب جان لینا چاہتی تھی۔

"پرسوں چار بجے انہیں یہاں لایا گیا تھا۔ اس کے بعد سے کوئی آیا ہی نہیں۔ جبکہ وہ ابھی بولنے کے قابل نہیں ہیں ورنہ ان ہی سے گھر کا نمبر وغیرہ معلوم کر کے آپ کو مطلع کیا جاتا۔" انہوں نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کوئی سیریس بات تو نہیں ہے؟"

"ویری سیریس کیس۔ بس زندگی تھی جو بچ گئیں ورنہ۔"

ڈاکٹر نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا پھر اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھ کر بھی حقیقت نہیں چھپائی۔

"ان کی بیک بون بری طرح ڈیمیج ہوئی ہے۔ وہ اب شاید ہی چل سکیں۔"

"میرے اللہ!" اس کے سینے میں سانس رک گئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میں آپ کو جھوٹی تسلی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ انہیں بیٹھنے میں بھی بہت وقت لگے گا۔ البتہ چہرے کی سرجری ہو سکتی ہے، وہ جب آپ چاہیں۔" ڈاکٹر نے مزید حقیقت بتا کر کہا تو اس نے سر جھکا کر اپنے سینے میں رکی سانس بحال کی پھر کہنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب! ان کی ٹریٹ منٹ میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ اور آپ امریکہ اور لندن کے ڈاکٹرز کو بھی ان کی رپورٹس بھیج کر مشورہ کریں ہو سکتا ہے وہاں علاج ممکن ہو۔"

"ہوں!" ڈاکٹر ابراہیم پُرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگے۔

"اور ڈاکٹر صاحب! پے منٹ وغیرہ میں کل دن میں کر سکوں گی۔"

"نو پرابلم اور ہاں، پیشنٹ کا کیا نام بتایا آپ نے؟"

"بیگم جیلان آفندی۔"

ڈاکٹر ابراہیم نے نام کے ساتھ اس سے ٹیلی فون نمبرز بھی لکھوائے پھر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں تسلی کے چند بول، جو اب اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ جب ہی پھر آنے کا کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی اور کیونکہ ذہن پر بیگم آفندی سوار تھیں، اس لئے راحل کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے فرسٹ فلور پر چند لمحوں کو رکی تھی، پھر بھی خیال نہیں آیا کہ وہ راحل کو دیکھنے آئی تھی۔ بس اپنے رُکنے پر کچھ حیران ہوئی پھر آگے چند سیڑھیاں اتری تھی کہ سامنے سے عظام آ گئے۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"ہیں!" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اکیلی آئی ہو؟" انہوں نے پھر پوچھا۔ تب اسے ہوش آیا۔ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"نہیں الیشبہ ساتھ ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"راحل کے پاس۔ اماں بھی وہیں ہیں۔ چلیں، میں بھی وہیں جا رہی ہوں۔" وہ کہہ کر سیڑھیاں اترنے لگی تھی کہ عظام نے ٹوک دیا۔

"راحل اِدھر نہیں اُدھر ہے۔"

"اوہ سوری، میں اصل میں اوپر چلی گئی تھی۔ میری ایک پرانی دوست ہے وہاں، اس کے پاس۔" وہ بات بناتے ہوئے پلٹ کر سیڑھیاں پھلانگ آئی لیکن لابی میں آ کر عظام نے اسے روک لیا۔

"سنو، تم کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو۔"

"ہاں میں اپ سیٹ ہوں۔ لیکن ابھی بتاؤں گی نہیں۔" اس نے اعتراف کے ساتھ کہا تو انہوں نے اصرار نہیں کیا اور آگے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں۔ آپ جائیں اور الیشبہ کو بھیج دیں، میں اب گھر جاؤں گی۔"

"راحل سے نہیں ملو گی؟"

"کل مل لوں گی۔" وہ کہہ کر سست روی سے پھر سیڑھیوں کی طرف چل پڑی تھی۔

❁❁❁

جانے کتنی رات بیت گئی تھی۔ سارا عالم بے خبری کی نیند سو رہا تھا اور ایک وہ تھی جس کی آنکھیں نیند کو ترستے ترستے تھک گئی تھیں۔ کروٹیں بدل بدل کر بدن اپنی جگہ دُکھ رہا تھا اور ذہن الگ چیخ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس عورت کے لئے پریشان ہے یا اللہ کے انصاف سے خوفزدہ۔ متضاد کیفیات تھیں لیکن کہیں بھی اطمینان نہیں تھا۔ اس کے برعکس آزردگی ہی آزردگی، کیونکہ ہر سوچ کے ساتھ ہی ذہن کے دریچوں پر دستک ہونے لگی تھی۔

"میں نے معاف کر دیا تھا تمہاری خاطر۔" وہ رونے لگی۔ "میں ابھی بھی کہہ رہی ہوں، میں نے معاف کیا۔ میں نے اپنی دربدری معاف کی۔ لیکن جو سوہنی کے ساتھ ہوا، وہ تو میں معاف نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے ماما کو سوہنی سے معافی مانگنا ہو گی لیکن وہ کہاں تسلیم کریں گی کہ انہیں اس جرم کی سزا ملی ہے اور ان کے نزدیک تو شاید یہ جرم ہی نہ ہو۔ پھر بتاؤ، میں کیا کروں؟"

وہ شہریار سے مخاطب تھی اور روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ خود اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ رات کے سناٹے میں اس کی سسکیوں اور ہچکیوں نے کیسا تلاطم برپا کر رکھا تھا۔

پہلے سوہنی کی آنکھ کھلی پھر الیشبہ بھی اٹھ گئی۔

"آپی!"

"باجی!"

"کیا ہوا؟"

"کیوں رو رہی ہیں آپی! بتائیں نا۔" سوہنی روہانسی ہو کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔

اس نے ضبط کی کوشش ہی نہیں کی اور شدت سے رونے لگی تو سوہنی بھاگ کر امی ابو کو بلا لائی۔

"دیکھیں نا آپی کو۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے انہیں۔"

"فائقہ..... فائقہ!" امی قریب بیٹھ کر اسے جھنجھوڑنے لگیں لیکن وہ بری طرح مچل رہی تھی۔

"ایسے مت کرو سوہنی! پانی لاؤ۔" ابو نے امی کو روک کر سوہنی سے کہا تو وہ پھر بھاگ کر پانی لے آئی۔

الیشبہ پریشانی سے ایک ایک کو دیکھ رہی تھی۔

"فائقہ..... بیٹا! اٹھو، پانی پیو۔" ابو نے اسے سہارا دے کر بٹھایا تو وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

"ابو! مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔"

"کیا، کیا برداشت نہیں ہو رہا؟" امی نے پوچھا تو ابو انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر کے آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکنے لگے۔

"ابو! وہ شیری کی ماما ہیں، میرے مرحوم شوہر کی ماں! شیری ان سے بہت پیار کرتا تھا۔" ہچکیوں کے درمیان بولی تھی۔

"ہاں بیٹا! وہ بہت نیک، سعادت مند لڑکا تھا۔" ابو نے گویا اسے مزید بولنے پر اکسایا تھا۔

"میں نے..... میں نے شیری کی ماما کے لئے کبھی برا نہیں چاہا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، میں نے معاف کر دیا تھا۔"

"اچھی بات ہے بیٹا! معاف کر دینا اچھی بات ہے۔" ابو نے پہلے اس کی تائید کی پھر کہے بغیر نہیں رہ سکے۔ "گو کہ وہ عورت معافی کے قابل نہیں ہے۔ پھر بھی تم نے اچھا کیا، معاف کر دیا۔ لیکن اللہ شاید ہی معاف کرے۔"

"اللہ نے انہیں سزا دے دی ہے۔" اس نے کہا تو اب امی، ابو دونوں چونکے تھے۔

"کیسے؟"

"ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بہت خوفناک۔" اس نے بتا کر جھرجھری لی تھی۔

"کب، تمہیں کس نے بتایا؟" ابو اُسے خود سے الگ کر کے اس کا چہرہ دیکھنے لگے تو وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر بتانے لگی۔

"شام کو جب میں الیشبہ کے ساتھ ہاسپٹل گئی تھی، تب میں نے انہیں دیکھا تھا۔ بہت بری حالت ہے ان کی۔ ڈاکٹر بتا رہا تھا، ان کی بیک بون ڈیمیج ہوئی ہے جس سے وہ چلنے سے معذور ہو گئی ہیں اور ان کے چہرے پر بھی بہت زخم تھے۔"

"اس کے ساتھ یہی ہونا چاہئے تھا اور تم اس کے لئے رو رہی ہو۔" امی نے کہہ کر اس کے رونے پر بھی ناگواری کا اظہار کیا۔

"امی! وہ شیری کی ماں۔"

"شیری کی ماں ہے تو.....؟ خبردار جو اس کے ساتھ ہمدردی جتائی۔ وہ مرے یا جیے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔" امی ناراض ہونے لگیں۔

اس نے پریشان ہو کر ابو کو دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولے۔

"کہہ تو تمہاری امی ٹھیک رہی ہیں لیکن شہریار....."

"مجھے بھی تو شیری کا خیال ہے ابو!" وہ فوراً بولی تو ابو نے اشارے سے اسے امی کے سامنے مزید کچھ کہنے سے منع کیا پھر کہنے لگے۔

"شہریار کا خیال ہے، ٹھیک ہے لیکن یوں خود کو ہلکان مت کرو۔ رونے دھونے سے کچھ نہیں ہو گا۔ دعا کرو اور پناہ مانگو اللہ سے اور یہ مت سوچو کہ انہیں تمہارے ساتھ کی گئی کسی زیادتی کی سزا ملی ہے۔"

ابو نے نرمی سے سمجھایا تو اس نے بے اختیار سوہنی کو دیکھا اور اس کے سر جھکانے پر دُکھ سے بولی۔ "میں ایسا نہیں سوچتی۔ لیکن کسی معصوم مظلوم کی آہ ضرور لگی ہے انہیں۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہرحال، تم دل پر بوجھ مت ڈالو۔" ابو نے گہری سانس کے ساتھ کہا پھر الیشبہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"بیٹا! تمہارے بھائی کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے، اب تو ٹھیک ہے۔ شاید آج اسے چھٹی مل جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ چلو بیٹا! اب سو جاؤ۔" ابو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو امی بھی ان کے ساتھ چلی گئیں اور ان کے جاتے ہی الیشبہ شروع ہو گئی۔

"اچھا ہوا، بہت اچھا ہوا۔ میرے بھائی کو مارنا چاہتی تھی۔ اللہ نے اسے بچا لیا۔ پر یہ اللہ کرے مر جائے تو مجھے اور خوشی ہو گی۔"

اس نے الیشبہ کو ٹوکنا چاہا لیکن جب سوہنی پر نظر پڑی تو خاموش ہو رہی کیونکہ اس کے چہرے پر بھی محسوس کی جانے والی مسکراہٹ تھی جیسے الیشبہ اس کے دل کی بات کہہ رہی ہو۔

'بہت قرض ہیں ماما کی جان پر، کیسے اتاریں گی۔ جانے زندگی مہلت دے گی بھی کہ نہیں۔' اس نے دُکھ سے سوچا اور ان دونوں کی طرف سے پیٹھ موڑ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

جب اسفند یار ڈسچارج ہو کر اماں اور الیشبہ کے ساتھ آفندی ہاؤس آیا، تب اماں نے اسے بیگم آفندی کے ایکسیڈنٹ کا بتایا اور یہ بھی کہ وہ اسی ہاسپٹل میں ہیں، جہاں وہ تھا تو فوراً اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا، بس جانے کیا سوچتا رہا اور غالباً اس سوچ کے تحت ہی اماں سے پوچھنے لگا۔

"اب تو آپ کہیں نہیں جاؤ گی۔ میرا مطلب ہے واپس مظفر گڑھ۔"

"کیوں، کیوں نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔" اماں نے کہا پھر اس کے خاموش ہو جانے پر پوچھنے لگیں۔

"تو کیا چاہتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ ابھی اس مسئلے میں نہیں اُلجھنا چاہتا تھا، جب ہی ٹالا لیکن اماں کو یہی فکر تھی۔

"دیکھ راحل! مجھے تجھ سے اور الیشبہ سے بڑھ کر کچھ پیارا نہیں اور نہ مجھے اس گھر میں رہنے کی تمنا ہے۔"

"بات تمنا کی نہیں اماں! حق کی ہے۔ اگر میرا باپ خود مجھے اس حق سے محروم کر جاتا تو میں کبھی دعویٰ نہ کرتا لیکن اب میں اپنا حق نہیں چھوڑ سکتا پھر میرے باپ کی بھی یہی خواہش تھی۔ وہ ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے زندگی ہار گئے لیکن میں نہیں ہارنا چاہتا، نہ اپنی شناخت کھونا چاہتا ہوں۔" وہ دھیرج سے بولتے ہوئے چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اماں کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"اب آپ کو کس بات کا ڈر ہے۔ جس سے خطرہ تھا، اسے اللہ نے اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا، تب بھی مجھے یہاں سے نہیں جانا تھا۔"

"یہاں رہ کر کیا کرے گا۔" اماں نے یوں کہا جیسے مظفر گڑھ میں پریکٹس کے علاوہ کہیں کچھ نہیں کر سکتا۔

"بہت کام ہیں اماں! بہت کام ہیں۔" اس نے کہا تو اماں فوراً بولیں۔

"پر ابھی ڈاکٹر نے تجھے آرام کرنے کو کہا ہے۔"

"آرام ہی تو کر رہا ہوں۔" وہ کہہ کر بات بدل گیا۔ "یہ الیشبہ کہاں چلی گئی؟ اس سے کہو، کوئی جوس ہی بنا دے۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "اور تیرے لئے کھانا بھی آپ بناؤں گی۔"

"اچھا، الیشبہ کو میرے پاس بھیج دو۔"

"پتہ نہیں کیا کر رہی ہے۔" اماں اپنے آپ بولتے ہوئے چلی گئیں تو اس نے تکیے کے ساتھ کمر ٹکا کر ٹانگیں سیدھی کر لیں۔

"ہاں بھائی!" الیشبہ فوراً ہی آ گئی تو اس نے اشارے سے بلا کر اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا۔

"اب تو تجھے ڈر نہیں لگ رہا؟"

"نہیں، پر اچھا بھی نہیں لگ رہا۔" الیشبہ کی شکل سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔

"کیا اچھا نہیں لگ رہا؟"

"اتنا بڑا گھر اور کوئی ہے بھی نہیں۔ باجی اور احمد ہی آ جاتے۔ میرا احمد کے بغیر دل نہیں لگتا۔" الیشبہ نے کہا تو وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"فائقہ نے آنے کو کہا تھا؟"

"نہیں..... وہ اپنی ساس کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ پتہ نہیں کیا مل جائے گا اسے ساس کی خدمت کر کے۔" الیشبہ سخت نالاں لگ رہی تھی۔

"پتہ ہے بھائی! جس دن اسے دیکھ کر آئی تھی، اس رات باجی بہت روئی تھی۔"

'اس کی یہی ادائیں تو پاگل کر دیتی ہیں۔' اس نے سوچا پھر پوچھنے لگا۔

"اس وقت فائقہ کہاں ہو گی؟"

"پتہ نہیں۔"

"جا اس کے گھر فون کر کے پتہ کر بلکہ ٹیلی فون یہیں لے آ۔ مجھے بھی ایک دو جگہ فون کرنا ہے۔" اس نے الیشبہ کے کندھے پر ہاتھ مار کر اٹھا دیا پھر بیڈ کارنر کی دراز سے ڈائری نکال کر مطلوبہ نمبرز دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد اماں اس کے لئے جوس لے آئیں اور ان کے پیچھے الیشبہ بھی کارڈلیس لے کر آ گئی تو اس نے پہلے جوس پیا پھر کارڈلیس لے کر ماربل فیکٹری کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف کی ٹیون سنتے ہوئے الیشبہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا جبکہ اماں کھانا پکانے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔

اس نے دو تین بار ٹرائی کیا۔ دوسری طرف بیل تو جا رہی تھی لیکن کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ تب ادھر سے مایوس ہو کر اس نے ابرار قریشی کے نمبر پش کئے تو فوراً ہی ان سے رابطہ ہو گیا۔

"السلام علیکم ابرار صاحب! میں اسفندیار۔" اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگے۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"میں اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ اس وقت کوئی ضروری کام تو نہیں کر رہے؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں۔ آپ فرمائیے، کوئی کام ہے؟"

"کام..... کام ہی کہہ لیں۔ یعنی مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا تو ابرار قریشی پوچھنے لگے۔

"کس سلسلے میں؟"

"بزنس کے سلسلے میں۔ کیونکہ میں تو سیدھا سادا ڈاکٹر ہوں۔ ہاسپٹل تو چلا سکتا ہوں لیکن فیکٹری چلانا میرے بس میں نہیں ہے جبکہ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ماربل فیکٹری اسی طرح چلتی رہے۔" اس نے اپنی خواہش بتائی تو ابرار قریشی کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے۔

"اس کے لئے آپ کو طاہر صاحب کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ وہ محنتی اور ایماندار آدمی ہیں۔ بیگم صاحبہ بھی انہی پر بھروسہ کرتی ہیں۔ اگر وہ آپ کے ساتھ تعاون کریں تو آپ کی فیکٹری اسی طرح

چلتی رہے گی۔"

"ہوں، آپ کے پاس طاہر صاحب کا کوئی کنٹیکٹ نمبر ہے؟" اس نے تائیدی انداز میں ہوں کہہ کر پوچھا۔

"نہیں، آپ انہیں آفس میں فون کرلیں۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ کچھ شش و پنج میں گھر کر بولا۔

"آفس شاید بند ہے۔ اصل میں ماما کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔"

"ارے، کب؟" ابرار قریشی نے تشویش ظاہر کی۔

"چار پانچ دن ہوگئے ہیں اور بہت سیریس کنڈیشن ہے ان کی۔"

"اوہ...... یہ تو آپ نے بہت بری خبر سنائی۔ اللہ رحم کرے۔" ابرار قریشی نے کہا تو وہ بے اختیار بولا۔

"اللہ ایسے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" پھر احساس ہونے پر کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آئی تو سلسلہ منقطع کر کے کارڈلیس الیشبہ کے سامنے ڈال دیا۔

"باجی سے بات نہیں کرو گے؟" الیشبہ تعجب سے بولی۔

"نہیں، جب اسے پرواہ نہیں تو۔" وہ ہونٹ بھینچ گیا۔

الیشبہ نے خود ہی نمبر ڈائل کر کے کارڈلیس کان سے لگالیا۔

وہ بظاہر متوجہ نہیں ہوا لیکن سارا دھیان اسی کی طرف تھا اور جیسے ہی الیشبہ نے باجی کہا، وہ اسے دیکھنے بھی لگا تھا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔"

"بھائی بھی ٹھیک ہے۔" الیشبہ ادھر کی باتوں کا جواب دیئے جارہی تھی۔ پھر کارڈلیس اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

"بھائی! باجی تم سے بات کرے گی۔"

اس نے خاصی ناگواری سے کارڈلیس لیا اور اسی انداز میں بولا تھا۔

"کیا ہے؟"

"سوری، میں نے شاید تمہیں ڈسٹرب کیا ہے۔" وہ اس کے انداز سے یہی سمجھی تھی اور وہ مزید چڑ گیا۔

"سنو، یہ رسمی باتیں کسی اور کے لئے سنبھال رکھو۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ بتاؤ، طبیعت کیسی ہے؟ یہ میں رسماً نہیں پوچھ رہی۔" وہ غالباً الجھنے کے موڈ

میں نہیں تھی۔

"میں پھر بھی نہیں بتاؤں گا۔" وہ روٹھا ہوا تھا۔

"تمہاری مرضی۔" وہ فون رکھنے جارہی تھی لیکن پھر اچانک کسی خیال سے رک کر کہنے لگی۔

"اچھا سنو، اگر تم ماربل فیکٹری قائم رکھنا چاہتے ہو تو فوراً کچھ کرو۔ آئی مین، ماما نے اپنے طور پر فیکٹری بند کردی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ، کیا تمہاری ماما نے تمہیں بتایا ہے؟" اس کے لہجے میں 'تمہاری ماما' کہتے ہوئے آپ ہی آپ طنز سمٹ آیا تھا جسے محسوس کرنے کے باوجود وہ قصداً نظرانداز کرگئی۔

"نہیں، مجھے کسی اور ذریعے سے معلوم ہوا ہے۔ بہرحال، تم اگر انٹرسٹڈ ہو تو......"

"میں کیا کروں؟" وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

"تمام اسٹاف کو فوراً واپس بلا لو۔ ورنہ نئے سرے سے اسٹاف بھرتی کرنے اور انہیں کام سمجھانے میں بہت وقت لگے گا اور مشکل بھی ہوگی۔" اس نے کہا تو وہ لاچاری سے بولا تھا۔

"لیکن میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ ایک صرف طاہر صاحب سے دو تین بار سامنا ہوا ہے لیکن ان کا کوئی کنٹیکٹ نمبر......"

"آفس سے مل جائے گا۔" اس نے فوراً کہا تو وہ قدرے رک کر پوچھنے لگا۔

"تم کب آرہی ہو؟ آئی مین، مجھے اس سلسلے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں...... میں ابھی تو نہیں آسکتی۔"

"ٹھیک ہے۔ جب تم آؤ گی، تب ہی میں کچھ کروں گا۔" اس نے کہا تو وہ زور دے کر بولی۔

"دیر مت کرو۔"

"دیر میں نہیں، تم کررہی ہو۔ اگر یہاں نہیں آنا چاہتیں تو آفس آجاؤ، کل دس بجے۔" اس نے جتا کر کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گی۔" فائقہ نے کہہ کر فون رکھ دیا تو وہ اس کی باتوں کو سوچتے ہوئے اسی انداز میں الیشبہ کو دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا بھائی؟" الیشبہ نے پوچھا تو وہ پہلے چونکا پھر نفی میں سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جارہے ہو؟" الیشبہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"میں ذرا کام سے جارہا ہوں۔ اماں کو مت بتانا تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

رابعہ نے صوفے کی بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں، یوں جیسے سفر کی تھکان غالب ہو لیکن ایسا نہیں تھا بلکہ اپنے گھر آ کر وہ اپنے اندر کسی احساس کو کھوجنا چاہتی تھی کہ آیا وہ خوش ہے یا ناخوش۔

"تھک گئی ہو؟" ڈاکٹر عفان نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا تو وہ ذرا سی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی، بولی کچھ نہیں۔

"کیا بات ہے؟" وہ اس کے قریب آنا چاہتے تھے، لیکن اس سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور گھوم گھوم کر چاروں اور دیکھنے لگی پھر اسی طرح اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ حتیٰ کہ بیڈ کارنر پر اس کی اور عفان کی فریم شدہ تصویر جسے اس وقت اس نے غصے میں الٹ دیا تھا، وہ بھی اسی طرح الٹی پڑی تھی۔

اس نے بے اختیار تصویر سیدھی کی تو جیسے اس میں وہ مسکرا رہی تھی، ویسی ہی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی، لیکن اسے خود احساس نہیں تھا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر وارڈروب کی طرف بڑھی تھی کہ عفان چائے لے کر آ گئے۔

"چائے کس نے بنائی؟" ابھی بھی اس نے بلا ارادہ پوچھا تھا۔

"خانساماں نے۔ ویسے میں بھی بنا سکتا ہوں، صرف تمہارے لئے۔" ڈاکٹر عفان نے کپ اسے تھماتے ہوئے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"صرف میرے لئے کیوں؟"

"پھر.....؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ انجان سی بن کر چائے پینے لگ گئی۔

ڈاکٹر عفان نے چائے کا سپ لے کر کپ رکھ دیا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھا کر کہنے لگے۔

"تم مجھے مایوس اور دل گرفتہ لگ رہی ہو، جبکہ وہاں تم نے کہا تھا کہ تم خوش ہونا چاہتی ہو۔ مجھے بتاؤ، تمہاری خوشی کس بات میں ہے؟"

"میری خوشی؟" اس نے گہری سانس کھینچی پھر ذرا سی تاسف بھری ہنسی کے ساتھ کہنے لگی۔

"میں جس بات سے خوش ہو سکتی ہوں وہ شاید میں خود نہیں چاہتی یا شاید چاہتی ہوں۔"

"کیا؟" انہوں نے فوراً پوچھا تو وہ انہیں دیکھ کر ہنس پڑی۔

"جلدی کیا ہے، ابھی تو میں خود فیصلہ نہیں کر پائی کہ آیا میں چاہتی ہوں یا نہیں چاہتی۔ بہرحال جب کسی ایک بات کا یقین ہو جائے گا تب بتا دوں گی۔"

"ایز یو لائیک۔" انہوں نے کندھے اچکائے لیکن قیاس کرنے سے باز بھی نہیں رہ سکے۔ "تم

شاید ماڈلنگ جاری رکھنا چاہتی ہو۔"

"نہیں، وہ تو میں پہلے ہی چھوڑ چکی ہوں۔" اس نے کہا، تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔

ڈاکٹر عفان نے قصداً انجان بن کر چائے کا کپ اٹھا لیا اور ان کی اس حرکت سے وہ اندر ہی اندر جزبز ہونے لگی پھر جھنجلا کر اٹھی تھی۔

"ہیلو۔"

"ماشاء اللہ۔ کب آئیں؟" فائقہ نے اس کی اپنے گھر واپسی پر خوشی کا اظہار کر کے پوچھا۔

"اگر میں کہوں، دوسرے ہی دن آ گئی تھی تو؟" اس نے کہا تو فائقہ فوراً بولی۔

"میں نہیں مانوں گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں روزانہ فون کر رہی ہوں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے عفان بھائی کی خیریت مطلوب تھی اور ہے۔" فائقہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"تم.....!" وہ دانت پیس کر گالیاں دینے جا رہی تھی کہ ادھر سے فائقہ فوراً بولی۔

"گالیاں دینے میں وقت ضائع مت کرو اور فوراً یہاں آ جاؤ عفان بھائی کے ساتھ۔"

"کیوں؟"

"یا اللہ..... ہر بات میں کیوں، کیا سسرال سے سیکھ کر آئی ہو؟"

"بکو مت۔" وہ چیخی۔

"چلو عرض کر رہی ہوں میڈم رابعہ عفان! کہ آپ فوراً یہاں تشریف لے آئیں اور کچھ کام میں میرا ہاتھ بٹا دیں، کیونکہ شام میں سوہنی کی شادی کی تاریخ رکھی جا رہی ہے۔" فائقہ نے مؤدبانہ انداز میں کہا تو وہ قدرے تعجب سے بولی۔

"واقعی؟"

"جناب! اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" فائقہ نے ٹوکا لیکن وہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔

"کیوں نہیں، اگر میں آج نہ آتی تو۔"

"تو بھی آج کی تاریخ میں یہ کام ہونا تھا کیونکہ ادھر اسماء کی بات پکی ہو گئی ہے اور ماں جی دونوں شادیاں ایک ساتھ کرنا چاہ رہی ہیں۔ خیر یہ بتاؤ، تم آ رہی ہو ناں؟"

"شام میں ہی آؤں گی مہمانوں کی طرح۔" اس نے کہہ کر فون پٹخ دیا تھا۔

☆☆☆

سوہنی مسلسل روئے جا رہی تھی۔ رابعہ اور فائقہ اس کی دلجوئی کرنے کے ساتھ کسی وقت ڈانٹ بھی دیتیں۔

راحیلہ کچھ دیر ان تینوں کو دیکھتی رہی پھر سوہنی پر ترس کھاتے ہوئے بولی۔

"بے چاری روئے نہ تو اور کیا کرے۔ تم لوگ بھی تو اسے ایک بڈھے کے پلے باندھ رہی ہو۔"

"کیا؟" رابعہ اور فائقہ منہ کھولے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، اس کی عمر دیکھو اور عظام بھائی۔"

"سلمان کے برابر ہیں۔" فائقہ نے کہا تو رابعہ فوراً بولی۔

"اس کا مطلب ہے، سلمان بھائی بھی بڈھے ہو گئے ہیں۔"

"کوئی نہیں، سلمان تو اتنے اسمارٹ ہیں۔ کوئی مانتا ہی نہیں کہ ایک بچی کے باپ ہیں۔"

"ماننے والی بات ہے بھی نہیں کیونکہ وہ ایک نہیں، چار بچوں کے ابا لگتے ہیں۔" رابعہ نے اسے مزید بھڑکا دیا تھا۔

"تم جلتی ہو۔ پتہ نہیں کیسی بہنیں ہو، اپنے بھائی کو اچھا دیکھ ہی نہیں سکتیں۔" راحیلہ میں ابھی بھی برداشت کا حوصلہ نہیں تھا۔

"ہونہہ...... بھائی کون سا ہمارے ساتھ اچھا ہے جو ہم اسے سر چڑھا لیں۔" رابعہ نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا۔

"اسی لئے میں یہاں نہیں آنا چاہتی اور ابھی بھی میں نے سلمان کو منع کیا تھا لیکن اسے بہت شوق ہے ماں بہنوں میں گھسنے کا۔" راحیلہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

"اسے تو بس موقع چاہئے۔ اب پتہ نہیں بھیا سے کیا کہے گی۔"

"جو مرضی کہے۔ چلو سوہنی! منہ دھوؤ جا کر اور خبردار جو اب روئیں تو۔" رابعہ نے اٹھتے ہوئے سوہنی کا بازو کھینچ کر اسے بھی اٹھا دیا پھر فائقہ سے کچھ کہنے جا رہی تھی کہ عظام کو آتے دیکھ کر خاموش رہ گئی۔

"آئیے عظام بھائی!" فائقہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو عظام نے اسے اور رابعہ کو جانے کا اشارہ کر دیا۔

"جناب! ابھی صرف شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے۔" رابعہ کا موڈ یکدم بدل گیا، ہنس کر بولی۔

عظام بھائی قدرے جھینپ گئے پھر بھی دونوں کو "چلو چلو" کا اشارہ کرنے لگے، جس سے گھبرا کر سوہنی پھر رونے لگی تھی۔

"سوہنی!" فائقہ اسے تھامنا چاہتی تھی لیکن رابعہ اسے کھینچتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تو کچھ رک کر عظام نے آہستہ سے سوہنی کا بازو تھام کر اسے بٹھا دیا پھر سامنے بیٹھ کر بہت خاموشی سے اسے دیکھنے لگے۔

سوہنی کے آنسو ایک تواتر سے اس کی اپنی ہتھیلیوں پر گر رہے تھے۔

عظام نے ذرا سا کھانس کر گویا اسے متوجہ کیا پھر کہنے لگے۔

"کسی صوفی کا کہنا ہے کہ یہ دنیا ایک بہت بڑا صندوق ہے جس میں ہمیں ڈال کر ڈھکن بند کر دیا گیا ہے اور ہم اس میں احمقوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ موت جب اس ڈھکن کو اٹھا لے گی تو یہاں سے ہمیشہ قائم و دائم دنیا تک پہنچنے کے لئے وہی لوگ بلند پرواز کر سکیں گے جنہوں نے اس دنیا میں ہمت کے پر حاصل کر لئے ہوں گے۔ لیکن جن کے پاس پر نہیں ہوں گے وہ اس صندوق نما دنیا میں پائی جانے والی مصیبتوں کا شکار ہو کر یہیں رہ جائیں گے۔

بے وقوف لڑکی! یوں کم ہمتی کا مظاہرہ کرو گی تو میرے ساتھ کیسے چلو گی؟ میں تو بہت مشکل راستوں کا مسافر ہوں۔ کیا کرو گی، میرے ساتھ چلو گی یا اپنا الگ راستہ بناؤ گی؟"

وہ رونا بھول گئی اور حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی کیونکہ ان کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

"تم بہت سادہ، بہت معصوم ہو اور گو کہ تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہوئی ہے پھر بھی میں تمہیں رونے سے منع نہیں کروں گا کیونکہ میں خود بہت رویا ہوں، کھونے سے زیادہ پانے کی جستجو میں اور اس جستجو میں رونا تڑپنا شرط ہے۔ تم بھی جو کھو گیا اس کا ماتم مت کرو، اپنے آنسو اس پُر خار راستے پر لٹانے کے لئے سنبھال رکھو جس کے اختتام پر اللہ خوش ہو کر لوح و قلم تمہارے ہاتھ میں تھما دے۔"

"آ......" کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔

"ہاں، یہ ممکن ہے۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اللہ جس سے دوستی کرنا چاہتا ہے، اسے پہلے آزمائش میں ڈالتا ہے اور جو اس کی آزمائش میں پورا اترتا ہے، اسے پھر وہ دوست بنا لیتا ہے اور اس کی دوستی سے بڑھ کر تو کچھ نہیں۔ اس کے لئے سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے، سب کچھ۔

پھر ابھی تو ابتدا ہے، آگے زندگی میں جانے کتنی آزمائشیں ہماری منتظر ہوں گی۔ تو کیا تم اس طرح روؤ گی، گھبراؤ گی۔ نہیں، رونے سے آزمائشیں کم ہوتی ہیں نہ ٹلتی ہیں بلکہ جینا اور دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر آسانیاں چاہتی ہو تو صبر کا دامن تھامو اور اپنے دل میں کسی کے لئے بھی ذرہ برابر عداوت مت رکھنا کیونکہ تم عنقریب میری ہم سفر بننے جا رہی ہو اور میری ہم سفر کا دل اگر شفاف آئینے جیسا

ہو تو میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھوں گا۔"

سوہنی سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی جبکہ اس کے دل میں سکون گھر کر رہا تھا۔

عظام نے چند لمحے توقف کیا۔ اپنی گود سے ایک پیکٹ اٹھا کر اس کی گود میں رکھتے ہوئے بولے۔"یہ میں تمہارے لئے لایا تھا۔ ایک کتاب ہے، ضرور پڑھنا۔"

پھر اٹھ کھڑے ہوئے تو سوہنی کی نظریں بھی ان کے ساتھ اٹھ گئیں اور دروازے تک ان کے تعاقب میں گئیں۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے، اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے سینے میں رکی سانس بحال کی پھر پیکٹ تکیے کے پاس رکھ کر لیٹ گئی۔ کیونکہ اب اس میں بہنوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس لئے جب تک وہ فارغ ہو کر ادھر آئیں، وہ سو چکی تھی۔ گہری، پرسکون نیند۔ جو بہت طویل نہیں تھی لیکن چند گھنٹوں بعد جب خود بخود اس کی آنکھ کھل گئی تو لگا جیسے وہ بہت طویل نیند سے بیدار ہوئی ہو۔ ذہن ہلکا اور دل کسی نئے احساس سے ہمکنار تھا۔

کتنی دیر وہ اس نئے احساس کو چھونے میں لگی رہی۔ گرد و پیش کا ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر کروٹ بدلتے ہوئے فائقہ پر نظر پڑی جو احمد کو بازو میں دبائے بے خبر سو رہی تھی۔ تب وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔

رات کے تین بج رہے تھے اور وہ پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔ پہلے اس نے سوچا کہ فائقہ کو اٹھا دے لیکن پھر اس خیال سے رہ گئی کہ جانے وہ کب سوئی ہے۔ اور ایسی بے خبری کی نیند سے اٹھانا مناسب بھی نہیں تھا۔ اس لئے اس کی جانب سے دھیان ہٹا کر وہ دوبارہ لیٹی تھی کہ تکیے کے پاس رکھے اس پیکٹ کا خیال آیا جو عظام نے دیا تھا۔

اس نے فوراً پیکٹ کھینچ کر اس کا ریپر اتار دیا اور زیرو پاور کی مدھم روشنی میں کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ پھر فطری تجسس تھا جو اس نے سوئی ہوئی فائقہ کا خیال بھی نہیں کیا اور اٹھ کر لائٹ آن کر دی اور کونے میں رکھی کرسی پر بیٹھ کر کتاب کے صفحے الٹنے لگی۔ چند صفحات کے بعد ایک جگہ پین سے نشان لگا کر گویا اسے خاص طور سے پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی اور اس کی نظریں وہیں جم گئیں۔

"اگر تم خود کو انتہائی دکھی، مصیبت زدہ اور مظلوم سمجھتے ہو تو پہلے ان لوگوں کے بارے میں غور کرو۔ جو امر ربی میں پوری طرح داخل ہو گئے ہیں۔

دیکھو کہ حضرت آدم پر کیا گزری اور وہ کتنے عرصے تک ماتم و نوحہ کرتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات کے بارے میں سوچ بچار کرو جو اللہ کی محبت میں سرشار تھے۔ انہیں ایذا رسانی کا نشانہ بنا کر آگ میں جھونک دیا گیا۔

اللہ کی راہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جذبہ ایثار و قربانی پر بھی کچھ تفکر کرو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اپنے بیٹے کے لئے رو رو کر نابینا ہو جانے پر بھی دھیان دو۔

اسی طرح بادشاہی اور اسیری میں، کنویں میں اور تہہ خانے میں، حضرت یوسف علیہ السلام کے قابل ستائش کردار کو بھی ذہن میں رکھو۔

"یا اللہ!" اس کا دل کسی اتھاہ میں اتر رہا تھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں تو کچھ دیر کے لئے سب کچھ دھندلا گیا۔ اس نے کرسی کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب آنسو اس کے حلق میں اتر رہے تھے۔ کتنی دیر وہ اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ جب دھند چھٹ گئی تو دوبارہ کتاب پر جھک گئی۔

"یاد کرو، مصیبت زدہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جنہیں ایک مدت کے لئے کیڑے مکوڑوں اور بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں سوچو جو مچھلی کے پیٹ میں قید ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے در نبوت تک کے واقعات کو دیکھو کہ کس طرح ایک صندوق نے جھولے کا کام دیا اور خود فرعون نے ان کی پرورش کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں سوچو جنہوں نے خود کو مقام قلب پر فائز کیا اور اپنی ٹھنڈی آہوں سے لوہے کو موم کی طرح نرم و نازک بنایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کو دیکھو جو جنوں اور انسانوں پر حکومت کرتے تھے۔

یاد کرو حضرت زکریا علیہ السلام کو جو حب الٰہی میں سرشار ہو کر ظالموں کے ہاتھوں اپنے قتل پر بھی خاموش رہے۔

اور بالآخر نبیوں کے سردار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو دشمنوں کے ہاتھوں پہنچنے والی تکالیف پر غور و فکر میں ڈوب جاؤ۔

ان سب باتوں کے بعد کیا تم خود کو مظلوم کہہ سکتے ہو؟

کیا اب بھی تم اپنے دکھ پر رونا چاہتے ہو؟

"نہیں۔" اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے لیکن اب وہ اپنے دکھ پر نہیں رو رہی تھی۔ اس کے آنسو مدینے کی گلیوں سے گزرنے والے اس شخص کے قدموں پر نچھاور ہو رہے تھے جس کی نظریں کبھی فریاد کے لئے آسمان کی طرف نہیں اٹھیں۔ جو خود رحمت تھا اور تمام عالم کے لئے رحمت کا طلب گار تھا۔ (ﷺ)

اور جیسا کہ عظام کہہ گئے تھے۔

"اپنے آنسو اس پرخار راستے پر لٹانے کے لئے سنبھال رکھو جس کے اختتام پر اللہ خوش ہو کر

لوح وقلم تمہارے ہاتھ میں تھما دے۔"

اسے نہیں معلوم تھا پُر خار راستہ کیا ہے۔ وہ لوح وقلم کی حقیقت بھی نہیں جانتی تھی لیکن اب جاننا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کے اندر جستجو تڑپنے لگی تھی۔

"رونا تڑپنا شرط ہے۔"

"میں کیا کروں؟" اس نے پہلے بے بسی سے سر پٹخا پھر اٹھ کر کہنے لگی۔

"سو جاؤ۔ سب غموں سے آزاد ہو جاؤ گی۔" کوئی ترغیب دے رہا تھا۔

اس نے کھڑے کھڑے آنکھیں بند کیں تو میٹھی نیند کے جھونکے آنے لگے۔

"نہیں۔" اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ "مجھے نہیں سونا، مجھے میٹھی نیند نہیں سونا۔ مجھے پُر خار راستے پر چلنا ہے۔ عظام کے سنگ۔ ہاں عظام کے سنگ۔ مجھے اپنا الگ راستہ نہیں بنانا۔ مجھے انہی کے سنگ چلنا ہے۔ مجھے انہی کے سنگ چلنا ہے۔ انہی کے سنگ۔"

وہ ورد کرتے ہوئے دھیرے دھیرے واش روم کی طرف بڑھ رہی تھی اور ایسے ہی عالم میں وضو کر آئی اور اذان کا انتظار کئے بغیر جانماز بچھا کر نیت باندھ لی۔

اس نے پہلا قدم بڑھایا تھا اور تھامنے والے نے وعدے کے مطابق دس قدم بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔

اور وہ جو اسے سونے کی ترغیب دے رہا تھا، اس نے اپنی ناکامی پر تلملا کر بے خبر سوتے ہوئے بچے کو اٹھا دیا تھا۔

احمد نیند میں اچانک چیخ چیخ کر رونے لگا تھا جس سے فائقہ ہڑبڑا کر اٹھی اور بچے کو گود میں لے کر تھپکتے ہوئے اس کی نظر سوہنی پر پڑی تو پہلے یہی سمجھی کہ فجر کی نماز پڑھ رہی ہے لیکن جب احمد کو سلا کر لیٹنے لگی تو سامنے وال کلاک پر ٹائم دیکھ کر چونکی۔ فجر کی اذان ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔

"یہ کون سی نماز پڑھ رہی ہے؟" اس نے سوہنی کو دیکھتے ہوئے سوچا اور پھر ٹھٹک گئی۔

سوہنی کے پورے وجود پر لرزہ طاری تھا اور آنسو اس روانی سے بہہ رہے تھے جیسے سیلاب سارے بند توڑ کر بہہ نکلا ہو۔

"سوہنی!" وہ اٹھ کر سوہنی کے قریب چلی آئی اور ایک ٹک اس کا چہرہ دیکھنے لگی جس پر گئے دنوں کی کوئی پرچھائیں نہیں تھی نہ کسی دُکھ کا شائبہ۔ اس کے برعکس ایک چمکتی ہوئی روشنی تھی جو اس کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھی۔

"جانے کون سی منزل ہے عظام بھائی! جو مجھے اپنی طرف بلاتی ہے اور مجھے لگتا ہے میں آپ کا

ہاتھ تھام کر ہی اس منزل تک جا سکوں گی۔ آپ ہی کیوں عظام بھائی! مجھے کسی اور کا خیال کیوں نہیں آتا؟" اسے اپنی بات یاد آئی تو دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہوئے وہ بیڈ پر ڈھے گئی۔

میں دنیا کے جھمیلوں میں کھو گئی۔ اس منزل کی طرف پیش رفت ہی نہیں کر سکی جو مجھے ہی نہیں سب کو اپنی طرف بلاتی ہے اور شاید سب ہی میری طرح نادان ہیں۔ سوائے چند لوگوں کے اور ان چند لوگوں میں یہ لڑکی بھی شامل ہو گئی جس کے دل کو دنیاوی غموں سے آزاد کر کے اللہ نے اپنی محبت سے لبریز کر دیا ہے۔

ہاہا۔ عظام بھائی کی رفیق سفر مجھ جیسی عام سی لڑکی تو نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے گہری سانس کے ساتھ سوچا پھر سوہنی کو اسی عقیدت سے دیکھنے لگی جیسے عظام کو دیکھتی تھی۔

☆☆☆

پورے دو ہفتے ہو گئے تھے بیگم آفندی کو ہاسپٹل کے بیڈ پر سیدھا لیٹے ہوئے اور ابھی بھی وہ اپنے وجود کو حرکت دینے سے قاصر تھیں، بس گردن اِدھر اُدھر موڑ لیتیں اور گو کہ ہاتھ بھی ہلا سکتی تھیں لیکن اس سے وہ قصداً گریز کر رہی تھیں۔ اندر سے خوف زدہ تھیں یا کیا تھا کہ اول روز سے جو بازو سینے پر بندگی کے انداز میں رکھے تھے تو ابھی تک ویسے ہی تھے۔

فائقہ روزانہ کچھ دیر کے لئے ہی سہی ان کے پاس ضرور آتی تھی۔ ان کا حال احوال پوچھنے کے ساتھ تسلی کے بول بھی ضرور بولتی۔ پھر بھی وہ ہونٹ نہیں ہلاتی تھیں نہ ہی چہرے پر کوئی تاثر ابھرنے دیتیں۔ بس خاموش نظروں سے اسے دیکھے جاتیں پھر آنکھیں بند کر لیتیں۔

اس وقت فائقہ، ڈاکٹر ابراہیم سے ان کی تازہ رپورٹ جاننے کے بعد ان کے پاس آئی تھی اور روزانہ کی طرح آہستہ سے ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔

"ماما! آپ کیسی ہیں؟"

حسب سابق بیگم آفندی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"دیکھیں، میں آپ کے لئے سوپ لائی ہوں۔ میں نے خود بنایا ہے اور اپنے ہاتھوں سے۔" انہیں آنکھیں بند کرتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی پھر قدرے توقف سے ان کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر کہنے لگی۔

"ماما! آپ تو بہت اسٹرانگ ہیں۔ اتنی جلدی ہمت کیوں ہار رہی ہیں؟ ابھی ڈاکٹر ابراہیم کہہ رہے تھے کہ اگر آپ اپنی ول پاور استعمال کریں گی تو جلدی بیٹھنے کے قابل ہو جائیں گی۔"

وہ پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ہمت سے کام لیں ماما! آپ جلدی اچھی ہو جائیں گی۔"

"تم!" ان کے لبوں کو ہلکی سی جنبش ہوئی تھی اور وہ پوری طرح متوجہ ہوگئی۔

"جی ماما!"

"تم بہت مکار ہو۔" انہوں نے پہلا جملہ رُک رُک کر ادا کیا پھر قدرے توقف سے کہنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں مجھے اس حال میں دیکھ کر تم اندر سے کتنی خوش ہو اور یہاں تم میری عیادت کو نہیں بلکہ یہ دیکھنے آتی ہو کہ......"

"بس کریں ماما!" اس نے انہیں ٹوک دیا پھر دُکھ سے بولی۔ "آپ نے ہمیشہ مجھے سمجھنے میں غلطی کی۔"

"ہاں، میں نے غلطی کی، مجھ سے غلطی ہوئی۔ ایک بار نہیں بار بار۔" وہ کہہ کر اپنے آپ سوچنے میں لگ گئیں تو کتنی دیر ان کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد اس نے پکارا تھا۔

"ماما!"

"ہاں!" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر ناگواری سے بولیں۔ "مت پکارا کرو مجھے ماما۔ میں تمہاری ماما نہیں ہوں۔"

"شیری کی ماما تو ہیں ناں؟"

"شیری مر گیا۔" ان کی آواز یکلخت بھرا گئی تو وہ بے اختیار ان کے ہاتھ تھام کر بولی۔

"نہیں، شیری کبھی نہیں مرے گا، وہ میرے ہر احساس میں زندہ ہے۔ کیا آپ کو میرے وجود سے اس کی خوشبو نہیں آتی؟"

"آتی تھی۔ لیکن جب سے تم نے اسفندیار کے ساتھ ناتا جوڑا ہے۔"

"نہیں۔ میں نے اسفندیار سے ناتا نہیں جوڑا۔ وہ سب جھوٹ تھا۔ میں کل بھی شیری کی تھی، آج بھی اسی کی ہوں۔ جب ہی تو آپ کے پاس آئی ہوں۔" وہ انہیں یقین دلانے کی خاطر ان کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کر رہی تھی۔

"کیوں...... کیوں آتی ہو میرے پاس۔ کیا دیا ہے میں نے تمہیں یا مزید کیا لینا چاہتی ہو مجھ سے؟" بیگم آفندی اپنے آپ میں الجھ کر بولی تھیں۔

"لینا نہیں دینا چاہتی ہوں...... محبت۔ میں جانتی ہوں آپ کے نزدیک محبت کی کوئی اہمیت نہیں پھر بھی ماما! شیری کی خاطر آپ کچھ وقت میرے اور احمد کے ساتھ محبت سے گزاریں۔" اس نے کہا تو وہ دھیرے سے بولیں۔

"شیری کی خاطر؟"

"ہاں ماما! شیری کی خاطر...... وہ یہی چاہتا تھا۔ اس کی روح کو بہت آسودگی ملے گی جب ہم مل کر اسے محبت سے یاد کریں گے۔" وہ ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو پڑی۔

'یہ لڑکی سچ مچ پاگل ہے۔ کیا میں اس قابل ہوں کہ مجھ سے محبت کی جائے؟' انہوں نے سوچتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

'میں ہمیشہ سے دولت کی پجاری ہوں۔ اس کی خاطر میں اپنے ماں باپ کی غریبی کو ٹھوکر مار آئی۔

بنگلہ، گاڑیاں، نوکر چاکر، سب کچھ حاصل کر لیا اور میں پھر بھی مطمئن نہیں ہوئی۔ مزید کی ہوس اور کوئی شریک بھی نہ ہو جب ہی پہلے زینب اور اس کے بچوں کی دشمن ہوئی پھر اس لڑکی کی جسے شیری نے ٹوٹ کر چاہا اور یہ بھی اس کی خاطر میرے سارے ستم بھلائے بیٹھی ہے۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟

کیا محبت انسان کو صرف دینا سکھاتی ہے؟

ہاں شاید اسی لئے میں نے محبت نہیں کی، کیونکہ میں دینا نہیں چاہتی کسی کو کچھ بھی۔'

"جب ہی آج تم تنہا ہو اور محتاج بھی۔" اندر کوئی ہنسا تھا۔

انہوں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور فائقہ کو دیکھتے ہی نظریں چرا گئیں۔

"کیا ہوا ماما؟ میں سمجھی، آپ سو گئیں۔" اس نے کہا تو وہ بھی بات بنا گئیں۔

"اور میں سمجھی تم چلی گئیں۔"

"میں جانے والی تھی۔ چلیں، پہلے آپ کو سُوپ پلا دوں۔"

"نہیں ابھی رہنے دو۔ دل نہیں چاہ رہا۔"

انہوں نے انکار کیا۔ تب ہی رابعہ آ گئی جسے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی لیکن رابعہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی اور دو تین بار بیگم آفندی کو سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد افسوس سے بولی۔

"مجھے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے حالانکہ ہونا نہیں چاہئے۔"

"رابعہ!" اس نے فوراً ٹوکا تو رابعہ اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"مجھے عفان نے بتایا کہ تم روزانہ یہاں آتی ہو۔ اپنی ساس سے ملنے۔ میں نے سوچا آج میں بھی ان کی مزاج پرسی کر آؤں۔ پھر اپنے گھر میں تو یہ گھسنے نہیں دیں گی۔ کیوں میڈم! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"رابعہ! خدا کے لئے...... چلو باہر چلو۔" وہ گھبرا کر رابعہ کا بازو کھینچنے لگی لیکن وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر بظاہر سادگی سے بیگم آفندی سے پوچھنے لگی۔

"ویسے میڈم! یہ سب ہوا کیسے؟"

"جیسے بھی ہوا، اچھا ہوا۔" بیگم آفندی نے کہا تو رابعہ حیرت سے چیخی۔

"کیا......؟"

"ہاں۔ میں شکرگزار ہوں اللہ کی جس نے مجھ پر یہیں اس دنیا میں گرفت کرلی۔ تم مجھ پر ہنس سکتی ہو ہنسو۔ جتنی تذلیل کرسکتی ہو کرو اور اس کے بعد اللہ کے لئے مجھے معاف کردینا۔" بیگم آفندی سکون سے کہتے کہتے اچانک رو پڑی تھیں۔

"ماما!" فائقہ کی پریشانی انتہاؤں کو چھونے لگی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا اس روتی ہوئی عورت کو بانہوں میں سمیٹ لے۔

"ماما...... ماما! پلیز روئیں نہیں۔"

"اب یہ رونے کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتی ہیں۔" رابعہ انہیں کسی طرح بھی بخشنے کو تیار نہیں تھی۔

"لیکن ان سے کہو، اپنی بے بسی پر رونے کی بجائے وہ ستم یاد کر کے روئیں جو انہوں نے دوسروں پر ڈھائے اور اب یقیناً انہیں اپنا ہر ستم یاد آئے گا کیونکہ اب ان کی اپنی جان پر بنی ہے۔ اگر شہریار کی جواں مرگی نے انہیں احساس دلایا ہوتا تو یہ یوں عبرت کی تصویر نہ بنتیں۔"

"کچھ تو خدا کا خوف کرو رابعہ!" وہ چیخ پڑی۔

"تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔ میں تمہیں تو کچھ نہیں کہہ رہی۔" رابعہ نے غصے سے اسے ٹوکا۔

"انہیں کہو یا مجھے، ایک ہی بات ہے۔" اس نے کہا تو رابعہ نے حیرت سے منہ کھولا لیکن آواز دبا گئی پھر نخوت سے بیگم آفندی کو دیکھ کر پیر پٹختے ہوئے چلی گئی۔

"ماما! آپ اس کی باتوں کا برا نہیں مانئے گا۔" اس نے معذرتی لہجے میں کہا۔

"نہیں، اس نے جو کہا، ٹھیک ہے۔ اور تم اسے کیوں روکتی ہو۔ تم بھی مجھے برا کہو۔ میں قابل نفرت ہوں۔ نفرت کرو مجھ سے، نفرت کرو۔" بیگم آفندی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھیں۔

"ماما...... ماما......" وہ کبھی ان کے ہاتھ تھامتی، کبھی چہرہ اور پھر خود بھی ان کے ساتھ رونے لگ گئی تھی۔

بیگم آفندی اچانک خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگیں پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

"تم کیوں روتی ہو؟"

"مجھ سے آپ کی تذلیل برداشت نہیں ہوتی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اور جو میں نے تمہاری تذلیل کی، تمہیں بلیک میل کیا، اس کا دکھ اور غصہ نہیں ہے تمہیں؟"

"ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔" اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا تو بیگم

آفندی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

"میں نے کبھی تمہیں اپنا نہیں سمجھا۔ شروع دن سے جو بات طے ہوئی تھی، اسی کے مطابق مجھے شیری کی زندگی تک تمہیں برداشت کرنا تھا، اس کے بعد میری سوچ میں تم کہیں نہیں تھیں۔ لیکن تم نے گھر سے جا کر مجھے صرف اپنی ذات میں الجھا دیا تھا۔ یعنی میں جس قدر تمہاری نفی کرنا چاہتی تھی، تم اسی قدر مجھ پر حاوی ہوتی گئیں۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے میں بس یہی سوچتی کہ تم کہیں سے سامنے آجاؤ تو میں تمہیں ایسی سزا دوں کہ تمہارا شمار زندوں میں ہو نہ مُردوں میں۔"

"بس کریں ماما! مجھے یہ سب نہیں سننا۔" اس نے عاجزی سے ٹوکا۔

"سنو، سنو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا پھر کہنے لگیں۔ "جس روز میرا ایکسیڈنٹ ہوا، اس روز میں لندن جانے والی تھی اور میں تم سے بچہ چھین کر لے جانا چاہتی تھی۔ اسی ارادے سے میں پہلے تمہارے پاس آرہی تھی۔ اگر میرا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا تو میں احمد کو تم سے چھین کر لے جاتی۔ اس کے بعد سوچو تمہارا کیا حال ہوتا۔ یہ سوچ کر ہی مجھے برا بھلا کہو، مجھ سے نفرت کرو۔"

"کروں گی۔ جب میرا دل شیری کی محبتوں سے خالی ہو جائے گا، تب میں ضرور آپ سے نفرت کروں گی۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پردہ کھینچ کر کھڑکی کھول دی پھر پلٹ کر بیگم آفندی کو دیکھا تو انہوں نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

اس نے کچھ دیر سوچا پھر ان سے کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل آئی اور کاؤنٹر پر جا کر پہلے ڈاکٹر عفان کے بارے میں معلوم کیا کہ آیا وہ موجود ہیں یا جا چکے ہیں پھر وہیں سے گھر فون کر کے رات بیگم آفندی کے پاس رکنے کا بتا کر اس نے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا کیونکہ دوسری طرف امی تھیں، جنہیں اس کا بیگم آفندی کی عیادت کو آنا ہی بری طرح کھلتا تھا اور رکنے پر تو یقیناً وہ بہت ناراض ہوتیں، اس لئے اس نے فوراً فون رکھ دیا تھا پھر کتنی دیر وہیں راہداری میں ٹہلتی رہی۔ متضاد سوچوں سے اس کا ذہن چیخ رہا تھا اور بیگم آفندی کی آخری بات کہ وہ احمد کو اس سے چھیننے آرہی تھیں، سے اس کا دل سہما جا رہا تھا۔ گو کہ ایسا نہیں ہوا تھا اور وہ خود کو یہی یقین دلائے جا رہی تھی لیکن دل کسی طرح مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

شام رخصت ہو رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اندھیرا پھیل رہا تھا اور مسلسل ٹہلنے کے باعث اب اس کی ٹانگیں بھی شل ہو رہی تھیں جب ہی وہ واپس کمرے میں آگئی۔

"تم......" بیگم آفندی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "تم گھر نہیں گئیں؟"

"نہیں۔" وہ تھک گئی، جب ہی بیٹھتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوگئی۔

"کیوں؟"

"آپ......آپ کب گھر چلیں گی؟" اس نے جواب دینے کی بجائے الٹا ان سے پوچھا اور ان کا جواب سننے کے لئے پوری طرح متوجہ ہوگئی۔

"کون سے گھر؟ میرا تو کوئی گھر نہیں ہے۔"

بیگم آفندی نے بظاہر سپاٹ لہجے میں کہا اور وہ ٹھیک کہہ رہی تھی یا غلط، اس نے فوراً نہیں ٹوکا۔ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھی اور انہی کے انداز میں کہنے لگی۔

"ڈاکٹر ابراہیم کہہ رہے تھے کہ میں آپ کو گھر لے جاسکتی ہوں۔ ان کے خیال میں یہ ٹریٹ منٹ گھر پر بھی ہوسکتی ہے۔"

"میں نے کہا نا، میرا کوئی گھر نہیں ہے۔" اس بار بیگم آفندی نے زور دے کر کہا تو وہ الجھ کر بولی۔

"کیوں نہیں، آفندی ہاؤس پر آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا۔"

"پتہ نہیں، اور اگر ہو بھی تو اب وہ لوگ کہاں مجھے برداشت کریں گے۔ پھر یہ بتاؤ، میں کس منہ سے ان کا سامنا کروں۔ نہیں، میں ان کا سامنا نہیں کرسکتی۔ تم مجھے یہیں پڑا رہنے دو اور چاہو تو تم بھی مجھ سے بے نیاز ہوجاؤ۔"

'کاش یہ ممکن ہوتا۔' اس نے سوچا۔

"تم اگر مجھ پر احسان کرنا چاہتی ہو تو اتنا کرنا کہ میرے پوتے کو مجھ سے ملوا جایا کرنا اور......"

ان کی آواز رندھ گئی تو انہوں نے آنکھیں بند کر کے خود پر قابو پایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"اور زینب سے کہو، مجھے معاف کردے۔ میں واقعی اس کی گناہگار ہوں۔ گو کہ مجھے اس کی سزا مل چکی ہے۔ اس وقت جب شیری کو کینسر ہوا، تب مجھے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ زینب اور اس کے بچوں کے ساتھ میں نے جو ظلم کیا تو یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ اللہ نے یقیناً مجھے موقع دیا تھا توبہ کرنے اور اس ظلم کی تلافی کرنے کا لیکن میں توبہ تو کیا کرتی، فوراً اس خیال کو جھٹک کر مزید اڑ گئی کہ میں نے جو کیا، ٹھیک کیا۔ گویا میں اللہ سے بھی ضد باندھ بیٹھی اور وہ مجھے ڈھیل دیتا چلا گیا۔ اب جو اس نے رسی کھینچی ہے تو پتہ نہیں میرے لئے توبہ کے دروازے کھلے ہیں یا بند ہوگئے۔"

"نہیں ماما! وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ توبہ کے دروازے بند نہیں کرتا، معاف کردیتا ہے۔" اس نے بہت ضبط سے کہا تو وہ دکھ سے بولیں۔

"لیکن اس کے بندے، وہ کہاں معاف کرتے ہیں اور مجھے تو کوئی بھی معاف نہیں کرے گا۔ زینب، تمہارے ماں باپ اور تمہاری بہن، اس معصوم کی تو میں نے زندگی ہی تباہ کردی۔"

وہ پھر رونے لگیں تو اب اسے ان پر ترس نہیں آیا، اس لئے انہیں رونے سے روکا بھی نہیں۔ بس ہونٹ بھینچے انہیں دیکھے گئی۔

"آفرین ہے تمہارے ماں باپ پر، ابھی بھی تمہیں میرے پاس آنے دیتے ہیں۔ وہ......وہ ضرور مجھے معاف کردیں گے، تم ان سے کہو گی نا۔ تم ان سے کہنا۔" بیگم آفندی اس کے ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگیں۔

"ماما! آپ سو جائیں پلیز، میں سسٹر سے کہتی ہوں آپ کو سکون کی ٹیبلٹ دے دے۔"

اسے ان کی مسلسل گریہ زاری سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ ان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکال کر فوراً کمرے سے نکل آئی اور سسٹر کو ان کے پاس بھیج کر راہداری میں بینچ پر جا بیٹھی تھی۔

❁❁❁

وہ طاہر صاحب کے تعاون سے ماربل انڈسٹری کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے میں کامیاب ہو کر اس کرسی پر آ بیٹھا تھا جس کا وہ حق دار تھا اور اپنے اس حق کے حصول کے لئے اس نے طویل عرصہ سوچا اور انتظار کیا تھا۔ اس کی سوچوں میں یہ دن اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت اور کامیاب دن ہوا کرتا تھا اور وہ اسے یادگار بنانے کا بھی سوچتا تھا لیکن اس کے برعکس اس کا دل یا تو ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا یا پھر وہ بہت بے نیاز ہو گیا تھا یہ بات وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہا ہے۔ حالانکہ اسٹاف کے تمام افراد باری باری آ کر اسے مبارکباد دے رہے تھے اور خوشی کے ساتھ نیک تمناؤں کا اظہار بھی کر رہے تھے پھر بھی اسے اپنا اندر خالی خالی لگ رہا تھا۔

طاہر صاحب نے اس سے کام کا آغاز کروانے کے ارادے سے ایک فائل لا کر اس کے سامنے رکھ دی تھی، گو کہ اسے صرف سائن ہی کرنے تھے پھر بھی اس نے طاہر صاحب کو جانے کا اشارہ کر دیا اور فائل پرے دھکیل کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"اب اور کیا چاہتے ہو تم؟ وہ سب کچھ تو حاصل کر چکے ہو جس کے لئے برسہا برس سوچتے اور ایک ان دیکھی آگ میں جھلستے رہے۔" وہ خود سے سوال کرنے لگا تھا۔

"تمہاری ماں کو بھی اس کے اصل گھر میں اصل مقام حاصل ہو گیا۔"

"تم اپنی شناخت چاہتے تھے، وہ بھی مل گئی۔ اب اور کیا چاہئے؟"

"پتہ نہیں، پتہ نہیں میں کیا چاہتا ہوں۔"

وہ خود کو بے بس سا محسوس کرنے لگا تو اپنے آپ پر جھنجلاتا ہوا اٹھ کر باہر نکل آیا۔ یہاں زندگی معمول کے مطابق رواں دواں تھی اور اسے اس تیز رفتار زندگی کا حصہ بننے میں ابھی بہت وقت چاہئے تھا کیونکہ وہ شروع سے چھوٹی جگہ پر رہا تھا جہاں ایسی افراتفری تھی نہ بے ہنگم شور اور شاید اسی لئے وہ جلدی گھبرا جاتا تھا۔ بہرحال اس وقت وہ گھر آیا تو اماں اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں کیونکہ جب سے وہ فیکٹری کے ملازمین کو دوبارہ بحال کرنے میں لگا تھا، تب سے انہیں دھڑکا لگا ہوا تھا۔ پھر صبح وہ یہ کہہ کر نکلا تھا کہ آج سے باقاعدہ کام کا آغاز ہو گا، اس لئے واپسی میں شاید اسے دیر ہو جائے اور اس کے برعکس وہ وقت سے بہت پہلے آ گیا تھا تو اپنے خدشات کے باعث بجائے اس

سے جلدی آنے کا سبب پوچھنے کے اماں اپنا شروع ہو گئیں۔

"میں منع کرتی رہی اس کام میں ہاتھ مت ڈال، پر تو سنتا ہی نہیں۔ آخر اس نے نکلوا دیا نا۔"

"کس نے؟" وہ واقعی نہیں سمجھا۔

"وہی جو آپ ہسپتال میں جا پڑی ہے۔"

"اُفوہ اماں! ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ گلاس وال سے دوسری طرف نظر پڑی تو پہلے چونکا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا؟" اماں نے پوچھا۔

"وہ..... فائقہ آ رہی ہے۔" وہ بتا کر پھر بیٹھ گیا اور خود کو انجان ظاہر کرنے کے لئے، اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم۔" چند لمحوں بعد اس کی آواز پر اس نے کن اکھیوں سے دیکھا، وہ اماں سے گلے مل رہی تھی۔

"وہ کیسی ہے تو، احمد کو نہیں لائی؟" اماں نے پوچھا۔

"گرمی بہت ہے اماں! کسی دن شام کو لاؤں گی۔" اس نے کہا تو وہ ریسیور رکھ کر اب براہ راست اسے دیکھنے لگا۔ وہ خاصی پژمردہ نظر آ رہی تھی۔

"تم کیسے ہو راحل! آفس نہیں جا رہے؟" وہ اماں کے ساتھ بیٹھ کر اس سے پوچھنے لگی۔

"سیٹنگ تو کر لی، اب جاؤں گا بھی۔" وہ بتا کر فوراً بات بدل گیا۔ "تم سناؤ، فرصت مل گئی تمہیں ساس کی خدمت سے۔"

"میں کیا خدمت کرتی ہوں، بس جا کر دیکھ ہی آتی ہوں اور اب تو ڈاکٹر نے انہیں گھر لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔" اس کے لہجے کی آزردگی واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"اچھا....." وہ طنزیہ ہنسا تھا جبکہ اماں کچھ بے چین ہو گئی تھیں۔

"ہاں، لیکن ماما یہاں آنے کو تیار نہیں ہیں۔" وہ اس کا طنز نظر انداز کر گئی۔

"کیوں ڈرتی ہیں۔ ان سے کہو میں کمزوروں اور معذوروں پر ظلم کرتا ہوں نہ ان سے بدلہ لیتا ہوں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا تو وہ تاسف سے اسے دیکھ کر سر جھکا گئی۔ تب اسے کچھ احساس ہوا تو اماں سے کہنے لگا۔

"اماں! اتنی گرمی سے آ رہی ہے، اسے کچھ ٹھنڈا وغیرہ پلاؤ۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اماں کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر انہیں اٹھنے سے روک دیا۔

"تکلف کیوں کر رہی ہو، تمہارا اپنا گھر ہے۔" اس نے ٹوکا تو اماں بھی اس کی تائید میں بولیں۔

"ہاں بیٹی! تیرا اپنا گھر ہے۔"

وہ پھر سر جھکا گئی۔ غالباً جس مقصد سے آئی تھی، اسی میں الجھ رہی تھی، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے بات کرے۔

"الیشبہ...... الیشبہ......" وہ وہیں سے الیشبہ کو پکارنے لگا تو دوسری آواز پر ہی وہ بھاگی آئی تھی۔

"کیا ہے بھائی!"

"دیکھ، تیری بھابی آئی ہے۔" اس نے کہا اور فائقہ کے سر اونچا کرنے پر فوراً بولا۔

"سوتیلی بھابی۔"

"ہائے باجی! تم کب آئیں۔ احمد کو نہیں لائی۔" الیشبہ ہمیشہ کی طرح محبت سے اس سے لپٹ گئی، ساتھ بولے بھی جا رہی تھی۔

"تم یہیں آ جاؤ نا باجی! میرا احمد کے بغیر دل نہیں لگتا۔"

"خالی خولی محبت نہ جتایا کر۔ جا، پہلے اس کے لئے کوئی ٹھنڈا لے کر آ تاکہ اس کی آواز نکلے۔"

"ابھی لاتی ہوں۔" الیشبہ اٹھ کر چلی گئی۔

اس نے اماں کو اس سے بات کرنے کا اشارہ کیا تو اماں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

"کیا بات ہے بیٹی! تو اتنی چپ چپ کیوں ہے؟"

"یہ اپنی ساس کے لئے پریشان ہے۔" اس نے اپنے طور پر اسے بولنے کے لئے اکسایا تھا جیسے وہ پھٹ ہی پڑے گی اور وہ پھٹی تو نہیں، دکھ سے گویا ہوئی تھی۔

"ہاں، میں ماما کے لئے پریشان ہوں۔ مجھ سے ان کا رونا، گڑگڑانا برداشت نہیں ہوتا۔"

"وہ تو اب باقی عمر روتی، گڑگڑاتی ہی رہے گی۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں، اگر تم انہیں معاف کر دو تو۔ اماں...... اماں! آپ انہیں معاف کر دیں۔"

"میں...... میں نے معاف کیا بیٹی! میں نے معاف کیا۔ اللہ سے معافی مانگے۔" اماں نے گھبرا کر کہا تو وہ دانت پیس کر بولا۔

"لیکن میں معاف نہیں کروں گا۔"

"کیوں...... کیوں معاف نہیں کرو گے؟" وہ اچانک تیز ہوئی تھی۔

"کیونکہ وہ اپنے کئے پر نادم نہیں ہیں بلکہ یہاں آنے کے لئے معافی چاہتی ہیں۔ ہونہہ!" اس نے تنفر سے کہا۔

"جی نہیں، یہاں آنے کے لئے انہیں کسی معافی تلافی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جب چاہیں آ سکتی ہیں یا تم انہیں یہاں آنے سے روکو گے؟" وہ اسے چیلنج کر رہی تھی جس پر وہ بری طرح تلملا گیا لیکن پھر بہت ضبط سے بولا۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں کمزوروں اور معذوروں سے بدلہ نہیں لیتا۔"

"راحل! یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔" اماں نے ٹوکا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" وہ ضد سے بولا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ "اور تم جو اس خبیث عورت کا حق جتانے آ گئی ہو، تمہیں ڈیڈی کی وصیت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔ وصیت کے مطابق تمام پراپرٹی کے حقدار ہم تین بہن بھائی ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی ایک نہیں رہتا تو اس کی جگہ اس کی اولاد حقدار ہو جاتی ہے، جیسے تمہارا بیٹا۔ اور بیٹے کے ناتے تم یہاں کلیم کر سکتی ہو، لیکن شہریار کی ماں نہیں کیونکہ اس کا یہ حق شہریار کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا، سمجھیں تم۔ اس کے باوجود میں اس عورت کو یہاں آنے کی اجازت دے رہا ہوں تو اسے تم میری شرافت سمجھو۔ رحم کی مستحق تو نہیں ہے وہ پھر بھی میں اس پر رحم کھا رہا ہوں، ترس کھا رہا ہوں۔ اب اگر ہاسپٹل والے تنگ آ گئے ہیں تو جب چاہو اسے یہاں پھینک جاؤ۔"

وہ اپنی بات ختم کر کے جانے لگا تھا کہ وہ پکار کر کہنے لگی۔

"سنو راحل! تمہیں ماما پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہاسپٹل سے نکل کر ماما کے لئے کہیں جائے پناہ نہیں ہو گی۔ آنندی ہاؤس تو محض ضد تھا، ورنہ اس سے کہیں خوبصورت بنگلہ اسی ایریے میں موجود ہے جو ان کی ذاتی ملکیت ہے اور وہ آرام سے وہاں رہ سکتی ہیں لیکن میں انہیں وہاں نہیں رہنے دوں گی بلکہ اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ شاید تمہیں یاد ہو، ایک دن جانے کس خیال کے تحت میں نے کہا تھا کہ جب ماما غریب ہو جائیں گی، تب میں انہیں اپنے پاس لے آؤں گی اور وہ غریب تو نہیں ہوئیں لیکن......" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

"تم...... تم کیا ہو، میں تمہیں کیا سمجھوں۔ کبھی اس کے ظلم پر روتی تھیں، اب اس کی مظلومیت پر رو رہی ہو۔ اتنی جلدی تو گرگٹ بھی رنگ نہیں بدلتا، جتنی جلدی تمہارے احساسات اور تمہاری وفاداریاں بدلتی ہیں۔"

"نہیں، میری وفاداریاں اول روز سے ایک ہی شخص کے ساتھ ہیں اور میرے احساسات بھی اسی کو سوچ کر بدلتے ہیں لیکن یہ تم نہیں سمجھو گے۔"

اس نے کہہ کر آنسوؤں کا گولا حلق سے اتارا تھا۔

”تم سمجھا دو۔“ اس نے کہا تو اماں اس پر بگڑ گئیں۔

”راحل! تو کیوں اسے پریشان کر رہا ہے۔ بیٹی! تو آرام سے بیٹھ۔“

”میرے ساتھ آؤ۔“ وہ اماں کی بات ان سنی کر کے اسے ساتھ آنے کا کہتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی اور کھڑکیوں سے پردے کھینچ کر پلٹی تو اسے کھڑے دیکھ کر کہنے لگی۔

”میری محبتیں اور نفرتیں دونوں یہیں سے شروع ہوتی ہیں۔ تم کہتے ہو میرے احساسات بدلتے ہیں، کیوں نہ بدلیں۔ اس وقت جب شیری علاج کے لئے لندن گیا تھا، میں وہاں جائے نماز پر بیٹھی اللہ سے اس کی زندگی، اس کی سلامتی مانگ رہی تھی کہ اچانک ماما نے اپنی ساڑھی کا پلو میری ہتھیلیوں پر ڈال کر تفاخر سے کہا تھا کہ اس دامن کو تھام کر مانگو تو اللہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔ اس لمحے کا تصور اب بھی میرے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے اور میرے اندر نفرت کی لہر اٹھتی ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ کو ماما کا غرور پسند نہیں آیا ہو گا، جب ہی اس نے شیری کو لے لیا۔ بہر حال یہ صرف ایک مثال ہے۔ ایسی اور کتنی باتیں ہیں جو مجھے نفرت پر اکساتی ہیں اور میں نفرت کرتی بھی ہوں لیکن پھر اچانک مجھے شیری کا خیال آ جاتا ہے۔ اس کا رونا، گڑگڑانا...... میں اس وقت یہیں اس جگہ کھڑی تھی جب وہ میرے سامنے ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

”ماما کو معاف کر دو اور پھر ان سے دور چلی جاؤ۔“

وہ ماما سے بہت پیار کرتا تھا۔ جب ان کی اصلیت سامنے آئی، تب بھی وہ ان سے نفرت نہیں کر سکا اور اپنے طور پر ان کے گناہوں کی تلافی کرنے کی سوچتا رہا۔ اگر اس کی زندگی وفا کرتی تو وہ تمہارے سامنے بھی اسی طرح ہاتھ جوڑتا لیکن زندگی نے اسے مہلت نہیں دی اور مجھ پر اس ایک لمحے کی گرفت سب سے مضبوط ہے۔ میں کچھ بھی سوچ لوں پھر اسی لمحے کی گرفت میں آ کر سب بھلانے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔

مجھے ماما سے محبت نہیں ہے اور شاید مجھے ان کے مرنے جینے سے بھی کوئی سروکار نہیں لیکن شیری کی خاطر...... صرف شیری کی خاطر میں چاہتی ہوں، ان کے سب گناہ معاف ہو جائیں تاکہ روز محشر ان کے نام سے پکارے جانے پر شہریار کو ندامتوں کا سامنا نہ ہو۔“

وہ خاموش ہو کر انگلیوں پر اپنے آنسو سمیٹنے لگی تو وہ جو ساکن کھڑا ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا، گہری سانس کھینچتے ہوئے صوفے پر ڈھے گیا۔ جب وہ آنسو پونچھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی، تب پوچھنے لگا۔

”اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“

وہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی پھر عاجزی سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”ماما کو معاف کر دو۔“

”نہیں۔“ وہ جھٹکے سے اٹھا تھا۔ ”میری زندگی میں ایسا کوئی لمحہ نہیں جس کی گرفت میں آ کر میں سب بھلا دوں۔ میں چاہوں بھی تو نہیں بھلا سکتا کہ باپ کے ہوتے ہوئے اس عورت نے مجھے یتیم کیا۔ اماں نے بیواؤں کی طرح زندگی گزاری اور ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ میں سچ مچ کب یتیم ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں نے اس عورت کا بہت لحاظ کیا۔ میں دنیا کو تماشا نہیں دکھانا چاہتا تھا لیکن اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ ہوس میں اندھی ہو چکی تھی۔ وہ تو اللہ کو میری زندگی منظور تھی جو میں زندہ سلامت تمہارے سامنے کھڑا ہوں، ورنہ اس نے مجھے مارنے میں کیا کسر چھوڑی۔ تمہارے سامنے سب ہوا۔ ذرا سوچو، اگر گولی پیٹ کی بجائے میرے سینے میں جا لگتی تو اس کے بعد میری ماں، بہن کا کیا حشر ہوتا۔ میرے لئے یہ تصور بہت خوفناک ہے فائقہ! بہت خوفناک۔“

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، جب ہی وہ نظریں چرا گئی پھر رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ تیز دھوپ کے باعث آنکھیں جلنے لگی تھیں اور چہرہ بھی تمتما گیا تو اس نے پیچھے ہٹ کر پردے برابر کر دیئے اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

”میں چلتی ہوں۔“

”مجھے افسوس ہے، میں تمہیں مایوس لوٹا رہا ہوں۔“ وہ بلا ارادہ کہہ گیا۔

”مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔“ وہ کہہ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی لیکن پھر جیسے دہلیز نے اس کے قدم تھام لئے تھے۔ چند لمحے اس نے گویا اپنے قدموں کو چلنے پر آمادہ کرنے کی سعی کی تھی پھر منت سے بولی۔

”مجھے جانے دو۔“

وہ حیران ہوا پھر اس کے قریب چلا آیا۔

”میں نے تو......“ وہ کہنے جا رہا تھا کہ میں نے تو تمہیں نہیں روکا لیکن آواز ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

”ہیں۔“ وہ چونک کر پلٹی اور پھر الٹے پیروں چلتے ہوئے دھیرے دھیرے اس سے دور ہونے لگی۔

☆☆☆

تیز دھوپ سے آنے کے باعث اس کی آنکھیں فوری طور پر کمرے میں کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھیں جبکہ اس کا اپنا حلیہ ایسا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آ رہی ہو۔ پسینے میں شرابور، چہرہ تمتمایا ہوا اور بال چوٹی سے نکل کر چہرے اور گردن پر چپک گئے تھے۔ حال سے بدحال، آنکھیں جھپک جھپک کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ رابعہ کی آواز پر ٹھٹک گئی۔

"تم کہاں خوار ہوتی پھر رہی ہو۔ بچے کا بھی خیال نہیں ہے۔"

"احمد...... کیا ہوا احمد کو؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"اللہ نہ کرے جو اسے کچھ ہو۔" سوہنی نے کہا تو اس کی گود میں احمد کو کھیلتے دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا پھر پنکھے کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے بال سمیٹتے ہوئے رابعہ سے پوچھنے لگی۔

"تم کب آئیں؟"

"عفان ہاسپٹل جاتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔" رابعہ بتا کر پوچھنے لگی۔ "تم کہاں گئی تھیں؟"

"میں ذرا آفندی ہاؤس گئی تھی۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں بتایا۔

"کیوں؟"

"میرا خیال تھا کہ میرے گھر کے کاغذات اور چابیاں وغیرہ وہیں رہ گئی ہیں وہی لینے گئی تھی۔" اس نے جلدی سے بات بنائی تھی۔

"گھر...... وہی جو شہریار نے مہر میں تمہیں دیا تھا؟" رابعہ نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا کرو گی اس کا...... میرا مطلب ہے، کیا کرائے پر اٹھانے کا ارادہ ہے؟" رابعہ کے سوال سیدھے سادے تھے پھر بھی وہ زچ ہونے لگی تھی۔

"نہیں، ابھی کچھ سوچا نہیں۔" وہ کہہ کر سوہنی کی طرف گھوم گئی۔ "سوہنی! کچھ کھانا وانا تو کھلاؤ، بہت بھوک لگی ہے۔ تم لوگوں نے تو کھالیا ہوگا۔"

"جی، آپ منہ ہاتھ دھولیں، میں لے کر آتی ہوں۔" سوہنی، احمد کو گود سے اتار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی کہاں ہیں؟" اس نے واش روم کی طرف جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

"شاید سوگئی ہیں۔"

"اچھا تم کھانا لاؤ۔" وہ کہہ کر واش روم میں بند ہوگئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو سوہنی وہیں بیڈ پر ٹرے رکھ رہی تھی۔

"آفندی ہاؤس والوں نے تمہیں کھانا نہیں کھلایا؟" رابعہ نے طنز سے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا اور بیٹھ کر کھانے کے ساتھ احمد سے بولنے لگی۔

"گندا بچہ...... سوتا نہیں ہے...... خالہ کو تنگ کرتا ہے۔"

"نہیں آپی! یہ بالکل تنگ نہیں کرتا، بہت اچھا بچہ ہے۔" سوہنی نے پھر احمد کو اٹھالیا۔

"الیشبہ بھی بہت یاد کرتی ہے اسے۔" اس نے کہا تو رابعہ پوچھنے لگی۔

"ٹھیک ہیں وہ لوگ، سیٹ ہوگئے؟"

"ہاں، اسفندیار نے ماربل فیکٹری پھر سے اسٹارٹ کردی ہے لیکن اسے اس کام میں سیٹ ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"اور تمہاری ساس، اس کا کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب؟" وہ کھانے سے ہاتھ روک کر رابعہ کو دیکھنے لگی تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"میں کچھ کہوں گی تو تمہیں برا لگے گا۔"

"کچھ غلط کہو گی تو ضرور برا لگے گا۔ بہرحال میں خود ہی تمہیں بتا دیتی ہوں کہ میں نے ماما کے ساتھ اپنے گھر میں رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس نے بظاہر بہت سکون سے کہا اور فوراً رابعہ کو ٹوک دیا۔ "تم اس پر کوئی تبصرہ مت کرنا۔"

"شاباش تو دے سکتی ہوں تمہیں یا وہ بھی نہیں؟" رابعہ ہنستے ہوئے بولی۔

"نہیں۔" وہ کھانے کی ٹرے لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپی کھانا تو کھالیں۔" سوہنی نے کہا۔

"بس کھالیا۔" اس نے ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھ دی پھر اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے رابعہ کو بھی اپنے برابر سونے کا کہا تو وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔

"تین تو بج گئے۔"

"لمبے دن ہیں، دو گھنٹے سو سکتے ہیں۔ پھر عفان بھائی تو رات کو ہی آئیں گے۔"

"نہیں، میں نے انہیں شام کو جلدی آنے کے لئے کہا ہے کیونکہ سوہنی کی شادی قریب ہے اور میں سوچ رہی ہوں شاپنگ واپنگ کرلوں۔" رابعہ نے اس کے برابر لیٹتے ہوئے کہا۔

"شاپنگ تو مجھے بھی کرنی ہے، خاص طور سے احمد کی۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تو شام میں ہمارے ساتھ چلی چلنا۔"

"آج شام میں؟" وہ پھر سوچ میں پڑ گئی۔

"ہاں تو اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں اور سوہنی کی بھی کتنی چیزیں لینی ہیں۔ امی نے پوری لسٹ کردی ہے۔" رابعہ نے احساس دلاتے ہوئے کہا۔

"پھر تم نے عفان بھائی کو کیوں بلایا۔ وہ بے چارے کہاں ہمارے ساتھ چکراتے پھریں گے۔"

"جیب تو انہی کی خالی کرانی ہے۔" رابعہ ہنس کر بولی۔

"اچھا چلو اب سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھا تو رابعہ نے فوراً دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

پھر شام سے کچھ پہلے ڈاکٹر عفان آ گئے تو رابعہ نے انہیں بیٹھنے بھی نہیں دیا کیونکہ وہ پہلے ہی تیار ہو چکی تھی، اس لئے جلدی جلدی کا شور مچاتے ہوئے اسے بھی گھسیٹ لائی تھی۔

"کم از کم عفان بھائی کو چائے تو پینے دیتیں، اسی بہانے کچھ دیر ستا لیتے لیکن تمہیں بالکل احساس نہیں ہے۔"

تمام راستہ وہ رابعہ پر بگڑتی رہی تھی اور اس وقت مزید تپ گئی جب وہ خریداری میں حد سے گزر گئی۔ مہنگی سے مہنگی چیز پر ہاتھ رکھ کر بس مجھے یہی لینا ہے والا انداز۔ ڈاکٹر عفان نے دبے لفظوں میں اسے اپنی جیب کا احساس دلانے کی کوشش کی لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ تب اس نے تھکن کا بہانہ کر کے مزید چلنے سے انکار کر دیا۔

"اتنی جلدی تھک گئیں اور ابھی تم نے خریدا بھی کیا ہے۔" رابعہ اس پر بگڑنے لگی۔

"کچھ خریدا ہے یا نہیں۔ بس اب گھر چلو۔" وہ بھی اڑ گئی۔

"سخت غلطی کی تمہیں ساتھ لا کر۔" رابعہ نے دانت پیسے پھر اپنے شاپرز اسے تھما کر بولی۔

"جاؤ، تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں یہاں سے آئی بروز بنوا کر آتی ہوں۔"

"یہ کام تم گھر پر بھی کر سکتی ہو۔"

"اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔" رابعہ کہتے ہوئے پارلر میں داخل ہو گئی۔

"چلیں عفان بھائی! ہم پاگل نہیں ہیں جو اس کے انتظار میں یہاں کھڑے رہیں۔ اور دیکھئے گا، ایک گھنٹے سے پہلے یہاں سے نکلے گی نہیں۔"

اس نے کہا تو ڈاکٹر عفان خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑے۔ پھر اسے گاڑی کے پاس چھوڑ کر کولڈ ڈرنک لے آئے اور اسے تھما کر بولے۔

"لو، دماغ ٹھنڈا کرو۔"

"تھینک یو۔" وہ گھونٹ گھونٹ کولڈ ڈرنک حلق سے اتارنے لگی۔

"سنو، تم واقعی تھک گئی تھیں یا میری حالت پر رحم آ گیا تھا؟" ڈاکٹر عفان نے اسے متوجہ کر کے پوچھا تو وہ قصداً ذرا سا ہنسی۔

"آپ کی حالت پر رحم آ گیا تھا، بہت زیادتی کرتی ہے رابعہ آپ کے ساتھ۔" پھر کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لے کر بولی۔ "اور آپ کے ساتھ یہی ہونا چاہئے۔"

"کیوں؟" وہ واقعی حیران ہوئے تھے۔

"کیونکہ آپ میں انصاف نہیں ہے اور غلطیاں کر کے نادم بھی نہیں ہوتے، تلافی تو کیا کریں گے۔" وہ کہہ کر اس پارلر کی طرف دیکھنے لگی جہاں رابعہ موجود تھی۔

ڈاکٹر عفان نے بھی پہلے گردن موڑ کر اسی کی طرف دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ میرا اشارہ آپ کی پہلی بیوی پروین کی طرف ہے۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔ "میں مانتی ہوں، والدین کے مجبور کرنے پر آپ نے اس سے شادی کی ہو گی لیکن اب تو وہ آپ کے بچے کی ماں ہے اور اس سے آپ بالکل لاتعلق بنے ہوئے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کیا نکاح میں آپ نے اس کے نان نفقے کی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی؟ اور اس کے لئے آپ خدا کے سامنے بھی جوابدہ ہوں گے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

ڈاکٹر عفان نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"پھر کیوں آپ اس کا حق ادا نہیں کرتے، بچے کو کیوں اپنی شفقت سے محروم رکھا ہوا ہے۔ آپ کا گاؤں کوئی بہت دور تو نہیں ہے۔ ویک اینڈ پر آرام سے جا، آ سکتے ہیں۔" وہ اچانک ان کی آپا جان بن گئی تھی۔

"رابعہ کہاں جانے دے گی۔" انہوں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"رابعہ کو الزام نہ دیں عفان بھائی! رابعہ آپ کی زندگی میں بہت بعد میں آئی۔ اور معاف کیجئے گا عفان بھائی! چیٹنگ تو آپ نے رابعہ کے ساتھ بھی کی۔ اگر آپ پہلے ہی اسے شادی شدہ ہونے کا بتا دیتے تو ہو سکتا ہے اس کے بعد بھی وہ آپ سے شادی پر آمادہ ہو جاتی۔ بہر حال یہ سب تو ہوا سو ہوا لیکن اب آپ کو دونوں کو برابر حقوق دینے چاہئیں۔ ابھی رابعہ کی خریداری پر آپ نے اتنا خرچ کیا اور وہ جو وہاں بیٹھی ہے، اس کے بارے میں سوچتے تک نہیں۔ آپ کا ضمیر بھی آپ کو ملامت نہیں کرتا؟"

"اب کرنے لگا ہے۔" وہ خجالت سے مسکرائے تو وہ مزید تیز ہو کر بولی۔

"شرمندہ ہونے کی نہیں، عمل کرنے کی ضرورت ہے اور اب آپ کو پہلے سے رابعہ کو اعتماد میں لینا چاہئے۔"

"یا اللہ۔ تم بہت خوفناک باتیں کر رہی ہو۔ اپنی بہن کو جانتی نہیں ہو کیا۔ اگر اسے شبہ بھی ہو گیا کہ میں پروین کے پاس جانے کا سوچ رہا ہوں تو وہ مجھے قتل کر دے گی۔" انہوں نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں کر سکتی وہ۔ زیادہ سے زیادہ لڑے جھگڑے گی یا پھر آپ کو چھوڑ جانے کی دھمکیاں دے گی۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولے۔

"وہ صرف دھمکیاں نہیں دیتی۔"

"میں اس پر بحث نہیں کروں گی۔" اس نے منہ پھلا کر کہا اور گاڑی کی چھت پر دونوں بازو رکھ کر ان پر پیشانی ٹکالی۔

"ارے، تم رونے لگیں؟"

"روؤں گی کیوں؟" اس نے فوراً چہرہ اونچا کر لیا۔

"اچھا ناراض بھی مت ہو۔ میں کوشش کروں گا۔ پھر قدرے رک کر کہنے لگے۔" رابعہ سے بات کرنا ضروری ہے کیا۔ میرا مطلب ہے اس کے علم میں لائے بغیر بھی میں پروین سے تعلقات استوار کر سکتا ہوں۔"

"بالکل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ رابعہ کو کبھی پتہ نہیں چلے گا، اس لئے میں کہہ رہی ہوں کہ پہلے اسے اعتماد میں لیں، ورنہ بعد میں کسی اور ذریعے سے اسے پتہ چلا تو پھر ایک مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"ہوں......" انہوں نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر اسی کے انداز میں بولے۔ "یہی باتیں اگر تم اسے سمجھاؤ۔"

"جی نہیں، مجھے درمیان میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہے اور اسے بتائیے گا بھی نہیں کہ میں نے ایسی کوئی بات کی ہے۔" اس نے کہا تو وہ شپٹا کر بولے۔

"تو مجھے کیوں پھنسا رہی ہو؟"

"آپ پہلے سے پھنسے ہوئے ہیں بھائی صاحب! اور اب خاموش ہو جائیے کیونکہ آپ کی خونخوار بیوی آ رہی ہے۔" اس نے رابعہ کو آتے دیکھ کر کہا اور فوراً گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

ڈاکٹر عفان نے اسے گھور کر دیکھا پھر رابعہ کے لئے دروازہ کھول دیا اور اس کے بیٹھنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

☆☆☆

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی بے کلی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ حالانکہ اس نے خود کو کام میں بے حد مصروف کر لیا تھا۔ بزنس سے ناواقفیت کے باوجود سارا دن فائلوں میں سر کھپاتا اور نئے کانٹیکٹ حاصل کرنے کے لئے دیگر پارٹیوں سے مراسم بھی بڑھا رہا تھا۔ اس کے باوجود اس لڑکی کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے جدا نہیں ہوتا تھا اور اس کا احساس اسے اس وقت ہوتا جب رات کو وہ اپنے دن بھر کے کام سوچنے لگتا اور کام تو پتہ نہیں ہوتے تھے یا نہیں لیکن ان کے درمیان

وہ ہر جگہ ہوتی تھی۔ فائلوں میں، میٹنگز میں اور جب وہ گھر آتا، تب بھی وہ اس کے ساتھ ساتھ ہوتی تھی اور یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی نفی کرنا چاہتا تھا، بس اس سے شاکی تھا کہ وہ کیوں بیگم آفندی سے جا ملی ہے۔ اس عورت کے ہاتھوں ذلیل و رُسوا ہونے کے بعد بھی اس کے حق میں سب کو ہموار کرتی پھر رہی ہے اور اس نے سوچ لیا تھا کہ جب تک وہ بیگم آفندی کے ساتھ ہے، وہ اس سے رابطہ نہیں کرے گا لیکن اب اسے اپنی بات پر قائم رہنا مشکل لگ رہا تھا کہ دل کہیں ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے دل کو سمجھاتے سمجھاتے آخر کار اس کے نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سوہنی تھی۔

"مجھے فائقہ سے بات کرنی ہے۔" وہ فوراً کہہ گیا۔

"آپ کون؟" سوہنی نے پوچھا تو اب وہ سنبھل کر بولا تھا۔

"اسفند یار۔"

"جی وہ تو نہیں ہیں، بس ابھی نکلی ہیں۔" سوہنی نے بتایا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھا۔

"کہاں گئی ہیں؟"

"ہاسپٹل۔"

"او کے۔" اس نے فون رکھ دیا اور چند لمحے سوچنے کے بعد طاہر صاحب کو بلا کر ضروری کام بتائے پھر گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ہاسپٹل کے مین گیٹ پر موجود تھا اور چونکہ ہاسپٹل اس کے آفس سے قریب تھا، اس لئے اسے یقین تھا کہ وہ ابھی نہیں پہنچی ہو گی اور اس یقین سے وہ ہر آنے والی سواری کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ ایک رکشہ سے اترتی نظر آئی، تب دھیرے سے گاڑی اس کے قریب لے آیا اور یوں دروازہ کھول دیا کہ جب وہ کترا کر پلٹی تو درمیان میں ایک قدم کا فاصلہ بھی نہیں تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے کہا تو فائقہ نے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"میں پہلے ماما کو دیکھ آؤں۔"

"نہیں، پہلے تمہیں میری بات سننا ہے۔" وہ ضد سے بولا۔

"کیا بات؟"

"تم بیٹھو تو۔" اس کے جھنجلانے پر وہ بیٹھ گئی لیکن دھیان بیگم آفندی کی طرف تھا۔

"ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"ان کا بہت خیال ہے تمہیں اور جو دوسرے تمہاری راہ تکتے ہیں، ان کا کوئی احساس نہیں۔"

اس نے چڑ کر کہا اور اسپیڈ سے گاڑی آگے بڑھادی۔

"دوسرے سے مراد اگر تم ہو تو تمہیں میری راہ تکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ بہت آرام سے بولی تھی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نے ماما کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا اور وہ مزید سلگ کر کہنے لگا۔

"اگر میں پوچھوں کیوں تو تم کہو گی، شیری کی خاطر، پھر مزید تمہیدیں باندھو گی کہ وہ شیری کی ماں ہیں۔ شیری ان سے بہت محبت کرتا تھا اور تمہاری وفاداریاں شیری کے ساتھ ہیں، وغیرہ وغیرہ۔"

"تو تمہیں اس میں کوئی شک ہے؟" فائقہ نے قدرے ناگواری سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔"

"پھر ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"نہیں کروں گا۔ اگر تم ایمانداری سے میری بات کا جواب دو۔" وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا تھا۔

"کون سی بات کا؟" وہ شاید سمجھ گئی تھی، جب ہی سامنے سے کیسٹ اٹھا کر الٹنے پلٹنے لگی۔

"وہی جو تم نے کہا تھا کہ جب ٹھیک ہو کر گھر آجاؤ گے تب بتاؤں گی۔" اس نے کہا تو وہ بے نیازی سے بولی۔

"مجھے یاد نہیں ہے۔"

"میں یاد دلاتا ہوں۔" وہ فوراً کہہ کر اپنی بات دہرانے لگا۔ "اگر میں گولی لگنے سے مر جاتا تو تمہیں کتنا افسوس ہوتا۔ شیری سے زیادہ؟"

وہ فوراً کچھ نہیں بولی۔ کیسٹ واپس رکھتے ہوئے بقیہ کیسٹس کو بھی ترتیب سے رکھنے میں کچھ وقت لگایا۔ گویا اس بہانے خود کو تیار کر رہی تھی۔ جبکہ وہ اس کی ایک ایک حرکت دیکھنے کے ساتھ اس کے بولنے کا شدت سے منتظر تھا اور وہ اس کا ضبط آزمانے کے بعد گویا ہوئی تھی۔

"اصل میں شہریار کا جانا پہلے سے طے تھا۔ یعنی ہم جان چکے تھے کہ اس کی زندگی تھوڑے دن کی رہ گئی ہے۔ یوں اس کی موت کو اچانک موت بھی نہیں کہا جاسکتا اور میرا خیال ہے، اچانک موت کا صدمہ زیادہ گہرا اور مدتوں نہ بھلایا جانے والا ہوتا ہے۔"

"میں نے یہ ساری باتیں سوچنے کے بعد ہی یہ سوال اٹھایا تھا اور تمہاری طرف سے میں صرف ہاں یا نہیں سننا چاہتا ہوں۔"

"ہاں!" وہ اچانک ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

وہ پہلی بار اس کے رونے سے پریشان ہوا نہ بے کل اور نہ ہی اسے چپ کرانے کی کوشش کی کیونکہ اس اچانک برسات سے اس کے اندر دہکتا الاؤ جو سرد ہو رہا تھا۔

"تم بہت برے ہو۔ کیوں مجھے میرے حصار میں نہیں رہنے دیتے۔ کیوں اسے توڑنے کے درپے ہو اور تم توڑ بھی ڈالو تو شیری کی جگہ نہیں لے سکتے۔ سنا تم نے۔ تم شیری نہیں بن سکتے۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولے جارہی تھی۔

اور وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے گاڑی راؤنڈ اباؤٹ سے موڑ کر واپس ہاسپٹل کے سامنے لا روکی تو گاڑی رکتے پر فائقہ نے ہاتھوں سے چہرہ نکال کر پہلے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اسے دیکھ کر بولی۔

"تم اگر مر جاتے تو مجھے بالکل افسوس نہیں ہوتا۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ بے ساختہ مسکرایا اور اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں، تم پکی جھوٹی ہو۔"

"کیا جھوٹ بولا میں نے تم سے؟" وہ بگڑی۔

"کوئی ایک جھوٹ؟ وقت آنے پر سب بتاؤں گا۔ ابھی جاؤ، ساس انتظار کر رہی ہو گی۔ اور سنو، جب تمہاری ساس مر جائے تو مجھے فوراً اطلاع کرنا۔"

"تم......" وہ انتہائی غصے سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"سب کو مرنا ہے۔ ہوسکتا ہے اس سے پہلے میں......"

"بس......" فائقہ نے بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر فوراً کھینچ بھی لیا پھر تیزی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے ہاسپٹل کا گیٹ پار کر گئی۔

وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی، تب اس نے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

ڈاکٹر نے بیگم آفندی کو گھر لے جانے کی اجازت تو بہت پہلے دے دی تھی لیکن وہ چونکہ آفندی ہاؤس نہیں جانا چاہتی تھیں، اس لئے اس نے ڈاکٹر سے یہ کہہ کر انہیں وہیں رہنے دیا کہ جب تک یہ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو جاتیں، وہ انہیں یہیں رکھنا چاہتی ہے اور اس دوران وہ اپنے گھر کی سیٹنگ اور ملازمہ وغیرہ کا انتظام کرلینا چاہتی تھی۔ سیٹنگ کے لئے گو کہ اسے زیادہ تردد نہیں کرنا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کوئی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں تھا کیونکہ سوہنی کی شادی کے باعث گھر میں ہی اتنے کام تھے۔ عثمان تو بالکل بھی فارغ نہیں تھا۔ ایک لے دے کے رابعہ تھی جس سے کہہ کر وہ اپنی شامت نہیں بلانا چاہتی تھی۔ یوں سوہنی کی شادی تک اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا اور یہ سوچ کر خود کو اطمینان دلایا کہ شادی کے بعد سوہنی اور عظام مل کر اس کی سیٹنگ میں مدد کریں

گے۔

بہر حال دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ وہ وقتی طور پر باقی سب کچھ بھلا کر شادی کے کاموں میں مصروف ہو گئی اور اب ساتھ ساتھ اسے احمد کو بھی سنبھالنا تھا کیونکہ سوہنی مایوں بیٹھ چکی تھی، ورنہ وہی احمد کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھتی تھی جبکہ رابعہ موڈی تھی۔ مزید اب نئے مہمان کی آمد کے آثار نے اسے کچھ چڑچڑا بھی بنا دیا تھا۔ مایوں والے دن سے رہنے تو آ گئی تھی لیکن ہر کام کے لئے صاف انکار۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، چکر آتے ہیں۔''

'طبیعت ٹھیک تھی تو کون سا کرتی تھی۔' وہ جل کر سوچتی۔ کہنے سے یوں گریز کرتی کہ خوشی کے موقع پر بدمزگی نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔

اور پھر یہ خوشی کے مرحلے بخیر و خوبی طے ہو گئے۔ سوہنی، عظام کے سنگ رخصت ہو گئی تو ساری افراتفری یکدم ختم ہو گئی تھی۔ پھر پہلے راحیلہ نے ''چلو چلو'' کا شور مچایا۔ اس کے بعد رابعہ بھی جانے کو تیار ہو گئی۔ وہ احمد کو سلانے میں لگی ہوئی تھی۔ جب اسے سلا کر کمرے سے نکلی تو امی برآمدے میں اکیلی بیٹھی تھیں۔

''چلے گئے سب؟'' اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے امی سے پوچھ لیا۔

''تم کہاں تھیں؟'' امی نے جواب دینے کی بجائے الٹا اس سے پوچھا۔

''میں احمد کو سلا رہی تھی۔''

''سو گیا؟''

''جی، اب بتائیے کیا کرنا ہے؟''

''بس اب صبح کرنا، جاؤ سو جاؤ تم بھی۔'' امی نے اس کی تھکن کے خیال سے کہا تو وہ قدرے رک کر بولی۔

''ابھی کر لیتی ہوں، صبح پھر مجھے ماما کے پاس جانا ہوگا۔''

''کیوں اس عورت کے لئے اپنی زندگی خراب کرتی ہو۔'' امی نے کہا تو وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''میں جانتی ہوں آپ کو میرا ان کے پاس جانا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن میں کیا کروں، کیسے انہیں اکیلا چھوڑ دوں، کوئی بھی تو نہیں ہے ان کا۔''

''اس نے کسی کو اپنا بنایا ہوتا تو کوئی اپنا ہوتا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں پھر مجھے اس بات سے کیوں روکنا چاہتی ہیں؟'' اس نے امی کا ہاتھ، ہاتھوں میں لے کر کہا تو وہ گہری سانس کے ساتھ بولیں۔

''اب اسے اپنا بنا کر تمہیں کیا ملے گا؟''

''میں کچھ حاصل کرنے کے لئے انہیں نہیں اپنا رہی امی! بلکہ جتنا انہوں نے دیا، وہ سود کے ساتھ لوٹانا چاہتی ہوں۔ اچھائیوں کی صورت میں۔ انہوں نے بے شک میرے لئے برا چاہا لیکن میں چاہوں بھی تو برا نہیں سوچ سکتی اور اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ اللہ نے میری فطرت ہی ایسی بنائی ہے۔''

''ہاں، تم شروع سے ایسی ہو۔ اللہ بخشے تمہاری نانی اماں کہا کرتی تھیں کہ یہ لڑکی اپنا نقصان کر کے بھی خوش ہوتی ہے۔ اور پھر وہ بہت ہنستی تھیں۔'' امی نے گئے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

''انہیں پتہ تھا نا کہ مجھے اس نقصان کے عوض کیا حاصل ہوتا ہے۔''

''کیا؟'' امی نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور وہ کھو گئی تھی۔

''ایک منزل طے ہو جاتی ہے ماں...... ان دیکھی منزل جو کوئی عابد برسہا برس کی عبادت کے بعد بھی شاید ہی طے کر پاتا ہوگا۔''

''اچھا چل...... جا کے سو۔'' امی سمجھیں نہیں تو اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اٹھانا چاہا۔

''ہیں۔'' وہ چونکی پھر وہیں ان کی گود میں سر رکھ لیا۔ ''آپ ناراض تو نہیں ہیں؟''

''نہیں۔''

''میں ماما کے ساتھ رہ لوں؟''

''جب فیصلہ کر چکی ہو تو پوچھتی کیوں ہو؟'' امی نے ٹوکا تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں، اگر آپ منع کر دیں گی تو نہیں جاؤں گی۔''

''میں منع کر کے کیوں گناہ گار بنوں۔ کیا پتہ تمہاری اس نیکی کے بدلے اللہ ہم سب کو بخش دے۔'' امی نے کہا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ان کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی۔

''امی! پیاری امی! آپ کتنی اچھی ہیں۔''

''اچھا بس۔'' امی نے بمشکل خود کو اس کے بازوؤں سے آزاد کیا پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ ''میں جا رہی ہوں سونے۔ تم بھی سو جاؤ۔''

''ہا...... آں...... سو ہی جاتی ہوں۔''

وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں آئی تو کتنی دیر سوہنی کے خالی بیڈ کو دیکھتی رہی، پھر لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ لیٹی۔ تب بھی اس کا دھیان سوہنی ہی کی طرف تھا کہ وہ لڑکی جس نے اپنی زندگی کا ایک رخ بھی ڈھنگ سے نہیں دیکھا تھا، اس پر کتنے در وا ہو گئے تھے۔ وہ بھی جن پر وہ

دستک دینا چاہتی تھی اور جنہیں رابعہ نے زبردستی کھولنا چاہا تھا لیکن وہ کھلے اس کے لئے جس کا مقدر سب سے زیادہ روشن تھا۔

"ہمیشہ خوش رہو سوہنی! اور عظام بھائی آپ بھی۔"

اس نے صدقِ دل سے دونوں کو دعا دی پھر پلکیں موند لیں تو بجائے اندھیرے کے پلکوں کے اندر بہت مدھم مدھم روشنی تھی یا یہ اس کا احساس تھا یا جو بھی تھا، پہلے اس نے اپنے اندر ہلکی سی سرسراہٹ محسوس کی پھر جانے کہاں پرواز کرنے لگی تھی۔ کبھی اسے اپنا وجود سنگلاخ چٹانوں سے ٹکراتا محسوس ہوتا، کبھی وہ بادلوں کی نرمیوں میں گم ہو رہی تھی پھر ایک روشن ستارہ تھا۔

"ہاں یہی ہے، جیسے اوّلین صبح۔" وہ اپنا احوال سنا رہا تھا۔ اس کے سینے میں سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں اور سماعتوں پر بھی دستک ہو رہی تھی۔

رہگزر، سایۂ شجر و در، حلقۂ بام
بام پر سینۂ مہتاب کھلا آہستہ
جس طرح کھولے کوئی بندِ قبا آہستہ
حلقۂ بام تلے، سایوں کا ٹھہرا ہوا نیل
نیل کی جھیل
جھیل میں چپکے سے تیرا، کسی پتے کا حباب
ایک پل تیرا، چلا، پھوٹ گیا، آہستہ
بہت آہستہ، بہت ہلکا، خنک رنگ شراب
میرے شیشے میں ڈھلا، آہستہ
شیشہ و جام، صراحی، تیرے ہاتھوں کے گلاب
جس طرح دور کسی خواب کا نقش
آپ ہی آپ بنا اور مٹا، آہستہ
دل نے دہرایا کوئی حرفِ وفا، آہستہ
تم نے کہا، آہستہ
چاند نے جھک کے کہا
اور ذرا آہستہ

دھیرے دھیرے ستارہ مدھم ہو رہا تھا اور آسمان پر نیلاہٹیں واضح ہو رہی تھیں۔ وہ بادلوں کے سنگ سفر کرتی جانے کس وادی میں جا اتری تھی جہاں حدِ نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس نے کسی اور

ذی نفس کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو بس ایک پرندہ نظر آیا۔ سفید پرندہ جو اس کے سر پر یوں گول دائرے میں چکر کھا رہا تھا جیسے اس کا طواف کر رہا ہو۔ وہ سر اونچا کئے اسے دیکھے گئی پھر جیسے ہی دونوں بازو پھیلا کر اسے پکڑنا چاہا، وہ آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔

"سنو..... سنو!" وہ اسے پکارتے پکارتے خود بھی گم ہو گئی تھی۔

یہ خواب تھا یا ہر پل اس کے احساس میں سمایا وہ عکس جو دور ہو کر بھی دور نہیں تھا۔ بہرحال صبح بے حد مضمحل تھی۔ کیونکہ رات والی کیفیت سے نکل نہیں پائی تھی۔ چلتے چلتے رک کر سوچنے لگی۔

"کیا تھا، میں کہاں تھی اور وہ...... وہ پرندہ...... وہ میرے گرد کیوں چکرا رہا تھا پھر دور کیوں چلا گیا؟"

"اُفوہ، خواب میں تو تھا۔" سر جھٹکتی اور کچھ دیر بعد پھر وہی سوچنے لگتی۔ سارا دن کچھ کر سکی نہ ہی بیگم آفندی کے پاس گئی۔ شام ہوتے ہوتے اس کے اندر ڈھیروں ملال اتر آیا۔

"مجھے ماما کے پاس ضرور جانا چاہئے تھا۔ کتنا انتظار کیا ہوگا انہوں نے۔ اب جب وہ میری عادی ہو گئی ہیں تو مجھے کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔"

وہ خود کو سرزنش کر رہی تھی کہ فون کی بیل نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ امی شاید نماز پڑھ رہی تھیں، اس لئے اسے ہی اٹھ کر آنا پڑا۔

"ہیلو۔"

"تم نے غلط کہا تھا کہ تمہیں ماما سے محبت نہیں ہے۔" دوسری طرف اسفندیار تھا، اس کی آواز پہچانتے ہی شروع ہو گیا تھا۔ "اور تم نے یہ بھی غلط کہا کہ تمہیں ان کے مرنے جینے سے کوئی سروکار نہیں۔ البتہ اس میں تھوڑی سی سچائی ہے کہ صرف شیری کی خاطر...... اور زیادہ سچائی یہ ہے کہ تم کسی سے نفرت کر ہی نہیں سکتیں۔ اپنے جانی دشمن سے بھی نہیں۔ کیونکہ تم سراپا محبت ہو، تمہارے وجود سے محبت کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔"

"ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟" اس نے ٹوکا۔

"میں چاہتا ہوں، تم خود کو اور دوسروں کو یہ کہہ کر فریب نہ دو کہ تم صرف شہریار کے ساتھ وفاداری نبھا رہی ہو۔" اس نے کہا تو وہ عاجزی سے بولی۔

"سنو۔ میں جو بھی کر رہی ہوں، تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ یوں بھی میں ماما کے ساتھ کل اپنے گھر شفٹ ہو رہی ہوں۔"

"اور میں، اماں اور الیشبہ کو لے کر ہمیشہ کے لئے مظفر گڑھ جا رہا ہوں۔" اس نے کہا تو وہ چیخی۔

"کیوں؟"

"میری مرضی۔" اس نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

وہ کتنی دیر ریسیور کو دیکھتی رہی پھر پٹخ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"سمجھتا ہے میں اسے روکوں گی، منتیں کروں گی اور ماما کو چھوڑ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دوں گی، کبھی نہیں۔ ایسے کم ظرف کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں جس میں معاف کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ سب نے معاف کر دیا ماما کو، ایک وہی اڑا ہوا ہے۔"

وہ مستقل جھنجلا رہی تھی۔

پھر اس نے رات کو ہی امی ابو کو تیار کر لیا تھا کہ صبح وہ اس کے ساتھ ہاسپٹل چلیں گے اور ماما کو گھر لے جانے میں اس کی مدد کریں گے۔ یوں بھی وہ چاہتی تھی کہ امی ابو اس کی طرف سے اپنا اطمینان کر لیں۔ بہرحال صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اس نے "چلو چلو" کی رٹ لگا دی لیکن امی، عظام کو فون کر چکی تھیں اور وہ انہی کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی عظام بھائی کو بلانے کی، ہم ٹیکسی سے چلے جاتے۔"

"وہاں سے تمہاری ساس کو بھی تو لینا ہے۔ اپنی سواری میں آرام سے لے جا سکیں گے۔" امی نے دھیرج سے کہا تو وہ خاموش ہو رہی۔

کچھ دیر بعد عظام آ گئے تو امی انہیں تفصیل سے بتانے لگیں کہ ہاسپٹل سے اس کی ساس کو لینا ہے پھر ان کے گھر پر چھوڑنا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس دوران وہ جز بز ہوتی رہی پھر ابو کے ٹوکنے پر ہی امی اٹھی تھیں۔

ہاسپٹل کے بل میں کافی رقم وہ پہلے جمع کرا چکی تھی، کچھ واجبات اب ادا کرنے تھے جس میں اسے تھوڑا وقت لگا اور پتہ نہیں کیوں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسے کچھ کھونے کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ جب ہی کچھ زیادہ عجلت کا اظہار کر رہی تھی۔

"تم تو ایسے کر رہی ہو جیسے گاڑی نکلی جا رہی ہو۔" عظام نے ٹوکا تھا اور وہ چونک پڑی۔

"گاڑی، کون سی گاڑی؟"

"چلو تم اپنی ساس کو لے کر جاؤ، میں یہ سب کلیئر کروا کے آتا ہوں۔" عظام نے اس کے ہاتھ سے پیپرز لے کر اسے پیچھے دھکیل دیا پھر بھی وہ وہیں کھڑی رہی۔ پھر جب وہ فارغ ہو گئے تب ان کے ساتھ بیگم آفندی کے روم میں آئی اور انہیں وہیل چیئر پر بیٹھے دیکھ کر اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

امی، احمد کو ان کے قریب کئے کھڑی تھیں اور وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لئے کبھی چومتیں، کبھی

اپنے چہرے کے ساتھ اس کا چہرہ رگڑ رہی تھیں۔

"چلو بیٹا!" ابو نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے آگے بڑھ کر وہیل چیئر تھام لی اور آہستہ آہستہ چلنے لگی جبکہ اس کے آنسو روانی سے چھلک رہے تھے جب ہی سامنے کا منظر کبھی صاف ہوتا، کبھی دھندلا رہا تھا اور وہ یونہی چلتی چلی گئی۔ جب مین گیٹ تک پہنچی، ایک پل کو منظر صاف ہوا تھا۔ اس کے بعد دھند میں بھی وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اونچا پورا مرد ماما کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا تھا۔

"میں شیری نہیں ہوں لیکن اس سے الگ بھی نہیں ہوں۔ ایک باپ کی اولاد الگ نہیں ہوتی۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، میں آپ کا بیٹا ہوں اور بیٹے کے ہوتے ہوئے آپ کہیں نہیں جا سکتیں۔"

بیگم آفندی رو رہی تھیں، جب ہی کچھ بول نہیں پائیں۔

"آپ روتی کیوں ہیں، میں مر گیا ہوں کیا؟" وہ ہمیشہ سے ایسے ہی بے دھڑک بولتا تھا اور وہ جو اسے مارنے پر تلی تھیں، سچ مچ دہل کر بولی تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔"

اسفندیار کے چہرے پر محسوس کی جانے والی مسکراہٹ چمکی تھی پھر اپنے ہاتھوں سے بیگم آفندی کے آنسو صاف کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور پہلے امی ابو سے انہیں اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی پھر اس کے پاس چلا آیا۔

وہ ابھی بھی دھند میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں تو چاہتا ہوں، اسی وقت تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں لیکن اماں نے منع کر دیا تھا۔ کہہ رہی تھیں، پہلے ہم آفندی ہاؤس کو سجائیں گے پھر باقاعدہ بینڈ باجے کے ساتھ تمہیں لے کر آئیں گے۔ حالانکہ میں نے ان سے کہا بھی کہ یہ مظفر گڑھ نہیں ہے۔ یہاں بینڈ باجوں کا رواج ختم ہو چکا ہے لیکن......"

وہ اس کے کان کے قریب بولے جا رہا تھا اور وہ سب سن رہی تھی۔ جو وہ کہہ رہا تھا اور جو اس کے اندر بول رہا تھا۔

"شیری کو دل کے کسی نہاں خانے میں بند کر دینا اور کبھی کبھار وہاں جھانکنا اور جو کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو پھر کبھی کبھار بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر اجازت۔ ماما کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے سارے آنسو ایک ساتھ گرا ڈالے اور وہیل چیئر چھوڑ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''فائقہ!'' بیگم آفندی کو اس کا ہٹنا محسوس ہوا تھا۔ بے اختیار پکارا تو وہ فوراً ان کے سامنے آ گئی۔

''جی ماما!''

''بیٹا! تم اور احمد...... کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی؟'' ان کے اندر کوئی خدشہ نہیں تھا بلکہ محض یہ احساس کہ یوں ان کے بغیر وہ کیسے رہیں گی۔

''میں آؤں گی ماما! جلد ہی آؤں گی۔'' وہ ان کا ہاتھ تھپک کر اطمینان دلا رہی تھی کہ ادھر سے وہ بول پڑا۔

''بہت جلدی مچانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اماں کو ابھی بہت ساری تیاری کرنا ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ کھڑے عظام کو مسکراتے دیکھ کر بری طرح سٹپٹا گئی۔

''او کے، ہم چلتے ہیں۔'' وہ اسے آنکھ مار کر مسکرایا اور وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''چلو۔'' عظام اسے چلنے کا کہہ کر امی ابو کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تو ان کے پیچھے چلنے سے پہلے اس نے سر اونچا کر کے آسمان کو دیکھا تھا۔ بہت دور سفید پرندہ اسے ہاتھ ہلاتا ہوا جا رہا تھا۔ جواباً اس نے بے اختیار ہاتھ بلند کیا لیکن پھر فوراً مٹھی بند کر لی۔ اس بند مٹھی میں گلاب لمحوں کی سوغاتیں تھیں اور آنے والا شخص خواہ کتنے گلاب لمحوں کا پیام لے کر آئے، ان سوغاتوں سے بھی وہ دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔